بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صيانة الإنسان عن وسواس الشيخ دحلان

شیخ دحلان کے وسوسوں سے انسان کی حفاظت

www.KitaboSunnat.com

اظہارِ حق

مصنف

فخر المتاخرین محدث العصر

علامہ محمد بشیر سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

عبد العظیم حسن زئی

مدرس: جامعہ ستاریہ اسلامیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیه

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صیانۃ الانسان عن وسواس الشیخ دحلان

اردو ترجمہ

شیخ دحلان کے وسوں سے انسان کی حفاظت

www.kitabosunnat.com

اظہارِ حق

مصنف

فخر المتاخرین محدث العصر

علامہ محمد بشیر سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

عبد العظیم حسن زئی

مدرس: جامعہ ستاریہ اسلامیہ، گلشن اقبال، کراچی

مدیر: پندرہ روزہ صحیفہ اہل حدیث، کراچی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقوق طبع محفوظ

260
مس ہوس - ص

نام کتاب

صیانۃ الانسان عن وسواس الشیخ دحلان (اظہارِ حق)

تالیف

علامہ محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ

مولانا عبدالعظیم حسن زئی

حسب فرمائش

عبدالمعید نقوی

تعداد

ایک ہزار (1000)

سن اشاعت

ستمبر 2015 عیسوی

المکتبۃ الرحمانیۃ
99-جے ماڈل ٹاؤن۔لاہور
نمبر 25165

اسٹاکسٹ

1- مکتبہ ایوبیہ، ناشران اسلامی کتب و قرآن مجید، حدیث محل اے۔ایم نمبر 1 محمد بن قاسم روڈ، کراچی

2- مکتبہ ستاریہ، جامعہ ستاریہ اسلامیہ، بلاک 6 گلشن اقبال، کراچی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	عرض مترجم	21
۲	مقدمہ	29
۳	آغاز کتاب	41
۴	زیارت نبوی ﷺ کے بارے میں بحث اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف	42
۵	مسجد نبوی ﷺ اور اس میں نماز، اور نبی ﷺ پر سلام کی فضیلت	43
۶	قبر نبوی ﷺ کی زیارت کے لیے استدلال	44
۷	آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے پاس آنا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی قبر پر آنا دونوں ایک نہیں ہیں۔	45
۸	برزخی زندگی کو دنیاوی زندگی پر قیاس کرنا باطل ہے	47
۹	آپ ﷺ کا توبہ کرنے والوں اور مومنین کے لیے استغفار۔ اس بارے میں آیات	48
۱۰	جنگ تبوک سے پیچھے رہنے والوں کی توبہ اور آپ ﷺ کا ان کے لیے استغفار	49
۱۱	اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کے استغفار اور ان کے لیے آپ ﷺ کے استغفار کے بارے میں اقوال	50
۱۲	ان کے استغفار کے بعد آپ ﷺ کے ان کے لیے استغفار کی حکمت	51
۱۳	رسول ﷺ کا توبہ کرنے والوں کے لیے استغفار سے متعلق التقی السبکی کے قول کا رد	53
۱۴	شیخ دحلان کا موت کے احکام کو زندگی کے احکام پر قیاس کرنا	54
۱۵	سلف اور ائمہ کے مسلک کے خلاف مقلدین کا قول اور سبکی کا اس سے استدلال	55
۱۶	سیاق شرط میں نکرہ کا عموم سیاق نفی کی طرح ہے	55
۱۷	دحلان کے قول کا مطلب ہے کہ ہر ظالم لنفسہ رسول ﷺ کے پاس آئے	56
۱۸	یہ کہنا کہ ہر گناہ گار کو رسول ﷺ کی قبر کے پاس آنا چاہیے	57
۱۹	آپ ﷺ کی قبر کے حجرات کے پیچھے سے آپ ﷺ کو پکارنا آپ ﷺ کو زندگی میں پکارے جانے کی طرح ہے	58

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۰	مساجد، خاص کر مسجد نبوی ﷺ میں بلند آواز ممنوع ہے	59
۲۱	آپ ﷺ کی قبر کے پاس سلام کے آداب	60
۲۲	اگر آپ ﷺ کو قبر کے پاس پکارنا صحیح ہے تو وہاں آپ ﷺ کی بیعت بھی صحیح ہوگی	61
۲۳	شیخ دحلان کے قول سے صحابہ کرام اور تابعین (نعوذ باللہ) جاہل ثابت ہوتے ہیں	62
۲۴	یہ دعویٰ کہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت اللہ و رسول ﷺ کی طرف ہجرت ہے	63
۲۵	ہجرت کا لغوی معنی۔ قبر کی زیارت اس میں شامل نہیں ہے	64
۲۶	آپ ﷺ کی طرف ہجرت کرنا اور پھر اس کو ختم نہ کرنا اور مکہ میں ٹھہرنا	65
۲۷	ہجرت اور اس کے لیے بیعت اور آپ ﷺ کا مدینہ کے لیے دعا کرنا	66
۲۸	مہاجرین کے لیے مکہ میں ٹھہرنا حرام ہے	67
۲۹	آپ ﷺ کا اپنے وطن مکہ سے محبت اور مدینہ میں آپ ﷺ کا رہائش اختیار کرنا	68
۳۰	آپ ﷺ کی قبر کی زیارت پر سنت، قیاس اور اجماع سے استدلال	69
۳۱	حدیث: "من حج البيت ولم يزرني" صحیح نہیں ہے	72
۳۲	حدیث: "من زار قبري وجبت له شفاعتي" صحیح نہیں ہے	73
۳۳	راویانِ حدیث کی جرح کے مراتب	74
۳۴	عبداللہ بن عمر العمری کے ضعف کے بارے میں اقوال	75
۳۵	کسی راوی کو ثقہ کہنے کے تین معانی ہیں	76
۳۶	عبداللہ بن ابراہیم الغفاری کے ضعف کے بارے میں اقوال	77
۳۷	عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے ضعف کے بارے میں اقوال	78
۳۸	عبدالرحمن بن زید اور عبداللہ بن ابراہیم حدیثیں وضع کرتے تھے	79
۳۹	حدیث: "من زارني بعد موتي فكانما زار في حياتي" صحیح نہیں ہے	80
۴۰	ہارون بن قزعہ اور قزعہ مجہول ہیں، متروک ہیں	81
۴۱	حدیث: "من جاءني زائرا" سلمہ بن سالم سے ہے اور وہ ضعیف ہے	82
۴۲	سرمین حجامہ سے متعلق احادیث	83
۴۳	حفص احادیث میں ضعیف اور قراءت میں ثقہ ہے	85

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۴	لیث بن سلیم کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے	88
۴۵	احمد بن محمد بن الحجاج، اپنے باپ دادا کی طرح ضعیف ہے	89
۴۶	حدیث: "من حج فزارنی فی مسجدی بعد وفاتی اور من زارنی الی المدینۃ"	92
۴۷	حدیث: "من استطاع منکم ان یموت فی المدینۃ" ضعیف ہے	93
۴۸	زیارت قبر نبوی ﷺ سے متعلق احادیث، سب ضعیف ہیں	96
۴۹	شیخ دحلان کا یہ قول باطل ہے کہ ہر زیارت قربت ہے اور ہر قربت کے لیے سفر بھی قربت ہے	97
۵۰	مساجد کی طرف جانے سے متعلق احادیث اور قربت کی معانی	98
۵۱	قبر نبوی کی زیارت بھی عام زیارت میں شامل ہے، یہ خصوصی طور پر مشروع نہیں ہے	99
۵۲	آپ ﷺ کی قبر کے بارے میں غلو کرنے کا مسئلہ	100
۵۳	آپ ﷺ کی تعظیم سے متعلق السبکی کی عبارت	101
۵۴	قبر پرستوں اور ایک اللہ کے عبادت گزاروں کے شعور میں فرق؟	101
۵۵	سبکی نے صحیح احادیث کو کمزور اور محکم کو متشابہ کی طرف پھیر دیا	102
۵۶	ائمہ اور تابعین نے رسول ﷺ کی قبر کے پاس بار بار آنے اور اس کو میلہ کی جگہ بنانے سے منع کیا ہے	103
۵۷	آپ ﷺ کی تعظیم آپ ﷺ کی اتباع کر کے کی جائے یا اتباع کسی اور کی ہو اور آپ ﷺ کی قبر کی تعظیم اور آپ ﷺ کی مدح کیجائے ان دونوں میں فرق؟	104
۵۸	قبر پرست آپ ﷺ کی تعظیم اس طرح کرتے ہیں جس طرح روافض علی رضی اللہ عنہ اور نصاریٰ جناب عیسیٰ علیہ السلام کر کرتے ہیں	105
۵۹	شرک کی طرف لے جانے والی بدعی زیارت ممنوع ہے	106
۶۰	نبی ﷺ کی وہ تعظیم جو منع ہے اس کی دو قسمیں ہیں ا۔ کفر ۲۔ شرک	107
۶۱	حدیث: "شد الرحال" پر بحث اور اس کا صحیح مفہوم	108
۶۲	شہر بن حوشب کے بارے میں محدثین کی آراء	112
۶۳	منکر اور شاذ احادیث روایت کرنے والا اور جرح کا تعدیل پر مقدم ہونا	113
۶۴	سبب بیان کیے بغیر جرح قبول کرنے کا مطلب	113

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۵	شد الرحال کے بارے میں روایات	113
۶۶	شاذ اور منکر حدیث کس کو کہا جاتا ہے؟	114
۶۷	متن اور سند میں شاذ احادیث کی مثالیں	120
۶۸	حدیث: "اسئلک بحق السائلین علیک"	128
۶۹	ترمذی کی صحیح اور حسن قرار دی گئی احادیث پر محدثین کا اعتراض	129
۷۰	ضعیف کو صحیح قرار دینا، یہ محدثین کے نزدیک ترمذی کی خاص اصطلاح ہے	130
۷۱	ترمذی کی طرف ابن خزیمہ، ابن حبان اور البغوی کی تصحیح بھی ناقابل اعتبار ہے	131
۷۲	المنذری نے بہت سے مواقع پر ترمذی کی تصحیح اور تحسین کو رد کیا ہے	131
۷۳	جامع ترمذی میں متعدد احادیث معلل ہیں	141
۷۴	حدیث کو صحیح قرار دینے کی دو قسمیں ہیں	143
۷۵	اس بات کی تحقیق کی حدیث: "اللهم بحق السائلین علیک" منکر ہے	144
۷۶	روح بن صلاح المصری سے فاطمہ بنت اسد کی حدیث	146
۷۷	حدیث: آدم علیہ السلام کا سوال بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم، علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسین رضی اللہ عنہ	147
۷۸	نابینا شخص والی حدیث کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنے کی بنا پر بینائی مل گئی تھی	148
۷۹	حدیث کو صحیح قرار دینے میں ترمذی، حاکم، ابن حبان اور ابن خزیمہ کا تساہل	149
۸۰	رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے دعا کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس بارش کی دعا کرنے کے بارے میں روایت	150
۸۱	آدم علیہ السلام کا اپنی مغفرت کے لیے بحق النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرنا	150
۸۲	توسل آدم علیہ السلام والی حدیث کو صحیح قرار دینے میں حاکم نے غلطی کی ہے اور سبکی کی تقلید کی ہے	152
۸۳	توسل کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ اور منصور کا واقعہ	156
۸۴	عمر رضی اللہ عنہ کا عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش طلب کرنا اور عباس رضی اللہ عنہ کا دعا کرنا	157
۸۵	حدیث کہ: "حق عمر کی زبان پر جاری ہوا ہے" اور عمر رضی اللہ عنہ کا قرآن سے موافقت	158
۸۶	عمر رضی اللہ عنہ کے "مُحَدَّث" ہونے کا کیا معنی ہے؟	159
۸۷	عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد پر اعتراض	161
۸۸	حدیث "جعل الحق علی لسان عمرو قلبه" کی تعلیل	166

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸۹	”نزول السكينة على لسان عمر“ اس بارے میں اقوال	166
۹۰	حدیث: ”علی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کہ حق ان کے ساتھ رہے“	167
۹۱	حدیث: ”اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا“	168
۹۲	حدیث: ”ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا اور اس کا مطلب؟	169
۹۳	معروف میں امیر کی اطاعت	170
۹۴	وسیلہ کی تحقیق	171
۹۵	مشرکین توحید ربوبیت کے قائل تھے الوہیت کے نہیں	172
۹۶	اعتقاد، وسیلہ، نذر اور ذبح لغیر اللہ میں شرک	173
۹۷	استغاثہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) عبادت (۲) عادت کے طور پر۔ دونوں میں فرق	174
۹۸	آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت اور وسیلہ لینے کے دو معانی ہیں	175
۹۹	انسان کا اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ لینا جائز ہے جیسا کہ اصحاب الغار نے کیا	176
۱۰۰	باطل وسیلہ: شرک میں شمار ہوتا ہے	176
۱۰۱	اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارنا کسی سے فریاد کرنا شرک ہے	178
۱۰۲	توحید الوہیت وربوبیت کے بارے میں آیات اور مشرکین کی غلط فہمیاں	180
۱۰۳	بت کو اللہ کا شریک بنانا، فرشتہ، ولی یا کسی نبی کو اللہ کا شریک بنانے کی طرح ہے	183
۱۰۴	قبر پرستوں نے بھی مشرکین عرب کی طرح کفر اور ایمان کو یکجا کر دیا ہے	184
۱۰۵	مردوں کے لیے ذبح کرنا، ان کو پکارنا ان کے لیے نذر ماننا ان کی عبادت ہے	184
۱۰۶	یہ دعویٰ باطل ہے کہ مردوں کو عبادت کی نیت سے نہیں پکارتے	185
۱۰۷	آخرت میں انبیاء کی شفاعت اور دنیا میں ان سے دعا کرنا	188
۱۰۸	بعض لوگوں کی رائے میں مردوں کو پکارنا عملی کفر ہے اعتقادی نہیں ہے	189
۱۰۹	اعتقادی اور عملی کفر	189
۱۱۰	اس بات کی تحقیق کہ مردوں کو پکارنا عملی اور اعتقادی کفر ہے	190
۱۱۱	قبر پرست بھی بت پرستوں کی طرح ہیں، بلکہ شرک وکفر میں ان سے زیادہ سخت ہیں	191
۱۱۲	(پہلے دور کے) مشرکین تکالیف میں ایک اللہ کو پکارتے تھے	192
۱۱۳	جائز وسیلہ وہ ہے کہ انسان اپنے عمل کو رب کے سامنے وسیلہ بنائے نہ کہ کسی اور کے عمل کو	194

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

۱۱۴	قبروں پر جانے اور ان کے وسیلے کی تین حالتیں ہیں	195
۱۱۵	اس بات کے دلائل کہ انبیاء اور اولیاء کو پکارنا اور ان کو اللہ کے پاس وسیلہ بنانا شرک ہے	196
۱۱۶	حقیقی شرک یہ ہے کہ اللہ کے ہاں ضروریات پوری کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کیا جائے	198
۱۱۷	بادشاہوں کے ہاں وسیلہ اور ذریعہ کو بنیاد بنا کر اللہ کے لیے وسیلہ جائز قرار دینا غلط ہے	201
۱۱۸	اللہ کے ارادے میں شفاعت کا اثر بچند وجوہ ناممکن ہے	202
۱۱۹	غیر اللہ کو پکارنے اور اس سے فریاد کرنے والے کے کفر پر فقہاء کے اقوال	203
۱۲۰	اللہ کے ہاں وسیلہ لینا اللہ کی تنقیص ہے	206
۱۲۱	غیر اللہ کو پکارنا کفر ہے، اس بارے میں آیات	207
۱۲۲	اللہ کے ہاں وسیلہ لینے والے کے کفر پر اجماع	208
۱۲۳	مردوں سے فریاد کرنا نہ تو اسباب میں سے ہے نہ مشروع ہے	210
۱۲۴	بحق السائلین علیہ کے ذریعے سوال مشروع ہے	211
۱۲۵	اللہ کو بحق انبیاء اور بحق اولیاء پکارنا مشروع نہیں ہے	212
۱۲۶	محمد بن عبدالوہاب پر الزامات کہ وہ تکفیری تھے اور مذاہب کو باطل قرار دیتے تھے ان الزامات کا رد	212
۱۲۷	شیخ محمد بن عبدالوہاب کے فرزند عبداللہ کا قول	213
۱۲۸	مفسر آلوسی اور اس کے بیٹے کی توسل کے بارے میں رائے اور سبکی کی غلطی	222
۱۲۹	وسیلہ کا لغوی اور شرعی معنی	223
۱۳۰	قرآن وحدیث میں لفظ وسیلہ کے بارے میں مفسرین کے اقوال	233
۱۳۱	وسیلہ کی اقسام ہیں	234
۱۳۲	اللہ کو اس کے اسماء وصفات کے ذریعے پکارنا	235
۱۳۳	اعمال صالحہ	236
۱۳۴	نبی ﷺ پر ایمان اور اطاعت	237
۱۳۵	نبی ﷺ کی دعا	238
۱۳۶	نبی ﷺ پر درود کا وسیلہ	238
۱۳۷	صالحین کی دعا	239
۱۳۸	بحق فلاں وبجاہ کا وسیلہ	240

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۳۹	شوکانی کا قول باطل ہے کہ صالح آدمی کا وسیلہ اس کے عمل کا ہی وسیلہ ہوتا ہے	241
۱۴۰	کسی اور کے عمل یا ذات کا وسیلہ باطل ہے	242
۱۴۱	نابینا نے آپ ﷺ کی دعا کا وسیلہ لیا تھا، ذات کا نہیں، حدیث بھی صحیح نہیں ہے	243
۱۴۱	غیر اللہ کو پکارنے کے متعدد مراتب ہیں	244
۱۴۲	عباس رضی اللہ عنہ اور نبی ﷺ کے ذریعے بارش کی دعا ایک ہی ہے اور اس سے مراد نماز اور دعا ہے	247
۱۴۳	استسقاء کے بارے میں دحلان کی رائے باطل ہے	248
۱۴۴	دحلان کا یہ دعویٰ ہے کہ اہل سنت وسیلہ کو صحیح کہتے ہیں یہ دعویٰ غلط ہے	249
۱۴۵	اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ تاثیر، نفع اور ضرر غیر اللہ کے پاس نہیں ہے	250
۱۴۶	دحلان کی رائے ہے کہ نیک لوگوں کی دعاؤں کا اللہ کے فعل میں تاثیر ہے	251
۱۴۷	مانعین وسیلہ کے اقوال میں دحلان کی تحریف	252
۱۴۸	شرک صریح کی تاویل مجاز عقلی سے کرنا باطل ہے	253
۱۴۹	حدیث:"يد الله على الجماعة "اور"ان امتى لا تجتمع على ضلالة"ضعیف ہیں	255
۱۵۰	یہ تاویل کہ استغاثہ بغیر اللہ مجاز ہے	259
۱۵۱	محشر میں انبیاء سے استغاثہ مردوں سے استغاثہ نہیں ہے	262
۱۵۲	(دحلان کا) میت سے استغاثہ کو زندہ کے استغاثہ پر قیاس کرنا	263
۱۵۳	قارون کے دھنسنے کا واقعہ جو موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے ہوا	264
۱۵۴	شیخ دحلان افعال کو اللہ اور بندوں کی طرف منسوب کرنے میں تذبذب کا شکار	265
۱۵۵	آپ ﷺ کا وسیلہ آپ ﷺ کے وجود سے قبل اور موت کے بعد	266
۱۵۶	آپ ﷺ کی تعظیم کی اجازت	267
۱۵۷	میلاد پڑھنا اور میلاد کے دیگر امور	268
۱۵۸	جناب محمد ﷺ کی فضیلت میں قرآنی آیات	269
۱۵۹	آپ ﷺ کی شرعی اور بدعی تعظیم	276
۱۶۰	شرعی، لغوی اور عرف کے لحاظ سے کونسا مجاز عقلی صحیح ہے کونسا غلط ہے	281
۱۶۱	زندہ اور مردہ لوگوں میں فرق نہ کرنا اور جبریہ کا مذہب	282
۱۶۲	عمل اور استطاعت سے متعلق احادیث	287

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۶۳	اہل مدینہ نے آپ ﷺ کی قبر آسمان کی طرف ظاہر کر کے بارش کی دعا کی	290
۱۶۴	ایک دیہاتی نے آپ ﷺ کی قبر کے پاس استغفار کی روایت	292
۱۶۵	احکام شرعیہ خوابوں یا بعض علماء کی آراء سے ثابت نہیں ہوئے	293
۱۶۶	دیہاتی نے آپ ﷺ کی قبر کے پاس استغفار کیا یہ حدیث موضوع ہے	294
۱۶۷	حدیث: "حیاتی خیر لکم" مرسل ہے	296
۱۶۸	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ آپ ﷺ کی قبر کا ادب کیسے کرتے تھے؟	297
۱۶۹	دعا اور سلام کے لیے آپ ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہونے پر امام مالک کا اعتراض	298
۱۷۰	منصور اور امام مالک کے مناظرے کی روایت	299
۱۷۱	آپ ﷺ اور مومنین کی قبروں کے پاس مشروع دعائیں	303
۱۷۲	قبروں کی شرعی اور بدعی زیارت اور اس کی دعائیں	307
۱۷۳	مسند ابی حنیفہ حارثی اور لولوی کی ہیں اور یہ دونوں کذاب ہیں	308
۱۷۴	مسند ابی حنیفہ میں جو کچھ ہے وہ امام ابو حنیفہ کا مذہب نہیں ہے	309
۱۷۵	دعا اور سلام کے وقت آپ ﷺ کی قبر یا قبلہ کی طرف رخ کرنا اس بارے میں احناف اور امام مالک کا مذہب	309
۱۷۶	قسم اور سوال میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک صحیح کیا ہے	310
۱۷۷	واقعات جنھیں شرعی دلیل بنا دیا گیا	312
۱۷۸	جو دلیل نہ ہو اس کو دلیل بنانا اور بغیر استدلال کے دعویٰ کرنا	314
۱۷۹	آپ ﷺ کا وسیلہ لینے کے بارے میں اشعار	314
۱۸۰	حدیث الطیر موضوع ہے	316
۱۸۱	ابو طالب کے اشعار سے استشہاد۔ حدیث استسقاء موضوع ہے	321
۱۸۲	"ولو لا محمد ما خلقت الجنة و النار" موضوع ہے	322
۱۸۳	کسی شخص کے وسیلے کو اس کے عمل پر قیاس کرنا	325
۱۸۴	سواد بن قارب جن کے ساتھ واقعہ اور وسیلہ	326
۱۸۵	صفیہ رضی اللہ عنہا کے قول "انت رجاءنا" سے وسیلہ پر استدلال	327
۱۸۶	اللہ کے بارے میں امید اور اس کا مطلب؟ امید صرف اللہ سے رکھی جاتی ہے	329

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۸۷	عمر رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طویل حیات اور عمل کی امید رکھتے تھے	331
۱۸۸	دحلان کے اپنی خواہش کے لیے صفیہ رضی اللہ عنہا کے قول میں تحریف کی	334
۱۸۹	"یا" ندا اور ندب کے لیے استعمال ہوتی ہے	335
۱۹۰	اس (دحلان) کا خیال کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور اہل بیت کا وسیلہ لیا	336
۱۹۱	مؤلفین پر دحلان کا جھوٹ باندھنا اور ان کی عبارتوں میں تحریف کرنا	337
۱۹۲	ابن حبان کا کتاب الثقات میں طریقہ	339
۱۹۳	"اللهم رب جبريل وميكائيل..." والی حدیث	339
۱۹۴	وسیلہ کے بارے میں دحلان کا ابن علان پر جھوٹ باندھنا	342
۱۹۵	لفظ 'رب' کا مخلوق کی طرف اضافت، اس بارے میں آیات	343
۱۹۶	بعض لوگوں کی دعاؤں سے استدلال اور باطل قیاس	347
۱۹۷	جمہور اور سواد اعظم کی اتباع، ایک مغالطہ	348
۱۹۸	اس بارے میں آیات کہ گمراہوں اور مشرکوں کی کثرت اور شکر گزاروں کی قلت ہوتی ہے	349
۱۹۹	لزوم جماعت سے متعلق آیات پر بحث اور اس کا مطلب	352
۲۰۰	اہل سنت والجماعت سے مراد صحابہ اور ان کے متبعین ہیں، اگرچہ تعداد میں کم ہوں	353
۲۰۱	معصیت اور بدعت صحابی کے لیے بھی جائز نہیں	356
۲۰۲	جماعت سے علیحدگی سے متعلق احادیث	358
۲۰۳	اطاعت اور لزوم جماعت کو اطاعت سلطان پر محمول کرنا	360
۲۰۴	شیخ دحلان نے جو کچھ نقل کیا وہ اس کی خواہش کے مطابق ہے مگر کسی اور نے اس سے اتفاق نہیں کیا	361
۲۰۵	سنت اور بدعت کی حقیقت اور اس بارے میں احادیث	362
۲۰۶	حدیث "ما رآه المسلمون حسنا..."	364
۲۰۷	بدعی عبادات پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اعتراض	365
۲۰۸	فتنوں سے متعلق احادیث	366
۲۰۹	اسلام کی غربت اور حجاز تک سمٹ آنے اور اس کو تھامے رکھنے سے متعلق احادیث	367
۲۱۰	علم کے اٹھ جانے، قلت علماء اور کثرت خطباء سے متعلق احادیث	367
۲۱۱	آخر زمانہ میں اسلام کی کمزوری اور بت پرستی سے متعلق احادیث	375

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۱۲	جہل اور کفر کے غلبہ اور ایک جماعت کا حق پر رہنا۔ احادیث	377
۲۱۳	احادیث کی رُو سے سنت آپ ﷺ کی اتباع کو کہا جاتا ہے	378
۲۱۴	لزوم جماعت سے متعلق احادیث اور ان کے بارے میں اقوال	384
۲۱۵	نبی ﷺ نے امت کے لیے جو کچھ (اللہ سے) مانگا کچھ دیا گیا کچھ نہیں	385
۲۱۶	حدیث کو بلفظہ پہنچانا ضروری ہے اور لزوم جماعت	390
۲۱۷	حکم، فیصلہ، مشورہ سے کرنا چاہیے اس بارے میں احادیث اور آثار	393
۲۱۸	اصول قضا کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کا قاضی شریح کو خط	394
۲۱۹	لفظ شفاعت کا لغوی اور شرعی مفہوم، دنیا میں رسول ﷺ کی شفاعت کا مطلب ہے آپ ﷺ کی دعا اور استغفار	395
۲۲۰	نماز جنازہ شفاعت ہے، جنازہ کی ماثورہ دعائیں	395
۲۲۱	انبیاء، ملائکہ اور مومنین کی شفاعت کے بارے میں آیات	398
۲۲۲	آپ ﷺ کی شفاعت عالم برزخ اور قیامت میں اور کون آپ ﷺ کی شفاعت کا مستحق ہوگا	400
۲۲۳	آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ سے دنیا میں شفاعت طلب کرنا خلاف شرع ہے	402
۲۲۴	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی قبر کے پاس دعا یا کسی طلب کے لیے نہیں آتے تھے	403
۲۲۵	قیامت میں اللہ اپنے رسول ﷺ کو شفاعت کی اجازت دے گا	403
۲۲۶	پکار اور دعا عبادت ہے یہ غیر اللہ کے لیے کرنا شرک ہے	404
۲۲۷	شرک کو الوہیت لغیر اللہ میں منحصر کرنا لاعلمی اور کم علمی ہے	407
۲۲۸	نابینا کی دعا سے غیر اللہ کی پکار کے جواز پر دحلان کا استدلال لاعلمی ہے	408
۲۲۹	دحلان کا خیال ہے کہ میت پر سلام بھیجنا اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال کے ذریعے سوال کرنا شرعاً جائز ہے	409
۲۴۰	تشہد کے بارے میں روایات اور تشہد کی دعا میں آپ ﷺ کے لیے خطاب کا صیغہ (السلام علیک ایہا النبی) کا استعمال اور اس کی حکمت	410
۲۴۱	آپ ﷺ نے اپنے لیے خطاب کا صیغہ استعمال کیا اس کی حکمت	417
۲۴۲	حج اور رمی جمار کی حکمت	425
۲۴۳	احادیث: ”یا عباداللہ احسبوا، یا عباداللہ اعینونی“	431
۲۴۴	”واہ محمد“ کے بارے میں آثار صحابہ	432

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۴۵	ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی وفات کے بعد مخاطب کرنا	437
۲۴۶	فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اپنے والد کو مخاطب کرنا	441
۲۴۷	میت کی تلقین کے بارے میں آیات ضعیف ہیں	442
۲۴۸	آپ ﷺ کا مقتولین بدر کو مخاطب کرنا مردوں سے حاجات طلب کرنے کی دلیل نہیں ہے	445
۲۴۹	کسی مسلمان کو بلا دلیل کافر قرار دینا	448
۲۵۰	قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے کو کافر قرار نہیں دینا چاہیے	449
۲۵۱	محمد بن عبدالوہاب پر تکفیر کے الزامات اور ان کے جوابات	450
۲۵۲	غرباء کون لوگ ہیں؟	452
۲۵۳	محمد بن عبدالوہاب نے سواد اعظم کو کافر نہیں کہا	453
۲۵۴	دعا کا صحیح مفہوم کیا ہے؟	457
۲۵۵	محمد بن عبدالوہاب کی سیرت کا خلاصہ	461
۲۵۶	محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ پر ان کے مخالفین کے ۱۲ الزامات اور ان کے جوابات	465
۲۵۷	مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد وہابیوں نے جو کچھ کیا اور مکہ کے علماء کا ان کے دعویٰ کو صحیح قرار دینا	470
۲۵۸	امیر سعود نے مکہ میں توحید و سنت کی تعلیم دی	472
۲۵۹	نجد اور اس کے مضافات میں شیخ کی دعوت سے قبل اور اس کے بعد کے حالات میں فرق	474
۲۶۰	وہابی تحریک کی وجہ سے نجد میں دینی، اصلاحی اور حکومتی سطح کی ترقی	476
۲۶۱	شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ پر اعتراض کرنے والے عثمان بن منصور کے حالات	479
۲۶۲	معترض کا اعتراض کہ شیخ نے دیانتدار علماء سے علم حاصل نہیں کیا	483
۲۶۳	ہر فرقہ اپنے شیخ کی تعریف کرتا ہے	484
۲۶۴	شیخ پر الزام کہ اسلامی ممالک کو کافر قرار دیتے ہیں	485
۲۶۵	دوسرا الزام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تمام فقہاء اور مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں	486
۲۶۶	بعض علماء نے غیر اللہ کو پکارنے کو شرک قرار دیا ہے	488
۲۶۷	توحید کی دو قسمیں ہیں۔ توحید ربوبیت اور توحید الوہیت	489
۲۶۸	ربوبیت اور الوہیت لازم ہیں	493
۲۶۹	مسلمان اور غیر مسلم کے ہاں عبادت اور الٰہ کے معنی میں فرق	501

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۲۷۰	دحلان کا محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ پر الزام کہ نبی ﷺ کا وسیلہ لینے والے کو کافر کہتے تھے	512
۲۷۱	جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اس کے لیے لا الہ الا اللہ کہنا مفید نہیں ہے	513
۲۷۲	شیخ کا خط ان لوگوں کے نام جنہوں نے شیخ کو کافر قرار دیا	514
۲۷۳	سلیمان بن عبد الوہاب کا خط اور اپنے بھائی محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کی طرف رجوع	515
۲۷۴	سلیمان بن عبد الوہاب کا جواب	516
۲۷۵	شیخ محمد بن عبد الوہاب پر الزامات لگانے والا گروہ	518
۲۷۶	اصول و فروع میں شیخ کے متبعین کے اجتہاد کا طریقہ	524
۲۷۷	شیخ پر الزامات لگانے والا ایک اور گروہ اور اس کا جواب	527
۲۷۸	اس بارے میں احادیث کہ امت پر تاویل کرنے والوں کا اندیشہ اور زبان کا ماہر منافق	529
۲۷۹	شبہات کی پیروی کرنے والے ٹیڑھے دلوں والے ہوتے ہیں جبکہ وہابی سلف اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پیروکار ہیں	531
۲۸۰	دحلان کا جھوٹ کہ محمد بن عبد الوہاب کئی سوالوں کا جواب نہ دے سکے	533
۲۸۱	غلط فہمیاں پیدا کرنے اور مسائل کو پیچیدہ بنانے کی ممانعت	534
۲۸۲	خوارج کے بارے میں احادیث	535
۲۸۳	اہل یمن مشرق اور اونٹوں والوں کے بارے میں احادیث	535
۲۸۴	فتنہ وہاں ہو گا جہاں قرن شیطان ظاہر ہو گا، یعنی مشرق، عراق	536
۲۸۵	مدینہ میں مشرق کی طرف سے آنے والے فتنوں کے بارے میں احادیث	537
۲۸۶	خوارج کے بارے میں احادیث، خوارج کی نشانیاں (پہچان)	539
۲۸۷	بعض علاقوں اور ان کے باشندوں کے بارے میں احادیث	539
۲۸۸	شیخ دحلان کا حدیثیں گھڑنا	540
۲۸۹	لاترفعوا اصواتکم کے شان نزول میں لاعلمی	541
۲۹۰	لفظ سید کہنے کی ممانعت اور رخصت	541
۲۹۱	محمد بن عبد الوہاب کا تمام تنقیدوں کا جواب	542
۲۹۲	نماز کے بعد ذکر و اذکار	543

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مصادر و مراجع

اعداد	مصادر و مراجع	مؤلف
۱	تفاسیر	
۲	فتح القدیر	امام شوکانی رحمہ اللہ
۳	تفسیر ابی مسعود رحمہ اللہ	
۴	تفسیر بیضاوی	
۵	تفسیر ابن کثیر	
۶	معالم التنزیل	
۷	مفاتیح الغیب	فخر الدین رازی رحمہ اللہ
۸	مدارك التنذیل	النسفی
۹	فتح البیان	نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ
۱۰	الاکلیل	سیوطی رحمہ اللہ
۱۱	الفتوحات الربانیة	
	کتب احادیث	
۱۲	صحیح البخاری	
۱۳	صحیح مسلم	
۱۴	جامع ترمذی	
۱۵	سنن ابی داؤد	
۱۶	سنن نسائی	
۱۷	سنن ابن ماجه	

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۸	سنن دارمی	
۱۹	سنن دارقطنی	
۲۰	الترغیب والترھیب	المنذری
۲۱	مجمع الزوائد	الھیثمی رحمہ اللہ
۲۲	تلخیص الحبیر	حافظ ابن حجر رحمہ اللہ
۲۳	الاذکار	شوکانی رحمہ اللہ
۲۴	شرح صحیح مسلم	شوکانی رحمہ اللہ
۲۵	تخریج الاذکار	ابن علان رحمہ اللہ
۲۶	فتح الباری	ابن حجر رحمہ اللہ
۲۷	شرح بخاری	قسطلانی رحمہ اللہ
۲۸	تلخیص سنن ابی داؤد	حافظ منذری رحمہ اللہ
۲۹	تخریج حدیث الھدایہ	الزیلعی رحمہ اللہ
۳۰	تخریج احادیث الشفا	سیوطی رحمہ اللہ
۳۱	حصن الحصین	ابن الجوزی رحمہ اللہ
۳۲	نزل الابرار	نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ
۳۳	شرح الموطا	الزرقانی رحمہ اللہ
۳۴	شرح معانی الآثار	طحاوی رحمہ اللہ
۳۵	بلوغ المرام	ابن حجر رحمہ اللہ
۳۶	مسك الختام شرح بلوغ المرام	صدیق حسن خان رحمہ اللہ
۳۷	منتقی الاخبار	مجد ابن تیمیہ رحمہ اللہ
۳۸	مشکاۃ المصابیح	

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۹	المقاصد الحسنة	السخاوی رحمہ اللہ
۴۰	تنزیہ الشریعة المرفوعه عن الاخبار الشنیعة الموضوعة	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی

کتب الرجال/مصطلح/سیرت/تاریخ

۴۱	تہذیب التہذیب	ابن حجر رحمہ اللہ
۴۲	تقریب التہذیب	ابن حجر رحمہ اللہ
۴۳	لسان المیزان	ابن حجر رحمہ اللہ
۴۴	میزان الاعتدال	حافظ ذہبی رحمہ اللہ
۴۵	الکاشف	حافظ ذہبی رحمہ اللہ
۴۶	خلاصہ اسماء الرجال	الخزرجی رحمہ اللہ
۴۷	تدریب الراوی	حافظ سیوطی رحمہ اللہ
۴۸	علوم الحدیث	ابن الصلاح رحمہ اللہ
۴۹	الانساب	السمعانی رحمہ اللہ
۵۰	توضیح الافکار	محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی رحمہ اللہ
۵۱	فتح المغیث	السخاوی رحمہ اللہ
۵۲	تنقیح الافکار علی توضیح الافکار	
۵۳	تاریخ نجد	ابن غنام رحمہ اللہ
۵۴	الریاض النضرة	محب طبری رحمہ اللہ
۵۵	المواهب الدنیة	قسطلانی رحمہ اللہ
۵۶	شرح المواهب	الزرقانی رحمہ اللہ
۵۷	الخصائص الکبریٰ	سیوطی رحمہ اللہ

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتب فقہ/اصول فقہ/جدل وغیرہ

۵۸	زاد المعاد فی ھدی خیر العباد	ابن قیم رحمہ اللہ
۵۹	اغاثۃ اللھفان الکبریٰ	
۶۰	تبعید الشیطان مختصر اغاثۃ اللھفان	
۶۱	رد المختار	ابن عابدین رحمہ اللہ
۶۲	المیزان الکبریٰ	شعرانی
۶۳	الفتاویٰ الحدیثیۃ	ابن حجر ھیثمی رحمہ اللہ
۶۴	الاشباہ والنظائر	ابن نجیم رحمہ اللہ
۶۵	الصارم المنکی	ابن عبد الہادی رحمہ اللہ
۶۶	الجواھر المنظم	ابن حجر ھیثمی رحمہ اللہ
۶۷	تلبیس ابلیس	ابن جوزی رحمہ اللہ
۶۸	مجالس الابرار	ملا سعد رومی رحمہ اللہ
۶۹	البرھان شرح مواھب الرحمن۔ فقہ حنفی	
۷۰	المحلی علی جمع الجوامع	
۷۱	حاشیہ سعد علی العضدی	
۷۲	التلویح علی التوضیح	سعد رحمہ اللہ
۷۳	تطہیر الاعتقاد	صنعانی رحمہ اللہ
۷۴	الدار النضیر فی اخلاص کلمۃ التوحید	شوکانی رحمہ اللہ
۷۵	جلاء العینین	سید نعمان آلوسی رحمہ اللہ
۷۶	منہاج التاسیس	شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمن بن حسن رحمہ اللہ
۷۷	مصباح الظلام	شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمن بن حسن رحمہ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتب لغت

۷۸	الصحاح	جوھری رحمہ اللہ
۷۹	المصباح المنیر	فیومی رحمہ اللہ
۸۰	النھایہ	ابن اثیر رحمہ اللہ
۸۱	مجمع البحار	الفتنی رحمہ اللہ
۸۲	تھذیب الاسماء واللغات	نووی رحمہ اللہ
۸۳	القاموس المحیط	فیروز آبادی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مترجم

نحمدہ ونصلي علی رسولہ الکریم۔ اما بعد۔ قال اللہ تعالیٰ۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ

(البقرہ:213)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے نبی مبعوث فرمائے خوشخبری دینے والے۔ ڈرانے والے اور ان کے ساتھ کتابیں نازل کیں حق کے ساتھ تاکہ وہ (اللہ) ان لوگوں کے درمیان ان کے اختلافی امور میں فیصلہ کرے۔

اس آیت سے کتاب کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کتاب دی اور کتاب کو ہی حق کہا گیا کتاب کو ہی اختلافات کے خاتمے اور معاملات کے فیصلے کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ موجودہ دور میں اگرچہ حصول علم کے جدید ترین ذرائع پیدا ہو چکے ہیں مگر ان کے باوجود کتاب کی اہمیت کم نہیں ہوتی بلکہ جن ممالک نے کمپیوٹر وغیرہ جدید آلات ایجاد کیے ہیں ان ممالک میں اب بھی کتابیں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ کتاب کا متبادل کوئی چیز نہیں ہے۔

پیش نظر کتاب بھی اشاعت دین، فروغ علم اور توحید اور دین خالص کی تبلیغ کے سلسلے کی اہم ترین کڑی ہے۔ علامہ بشیر سہوانی • کی یہ معرکۃ الاراء کتاب عربی زبان میں متعدد بار شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکی ہے۔ مگر اس کی ہمہ گیر افادیت کے پیش نظر سہوانی خاندان کے ایک صاحب علم شخصیت عبد المعید نقوی حفظہ اللہ کی خواہش پر اردو دان طبقہ کو اس علمی ذخیرے سے روشناس کروانے کے لیے راقم نے اس کو اردو قالب میں ڈھالا ہے۔ اس اہم اور مشکل کام میں جامعہ ستاریہ اسلامیہ کے سابق مدرس مولانا عبد الحئ عابد اور جامعہ دراسات کے سابق مدرس مولانا محمد حنیف منجاکوٹی نے راقم کے ساتھ خصوصی تعاون کیا جس کے لیے بندہ ان کا بے حد ممنون ہے۔

اس کتاب کی اشاعت اس گرانی کے دور میں ناممکن حد تک مشکل مرحلہ تھا مگر اللہ جزائے خیر دے علم دوست شخصیت اور علمی کتب کے قدر داں مولانا حافظ محمد سلفی حفظہ اللہ (مدیر جامعہ ستاریہ اسلامیہ) کو جن کی نگاہ بصیرت نے اس علمی شہ پارے کی قدر و منزلت کو محسوس کیا اور اس کی اشاعت کا مشکل کام چند اہل خیر کے ساتھ مل کر اپنے ذمے لیا۔ سلفی صاحب حفظہ اللہ اس سے قبل بھی بہت سے علمی کتب شائع کروا چکے ہیں اور بہت سی کتب فی سبیل اللہ تقسیم کی جا چکی ہیں۔ خاص کر عقیدہ طحاویہ تو کئی سال سے تسلسل سے شائع ہو کر علماء و فضلاء کو بلا معاوضہ دی جا رہی ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ حافظ محمد سلفی حفظہ اللہ کی ان مساعی جلیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے لیے یہ کتب صدقہ جاریہ بنائے۔

آمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب کے مصنف: کسی بھی کتاب کی اہمیت اس وقت تک اجاگر نہیں ہو سکتی جب تک اس کے مصنف کی علمی حیثیت قارئین کے سامنے نہ ہو۔ اسی لیے کتاب: صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان کے مصنف علامہ بشیر سہسوانی کے مختصر حالات زندگی پیش خدمت ہیں (جو کہ جناب تنزیل صدیقی صاحب کی تحقیق سے ماخوذ ہیں)

مصنف کے حالات زندگی:

خاک سہسوان سے متعدد ایسے ذرے اٹھے جو آسمان علم پر آفتاب بن کر چمکے اور جن کی ضوفشانیوں نے ایک عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ مولانا سید امیر حسن، مولانا سراج احمد، مولانا عبد الباری، مولانا اعجاز احمد، مولانا نظر احمد، مولانا اقتدار احمد وغیرہم کا شمار ایسے ہی ارباب علم و عمل میں ہوتا ہے۔ تاہم وہ فرد فرید جو سہسوان کی فضا پر نیر اعظم بن کر چمکا اور جس کا شہرۂ علم و فضیلت ناموران سہسوان کے حلقے میں سب سے وسیع تر قرار پایا... علامہ کبیر محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ... کی ذات گرامی ہے۔ سہسوان بھارت کے صوبہ اتر پردیش کے ضلع بدایوں کے اطراف میں واقع مشہور خطہ ہے۔ یہاں زمانہ قدیم ہی سے سادات حسینی و شیوخ صدیقی و فاروقی کے خانوادے آباد ہیں اور ان خانوادوں میں باہم کثرت سے مصاہرانہ تعلقات قائم ہیں۔

مولانا محمد بشیر نسبی اعتبار سے فاروقی تھے۔ مولانا موصوف کے دادا بزرگوار مولانا صدر الدین عنفوانِ شباب میں تھانیسر (مشرقی پنجاب) سے ہجرت کر کے سہسوان تشریف لائے۔ سہسوان میں مقیم ایک بزرگ مولانا شرف علی نے موصوف کے اعلیٰ اخلاق و کردار کو ملاحظہ کرتے ہوئے اپنی صاحبزادی ان کے حبالۂ عقد میں دیدی۔ مولانا شرف علی سادھوڑا (پنجاب) سے رنجیت سنگھ کے ابتدائی عہدِ حکومت ہی میں ہجرت کر کے سہسوان تشریف لائے تھے۔

ولادت وابتدائی حالات:

مولانا محمد بشیر سہسوان میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمد بشیر کے ہم وطن اور تلمیذ رشید مولانا حکیم عبد الباقی لکھتے ہیں:

"ولادت شریف وسط صدی سیزدہم میں ہے۔ وقت وفاتِ پدر رحمہ اللہ آپ کا سن آٹھ نو سال سے زیادہ نہ تھا۔" (حیاۃ العلماء، ص:۹۰)

صاحبِ "نزہۃ الخواطر" نے سن ولادت ۱۲۵۴ھ لکھا ہے، اور "تذکرہ علماء حال" میں مولانا محمد ادریس نگرامی نے ۱۲۴۰ھ کو مولانا بشیر کا سن ولادت قرار دیا ہے۔ تاہم مولانا حکیم عبد الباقی کے بیان ہی کو ترجیح حاصل ہے اور غالب قرینہ یہی ہے کہ ۱۲۵۱ھ کے لگ بھگ مولانا محمد بشیر کی ولادت ہوئی ہوگی۔

زندگی کے ابتدائی ایام والد کے سایہ عاطفت میں لکھنؤ میں گزارے، تا آنکہ تقریباً نو برس کی عمر میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔ تب والدہ کیساتھ سہسوان چلے آئے۔

کسبِ علم کے مختلف مراحل:

سہسوان آکر پہلے پہل مولانا سید امیر حسن سہسوانی سے کسب علم کیا۔ پھر ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کی یورش کے اختتام پر اعلیٰ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تعلیم کی تحصیل کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ لکھنؤ میں بعض علمائے فرنگی محل اور مفتی واجد علی بنارسی سے اخذ علم و فن کیا۔ متھرا میں اپنے چچازاد بھائی حکیم نور الحسن سہسوانی سے کسب علم کیا۔ ادب اور جملہ معقولات کی تحصیل مولانا ہدایت اللہ خان رامپوری سے کی۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں:

اس کے بعد دہلی میں شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے باب علم پر حاضری دی اور ان سے کتب حدیث و تفسیر پڑھیں۔ سید نذیر حسین، مولانا محمد بشیر پر خصوصی توجہ فرماتے تھے اور ان کی ذہانت و فطانت سے بہت خوش ہوتے تھے۔

دیگر اساتذۂ حدیث:

سید نذیر حسین محدث دہلوی کے علاوہ علامہ محمد بشیر کو قاضی یمن و بھوپال شیخ حسین بن محسن یمانی انصاری سے بھی سند و اجازۂ حدیث حاصل تھا۔ اسی طرح جب علامہ سہسوانی حجاز مقدس تشریف لے گئے تو وہاں علامہ مجد شیخ احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ الشرقی مجدی اور شیخ محمد بن عبد الرحمان انصاری سہارن پوری ثم مکی سے بھی شرفِ تلمذ حاصل ہوا اور ان بزرگان عالی قدر سے سندِ حدیث کی عام اجازت ملی۔

تمسک بالکتاب والسنۃ کا شوق:

مولانا محمد بشیر ابتداء میں کچھ عرصہ تک شاہراہ تقلید پر بھی گام فرسا رہے لیکن پھر اپنے ایک پیش رَو سہسوانی عالم مولانا سید امیر حسن کی ترغیب سے نہایت جرأت و پامردی کے ساتھ تمسک بالکتاب والسنہ کی روش اختیار فرمائی۔ مسلک اصحاب الحدیث کی تائید میں مولانا موصوف کی تصنیفات کا ایک ایک ورق شاہد ہے۔ مولانا حکیم عبدالباقی سہسوانی لکھتے ہیں:

"بعدِ فراغ درس اوّلاً علوم عقلیہ منطق و فلسفہ و علم ادب و فقہ و اصول میں زیادہ انہماک ہوا۔ موافق مذہبِ حنفی کتبِ فقہ کے مطابق فتوے تحریر فرماتے تھے۔ مولانا سید امیر حسن کے فیضِ صحبت سے دینیات کا مذاق غالب ہوا اور جادۂ تحقیق کی جانب قدم بڑھایا۔ قرآن و حدیث کا اتباع مطمح نظر ہوا اور ہر مسئلہ میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کیا۔ مسائل جزئیہ و فرعیہ قرآن پاک سے مستنبط فرماتے اور بقوت مجتہدانہ عمل بالحدیث و ترک آراو تقلید شخصی کو واجب سمجھتے تھے۔" (حیاۃ العلماء ص:۹۱)

تدریس:

علاّمہ محمد بشیر بنیادی طور پر ایک مدرس تھے۔ تکمیل علم کے بعد ان کی پوری زندگی طلبہ علم کو اپنے فیض علمی سے مستفیض کرنے میں گزری۔ پہلے پہل موجودہ بنگلہ دیش کے ایک مقام سلہٹ میں ایک برس کامل خدمت تدریس انجام دی۔ اس کے بعد ایک برس تک سہسرام صوبہ بہار میں غلغلہ تدریس بلند کیا۔ اس کے بعد تقریباً ۱۵ برس تک اکبر آباد (آگرہ) میں سینٹ جانس کالج میں عربی و فارسی کے پروفیسر رہے۔

بھوپال تشریف آوری:

یہ زمانہ ریاست بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں کی علم پروری اور سرکار عالیہ شاہجہاں بیگم کی قدر افزائی کا زمانہ تھا اور

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی

چنانچہ ۵ محرم ۱۲۹۵ھ کو نواب صاحب کی خواہش پر آگرہ سے ترک سکونت کرکے بھوپال تشریف لے آئے۔ نواب صاحب نے مولانا کا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بدرجہ غایت اعزاز واکرام کیا اور تمام مدارس کا افسر اعلیٰ مقرر کیا۔ بھوپال ہی میں مولانا محمد بشیر نے قاضی یمن شیخ حسین بن محسن یمانی ثم بھوپالی سے سند حدیث لی۔ قیام بھوپال ہی کے زمانے میں دوسری بار حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا۔

فاضل فرنگی محلی سے مناظرہ:

مولانا محمد بشیر صاحب جب حجاز مقدس سے فریضہ حج بیت اللہ کی ادائیگی کی سعادت حاصل کر کے واپس آئے تو ایک مختصر رسالہ "القول المحکم فی زیارۃ قبر الحبیب الاکرم" تالیف کر کے شائع کیا۔ اس پر مولانا ابو الحسنات عبد الحیٔ حنفی فاضل فرنگی محلی سے معرکۃ الآراء مناظرہ ہوا۔

فاضل لکھنوی نے "الكلام المبرم في رد القول المحكم" لکھی۔ اس کے جواب میں حضرت سہسوانی نے "القول المنصور" تالیف فرمائی۔ اس کا جواب علامہ فرنگی محلی نے "الكلام المبرور في رد القول المنصور" کے نام سے دیا۔ اس کے جواب میں علامہ سہسوانی نے "أتمام الحجة على من أوجب الزيارة مثل الحجة المعروف بالسعي المشكور" لکھ کر گویا خاتمہ سخن ہی کر دیا۔ اگرچہ اس کا جواب بھی ممدوح لکھنوی نے "المذهب المأثور في الرد على السعي المشكور" کے نام سے دیا مگر اس حد تک مبہم کہ در خور اعتنانہ سمجھا جاسکا۔ تاہم اس کا بھی جواب علامہ سہسوانی نے رقم فرمالیا تھا۔ لیکن طباعت کی نوبت نہ آئی۔ (حیاۃ العلماء ص:۹۲)

مرزا قادیانی سے مناظرہ:

علامہ محمد بشیر سہسوانی کی زندگی کا نا قابل فراموش محاضرہ علمی مرزا قادیاں غلام احمد سے مناظرہ تھا۔ مرزا نے تو محض تفنن کیا تھا، تاہم علامہ سہسوانی نے اس تفنن کو ہند کی علمی تاریخ کا ایک یادگار واقعہ بنا دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب دجال کاذب غلام احمد نے اپنے دعوائے نبوت سے برصغیر پاک وہند کی مسلم معاشرت کو سخت بے چین کر رکھا تھا۔ مرزا قادیانی دہلی پہنچا اور وہاں شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کو مناظرے کے لیے اشتہار دیا۔ اس چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ یہ نکلا کہ دہلی میں شیخ الکل کے نامور تلامذہ محققین کی ایک جماعت جمع ہوگئی۔ بھوپال سے مولانا محمد بشیر بھی دہلی تشریف لے گئے۔ مرزا اپنا اصل مسئلہ صرف وفات مسیح کو قرار دیتے تھے۔ چنانچہ یہی مسئلہ زیر بحث آیا۔ مولانا بشیر حیات مسیح کے مدعی بنے۔ مولانا محمد بشیر نے بلا مشروط مرزا کی تمام شرائط مان کر مناظرہ کیا۔ یہاں یہ ذکر بے محل نہیں کہ مرزا کا وطیرہ یہی تھا کہ پہلے وہ نامہ گرامی علمائے اعلام کو مناظرے کی دعوت دیتا، جب دوسری جانب سے دعوت مناظرہ قبول کر لیا جاتا تو مرزا کی لایعنی شروط کا سلسلہ شروع ہو جاتا تاکہ مرزا کو بھاگنے کا موقع مل سکے، یہاں بھی اس نے یہی کیا، لیکن مولانا محمد بشیر سہسوانی جیسے اکابر علم کے لیے مرزا کی یہ طفلانہ شرائط کیا حیثیت رکھتی تھیں۔

بہر حال تحریری مناظرہ ہوا۔ مرزا نے ﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ سے وفات مسیح علیہ السلام پر استدلال کیا۔ علامہ سہسوانی نے آیت کریمہ ﴿وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ سے مرزا کے استدلال کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اب مرزا نے دور از کار تاویلات کے دروازے کھول دیے۔ لیکن ادھر بھی ایک فاضل مجتہد تھا۔ شک وارتیاب کے ہر کانٹے کو نکال پھینکا۔ جب مرزا نے دیکھا کہ شکست یقینی ہے تو اپنے خسر کی بیماری کا بہانہ بنا کر بھاگنے میں عافیت سمجھی اور آنا فانا دہلی سے روانہ ہو گیا۔ مولانا سہسوانی نے خسر کی مناسبت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے آیت {خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ} پڑھی۔ یہ مناظرہ چھ دن جاری رہا۔ مرزا کے فرار کے بعد فاضل سہسوانی نے دو دن مزید دہلی میں قیام فرمایا اور اس کے بعد بھوپال واپس آئے۔ اس مناظرے کی تفصیل "الحق الصريح في أثبات حيات المسيح" کے عنوان سے مولانا محمد بشیر نے شائع کی۔ یہ ۱۳۰۹ھ کا زمانہ تھا۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا محمد بشیر کا شمار ان اولین علمائے ذی اکرام میں ہوتا ہے جنہوں نے ابتدا ہی میں مرزا کے جھوٹے دعاوی کے خلاف اپنی خدمات انجام دیں۔

اعتراف علم وفضل:

علامہ شہیر محمد بشیر سہوانی صاحب علم و فضل تھے۔ ان کی فضیلت علمی و کمال جامعیت کا اعتراف ان کے اساتذہ معاصرین اور تمام سوانح نگاروں نے کیا ہے۔

☆ مولانا محمد بشیر کے استاذ گرامی سید نذیر حسین محدث دہلوی نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کو لکھتے ہیں:

"عرض یہ ہے کہ جناب مولوی محمد بشیر صاحب سہوانی ممدوح کو تکمیل تفسیر کے لیے جناب علامہ نواب صدیق صاحب فاضل مرحوم و مغفور کے لیے حکم سرکار دولت مدار سے صادر ہو کہ جو تفسیر باقی رہ گئی ہے اس کو مولوی صاحب موصوف پورا کریں۔ کیونکہ جناب مولوی صاحب ممدوح مزاج داں اور طرز تحریر نواب صاحب امیر والا جاہ مرحوم و مغفور سے خوب واقف ہیں۔ یہ خدمت دوسرے شخص سے ادا نہ ہو سکے گی اور جو دوسرا شخص اس خدمت کو انجام دے گا تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کہ کمخواب میں ٹاٹ کا پیوند لگا دیا گیا۔ خدمت دلچسپ اس کی کماحقہ نہ ہوگی۔ حضور پر نور سرکار عالیہ دام اقبالہا جلد از جلد مولوی محمد بشیر صاحب کے لیے حکم نافذ فرمایا جائے تاکہ اس تفسیر کو وہ مرتب کرنی شروع کردیں۔" (مکاتیب نذیریہ: ۱/۱۵۹)

اس مکتوب گرامی سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ شیخ الکل اپنے اس علی مرتبت تلمیذ رشید کو کس درجہ وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

☆ اسی طرح مولانا محمد بشیر کے ایک دوسرے استاذ گرامی شیخ حسین بن محسن یمانی، علامہ شمس الحق عظیم آبادی کو ایک مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں:

"ورحم الله أخانا العلامة محمد بشير؛ فقد كان عالماً محققاً متمسكا بالكتاب والسنة"

(نزہۃ الخواطر: ۸/۴۳۸)

"اللہ ہمارے بھائی علامہ محمد بشیر پر رحم فرمائے۔ بلاشبہ وہ عالم، محقق اور کتاب و سنت سے تمسک کرنے والے تھے۔"

☆ علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے علامہ محمد بشیر کا شمار حضرت میاں سید نذیر حسین کے درجہ اول کے تلامذہ کرام میں کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: غایۃ المقصود: ۱/۵۹ طبع دوم)

☆ علامہ سید رشید رضا مصری "صیانۃ الانسان" کے مقدمے میں رقمطراز ہیں: "كان الشيخ محمد بشير السهسواني رحمه الله تعالى من فحول علماء الهند، و كبار رجال الحديث فيهم، و من النظار الجامعين بين العلوم الشرعية و العقلية مع العمل بالعلم و التقوى و الصلاح" (مقدمہ صیانۃ الانسان، ص: ۱۰)

"شیخ محمد بشیر سہسوانی ہندوستان کے علمائے فحول اور کبار محدثین میں سے تھے۔ یہ ان منتخب لوگوں میں سے تھے جو علوم شرعیہ و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عقلیہ دونوں کے جامع تھے۔ اس کے ساتھ ہی عالم باعمل، تقویٰ شعار اور صالح تھے۔"

☆ مولانا حکیم عبدالحیٰ حسنی اپنی مایہ ناز کتاب "نزہۃ الخواطر" میں لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلا مة المحدث محمد بشير...... العمري السهسواني، أحد العلماء المشهورين ببلادِ الهند...... و كان من كبار العلماء، ورعاً صالحاً، تقياً نقياً، مفرط الذكاء، جيد القريحة، له مهارة تامة في أصول الفقه" (نزہۃ الخواطر: ۸/ ۴۳۷-۴۳۸)

"شیخ فاضل، علامہ، محدث محمد بشیر...... عمری سہسوانی، بلاد ہند کے علماء مشاہیر میں سے ایک تھے...... وہ بڑے علماء میں سے تھے۔ پرہیز گار، صالح، متقی، پاکیزہ شعار تھے۔ بہت ذہین اور عمدہ طبیعت کے مالک تھے۔ انہیں اصول فقہ پر مکمل مہارت حاصل تھی۔"

☆ مولانا حکیم عبدالباقی سہسوانی "حیاۃ العلماء" میں لکھتے ہیں:

"علامہ نحریر مولانا الشیخ محمد بشیر محدث فاروقی رحمہ اللہ بن حکیم محمد بدر الدین۔ آپ دودمانِ علم و حکمت کے مایۂ ناز خلف اور فضائل و کمالات میں یادگارِ سلف صالحین تھے۔ زمانہ آخر میں مجدد دین برحق و امام عصر و مجتہد مطلق ہوئے۔" (حیاۃ العلماء، ص: ۹۰)

☆ مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی لکھتے ہیں:

"سہسوان کی سرزمین جو صدیوں سے علماء کی مہبط ہے۔ وہاں سے کسی ایسے صاحب علم کا ظاہر ہونا کچھ بعید نہ تھا، مگر ۱۴ویں صدی کے اس بزرگ نے اپنے عہد کو جو زینت بخشی اس نے سہسوان کی گزشتہ عظمت کو اور بھی چار چاند لگا دیے۔" (تراجم علمائے حدیث ہند: ۱/ ۲۵۱)

تصنیف و تالیف:

جیسا کہ قبل ازیں تحریر کیا گیا تھا کہ مولانا محمد بشیر بنیادی طور پر ایک مدرس کا مزاج رکھتے تھے اور ان کی پوری زندگی سلسلہ تدریس سے معمور بھی رہی لیکن انہی مصروفیات روز و شب میں مولانا محمد بشیر نے قابل قدر تصنیفی ذخیرہ بھی چھوڑا ہے۔

مولانا موصوف کی مشہور ترین تصنیف "صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ الدحلان" ہے۔ یہ کتاب شیخ احمد بن زینی دحلان مکی کی تردید میں ہے۔ اس کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ جب علامہ سہسوانی حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں مکہ مکرمہ کے شافعی مفتی شیخ احمد بن زینی دحلان سے مسئلہ توحید پر مناظرہ کیا۔ چونکہ یہ مناظرہ زبانی ہوا تھا، اس لیے وطن مالوف واپس پہنچنے پر اسے کتابی شکل میں مرتب کیا۔ اس کتاب میں عقیدے سے متعلق نہایت اہم مباحث قلمبند ہوئے ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع فاروقی دہلی سے طبع ہوئی تھی۔ علمائے نجد نے اسے کئی مرتبہ چھپوایا۔ اس کی ایک شاندار طباعت شیخ رشید رضا مصری کی توجہ خاص اور تقدیم کے ساتھ المنار پریس قاہرہ سے ۱۳۵۱ھ میں ہوئی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ شیخ رشید رضا مصری کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے:

"وجملة ما يقال في هذا الكتاب أنه ليس رداً على الشيخ دحلان وحده، ولا على من احتج بما نقله عنهم من الفقهاء مما لا حجة فيه كالشيخ تقي الدين السبكي والشيخ أحمد بن حضر الهيثمي المكي، بل هو رد على جميع القبوريين والمبتدعين حتى الذين جاؤا بعده الي زماننا هذا" (مقدمۃ صیانۃ الانسان: ۱۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اس کتاب کے بارے میں مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ یہ صرف شیخ دحلان کارد نہیں ہے اور نہ ہی صرف ان فقہاء کا رد ہے جن سے شیخ دحلان نے اپنے دلائل کو نقل کیا ہے، مثلاً شیخ تقی الدین سبکی اور شیخ احمد بن حجر الہیثمی المکی، بلکہ یہ ان کے بعد آنے والوں اور ہمارے زمانے کے تمام قبر پرستوں اور بدعتیوں پر رد ہے۔"

اس گراں قدر کتاب کو اہل علم نے بنظرِ استحسان ملاحظہ کیا ہے۔ توحید پر لکھی جانے والی اکثر کتب میں اس کتاب کے بکثرت حوالے ملتے ہیں۔ علامہ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے بھی اس کے حوالے اپنی متعدد تحریروں میں دیے ہیں۔

مولانا محمد بشیر رحمہ اللہ کی دیگر تصانیف:

(۱) البرهان العجاب فی فرضية أم الكتاب

(۲) القول المحمود فی ردّ جواز السود۔

(۳) رسالة فی أثبات البيعة المروجة۔

(۴) الحق الصريح فی اثبات حيات المسيح

(۵) القول المحكم فی زيارة قبر الحبيب الاكرم

(۶) القول المنصور

(۷) أتمام الحجة علی من أوجب الزيارة مثل الحجة المعروف بالسعی المشكور۔

(۸) جواز الأضحية ألي آخر ذي الحجة۔

(۹) السيف المسلول

(۱۰) رسالة فی تحقيق الربا۔

تلامذہ:

علامہ فاضل سہسوانی رحمہ اللہ کی خدمتِ تدریس کے نتیجے میں طلاب علم کا ایک جم غفیر مستفید ہوا۔ جن کا احاطہ اب ناممکن ہے۔ تاہم جن علمائے اعلام کے اسمائے گرامی سے آگاہی ہوسکی وہ حسب ذیل ہیں۔

شیخ ابو عبد الرحمان اسحاق بن عبد الرحمان بن حسن بن محمد بن عبد الوہاب نجدی، مولانا سید امیر احمد سہسوانی، مولانا حکیم مظہر علی سہسوانی (برادرِ صغیر)، مولانا حافظ عبد الوہاب نابینا دہلوی، شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ دہلوی، مولانا ابو سعید شرف الدین، مولانا حکیم عبد الباقی سہسوانی، مولانا سید اعجاز احمد معجز سہسوانی، مولانا عبد الستار عمر پوری، مولانا عبد الرحمان (ڈوکم) بستوی، مولانا محمد عثمان علی گڑھی، مولانا محمد تقی سہسوانی، مولانا محمد اسماعیل سہسوانی، مولانا عبد الصمد بستوی، حکیم مبارک علی اکبر آبادی، حکیم معصوم علی اکبر آبادی......رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علالت ووفات:

مولانا محمد بشیر قیام دہلی میں بیمار ہوئے اور مختصر سی علالت کے بعد ۲۹ جمادی الاخری ۱۳۲۶ھ کو خلد بریں کی راہ لی اور اپنے عالی قدر استاد سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے جوار میں شیدی پورہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ مولانا نظر احمد سہسوانی نے "قد دخل الجنۃ بغیر حساب" سے تاریخ وفات نکالی۔

اللہ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو مصنف مترجم، معاونین اور شائع کنندہ کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ اور شرک وبدعات کے اس دور میں کہ جب عقلی ونقلی دلائل پر مشتمل کتاب کی اشد ضرورت تھی۔ اللہ اس کتاب کو اس ضرورت کی تکمیل کا سبب بنائے۔ اگر اس کتاب کو خالی الذہن ہو کر مطالعہ کیا جائے تو بہت سے ان شکوک وشبہات اور اباطیل کا خاتمہ ہو سکتا ہے جو بدعات وخرافات کے علمبرداروں نے عوام الناس کے ذہنوں میں بٹھار کھے ہیں امید ہے کہ یہ علمی ذخیرہ علماء، طلبہ دین اور عوام الناس سب کے لیے یکساں مفید ہو گا۔ ان شاء اللہ

عبدالعظیم حسن زئی

مدرس جامعہ ستاریہ اسلامیہ گلشن اقبال۔ کراچی

مدیر پندرہ روزہ صحیفہ اہل حدیث۔ کراچی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (بنی اسرائیل:۸۱)

''کہہ دیجیے کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے کے لیے ہی ہوتا ہے۔''

سنت، جماعت اور بدعت کی تعریف:

جب امت میں بدعت پیدا ہوئی اور اس کے مددگار گروہ پیدا ہو گئے تو ہر گروہ کا ایک الگ نام بن گیا، اور بدعت سے دور رہنے والے تابعین اور صحابہ کرام کے طریقے کی پابندی کرنے والی اکثریت کو اہل سنت والجماعت کہا جانے لگا۔ یہاں سنت سے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی وہ مخصوص راستہ جسے اختیار کیا گیا ہو اور دینی معاملات میں اس کی اتباع کی گئی ہو۔ رسول ﷺ کے عہد سے یہ تعریف ایک قسم کی ہے، یہاں وہ سنت مراد نہیں ہے جو علماء کی اصطلاح میں ہے یعنی رسول ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات اور شمائل۔ یہاں سنت سے مراد فقہاء کی اصطلاح والی سنت بھی مراد نہیں ہے (فقہاء کی اصطلاح میں سنت سے مراد ہے جسے نبی ﷺ نے پابندی سے کیا ہو مگر وہ واجب نہ ہو)۔

اسلام میں پیدا ہونے والے یہ فرقے سنت سے مؤخر الذکر دونوں معانی مراد لیتے ہیں، سنت کے اثبات، نفی، تاویل اور تعارض کے بارے میں ان کی اپنی اپنی اصطلاحات اور قواعد ہیں۔ جیسا کہ اس کے لیے اہلسنت والجماعت کہلانے والے فقہاء اور متکلمین کے بھی قواعد ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے آغاز میں سلف جس طریقے پر عمل پیرا تھے وہ مذہب نہیں کہلاتا تھا اور اسلام میں کسی طریقے کو مذہب کہنا بھی نہیں چاہیے۔ اس لیے کہ یہ سب اسلام ہے اور اسلام اکائی ہے اس میں اختلاف یا ٹکڑے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝﴾ (الانعام:۱۵۹)

''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کر دیا اور گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔''

اور فرماتا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

"دین کو قائم رکھو اور اس میں فرقے مت بناؤ۔"

جب بدعت پیدا ہوئی اور اس کی وجہ سے گروہوں اور فرقوں نے تعصب شروع کر دیا تو اسے مذہب کہا جانے لگا۔ اگرچہ اشاعرہ مسلمانوں کے عقائد سمجھانے اور اس بارے میں تصنیفات کرتے وقت قرآن کے راستے پر چلے ہیں کہ قرآن نے جو ثابت کیا ہے اسے ثابت کرتے ہیں، قرآن نے جس کی نفی کی ہے یہ اس کی نفی کرتے ہیں۔ اسی طرح انفس و آفاق میں موجود اللہ کی نشانیوں سے استدلال کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن نے کیا ہے۔ اس معاملے میں وہ سلف کے طریقے پر چلتے ہیں یعنی (صفات باری تعالیٰ کو) بغیر تعطیل، تمثیل و تاویل کے مانتے ہیں۔ جبکہ مخالفین پر رد کرنے میں انہوں نے امام غزالی کا طریقہ اپنایا ہے کہ ہر دور کے لحاظ سے ان (مخالفین) کے شبہات کو باطل کیا جائے اور ملت کے قطعی اصولوں کے ساتھ جہاں متفق نہیں اور جہاں غیر قطعی اصولوں میں متفق ہیں۔ (اگرچہ اہل ظاہر کی تاویل کے ساتھ ہوں) ان دونوں میں علیحدہ راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ ان دونوں کاموں میں سے کوئی بھی کرتے ہوں مگر اہلسنت والجماعت کا دو مختلف مذہبوں میں تقسیم ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ سلفی و خلفی بنیں۔ کیوں کہ اس تقسیم کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بعض متکلمین خلف متبعین اور سلف محدثین پر رد کرتے ہیں اور یہ (سلف محدثین کے متبعین) ان پر رد کرتے ہیں۔ جیسا کہ یہ دونوں مذہب والے معتزلہ وغیرہ پر رد کرتے ہیں جو اس جماعت کی راہ سے خارج ہوئے ہیں۔ جس پر صدر اول کے لوگ گامزن تھے جو ان دونوں مذہبوں میں متفق راستہ تھا۔ یہ بات ہم نے اپنے رسالہ "المنار" اور اپنی تفسیر "المنار" میں کی تھی کہ ہم سلف کا مذہب دلائل سے ثابت کرتے ہیں اس کا دفاع کرتے ہیں اس کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس (اصول یا رائے کی) تاویل کرتے ہیں، جو غیر قطعی ہو اور متفق نہ ہو۔ بشرطیکہ ہم اسے ضروری خیال کرتے ہوں۔ یہ ہم اس لیے کرتے ہیں تاکہ اسلام کی وسعت واضح ہو سکے اور جو شخص بعض اہل ظاہر سے مطمئن نہیں ہے وہ ان کے مذہب کی طرف آجائے (اس کا دل مطمئن ہو جائے)۔ اگر تمام متفق علیہ قطعی اصولوں پر ایمان رکھتے ہوئے غیر قطعی غیر متفق علیہ میں تاویل کی جائے تو ایسا کرنا حنفیت کے زمرے سے خارج نہیں کرتا۔ البتہ اس کی تاویل میں اس کی اتباع و پیروی نہیں کی جائے گی یہ بات ائمہ اہل السنۃ والجماعت کے اس قول کے مطابق ہے کہ:

"ہم کسی گناہ یا عملی بدعت کی بنا پر کسی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے اور تاویل میں غلطی کرنے والا کافر نہیں ہے۔"

لیکن اشاعرہ نے عقائد کی بنیاد عقلی نظریات پر رکھنے میں معتزلہ متکلمین کا طریقہ اپنایا ہے اور پھر ان عقائد و نظریات کے مخالف دلائل کی تاویل کی ہے۔ سوائے چند بڑے عقائد کے جن میں ابو الحسن وغیرہ نے ان (معتزلہ) کی مخالفت کی ہے جیسے مسئلہ رویئت (اللہ کے دیدار) میں۔

لہٰذا یہ (اشاعرہ) سلف کی اتباع کرنے والے محدثین سے علیحدہ ایک الگ فرقہ ہے۔ جب بدعتی پیدا ہو گئے تو ائمہ ان کے خلاف یہ دلیل دیتے تھے کہ یہ سنت کے مخالف ہیں یعنی اس طریقے کے خلاف ہیں جس کی پیروی کی جاتی رہی ہے، اور یہ جماعت و سواد اعظم سے (اکثریت) سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور مؤمنین کے راستے کے بجائے کوئی اور راستہ اختیار کر چکے ہیں اور یہ ائمہ ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرقوں کے بارے میں وہ آیات و احادیث پیش کرتے تھے جو اتباع کے وجوب اور بدعات اور دین میں تفرقہ سے اجتناب کے بارے میں ہیں۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خلق قرآن کے مسئلے میں دلیل یہ دی تھی کہ رسول ﷺ نے قرآن کو مخلوق نہیں کہا نہ ہی خلفاء، صحابہ اور علمائے تابعین نے ایسا کہا ہے۔ کیا ہم اس بات کی طاقت رکھتے ہیں جو وہ رکھتے تھے؟ یعنی کہ ہم یہ فرض کر لیں یہ بات فی نفسہ صحیح ہے۔ حالانکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کتاب اللہ کے بارے میں باطل رائے ہو اور جس نے اسلام میں فتنہ برپا کر دیا ہو اس کی وجہ سے لوگ گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہوں اور ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہوں، ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا رہے ہوں۔ اس بارے میں امام دار الھجرہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کیا جب بھی ہمارے پاس کوئی فصیح البیان آدمی اللہ کے دین میں کوئی رائے لے کر آئے اور اپنی نرم گفتاری یا چرب زبانی اور فکر و نظریہ سے اس کو مزین کر کے پیش کرے تو ہم اس کی خاطر اس دین کو ترک کر دیتے ہیں۔ جسے جبریل نے اللہ کی طرف سے محمد ﷺ پر نازل کیا ہے اور اس رائے کی اتباع شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک اور شخص اس پہلے والے سے زیادہ فصیح آ جاتا ہے تو ہم اس کی اتباع شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح یہ کام ہم باری باری کر رہے ہیں۔ اپنے دین میں ہم ایک حال پر برقرار نہیں ہیں۔ نیز فرماتے تھے جو کچھ رسول ﷺ کے زمانے میں دین نہیں تھا وہ آپ ﷺ کے بعد بھی دین نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ نے آپ ﷺ کی وفات سے قبل دین کی تکمیل کر دی تھی۔

اس کی وضاحت قرآن کریم میں موجود ہے۔ ان (امام مالک رحمہ اللہ) سے سوال کیا گیا کہ مدینہ کے کچھ لوگ رسول ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہوتے ہیں اور سلام کرتے ہیں۔ کچھ دیر تک دعائیں کرتے ہیں۔ امام مالک بن انس نے فرمایا کہ میرے شہر کے کسی فقیہ سے یہ بات مجھ تک نہیں پہنچی جبکہ بہت سے لوگ ایسا نہیں کرتے اور اس امت کے بعد والے لوگ کوئی اچھا کام نہیں کرتے مگر وہ جو اس امت کے پہلے لوگوں نے کیا ہے (یعنی اسلاف صحابہ نے جو کام کیا وہی اچھا ہے) اور مجھے اس امت کے پہلے لوگوں کے بارے میں ایسی بات نہیں پہنچی کہ انہوں نے ایسا کیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سفر سے آنے یا سفر پر جانے والوں کے علاوہ اوروں کے لیے یہ عمل مکروہ سمجھتے تھے۔ امام مالک نے سفر کرنے یا سفر سے آنے والوں کو اس لیے مستثنیٰ کیا ہے کہ یہ عمل عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ آپ ﷺ کی قبر پر آکر کہتے تھے:

(السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا ابا بكر، السلام عليك يا ابت)

"اے اللہ کے رسول آپ پر سلام، اے ابو بکر آپ پر سلام، اے ابا جان آپ پر سلام۔"

یہ کہہ کر واپس مڑ جاتے تھے۔ (بخاری)

یہ بات کسی اور صحابی کے بارے میں مروی نہیں ہے۔ دیگر صحابہ کی بنسبت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایسی باتوں میں زیادہ شدت اختیار کرتے تھے زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ مثلاً ان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مناسک حج کی ادائیگی میں نبی ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کرتے تھے، آپ ﷺ کے ٹھہرنے (عرفہ میں) آپ کی طہارت حاصل کرنے کے مقامات، نماز پڑھنے اور قربانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی جگہ کو تلاش کرتے تھے۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ اس طرح کرنا مسنون نہیں ہے ان کے والد (عمر رضی اللہ عنہ) یا دیگر خلفاء اربعہ و صحابہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ کا فرمان صحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہاں کھڑا ہوں مگر سارا عرفہ ہی موقف ہے۔ اسی طرح کا ارشاد آپ ﷺ نے مزدلفہ کے بارے میں بھی فرمایا ہے اور منیٰ کے بارے میں فرمایا کہ "میں نے یہاں نحر کر لیا البتہ سارا منیٰ نحر و ذبح کی جگہ ہے"۔ یہ آپ نے اس لیے فرمایا تھا تاکہ لوگ آپ ﷺ کے وقوف کرنے اور ذبح کرنے کی جگہ کو تلاش کر کے اسی کو مشروع نہ بنالیں، ورنہ وہاں بھیڑ لگ جایا کرے گی۔ اس طرح کرنا شرع میں اضافہ ہے اور گویا شرع کو نامکمل سمجھنا ہے۔

بدعات رائج ہونے کی ایک وجہ کتاب و سنت کے علم اور اس پر عمل کرنے میں کمزوری اور بادشاہوں و حکمرانوں کی نصرت و مدد بھی ہے۔ جیسا کہ بعض عباسیوں نے کیا اور اس کے بعد اعاجم کی حکومتوں میں ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ لفظ "السنۃ والجماعۃ" ایک مذہبی لقب بن گیا، جسے بعض اہل کلام بدعتی علماء نے اپنا لیا۔ قریب تھا کہ وہ سلف کے متبعین کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اپنے لیے اس لفظ کے استعمال سے روک دیتے۔ یعنی حنبلیوں اور محدثین کو۔ یہ متکلمین مقلدین وہ تھے جو فروع میں ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے متبعین تھے۔ اگرچہ ان لوگوں نے اتباع سلف اور بدعات جن میں علم کلام بھی شامل تھا سے اجتناب میں اپنے ائمہ کی مخالفت کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے متاخرین کو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بدعات میں عوام کے ساتھ شریک رہتے تھے اور ان کے لیے تاویلات کرتے تھے اور انہوں نے عوام کے لیے بدعات کو برقرار رکھنے اور اس کی مخالفت کرنے والوں کے رد کے لیے قاعدہ و اصول ایجا کیا کہ بدعت کو حسنہ و سیئہ دو قسموں میں تقسیم کر دیا۔ اور جو بدعات مشہور ہو گئی تھیں ان کو مستحسن قرار دیا۔

مثلاً انبیاء و صالحین سے محبت اور ان سے تبرک لینا، حالانکہ یہی تو غلو ہے جو اہل کتاب اور قوم نوح نے کیا تھا اور اللہ و رسول ﷺ نے ہمیں اس سے منع کیا ہے۔ گویا اس قاعدے کا مقصد و منشا یہ ہے کہ ہر شخص کو یہ آزادی مل جائے کہ وہ اللہ کے دین میں جو بہتر سمجھے وہ ایجاد کر لے۔ جیسا کہ سابقہ اقوام نے انبیاء کے دنیا سے چلے جانے کے بعد کیا۔ جب بدعات پھیل گئیں تو جاہل و جابر حکمرانوں نے بھی ان کی حمایت کی تاکہ عوام خوش رہیں اور مقلدین زعماء نے بھی دونوں فریقوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کی تائید کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان تینوں (ابو حنیفہ، مالک اور شافعی رحمہم اللہ کے مقلدین) نے سنت کے پیروکاروں پر اعتراضات شروع کر دیے۔ ان کو بدعتی اور جماعت کے مخالفین قرار دے دیا۔ اس طرح یہ معاملہ ہی الٹ ہو گیا کہ بدعت سنت اور سنت بدعت کہلائی۔ معروف منکر اور منکر معروف بن گئی۔

اس طرح یہ اہل بدعت متبعین سنت کو جماعت کے مخالف کہتے تھے اور اس کو ان کے خلاف بطور دلیل کے استعمال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ امت کے سواد اعظم سے نکلے ہوئے ہیں۔ انہیں اس بنیاد پر بدعتی اور گمراہ کہتے تھے کہ اکثریت (جن کے ساتھ ہے) وہ مسلمان ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں۔ ان لوگوں نے صرف عملی بدعات پر اکتفا نہیں کیا، مثلاً ماثورہ طریقے کے خلاف وظائف اور اوراد جو خاص صفات اور اوقات میں کیے جاتے ہوں اور جنہیں شعار و علامت کی طرح بنا دیا گیا ہے مثلاً ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جگہ مجتمع ہو کر بلند آواز سے ذکر کرنا اور حج کے مقام پر بدعت وغیرہ نکالی۔ بلکہ انہوں نے اس میں بت پرستی کی بدعت بھی شامل کر لی اور وہ ہے صالحین کی عبادت یعنی ان کو پکارنا۔ عوام بھی ان کا دفاع کرنے والوں کی اور ائمہ کی اتباع کا دعویٰ کرنے والوں کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کی حکومتیں بھی ان کی تائید وحمایت کرتی ہیں جبکہ داعی سنت کو مجتہد اور مذاہب کو ڈھانے والا، ائمہ کی تحقیر کرنے والا کہہ کر بدنام کرتے ہیں۔

یہ بحث بہت طویل ہے البتہ اہل سنت والجماعت کی اتباع کا زیادہ بہتر مطلب یہ ہے کہ دینی امور میں دور اول کے لوگ جس طریقے پر تھے اس کی اتباع کرنا۔ دور اول کے لوگوں میں سے مشہور ائمہ حدیث وفقہ بھی ہیں، خاص کر عبادات وقربات میں۔ ان مسائل میں سے رسول ﷺ، آل بیت، صحابہ کرام اور ان کی اتباع کرنے والوں کی بغیر غلو وبدعت کے تعظیم بھی ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب:

جن ادوار میں بدعات زیادہ ہوئی ہیں ان ادوار میں سے کوئی بھی دور ہو وہ کبھی بھی علمائے ربانیین سے خالی نہیں رہا۔ یہ علماء اس امت کے لیے دینی امور کی تجدید کرتے رہے ہیں۔ کبھی دعوت وتعلیم اور کبھی بہتر قیادت کے ذریعے۔ ایسے علماء بھی موجود رہے ہیں جو اس دین سے غلو کرنے والوں کی تحریفات، مبطلین کے حیلے اور جاہلوں کی تاویلات کی نفی کرتے تھے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی بھی ان مجددین میں سے تھے، جو خالص توحید اور اللہ کی عبادت کی طرف بلانے کے لیے کمربستہ ہوئے۔ ایسی توحید وعبادت کہ جسے اللہ نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسول ﷺ کی زبانی مشروع قرار دیا ہو۔ اس طرح وہ بدعات و معاصی کو ترک کرنے اور اسلام کے ترک شدہ شعائر کو اپنانے، اسلام کے پامال شدہ قابل احترام (اصولوں) کو قائم کرنے کی دعوت دیتے رہے۔

محمد بن عبدالوہاب کو ان مقاصد کے حصول سے روکنے کے لیے تین قوتیں مدمقابل آئیں۔

① حکمران ② حکمرانوں کے معاون منافق علماء ③ سرکش وگمراہ عوام

ان لوگوں نے محمد بن عبدالوہاب کی مخالفت کے لیے جس بات کا سہارا لیا اور جس کو بطور اہم ہتھیار کے استعمال کیا وہ یہ تھا کہ اس نے جمہور مسلمانوں کی مخالفت کی ہے۔ حالانکہ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنی دعوت میں جن مسلمانوں کی مخالفت کی تھی تو یہ وہ اعراب دیہاتی لوگ تھے جو اہل جاہلیت سے بھی زیادہ بدتر تھے۔ ان کی معاش کا مدار لوٹ مار پر تھا، دنیاوی دولت ومفاد کے لیے مسلم وغیر مسلم سب کا قتل جائز سمجھتے تھے۔ اپنا ہر فیصلہ طاغوت کے پاس لے جاتے تھے اور اسلام کے بہت سے ایسے متفقہ احکام کا انکار کرتے تھے کہ جن کا علم ہر مسلمان کو لازمی ہونا چاہیے۔ ان کو ان احکام کے نام تک یاد نہیں تھے اس کے باوجود وہ خود کو مسلمان کہتے تھے۔ جب کہ شہروں میں رہنے والوں کی حالت یہ تھی کہ ان میں معصیت اور بدعات پھیل گئی تھیں۔ انہوں نے حکم وعمل میں شریعت کو چھوڑ دیا تھا۔ اسی وجہ سے ان کے ملک وحکمرانی کا بہت سا حصہ ان کے ہاتھ سے جا چکا تھا۔ ان کی عظمت رفتہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ختم ہو چکی تھی۔ یہ حالت ہر ذی علم ولا علم کو معلوم تھی۔
ان کے خطباء کے خطباتِ جمعہ میں منبروں پر صرف نام کا اسلام اور رسماً قرآن بیان ہوتا تھا اور نہ بدعت کی تائید اور اللہ و رسول کے بارے میں کذب بیانی ہی ہوتی تھی۔ ان خطبوں میں وہ تعلیمات عام کی جاتی تھیں جو امت کو مزید جہالت، غربت اور کمزوری کی طرف لے جاتی تھیں۔ جبکہ یہ خطباء انہی باتوں پر مُصر تھے اور انہی پر اکتفا کر بیٹھے تھے۔ یہاں تک کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے ایک مصلح کی آواز بلند ہوئی اس لیے کہ یہ لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اس مصلح نے ان کے سامنے اس روش کے اسباب و عواقب تفصیل سے بیان کیے۔ نتیجتاً یہ لوگ اس مصلح کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حالانکہ ان کے پاس اس مصلح کے خلاف حملہ کرنے کے لیے کوئی سیاسی وجہ نہیں تھی اس کے باوجود انہوں نے ظالموں اور جابروں کو ان (محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ) کے خلاف تیار کر لیا۔
جب ابن جبیر اندلسی نے چھٹی صدی میں حج کیا اور مصر و حجاز میں منکرات دیکھیں تو فرمایا کہ مشرق سے اسلام چلا گیا ہے اب صرف مغرب میں باقی ہے۔

ردّ وہابیت میں شیخ احمد زینی دحلان کی کتاب

شیخ محمد بن عبد الوہاب پر طعن و تشنیع کے لیے مختلف ممالک میں بہت سے افراد میدان میں آئے۔ ان میں سے بغداد کے ایک علمی گھرانے کا ایک شخص بھی تھا۔ ہم نے اسے اس بات پر فخر کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ وہ تعطیل والحاد کا داعی ہے (یہ شخص جمیل زہاوی تھا)۔ ان طعن کرنے والوں میں مکہ مکرمہ کے مفتی شیخ احمد بن زینی دحلان (متوفی ۱۳۰۴) بھی ہیں، جنہوں نے اس بارے میں ایک کتاب لکھی تھی جس کے تمام مسائل کے دو محور تھے۔

① شیخ (محمد بن عبد الوہاب) پر کذب و افتراء۔
② شیخ کی صحیح باتوں کو اپنی جہالت کی بنا پر غلط سمجھنا

پہلا مطبع خانہ اس شخص کی زندگی میں مکہ مکرمہ میں بنا جس میں اس کی یہ کتاب اور دیگر کتب شائع ہوئیں۔ یہ کتابیں مکہ کے حکمرانوں کے تعاون سے حاجیوں میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ اس لیے ان کی اشاعت زیادہ ہوئی اور یہ کتب عام ہو گئیں۔ اس طرح ہر علاقے میں لوگ اس کا جھوٹ اور افتراء نقل در نقل کرتے رہے۔ بہت سے عوام و خواص نے اس کتاب کے مندرجات کو سچ جانا، اور بدعات، خرافات اور فضولیات کو پسند کرنے والوں نے اس کتاب کی روایات کو اپنایا۔ جبکہ اس میں کچھ روایات یا تو موضوع و منکر ہیں اور کہیں صحیح احادیث تحریفات کر کے درج کی گئی ہیں۔ یہ لوگ ان روایات کو سنت کے داعی مصلحین کے خلاف بطور دلیل کے استعمال کرتے ہیں۔ اس کی کتاب کے نسخے تو معدوم ہو گئے کسی کے پاس کوئی نسخہ باقی نہیں رہا، مگر لوگوں کی زبانوں اور تحریروں میں اس کتاب کے مندرجات منقول ہوتے رہے ہیں۔ اگرچہ حوالہ اس کتاب کا نہیں دیا جاتا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ اس

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی خواہش کے مطابق جو بات یا دلیل ہوتی ہے اسی کو نقل کرتا ہے، اسی کی طرف توجہ کرتا ہے۔ خاص کر اگر کوئی دلیل، رائے اور بات حکمرانوں کی خواہش کے مطابق ہو تو (پھر اس کی طرف توجہ اور زیادہ ہو جاتی ہے)۔

ہم بچپن میں دحلان کی اس کتاب کی مدد سے ہی وہابیوں کے بارے میں معلومات سنتے آرہے تھے اور ہم ان باتوں کو صحیح بھی مانتے تھے اس لیے کہ ہمارے آباء و شیوخ بھی ایسا ہی سمجھتے تھے اور ہم ان کے متبع تھے، اور ہم اس بات کو بھی صحیح سمجھتے تھے کہ حکومت عثمانیہ دین کی حامی تھی اور اسی وجہ سے وہابیوں نے اس سے جنگ کی تھی اور ان کا رعب و غلبہ ختم کر دیا تھا۔ جبکہ اس گروہ (وہابی) کی حقیقت کا علم مجھے مصر جانے اور یورپ کی تاریخ تلاش کرنے اور پڑھنے کے بعد ہوا کہ اصل میں تو یہی گروہ (وہابی) اسلام پر کاربند تھے نہ کہ ان کے مخالفین۔ اس بات کی مزید وضاحت میرے سامنے اس وقت آئی جب میری ملاقات یورپ کے ان افراد سے ہوئی جو یورپ کی تاریخ سے واقف تھے۔ خاص کر ان انگریزوں کی تاریخ سے جنہوں نے ان معاملات کے حقائق سے بحث کی ہے اور ان پر تحقیق کی ہے انہوں نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ (وہابی) لوگ اسلام کی تجدید اور اس کی نشاۃ ثانیہ کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ وہی اسلام لانا چاہتے ہیں جو قرن اوّل میں تھا۔ اگر ایسا ہوا تو اسلام اپنی عظمت رفتہ پھر حاصل کر لے گا۔ اس کی قوت اور تہذیب واپس آجائے گی۔ حکومت عثمانیہ نے ان (وہابیوں) کے خلاف اسی وجہ سے جنگ کی تھی کہ عرب کی حکمرانی پھر قائم نہ ہو جائے اور خلافتِ اسلامیہ اپنی سابقہ (صحیح) صورت میں واپس نہ آجائے۔

اسی طرح بیروت کے مفتی علامہ شیخ عبدالباسط فاخوری نے تاریخ اسلام سے متعلق کتاب لکھی اس میں انہوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ بعینہ وہی دعوت ہے جو انبیاء اور رسولوں کی دعوت تھی۔ لیکن وہابی اپنے دور میں دین کے معاملے میں بہت متشدد تھے۔ ہمیں اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ اس مصنف نے سلطان عبدالحمید کے عہد حکومت میں کس طرح وہابیوں کی تعریف کرنے کی جراءت کی۔

میں نے اپنے شیخ محمد بن عبدہ کو مصر میں دیکھا کہ وہ بھی سلف کی رہنمائی اور ان کی پیروی میں یہی رائے رکھتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی (وہابیین کے خلاف دولت عثمانیہ کی کارروائی) تو ان وہابیوں کی یہ اصلاحی تحریک بہت بڑی ہوتی اور امید تھی کہ عام ہو جاتی۔

ملک عبدالعزیز الفیصل نے دو سال سے ان متشددین (وہابیوں) کی جنگی تربیت کی ہے جس سے یہ امید ہو چلی ہے کہ یہ بہت بڑی اصلاحی تحریک کی تیاری بن جائے۔ پھر مجھے اس تحریک کی تجدید کے دوران شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی کتابیں، رسائل اور فتاوے ملے۔ ان کی اولاد، پوتوں اور دیگر اہل نجد کی کتابیں مل گئیں، ان کے پڑھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ ان پر جو بھی اعتراض یا طعن ہوا جو بھی الزام لگایا گیا اس کا انہوں نے جواب دیا ہے۔ اگر کوئی جھوٹا الزام ہے تو اس کے بارے میں انہوں نے صرف اتنا کہا ہے کہ (سبحانك هذا بهتان عظيم) اور جو الزام صحیح ہے (بہتان نہیں) یا اس کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہے تو پہلے انہوں نے اس کی حقیقت واضح کی ہے اور پھر اس کی تفصیلی وضاحت کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں نے ان کی اکثر کتب شائع کیں اور ہزاروں لوگوں کو ان الزامات کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ یہ بات تو نا ممکن ہے کہ شیخ دحلان کو ان کتابوں یا رسائل میں سے کسی کتاب یا رسالے کے بارے میں معلوم نہ ہو؟ وہ ان کتب و رسائل سے مکمل طور پر بے خبر ہوں؟ کیونکہ وہ مکہ مکرمہ میں ہی ہیں۔ جبکہ وہ کتابیں بھی وہیں موجود ہیں، اگر وہ ان کتب سے باخبر ہیں اور پھر تمام تر معلومات کے باوجود بھی وہ (شیخ محمد بن عبدالوہاب پر لگائے جانے والے) جھوٹے الزامات اور بہتانوں پر اصرار کرتے ہیں خاص کر ان الزامات پر کہ جن کی تردید شیخ نے صراحت کے ساتھ کردی ہے تو پھر شیخ دحلان کی دینداری و دیانتداری اور ان کی کہی ہوئی باتوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ یہ تو صرف ان لوگوں میں ہی شمار ہوسکتے ہیں جو اپنا دین، دنیا کے عوض فروخت کرتے ہیں۔ اس کی تائید ہندوستان کے ایک عالم کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کتاب "البراھین القاطعه علی ظلام الانوار الساطعه" مطبوعہ ہند کے مصنف نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانے (۱۳۰۳) میں مکہ کے ایک شیخ نے فتوی دیا کہ ابو طالب مومن تھا۔ حالانکہ اس فتوی میں انہوں نے صحیح احادیث کا انکار کیا۔ مگر یہ فتویٰ اس نے اس لیے دیا کہ اس نے ایک بغدادی رافضی سے رشوت لی تھی۔ اس کتاب میں جس دور کا ذکر ہے وہ دور شیخ دحلان کا ہی ہے جس کا انتقال ۱۳۰۴ ہجری ہے۔ مذکورہ کتاب کے مصنف شیخ رشید احمد گنگوہی جنہوں نے (بذل المجہود شرح ابی داؤد لکھی ہے) یہ واقعہ اس کتاب (البراہین میں مذکورہ ہے) اور مؤلف کے شاگرد شیخ خلیل احمد کی طرف منسوب ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کتاب مؤلف نے انہی (خلیل) کو املا کروائی تھی۔ یہ اپنے دور میں دیوبند کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے۔

اگر ہم فرض کرلیں کہ شیخ دحلان نے ان کتب و رسائل میں سے کوئی بھی کتاب یا رسالہ نہیں دیکھا اور ان دلائل اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے جوابات سے بھی لاعلم رہے اور جو کچھ اس (دحلان) نے اپنی کتاب میں لکھا ہے یہ سب اس نے لوگوں سے سنا اور اسے سچ مان لیا۔ تو کیا اس کی ذمہ داری یہ نہیں تھی کہ وہ ان کی تحقیق کرتے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی کتب و رسائل دیکھنے اور ثابت ہونے کے بعد ان کا رد کرتے؟ اور لکھتے وقت یہ لہجہ اختیار کرتے کہ ہمیں فلاں نے یہ بات بتائی یا ہمیں یہ بات پہنچی ہے اگر یہ صحیح ہے تو اس کا حکم یہ ہے!!

جبکہ ہندوستان اور یمن کے علمائے اہلسنت کو وہ سب کچھ معلوم ہوچکا ہے جو شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں کہا گیا ہے اور پھر ان علماء نے تحقیق کی، چھان بین کی جیسا کہ اللہ کا حکم ہے کہ (اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا) تحقیق و تفتیش کے بعد بات واضح ہوکر علماء کے سامنے آگئی کہ یہ سب بددیانت لوگوں کے الزامات اور بہتان ہیں جبکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے دور کے جید علماء نے ان کی تعریف کی ہے اور انہیں ائمہ مصلحین اور اسلام کی تجدید کرنے والوں اور فقہاء حدیث میں شمار کیا ہے۔ اس مقدمہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ وہ سب کچھ نقل کیا جائے جو ان علماء نے شیخ کی تعریف میں کہا ہے۔ یہ مقدمہ تو صرف اس کتاب کے تعارف کی تمہید ہے جس میں دحلان پر رد کیا گیا ہے۔

یہ کتاب "صیانة الانسان" اور اس کے مؤلف شیخ محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ ہند کے بہت بڑے علماء اور محدثین میں شمار ہوتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ یہ ان چنیدہ لوگوں میں سے تھے جو علوم شرعیہ وعقلیہ دونوں کے حامل ہوتے ہیں۔ صرف عالم نہیں بلکہ عالم باعمل متقی و صالح تھے۔ مکہ میں ان کی ملاقات شیخ دحلان سے ہوئی اور توحید پر ان سے مناظرہ کیا جو کہ وہابیوں کی بنیاد ہے۔ ان پر حجت قائم کر دی (دلائل میں لاجواب کر دیا) جب (شیخ بشیر) ہندوستان واپس تشریف لائے تو یہ کتاب انہوں نے تصنیف کی مگر ان کے دور میں جب یہ شائع ہوئی تو علامہ شیخ عبداللہ بن عبدالرحیم السندی کی طرف منسوب تھی۔ جیسا کہ بذل المجہود میں لکھا ہے۔ علماء اپنے زمانے میں اکثر اس طرح کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ نیل الامانی فی الرد علی النبہانی عراق کے علامہ سید محمد شکری الالوسی کی تصنیف ہے مگر یہ ابو المعالی الشافعی السلامی کی طرف منسوب ہے۔ یعنی مصنف کے طور پر ان کا نام درج ہے۔

شیخ بشیر نے دحلان کے رد میں محدثین کا طریقہ اپنا ہے کہ روایات نقل کرنے اور تحریر کرنے میں تحقیق وثبوت اور حوالوں کا اہتمام کیا ہے۔ اسی طرح تاریخی واقعات کے بھی حوالے دیے ہیں۔ اگر کسی روایت کی سند میں کوئی عیب ہے تو اس کی علت بھی بیان کر دی ہے۔ اس کے رجال پر جرح وتعدیل کے قواعد کے مطابق حکم لگایا ہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے بڑے علماء جرح و تعدیل کی مشہور تصانیف سے استفادہ کیا ہے اور اس کی وجہ سے یہ بعض مقامات پر تکرار مہمل اختیار کرنے پر بھی مجبور ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ شیخ اس تہمت سے بچنا چاہتے ہوں کہ انہوں نے جرح وتعدیل میں سے بعض باتیں بیان نہیں کیں اور کتمان سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ مذہبی تعصبات کے حامل لوگ کرتے ہیں کہ اپنے مذہب کے مخالف کو ضعیف اور تائید کرنے والے کو قوی قرار دیتے ہیں۔ اس سے دحلان کا علم حدیث سے لاعلمی کا بھی اظہار ہو گیا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ شیخ دحلان نہ ثقہ ہیں اور نہ نقل کرنے میں سچے ہیں۔ شیخ بشیر نے خود پر لگنے والے الزامات کی نفی کرنے میں استدلال کرتے وقت خالص اجتہادی طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور صرف یہی لکھا ہے کیا دین اسلام ہے اور کیا نہیں ہے اور یہ کہ کیا سنت ہے کیا بدعت اور اس کے بدعت ہونے کے دلائل نصوص کتاب وسنن ماثورہ اور اسلام کے قرن اول کے لوگوں یعنی صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین سے لیے ہیں۔ جبکہ اس کے مقابل شیخ دحلان ہیں جن کے دلائل موضوع ومنکر روایات ہیں یا ان مقلدین علماء کے اقوال کے جن کے بارے میں ائمہ کا اجماع ہے کہ ان کا قول قابل اعتبار نہیں ہے۔ یا ایسے اقوال نقل کرتے ہیں جن کا کہنے والا معلوم نہیں ہوتا۔ یا بعض ثابت شدہ نصوص میں تحریف کر کے انہیں اس بدعت کو ثابت کرنے کی دلیل بنا لیتے ہیں جو نصوص قطعیہ اور سیرت سلف سے مردود ثابت ہو چکی ہوتی ہیں۔

مثلاً عمر رضی اللہ عنہ کا عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے بارش طلب کرنے کی روایت کہ یہ صحیح روایت ہے مگر یہ قبر پرستوں کے خلاف دلیل ہے ان کی تائید میں نہیں ہے۔ اسی طرح ایک نابینا کا رسول ﷺ کے توسل سے دعا کرنا یہ صحیح نہ ہونے کے باوجود اگر دلالت کر بھی رہی ہے تو اس بات پر کہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی دعا کا وسیلہ لے رہا ہے۔ آپ ﷺ کی ذات کا نہیں۔ یہ ان قبر پرستوں کے خلاف دلیل ہے جو ایسے وسیلے لیتے ہیں جو دین کے اصولوں، قرآن کے نصوص اور سنت صحیحہ کے خلاف ہیں۔ یہ جو مختصراً ہم نے ذکر کر دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ شیخ دحلان نے ردّ وہابیت اور اللہ کے علاوہ انبیاء، صالحین جو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انتقال کر چکے ہیں ان کو پکارنا ان سے فریاد کرنا ان کی قبروں کے لیے باقاعدہ سفر کر کے جانا ان سے ضروریات پوری کروانا جائز قرار دیا ہے۔ تو اس کی بنیاد تین قواعد پر رکھی ہے۔

① باطل روایات اور اسی طرح کی حکایات، خواب اور اشعار حالانکہ علمائے ملت میں سے کسی کے نزدیک بھی ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ سامان صرف عوام میں ہی بیچا جاسکتا ہے۔

② نصوص سے وہ استدلال لینا کہ شرعاً وہ نص اس کے لیے ہوتی نہیں۔ مثلاً اہل قبور کو سلام کرنا اور نبی ﷺ کا مقتولین بدر کو مخاطب کرنا اور پھر ان سے اس بات پر استدلال کرنا کہ مردے زندہ ہیں۔ انہیں پکارا جاسکتا ہے، ضرورت اور مصیبت کے وقت ان سے دعائیں کی جاسکتی ہیں۔ اس میں جہالت یہ ہے کہ اس نے برزخ کی زندگی کو دنیاوی زندگی پر اور عالم الغیب کو عالم الشہادۃ پر قیاس کیا ہے۔ حالانکہ اصولِ شرع کے علماء اور تمام عقلاء کے نزدیک یہ باطل ہے جبکہ اس پر عقائد اور تعبدی احکام مرتب ہو رہے ہیں۔ جو کہ شارع کے نص کے بغیر نہیں ہوتے۔ (یعنی عقائد اور عبادات قیاس سے نہیں بلکہ نص شارع سے ثابت ہوتے ہیں)

دوسری بات یہ ہے کہ قیاس کے ذریعے ثابت کرنے والا یہ شخص (دحلان) مقلد ہے مجتہد نہیں ہے جیسا کہ یہ خود اور اس کے متبعین اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

③ حقیقت کو تبدیل کرنا۔ بات کو الٹ دینا جیسا کہ جماعت المسلمین کی اتباع کی ترغیب اور جماعت سے علیحدگی کی مذمت میں احادیث وارد ہیں، ان کے بارے میں دحلان کا خیال ہے کہ ان میں جماعت سے مراد ہے ہر دور کی وہ جماعت جو اکثریت میں ہو جس کے افراد کی تعداد زیادہ ہو یہ اس کی جہالت ہی ہے اس لیے کہ یہ دعویٰ قرآنی نصوص، صحیح احادیث، آثارِ سلف اور حقائق کے خلاف ہے ہر دور اور ہر علاقہ کے حالات اور تاریخ اس کی تردید کرتی ہے۔

مصنف (شیخ بشیرؒ) نے کتب احادیث و آثار سے حاصل کردہ وسیع معلومات کی بنیاد پر اس دعوی کو غلط ثابت کیا ہے۔ انہوں نے اس بارے میں وارد شدہ آیات و روایت کو واضح کیا ہے۔ اور ان آیات کی جو تفسیریں علماء نے کی ہیں وہ بیان کر دی ہیں اور جو بدعات اور گمراہیاں خیر القرون کے بعد پیدا ہوئیں ان کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ہر بعد میں آنے والا دور پہلے والے سے بدتر ہوتا ہے اور یہ کہ ہر زمانے میں ایک گروہ حق پر رہے گا اور وہ کم تعداد کے افراد پر مشتمل ہوگا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ منقولہ دلائل سے مزین اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس اہم مسئلے میں وہ اہم بات کیا ہے جس کا ہم نے تمہید میں ذکر کر دیا ہے اور وہ متاخرین کی گمراہی کا سبب بنی ہے۔

اس کتاب اور مصنف کی چند خوبیاں یہ ہیں:

① اعلیٰ ادبی عبارت

② کسی کی مذمت یا مدح میں مبالغہ کرنے سے گریز کہ جس امام کا دفاع کر رہے ہیں اس کی تعریف میں غلو نہیں کیا گیا اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس کا جواب اور رد کیا جارہا ہے اس کی مذمت ایسی نہیں کی گئی کہ جو بدکلامی یا گالی کے درجے کو پہنچ جائے۔ بلکہ مفید مطلب رد پر اکتفا کیا گیا ہے۔

صرف دلائل کا علمی رد کیا گیا ہے۔ آپ کتاب میں دیکھیں گے کہ جب وہ شیخ دحلان کی کسی جھوٹی بات اور بہتان کا رد کرتے ہیں تو کہتے ہیں "ھذا قول لم تصح بہ روایۃ" کہ یہ قول روایتاً صحیح نہیں ہے۔ انہیں چاہیے کہ اس کی روایت لے کر آئیں اور رواۃ کی تعدیل بھی ذکر کریں تاکہ ہم اس کا جواب دیں۔

اس کتاب کے بارے میں مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ صرف شیخ دحلان کا رد نہیں ہے اور نہ ہی صرف ان فقہاء کا رد ہے جن سے شیخ دحلان نے نقل کیا ہے۔ مثلاً شیخ تقی الدین سبکی اور شیخ احمد بن حجر الھیثمی المکی بلکہ یہ تمام قبر پرستوں اور مبتدعین پر رد ہے۔ ان کے بعد آنے والے اور ہمارے زمانے تک کے قبر پرستوں کا رد ہے۔

اس کتاب کے سابقہ نسخوں میں ایک کمی تھی جسے اس مرتبہ دور کر دیا گیا ہے وہ کمی یہ تھی کہ اسے ابواب، فصول اور عنوانات میں تقسیم نہیں کیا گیا تھا، جس کی وجہ سے مطالعہ کرنے خاص کر کسی مطلوبہ مسئلے کو تلاش کرنے میں دقت ہوتی تھی۔ ہم نے یہ کمی اس ایڈیشن میں دور کر دی ہے۔ اب ہم نے ہر صفحے کے اوپر عنوان بنایا ہے جو اہم مسئلے کی نشاندہی کرتا ہے اور کتاب کی فہرست بنائی ہے جس میں تمام اہم مسائل کا احاطہ کیا ہے۔ اب اس کے مطالعہ اور مسائل کی تلاش میں آسانی ہو گئی ہے۔

ہندوستان میں طبع ہونے والے پہلے ایڈیشن میں کتابت کی بہت غلطیاں تھیں، انہیں اب دیگر کتب سے مراجعہ کے بعد درست کر لیا گیا ہے۔ کچھ کی وضاحت کے لیے ہم نے حاشیہ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کا سمجھنا قارئین کے لیے مشکل نہیں ہو گا۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم نے اس اہم اور مفید کتاب کے لیے جو طویل وقت صرف کیا ہے اس کا ہمیں اجر دے اور قارئین کے لیے ہماری یہ خدمات مفید بنائے۔

والحمدللہ علی مامن التوفیق

محمد رشید رضا (صفر ۱۳۵۲ھ)
بانی مجلہ المنار مصر (مصنف: تفسیر المنار)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله الذی تعالیٰ عن الشریك والمثل والكفوٴ والندید والحمدلله الذی لاملجاء ولا منجی منه الاالیه وهوفعال لمایرید۔ ونشهد ان لا اله الاالله وحده لاشریك له كلمة خلقت لاجلها الجن والانس من اماء وعبید۔ ونشهد ان سیدنا محمداً عبده ورسوله المبعوث بالملة الحنیفیة القیمة وخالص التوحید۔ اللهم فصل وسلم علی سیدنا محمد قاطع ذرائع الكفر وحبائل التقلید۔ وعلیٰ اٰله وصحبه الاٰخذین بسنته والمقلدین بامره فی المدن والقریٰ والبید وعلی العدول الحاملین لهذا العلم النافین عنه تحریف كل غال عنید وانتحال كل مبطل مرید۔ وتاویل كل جاهل صندید۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو شرک، مثل، برابر اور ہمسر سے بلند (پاک) ہے۔ تعریف ہے اس اللہ کی جس کے بغیر نہ پناہ ہے نہ نجات۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ﴿لا اله الا الله وحده لا شریك له﴾ ایسا کلمہ ہے جس کی خاطر اللہ نے انسانوں اور جنوں، مردوں اور عورتوں کو پیدا کیا ہے۔ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول اللہ ہیں۔ جنہیں مضبوط دین ملت حنیف اور توحید دے کر بھیجا گیا ہے۔ اے اللہ تو جناب محمد ﷺ پر رحمتیں نازل فرما جنہوں نے کفر کے ذرائع اور تقلید کی رسیاں کاٹ دی تھیں اور ان کے ماننے والوں اور صحابہ کرام پر بھی کہ جنہوں نے آپ ﷺ کی سنتیں اپنائیں اور دیہاتوں اور شہروں میں آپ کے دین کی پیروی کی اور ان عادل علماء پر بھی (رحمتیں نازل فرما) جو اس علم کو اپنائے ہوئے ہیں اور ہر غلو کرنے والے سرکش کی تحریف سے اس کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ہر باطل ہٹ دھرم کے حیلوں اور ضدی جاہل کی تاویلات سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

امابعد!

مجھے ایک کتاب کے بارے میں معلوم ہوا جو شیخ احمد زینی دحلان کی تالیف ہے۔ جس کا نام ”الدرر السنية فی الرد علی الوهابية“ ہے۔ میں نے اس کتاب کے دیباچہ میں دیکھا کہ مصنف نے اپنی اس باطل اور حقیر ترین کتاب کے بارے میں دعویٰ کیا ہے کہ اس میں قرآن وسنت کے وہ دلائل ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور وسیلے کے (ثبوت) کے لیے اہلسنت نے اپنایا ہے۔ یہ پڑھ کر مجھے بہت تعجب ہوا۔ اس لیے کہ اس بارے میں تو کوئی حسن حدیث بھی نہیں چہ جائیکہ صحیح حدیث کا دعویٰ کیا جائے۔ میں نے اس کتاب کا بغور تنقیدی جائزہ لیا یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ دعویٰ سچا ہے یا صرف مخالفت برائے مخالفت کی خاطر جھوٹ بولا گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس کا دعویٰ سچ اور حق کے لباس سے عاری جبکہ جھوٹ، فریب اور باطل سے مزین ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اس میں صرف وہی حدیثیں ہیں جو التقی السبکی نے شفاء الاسقام میں ذکر کی ہیں۔ اور ان احادیث کی تین حیثیتیں ہیں۔

① **موضوع:** جنہیں وضاعین نے وضع کیا ہے۔

② **ضعیف و کمزور:** جنہیں ان لوگوں نے روایت کیا ہے جو کثرت الغلط، خطا اور اوھام میں مشہور ہیں۔

③ **:** وہ احادیث جو اس کے خیال میں صحیح اور حسن ہیں مگر مقصد پورا نہیں کرتیں۔

یہ سب کچھ امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عبدالھادی نے الصارم المنکی میں ذکر کیا ہے۔ اس میں آیات اور صحیح و حسن احادیث ایسی نہیں ہیں جو مطلوب پر دال ہوں۔ مصنف کا فرض بنتا تھا کہ وہ (دعوے کے مطابق) کوئی ایک دلیل پیش کر دیتے۔ تا کہ اس کے دعویٰ میں قبول کیے جانے کی صلاحیت آجاتی اور وہ متروک نہ ہوتا یا اس طرح کرتے کہ شفاء الاسقام میں ذکر کردہ احادیث کے علاوہ صحیح و حسن حدیث پیش کرتے تا کہ ان کی بات قبول کر لی جاتی یا ان اعتراضات یا تنقیدوں کا جواب دیتے جو صاحب الصارم و دیگر علماء نے کیے ہیں۔ جب ان دونوں میں سے کوئی بھی کام اس نے نہیں کیا تو (ان احادیث کو پیش کرنے کا) کوئی فائدہ نہیں ہے۔ نہ ہی یہ طویل بحث کسی نفع کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

ایک تعجب خیز بات یہ بھی ہے کہ مصنف خود کو مقلد گردانتے ہیں اور ادلہ شرعیہ سے استدلال بھی کرتے ہیں، حالانکہ یہ مجتھد کا کام ہے (مقلد کا نہیں)۔

یہ سب کچھ دیکھ کر میں نے تہیہ کر لیا کہ اس کتاب میں موجود غلط تفہیمات (جھوٹ سے) مزین شدہ اقوال اور غلط استدلالات کی وضاحت کروں۔ تا کہ اس کتاب کو پڑھنے والے جو کہ علم حدیث، رجال و متون سے واقف نہیں ہیں وہ دھوکہ نہ کھائیں۔ اس کام کے لیے میں اللہ سے مدد کا خواستگار ہوں کہ ہر قسم کی قوت و طاقت کا مالک وہی ہے۔

(کتاب میں مذکور شیخ دحلان کے اقوال و دلائل کا جواب پیش خدمت ہے۔)

شیخ دحلان: ہمارے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت مشروع ہے۔

شیخ بشیر: نبی ﷺ کی قبر کی زیارت مشروع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں مگر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اسے غیر شرعی قرار دیتے تھے یہ جھوٹ اور بہتان ہے (جیسا کہ ان کی کتابوں الجواهر الباهر اور الرد علی الاخنائی سے واضح ہوتا ہے) امام علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عبدالھادی المقدسی الحنبلی "الصارم المنکی" میں فرماتے ہیں۔ اس اعتراض کرنے والے کے بارے میں بات کرنے سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ شیخ الاسلام (ابن تیمیہ رحمہ اللہ) نے اپنی کسی کتاب میں قبروں کی زیارت کو مشروع ہونے کے لحاظ سے حرام قرار نہیں دیا نہ ہی اس سے منع کیا ہے اور نہ ہی مکروہ کیا ہے۔ بلکہ اسے مستحب کہا ہے اس کی ترغیب دلائی ہے۔ ان کی تصنیفات اور حج کے مسائل میں نبی ﷺ کی قبر اور دیگر قبروں کی زیارت کو مستحب کہا ہے۔ جیسا کہ مناسک حج بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "**باب زیارۃ**

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قبر النبی ﷺ:

جب (حاجی) مدینہ منورہ جائے (حج سے پہلے یا بعد میں) تو وہ پہلے جو مذکور ہوا وہ کہے اور داخل ہونے کے بعد بہتر اور مستحب ہے کہ غسل کرے اس پر امام احمد نے نص پیش کی ہے۔ جب مسجد میں داخل ہو تو دایاں پاؤں پہلے داخل کرے اور یہ دعا پڑھے:

"بسم اللہ والصلاۃ علی رسول اللہ اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك"

ترجمہ: "اللہ کے نام سے آغاز ہے، درود ہو اللہ کے رسول اللہ پر، اے اللہ میرے گناہ معاف فرمادے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔"

پھر روضہ پر آئے یعنی قبر و منبر کے درمیان (ریاض الجنہ) وہاں نماز پڑھے اور جو چاہے دعا کرے پھر نبی ﷺ کی قبر پر آئے قبر کی دیوار کی طرف منہ کرے اسے چھوئے نہ اور نہ ہی بوسہ دے اور قبلہ میں منبر کے پاس جو قندیل ہے وہ سر کے اوپر ہو یعنی قندیل کے عین نیچے کھڑا ہو جائے تا کہ نبی ﷺ کے بالکل سامنے کھڑا ہو اور دور کھڑا رہے اور اس طرح خشوع و سکون سے رہے کہ اگر آپ ﷺ زندہ ہوتے تو ان کے سامنے کیسے کھڑے ہوتے۔ سر جھکا کر نظریں نیچے کر کے اپنے دل میں آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہونے کا رعب لائے پھر کہے:

"السلام علیك یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ السلام علیك یا نبی اللہ و خیرتہ من خلقہ السلام علیك یا سید المرسلین و خاتم النبیین و قائد الغر المحجلین اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد انك رسول اللہ اشھد انك قد بلغت رسالات ربك و نصحت لامتك و دعوت الی سبیل ربك بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ و عبدت اللہ حتی اتاك الیقین فجزاك اللہ افضل ماجزی نبیا و رسول اللہ عن امتہ اللھم آتہ الوسیلۃ و الفضیلہ و ابعثہ مقاما محمود الذی وعدتہ لیغبطہ بہ الاولون و الآخرون اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی آ ابراھیم انك حمید مجید اللھم بارك علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی آل ابراھیم انك حمید مجید۔ اللھم احشرنا فی زمرتہ و توفنا علی سنتہ و اوردنا حوضہ و اسقنا بکاسہ شربا لا نظما بعد ابدا"

ترجمہ: "اللہ کے رسول اللہ آپ پر سلام، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ پر سلام ہو۔ اے اللہ کے نبی اور مخلوق میں سب سے بہتر ہستی۔ اے سید المرسلین وخاتم النبیین پنج کلیانوں کے قائد آپ پر سلام۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول اللہ ہیں آپ نے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور اپنی امت کی خیر خواہی کی ہے اور اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور مواعظ حسنہ کے ذریعے دعوت دی اور آپ نے موت آنے تک اللہ کی عبادت کی اللہ آپ کو امت کی طرف سے تمام انبیاء سے بڑھ کر جزاء دے۔ اے اللہ آپ (ﷺ) کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں اس مقام محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے تا کہ ان پر اگلے پچھلے سب لوگ رشک کریں۔ اے اللہ محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر برکتیں نازل فرما جیسا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ تو نے آل ابراہیم پر فرمائی تھیں۔ بے شک تو بزرگی والا تعریف کیا گیا ہے۔ اے اللہ ہمیں ان کے گروہ میں اٹھانا اور ان کی سنت پر موت دینا ہمیں ان کے حوض (کوثر) پر لیجا اور ان کے پیالے سے ہمیں پلا دے جس کے بعد کوئی پیاس نہیں ہوتی۔"

اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی قبروں پر آکر کہے:

"السلام علیك یا ابا بکر الصدیق السلام علیك یا عمر الفاروق السلام علیکما یا صاحبی رسول الله وضجیعیه ورحمة الله وبرکاته جزاکم الله عن صحبة نبیکما وعن الاسلام خیرا سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار"

ترجمہ: "ابو بکر آپ پر سلام، عمر آپ پر سلام، رسول اللہ کے ساتھیو اور آپ کے پہلو میں (دفن ہونے) والو آپ دونوں پر سلام اور اللہ کی رحمتیں و برکتیں۔ اللہ آپ دونوں کو نبی کا ساتھ دینے اور اس کی بنا پر بہتر بدلہ دے۔ تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر کیا آخرت بہتر ہے رہائش کے لحاظ سے۔"

فرماتے ہیں کہ اگر ممکن ہو تو اہل البقیع اور شہداء کی قبروں کی زیارت کرے۔ یہ صارم میں مذکور شیخ کی عبارت ہے۔ شیخ رحمہ اللہ نے اواخر عمر میں مناسک کے بارے میں جو کتاب لکھی تھی اس میں فرماتے ہیں: جب (حج سے پہلے یا بعد میں) مدینہ میں داخل ہو جائے تو مسجد نبوی میں آکر نماز پڑھے کہ اس میں پڑھی ہوئی نماز دوسری جگہ کی نماز سے ہزار گناہ زیادہ بہتر ہے۔ سوائے مسجد حرام کے۔ تین مساجد مسجد حرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس کے علاوہ کسی مسجد کا سفر نہ کیا جائے (صحیحین، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ) مسجد نبوی جتنی بڑی آج ہے پہلے نہیں تھی اسی طرح مسجد حرام بھی چھوٹی تھی لیکن خلفائے راشدین اور بعد کے مسلم حکمرانوں نے اس میں توسیع کی۔ ان مساجد کے توسیع شدہ حصوں پر وہ تمام احکام لاگوں ہیں جو توسیع سے قبل ان مسجدوں کے لیے تھے (یعنی یہ اضافہ و توسیع شدہ حصے بھی فضائل و احکام میں توسیع سے قبل والی مسجد کے برابر ہیں)۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ساتھیوں (ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما) پر سلام کہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"جب بھی کوئی آدمی مجھ پر سلام کہتا ہے میری روح مجھ میں لوٹا دی جاتی ہے اور میں اس سلام کا جواب دے دیتا ہوں۔"

(ابو داؤد وغیرہ)

عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جب مسجد (نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) میں داخل ہوتے تو کہتے تھے:

"السلام علیك یا رسول الله، السلام علیك یا ابا بکر، السلام علیك یا ابت"

پھر واپس پلٹ جاتے۔ اس طرح دیگر صحابہ بھی آپ پر سلام کہتے۔ جب (ابن عمر) اپنے سلام میں کہتے کہ:

"السلام علیك یا رسول الله، السلام علیك یا نبی الله السلام علیك یا خیرة الله من خلقه السلام علیك یا اکرم الخلق علی ربه یا امام المتقین"

تو یہ سب آپ کی صفات تھیں۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام پڑھتے تو اللہ کے دیئے ہوئے حکم کے مطابق ہی تھا ﴿یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه: مترجم﴾ سلام کہتے وقت حجرہ کی طرف منہ اور قبلے کی طرف پیٹھ کرنا ہوگا جیسا کہ اکثر علماء نے کہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ مثلاً امام شافعی، امام احمد وغیرہ۔ جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قبلے کی طرف منہ کرے گا۔ امام صاحب کے کچھ اصحاب کہتے ہیں کہ حجرہ کی طرف پیٹھ کرے گا کچھ کہتے ہیں کہ اسے بائیں طرف رکھے گا۔ البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ زائر حجرہ کو چھوئے گا نہیں چومے گا نہیں۔ نہ ہی اس کا طواف کرے گا نہ وہاں نماز پڑھے گا اور نہ ہی حجرہ کی طرف منہ کر کے دعا کرے گا۔ یہ سب کچھ باتفاق ائمہ ممنوع ہے۔ امام مالک ان کو بہت زیادہ ناپسندیدہ کہتے ہیں۔

شیخ دحلان: قرآن سے دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ (نساء:٦٤)

ترجمہ: "اگر یہ لوگ جب اپنی نفسوں پر ظلم کرتے تو آپ کے پاس آتے، اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول اللہ بھی ان کے لیے استغفار کرتا تو یہ اللہ کو پاتے توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا۔"

www.kitabosunnat.com

شیخ بشیر: اس استدلال میں چند خرابیاں ہیں، مثلاً:

① یہ کہتے ہیں کہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ کیا پوری امت کو ترغیب ہے؟ یہ تو تسلیم نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ آیت ایک خاص قوم کے بارے میں آئی ہے جیسا کہ عنقریب مذکور ہو گا۔ یہاں عام لفظ بھی نہیں ہے کہ یہ کہا جا سکے کہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے خاص سبب کا نہیں۔ بلکہ اس آیت میں امت کے لیے جو الفاظ آئے ہیں وہ سب ضمائر ہیں جبکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ضمائر میں عموم نہیں ہوتا۔

اسی لیے اس آیت سے استدلال کرنے والوں، تقی سبکی، قسطلانی، ابن حجر مکی وغیرہ نے اس آیت کا عموم سے تعلق نہیں جوڑا یہاں تک کہ صاحب کتاب (یعنی شیخ دحلان جن کا یہاں رد کیا جا رہا ہے) نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ اس نے جو تقی سبکی اور قسطلانی کی متابعت کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ آیت علت کے عموم کی وجہ سے عام ہے تو اس صورت میں دلیل آیت نہیں بلکہ قیاس دلیل ہے اور یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ دلیل کتاب اللہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جو لوگ قیاس کو حجت مانتے ہیں تو ان کے ہاں وہ قیاس حجت ہوتا ہے جو ایسے مجتہد نے کیا ہو جس میں اجتہاد کی وہ تمام شرائط پائی جاتی ہوں جو علم اصول میں مذکور ہیں۔ جبکہ یہاں یہ دونوں امر مفقود ہیں۔ اس لیے کہ صاحب کتاب (دحلان) مقلد ہیں اور مقلد مجتہد نہیں ہوتا کہ کسی شرعی دلیل سے اجتہاد کر سکے۔ اس کا دلیل سے کیا واسطہ؟ اس کی حیثیت اور اس کا فریضہ صرف یہ ہے کہ کسی اور کی بات کو بلا دلیل قبول کرے۔ لہٰذا صاحب کتاب (دحلان) نے یہاں دلائل شرعیہ ذکر کر کے اپنے منصب و مرتبے کی خلاف ورزی کی ہے اور اگر ان کا مقصد ہے کہ (آیت میں پوری امت کے بجائے) کچھ لوگوں کو ترغیب دینا مقصود ہے تو پھر قربت مکمل نہیں ہوتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ صاحب کتاب نے آیت میں مذکور آنے کو عام قرار دیا ہے کہ اس سے مراد آپ ﷺ کی قبر پر آنا ہے۔ حالانکہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ عام لفظ صرف اپنے افراد کو شامل ہوتا ہے جبکہ ایک شخص کی قبر پر آنا اس شخص کے پاس آنا نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے نہ لغوی لحاظ سے نہ شرعی اور نہ عرف کے لحاظ سے۔ایک شخص کے پاس آنے سے مراد صرف اسی آدمی کے پاس آنا مراد ہو گا اور اس سے زائد کچھ مراد نہ ہو گا اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس سے وہ زائد چیز بھی مراد ہے جو لفظ کے معنی میں داخل نہیں ہے تو اس سے سوال ہو گا کہ کیا ہر زائد امر مراد لیا جا سکتا ہے؟ یا ہر زائد امر کی اضافت و نسبت اس آدمی کی طرف کرنا صحیح ہے؟ یا کسی خاص امر یا قبر کی؟

پہلی بات تو کوئی بھی عقل مند نہیں کہے گا اور اگر یہ دوسری شق کو اختیار کرتے ہیں تو ان سے کہا جائے گا کہ آپ کے اس فاسد قول کی بنا پر ایک آدمی کے پاس آنے کا اطلاق اس کے گھر یا بیویوں یا اولاد یا ساتھیوں یا رشتہ داروں، عزیزوں، قوم، متبعین، امت، جائے پیدائش، جائے نشست، باغات، مسجد، شہر، گلیوں، آبادی، جائے ہجرت وغیرہ کے پاس آنے پر بھی ہو گا۔ حالانکہ اس طرح کی بات تو کوئی جاہل کند ذہن ہی کر سکتا ہے اور اگر کوئی شخص اس کو صحیح سمجھتا ہے تو پھر اس کے نزدیک آیت مذکورہ سے ان تمام اشیاء کے پاس آنے کی دلیل ملتی ہے۔ حالانکہ یہ باطل ترین بات ہے اور اگر تیسری شق کو اختیار کیا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ اس پر کیا دلیل ہے۔ اس کی دلیل نہ تو لغت سے ہے نہ عرف اور شرع سے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں کہ (قبر نبی ﷺ کی زیارت کے) قائلین اور مخالفین دونوں میں سے کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی قبر کے علاوہ کسی اور کی قبر کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ اس قبر کے پاس آنا اس آدمی (قبر والے) کے پاس آنا ہے اور نہ ہی کوئی عقلمند کسی آدمی کے پاس آنے کو اس کی قبر کے پاس آنا سمجھتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ایک آدمی کے پاس آنا ایک علیحدہ اور اس کی قبر کے پاس آنا علیحدہ کام ہے جس طرح کہ ایک آدمی کے پاس آنا الگ اور مذکورہ اشیاء کے پاس آنا الگ معاملہ ہے۔ یہ ایک دوسرے کے افراد نہیں ہیں (ایک لفظ مشترک میں شامل نہیں ہے)۔ جب یہ واضح اور ثابت ہو گیا (کہ یہ دونوں ایک ہی چیز کے اجزاء یا افراد نہیں اور ان پر ایک ہی لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا) تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آنا اور آپ ﷺ کی قبر کے پاس آنا ان دونوں کاموں کو ایک شمار کرنا ایسا ہے جیسے لفظ انسان کا انسان اور گھوڑے دونوں پر اطلاق کیا جائے۔ حالانکہ اس طرح کرنا ایک شئے کو اس کی ذات اور اس کی غیر کی طرف تقسیم کرنا ہے جبکہ باجماع عقلاء یہ باطل ہے اس طرح اس (دحلان) کا رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ سے استغفار طلب کرنا اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کی قبر کے پاس استغفار طلب کرنا (ایک شمار کرنا بھی غلط ہے) اس لیے کہ یہ دونوں بھی ایک دوسرے کے فرد نہیں ہیں۔

سوال: اگر یہ اعتراض یا سوال کیا جائے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کی زندگی میں آنا آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی قبر کے پاس آنے کو شامل ہے۔ اگر ہم ایسا کہیں تو تمہارا اعتراض صحیح ہو گا۔ ہم تو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس آنے میں آپ ﷺ کی دنیوی و برزخی دونوں زندگیاں شامل ہیں اور جب برزخی زندگی میں آپ ﷺ کے پاس آنا ثابت ہوا تو آپ ﷺ کی قبر کے پاس آنا خود ہی ثابت ہو گیا اور آیت سے دلیل مل گئی کہ آپ ﷺ کی قبر کے پاس آسکتے ہیں یعنی قبر رسول اللہ ﷺ کی زیارت کر سکتے ہیں۔

جواب: برزخی زندگی ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس لغت یا عرف میں سے کوئی راستہ نہیں ہے۔ لہٰذا عرفاً و لغۃً اس لفظ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صرف آپ ﷺ کی دنیوی زندگی میں آنا ہی سمجھا جائے گا۔ لہٰذا صرف آپ ﷺ کی برزخی زندگی میں آنا لغتاً یا عرفاً آپ ﷺ کے پاس آنا شمار نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ برزخی زندگی صرف شریعت کے بتانے سے ثابت ہوئی ہے جبکہ یہ بات اب تک اپنی جگہ برقرار ہے کہ کیا آپ ﷺ کی برزخی زندگی میں آپ ﷺ کے پاس آنا کیا شریعت کی رو سے آپ ﷺ کے پاس آنا کہلاتا ہے یا نہیں؟

جو اسے مانتا ہے وہ دلیل دے گا۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ کیا آپ ﷺ کی قبر کے پاس آنا آپ ﷺ کی برزخی زندگی میں آنا ہے؟ یا یہ دونوں لازم ملزوم ہیں یا نہیں؟ جو کہتے ہیں ہاں ایسا ہے تو وہ دلیل دیں۔ یہ کیوں جائز نہیں کہ کسی کی قبر کے پاس آنا بعینہ اس شخص کے پاس اس کی برزخی زندگی میں آنا ہے اور یہ دونوں لازم و ملزوم کیوں نہیں ہیں؟ بلکہ اس کے پاس برزخی زندگی میں آنے کا مدار اس پر ہے کہ وہ آنے والا مر جائے اور عالم برزخ میں چلا جائے۔ اس احتمال کی نفی کے لیے شرعی دلیل چاہیے۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ میں زید کے پاس آیا تو اس سے مراد ہوتا ہے ایسی جگہ آنا جہاں سے زید نظر آتا ہو اور اس کی آواز حسب معمول سنائی دیتی ہو۔ جبکہ قبر کے پاس آنے والا ایسی جگہ نہیں جاتا کہ قبر میں دفن شدہ شخص کو دیکھ سکے یا اس کی آواز سن سکے۔ اگر کسی زندہ کو مردے کی طرح قبر میں دفن کر دیا جائے تو وہ نہ نظر آئے گا نہ اس کی آواز سنائی دے گی اور نہ وہ کسی آنے والے کی آواز سنے گا۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ مردہ لوگوں کی جوتیوں کی آوازیں سنتا ہے وغیرہ تو یہ عادتاً یعنی معمول کا سننا نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کا سنوانا ہے کہ مردے میں ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جو معمول کے علاوہ ہوتی ہے۔ اس کی تعیین کا علم ہمیں نہیں ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ غیر عادی طریقہ ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ زیارت کرنے والا قبر میں مدفون شخص کو نہ دیکھ سکتا ہے نہ اس کی آواز سن سکتا ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قبر میں دفن شدہ آدمی کو دیکھنا یا اس کی بات سننا عادتاً نہیں بلکہ غیر عادی ہے (خلاف عادت و خلاف معمول ہے) ورنہ زیارت کرنے والا قبر میں مدفون شخص کی آواز سنتا اور اس کو دیکھتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کسی آدمی کے پاس آنا اس کی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے جس طرح کہ وہ تمام احکام منقطع ہوتے ہیں جن کا ذکر عنقریب نمبر ۳ میں آئے گا۔ کسی شخص کے پاس آنے یا دیگر احکام میں جب تک شریعت فارق کا ذکر نہ کرے اس وقت انہیں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ آپ کے پاس کہاں ہے؟

سبکی نے جو بات کی ہے اور قسطلانی نے اس کی متابعت کی ہے کہ یہ تعظیم کے لیے ہے تو یہ قول سبکی کو واپس کیا جائے گا رد کیا جائے گا اس لیے کہ اس کے قول سے یہ لازم آئے گا کہ تمام مذکورہ احکام بھی تعظیم کی وجہ سے منقطع نہیں ہوتے۔ جبکہ قرآن و سنت سے اس بات کی دلیل ہے کہ تعظیم کی وجہ سے جو کام کیا جائے تو موت کے بعد بھی اس کا حکم منقطع نہیں ہوتا؟

③ وہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی موت سے منقطع نہیں ہوتا۔ ان کے پاس اپنے اس قول کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس حکم کے منقطع ہونے میں کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔ جس طرح کہ دیگر سارے احکام منقطع ہو گئے ہیں۔ مثلاً امامت کبری (حکمرانی) امامت صغری (نماز کی امامت) جہاد، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، صلہ رحمی، امر بالمعروف نہی عن المنکر مومنوں کو جہاد کی ترغیب دینا، مشورہ، فوجیں تیار کرنا، سرحدوں کی حفاظت وغیرہ۔ آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ سب منقطع ہو گئے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر کسی کا خیال ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ لہٰذا ان احکام کے منقطع ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو ان سے سوال ہوگا کہ کیا تمہارے خیال میں برزخی زندگی تمام احکام میں دنیاوی زندگی کی طرح ہی ہے؟ یا نہیں؟ ہاں میں تو جواب دیا ہی نہیں جا سکتا کہ یہ بدیہی طور پر باطل ہے اس لیے کہ مذکورہ احکام کے انقطاع پر امت کا اجماع ہے۔ اگر جواب نہیں میں ہے تو پھر آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کے پاس آنے کا انقطاع بھی ناممکن نہیں ہے۔

شیخ دحلان: آپ ﷺ کا استغفار تمام مومنوں کے لیے ہے اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ (محمد:۱۹)

شیخ بشیر: یہ قول فاسد ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کے جس استغفار کا ذکر ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ﴾ (النساء:۶۴) وہ ہے ظلم کے بعد چاہا جانے والا استغفار ﴿وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾ میں استغفر معطوف ہے ﴿فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ﴾ پر اور یہی زیادہ واضح ہے یا اس کا عطف ﴿جَآءُوْكَ﴾ پر ہوگا۔ جیسا کہ سبکی نے شفاء الاسقام میں کہا ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ استغفار ظلم واقع ہونے کے بعد ہوگا۔

پہلی صورت میں "فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ" "جَآءُوْكَ" کے بعد ہے جس کی دلیل ہے "ف" جو کہ تعقیب کا فائدہ دیتی ہے اور معطوف جو ہے وہ معطوف علیہ کے حکم میں ہے۔ لہٰذا "وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ" "جَآءُوْكَ" سے مؤخر ہے اور "جَآءُوْكَ" مؤخر ہے ظلم سے اور کسی مؤخر کا مؤخر پہلی والی سے مؤخر ہی ہوتا ہے۔

دوسری صورت میں "وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ" کا عطف "جَآءُوْكَ" پر معطوف ہے اور معطوف معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے اور "جَآءُوْكَ" ظلم سے مؤخر ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا استغفار بھی ظلم سے مؤخر ہے۔ معلوم ہوا کہ آیت میں عام استغفار "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ ۔۔۔" کافی نہیں ہے۔ اس پر دیگر آیات اور احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ سورہ ممتحنہ کی آیت ہے:

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (ممتحنہ:۱۲)

ترجمہ: "اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آجائیں اور اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کریں گی نہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی نہ اولاد کو قتل کریں گی نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان کوئی بہتان تراشیں گی معروف میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو ان سے آپ بیعت لیں اور ان کے لیے اللہ سے استغفار کریں اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ عام استغفار کا جو حکم دیا گیا ہے وہ کافی نہیں بلکہ استغفار بیعت لیتے وقت شرک و معاصی سے توبہ کرتے وقت ہے اور سورہ فتح میں ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا﴾ (فتح: ۱۱)

ترجمہ: ''عنقریب آپ ﷺ سے دیہاتی (اعراب) کہیں گے کہ ہمیں مال اور گھر والوں نے مشغول رکھا آپ ہمارے لیے استغفار کریں۔''

اور سورہ منافقون میں ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ﴾ (المنافقون:۵)

ترجمہ: ''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آجاؤ کہ رسول اللہ تمہارے لیے استغفار کریں تو یہ لوگ منہ موڑ لیتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ روکتے ہیں اور یہ تکبر کرنے والے ہیں۔''

یہ دونوں آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسلمانوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان میں سے کسی سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا جو توبہ کا متقاضی ہوتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہتا کہ اللہ کے رسول اللہ میں نے یہ غلطی کر لی ہے، آپ میرے لیے استغفار کریں۔ مؤمنوں اور منافقین میں یہی فرق تھا۔ یہ استغفار اس استغفار کے علاوہ ہے جس کا حکم آپ ﷺ کو ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ۔۔۔'' میں دیا گیا ہے۔

سنت سے دلائل:

کعب بن مالک سے روایت ہے جب وہ غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے۔ تو اس طویل حدیث میں ہے کہ جب ان کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ آنے والے ہیں تو میرے دماغ سے غلط خیالات نکل گئے اور میں نے جان لیا (عزم کر لیا) کہ کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جس میں کسی قسم کا جھوٹ ہو۔ میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ جب (جنگ یا سفر سے آتے تو مسجد میں جا کر پہلے دو رکعت پڑھتے) پھر بیٹھ کر لوگوں سے باتیں کرتے۔ جب آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو جنگ سے رہ جانے والے آکر معذرتیں کرنے لگے، قسمیں کھانے لگے یہ تقریباً اسی (۸۰) سے زیادہ آدمی تھے۔ ان میں سے بعض کا عذر آپ ﷺ نے اعلانیہ قبول کر لیا ان سے بیعت لی اور ان کے لیے استغفار کر لیا اور ان کا باطن اللہ کے سپرد کر دیا۔

بنو سلمہ کے کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم نے اس سے پہلے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا ہے تم نے کیوں دیگر لوگوں کی طرح رسول اللہ ﷺ کے سامنے عذر پیش نہیں کیا؟ تمہارے اس گناہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کا استغفار کافی تھا۔ کعب کہتے ہیں کہ ہم تین آدمی جنہوں نے کوئی عذر (بہانہ) نہیں کیا تھا ہمیں اللہ کے حکم آنے تک مؤخر رکھا گیا۔ (بخاری و مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ ﷺ کے پاس کوئی گناہ گار، قصوروار آتا اور توبہ کرتا استغفار طلب کرتا تو آپ ﷺ اس کے لیے استغفار کرتے اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب سائل بہ نفسِ نفیس حاضر ہوتا۔ کلیہ تھا کہ عام استغفار پر قناعت نہ کرتے تھے۔ آیت ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ'' میں استغفار اہل ایمان کے لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ" میں منافقین کا ذکر ہے۔ لہٰذا جو استغفار آپ نے "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ" کے حکم کے تحت کیا ہے وہ منافقین کے لیے استغفار کو شامل نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے منافقین کے لیے استغفار کرنے سے منع کیا ہے۔ فرماتا ہے:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ (التوبه:۸۰)

ترجمہ: "اگر آپ ﷺ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کریں گے اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔"

اور فرماتا ہے:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ (التوبه:۸۴)

ترجمہ: "ان (منافقین) میں سے کسی فوت شدہ کا کبھی بھی جنازہ نہ پڑھائیں نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔"

(یہاں عام مسلم کی قبر پر کھڑا ہونا ثابت ہوا) فرمان ہے:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ (التوبه:۱۱۳)

ترجمہ: "نبی اور مومنوں کے لیے لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں اگرچہ وہ قرابت دار ہوں جبکہ انکے سامنے واضح ہو گیا ہے کہ (مشرکین) جہنم میں جانے والے ہیں۔"

لہٰذا ثابت ہوا کہ منافقین کے بارے میں جس استغفار کا ذکر ہے وہ "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ" کے علاوہ ہے۔ منافقین آیت "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ" کے تحت داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔ اگرچہ دیگر بھی عمومیت کے پیش نظر ثانوی طور پر داخل ہیں۔ یہ قابل غور مسئلہ ہے اسے اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔

جمہور اہل التفسیر نے یہاں استغفار سے مراد خاص استغفار لیا ہے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہاں عام استغفار کافی ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا" اگر یہ اپنے اوپر ظلم کریں آپ کی اطاعت ترک کر کے اور طاغوت کی طرف فیصلہ لے جا کر "جَآءُوْكَ" آپ ﷺ سے تعلق پیدا کریں اور گناہوں سے علیحدگی اختیار کر لیں "فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ" اللہ سے (گناہوں کی) معافی طلب کریں، آپ ﷺ کے آگے گڑگڑائیں تاکہ آپ ان کے لیے شفاعت کرنے والے بن جائیں پھر ان کے لیے استغفار طلب کریں۔ امام رازی مفاتیح الغیب میں (آیت کی تفسیر کرتے ہیں) کہ وہ ظلم اپنے اوپر اس طرح کریں کہ رسول اللہ ﷺ کے بجائے کسی اور کی طرف فیصلہ لے جائیں اور شرمندہ ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں توبہ کریں۔ آپ ﷺ سے استغفار کی استدعا کریں اور رسول اللہ ﷺ ان کے لیے استغفار کریں یعنی اللہ سے سوال و دعا کریں کہ ان کی توبہ قبول کر کے ان کو معاف کر دے۔ "لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" مزید فرماتے ہیں

سوال: کوئی کہہ سکتا ہے کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگ صحیح طرح توبہ کر لیتے اللہ سے استغفار کر لیتے تو ان کی توبہ قبول ہو جاتی؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس میں ان کے استغفار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے استغفار کو ملانے کا کیا فائدہ تھا؟

جواب:

① طاغوت کے پاس فیصلہ لیجانا اللہ کے حکم کی نافرمانی کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ برائی اور آپ ﷺ کی دل شکنی کا بھی باعث تھا۔ لہٰذا جس کا جرم یا گناہ اس طرح کا تھا اس پر لازم تھا کہ وہ اس گناہ کا عذر آپ ﷺ کے سامنے بھی پیش کرے اسی لیے ان پر واجب کر دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر آپ ﷺ سے استغفار طلب کریں۔

② جب قوم رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہوتی تو گویا یہ ان کی طرف سے سرکشی کا اظہار ہے۔ لہٰذا جب وہ توبہ کریں تو ان پر واجب ہے کہ وہ ایسا عمل بھی کریں جس سے سرکشی کا تاثر ختم ہو۔ اس کا طریقہ صرف یہی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں اور ان سے استغفار طلب کریں۔ ابو السعود کہتے ہیں "جاءوك من غير تاخير" کہ وہ آپ ﷺ کے پاس بلا تاخیر آجائیں۔ ظرف مقدم ہونے کی وجہ سے یہ ثابت ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ سے رابطہ کریں، آپ ﷺ کے ذریعے اپنے نئے اور پرانے گناہوں سے علیحدگی اختیار کریں اور پھر نئے گناہوں میں ملوث نہ ہوں۔ اس ارادے سے کہ باطل عذر اور جھوٹی قسمیں کھا کر ان گناہوں کو چھپالیں گے یہ اللہ سے استغفار کریں خالص توبہ کے ذریعے سے اور آپ ﷺ کے پاس آکر عاجزی کا اظہار کریں تاکہ آپ ﷺ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کر کے ان کے لیے استغفار طلب کریں (زندگی میں)۔

تفسیر مدارک میں ہے اگر یہ ظلم کرتے ہی استغفار کرتے ہوئے آتے اور رسول اللہ ﷺ ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا پاتے۔

بیضاوی فرماتے ہیں یہ اللہ سے استغفار کرتے توبہ اور خلوص کے ساتھ اور استغفر لهم الرَّسُوْلُ کا معنی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس آکر عذر پیش کرتے تو آپ ﷺ ان کے لیے سفارش کرنے والے بن جاتے۔

مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا استغفار ان لوگوں کے استغفار کے بعد ہے۔ جہاں تک شفاء الاسقام میں سبکی کا قول ہے کہ آیت میں متعین نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کا استغفار ان کے استغفار کے بعد ہے بلکہ آیت محتمل ہے (محتمل کا مطلب ہوتا ہے کہ بیک وقت متعدد معانی لیے جاسکتے ہوں) اور مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف استغفار کی نسبت کا تقاضہ ہے کہ اس میں تقدم و تاخر برابر ہے، کوئی فرق نہیں ہے اصل مقصد یہ ہے کہ وہ استغفار کرنے اور آپ ﷺ کے پاس آنے کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کے استغفار میں شامل ہو گئے۔ یہ مذکورہ مطلب تب لیا جائے گا کہ جب ہم "وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ" کا عطف "فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ" پر کریں گے اور اگر ہم اس کو "جَآءُوْكَ" پر عطف کر لیں گے تو مذکورہ معنی لینے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یہ شفاء الاسقام کی عبارت ہے مگر بچند وجوہ محل نظر ہے۔ مثلاً

1 عام مفسرین کی رائے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا استغفار ان لوگوں کے استغفار کے بعد ہے۔ اب (سبکی کا) یہ قول کہ آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ایسی کوئی تعین نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا استغفار ان لوگوں کے استغفار کے بعد ہو تو یہ جمہور کی مخالفت ہے اور ان کو غلط ثابت کرنا یا سمجھنا ہے۔

2 آیت میں ان کے استغفار کو رسول اللہ ﷺ کے استغفار پر مقدم ذکر کرنا اس بات کا متقاضی ہے کہ ان کا استغفار رسول اللہ ﷺ کے استغفار سے پہلے ہے جیسا کہ شوافع نے وضوء کی آیت سے وضوء کی ترتیب پر استدلال کیا ہے۔ سبکی بھی ان میں شامل ہیں۔ اس کی تائید جابر بن عبداللہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ کے حج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ابدءوا بما بدء اللہ بہ" (نسائی) وہاں سے شروع کرو جہاں سے اللہ نے شروع کیا ہے۔ (آیت میں جس رکن کا ذکر پہلے ہے وہاں سے آغاز کرو)۔

3 اگر تسلیم کرلیں کہ آیت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو اس کا تعین کرتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کا استغفار ان کے استغفار کے بعد ہے تو آیت میں اس کا تعین تو ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا استغفار ان کے ظلم میں واقع ہونے کے بعد ہے اور ہماری بات کی تائید کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ اس لیے کہ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہاں عام استغفار نہیں ہے۔

4 سبکی کا یہ قول کہ (استغفار کو) "جاءوك" پر عطف کریں تو اس معنی کی ضرورت نہ رہے۔۔۔۔ اس طرح کا عطف ہماری رائے کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا استغفار ان لوگوں کا ظلم میں واقع ہونے کے بعد ہے۔ اس لیے کہ معطوف اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے۔

5 (یعنی دحلان کا قول مسترد شدہ ہے کہ) جب وہ آئے اور استغفار طلب کیا تو توبہ کی قبولیت اور اللہ کی رحمت (کے حصول) کے تینوں امور مکمل ہو گئے۔ یہ قول اس لیے مسترد شدہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آپ ﷺ کی قبر پر ان کے آنے اور وہاں استغفار کرنے سے وہ امور ثلاثہ مکمل ہو جاتے ہیں جو توبہ کے لیے ضروری ہیں۔ اس لیے کہ آیت میں مذکور امور ثلاثہ یہ ہیں

1 ظلم کے بعد آپ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کی زندگی میں آنا۔

2 زندگی میں ظلم کے بعد آپ ﷺ کے پاس استغفار کرنا۔

3 رسول اللہ ﷺ کا اپنی زندگی میں ان کے لیے استغفار کرنا۔

جبکہ قبر کی زیارت میں ان تینوں امور میں سے ایک بھی نہیں پایا جاتا۔

6 ان کا یہ قول کہ یہ عنقریب احادیث سے ثابت ہو جائے گا کہ آپ ﷺ کا استغفار صرف آپ ﷺ کی زندگی تک محدود نہیں تھا۔ اس بارے میں ہم بات کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

7 ان کا یہ قول کہ آپ ﷺ کی کمال شفقت سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ! کے پاس جو بھی استغفار کے لیے آیا آپ! نے یہ (استغفار کرنا) نہیں چھوڑا (اس کے لیے رب سے استغفار کیا)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہ صرف ظن و تخمینہ، اندازہ ہے اس کے لیے اس (دحلان) کے پاس کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات ان کی قبول نہیں کی جاسکتی۔ ہم اس پر یہ اعتراض یا اشکال بھی پیش کر سکتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے پاس استغفار طلب کرنے کے لیے آنا ممکن و مشروع ہوتا تو آپ ﷺ کی کمال شفقت و رحمت کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کو اس کی ترغیب دیتے اور خیر القرون کے لوگ اس کام میں جلدی کرتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی کوئی ترغیب نہیں دی اور نہ ہی خیر القرون میں کسی نے ایسا کیا۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد استغفار مشروع و ممکن نہیں ہے۔ (الصارم المنکی فی الرد علی السبکی للحافظ ابن عبد الهادی رحمہ اللہ سے ماخوذ)

8 (دحلان کا قول) اس کا قول ہے کہ اگرچہ آیت کریمہ آپ ﷺ کی زندگی میں معین قوم کے بارے میں تھی مگر آپ ﷺ کے انتقال کے بعد علت کے عموم کی وجہ سے عام ہو گئی ہے اور اب یہ ہر اس شخص کے بارے میں ہے جس میں وہ صفت پائی جائے (جو اس معین قوم میں تھی) زندگی میں یا (آپ ﷺ کی) موت کے بعد۔

ہم کہتے ہیں یہاں فریق مخالف نے اقرار کیا ہے کہ آیت خاص منافق لوگوں کے بارے میں تھی اور یہ بات صحیح بھی ہے۔ اس پر اللہ کا یہ فرمان بھی دلالت کر رہا ہے:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ﴾ (نساء:٦١)

ترجمہ: "جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) اور رسول اللہ کی طرف آجاؤ تو آپ دیکھیں گے کہ منافقین آپ (کی طرف آنے) سے روکتے ہیں۔"

انہی لوگوں کے بارے میں سورہ منافقین میں بھی اسی طرح آیا ہے:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ ﴾ (منافقون:٥)

ترجمہ: "جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لیے رسول اللہ استغفار کریں، تو یہ اپنے مونہہ موڑ لیتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ روکتے ہیں اور یہ تکبر کرتے ہیں۔"

لیکن علت کے عموم کی بنا پر اس کے عموم کی وجہ پہلے ذکر ہو چکی ہے (نمبر ا میں)۔ اس عموم کو تسلیم کرنے کے بعد کہا جائے گا کہ یہ آیت جس کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس میں اور اس جیسے دیگر معاملات میں عام ہے۔ یہ ہر اس منافق کے بارے میں عام ہے جسے کہا گیا ہو کہ اللہ کے نازل کردہ احکام اور رسول اللہ ﷺ کی طرف آجاؤ اور وہ آنے سے رک گیا اور طاغوت کے پاس فیصلہ لے جا چکا ہو (طاغوت یعنی غیر اللہ کا فیصلہ اور حکم مانتا ہو) پھر آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے پاس آیا ہو اور اس نے اللہ سے استغفار طلب کی ہو اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے استغفار کی ہو اپنی زندگی میں جبکہ وہ مؤمن جس نے نافرمانی کی اور رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس آیا تو یہ اس منافق کی طرح نہیں ہے۔

9 اس کا قول ہے کہ (یعنی دحلان کا) کہ اسی لیے علماء نے اس سے عموم ہی لیا ہے اور ہر آنے والے کے لیے قرار دیا ہے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علماء نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ جو بھی رسول اللہ ﷺ کی قبر پر آئے تو اسے اللہ سے استغفار طلب کرنے کے لیے پڑھے اور علماء نے اسے زائرین کے لیے پسند کیا ہے وہ اسے قبر کے آداب میں شمار کرتے ہیں اور مصنف (دحلان) نے اسے مذاہب اربعہ کے نزدیک مناسک حج میں شمار کیا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ وہی بات ہے جسے سبکی نے 'الشفاء' میں ذکر کیا ہے اور علامہ ابن عبد الهادی رحمہ اللہ نے 'الصارم' میں اس کا رد کیا ہے۔ ہم یہاں الصارم کی عبارت من وعن نقل کر دیتے ہیں۔ الصارم میں ابن عبد الهادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قوله ولذا فهم العلماء۔۔۔۔۔۔۔"

''وہ (سبکی) کہتے ہیں کہ اسی لیے علماء نے اس آیت سے عموم مراد لیا ہے، دونوں حالتوں میں (آپ ﷺ کی زندگی اور بعد از وفات) ان سے سوال یہ ہے کہ سلف اور ائمہ اسلام میں سے کس نے یہ عموم مراد لیا ہے؟ ایک بھی صحابی، تابعی، تبع تابعی یا ائمہ اربعہ میں سے کسی امام یا کسی اور امام، محدث، مفسر یا کسی بھی عالم کا نام بتا دیں جس نے عموم کا یہ مطلب لیا ہو جو اس (سبکی) نے سمجھا یا مراد لیا ہے۔ یا اس پر عمل کیا ہو یا اس کی طرف رہنمائی کی ہوں۔ لہٰذا علماء کے بارے میں اس طرح کے عموم کا یہ دعویٰ مکمل طور پر باطل اور جھوٹا ہے۔''

شیخ دحلان کی سمجھ پر بھی تعجب ہوتا ہے کہ اس نے الشفاء میں لفظ ھا کی ضمیر کو آیت کی طرف راجع سمجھا ہے۔ کہتے ہیں مصنفین نے ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ آیت العتبی کی حکایت کی طرف راجع ہے۔ الشفاء کی عبارت اس طرح ہے:

"واستحبوا لمن جاء الی قبره ان یتلو هذه الآیة ویستغفر الله تعالی وحکایة العتبی فی ذلك مشهورة وقد حکاها المصنفون فی المناسك من جمیع المذاهب"

ترجمہ: "یہی وجہ ہے کہ علماء نے آیت سے دونوں حالتوں میں عموم مراد لیا ہے اور انہوں نے پسند کیا ہے کہ جو بھی آپ ﷺ کی قبر کے پاس آئے وہ اس آیت کی تلاوت کرے اور اللہ سے استغفار کرے۔ العتبی کی حکایت اس بارے میں مشہور ہے جسے مصنفین مناسک میں تمام مذاہب میں ذکر کیا گیا ہے۔"

یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ امام مالک رحمہ اللہ جو کہ ائمہ اربعہ میں سے ہیں انہوں نے اس آیت سے عموم مراد لیا ہو جیسا کہ منصور اور امام مالک رحمہ اللہ کے درمیان مناظرہ کی تفصیل سے واضح ہو جائے گا۔ ہم کہتے ہیں اس روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا (جیسا کہ بعد میں بیان ہو گا) اس لیے کہ جس نے اس سے عموم مراد لیا ہے اس کی بنیاد العتبی کی حکایت پر ہے جبکہ یہ حکایت ثابت نہیں ہے۔ عنقریب اس کی تفصیل آ جائے گی۔

10 وہ (دحلان) کہتا ہے آیت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنے والے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ سفر کر کے آیا ہو یا بغیر سفر کے اس لیے کہ "جاءوك" شرط کے حیز میں واقع ہوا ہے۔ لہٰذا یہ عموم پر دلالت کرتا ہے۔

(شیخ بشیر) میں کہتا ہوں یہ بات ابن حجر المکی نے الجواہر المنظم میں ذکر کی ہے۔ مگر یہ فاسد قول ہے۔ (اس لیے کہ) فعل جب حیز شرط میں واقع ہو، اس میں تب عموم ہوتا ہے جب عموم نکرہ موضع شرط میں ہو۔ امام المحلی اپنی شرح جمع الجوامع میں کہتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس لیے کہ فعل منفی متضمن ہوتا ہے مصدر منکر کو۔ سعد حاشیہ علی العضدی میں لکھتے ہیں۔ محققین کہتے ہیں کہ تنکیر جملہ سے مراد وہ مفرد ہے جس سے نکرہ ڈھالا جا سکتا ہو (بنایا جا سکتا ہو)۔ فعل کا عموم اس کی تنکیر کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ مصدر نکرہ کو متضمن ہے۔ مثلاً "لا يستوي زيدٌ و عمرٌو" کا معنی ہوگا "لا يثبت استواء بينهما" (زید و عمرو برابر نہیں ہیں۔) (دونوں میں استواء ثابت نہیں ہے)۔ اور شرط کی جگہ میں نکرہ کا عموم وہی ہے جو موضع نفی میں عموم نکرہ کا ہے۔ سعد 'التلویح' میں کہتے ہیں شرط جیسے 'ان فعلت فعبده حر او امرته طالق' (اگر میں نے ایسا کیا تو اس کا غلام آزاد یا اس کی بیوی کو طلاق ہے) یہ قسم کے لیے اس صورت میں ہوگا کہ نقیض شرط ثابت ہو اگر شرط اس میں اس طرح ہو کہ 'ان ضربت رجلا فكذا' تو یہ قسم ہے منع اور جانے کے لیے اور 'والله لاضربن رجلاً' کی طرح ہے۔ اور اگر منفی ہو جیسے 'ان لم اضرب رجلاً فكذا' تو یہ اس قول کے بمنزلہ ہے 'والله لاضربن رجلاً' اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مثبت شرط میں نکرہ خاص ہے، ایجاب جزئی کا فائدہ دیتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ عموم کے نقیض اور سلب کلی کے جانب میں ہو اور نکرہ منفیہ عام ہے سلب کلی کا فائدہ دیتا ہے تو ضروری ہے کہ یہ خصوص کے نقیض اور ایجاب جزئی کے جانب میں ہو۔ ثابت ہوا کہ شرط کی جگہ میں عموم نکرہ صرف موضع نفی میں عموم نکرہ ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ سیاق شرط میں عموم فعل صرف اس موقع پر ہوتا ہے جہاں نکرہ سیاق نفی میں حاصل ہوتا ہو اور یہ صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب شرط اس قسم کے لیے ہو جو منع کے لیے ہو اسی لیے سعد حاشیہ علی العضدی میں کہتے ہیں 'اوفی معناه' (یا اس کے معنی میں ہو)۔

یعنی شرط میں واقع ہونے والا نکرہ اس جگہ مستعمل ہو جہاں قسم منع کے لیے ہو۔ مثلاً 'ان اكلت فانت طالق' (اگر میں نے کھا لیا تو تمہیں طلاق ہے) یہ کھانے سے منع کرنے کے لیے (قسم) ہے۔ اس لیے کہ انتفاء طلاق مطلوب ہے اور یہ انتفاء اکل سے ہوگا تو یہ اس معنی میں ہے کہ 'لا اكل البتة' (میں کبھی نہیں کھاؤں گا) یہی مطلب ہے اس عبارت کا 'اذ ينتفي الطلاق بان لاياكل۔۔۔' (طلاق تب منتفی ہوگی کہ وہ نہیں کھائے)۔

'التوضیح' میں کہتے ہیں نکرہ اگر موضع شرط میں جب مثبت ہو تو طرف نفی میں عام ہوگا۔ شرط مثبت کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر شرط منفی ہوگی تو عام نہیں ہوگا۔ مثلاً 'ان لم اضرب رجلاً فعبدي حر' اگر میں نے کسی آدمی کو نہیں مارا تو میرا غلام آزاد ہے۔ اس کا معنی ہے 'اضرب رجلاً' (میں آدمی کو ماروں گا) اس کو پورا کرنے کے لیے کسی بھی آدمی کو مارنا شرط ہے۔ یہ ایجاب جزئی کے لیے ہوگا۔ آیت کریمہ میں شرط کا انکار منع کی قسم کے لیے ہونا تسلیم نہیں ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ 'ان لم اضرب رجلا فعبدي حر' میں فعل سیاق شرط میں واقع ہے۔ اس کے باوجود وہ عام نہیں ہے۔ لہٰذا سیاق شرط میں واقع ہونے والے فعل کو عام کہنا غلط ہے۔

11 پوری امت نافرمان اور گناہ گار، خطاکار اور ظالم ہیں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حدیث قدسی میں آتا ہے:

''یا عبادی إنکم تخطئون۔۔۔۔''

ترجمہ:''اے میرے بندو تم دن رات خطائیں کرتے رہتے ہو۔'' (مسلم، ابو ذر)

اسی حدیث میں ہے اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو سوائے اس کے جسے میں ہدایت دوں۔ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر بنی آدم خطاکار ہے اور اچھے خطاکار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں۔'' (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

ابن عباس رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ 'الا اللمم' کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے اللہ اگر تو ان کو معاف کرے گا تو گناہ کو معاف کر دے۔ تیرا کونسا بندہ ہے جس نے چھوٹے گناہ نہ کیے ہوں۔'' (ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے)

ابو ذر کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اللہ کا فرمان ہے) تم میں سے ہر ایک گناہ گار ہے سوائے اس کے جسے میں عافیت دوں۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (انعام:۸۱)

ترجمہ:''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ خلط نہیں کیا۔''

تو صحابہ کرام پر یہ بات شاق گذری اور انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول اللہ ہم میں سے کون ہے جس نے خود پر ظلم نہ کیا ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس سے مراد یہ ظلم نہیں بلکہ مراد شرک ہے۔ (بخاری و مسلم)

اگر آیت ہر ظلم کو مشتمل ہوتی اور ظالم سے مراد ہر ظالم ہوتا چاہے مؤمن ہو، کافر یا منافق اور اسی طرح چاہے اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان سفر کی مدت ہوتی یا نہ ہوتی اور چاہے وہ دعا کرتا یا نہ کرتا اور چاہے اس کا آنا رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تھا یا زندگی کے بعد آپ ﷺ کی قبر کے پاس (جیسا کہ شیخ دحلان کا خیال ہے) تو لازم تھا کہ ہر امتی ہر قسم کے ظلم و معصیت، صغیرہ یا کبیرہ کے بعد آپ ﷺ کے پاس آتا اور آپ ﷺ کی قبر کے پاس استغفار کرتا۔ اس طرح کتاب اللہ کے حکم پر عمل ہو جاتا۔ مگر کوئی بھی مسلمان اس بات کا نہ قائل ہے اور نہ قائل ہو سکتا ہے۔ اس طرح یہ بھی لازم تھا کہ آپ ﷺ کے دور کے تمام مسلمان جو آپ ﷺ کے پاس ظلم کے بعد آئے اس کے بعد اس آنے کو ترک کر دیتے (پھر نہ آتے)۔ اسی طرح یہ بھی لازم آتا ہے کہ آپ ﷺ کی قبر کے پاس ایک مرتبہ آنا کافی نہ ہو بلکہ بار بار ہو اس لیے کہ گناہ بار بار ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے گناہ تو بے شمار ہیں اور اس کی کوئی حد بھی مقرر نہیں ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی قبر کی زیارت حج سے زیادہ ہونی چاہیے (یعنی کئی مرتبہ ہو) جبکہ حج پوری زندگی میں ایک مرتبہ کرنا فرض ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت ہر سال، ہر ماہ، ہر ہفتہ، ہر گھنٹہ بلکہ ہر لحہ کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ ہماری زندگی کا کوئی لحہ گناہ سے خالی نہیں جاتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ مدینہ میں رہنا لازم ہو جائے گا اور جو اکابر سلف وخلف مدینہ میں نہیں رہے وہ اس ثواب یا عبادت کو ترک کرنے والے شمار ہوں گے۔ اسی طرح اس سفر کے لیے زادِ راہ و سواری کی شرط بھی نہ ہو جبکہ حج کے لیے یہ دونوں شرطیں ہیں۔ یہ جو باتیں ہم نے ذکر کر دی ہیں ان کا قائل کوئی بھی نہیں ہو سکتا سوائے لاعلم و کند ذہن شخص کے۔

12 آیت میں ایک قسم کے آنے کی مذمت کی گئی ہے یعنی منافقین کی طرح اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہوئے آنا اور دوسری قسم کے آنے کی تحسین کی گئی ہے۔ یعنی استغفار طلب کرتے ہوئے آنا، اور (آیت کا) مقصد ہے استغفار کرتے ہوئے آنے کی ترغیب دینا۔ ثابت اس سے یہ ہوتا ہے کہ 'جاءوک' کا مقصد ہے استغفار طلب کرتے آنا۔ صرف استغفار کے ساتھ آنا نہیں۔ اور (دحلان کے خیال میں) مقصود یہ دوسرا ہے پہلا نہیں ہے لہٰذا عبادت یا ثواب کا مقصد پورا نہیں ہوا۔

13 اگر مذکورہ آیت سے مذکورہ استدلال صحیح مان لیا جائے تو پھر سورہ حجر کی آیت:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ الْحُجُرَٰتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا۟ حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (حجرات:۴)

ترجمہ: "جو لوگ آپ ﷺ کو پردوں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں ان کی اکثریت عقل نہیں رکھتی اگر یہ اس وقت تک صبر کرتے کہ آپ نکل آتے ان کی طرف تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا، اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

اس سے تو بدرجہ اولیٰ یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ ہمارے اس دور میں قبروں کی زیارت نہیں ہونی چاہیے اور یہ بات شیخ دحلان کے مقصود کے خلاف جاتی ہے۔ سورہ حجرات کی یہ آیت نبی ﷺ کو پکارنے، آوازیں دینے، ندا کرنے کی مذمت کرتی ہے، اور یہ حکم آپ ﷺ کے انتقال فرمانے کے بعد بھی منقطع نہیں ہوا۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی تعظیم کا اب بھی یہی تقاضا ہے جیسا کہ دحلان نے پہلی آیت کے ضمن میں کہا ہے۔

بلکہ یہ تو پہلی آیت کے بارے میں کہی گئی بات سے بھی اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کو یا کے ساتھ پکارنا بعینہ وہی چیز ہے جو آپ ﷺ کی زندگی میں 'من وراء الحجرات' تھی بخلاف قبر پر آنے کے کہ وہ زندگی میں آنے جیسا نہیں ہے، اس کا فرد نہیں ہے (یعنی دونوں بعینہ ایک جیسے نہیں جبکہ یا رسول اللہ ﷺ کہنا زندگی اور بعد از زندگی بعینہ ایک ہی جیسے ہیں)۔

دوسری بات یہ ہے کہ صبر کو 'من وراء الحجرات' پکارنے سے بہتر کہا گیا ہے۔ آیت اگرچہ معین قوم کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو آپ ﷺ کی زندگی میں تھی مگر علت کے عموم کی بنا پر ہر اس شخص کے لیے ہے جس میں یہ صفت (پکارنے کی) پائی جائے چاہے آپ ﷺ کی زندگی میں ہو یا زندگی کے بعد جیسا کہ دحلان نے بھی ثابت کیا ہے (قبر پر آنے کے مسئلے میں) بلکہ پہلی آیت جس سے دحلان نے اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کی اس کی بہ نسبت اس آیت سے عموم لینا زیادہ مناسب ہے اس لیے کہ اس آیت میں لفظ 'الذین' موصول ہے جو الفاظ عامہ میں سے ہے جبکہ پہلی آیت میں ضمیر ہے اور ضمیر کسی بھی لحاظ سے عام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوتی۔اسی لیے علماء نے (من وراء الحجرات) عام پکارنے والے مراد لیے ہیں۔

قاضی عیاض 'الشفاء' میں کہتے ہیں:

"امیر المؤمنین جعفر نے امام مالک کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے بارے میں مناظرہ کیا۔مالک رحمہ اللہ نے کہا امیر المؤمنین اس مسجد میں آواز اونچی نہ کریں اس لیے کہ اللہ نے قوم (مسلمانوں) کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا:

﴿لَا تَرْفَعُوٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (الحجرات:۲)

اور اپنی آواز پست رکھنے والوں کی مدح کی ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ (الحجرات:۳)

جو لوگ رسول اللہ کے پاس آوازیں پست رکھتے ہیں۔اور ایک قوم کی مذمت کی ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ﴾ (الحجرات:۴)

جو لوگ آپ کو حجرے کے ورے پکارتے ہیں۔اور رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد بھی آپ ﷺ کی حرمت اسی طرح باقی ہے، جس طرح زندگی میں تھی۔ابو جعفر نے ان کی بات مان لی، تسلیم کر لی۔یہ روایت دحلان کی مسلمات میں سے ہے اگرچہ اس روایت کے بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اور کہا گیا ہے۔

قاضی عیاض اس کے بارے میں مزید فرماتے ہیں جب امام مالک رحمہ اللہ کے پاس لوگوں کی کثرت ہوئی (احادیث سننے والوں کی) تو کسی نے کہا کہ اگر آپ کسی آدمی کو مقرر کر دیں تا کہ وہ لوگوں کو آپ کی بات اونچی آواز میں دوسروں تک پہنچائے؟ تو امام مالک نے کہا کہ اللہ فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (الحجرات:۲)

ترجمہ:"ایمان والو! اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو۔"

آپ ﷺ کی حرمت انتقال کے بعد بھی اسی طرح برقرار ہے جس طرح زندگی میں تھی۔

قسطلانی 'المواہب' میں کہتے ہیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے تھے نبی ﷺ کی زندگی اور انتقال کے بعد دونوں صورتوں میں اپنی آواز آپ ﷺ کے پاس اونچی نہیں کرنی چاہیے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ جب مسجد نبوی کے قرب وجوار کے کسی گھر میں میخ یا کلّہ گاڑنے کی آواز آتی تو آپ ان کے ہاں کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف نہ دو۔اور علی رضی اللہ عنہ نے اسی لیے گھر میں چوکھٹیں نہیں لگائی تھیں سوائے بیت الخلاء کے (تاکہ دروازے نہ لگانے پڑیں اور پھر دروازوں کی آواز سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف نہ ہو)۔ (ثعلبہ ابن زبالہ)

یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ صبر کرنے والوں میں فرق نہیں ہے چاہے وہ صابرین ہوں کہ ان کے اور رسول ﷺ کی قبر کے درمیان مدت سفر سے زیادہ ہوں کہ جن کے لیے مدت سفر نہیں ہے۔اس لیے کہ صبر حیز شرط میں واقع ہوا ہے عموم پر دلالت کرتا ہے۔(جیسا کہ شیخ دحلان نے گذشتہ آیت کے ضمن میں کہا تھا) کہ کیا ہمارے زمانے میں اب جو رسول اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کی قبر ہے اس کے پاس آواز بلند کرنا اونچی آواز میں بولنا جائز ہے یا نہیں؟

تو اس بارے میں کہا جائے گا کہ پہلی صورت (آواز اونچی کرنا) ممنوع ہے اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ ﴾ (الحجرات: ۲،۳)

ترجمہ: "ایمان والو اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو اور ان کے سامنے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کرو جس طرح آپس میں کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے آزمالیا ہے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب 'ان الذین یغضون۔۔۔' آیت نازل ہوئی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول اللہ آپ پر کتاب نازل کرنے والے کی قسم میں تو آپ ﷺ سے اس طرح بات کروں گا جس طرح کسی سے راز کی بات کہی جاتی ہے یہاں تک کہ اللہ سے ملاقات کر لوں۔ (ابن حمید، حاکم وصححہ)

صحیح بخاری میں ہے ابن الزبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (اس آیت کے نزول کے بعد (عمر رضی اللہ عنہ) اتنی اونچی آواز میں بات نہ کرتے تھے کہ آپ ﷺ واضح طور پر سن لیں یہاں تک کہ آپ ﷺ ان سے دوبارہ ان کی بات سمجھانے کا کہتے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ قسطلانی کہتے ہیں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے اس طرح بات کرتے تھے جیسے کسی سے راز کی بات کی جارہی ہو یا جیسے سرگوشی کر رہے ہوں۔

صحیح بخاری میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ مسجد نبوی ﷺ میں لیٹا ہوا تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری۔ جب میں نے دیکھا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ تھے کہنے لگے جاؤ ان دو آدمیوں کو میرے پاس لاؤ میں آپ کے پاس لے آیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا طائف کے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرتے ہو!۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے ایک حصے میں ایک کشادہ جگہ بنائی جس کا نام بطحاء رکھا اور کہا کہ جو لوگ شعر و شاعری یا اونچی آوازوں میں باتیں کرنا چاہتے ہیں تو وہ اس حصے میں جائیں۔ (موطا)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث میں جن علامات قیامت کا ذکر ہے ان میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ مسجدوں میں (لوگ) بلند آوازوں سے گفتگو کریں گے۔

مکحول کی روایت میں ہے کہ فاسقوں کی آوازیں مسجدوں میں بلند ہوں گی۔ (ابن ابی الدنیا، مرسلاً) ترغیب وترھیب میں بھی اس طرح ہے۔ اب اس میں تین باتیں قابل اجتناب ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1 مسجد میں آواز بلند کرنا۔

2 مسجد نبوی ﷺ میں آواز بلند کرنا۔

3 رسول اللہ ﷺ کے پاس آواز بلند کرنا۔

قسطلانی 'المواھب' میں لکھتے ہیں امت پر یہ حرام ہے کہ آپ ﷺ کو نام لے کر پکارے۔ اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ ﴾ (الحجرات:۲)

ترجمہ: "رسول اللہ کو اس طرح مت پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔"

یعنی آپ ﷺ کو اس طرح نام لے کر اور اونچی آواز سے مت پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو یا کمروں کے باہر سے پکارتے ہو۔ البتہ یا رسول اللہ، یا نبی اللہ کہا کرو اور آواز پست رکھو، تعظیم و توقیر کا لحاظ رکھو۔

زرقانی کہتے ہیں رفع الیہ کی حرمت اور ظرف 'بینکم' تجھروا کے متعلق ہیں۔ رسول اللہ سے حال نہیں ہیں اس لیے کہ پھر یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کو نام سے پکارنا حرام نہیں۔ حالانکہ حرمت مطلقاً ثابت ہے۔

قسطلانی نے 'المواھب' میں لکھا ہے، آپ ﷺ کے سامنے جہر سے بات کرنا حرام ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ ﴾ (الحجرات:۲)

زرقانی کہتے ہیں یعنی مذکورہ رفع و جہر سے اجتناب کرتے ہوئے۔ بخاری میں ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہتے ہیں قریب تھا کہ دو بہترین آدمی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہلاک ہو جاتے۔ جب بنو تمیم کا وفد آیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قعقاع بن معبد کو امیر بنا دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قرع بن عابس کو بنائیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا عمر تم ہمیشہ میری مخالفت کرتے ہو۔ عمر نے کہا میں تمہاری مخالفت نہیں کرتا۔ آوازیں بلند ہوئیں تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ ﴾ (الحجرات:۲)

ابن ابی ملیکہ ابن الزبیر سے روایت کرتے ہیں (اس آیت کے بعد) جب عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے کوئی بات کرتے تو اس طرح کرتے جیسے کسی سے راز کی بات کی جاتی ہے۔ البتہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا نہیں کہا۔

قسطلانی 'المواھب' میں لکھتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے (لا ترفعوا اصواتکم۔۔۔۔۔) جب نازل ہوئی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے اس طرح بات کرتے تھے جیسے راز کی بات ہو۔

'المواھب' میں ہے (رسول اللہ ﷺ کی قبر کی) زیارت کے وقت ممکن حد تک خشوع اختیار کرے۔ لیکن سلام میں میانہ روی ہو جہر و سر کے درمیان ہو۔ اسی طرح مواھب میں لکھا ہے کہ پھر زیارت کرنے والے حضور قلب، جھکی نظر، پر سکون اعضاء کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساتھ کہے "السلام علیك یا رسول الله" ابن حجر 'الجواهر المنظم' میں لکھتے ہیں (آپ ﷺ کی قبر کے پاس) کھڑا ہو یا بیٹھا ہو سلام کرے مگر آواز اونچی نہ کرے بلکہ درمیانہ رکھے اور کہے "السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته"۔

سیوطی رحمہ اللہ 'موجز اللبیب فی خصائص الحبیب' میں لکھتے ہیں، آپ ﷺ سے آگے جانا حرام ہے۔ آپ ﷺ کی آواز سے بلند آواز کرنا حرام ہے۔ آپ ﷺ کے سامنے بالجہر قول حرام ہے۔ 'من وراء الحجرات' آوازیں دینا حرام ہے۔ دور سے پکارنا حرام ہے۔ دوسری شق بھی باطل ہے اس لیے کہ آپ ﷺ کی قبر کے پاس مشروع سلام پکارنے کا سلام نہیں بلکہ تحیّہ کا سلام ہے اور تحیّہ کا سلام اتنی آواز میں کہنا ضروری ہے کہ جسے سلام کیا جارہا ہے وہ سن لے تاکہ سلام کرنے والے کو جواب دے سکے۔

مواھب اور اس کی شرح زرقانی میں فرماتے ہیں آپ ﷺ کی جناب میں زیادہ سے زیادہ درود و سلام کہنا چاہیے اور اس طرح کہنا چاہیے کہ آپ ﷺ سنیں اور جواب دیں اور قریب کھڑے ہو کر آواز اتنی اونچی کرلے کہ اگر آپ ﷺ زندہ ہوتے اور اتنی آواز میں مخاطب کیے جاتے تو سن لیتے۔

زرقانی کہتے ہیں بظاہر 'عِندِیَت' (پاس) کا لفظ عرفاً استعمال کیا جا سکتا ہو اور دور سے مراد اس کے علاوہ ہے، اگرچہ مسجد (نبوی ﷺ) میں ہی کیوں نہ ہو، جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ جو کہ آپ ﷺ کا مدفن ہے اسے بند کر دیا گیا تو آپ ﷺ کی قبر کے گرد اونچی اور گول دیواریں بنادیں گئیں، پھر قبر کی دیواروں کو جو شمال کی طرف تھیں انہیں اونچا کیا گیا تاکہ قبر تک رسائی مشکل ہو۔ اب زائرین اتنی مسافت سے سلام کرتے ہیں کہ اگر اتنی مسافت سے زندہ آدمی کو سلام کیا جائے تو وہ نہیں سن سکے گا تو نبی ﷺ کیسے سنیں گے اور جواب دیں گے، اگرچہ انہیں قبر میں زندہ تسلیم کیا جائے؟

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ فوت ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی قوت سماعت میں اضافہ ہو گیا ہو اور اب وہ اتنی مسافت سے سن سکتے ہوں؟

جواب: اس پر کتاب وسنت سے کیا دلیل ہے؟ صرف عقلی امکان کوئی فائدہ نہیں کرتا۔ کیا اس کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر دور و نزدیک سے سلام کرنے والوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اب جو لوگ قریب کی زیارت کے قائل ہیں ان کے لیے یہ باطل ہے اس لیے کہ عند القبر سلام کو دور کے سلام پر فضیلت دیتے ہیں۔ مثلاً سبکی اور ابن حجر المکی وغیرہ اگر پہلی بات مان لی جائے تو اس کے لیے شرعی دلیل ہونی چاہیے اور یہ کہاں ہے؟

14 اگر مذکورہ آیت سے استدلال صحیح ہو تو پھر انتقال کے بعد بیعت لینا بھی جائز قرار پائے گا اور اس کے لیے استدلال ہو گا اس آیت سے:

﴿ يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (الممتحنة:۱۲)

ترجمہ: "اے نبی ﷺ جب آپ ﷺ کے پاس مومن عورتیں آئیں اس بات پر بیعت کرنے کے لیے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کریں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور ایسا بہتان نہیں لائیں گی جو ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گڑھ لیا ہو اور معروف میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ آپ ﷺ ان سے بیعت لیں ان کے لیے اللہ سے استغفار کریں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

سورہ فتح کی اس آیت سے بھی استدلال ہو گا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الفتح:۱۰)

ترجمہ: "جو لوگ آپ ﷺ کی بیعت کرتے ہیں یہ اللہ سے بیعت لے رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے جو اس بیعت کو توڑ دے گا تو وہ اپنے اوپر ہی توڑے گا اور جو اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرے گا تو اللہ عنقریب اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔"

(دحلان کے قول کے مطابق) یہ بھی تعظیم کی وجہ سے آپ ﷺ کی وفات سے منقطع نہ ہو گا۔ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اس بات میں کوئی فرق نہیں ہے کہ آنے والا سفر کر کے آیا ہے یا بغیر سفر کے اس لیے کہ 'جاءوك' حیز شرط میں ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ دحلان نے کہا ہے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ 'الذین' اسماء موصولہ میں سے ہے یہ بھی الفاظِ عموم میں سے ہے۔ حالانکہ امت میں سے کسی نے بھی انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ سے بیعت کو جائز قرار نہیں دیا ہے اور نہ ہی سلف و خلف میں سے کسی نے ایسا کیا ہے۔

15 اگر آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قبر کی زیارت عبادت ہے اور یہ ہر گناہ گار کے لیے مشروع ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر آئے تاکہ رسول اللہ ﷺ اس کے لیے استغفار کریں تو رسول اللہ ﷺ کی قبر گناہ گاروں کے لیے سب سے بڑی عید ہوتی، میلہ لگنے کا مقام ہوتا اور اگر ایسا کیا جاتا یا کیا جائے تو یہ رسول اللہ ﷺ کی اس واضح فرمان کی مخالفت ہو گی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

(لاتجعلوا قبری عیداً) "میری قبر کو عید منانے یا میلہ لگانے کی جگہ مت بناؤ"

16 قرآن اور اس کے مطالب کو سب سے زیادہ سمجھنے والے اس امت کے سلف تھے مگر ان میں سے کسی نے بھی یہ معنی نہیں لیا بلکہ صرف آپ ﷺ کی زندگی میں آنا اور استغفار کروانا مراد لیا ہے اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو آپ ﷺ کی قبر پر آکر کہتا ہو کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ میں نے فلاں گناہ کیا ہے، میرے لیے استغفار کیجیے۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی سے نقل کرتا ہے تو یہ جھوٹ اور بہتان ہے۔ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ صحابہ و تابعین (جو کہ اس امت کے بہترین لوگ تھے) انہوں نے اس عبادت کے اس اہم فریضہ کو بیکار چھوڑ دیا تھا جس کے چھوڑنے والے کی اللہ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مذمت کی ہے اور اس سے پیچھے رہ جانے کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے اور اب اس عبادت کی توفیق اس شخص کو ہو رہی ہے جسے نہ کوئی اہمیت دیتا ہے نہ ہی کوئی اسے عالم قرار دیتا ہے۔ تعجب کی بات ہے؟ (الصارم المنکی میں مزید) لکھا ہے کس طرح ائمہ اسلام اس امر سے غافل رہے مثلاً محدثین، فقہاء و مفسرین اور دیگر علماء صدق کہ انہوں نے اس عمل کی طرف دعوت دی نہ رغبت دلائی نہ رہنمائی کی نہ ہی کسی نے ایسا کیا بلکہ ان سے جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کا غلو کرنا ناپسندیدہ اور ممنوع عمل ہے یعنی شرک کی راہیں کھل جاتی ہیں جو کہ آپ ﷺ کے پسندیدہ عمل یعنی توحید و عبودیت کے مخالف ہونے کے سبب نقصان دہ قرار دیا ہے۔ مگر جب یہ منقول ان نافرمانوں کے حلق میں کانٹا بن کر اٹک رہا تھا اور ان کے دلوں میں اور آنکھوں کے لیے تکلیف دہ تھا تو انہوں نے اسے جھوٹ سے بدل دیا اور نقل کرنے والے کو مطعون کرنا شروع کر دیا اور اگر ان میں سے کسی عالم میں شرم و حیا تھی تو اس نے تحریف و تبدیل سے کام لیا مگر اللہ ہر حال میں حق کا علم بلند کرتا ہے اور اس کے دلائل غالب کرتا ہے۔ تاکہ رہنمائی کا متلاشی راہ حق حاصل کرے اور مخالف پر حجۃ قائم ہو۔ اللہ حق کے ساتھ جسے چاہے بلند کرتا ہے اور اس کے رد کرنے والوں کو کمزور کرتا ہے۔

جب نبی ﷺ زندہ تھے اور امت کے درمیان موجود تھے تو امت خود پر جب ظلم کرتی تھی اور پھر آپ ﷺ کے پاس آکر استغفار کرواتی تھی اور جو آنے سے پیچھے رہ جاتا اس کی مذمت کی جاتی، مگر جیسے ہی نبی ﷺ کا انتقال ہو گیا امت نے خود پر ظلم کرنا چھوڑ دیا کہ اب کسی کو آپ ﷺ کے پاس آنے اور استغفار کروانے کی ضرورت نہ رہی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس آیت کی جو تاویل کی گئی ہے وہ باطل ہے اگر صحیح ہوتی تو سلف اسے علماً و عملاً اپناتے دوسروں کی اس کی طرف رہنمائی کرتے۔ کسی آیت یا حدیث کی ایسی تاویل جائز نہیں ہے جو سلف کے دور میں نہ ہوئی ہو نہ اسے وہ جانتے ہوں نہ امت کو اس کے بارے میں کچھ بتایا ہو۔ (حاشیہ نمبر ۲، صفحہ ۴۱)

یعنی قرآن میں جو منصوص عملی عبادات ہیں کہ جن سے صحابہ کرام و تابعین کا بے خبر رہنا اس پر عمل نہ کرنا عقل تسلیم نہ کرتی ہو اور پھر اسے سبکی اور ابن حجر مکی نے ہی سمجھا وہ بھی کچھ صدیاں گزرنے کے بعد۔ (مفہوم یہ بھی نہیں ہے کہ صدر اول کے بعد کسی کے لیے قرآن سمجھنا جائز نہیں جو ان سے منقول نہ ہو یہ بات تو غلط ہے اور کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن علوم اور حکمتیں تو سمندر کی طرح ہیں جن کی کوئی حد نہیں ہے یہ ہمیشہ نئے روپ میں سامنے آتی رہے گی)۔ (رشید رضا)

یہ دونوں آخری صورتیں 'الصارم المنکی' سے ماخوذ ہیں۔

شیخ دحلان: اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَن يَخْرُجْ مِنۢ بَيْتِهِۦ مُهَاجِرًا إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ثُمَّ يُدْرِكْهُ ٱلْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِ ﴾

(النساء:۱۰۰)

ترجمہ: "جو اللہ اور اس کے رسول اللہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے گھر سے نکلا اور پھر اسے موت آگئی تو اس کا اجر اللہ پر ثابت ہو گیا۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو معمولی سا علمی ذوق رکھنے والا بھی اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے نکلا ہے اسے مہاجر الی اللہ ورسول اللہ کہا جائے گا۔ اس لیے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی قبر کی زیارت آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی زیارت کی طرح ہی ہے اور آپ ﷺ کی زندگی میں زیارت اس آیت میں قطعی طور پر داخل ہے۔ لہٰذا احادیث کی رو سے آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی زیارت اس آیت میں داخل ہو گی۔

شیخ بشیر: یہ سب باتیں ابن حجر المکی کی کتاب 'الجواھر المنظم' سے ماخوذ ہیں مگر انہیں مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر رد کیا جاتا ہے۔

a آیت میں مذکور ہجرت سے مراد دار الشرک سے دار الاسلام کی طرف ہجرت ہے۔ اس کی دلیل آیت کا سیاق وسباق ہے (یعنی اس سے پہلی والی آیت) شروع یہاں سے ہوتی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ○ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا﴾ (النساء: ۹۷، ۹۸)

ترجمہ: ''ایسے لوگ جنھیں فرشتے جب روح قبض کریں گے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو گا فرشتے پوچھیں گے تم کس حال میں تھے؟ وہ کہیں گے ہم ملک میں کمزور شمار ہوتے تھے۔ فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین (دنیا) وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے۔ ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ البتہ کمزور مرد، عورتیں اور بچے وہ ہیں جنہیں کوئی ترکیب سجھائی نہیں دیتی اور نہ ہی انہیں کوئی راستہ ملتا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ انہیں معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ پائے گا وسعت اور بہت سی جگہیں جانے کی۔''

اس آیت کا شان نزول بھی ہماری بات کی تائید کرتا ہے جو ابو یعلی، ابن ابی حاتم، طبرانی میں ہے۔ سیوطی 'در منثور' میں کہتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ سے (صحیح سند سے) ثابت ہے کہتے ہیں ضمرہ بن جندب اپنے گھر سے ہجرت کے لیے نکلا اس نے اپنی قوم سے کہا کہ مجھے اٹھاؤ اور شرک کے علاقے سے رسول اللہ ﷺ کے علاقے میں منتقل کرو، مگر رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے سے قبل ہی وہ راستے میں فوت ہو گیا تو آیت نازل ہوئی:

﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ﴾ (النساء: ۱۰۰)

امام شوکانی رحمہ اللہ کی فتح القدیر میں بھی اسی طرح ہے، ہجرت کا معنی بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ المصباح میں ہجرت کا معنی لکھا ہے:

www.kitabosunnat.com

''الهجرة بالكسرة مفارقة بلد الى غيره فان كانت قربة له فهي الهجرة الشرعية۔۔۔۔''

ترجمہ: ''ہجرۃ کہتے ہیں ایک علاقے یا شہر وملک کو چھوڑ کر دوسرے علاقے، شہر یا ملک کی طرف جانا اگر یہ اللہ کی قربت کے لیے ہو تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہجرت شرعیہ کہلاتی ہے۔"

الصحاح میں ہے ایک زمین (ملک) سے دوسری زمین کی طرف جانا پہلی کو دوسری کے لیے ترک کرنا۔

القاموس میں ہے ایک ملک سے، زمین سے نکل کر دوسری زمین کی طرف جانا۔

النہایۃ میں ہے ہجر دراصل ضد ہے وصل کی پھر اس کا زیادہ استعمال ایک ملک سے نکل کر دوسرے ملک یا شہر جانے کے لیے ہوگا۔

مجمع البحار میں ہے ہجرۃ دراصل وصل کی ضد ہے، پھر اس کا اکثر استعمال ایک ملک سے نکل کر دوسرے ملک میں جانے کے لیے ہونے لگا۔

ہجرت کی لغوی تعریف سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

1 ایک ملک سے نکل کر دوسرے ملک جانا (ایک زمین سے نکل کر دوسری زمین کی طرف جانا)

2 پہلے ملک، زمین یا علاقے کو دوسرے کے لیے ترک کرنا۔

نبی ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی زیارت کے لیے نکلنے میں پہلی صورت تو متحقق ہوتی ہے مگر دوسری نہیں۔ اور دونوں صورتوں یا معنوں کا ہجرت کے لیے معتبر ہونا احادیث سے بھی ثابت ہے۔ مثلاً۔ ا۔ بخاری و مسلم میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی اور اسے مدینہ میں بخار ہوا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا مجھے میرا بیعت واپس کر دیں۔ آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ پھر آیا کہا میری بیعت واپس کر دیں۔ پھر آیا کہا میری بیعت واپس کر دیں۔ آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ اعرابی نکلا تو آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ کی مثال بھٹی کی ہے ناپاک چیز کو باہر پھینک دیتی ہے اور اچھی چیز کو رکھتی ہے۔

مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں ایک غلام آیا اور ہجرت پر رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔ آپ ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ غلام ہے۔ اس کا مالک آیا رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا کہ یہ غلام مجھے فروخت کر دو۔ آپ ﷺ نے دو کالے غلام دے کر اسے خرید لیا، اس کے بعد آپ ﷺ کسی سے بیعت نہیں لیتے تھے جب تک یہ پوچھ نہ لیتے کہ آزاد ہے یا غلام۔

بخاری و مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا اور ہجرت کا سوال کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "ہجرت بہت مشکل کام ہے۔ کیا تمہارے اونٹ ہیں؟"

اس نے کہا: ہاں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اس کی زکاۃ دیتے ہو؟"

اس نے کہا: ہاں۔

آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا اس میں سے کچھ دیتے ہو؟"

اس نے کہا: ہاں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے پوچھا: "ان کا دودھ دوہتے ہو؟"

اس نے کہا: ہاں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "سمندر پار عمل کرتے رہو اللہ تمہارے عمل میں سے کچھ بھی ترک نہیں کرے گا(کم نہیں کرے گا)۔"

بخاری و مسلم میں العلاء بن الحضرمی سے روایت ہے رسول اللہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا واپس ہونے کے بعد مہاجر کے لیے تین ہیں (یعنی منیٰ سے واپس آنے کے بعد حاجی مکے میں تین رات رہے گا)۔

بخاری میں سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے کہا اللہ کے رسول اللہ ﷺ کیا میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "تم اگر پیچھے رہو گے (زندہ رہو گے) اور اللہ کی رضا کے عمل کرتے رہو گے تو تمہارے درجات بلند ہوتے رہیں گے اور شاید کہ تمہارے زندہ رہنے سے قومیں تم سے فائدہ اٹھائیں اور بعض کو تم سے نقصان پہنچے۔ اے اللہ! میرے صحابہ کے لیے ان کی ہجرت جاری رکھ انہیں ان کی ایڑیوں کے بل نہ پھیر۔ لیکن بے چارہ سعد بن خولہ کہ رسول اللہ ﷺ اس کے لیے افسوس کرتے تھے کہ وہ مکے میں فوت ہوا (یہ جملہ رسول اللہ ﷺ کا نہیں ہے بلکہ ابراہیم بن سعد سے زھری کی روایت میں مدرج ہے)۔

بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ مدینے تشریف لائے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بخار ہوا، ان کو جب بخار ہوتا تھا تو کہتے تھے ہر آدمی گھر والوں میں صبح کرتا ہے اور موت جوتی کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔

بلال کا جب بخار اتر جاتا تو باآواز بلند کہتے افسوس کہ میں ایسی وادی میں رات گذاروں گا جہاں میرے ارد گرد اذخر و جلیل (گھاس) ہوگی؟ اور کیا کسی دن میں مجنہ کے گھاٹ پر جاسکوں گا اور کیا مجھے کبھی طفیل وشامہ نظر آئیں گے؟ اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت کر کہ انہوں نے ہمیں ہماری زمین سے نکال کر بیماریوں کی زمین میں بھیج دیا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے دعا کی

"اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینے کی ایسی محبت ڈال دے جیسے مکے کی محبت تھی یا اس سے بھی زیادہ۔ اے اللہ! ہمارے صاع اور مُد (پیمانے ہیں) میں برکت عطا فرما۔ یہ شہر ہمارے لیے صحت افزاء بنا دے۔ اس کا بخار جحفہ کی طرف منتقل کر دے۔"

پہلی حدیث کے بارے میں قاضی (قاضی عیاض) کہتے ہیں مراد اسلام سے ارتداد نہیں تھا بلکہ ہجرت پر برقرار رہنا تھا۔ یعنی اعرابی نے نبی ﷺ سے مدینہ میں رہنے کی بیعت واپس لینے کی بات کی تھی تاکہ یہاں کے بخار سے فرار حاصل کر سکے۔ اسلام سے خارج ہونے کے لیے نہیں۔ اگر یہ مراد ہوتا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھے بغیر مدینے سے بھاگ جاتا۔ ابن بطال کہتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت آپ ﷺ کی مرضی سے ختم کرنا چاہتا تھا، اگر اس کا ارادہ مرتد ہونے کا ہوتا یا مرتد ہو چکا ہوتا تو آپ ﷺ اس وقت اس کو قتل کر دیتے۔ اس نے اپنی بیعت واپس نہیں لی۔ اس لیے کہ اگر وہ فتح کے بعد تھا تو وہ اسلام پر ہی تھا اور اس نے بیعت واپس نہیں لی اس لیے کہ کفر کی طرف پلٹنا حلال نہیں ہے۔ اور اگر اس سے قبل تھا تو وہ ہجرت پر تھا اور مدینے میں مقیم تھا اور کسی مہاجر کے لیے واپس اپنے ملک جانا جائز نہیں تھا۔ قسطلانی نے بھی یہی کہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نووی کہتے ہیں دوسری حدیث (جس میں غلام خریدنے کا ذکر ہے) سے آپ ﷺ کے مکارم اخلاق اور احسان عام کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس غلام کو ناکام واپس جانے نہ دیا وہ ہجرت اور آپ ﷺ کے ساتھ رہنے کی نیت سے آیا تھا تو آپ ﷺ نے اس کو خرید لیا تاکہ اس کا مقصد پورا ہو (واپس بھیج دیتے تو یہ مقصد پورا نہ ہوتا)۔

تیسری حدیث کے بارے میں قسطلانی کہتے ہیں اس نے ہجرت کے بارے میں سوال کیا، یعنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ ﷺ مجھ سے مدینے میں قیام کی بیعت لے لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کما حقہ ہجرت بہت مشکل کام ہے جسے تم نہ کر سکو گے، لہٰذا 'وراء البحر' عمل کرتے رہو اور اس بات کی پرواہ مت کرو کہ تم اپنے ملک میں ہو اگرچہ تم کسی دور اسلامی ملک میں ہو۔

چوتھی حدیث کے بارے میں قسطلانی کہتے ہیں یہ منٰی سے بغیر کچھ اضافہ کے واپسی ہے۔ بعض لوگوں نے فتح مکہ کے بعد وہاں رہنا جائز قرار دیا ہے (مہاجر کے لیے)۔

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی تھی اس کے لیے مکہ کو وطن بنانا اور وہاں رہائش اختیار کرنا جائز نہیں ہے پھر ان کے لیے اجازت دے دی گئی ہے کہ حج، عمرہ یا دیگر کسی مقصد کے لیے وہاں جائیں (تو حج و عمرہ وغیرہ سے فراغت کے بعد) وہاں تین دن تک رہ سکتے ہیں۔ مگر تین دن سے زیادہ نہ رہیں۔

قاضی عیاض کہتے ہیں اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے دلیل ہے جو فتح سے پہلے ہجرت کرنے والوں کے لیے فتح کے بعد مکہ میں قیام و رہائش کو جائز نہیں سمجھتے۔ یہ جمہور کی رائے ہے جبکہ ایک جماعت نے فتح کے بعد جائز قرار دیا ہے۔ البتہ فتح سے قبل ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت کے لیے مدینہ میں قیام واجب قرار دیا ہے۔ مہاجرین کے علاوہ یا جو بعد میں اسلام لایا اس کے لیے مکہ سمیت کسی بھی ملک و شہر میں رہنا بالاتفاق جائز ہے۔

پانچویں حدیث کے بارے میں قسطلانی کہتے ہیں (نبی ﷺ نے دعا کی تھی کہ اللہ انہیں ایڑیوں کے بل واپس نہ کر دینا) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہجرت کو ترک کر کے استقامت سے پھر نہ جائیں، 'ان توفی' کا معنی ہے کہ اس کے مکہ میں فوت ہونے کی وجہ سے جہاں سے اس نے ہجرت کی تھی۔

چھٹی حدیث کے بارے میں قسطلانی کہتے ہیں کہ کس طرح ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بخار کے دوران صبر سے کام لیا حالانکہ یہ بہت مہلک بخار تھا۔ اور بلال رضی اللہ عنہ اپنے ملک واپس جانے کی تمنا کرتے تھے، جیسا کہ اکثر غریب الدیار کرتے ہیں۔ اس سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی دیگر صحابہ کرام پر فضیلت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔

مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"سنو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول اللہ ہوں، میں نے اللہ کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے۔ اب زندگی بھی تمہارے ساتھ اور موت بھی تمہارے ساتھ ہوگی۔"

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں جب ان لوگوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ اہل مکہ کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کر رہے ہیں اور ان کے قتل سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احتراز کر رہے ہیں تو وہ سمجھے کہ شاید رسول اللہ ﷺ کے واپس جا کر وہیں قیام کرنا چاہتے ہیں اور ہمیں اور مدینہ کو چھوڑنا چاہتے ہیں۔ تو یہ بات انہیں بہت تکلیف دہ محسوس ہوئی۔ اللہ نے آپ ﷺ کو وحی کر دی اور آپ ﷺ نے انہیں بتا دیا۔ مزید فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اللہ کی طرف اور تمہارے گھروں کی طرف ہجرت کی ہے تا کہ یہاں سکونت اختیار کروں اسی جگہ کو وطن بناؤں۔ میں اس جگہ کو کبھی نہیں چھوڑوں گا اور اللہ کی خاطر کی ہوئی ہجرت سے کبھی واپس نہیں ہوں گا۔ بلکہ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا، زندگی اور موت دونوں تمہارے ساتھ ہیں میں ساری زندگی تمہارے ساتھ ہی رہوں گا اور موت بھی تمہارے ہاں ہی آئے گی۔

ترمذی رحمہ اللہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تم تمام شہروں سے زیادہ مجھے پسند ہو اور میرے لیے خوشگوار ہو، اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے علاوہ کہیں بھی رہائش نہ رکھتا۔"

مسلم میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں حجاج کے پاس گیا تو اس نے کہا سلمہ کیا تم ایڑیوں کے بل پھر گئے ہو؟ تم پھر دیہات چلے گئے ہو؟ سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے دیہات جانے کی اجازت دی تھی۔

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ مہاجر کے لیے اپنی ہجرت کو چھوڑنا اور اپنے سابقہ وطن کو واپس جانا حرام ہے اور کسی مہاجر کا دوبارہ اعرابی بننا گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ اسی لیے حجاج نے سلمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا اور پھر سلمہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے دیہات جانے کی اجازت دی تھی۔ قاضی کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ملک واپس نہ گئے ہوں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی مہاجر کا مدینے میں رہنا اور واپس اپنے ملک نہ جانا صرف نبی ﷺ کی زندگی تک تھا تا کہ آپ ﷺ کی مدد و نصرت کے لیے لوگ آپ ﷺ کے ساتھ رہیں یا یہ فتح مکہ سے پہلے کا حکم ہو تا کہ رسول اللہ ﷺ کو تسلی و اطمینان رہے، آپ ﷺ کے دین کی مدد ہو شریعت کی حفاظت ہو۔ اسی لیے عثمان رضی اللہ عنہ سے جب محاصرے کے دوران کچھ ساتھیوں نے کہا کہ آپ شام چلے جائیں تو انہوں نے کہا کہ میں اپنی ہجرت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا پڑوس بھی یہیں ہے۔ 'الجواهر المنظم لابن حجر المکی' میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ دونوں مذکورہ امر ہجرت کے معنی میں معتبر ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہجرت صرف آپ ﷺ کی زیارت کے لیے نکلنے کو نہیں کہا جاتا بلکہ ان دونوں میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ یعنی مادے کے لحاظ سے دونوں پر ہجرت کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک شخص ہجرت کر کے مدینہ آیا اور نبی ﷺ کی زیارت کر لی اور اس لحاظ سے یہ دونوں الگ ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد دار الحرب سے دار السلام کی طرف ہجرت کرتا ہے تو اس کے لیے یہ کہا جائے گا کہ اس نے اپنے گھر سے ہجرت کی اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی طرف۔ 'الی اللہ والی رسولہ' کا معنی ہو گا کہ جیسا اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔

1 'مدارج' میں بھی اسی طرح لکھا ہے البتہ اس شخص کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے رسول اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کی زیارت کی، اور جس شخص نے مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی اور پھر اپنے وطن واپس چلا گیا اسے مہاجر نہیں کہا جائے گا۔ لہٰذا آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی زیارت کرنا آیت میں داخل کرنا ممنوع ہے۔ تو پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس کو کیسے داخل کیا جا سکتا ہے (یعنی آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی صرف زیارت کرنا ہجرت نہیں کہلاتا تو آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کو ہجرت پر دلالت کرنے والی آیت سے کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے)۔

2 زیارت رسول اللہ ﷺ کو عبادت و قربت ثابت کرنے کے لیے اس آیت سے استدلال کرنے والے ان لوگوں کی طرح ہیں جو اسی کام کے لیے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

1 (انتدب الله لمن خرج۔۔۔۔) (متفق علیہ) اللہ نے اس شخص کے لیے اس بات کا ذمہ لیا ہے جو اس کی راہ میں نکلتا ہے اور اسے صرف مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق نے (گھر سے نکالا ہو) (ذمہ اس بات کا ہے کہ) میں اسے واپس (گھر) لاؤں گا اجر و غنیمت کے ساتھ یا اسے جنت میں داخل کروں گا۔

2 اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ)

3 کسی آدمی کے قدم کو اللہ کی راہ میں غبار چھو لے اور اسے جہنم کی آگ چھوئے ایسا نہیں ہو سکتا۔

4 جو اللہ کی راہ میں گیا اور مر گیا یا قتل ہوا یا گھوڑے یا اونٹ نے گرا دیا یا سانپ نے ڈس لیا یا اپنے گھر میں مر گیا جیسے بھی فوت ہوا وہ شہید ہے اور اس کے لیے جنت ہے۔ (ابو داؤد)

5 ہجرت اپنے سے ماقبل سب (گناہ) ختم کر دیتی ہے۔

6 جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اللہ و رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے اور تمام وہ آیات جن میں ہجرت کا ذکر ہے جسے:

﴿ان الذین آمنوا ۔۔۔ غفور رحیم﴾ (البقرہ:218)

ترجمہ: ”جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

﴿الذین آمنوا وھاجروا ۔۔۔ لعلیم حلیم﴾ (التوبہ:20)

ترجمہ: ”جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اور اپنے مال اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ان کا اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہے اور یہ لوگ کامیاب ہیں ان کو ان کا رب اپنی رحمت، رضامندی اور جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے، ان کے لیے ان جنتوں میں ہمیشہ کی نعمتیں ہیں، ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کے پاس (ان کے لیے) بڑا اجر ہے۔“

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿الرّٰزِقِيْنَ○لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ﴾ (الحج:۵۸،۵۹)

ترجمہ:"جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل کیے گئے یا مر گئے اللہ انہیں ضرور اچھا رزق دے گا اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے انہیں ایسی جگہ داخل کرے گا جو انہیں پسند آئے گی اور اللہ جاننے والا بردبار ہے۔"

اس طرح کی دیگر آیات سے استدلال کر سکتا ہے مگر علمائے دین اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان آیات واحادیث سے کسی نے بھی زیارت کے عبادت و قربت ہونے پر استدلال نہیں کیا ہے۔

3 اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی زیارت اس آیت میں داخل ہے تو پھر بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ وفات کے بعد آپ ﷺ کی زیارت اس میں داخل ہے۔ جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ وفات کے بعد آپ ﷺ کی زیارت ایسی ہی ہے جیسے آپ ﷺ کی زندگی میں تھی تو ان احادیث میں سے کوئی بھی حدیث ثابت نہیں ہے۔

شیخ دحلان: سنت سے دلائل کے لیے مندرجہ ذیل احادیث ہیں۔

شیخ بشیر: ان احادیث میں سے کوئی بھی حدیث اس قابل نہیں کہ اس سے دلیل لی جا سکے۔ اس کی مزید وضاحت عنقریب آئے گی۔

شیخ دحلان: قیاس سے دلیل، سنت صحیحہ متفق علیہا سے قبروں کی زیارت ثابت ہے۔

شیخ بشیر: جن احادیث میں زیارت قبور کا حکم ہے ان سے استدلال کرنا قیاس سے استدلال نہیں بلکہ سنت سے استدلال ہے اسی لیے السبکی نے اس کو استدلال بالسنۃ میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ انہوں نے شفاء الاسقام میں لکھا ہے۔ جہاں تک سنت کی بات ہے تو ہم نے باب اول میں ان کا ذکر کر دیا ہے اور دوسرا ہے احادیث سے استدلال اور یہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت پر خصوصی دلالت کرتی ہیں۔ سنت صحیحہ، متفق علیہا میں زیارت قبور کا حکم ہے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر سید القبور ہے یہ ان قبروں میں شامل ہے جن کی زیارت کا حکم دیا گیا ہے۔ (سنت کو قیاس کہنے کی) غلطی مؤلف نے ابن حجر مکی کی تقلید کی وجہ سے کی ہے اس لیے کہ یہی بات ابن حجر نے 'الجواهر المنظم' میں کی ہے کہتے ہیں:"جہاں تک قیاس کی بات ہے تو سنت صحیحہ ثابتہ سے زیارت قبور کا حکم ثابت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر زیادہ اولی اور لائق ہے، زیادہ مستحق ہے بلکہ اس کا تو دیگر قبروں سے موازنہ ہی نہیں ہے۔"

شیخ دحلان: (اجماع مسلمین سے استدلال) ابن حجر المکی نے 'الجواهر المنظم' میں قبر النبی ﷺ کی زیارت کے بارے میں لکھا ہے کہ حاملین شرع ائمہ کی ایک جماعت سے جن پر مدار واعتماد ہے ان سے اجماع منقول ہے۔

شیخ بشیر: اس مسئلے میں اجماع نہیں ہے اس لیے کہ بعض مجتہد سے اس میں اختلاف ثابت ہے۔ اگرچہ دلیل کے لحاظ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ان کا قول ضعیف ہے۔

- شیخ الاسلام فرماتے ہیں: "زیارت قبور کے مسئلے میں اختلاف ہے۔"
- ابن بطال شرح بخاری میں کہتے ہیں کہ: "کچھ لوگ زیارت قبور کو مکروہ سمجھتے ہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی ممانعت آئی ہے۔"
- شعبی کہتے ہیں: "اگر نبی ﷺ قبروں کی زیارت سے منع نہ کرتے تو میں آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے جاتا۔"
- ابراہیم نخعی کہتے ہیں: "وہ (علماء) قبروں کی زیارت کو ناپسند کرتے تھے۔"
- ابن سیرین سے بھی اسی طرح مروی ہے وہ اپنے مجموعہ میں کہتے ہیں ابن زیاد نے کہا ہے کہ مالک رحمہ اللہ سے قبروں کی زیارت کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے منع کیا تھا پھر اجازت دی تھی، اگر کوئی آدمی (قبروں کی زیارت) کرتا ہے اور کوئی بری بات نہیں کرتا تو میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر یہ لوگوں کا عمل نہیں ہے (یعنی علماء یہ کام کرتے نہیں زیارت نہیں کرتے)۔ ان سے مروی ہے کہ وہ زیارت کو ضعیف کہتے تھے (یعنی صحیح ثابت نہیں مانتے تھے)

یہ ہے سلف کی ایک جماعت کا قول، اور جس قول میں امام مالک نے اجازت دی ہے، اس میں وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کا عمل نہیں ہے۔ دوسرے قول میں اس کو ضعیف کہتے ہیں اسے کسی بھی صورت انہوں نے پسند نہیں کیا ہے۔

'الصارم' میں بھی شیخ نے اسی طرح لکھا ہے۔ ابن حجر المکی نے 'الجواهر المنظم' میں جو اس اختلاف کے بارے میں کہا ہے کہ یہ شاذ ہے ان دونوں کی مخالفت دیگر کے اجماع کے مقابلے میں قابل توجہ نہیں ہے۔ تو اس کی یہ بات دو وجہ سے قابل رد ہے:

1 ان دونوں کے علاوہ کا اجماع والا قول صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ابن سیرین اور مالک کا قول ان (ابن بطال و شعبی) کی موافقت میں ہے۔

2 ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قول شاذ ہے مگر اجماع کو توڑنے کے لیے تو کافی ہے، جیسا کہ کتب اصول میں ہے۔ ابن حجر المکی نے جو یہ کہا ہے کہ اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس میں تاویل ہو سکتی ہے تو وہ نبی ﷺ کی قبر کے بارے میں ایسی دلیل نہیں لا سکتے کہ جس کی کمزوری چھپی ہوئی نہ ہو۔

شیخ دحلان: (نبی ﷺ کی قبر کی) زیارت کے وجوب کے قائلین نے اس حدیث سے دلیل لی ہے کہ:

"من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني" (ابن عدی بسند یحتج بہ)

ترجمہ: "جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ جفا کی (ظلم کیا یا بے وفائی کی)۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ بشیر: اس حدیث کی سند میں ابن عدی بن نعمان بن شبل اور محمد بن النعمان بن شبل ہیں اور یہ دونوں انتہائی ضعیف ہیں۔ نعمان کے بارے میں ابن حجر تلخیص الجبیر میں کہتے ہیں "النعمان ضعیف جداً" (نعمان بہت ضعیف ہے)۔ امام ذہبی المیزان میں کہتے ہیں: "النعمان بن شبل الباھلی البصری عن ابی عوانة ومالك، قال موسیٰ علیه السلام بن هارون كان متهما" (نعمان بن شبل، ابن عوانہ اور مالک سے روایت کرتے ہیں موسیٰ علیہ السلام بن ہارون کہتے ہیں یہ (نعمان) متہم تھا (ان پر جھوٹ بولنے کا الزام ہے جھوٹ بولتا تھا)۔ تنزیہ الشریعہ میں بھی نعمان کے بارے میں یہی لکھا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں عجیب جھوٹی روایتیں لاتا تھا اور اثبات سے مقلوب لاتا تھا۔ الصارم میں کہتے ہیں موسیٰ علیہ السلام بن ہارون نے انہیں متہم کہا ہے۔ ابو حاتم السبتی کہتے ہیں ثقہ سے جھوٹی روایتیں لاتا تھا اور اثبات سے مقلوب لاتا تھا۔ جبکہ محمد بن نعمان کے بارے میں ابن حجر اللسان میں کہتے ہیں "محمد بن النعمان بن شبل الباهلی عن مالك" اس سے وراق نے روایت لی ہے اور دار قطنی نے اس پر طعن کیا ہے اسے متہم کہا ہے۔ تنزیہ الشریعہ میں کہا ہے کہ محمد بن محمد بن نعمان بن شبل الباہلی میں دار قطنی نے طعن کیا ہے اسے متہم کہا ہے۔ الصارم میں کہتے ہیں کہ اس میں طعن اس محمد بن نعمان پر ہے جیسا کہ شیخ الصنعہ امام عصر، فرید دھر الحافظ الکبیر ابو الحسن دار قطنی نے کہا ہے اور کسی بی قابل ذکر شخص نے ان کی مخالفت نہیں کی۔ حافظ التقریب میں کہتے ہیں "محمد بن محمد بن النعمان بن شبل الباہلی البصری متروک ہے۔"

لہٰذا شیخ دحلان کا کہنا "بسند يحتج به" قطعاً باطل ہوا۔ اس لیے اہل نقد کی ایک جماعت نے اس حدیث کو صراحتاً ضعیف اور ایک نے موضوع کہا ہے۔ کسی ایک شخص نے بھی اس کو صحیح یا حسن نہیں کہا۔ صرف اکیلے ابن حجر المکی اور ان کی تقلید میں علی القاری نے حسن کہا ہے مگر ان دونوں کے حسن کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں اس (فیصلہ کرنے کے) اہل نہیں تھے۔ جو کہتا ہے کہ تھے تو وہ ثابت کرے۔

شیخ دحلان: اس پر بہت سی صحیح صریح احادیث دلالت کرتی ہیں جن میں صرف وہی شخص شک کر سکتا ہے جس کی بصیرت جاتی رہی ہو۔

شیخ بشیر: اس باب میں تو ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے چہ جائے کہ بہت سی صحیح احادیث ہوں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ قول واضح طور پر غلط ہے۔ سبکی تمام تر کوششوں کے باوجود صرف دو حدیثیں ثابت کر سکا ہے اور وہ بھی ان کے خیال میں حسن یا صحیح ہیں۔ پہلی حدیث ہے:

"من زار قبری وجبت له شفاعتی"

ترجمہ: "جس نے میری قبر کی زیارت کرلی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری حدیث ہے:

"من جاءنی زائرا لا تعمله حاجة الا زیارتی کان حقا علی ان اکون له شفیعا یوم القیامة"

ترجمہ: "جو میرے پاس زیارت کی نیت سے آیا اور میری زیارت کے علاوہ اسے اور کوئی کام نہیں تھا تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے والا بن جاؤں۔"

ان دونوں حدیثوں پر بھی شدید کلام ہے (جو عنقریب آئے گا) خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے بہت سی صحیح احادیث موجود ہونے کا دعویٰ بداہتاً باطل ہے۔

شیخ دحلان: (ان بہت سی صحیح احادیث میں سے) ایک یہ بھی ہے:

"من زار قبری وجبت له شفاعتی"

شیخ بشیر: اس حدیث پر دو طرح سے کلام ہو سکتا ہے۔

1 اس کی سند میں موسیٰ علیہ السلام بن ھلال العبدی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ ابن حجر نے لسان المیزان میں کہا ہے کہ ابو حاتم نے اس موسیٰ علیہ السلام کو مجہول کہا ہے۔ عقیلی کہتے ہیں اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔ پھر ابن القطان نے موسیٰ علیہ السلام بن ھلال کے بارے میں محدثین کی آراء ذکر کی ہیں اور کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کی عدالت ثابت نہیں ہے۔ مسئلہ برقانی میں ہے کہ اس نے دار قطنی سے موسیٰ علیہ السلام بن ھلال کے بارے میں سوال کیا تو دار قطنی نے کہا کہ مجہول ہے۔ ہمارے شیخ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے جو اس میں مذکور ہے اور ابو حاتم نے بھی اس کا اطلاق کیا ہے۔

سوال: اگر کوئی سوال کرے کہ ابن حجر نے ان کے بارے میں ابن عدی کا قول نقل کیا ہے جو کہتے ہیں "ارجوانه لا بأس به" (میرا خیال ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں (عیب نہیں) میں کہتا ہوں وہ صالح الحدیث ہے۔ لہٰذا توثیق ہو گئی؟

جواب: توثیق کے لیے جب یہ دونوں جملے استعمال ہوتے ہیں تو ایسے آدمی کی روایت اعتبار کے لیے ہوتی، دلیل کے لیے نہیں۔ (اعتبار محدثین کی اصطلاح ہے جس کا معنی ہے وہ طریقہ کار جس کے ذریعے شاہد اور تابع تلاش کیا جائے اور وہ ایک صحابی سے ہو)۔

امام سیوطی رحمہ اللہ تدریب میں فرماتے ہیں ایک اصطلاح "صالح" بھی ہے، ایسے آدمی کی حدیث اعتبار کے لیے ہوتی ہے۔ العراقی اس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"صدوق ان شاء الله ارجوان لا بأس به صویلح"

"ان شاء اللہ سچا ہے مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، تھوڑا سا لائق ہے۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بن ھلال کا شمار ان راویوں میں ہوتا ہے کہ جن کے ضعف کا جبیرہ متابعت اور کثرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رق سے ہوتا ہے۔ لہٰذا دیکھنا ہوگا کہ اس حدیث میں کسی نے موسیٰ علیہ السلام بن ھلال کی متابعت کی ہے یا نہیں؟ اگر جواب ہاں
یں ہے تو کیا وہ متابع متابعت کے اہل ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ اس کی متابعت مسلم بن سالم الجہنی نے کی ہے اور وہ متابعت کا اہل
نہیں ہے۔ اس کے بارے میں ابو داؤد سجستانی نے کہا ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے۔ حافظ نے اللسان میں یہ بات ذکر کی ہے، اور جس
کے بارے میں اس طرح کہا جائے وہ متابعت کا اہل نہیں ہوتا۔

امام سیوطی رحمہ اللہ تدریب میں لکھتے ہیں جب محدثین کسی کو ''متروك الحديث'' کہہ دیں یا ذاھب یا کذاب تو وہ راوی ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی اس کا نہ کوئی اعتبار ہوتا ہے نہ اس سے استشہاد کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ بعد والے دو الگ درجے ہیں اور پہلے والا علیحدہ مرتبہ ہے۔ اس کی حدیث بھی معتبر نہیں ہوتی۔ عراقی نے اس کی وضاحت کی ہے۔ ان میں پہلا والا مرتبہ وہی ہے جو (شمار میں) چوتھا ہے جس میں کہا جاتا ہے:

''ردوا حديثه ۔ مردود الحديث ۔ ضعيف جداً ۔ واه ۔ بمرة طرحوا حديثه ۔ مطرح مطرح ۔ الحديث ارم به ۔
ليس بشيئ ۔ لا يساوى شيئا يليها ۔ متروك الحديث ۔ تركوه ۔ ذاهب الحديث ۔ ساقط ۔ هالك ۔ فيه نظر ۔
سكتوا عنه ۔ لا يعتبر به ۔ لا يعتبر بحديثه ۔ ليس بالثقة ۔ ليس بثقة ۔ غير ثقه''

اس کی سند میں عبد اللہ بن عمر العمری ہے اور وہ ضعیف ہے۔ ابو عبد اللہ بن محمد بن احمد عبد الھادی 'الصارم' میں لکھتے ہیں عبد اللہ العمری میں ائمہ جرح وتعدیل نے کلام کیا ہے اور اس کے بارے میں کہا ہے کہ:

''سوٴ الحفظ والمخالفة للثقات فى الروايات''

''حافظہ خراب ہے، روایات میں ثقات کی مخالفت کرتا ہے۔''

ابو حاتم محمد بن حبان البستی اپنی کتاب ''المجروحين من المحدثين'' میں کہتے ہیں: ''عبد الله بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب العمرى رضی اللہ عنہ اخو عبيد الله بن عمر'' اہل مدینہ میں سے ہیں۔ نافع روایت کرتے ہیں اس سے عراقی اور اہل مدینہ روایت کرتے ہیں یہ ان لوگوں میں سے تھا جن پر عبادت اور پارسائی غالب آتی ہے، یہاں تک کہ احادیث حفظ کرنے سے غافل ہو گئے اور آثار کو بہتر طریقے سے حفظ نہ کر سکے۔ اس لیے اس کی روایت میں منکر حدیثیں آگئیں۔ جب اس نے بڑی غلطیاں کیں تو یہ ترک کیے جانے کا مستحق ہوا۔ ۱۷۳ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔

ہمدانی کہتے ہیں ہمیں عمرو بن علی نے بتایا کہ یحیٰ بن سعید عبد اللہ بن عمر سے روایت نہیں لیتے تھے۔ ابو حاتم کہتے ہیں یہ وہ عبد اللہ بن عمر ہیں جن سے یہ حدیث مروی ہے:

''عن ابن عمر عن نافع عن عبد الله بن عمران النبى صلی اللہ علیہ وسلم كان اذا توضأ خلل لحيته''

''جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تھے تو داڑھی کا خلال کرتے تھے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور یہ بھی روایت ان کی ہے:

”عن نافع عن ابن عمران النبی ﷺ قال من اتی عرافا یسأله لم تقبل له صلاۃ اربعین یوماً“

”جو نجومی کے پاس آیا اور اس سے کچھ پوچھا تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہو گی۔“

نافع سے ابن عمر کے واسطے سے یہ بھی روایت ان کی ہے:

”ان النبی ﷺ اسہم للفارس سہمین۔۔۔“

”آپ ﷺ نے گھڑ سوار کے لیے دو حصے دیے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔“

اس کی روایات میں مقلوبات اور لغزشوں کا شبہ ہے اس لیے علم حدیث کے ماہرین انہیں منکر قرار دیتے ہیں۔

ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ اپنی جامع (ترمذی) میں کہتے ہیں:

”اور عبداللہ بن عمر کو یحییٰ بن سعید نے اس کے حافظہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے“۔

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں:

”عبداللہ بن عمر بن حفص العمری المدنی القرشی کو یحییٰ بن سعید ضعیف قرار دیتے تھے۔“

امام نسائی کتاب الکنی میں لکھتے ہیں:

”ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر ضعیف ہیں۔“

العقیلی کہتے ہیں:

”ہمیں عبداللہ بن احمد بن حنبل نے بتایا کہ میں نے یحییٰ بن معین سے عبداللہ بن عمر العمری کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔“

عبداللہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے عبداللہ بن عمر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا وہ اس طرح اس طرح ہے۔

ابو ذرعہ کہتے ہیں احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ:

”عبداللہ بن عمر کی حدیث کیسی ہے؟ انہوں نے کہا اسانید میں اضافہ کرتا تھا اور تبدیلی کرتا تھا۔ صالح آدمی تھا۔“

عقیلی نے امام احمد کا یہ قول ابو بکر اثرم کی سند سے روایت کیا ہے۔

اسحاق بن منصور نے یحییٰ بن معین سے روایت کیا ہے وہ کہتے تھے:

”عبداللہ بن عمر صویلح ہے (معمولی سا صالح ہے یا چھوٹا صالح ہے برائے نام صالح ہے یا حدیث بیان کرنے کی کچھ صلاحیت ہے) عبداللہ بن علی بن المدینی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے تھے کہ یہ ضعیف ہے۔“

ابو حاتم الرازی کہتے ہیں:

”اس کی حدیث لکھی جاتی ہے، البتہ اس سے دلیل نہیں لی جاتی۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں سچا ہے مگر اس کی حدیث میں اضطراب ہوتا ہے۔“

صالح بن محمد البغدادی کہتے ہیں:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"لین مختلط الحدیث"

ابو احمد حاکم کہتے ہیں:

"(عبد اللہ بن عمر) محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔"

حافظ (ابن حجر) التقریب میں فرماتے ہیں:

"عبد اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب ابو عبد الرحمٰن المدنی ضعیف ہے، عبادت گذار ہے۔"

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ ائمہ جرح والتعدیل کے ایسے اقوال بھی عبد اللہ کے بارے میں ہیں کہ جو اس کی روایت کے حسن ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور اسے قوی بناتے ہیں۔ جیسا کہ الکاشف اور تہذیب التہذیب میں ہے؟

جواب: ان کتابوں میں جو لفظ اس کی تعریف میں آیا ہے وہ ہے:

"صویلح لا بأس به ـ صدوق لیس به بأس ـ یکتب حدیثه ثقة فی حدیثه اضطراب ـ صالح ثقة ـ فمنها ما یکتب حدیثه للاعتبار والاستشهاد لا للاحتجاج ومنها ما یکتب حدیثه وینظر فیه"

اس کی حدیث لکھی جاتی ہے مگر اس میں نظر یعنی غور و فکر کی جائے گی۔ کسی بھی حدیث میں غور و فکر کا طریقہ یہ ہو گا کہ حدیث کا تقابل کروایا جائے گا صحیح ضبط رکھنے والے راویوں کی روایات کے ساتھ۔ اگر اکثریت اس کے موافق ہوئی تو وہ حدیث ضابط یعنی محفوظ کہلائے گی، اس کی حدیث سے دلیل لی جاسکے گی اور نادر مخالفت اس کے لیے نقصان دہ نہ ہو گی اور اگر اکثریت اس کی مخالف ہوئی تو پھر اس کے ضبط میں خلل ہے اس سے دلیل نہیں لی جائے گی۔ (اب اس اصول پر جب پرکھا جاتا ہے تو) عبد اللہ بن عمر العمری کثیر المخالفت ہے۔ ابو حاتم محمد ابن حبان البستی کتاب المجروحین میں لکھتے ہیں یہ (عبد اللہ) ان لوگوں میں سے تھا جب اس پر عبادت اور صالحیت کا غلبہ ہوا یہاں تک کہ یہ احادیث حفظ کرنے سے غافل ہوا اور آثار کو بہتر طریقے سے یاد نہ رکھ سکا۔ لہٰذا اس کی روایت میں منکر روایتیں آ گئیں۔ (منکر روایت کا معنی ہے کہ ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے)۔

جب عبد اللہ نے بہت بڑی غلطیاں شروع کیں تو یہ ترک کیے جانے کا مستحق قرار پایا۔ کچھ تعریفی الفاظ جو اس کے بارے میں کہے گئے ہیں ان میں سے لفظ ثقہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی انفرادی حدیث سے دلیل لی جاسکتی ہے۔ یہ لفظ ان کے بارے میں یعقوب بن شیبہ اور ابن معین نے لکھا ہے۔ لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ لفظ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کی حدیث عموماً قابل استدلال ہو گی۔ اس لیے کہ لفظ 'ثقة' کا اطلاق متعدد معانی پر ہوتا ہے۔

1 العدل المطلق

2 العدل الضابط

3 وہ آدمی جس کے بارے میں جرح یا تعدیل میں سے کچھ بھی نہ آیا ہو، اور اس کا شیخ اور جس سے روایت کر رہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے دونوں ثقہ ہوں اور منکر روایت نہ لایا ہو۔ احتمال یہ ہے کہ ان کے قول میں ثقہ سے مراد عدل مطلق ہو اور عدل مطلق کی حدیث دلیل کے قابل نہیں ہوتی جب تک وہ ضابطہ نہ بن جائے۔

اس احتمال کی وجہ یہ ہے کہ اسی یعقوب بن شیبہ نے ثقہ کہنے کے ساتھ یہ بھی کہا ہے "فی حدیثه اضطراب" اور یحیٰی بن معین بھی ثقہ کہنے کے ساتھ ضعیف بھی کہتے ہیں۔

شیخ دحلان: "حلّت له شفاعتی" والی حدیث دار قطنی اور بہت سے ائمہ حدیث نے روایت کی ہے۔

شیخ بشیر: یہ لفظ بزار نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند اس طرح ہے:

"حدثنا قتیبة حدثنا عبدالله بن ابراهیم حدثنا عبدالرحمٰن بن زید عن ابیه عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال من زار قبری حلت له شفاعتی"

اس سند میں دو راوی ضعیف ہیں۔

1 عبداللہ بن ابراہیم الغفاری۔

2 عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم

ابن عبد الهادی 'الصارم المنکی' میں لکھتے ہیں یاد رکھو کہ بزار کی روایت سے جو حدیث مذکور ہے وہ حدیث ضعیف ہے، ساقط الاسناد ہے، ائمہ حدیث کے نزدیک ایسی حدیثو سے دلیل نہیں لی جاسکتی۔ (اس کی تفصیل عنقریب بیان کی جائے گی۔ ان شاءاللہ)

بزار کے شیخ قتیبہ کہتے ہیں یہ مرزبان ہے اس نے اس حدیث کے علاوہ بھی اس سے حدیث روایت کی ہے۔ جبکہ عبداللہ بن ابراہیم ابن ابی عمر الغفاری ابو محمد المدنی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ابو ذر غفاری کی اولاد میں سے ہیں۔ بوڑھے آدمی تھے اور بہت ہی ضعیف الحدیث ہیں، منکر الحدیث ہے۔ بعض محدثین نے اس کو جھوٹا اور وضاع الحدیث کہا ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں وہ منکر حدیث والا ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں اس کی حدیث منکر ہوتی ہے۔ حاکم ابو عبداللہ کہتے ہیں یہ ثقات سے موضوع روایات نقل کرتے ہیں، جو کوئی اور نقل نہیں کرتا۔ بزار اس کی حدیث نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"وابراهیم حدث باحادیث لایتابع علیها"

"یہ ایسی احادیث روایت کرتا ہے جن کی متابعت نہیں ہوتی (ان کے لیے کوئی متابع حدیث نہیں ہوتی)۔"

ابو حاتم ابن حبان البستی فرماتے ہیں عبداللہ ابن عمرو الغفاری بوڑھے ہیں، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور اہل مدینہ سے روایت کرتے ہیں، ان کے والد کا نام ابراہیم ہے، اس سے سلمہ بن شبیب اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو ثقات سے مقلوب روایات لاتے ہیں اور ضعفاء سے خود منسوب کردہ روایات لاتے ہیں۔ اس نے روایت کیا ہے:

"عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم عن ابیه عن ابن عمر عن النبی ﷺ"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"آپ ﷺ نے فرمایا: میں جب بھی معراج والی رات ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف گیا ہر جگہ (ہر آسمان پر) لکھا تھا محمد رسول اللہ ابو بکر الصدیق۔"

مگر یہ روایت باطل ہے، میں نہیں جانتا کہ یہ خرابی اس نے کی ہے یا عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث عبدالرحمٰن بن زید سے مشہور نہیں ہے۔

لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبدیلی عبداللہ بن ابی عمرو کی ہے۔ الصارم میں کہتے ہیں ابن عدی نے عبداللہ بن ابراہیم سے کچھ احادیث ذکر کی ہیں، جن میں سے اکثر منکر بلکہ موضوع ہیں۔ پھر کہتے ہیں اس کی اکثر روایات کی متابعت ثقات سے نہیں ہوتی۔ العقیلی کہتے ہیں عبداللہ بن ابراہیم الغفاری کی احادیث پر وھم غالب ہے۔

اس طرح عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہے۔ محدثین کے ہاں اس سے دلیل نہیں لی جاتی۔ الفلاس کہتے ہیں میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کو اس سے حدیث بیان کرتے نہیں سنا۔

ابو طالب احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔

عباس رضی اللہ عنہ الدوری یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے تھے اس کی حدیث کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بخاری اور ابو حاتم رازی کہتے ہیں اسے علی ابن المدینی نے بہت ضعیف کہا ہے۔

ابو داؤد اور ابو زرعہ، نسائی اور دار قطنی اسے ضعیف کہتے ہیں۔

ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ احادیث کو الٹ پلٹ کر دیتا تھا اور اسے علم بھی نہیں ہوتا تھا۔ یہ بات اس کی احادیث میں بہت زیادہ ہوگئی کہ مرسل کو مرفوع اور موقوف کو مسند بناتا تھا۔ لہٰذا ترک کیے جانے کا مستحق قرار پایا۔

حاکم ابو عبداللہ کہتے ہیں اس نے اپنے باپ سے موضوع روایات نقل کی ہیں اور ہر محدث جانتا ہے کہ اس کا ذمہ دار یہی ہے: یہ اسی کی غلطی اور جرم ہے۔

ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن زید ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن کی احادیث سے محدثین دلیل لیتے ہیں۔

حافظ ابو نعیم اصبہانی کہتے ہیں اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

محمد بن عبداللہ بن الحکم کہتے ہیں میں نے امام شافعی کو کہتے سنا کہ امام مالک کے سامنے ایک آدمی نے حدیث بیان کی تو انہوں نے پوچھا کہ یہ حدیث تم سے کس نے بیان کی ہے؟ تو اس نے منقطع سند بیان کر دی تو امام مالک نے فرمایا تم عبدالرحمٰن بن زید کے پاس جاؤ وہ تمہیں اپنے باپ کے ذریعے نوح علیہ السلام سے بھی روایت بیان کر دے گا۔

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں میں نے امام شافعی سے سنا کہہ رہے تھے کہ ایک آدمی نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے پوچھا کہ تم اپنے باپ سے روایت کرتے ہو کہ نوح علیہ السلام کے سفینہ نے بیت اللہ کا طواف کیا تھا اور وہاں دو رکعتیں پڑھی تھیں؟ اس نے کہا: ہاں۔

الخلاصہ میں کہتے ہیں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم المدنی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور اس سے وکیع، ابن وھب، قتیبہ اور بہت سے لوگ روایت لیتے ہیں۔ اس عبدالرحمٰن کو احمد، ابن المدینی اور نسائی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ اس کا انتقال ۱۸۲ ہجری میں ہوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ذھبی المیزان میں لکھتے ہیں عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم العمری ان کا مدنی مولیٰ ہے۔ عبد اللہ اور اسامہ کا بھائی ہے۔ ابو یعلیٰ الموصلی کہتے ہیں میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے سنا ہے کہتے تھے زید بن اسلم کے بیٹے کچھ بھی نہیں ہیں۔ عثمان دارمی نے روایت کیا ہے کہ یحییٰ بن معین کہتے تھے زید کے بیٹے ضعیف ہیں۔ بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں عبد الرحمٰن کو علی نے بہت ضعیف کہا ہے۔ نسائی فرماتے ہیں ضعیف ہے۔ احمد کہتے ہیں عبد اللہ ثقہ ہیں جبکہ دوسرے دو ضعیف ہیں۔ ترمذی رحمہ اللہ اپنی جامع میں کہتے ہیں عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم حدیث میں ضعیف ہے، اسے احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور علی ابن المدینی وغیرہ محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ یہ کثیر الغلط راوی ہے۔ (یعنی احادیث میں بہت غلطیاں کرتا تھا)۔

حافظ ابن حجر 'اللسان' میں فرماتے ہیں کہ عبد الحق کہتے ہیں کہ بزار نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس میں عبد اللہ بن ابراہیم الغفاری ہے اور اس کے بارے میں بھی محدثین نے کلام کیا ہے۔ 'تنزیہ الشریعہ' میں فرماتے ہیں عبد اللہ بن ابراہیم الغفاری کو ابن ابی عمرو بھی کہا جاتا ہے۔ ابن حبان نے اسے وضاع کہا ہے۔ امام ذھبی المیزان میں فرماتے ہیں ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی اکثر روایات کی متابعت نہیں ہوتی۔ دار قطنی کہتے ہیں اس کی حدیث منکر ہے۔ ابن عدی نے 'جزء ابن عرفہ' میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں حدیثیں ذکر کی ہیں اور دونوں باطل ہیں۔ حاکم کہتے ہیں عبد اللہ ضعفاء کی ایک جماعت سے موضوع روایات روایت کرتے ہیں۔ تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں ابو داؤد نے کہا ہے کہ یہ منکر الحدیث تھا۔ (ضعیف تھا، ثقات کی مخالفت کرتا تھا)۔

ابن حبان کہتے ہیں حدیثیں وضع کرتا تھا، ابن عدی کہتے ہیں اس کی اکثر روایات کی متابعت نہیں کی جاتی۔ حافظ 'التقریب' میں فرماتے ہیں عبد اللہ بن ابراہیم بن ابی عمرو الغفاری ابو محمد المدنی متروک ہے۔ ابن حبان نے اسے وضاع کہا ہے۔ امام ذھبی الکاشف میں کہتے ہیں عبد اللہ بن ابراہیم بن الغفاری المدنی ابراہیم بن مہاجر اور مالک سے اور اس سے الکریمی اور ابو قلابہ متہم ہے۔

الھیثمی مجمع الزوائد میں فرماتے ہیں:

"عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال من زار قبری حلت له شفاعتی" (رواہ البزار)

ترجمہ: "جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوئی۔"

اس میں عبد اللہ بن ابراہیم الغفاری ہے اور وہ ضعیف ہے۔

تنزیہ الشریعہ میں عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم کے بارے میں لکھا ہے کہ حاکم کہتے ہیں کہ یہ اپنے باپ سے موضوع احادیث روایت کرتا ہے، جو کسی بھی محدث پر مخفی نہیں کہ یہ غلطی اسی (عبد اللہ) کی ہے۔

امام ذھبی رحمہ اللہ 'التہذیب' میں لکھتے ہیں اسے احمد، ابو داؤد اور نسائی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں یہ صالح آدمی تھا مگر حدیث میں کمزور تھا۔ ابن المدینی نے اس کو بہت زیادہ ضعیف کہا ہے۔ حافظ (ابن حجر) 'التقریب' میں لکھتے ہیں: "عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم العدوی (ان کا آزاد کردہ غلام) ضعیف ہے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ذھبی رحمہ اللہ 'الکاشف' میں فرماتے ہیں: "عبدالرحمن بن زید بن اسلم المدنی اپنے باپ اور ابن المنکدر سے روایت کرتے ہیں اور اس سے اصبغ، قتیبہ اور ہشام روایت کرتے ہیں۔ (محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے)۔ الھیثمی مجمع الزوائد میں لکھتے ہیں:

"عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال من زار قبری حلت له شفاعتی" (بزار)

اس روایت میں عبداللہ بن ابراہیم الغفاری ہے اور وہ ضعیف ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ 'التلخیص' میں لکھتے ہیں اسے بزار نے زید بن اسلم کے واسطے سے ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ اور اس میں عبداللہ بن ابراہیم الغفاری ہے اور وہ ضعیف ہے۔

امام حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الانصاری 'الخلاصہ' میں لکھتے ہیں: "عبداللہ بن ابراہیم بن عمر الغفاری ابو محمد المدنی اپنے باپ اور ابراہیم بن مہاجر سے روایت کرتے ہیں جبکہ اس سے حسن بن عرفہ اور سلمہ بن شبیب روایت کرتے ہیں۔"

ابن حبان (اس کے بارے میں) کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں وضع کرتا تھا (بناتا تھا)۔ التہذیب میں فرماتے ہیں ابن عدی نے کہا ہے کہ "یہ اکثر ایسی روایات لاتا ہے جس کی متابعت ثقات نہیں کرتے۔" دار قطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اس کی حدیث منکر ہوتی ہے۔"

شیخ دحلان: امام سبکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'شفاء السقام' میں رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت سے متعلق اس حدیث کے طرق پر تفصیلی بحث کی ہے اور یہ وضاحت بھی کی ہے کہ ائمہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

شیخ بشیر: امام ابن الھادی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'الصارم المنکی' میں سبکی پر شدید رد کیا ہے اور ان ائمہ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

شیخ دحلان: ان روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے:

"من زار بعد موتی فکأنما زارنی فی حیاتی"

ترجمہ: "جس نے میرے فوت ہونے کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کر لی۔"

شیخ بشیر: اس حدیث کو دار قطنی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے جس کی سند اس طرح ہے:

"حدثنا ابوعبید والقاضی ابوعبداللہ وابن مخلد، قالوا حدثنا محمد بن الولید البسری حدثنا وکیع حدثنا خالد بن ابی خالد وابو عون عن الشعبی والاسود بن میمون عن ھارون بن ابی قزعه عن رجل من آل حاطب عن حاطب قال قال رسول اللہ ﷺ من زارنی بعد موتی فکأنما زارنی فی حیاتی ومن مات بأحد الحرمین بعث من الآمنین یوم القیامة"

ترجمہ: "جس نے میرے فوت ہونے کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کر لی، اور جو دونوں حرموں (مکہ، مدینہ) میں سے کسی جگہ فوت ہو گیا وہ قیامت کے دن محفوظ لوگوں میں اٹھایا جائے گا۔"

'الصارم المسلول' میں فرماتے ہیں اور جواب یہ ہے کہ یہ حدیث جسے آٹھویں قرار دے رہے ہیں یہ بعینہ چھٹی اور ساتویں نمبر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر بیان کردہ حدیث ہے۔ یہ ایک ہی حدیث ہے، ضعیف اور مضطرب الاسناد ہے۔ یہ روایت جو اس نے ذکر کی ہے اس نے تو متن اور سند میں مزید اضطراب پیدا کیا ہے۔

بیہقی ﷫ نے اسے 'شعب الایمان' میں دار قطنی کے طریق سے روایت کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ میں نے اسی طرح اس کی کتاب میں یہ حدیث پائی ہے۔ کسی اور نے سوار بن میمون ذکر کیا ہے اور کسی نے میمون بن سوار۔ وکیع ہی اس کو روایت کرتے ہیں تاریخ بخاری میں ہے:

" میمون بن سوار العبدی عن هارون بن ابی قزعه عن رجل من ولد حاطب عن رسول الله ﷺ من مات فی احد الحرمین"

یوسف بن راشد کہتے ہیں "حدثنا وکیع عن میمون"۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ روایت "عن محمد بن الولید عن وکیع" نے لفظ و متن میں ضعف واضطراب پیدا کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ اس لیے کہ یہ حدیث ایک ہی ہے۔ مجہول الاسناد ہے، شدید اضطراب والی ہے۔

اس کی بنیاد و مدار ہارون بن قزعہ پر ہے، کسی نے کہا ابن قزعہ ہے کسی نے ابن ابی قزعہ۔ بعض روایات میں اس کا ذکر ہے بعض میں نہیں ہے۔ اس کے شیخ کا بھی بعض نے ذکر کیا ہے بعض نے اسے ساقط کر دیا ہے۔ بعض اس کے بارے میں "عن رجل من آل عمر" کہتے ہیں۔ بعض "عن رجل من آل الخطاب"، بعض "عن رجل من ولد حاطب" کہتے ہیں۔

پھر ایک مبہم آدمی ہے، بعض نے اس کو "عن عمر" مسند کیا ہے، بعض نے "عن حاطب"، بعض اس کو مرسل کرتے ہیں اور "عن حاطب یا عن عمر" بھی مسند نہیں کرتے۔ اسی کا بخاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ پھر ہارون سے روایت کرنے والے کا نام بعض نے "سوار بن میمون" ذکر کیا اور بعض نے "میمون بن سوار"۔ بعض نے "اسود بن میمون" ذکر کیا ہے۔ جبکہ روایات کا معمولی سا علم رکھنے والا بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس طرح کا شدید اضطراب کسی حدیث کے ضعیف ہونے، ساقط ہونے، رد ہونے اور قابل استدلال نہ ہونے کی واضح ترین دلیل ہوتی ہے۔

اسناد میں اسطرح کے شدید اضطراب کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ میں بھی شدید اضطراب اس کے ضعیف ہونے اور عدم ضبط کی دلیل ہے۔ البتہ اس کے اسناد میں جہاں شعبی کا اضافہ ہے کہ: "عن وکیع عن خالد بن ابی خالد وابی عون او ابن عون عن الشعبی" یا شعبی کو ساقط کیا گیا ہے تو یہ اضافہ منکر ہے محفوظ نہیں ہے۔ شعبی کا اس حدیث کی اسناد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خالد بن ابی خالد ابو عون یا ابن عون کے بارے میں پہلی روایت میں ہے کہ شعبی سے روایت کرتے ہیں جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ یہ ہارون بن ابی قزعہ سے روایت کرتے ہیں۔ پہلی روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ شعبی نے یہ حدیث کس سے مسند کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری روایت میں اس کا نام تک حذف ہے اور اس آدمی کا ذکر ہے جس سے ہارون نے حدیث روایت کی ہے۔ یہ سب باتیں اس حدیث کے شدید ضعیف ہونے اور عدم ضبط کی دلیل ہے۔ جبکہ اس (دحلان) کا یہ کہنا کہ "عن خالد بن ابی خالد" تو یہ وہم ہے اصل میں یہ "ابن ابی خلدہ" ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تاریخ یوں بیان کرتے ہیں:

"خالد بن ابی خلدہ الحنفی الاعور سمع الشعبی وابراھیم، روی عنه الثوری ومروان بن معاویه منقطع وقال ابن ابی حاتم خالد بن ابی خلدہ الحنفی الاعور روی عن الشعبی وابراھیم وروی عنه الثوری وابن عیینه ومروان بن معاویه سمعت ابی یقول۔۔۔"

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اسناد میں اس طرح کا اضافہ حدیث کی قوت میں اضافہ نہیں کرتا، بلکہ اس کے ضعف و اضطراب میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ ثابت ہوا کہ جس حدیث کی بنیاد پر معترض نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے خلاف دلیل اپنائی ہے اور اسے تین حدیثیں قرار دی ہیں، یہ دراصل ایک ہی حدیث ہے اور وہ بھی صحیح نہیں ہے۔

'الصارم' میں حدیث "من زارنی" یا "من زار قبری" والی حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس حدیث کی بنیاد و مدار ہارون پر ہے اور وہ مجہول شیخ تھا اس کا ذکر صرف اسی حدیث میں ملتا ہے۔ ابو الفتح الازدی نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے "ھو متروك الحدیث لا یحتج به" ابو بشیر محمد بن احمد بن حماد الدولابی کتاب 'الضعفاء والمتروکین' میں لکھتے ہیں۔ ہارون ابو قزعہ سے میمون بن سوار روایت کرتے ہیں، اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔ یہ امام بخاری نے فرمایا ہے۔ ابو احمد ابن عدی کتاب 'الکامل فی معرفة الضعفاء و علل الحدیث' میں لکھتے ہیں: "ھارون ابو قزعہ جو ہے اس کے بارے میں ابن حماد کہتے تھے کہ امام بخاری نے فرمایا ہے کہ ابو قزعہ سے میمون بن سوار روایت کرتے ہیں اور اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔" ابن عدی کہتے ہیں ہارون ابو قزعہ نے (یہ حدیث) منسوب نہیں کی، اس نے وہ چیز روایت کی ہے جس کا ذکر بخاری نے کیا ہے۔ یہ وہی سب کچھ ہے جس کا ذکر ابن عدی نے ہارون کے حالات زندگی میں کیا ہے۔

اگر ابن عدی کے پاس اس کے بارے میں امام بخاری کے ذکر کردہ تفصیلات کے علاوہ کچھ ہوتا تو وہ ذکر کرتے۔ لہٰذا واضح ہوا کہ اس حدیث کا مدار ہارون بن قزعہ پر ہے اور وہ ایسا شیخ ہے کہ اس حدیث کے علاوہ اس کا کہیں نام نہیں ہے، اور اس کی حالت ایسی نہیں ہے کہ جو اس کی قبولیت کا ذریعہ بنے۔

ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر کتاب الجرح والتعدیل میں نہیں کیا ہے۔ نہ ہی حاکم ابو احمد نے اس کا ذکر کتاب الکنی میں کیا ہے۔ نہ ہی نسائی نے کتاب الکنی میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ حافظ 'اللسان' میں فرماتے ہیں:

"ھارون بن قزعه عن رجل فی زیارة قبر النبی ﷺ، قال البخاری لا یتابع علیه"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ازدی کہتے ہیں:

"ھارون بن قزعہ یروی عن رجل من آل حاطب المراسیل"

ترجمہ:"ہارون بن قزعہ آل حاطب کے کسی آدمی سے مراسیل روایت کرتا ہے۔"

میں کہتا ہوں ازدی جو چاہتے تھے وہی ثابت ہوا۔ اس (ہارون) کو یعقوب بن شیبہ نے بھی ضعیف کہا ہے۔ عقیلی، الساجی اور ابن الجارود نے بھی اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ عقیلی نے اس کی حدیث الجندی کے واسطے سے ذکر کی ہے۔

حافظ ابن حجر 'اللسان' میں فرماتے ہیں:"ھارون بن قزعہ لایعرف"(ہارون بن قزعہ معروف نہیں ہے)۔

ازدی کہتے ہیں یہ متروک ہے۔ بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے میمون بن سوار روایت کرتے ہیں اور اس کی متابعت اس پر نہیں کی جاتی۔ میں کہتا ہوں ازدی اس سے زیادہ کیا کہیں گے جو پہلے کہہ چکے ہیں۔

شیخ دحلان: ایک روایت میں ہے:

"من جاءنی زائراً لا تعملہ حاجۃ الا زیارتی کان حقا علی ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ"

ترجمہ:"جو میری زیارت کرنے آیا اور میری زیارت کے علاوہ کسی کام کے لیے نہیں آیا تھا تو مجھ پر اس کا حق بنتا ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا سفارشی بن جاؤں۔"

شیخ بشیر: اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند میں مسلمہ بن سالم الجہنی ہے۔ 'اللسان' میں (اس کے بارے میں) لکھا ہے کہ مسلم بن سالم الجہنی البصری مکہ میں ہوتا تھا۔ ابو داؤد سجستانی کہتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں تھا۔ (ابن حجر) التقریب میں کہتے ہیں مسلم بن سالم الجہنی البصری مکہ میں ہوتا تھا یہ ضعیف ہے۔ اس کو مسلمہ بھی کہا جاتا ہے۔ الھیثمی 'مجمع الزوائد' میں کہتے ہیں:

"عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من جاءنی زائراً لا تعملہ حاجۃ الا زیارتی کان حقاً علی ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ" (طبرانی فی الاوسط والکبیر)

اس میں مسلمہ بن مسلم ہے اور وہ ضعیف ہے۔ امام ابن عبد الھادی 'الصارم' میں کہتے ہیں اس حدیث میں نہ تو (رسول اللہ ﷺ کی) قبر کا ذکر ہے اور نہ ہی موت کے بعد کی زیارت کا ذکر ہے جبکہ یہ حدیث ضعیف الاسناد بھی ہے، منکر المتن ہے۔ اس سے دلیل لینا صحیح نہیں ہے۔ ایسی روایات پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہوتا۔ کتب السنہ میں سے کسی نے بھی اسے روایت نہیں کیا، نہ ہی امام احمد رحمہ اللہ نے اسے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، نہ ہی کسی اور قابل اعتماد امام نے اسے روایت کیا ہے، نہ ہی کسی قابل اعتماد امام نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ صرف اس اکیلے شیخ نے روات کیا ہے جو نہ تو عالم مشہور ہے نہ ہی راوی اور نہ ہی اس کی حالت واضح ہے کہ اس کی خبر کو قبول کیا جا سکے وہ ہے مسلمہ بن سالم الجہنی جو صرف اس منکر حدیث اور ایک دوسری موضوع حدیث کو روایت کرنے میں مشہور ہے، جسے طبرانی نے مذکورہ سند سے روایت کیا ہے۔ جس کا متن یہ ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"الحجامة فی الرأس امان من الجنون والجذام والبرص والضرس"

ترجمہ: "سر میں پچھنے لگوانا جنون، جذام، برص اور دانت کی بیماری سے محفوظ رکھتا ہے"۔

اس سے ایک اور حدیث بھی روایت کی ہے جو منکر ہے اور العبادی کی روایت کے علاوہ ہے۔ جب اس طرح کا مجہول الحال قلیل الروایۃ راوی اس طرح کی منکر حدیثیں عبید اللہ بن عمر سے روایت کرے جو کہ آل عمر بن الخطاب میں اپنے دور کے سب سے اثبت راوی ہیں اور سب سے زیادہ احفظ نافع عن سالم عن ابیہ عبد اللہ بن عمر کے دیگر تمام اصحاب عبید اللہ مشہور ہیں تو ثابت ہو جاتا ہے کہ ایسے راوی کی روایت سے دلیل لینا اور اس کی روایت پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اس سے روایت کرنے والا عبد اللہ بن محمد العبادی ہے جو خود ان شیوخ میں سے ہے کہ اگر یہ کسی روایت کرنے میں متفرد ہوں تو ان کی روایت نہیں لی جاتی۔ جبکہ اس کی اسناد میں تو اس پر اختلاف بھی آچکا ہے۔ مثلاً ایک جگہ کہا گیا ہے کہ "عن نافع عن سالم" اور ایک جگہ ہے "عن نافع وسالم" اور دوسری بات یہ ہے کہ جو راوی اس سے بہتر ہے اس نے اس کی مخالفت کی ہے، وہ ہے "مسلم بن حاتم الانصاری" جو کہ سچا راوی ہے۔ وہ اس طرح روایت کرتے ہیں:

"عن مسلمة بن سالم عن عبد الله (یعنی العمری) عن نافع عن سالم عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من جائنی زائراً لم ینزعه حاجة الا زیارتی کان حقاً علی ان اکون له شفیعاً یوم القیامة"

حافظ ابو نعیم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے:

"عن ابی محمد بن حبان عن محمد بن احمد بن سلیمان الهروی عن مسلم بن حاتم الانصاری"

یہ روایت مسلم بن حاتم کی ہے جس میں کہا گیا ہے "عن عبد اللہ" جو کہ عمری ہے جھوٹا ہے، ضعیف ہے۔ یہ العبادی کی اس روایت سے بہتر ہے جس میں اضطراب ہے اور اس میں "عن عبید اللہ العمری" ہے، جو بڑا ہے ثقہ ہے۔ مگر دونوں روایتیں قابل اعتماد نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ان دونوں کی بنیاد ایک ہی شیخ پر ہے اور اس شیخ کی روایت قبول نہیں کی جاتی وہ شیخ ہے "مسلمہ بن سالم"۔ یہ موسیٰ علیہ السلام بن ہلال کی طرح ہی ہے جس نے پہلی والی حدیث روایت کی ہے جو کہ عبد اللہ العمری یا اس کے بھائی عبید اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس روایت میں بھی اسی طرح (الفاظ کا) اختلاف پایا جاتا ہے جس طرح مسلمہ کی روایت میں ہے۔

شیخ دحلان: ایک روایت میں ہے: "من جاءنی زائراً کان له حقاً علی الله عزوجل ان اکون له شفیعاً یوم القیامة"

شیخ بشیر: اسے ابو بکر بن المقری نے اپنے معجم میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، مگر اس کی سند میں بھی مسلمہ بن سالم الجہنی ہے۔

شیخ دحلان: ابو یعلی، دار قطنی، طبرانی، بیہقی اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ:

ومن حج فزار قبری (ایک روایت میں فزارنی ہے) بعد وفاتی عند قبری کان کمن زارنی فی حیاتی"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: "جس نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی (ایک روایت میں ہے میری زیارت کی) میری وفات کے بعد میری قبر کے پاس تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔"

شیخ بشیر: اس کی سند میں حفص بن ابی داؤد اور لیث بن ابی اسلم ہیں اور بعض طرق میں حسن ابن طیب اور احمد بن رشدین ہیں۔ جبکہ یہ سب ضعیف ہیں، ان پر جرح ہو چکی ہے۔

امام ابن عبدالهادی رحمہ اللہ 'الصارم' میں فرماتے ہیں: یاد رکھو! اس حدیث سے نہ دلیل لینا جائز ہے، نہ ہی اس طرح کی حدیثوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ یہ منکر المتن حدیث ہے، ساقط الاسناد ہے، حفاظ حدیث میں سے کسی نے بھی اس کو صحیح نہیں کہا۔ نہ ہی کسی امام نے اس سے دلیل لی ہے، بلکہ انہوں نے اس کو ضعیف کہا ہے اور اس میں طعن کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ جھوٹی اور موضوع احادیث میں سے ہے۔ خاص کر اس ضافہ کے کذب میں تو کوئی شک نہیں ہے جبکہ اس ضافہ کے علاوہ حدیث بہت ہی منکر ہے۔ اس کا راوی "حفص بن ابی داؤد حفص بن سلیمان ابو عمر الاسدی الکوفی البزار القاری الغاضری" ہے۔ یہ قراءۃ میں عاصم بن ابی النجود کا شاگرد ہے۔ اور اس کی بیوی کا بیٹا ہے۔ یہ قراءۃ میں مشہور ہے، مگر یہ حدیث روایت کرنے کا اہل نہیں ہے۔ اس کی حدیث پر کوئی بھی اعتماد نہیں کرتا۔ اسی لیے ائمہ نے اس پر جرح کی ہے اسے ضعیف کہا ہے اور اسے ترک کیا ہے۔ بعض نے اسے متہم کہا ہے۔

عثمان بن سعید الدارمی وغیرہ یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے تھے "لیس بثقه"۔ العقیلی یحییٰ سے روایت کرتے ہیں ان سے اس کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا "لیس بشیئ"۔ عبداللہ بن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے سنا کہہ رہے تھے حفص بن سلیمان ابو عمر القاری متروک الحدیث ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں "ترکوه"۔ ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی کہتے ہیں کہ ایک زمانے سے وہ حدیث سے فارغ ہو چکا ہے۔ مسلم بن الحجاج کہتے ہیں "متروک"۔ علی ابن المدینی کہتے ہیں: یہ ضعیف الحدیث ہے، میں نے جان بوجھ کر چھوڑا ہے۔ نسائی کہتے ہیں "لیس بثقة ولا یکتب حدیثه" ایک اور جگہ فرماتے ہیں "متروك الحديث" ہے۔ صالح بن محمد البغدادی کہتے ہیں "لا یکتب حدیثه" (اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی) اور اس کی تمام احادیث منکر ہیں۔ زکریا الباجی کہتے ہیں یہ سماک اور علقمہ بن مرثد قیس بن مسلم اور عاصم سے باطل احادیث روایت کرتا ہے۔ ابوزرعہ کہتے ہیں ضعیف الحدیث ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی، ضعیف الحدیث ہے۔ اس کی تصدیق نہیں کی جاتی (یا سچ نہیں بولتا) متروک ہے۔ کہا کہ عبارت کے لحاظ سے کیسا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ "ابو بکر بن عیاش اثبت منه"۔ عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش کہتے ہیں کذاب ہے، متروک ہے، حدیثیں وضع کرتا تھا۔

حاکم ابو احمد کہتے ہیں "ذاهب الحديث" ہے (اس کی حدیث سے درگزر کیا جاتا ہے، نہیں لی جاتی)۔ دار قطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ضعیف ہے۔ ابو حاتم بن حبان کہتے ہیں اسانید میں الٹ پھیر کرتا تھا اور مراسیل کو مرفوع بنا کر پیش کرتا تھا۔ لوگوں کی کتابیں لیتا تھا، انہیں نقل کرتا اور بغیر سماع کے انہیں روایت کرتا۔ ابن عدی کہتے ہیں ہمیں الباجی نے بتایا کہ ہمیں احمد بن محمد البغدادی نے بتایا کہ میں نے یحییٰ بن معین سے سنا فرمارہے تھے حفص بن سلیمان اور ابوبکر بن عیاش عاصم کی قراءۃ کو سب سے زیادہ جانتے تے اور حفص ابوبکر سے بہتر قاری تھا۔ ابوبکر سچا تھا (صدوق) حفص کذاب تھا۔

ابن عدی رحمہ اللہ نے حفص کی روایات نقل کی ہیں جو منکر ہیں، غیر محفوظ ہیں۔ جن میں سے ایک روایت یہ زیارت والی بھی ہے۔ کہتے ہیں یہ احادیث حفص بن سلیمان نے روایت کی ہیں۔ ان مذکورہ کے علاوہ بھی حفص کی روایات ہیں مگر اکثر احادیث جو یہ جن سے بھی روایت کرتے ہیں وہ احادیث غیر محفوظ ہوتی ہیں۔

العقیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں ہمیں عبداللہ بن احمد نے بتایا کہتے ہیں مجھے میرے والد نے بتایا کہ ہمیں یحییٰ القطان نے بتایا کہتے ہیں شعبہ نے حفص بن سلیمان کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ لوگوں کی کتابیں لے کر نقل کرتا تھا۔ شعبہ کہتے ہیں حفص نے مجھ سے ایک کتاب لی اور واپس نہیں کی۔

العقیلی کہتے ہیں ہمیں محمد بن اسماعیل نے بتایا اسے حسن بن علی نے بتایا اسے شبانہ نے بتایا کہ میں نے ابوبکر بن عیاش سے کہا کہ آپ نے ابو عمر کو عاصم کے پاس دیکھا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ بات مجھ سے کئی افراد نے پوچھی ہے۔ عاصم سے جتنے لوگوں نے بھی پڑھا ہے میں ان سب کو جانتا ہوں۔ میں نے اسے (ابو عمر کو) عاصم کے پاس کبھی نہیں دیکھا۔

ابو بشر الدولابی کتاب 'الضعفاء والمتروکین' میں لکھتے ہیں: حفص بن سلیمان متروک الحدیث ہے۔ بیہقی نے سنن کبیر میں حفص کی یہی زیارت والی حدیث روایت کی ہے اور کہا ہے کہ حفص اس کو روایت کرنے میں متفرد ہے (اکیلا ہے) اور وہ ضعیف ہے۔ 'شعب الایمان' میں کہتے ہیں: حفص بن ابی داؤد نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ روایت یہ ہے:

"عن لیث بن اسلم عن مجاهد عن ابن عمر مرفوعاً من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی"

ابو سعید المالینی نے ہمیں بتایا کہ ہمیں ابو احمد بن عدی نے بتایا وہ کہتے ہیں ہمیں عبداللہ بن احمد البغویؒ نے بتایا وہ کہتے ہیں ہمیں ابو الربیع الزهرانی نے بتایا وہ کہتے ہیں ہمیں حفص نے یہ حدیث بتائی، ہمیں علی بن احمد بن عبدان نے بتایا کہتے ہیں ہمیں احمد بن عبید نے بتایا کہ ہمیں محمد بن اسحاق الصفار نے بتایا کہتے ہیں ہمیں حفص بن سلیمان نے بتایا اس نے ذکر کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔۔۔۔ بیہقی کہتے ہیں اس میں حفص متفرد ہے اور وہ روایت حدیث میں ضعیف ہے۔

بیہقی نے حفص کو کتاب السنن الکبیر اور شعب الایمان میں بھی ضعیف کہا ہے۔ اور کہا ہے کہ وہ اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد ہے۔ جب ائمہ حدیث کے نزدیک حفص کا یہ حال ہے تو اس کی روایت کردہ حدیث سے دلیل کس طرح لی جا سکتی ہے یا اس کی نقل کردہ خبر پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ اس حدیث کو روایت کرنے میں اس پر اختلاف بھی ثابت ہو چکا ہے ((یعنی کہ یہ حفص روایت کس سے لے رہا ہے اس میں مختلف نام ہیں مثلاً)) بعض نے کہا ہے کہ یہ لیث بن ابی سلیم سے لیتے ہیں، جیسا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ پہلے گذر چکا ہے اور لیث بن ابی سلیم مضطرب الحدیث ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ یہ کثیر بن شنظیر سے وہ لیث سے روایت کرتے ہیں۔ ابو یعلیٰ احمد بن علی بن المثنی الموصلی کہتے ہیں ہمیں یحییٰ بن ایوب المقابری نے بتایا وہ کہتے ہیں ہمیں حسان بن ابراہیم نے وہ کہتے ہیں ہمیں حفص بن سلیمان نے کثیر بن شنظیر سے وہ لیث بن ابی سلیم سے وہ مجاہد سے وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من حج فزارني بعد وفاتي عند قبري فكأنما زارني في حياتي۔۔۔"

'الصارم' میں بھی لکھا ہے کہ لیث بن ابی سلیم مضطرب الحدیث ہے۔ یہ بات امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کی ہے۔

ابو معمر القطیعی کہتے ہیں ابن عیینہ لیث بن ابی سلیم کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ یحییٰ بن معین اور نسائی کہتے ہیں کہ یہ (لیث) ضعیف ہے۔ السعدی کہتے ہیں کہ اس کی حدیث ضعیف شمار ہوتی ہے۔ ابراہیم بن سعید الجوہری کہتے ہیں ہمیں یحییٰ بن معین نے یحییٰ بن سعید القطان کے بارے میں بتایا کہ وہ لیث بن ابی سلیم سے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔ احمد بن سلیمان الرہاوی مومل بن المفضل سے بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ بن یونس سے پوچھا کہ آپ لیث بن ابی سلیم سے (حدیث) نہیں سنتے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ وہ خلط ملط کرتا ہے۔ وہ دن چڑھے مینار پر چڑھ کر اذان دیتا تھا۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں میں نے اپنے باپ اور زرعہ سے سنا دونوں کہہ رہے تھے کہ لیث کو حدیث میں مشغول نہیں ہونا چاہیے وہ مضطرب الحدیث ہے۔ کہتے ہیں میں نے ابوزرعہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے لیث بن ابی سلیم لین الحدیث ہے۔ علمائے حدیث کے ہاں اس کی روایت قابل حجت نہیں ہوتی۔

امام ذہبی رحمہ اللہ 'المیزان' میں حفص کے حالات زندگی میں لکھتے ہیں:

"كان ثبتاً في القراءة واهياً في الحديث"

قراءۃ میں قابل اعتماد تھا، مگر حدیث میں کمزور ہے۔ امام ذہبی 'المیزان' میں حفص بن سلیمان کے حالات زندگی میں لکھتے ہیں:

"كان ثبتاً في القراءة واهياً في الحديث"

قراءۃ میں قابل اعتماد تھا مگر حدیث میں کمزور تھا، حدیث کا اس کو صحیح طرح علم نہیں تھا۔ البتہ قراءۃ و تجوید میں ماہر تھا۔ ورنہ فی ذاتہ سچا تھا۔

حنبل بن اسحاق احمد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے تھے "ما به بأس" (اس کی حدیث میں) کوئی حرج نہیں ہے)۔

حسین بن حبان ابن معین کا قول نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں (حفص) ابو بکر سے قراءۃ کے لحاظ سے صحیح اور بہتر ہے۔ جبکہ ابو بکر (بن عیاش) حدیث میں اس سے بہتر اور ثقہ ہے۔ عبداللہ بن احمد اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ یہ عبداللہ سے ابن ابی حاتم کی روایت ہے جبکہ ابو علی الصواف کی روایت جو عبداللہ عن ابیہ سے ہے اس میں کہتے ہیں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

'صالح'۔ ابن معین نے بھی کہا ہے 'لیس بثقه'۔ بخاری کہتے ہیں 'ترکوہ' (محدثین نے اسے چھوڑ دیا تھا)۔ ابو حاتم کہتے ہیں 'متروک'۔ ابن خراش کہتے ہیں 'کذاب یضع الحدیث'۔ ابن عدی کہتے ہیں 'لا یصدق عامة احادیثه غیر محفوظة' (سچ نہیں بولتا تھا اس کی اکثر احادیث غیر محفوظ ہیں)۔ ابن حبان کہتے ہیں۔ اسانید میں الٹ پھیر کرتا تھا اور مراسیل کو مرفوع بناتا تھا۔ لوگوں کی کتابیں لیتا تھا۔ انہیں نقل کرتا اور بغیر سماع کے انہیں روایت کرتا۔

احمد بن حنبل کہتے ہیں ہمیں یحییٰ القطان نے بتایا کہ شعبہ نے حفص بن سلیمان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگوں کی کتابیں لیتا تھا اور انہیں نقل کرتا تھا۔ مجھ سے ایک کتاب لی اور پھر واپس نہیں کی۔ احمد بن محمد الحضرمی کہتے ہیں میں نے یحییٰ بن معین سے حفص بن سلیمان ابی عمر البزار کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا "لیس بشئی"۔

امام ذہبی رحمہ اللہ 'الکاشف' میں لکھتے ہیں قراءۃ میں قابل اعتماد ہے، مگر حدیث میں نہیں ہے۔ بخاری کہتے ہیں 'ترکوہ'۔ حافظ ابن حجر 'التقریب' میں لکھتے ہیں حفص بن سلیمان اسدی ابوعمرو البزار الغاضری حفص بن ابی داؤد قاری ہے۔ جو عاصم کا ساتھی ہے اس کو حفیص بھی کہا جاتا ہے، یہ متروک الحدیث ہے۔ اگرچہ قراءۃ کا امام ہے۔ حافظ ابن حجر 'التلخیص' میں لکھتے ہیں حفص جو کہ ابن سلیمان ہے، یہ ضعیف الحدیث ہے۔ اگرچہ احمد نے انہیں صالح کہا ہے۔ الھیثمی رحمہ اللہ 'مجمع الزوائد' میں لکھتے ہیں: اس میں حفص بن ابی داؤد القاری ہے، جسے احمد نے ثقہ کہا ہے، اور ایک جماعت نے اسے ضعیف کہا ہے۔

الخلاصہ میں کہتے ہیں حفص بن سلیمان الاسدی الغاضری ابو عمرو البزاری بن امرأۃ عاصم ہے۔ اسے حفیص بن ابی داؤد الکوفی المقریٔ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ علقمہ بن مرثد اور محارب بن دثار سے روایت لیتے ہیں۔ اس سے روایت لینے والے آدم بن ابی ایاس، محمد بن سلیمان لوین، علی بن حجر اور دیگر لوگ ہیں۔ بخاری کہتے ہیں محدثین نے اس کی حدیثیں چھوڑ دی تھیں۔ جبکہ قرأۃ میں یہ بالاجماع قابل اعتماد تھا۔

'تنزیہ الشریعہ' میں ہے حفص بن ابی داؤد، حفص بن سلیمان قاری ہے۔ ابن خراش کہتے ہیں: یہ کذاب ہے، حدیثیں بناتا تھا۔ حافظ زکی الدین عبدالعظیم المنذری لیث بن ابی سلیم کے حالات زندگی میں لکھتے ہیں: اس میں اختلاف ہے، لوگوں نے اس سے حدیثیں لی ہیں، جبکہ یحییٰ اور نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں آخری عمر میں اس میں اختلاط آ گیا تھا (حدیثیں خلط ملط کرتا تھا)۔ مومل بن فضل کہتے ہیں میں نے عیسیٰ بن یونس سے لیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ وہ خلط ملط کرتا ہے۔ میں کبھی اس کے پاس سے گذرتا تو دن چڑھے دیکھتا کہ وہ مینار کے اوپر چڑھ کر اذان دے رہا ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں اس کے پاس حدیثیں تھیں، مگر ایک گروہ نے اسے منکر کہا ہے۔ جیسے عطاء، طاؤس، مجاہد وغیرہ۔ جبکہ ابن معین نے ایک روایت میں اسے ثقہ کہا ہے۔

نووی شرح 'صحیح مسلم' میں لکھتے ہیں لیث بن سلیم کو جمہور نے ضعیف کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ خلط ملط کرتا تھا، اس کی احادیث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اضطراب ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی احادیث لکھی جاتی ہیں۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں یہ مضطرب الحدیث ہے۔ لیکن لوگوں نے اس سے احادیث لی ہیں۔ دار قطنی اور ابن عدی کہتے ہیں اس کی حدیث لکھی جاتی ہے جبکہ بہت سے (محدثین) کہتے ہیں کہ اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔ بہت سے سلف نے اس کی احادیث لکھنے سے انکار کیا ہے۔ تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ علماء نے اس کے ضعف پر اتفاق کیا ہے۔

ابن جملہ فوائد میں لکھتے ہیں اکثر محدثین اس کی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔ ائمہ کی ایک جماعت نے اس کو ترک کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ سمعانی نے الانساب میں لکھا ہے "لیث بن ابی سلیم بن زُنیم اللیثی" ابناء میں سے ہے اور اصل میں یہ فارس سے ہے۔ ابی سلم کا نام انس ہے یہ کوفہ میں پیدا ہوا وہاں معلم تھا، مجاہد اور طاؤس سے روایت کرتا تھا۔ اس سے کوفہ میں سفیان ثوری روایت کرتا تھا۔ عبادت گذار تھا، مگر آخری عمر میں ذہنی توازن خراب ہو گیا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ کیا بیان کر رہا ہے۔ سندیں تبدیل کرتا تھا۔ مراسیل کو مرفوع بیان کرتا تھا۔ ثقات سے وہ روایتیں بیان کرتا تھا جو ان کی نہیں ہوتی تھیں۔ اس نے ہر قسم کا اختلاط کیا ہے۔

یحییٰ بن القطان، ابن مہدی، احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین رحمہم اللہ نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ لیث کا انتقال ۱۴۳ ہجری میں ہوا۔ عیسیٰ بن یونس کہتے ہیں لیث بن ابی سلیم اختلاط کرتا تھا۔ میں اکثر اس کے پاس سے گذرا تو وہ دن چڑھے مینار کے اوپر اذان دیتا تھا۔ محمد بن خلف العسقلانی نے کہا ہے کہ اس نے مجاہد کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ ابو الحجاج آپ لوگوں کے نزدیک لیث بن ابی سلیم کی کیا حالت یا حیثیت ہے؟ اس نے کہا جیسے تمہارے ہاں ہے۔ بدخشی تراجم الحفاظ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

حافظ ابن حجر 'التقریب' میں لکھتے ہیں لیث بن ابی سلیم زُنیم ہے، اس کے باپ کا نام ایمن ہے، کسی نے کہا انس ہے، کسی نے کچھ اور بتایا۔ سچا تھا مگر آخری عمر میں مختلط ہو گیا تھا۔ چونکہ اس کی حدیثوں میں تمیز نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے اسے ترک کر دیا گیا۔ حافظ فتح الباری میں لکھتے ہیں اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی سند میں ضعف اور اضطراب ہے۔ اسے لیث بن ابی سلیم نے اکیلے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ 'المیزان' میں حسن بن طیب کے حالات زندگی میں لکھتے ہیں حسن بن طیب البلخی قتیبہ سے روایت لیتے ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کا ایک چچا تھا جسے حسن بن شجاع کہا جاتا تھا۔ اس (حسن بن طیب) نے اپنے چچا کے ہم نام ہونے کی وجہ سے اس کی کتابوں پر اپنا دعویٰ کر دیا (کہ یہ کتب میں نے لکھی ہیں)۔ یہ بات مجھے عبدان نے بتائی جو کہ اس کے چچا سے روایت لیتا تھا۔

ابن عدی کہتے ہیں اسی طرح بہت سی احادیث اس نے بیان کی ہیں جو اس نے چوری کی تھیں۔ اس نے یہ حدیثیں بغداد بھی پہنچائیں اور لوگوں نے اس سے پڑھیں۔ خطیب (بغدادی) کہتے ہیں اس نے ہدبہ، قتیبہ اور ابی کامل الجحدری سے روایت کیا ہے۔ اس سے ابن المظفر، زیات اور دیگر لوگوں نے روایت لی ہے۔ البرقانی کہتے ہیں یہ ذاهب الحدیث تھا۔ دار قطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ حدیث بیان کرتا تھا جو اس نے سنی نہیں ہوتی تھیں۔ مطین کہتے ہیں یہ کذاب تھا۔ 'المیزان' میں احمد بن رشدین کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ ابن عدی نے کہا ہے محدثین نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ اس کی بہت سی احادیث کو منکر قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں کہتا ہوں اس کی اباطیل میں سے طبرانی وغیرہ کی یہ روایت ہے:

”حدثنا حمید بن علی البجلی الکوفی حدثنا ابن ابی لھیعۃ عن ابی عشانۃ عن عقبۃ بن عامر مرفوعاً: قالت الجنۃ یا رب الیس وعدتنی ان تزیننی برکنین؟ قال: الم ازینك بالحسن والحسین، فماست الجنۃ کما تمیس العروس“

ترجمہ: ”جنت نے اللہ سے عرض کی: اے میرے رب! کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ مجھے دو معزز افراد کے ذریعے زینت دے گا؟ اللہ فرمائے گا کیا میں نے تجھے حسن و حسین کے ذریعے زینت نہیں دی؟ جنت ایسے ناز و نخرے کرنے لگی جیسے دلہن کرتی ہے۔“

'تنزیہ الشریعہ' میں لکھا ہے احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدین بن سعد ابو جعفر المصری۔

ابن عدی کہتے ہیں کہ محدثین نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ سیوطی رحمہ اللہ التدریب میں لکھتے ہیں ”مصریوں کی سب سے کمزور سند ہے۔“ احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدین بن سعد عن ابیہ عن جدہ عن قرۃ بن عبدالرحمن جس سے بھی یہ روایت کرے یہ بہت بڑی نقل ہے (نقل شدہ کتاب)۔ حافظ ابن حجر 'اللسان' میں لکھتے ہیں ”محمد بن الحجاج بن رشدین المھری عن ابیہ عن جدہ“۔ عقیلی کہتے ہیں ”اس کی حدیث محل نظر ہوتی ہے۔ اس سے اس کے بیٹے احمد بن محمد نے روایت کیا ہے اور یہ ابن وھب سے روایت کرتے ہیں ۲۳۱ ہجری میں انتقال ہوا ہے۔“

ابن عدی کہتے ہیں گویا ابن رشدین کا گھرانہ ہی ضعیف ہے۔ رشدین ضعیف ہے، اس کا بیٹا حجاج ضعیف ہے، حجاج کا بیٹا ابن بقال کے نام سے مشہور ہے وہ بھی ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں محمد کا بیٹا احمد بھی ضعیف ہے (جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے) اسے احمد بن رشدین کہا جاتا ہے۔ اپنے پردادا کی طرف منسوب ہے۔

شیخ دحلان: ایک روایت میں ہے:

”من حج فزارنی فی مسجدی بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی“

ترجمہ: ”جس نے حج کیا اور میری مسجد میں میرے فوت ہونے کے بعد میری زیارت کی وہ ایسا ہی ہے جیسے میری زندگی میں میری زیارت کی۔“

شیخ بشیر: ان الفاظ سے یہ روایت بعض حفاظ نے عبداللہ بن مندہ کے زمانے میں روایت کی ہے، اور اس کی سند میں حفص بن سلیمان اور لیث بن ابی سلیم ہے، جن کے بارے میں تفصیلات پہلے بیان ہو چکی ہیں۔

'الصارم' میں کہتے ہیں بعض حفاظ نے عبداللہ بن مندہ کے زمانے میں روایت بیان کی:

”حدثنا ابو الحسن حامد بن حماد بن المبارك السر حدثنا ابو یعقوب اسحاق بن سیار بن محمد النصیبی حدثنا عامر بن سیار بنصر حدثنا حفص بن سلیمان عن لیث بن ابی سلیم عن مجاھد عن عبداللہ بن عمر قال قال النبی ﷺ من حج فزارنی فی مسجدی بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی“

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: ایک روایت میں ہے:

"من زارني الى المدينة كنت له شفيعا وشهيدا"

ترجمہ: "جس نے مدینہ آکر میری زیارت کی میں اس کے لیے سفارشی اور گواہ بنوں گا۔"

شیخ بشیر: 'الصارم' میں فرماتے ہیں یہ لفظ اس حدیث میں غلط ہے۔ نافع عن ابن عمر کی روایت میں۔ لفظ زيارة غير محفوظ ہے۔ اگر محفوظ بھی ہو تو اس موقع پر یہ حجۃ نہیں بن سکتا۔ اس حدیث میں محفوظ لفظ اس طرح ہے:

"عن ايوب السختياني ما رواه هشام الدستوائي وسفيان بن موسىٰ عليه السلام عنه عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من استطاع منكم ان يموت بالمدينة فليمت فانه من مات بها كنت له شفيعا او شهيدا"

ترجمہ: "تم میں سے جو شخص اس بات کی استطاعت رکھے کہ مدینہ میں فوت ہو، تو وہ وہیں فوت ہو جائے تو میں اس کے لیے سفارشی یا گواہ بنوں گا۔"

یہ حدیث وہی ہے جو ایوب نافع سے روایت کرتے ہیں مگر اس میں زیارت کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح اس کو حسن بن ابی الجعفری جو کہ ضعیف ہے نے "ایوب عن نافع عن ابن عمر" روایت کیا ہے۔ وھیب نے بھی اسے ایوب عن نافع مرسلاً روایت کیا ہے۔ اسے اسماعیل بن علیہ نے عن ایوب سے روایت کیا ہے اور ایوب کہتے ہیں کہ "نبئت عن نافع" مجھے نافع سے خبر ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔۔۔ موسیٰ علیہ السلام بن ہارون کہتے ہیں وھیب اور ابن علیہ دستوائی جعفری اور سفیان بن موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ اثبت ہیں۔ ہم نے اس حدیث کے الفاظ پہلے ذکر کر دیے ہیں۔ ہم نے اس کے راویوں میں ذکر کیا تھا کہ نافع اپنے ساتھیوں سے روایت کرتے ہیں اور دار قطنی وغیرہ نے جو بیان کیا ہے وہ بھی ہم نے ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ معترض کتاب العلل میں مذکور اس حدیث کی سند اور متن میں موجود اختلاف سے اچھی طرح واقف ہے، مگر اس نے ایک ہی طریق نقل کیا ہے۔ اس میں غلطی کی ہے۔

ایک لفظ میں ناقل کو وہم ہوا ہے جبکہ اس نے واضح سندوں اور صحیح الفاظ کے ذکر سے اعراض کیا ہے۔ یہی دراصل بنیادی خرابی ہے کہ آدمی حدیث کے طرق و الفاظ دیکھ لے اور پھر ان میں سے ضعیف اور سقیم کو اپنا لے جبکہ بغیر کسی وضاحت کے صحیح اور قوی کو چھوڑ دے۔ پھر اس کی وجہ یہ بتائے کہ جس نسخے سے اس نے نقل کیا ہے وہ سقیم تھا۔ یہ جو حدیث اس نے کتاب العلل للدارقطنی سے نقل کی ہے۔ اس کی اسناد میں راوی نے غلطی کی ہے اور اس کے متن میں وہم کیا ہے۔

سند میں غلطی یہ ہے کہ "عن عون بن موسىٰ عليه السلام" حالانکہ یہ سفیان بن موسیٰ علیہ السلام ہے جو کہ بصرہ کا ایک شیخ ہے اس کی ایک روایت مسلم نے اپنی صحیح میں متابعت کے طور پر ذکر کی ہے جو یہ ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"عن ایوب عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلاۃ ووضع العشاء فابدأوا بالعشاء"
ترجمہ: "جب نماز کے لیے تکبیر ہو جائے اور کھانا بھی لگا دیا گیا ہو تو پہلے کھانا کھالو۔"

ابن ابی حاتم سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا یہ (سفیان) مجہول ہے۔ ابن حبان نے اسے آفات الثقات میں ذکر کیا ہے۔ متن میں اس کا وہم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان "من زارنی الی المدینۃ" جبکہ لفظ زیارت "ایوب عن نافع" کی حدیث میں صحیح نہیں ہے بلکہ جو لفظ معروف ہے وہ یہ ہے "من استطاع منکم ان یموت بالمدینۃ فلیفعل" اس سے بھی صحیح لفظ وہ ہے جو امام مسلم نے ذکر کیا ہے۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ:

"سمعت رسول اللہ یقول لا یصبر عن لاوائہا وشدتہا احد الا کنت لہ شہیداً او شفیعاً یوم القیامۃ"
ترجمہ: "جو آدمی نہیں رکتا وہاں کی رہائش اور شدت سے تو میں اس کے لیے قیامت کے دن گواہ یا سفارشی بنوں گا"۔

شیخ دحلان: ایک روایت میں ہے:

"من زارنی الی المدینۃ کنت لہ شفیعاً وشہیداً ومن مات باحد الحرمین بعثہ اللہ من الآمنین یوم القیامۃ"
(رواہ بہذہ الزیادۃ ابو داؤد الطیالسی)

شیخ بشیر: 'الصارم' میں لکھا ہے کہ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی سند میں انقطاع جہالت اور اضطراب ہے، اور اس کی سند میں راویوں کے اختلاف و اضطراب کی وجہ سے پیش کرنے والے (دحلان) نے اسے تین احادیث قرار دے دیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک ہی حدیث ہے۔ ساقط الاسناد ہے لہٰذا نہ تو اس سے دلیل لینا صحیح ہے اور نہ ہی ایسی حدیثوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

اسے بیہقی نے اپنی کتاب 'شعب الایمان' اور 'السنن الکبری' میں روایت کیا ہے۔ السنن الکبری میں اس کو روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں "ھذا اسناد مجھول" (یہ مجہول سند ہے)۔ میں کہتا ہوں ابو داؤد وغیرہ نے اس کی سند اور لفظ میں اختلاف کیا ہے اور سوار بن میمون اس کا شیخ ہے، جسے بعض رواۃ نے میمون بن سوار کہا ہے یہ مجہول شیخ ہے، یہ نہ تو عدالت وضبط میں معروف تھا نہ ہی یہ حدیث روایت کرنے اور نقل کرنے میں مشہور تھا۔ جبکہ شیخ سوار جو کہ ابو داؤد کی روایت میں ہے وہ بھی مبہم شیخ ہے، یہ (مبہم ہونا) مجہول سے بھی زیادہ بری حالت ہے۔

اس کے بارے میں بعض راوی کہتے ہیں "عن رجل عن آل عمر" جیسا کہ اس روایت میں ہے۔ بعض راوی کہتے ہیں "عن رجل من ولد حاطب" بعض کہتے ہیں "عن رجل من آل الخطاب"۔ امام بخاری تاریخ میں فرماتے ہیں:

"میمون بن سوار العبدی عن ھارون ابی قزعہ عن رجل من ولد حاطب عن رسول اللہ ﷺ من مات فی احد الحرمین"

یوسف بن راشد کہتے ہیں حدثنا وکیع حدثنا میمون، امام بخاری نے یہی نام لیا ہے۔ یعنی "میمون من روایۃ وکیع" اس میں عمر کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذکر نہیں ہے۔ اس میں ہارون کے نام کا اضافہ ہے، کہتے ہیں "عن رجل من ولد حاطب"۔ اس میں ابوداؤد کی روایت کی کئی طرح سے مخالفت پائی جاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ میں حرف ھاء کے تحت جو نام ذکر کیے گئے ہیں ان میں فرماتے ہیں:

"ھارون ابو قزعه عن رجل من ولد حاطب عن النبی ﷺ من مات فی احد الحرمین، روی عنه میمون بن سوار لایتابع لیه"

اس سے میمون بن سوار نے روایت کیا ہے اور اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔

العقیلی کتاب 'الضعفاء' میں لکھتے ہیں ہارون بن قزعہ مدنی ہے، اس سے سوار بن میمون روایت کرتے ہیں، مجھے آدم نے بتایا وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے سنا فرما رہے تھے ہارون بن قزعہ مدنی ہے اس کی متابعت نہیں کیا جاتی۔ العقیلی نے ہارون بن قزعہ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے اور تاریخ بخاری میں ہے۔ ہارون ابو قزعہ ہارون کے باپ کا نام قزعہ تھا اور ہارون کی کنیت ابو قزعہ ہے۔ پھر عقیلی کہتے ہیں:

"حدثنا محمد بن موسیٰ علیه السلام حدثنا احمد بن الحسن الترمذی رحمه الله حدثنا عبدالملك بن ابراهیم الجدی حدثنا شعبة عن سوار بن میمون عن هارون بن قزعه عن رجل من آل الخطاب عن النبی ﷺ قال من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیامة ومن مات فی احد الحرمین بعثه الله من الآمنین یوم القیامة"

ترجمہ: "جس نے ارادۃً میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا اور جو حرمین (مکہ، مدینہ) میں سے کسی جگہ فوت ہوا وہ قیامت کے دن محفوظ و مامون رہنے والوں میں سے ہوگا۔"

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد عقیلی کہتے ہیں اس روایت میں کمزوری ہے۔ میں کہتا ہوں اسی طرح اس روایت میں بھی ہے "عن رجل من آل الخطاب"۔ یہ طیالسی کی روایت کے موافق ہے، جس میں ہے کہ "عن رجل من آل عمر"۔ گویا یہ حاطب کو ہی تبدیل کر کے آل عمر کیا گیا ہے (یعنی آل حاطب یا آل عمر)۔ اور تاریخ بخاری میں "عن رجل من آل عمر" ہے۔ جو روایت عقیلی نے ذکر کی ہے اس میں عمر کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ طیالسی کی روایت میں ہے۔ اسی طرح وکیع کی وہ روایت جو بخاری نے ذکر کی ہے اس میں بھی عمر کا ذکر نہیں ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس کا ذکر طیالسی کا وہم ہے۔ اس طرح ہارون کو اپنی روایت سے ساقط کرنا بھی وہم ہے۔

شیخ دحلان: پھر اس نے تمام وہ احادیث ذکر کی ہیں جو زیارت کی مشروعیت (شرعی لحاظ سے جائز ہونے) پر دلالت کرتی ہیں۔"

شیخ بشیر: ان تمام احادیث پر مصنف الصارم نے رد کیا ہے۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی حدیث ایسی باقی نہیں رہی ہے جس سے زیارت کی مشروعیت پر استدلال کیا جا سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: یہ تمام احادیث نبی ﷺ کی زیارت، آپ ﷺ کی زندگی میں یا فوت ہونے کے بعد اس کے مندوب بلکہ تاکید پر دلالت کرتی ہیں اور یہ زیارت مردوں اور عورتوں سب کے لیے ہے۔

شیخ بشیر: ہماری گذشتہ بحث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ احادیث اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے کسی شرعی حکم کے لیے دلیل لی جاسکے۔ اس لیے کہ ان میں سے بعض احادیث ایسی ہیں جو مطلوب پر دلالت نہیں کرتیں، اس لیے کہ ان میں نہ قبر کا ذکر ہے اور نہ وفات کا۔

شیخ دحلان: زیارت میں سفر شامل ہے، اس لیے کہ یہ بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ جیسا کہ لفظ مجیٔ ہے، جس پر آیت دلالت کر رہی ہے۔

شیخ بشیر: یہ بات تو صحیح ہے کہ مطلقاً زیارت میں سفر شامل ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد المسجد الحرام، ومسجدی هذا، والمسجد الاقصی"

اس حدیث نے مطلق زیارت کو مقید کر دیا۔ اور صاحب کتاب نے جو تاویل کی ہے اس کی خرابی عنقریب سامنے آجائے گی۔ لفظ زیارت مجمل ہے جیسا کہ ربا، صلاۃ اور زکاۃ کے الفاظ مجمل ہیں۔ ہر قبر کی زیارت بالاجماع قربت وعبادت نہیں ہے۔ اس لیے کہ شرکیہ وبدعیہ زیارت جائز نہیں ہے۔ جب نبی ﷺ نے قبروں کی زیارت کی تو یہ فعل مجمل زیارت کا ہے، اس میں آپ ﷺ کے فعل سے سفر ثابت نہیں ہے۔ جبکہ مساجد کی طرف جانے کے لیے نکلنا بھی سفر کہلاتا ہے اور یہ ثواب کا کام ہے۔ جیسا کہ عنقریب بیان ہوگا۔

لہٰذا مذکورہ تین مساجد کے علاوہ بھی کسی مسجد کی طرف سفر کرنا ثواب کا کام ہے، جبکہ فریق مخالف اس کا بھی قائل نہیں۔ اسی طرح لفظ نماز اور ذکر میں تمام بدعیہ نمازیں اور خود ساختہ اذکار شامل ہیں۔ اگر اس طرح کے اطلاقات سے استدلال جائز قرار دیا جائے تو یہ تمام بدعیہ نمازیں اور خود ساختہ اذکار بھی جائز قرار پائیں گے۔

شیخ دحلان: جب ہر زیارت ثواب ہے تو اس کے لیے ہر سفر بھی ثواب ہے۔

شیخ بشیر: یہ بات یا تو آنے والے قاعدے پر مبنی ہے اور وہ فاسد ہے اور فاسد پر مبنی بات فاسد ہی ہوتی ہے۔ یا اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ زیارت (کے لفظ) میں سفر بھی شامل ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں، لفظ زیارت مجمل ہے اور رسول اللہ ﷺ کا عمل اس مجمل کی وضاحت ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ زیارت کا لفظ سفر کو بھی شامل ہے تو زیارت کے مطلق ہونے کو حدیث "لا تشد الرحال" نے مقید بنا دیا۔

شیخ دحلان: صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی قبروں کی زیارت کے لیے بقیع اور احد میں تشریف لے گئے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کی قبر کے علاوہ کسی اور کی قبر کی زیارت کے لیے جانا شریعت سے ثابت ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے جانا بدرجہ اولیٰ بہتر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ بشیر: مذکورہ حدیث سے جو جانا ثابت ہے تو یہ وہ جانا ہے جو زیارت والے سفر کے علاوہ ہے اور اس کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔ جبکہ جس جانے کو ناپسند کیا جاتا ہے وہ ہے سفر اور یہ ثابت نہیں ہے۔

شیخ دحلان: متفقہ قاعدہ ہے کہ ثواب کے کام کا وہ ذریعہ جس پر اس کام کا مدار ہو وہ ذریعہ بھی ثواب ہے اور یہ بات واضح ہے کہ زیارت کے لیے سفر بھی ثواب ہے (جیسا کہ زیارت ثواب ہے)۔

شیخ بشیر: اس کے متعدد جوابات ہوسکتے ہیں، مثلاً:

1 یہ اصول اور قاعدہ فقہ واصول کی کس کتاب میں ہے؟ اس پر کتاب وسنت سے کیا دلیل ہے؟ اس پر اجماع نقل کرنا بھی ضروری ہے۔

2 اس قاعدے کو نبی ﷺ کے عمل نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ وہ عمل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا مسجد قباء آنا اور وہاں دو رکعت پڑھنا ثواب کا کام ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں روایت ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ مسجد قباء پیدل اور کبھی سواری پر آتے اور اس میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اسید بن حضیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسجد قباء میں ایک نماز عمرے کے برابر ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی)

سھل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے وضوء کیا اور بہتر وضو کیا پھر مسجد قباء میں داخل ہوا اور چار رکعات نماز پڑھی۔ یہ ایک گردن آزاد کرنے کے برابر ہے۔ (طبرانی فی الکبیر)

اس کے باوجود مسجد قباء کی طرف سفر کرنا ثواب نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سفر ہو گا۔ جن کا ذکر حدیث "لا تشد الرحال" میں ہے۔

اس طرح تحیۃ المسجد (مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت نماز) بھی مذکورہ تینوں مساجد کے علاوہ دیگر مساجد میں پڑھنا ثواب کا کام ہے۔ جیسا کہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو جائے تو بیٹھنے سے قبل دو رکعت نماز پڑھ لے۔ (متفق علیہ)

اسی طرح تینوں مساجد کے علاوہ مساجد میں آیتیں سیکھنے کے لیے جانا بھی ثواب ہے۔ اس لیے کہ آیتوں کی تعلیم حاصل کرنا ثواب ہے۔ جیسا کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص صبح مسجد کیوں نہیں جاتا کہ وہاں سیکھے یا پڑھے کتاب اللہ کی دو آیتیں۔" (مسلم)

اسی طرح تین مذکورہ مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف نکلنا بھی ثواب ہے جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو صبح یا شام کو مسجد گیا اللہ اس کے لیے جنت میں مہمان نوازی (یا جگہ) تیار کرتا ہے۔ جب بھی صبح یا شام کو مسجد جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوموسیٰ علیہ السلام اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز کا سب سے بڑا اجر اس کو ملتا ہے جو جتنی دور سے (مسجد) آتا ہو۔ (متفق علیہ)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک آدمی وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر مسجد کی طرف نکلتا ہے اور وہ صرف نماز کے لیے ہی گھر سے نکلتا ہے تو جب وہ ایک قدم اٹھاتا ہے تو اس کے بدلے اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: اندھیروں میں مساجد کی طرف جانے والوں کے لیے قیامت میں مکمل روشنی ملنے کی خوشخبری دے دو۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا جو مسجد کی طرف نکلا اس کا ذمہ اللہ تعالیٰ لیتا ہے۔ (ابوداؤد، ابن حبان)

اس کے باوجود مذکورہ تینوں مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سفر کرنا ثواب نہیں ہے۔ اس طرح بیت اللہ میں داخل ہونا ثواب کا کام ہے، مگر بعض دفعہ اس کا ذریعہ (دربان کو رشوت دینا) ثواب نہیں ہے۔ کتب فقہ میں اسی طرح لکھا ہے۔ اسی طرح حج ثواب کا کام ہے۔ مگر بعض علاقوں اور بعض زمانوں میں اس کا ذریعہ ثواب نہیں ہوتا جیسے چنگی اور رشوت وغیرہ دینا۔

3 ثواب کے کام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ۱۔ جس کی ترغیب شارع کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ دی گئی ہو۔ جیسے چاشت اور رات کی نماز وغیرہ۔ ۲۔ شارع کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ اس کی ترغیب نہ دی گئی ہو بلکہ عام ترغیب میں یہ بھی شامل ہو، جیسے ظہر کی سنتوں کے بعد نوافل پڑھنا۔ اب خاص اس نفل کی تو ترغیب نہیں آئی مگر عام نوافل کی ترغیب میں یہ بھی شامل ہیں۔ پہلی قسم کا عمل بذاتہ ثواب کا کام ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری قسم کا ثواب کا کام عموم میں داخل ہے، جس میں زیارت قبور کا حکم ہے (عام نفل نماز کا حکم اس قسم میں سے ہے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت بھی قبروں کی زیارت کے عمومی حکم میں داخل ہے) جبکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کا بالخصوص حکم کسی حدیث میں نہیں ہے۔ یہاں ثواب صرف مطلقاً زیارت ہے اور اس کا مدار سفر پر نہیں ہے بلکہ یہ ثواب زیارت کرنے والے کو اپنے علاقے اور شہر کی قبروں کی زیارت سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ کامل زیارت رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت ہے۔

4 ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت ثواب ہے، بلکہ وہ زیادہ ثواب کا کام ہے جس میں "شد الرحال" نہ ہو۔ اس لیے کہ حدیث ہے کہ "لا تشد الرحال۔۔۔۔"

5 اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی مطلق زیارت ہی ثواب کا کام ہے تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ زیارت کے لیے سفر پر موقوف ہے۔ اس لیے کہ اس بات کا جواز موجود ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کیا جائے یا کسی تجارتی یا دیگر کسی مقصد کے لیے سفر کیا جائے اور پھر مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کرے ایسے میں زیارت مطلق سفر پر موقوف ہوگی نہ کہ سفر زیارت پر۔ لہٰذا مطلق سفر ثواب کا کام ہوگا نہ کہ سفر زیارت۔ جبکہ شیخ دحلان کا مقصود مؤخر الذکر ہے اول الذکر نہیں اور اس طرح تقرب مکمل نہیں ہوتا۔

6 اگر یہ قاعدہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی یہ تو ایک ذریعہ ہے جس سے شارع نے منع نہیں کیا، جبکہ زیارت کے لیے سفر سے شارع نے منع کیا۔ "لا تشد الرحال" والی حدیث میں۔

شیخ دحلان: جس کا خیال یہ ہو کہ زیارت ان لوگوں کے لیے ثواب کا کام ہے جو قریب رہتے ہیں، تو یہ کہنے والا شریعت مطہرہ پر جھوٹ اور بہتان باندھتا ہے۔ اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔

شیخ بشیر: یہ شریعت پر کسی قسم کا بہتان نہیں ہے، بلکہ یہ سچ اور صحیح بات ہے۔ اس لیے کہ لفظ زیارت جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے یہ مجمل ہے۔ بدعیہ و شرکیہ وغیرہ سب زیارتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ حالانکہ اس بات پر اجماع ہے کہ یہ دونوں مراد نہیں ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کونسی زیارت مراد ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ نے اپنے عمل سے اس کی وضاحت فرمادی۔ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے قول سے بھی ان قریب کی قبروں کی زیارت ثابت ہوتی ہے کہ زیارت کرنے والے اور ان قبروں کے درمیان مسافت و فاصلہ نہ ہو اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ احادیث میں مذکور زیارت سے مراد مطلق زیارت ہے تو پھر حدیث "لا تشد الرحال" اس مطلق کو مقید بنا دیتی ہے۔ اگر دور والے کے لیے زیارت ثواب کا کام ہوتا تو نبی ﷺ یا آپ ﷺ کا کوئی صحابی آپ ﷺ کی زندگی میں ان کے بعد کوئی ضرور ایسا کرتا۔ جبکہ یہ کام نہ تابعین میں سے نہ تبع تابعین میں سے کسی نے کیا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ زیارت قبور کے لیے سفر کرنا کسی قسم کا ثواب کا کام نہیں ہے۔

www.kitabosunnat.com

شیخ دحلان: اس ثواب سے محروم بعض لوگوں کا خیال ہے کہ زیارت یا اس کے لیے سفر سے ممانعت توحید کے تحفظ کے لیے ہے۔ اس لیے کہ (اگر اس سے منع نہ کیا جائے تو) یہ شرک کی طرف لے جائے گا، ان کا یہ خیال باطل ہے۔

شیخ بشیر: شاید کہ محروم رہنے والوں سے ان کی مراد ہے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے پیروکار۔ لیکن میں نے یہ خیال شیخ الاسلام یا ان کے کسی پیروکار کے کلام میں نہیں دیکھا۔ بلکہ شیخ الاسلام کے کلام میں ایک اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جگہ یہ صراحت کے ساتھ یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت مشروع ہے۔ اس باب میں بھی کچھ عبارت پہلے مذکور ہو چکی ہے۔ لہٰذا یہ شیخ الاسلام پر بہتان ہے، البتہ شیخ الاسلام نے آپ ﷺ کی قبر کی تعظیم میں مبالغہ کرنے سے منع کیا ہے اور اس کی علت وہی بیان کی ہے جو شیخ دحلان نے لکھی ہے (توحید کی حفاظت)۔ اس پر سبکی نے شفاء الاسقام میں اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ: اگر آپ یہ کہیں کہ اس میں کیا فرق ہے کہ آپ ﷺ (کی قبر) کے علاوہ کسی قبر میں ممنوعہ (عمل) کا اندیشہ نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر کی تعظیم کرنے میں یہ خوف ہے کہ اس کی عبادت ہو جائے گی۔

میرے خیال میں تو یہ رونگٹے کھڑے کرنے والی بات ہے اور اگر ناسمجھ لوگوں کا اس بات سے دھوکہ کھانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اسے ذکر ہی نہ کرتا۔ اس قول میں تو شرعی دلائل کو خیالی آراء کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے ورنہ رسول اللہ ﷺ کے حکم ''زوروا القبور'' کو کس طرح مقدم کیا جا سکتا ہے اور اس فرمان ''من زار قبری وجبت له شفاعت'' کو ترک کیا جا سکتا ہے؟ اور اس فاسد خیال کی بنیاد پر سلف وخلف کے اجماع کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟

جبکہ اس خیال یا رائے کی تائید میں کتاب یا سنت سے کوئی دلیل بھی نہیں ہے؟ یہ آپ ﷺ کے اس فرمان کے برعکس یا اس سے الگ ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری قبر کو سجدہ گاہ مت بناؤ اور صحابہ نے اس پر عمل کیا اور سجدہ گاہ نہیں بنایا۔ اس لیے کہ اس کی ممانعت حدیث میں آگئی تھی مگر اپنی طرف سے شریعت بنانا جائز نہیں:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُا۟ شَرَعُوا۟ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ﴾ (الشوریٰ:۲۱)

ترجمہ: ''کیا ان کے ایسے شریک ہیں جو ان کے لیے شریعت بناتے ہیں، جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے؟''

جو شخص رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت سے منع کرتا ہے وہ نئی شریعت بناتا ہے جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی ہے۔ لہٰذا اس کا قول اس پر لوٹا دیا جائے گا (قبول نہیں کیا جائے گا)۔ اگر ہم اس فاسد خیال کو اپناتے ہیں تو ہمیں بہت سی سنتیں، واجبات، پورا قرآن چھوڑنا ہو گا اور دین سے بدیہی طور پر معلوم شدہ اجماع، سیرت صحابہ و تابعین اور تمام علمائے مسلمین، سلف صالحین کا اجماع جو کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور اس میں مبالغہ پر ہوا ہے اسے ترک کرنا ہو گا۔

جو شخص بھی قرآن عظیم اور اس میں موجود تصریح واشارہ پر غور کرے گا تو اس میں پائے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور توقیر میں مبالغہ کرنا آپ ﷺ کا ادب واجب ہے اور جب یہ دیکھے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ (تعظیم، ادب و احترام) کا رویہ رکھتے تھے تو اس (غور کرنے والے) کا دل ایمان سے بھر جائے گا اور اس کی نظر میں مذکورہ فاسد خیال کی کوئی اہمیت نہیں رہے گی۔ وہ اس کو اپنانے سے انکار کر دے گا۔ اللہ اس دین کی حفاظت کرنے والا ہے:

''ومن یھدی اللہ فھو المھتد ومن یضلل فلا ھادی له''

ترجمہ: ''جس کو اللہ ھدایت دے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جسے (اللہ) گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علمائے اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو بتادیں کہ شرعی لحاظ سے ان پر ادب و تعظیم واجب ہے اور اس کی پابندی کرنا لازم ہے۔ اس کو شرعی دلائل سے واضح کریں۔ اس طریقے سے ہی غیر اللہ کی عبادت سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ اگر اللہ کسی جاہل کو گمراہ کرنا چاہے تو کوئی شخص اسے راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ جو شخص شریعت سے ثابت شدہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کو اس بنیاد پر ترک کرتا ہے کہ اس طرح اللہ کی ربوبیت کا تحفظ ہوگا تو یہ شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اور اللہ نے اپنے رسولوں کے بارے میں جو حکم دیا ہے اس پر عمل نہیں کرتا۔ جبکہ عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ ورسول اللہ دونوں کے بارے میں اللہ نے جو احکام دیے ہیں سب کی پاسداری کی جائے اور رسول اللہ ﷺ کی مشروع زیارت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو انسان کو ممنوعہ عمل (شرک یا عبادت غیر اللہ) کی طرف لے جاتی ہو۔ (السبکی، شفاء الاسقام)

اس کا جواب امام علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عبدالہادی المقدسی الحنبلی رحمہ اللہ نے 'الصارم المنکی' صفحہ ۳۳۲ تا ۴۳۸ میں دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں سبکی کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کی قبر یا عام قبروں کی زیارت میں یہ اندیشہ نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت اور تعظیم میں یہ اندیشہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے گی۔

اہل علم کو اس سوال کی اہمیت کا اندازہ ہے۔ اس کے جواب میں سبکی کا جواب کہ اس سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور اگر لاعلم لوگوں کا اس قول یا سوال سے دھوکہ کھانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس پر بات ہی نہ کرتا۔

جواب: یہ بات صحیح ہے کہ رونگٹے کھڑے ہوسکتے ہیں مگر قبر پرستوں کے کہ جب ان کو بلایا جاتا ہے کہ ایک اکیلے اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو تو ان کے دل سکڑ جاتے ہیں اور ان کے جسموں پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ان کے چہرے بجھ جاتے ہیں، جبکہ یہ بات واضح ہے کہ ان کی یہ کیفیت ان لوگوں کے مشابہ ہے جن کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿واذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لا یؤمنون بالآخرۃ﴾ (الزمر)

ترجمہ: "جب اکیلے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان لوگوں کے دل سکڑ جاتے ہیں، جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔"

جبکہ توحید پر کاربند متبعین رسول اللہ آپ ﷺ کی شریعت کے مقاصد سے باخبر لوگ آپ ﷺ کی پسند ومرغوب باتوں میں آپ ﷺ کی موافقت کرنے والوں اور آپ ﷺ کے منع کردہ امور سے اجتناب کرنے والوں کے رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے (اس فرق سے) بلکہ ان کے دلوں اور جسموں میں مزید سکون واطمینان آتا ہے (وھم یستبشرون) وہ خوش ہوتے ہیں۔ البتہ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو توحید کے اصول اور اس کے دلائل، حقائق اور اسرار ان کے دلوں کی بیماری میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ جب توحید ان کے دلوں تک راستہ بناتی ہے تو ان کے دل اسے واپس دھکیلتے ہیں اور ان کے دل اسے اس خیال کی بنا پر رد کرتے ہیں کہ اس کے قبول کرنے میں اکابر کی تنقیص ہے۔ ان کو ان کے مرتبے سے گرانا ہے۔ ان لوگوں کے پیروکار کمزور عقل کے لوگ ہوتے ہیں یہ ہر پکارنے والے کے پیچھے چل پڑتے ہیں، ہر آواز کی طرف لپک جاتے ہیں، مائل ہوجاتے ہیں۔ یہ لوگ علم کے نور سے رہنمائی حاصل نہیں کرتے، نہ ہی کسی مضبوط سہارے (دلیل) کو اپناتے ہیں۔ جبکہ علم وایمان والوں کے رونگٹے رسول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت سے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی خبر کو جو لوگ چھوڑ دیتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی خبر سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا اور آپ ﷺ کی قبر کا ارادہ کر کے جانا واجب یا مشروع ہے اسے سب سے بڑی عید کہتے ہیں۔ اس کے لیے دلیل عوام کے فعل سے لیتے ہیں۔ اسے آپ ﷺ کا دین سمجھتے ہیں، اسے مہاجرین، انصار اور تابعین کے طریقے پر مقدم رکھتے ہیں اور شرک و بدعت کے ذرائع سے منع کرنے والوں اور صحابہ کرام کے طریقوں کی طرف دعوت دینے والوں کی تکفیر کو جائز سمجھتے ہیں۔ انہیں سزا کا مستحق قرار دیتے ہیں تو ایسے لوگوں کی ان باتوں سے اہل علم و اہل ایمان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

سبکی کا یہ کہنا کہ: خیال فاسد کی بنا پر شریعت کے دلائل کو ترک کرنا ہے۔ تو سبکی نے یہ بات کہہ کر حقائق کو مسخ کر دیا ہے۔ بلکہ الٹ دیا ہے۔ نبوی نصوص اور شرعی قواعد محکم خاص اور مقید کو چھوڑ کر مجمل، متشابہ عام مطلق کو اختیار کر لیا ہے۔ جیسا کہ ہمیشہ سے خواہش پرست کرتے ہیں۔ اس کی وضاحت بفضل اللہ ہم کر لیتے ہیں۔

نبی ﷺ نے قبروں کی ہر قسم کی تعظیم جو شرک کا ذریعہ ہو یا خود شرک ہو سے منع کیا ہے۔ مثلاً ان کے پاس نماز پڑھنا، انہیں سجدہ گاہ بنانا، اس پر چراغاں کرنا۔ اس کی طرف سفر کر کے جانا، اس پر میلہ و عرس کرنا۔ آپ ﷺ کی یہ ممانعت صحیح، صریح اور محکم روایات سے ثابت ہے۔ ان نصوص اور نہی کی علت کی وجہ سے بڑے بڑے لوگوں (بزرگوں) کی قبریں بھی مراد ہیں۔ بلاشبہ یہ بھی ممنوعات میں شامل ہیں اور دنیا میں یہ شرک کے بڑے ذرائع ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے "زور و القبور" کی مطلق روایت معارض ہو ایسی احادیث کے جن میں سے کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔ جس سے آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کا ثبوت ملتا ہو۔ جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے اس بارے میں کچھ نہیں فرمایا، جبکہ منع کی نصوص صریح اور صحیح ہیں۔ تمام محدثین اور جو نقد حدیث کے ماہرین ہیں انہوں نے ایسی ایک بھی روایت صحیح قرار نہیں دی۔ نہ ہی کسی حدیث سے دلیل لی ہے۔ بلکہ انہوں نے اس بارے میں روایت شدہ تمام حدیثوں کو ان کے ضعف کی وجہ سے موضوع اور جھوٹی قرار دیا ہے۔ اسی طرح سبکی کا دعویٰ اجماع سلف و خلف (بھی غلط ہے)۔ اس لیے کہ اگر سلف سے مراد (صحابہ) مہاجرین و انصار اور تابعین مراد ہے تو پھر اس کا دعویٰ واضح طور پر جھوٹا ہے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ کسی صحابی سے یہ ثابت نہیں ہے سوائے ابن عمر کے کہ سفر سے واپس آتے ہوئے قبر پر سلام کے لیے آتے تھے۔ خلفائے راشدین یا دیگر کسی سے ثابت نہیں اور کسی نے ابن عمر کی موافقت بھی نہیں کی ہے۔

عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں "عن معمر عن عبیداللہ ابن عمر" روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام میں سے کسی کے بارے میں نہیں جانتے کہ کسی نے ایسا کیا ہو، سوائے ابن عمر کے۔ مالک اس کی نسبت اجماع سلف و خلف کی مخالفت کی طرف کیسے کر سکتے ہیں، جبکہ وہ اپنے دور میں اہل مدینہ قدیم و جدید سب کے عمل سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے تابعین سے بھی ملاقات کی ہے جنہوں نے کہ صحابہ کرام کو دیکھا تھا۔ یہ مسجد نبوی کے قریب بھی تھے اور صحابہ کرام کی اتباع کرنے والے بھی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ پھر بھی ایک واقف اور جاننے والا رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس آنے سے منع کرے گا اور اجماع امت کی مخالفت کرے گا؟ یہ بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جو لاعلم ہو اور صحابہ و تابعین اور اہل الاجماع پر جھوٹ باندھنے والا ہو۔

اہل بیت میں سے اپنے دور کے سب سے افضل اور بڑے عالم علی بن حسین زین العابدین نے اس آدمی کو منع کیا جو قبر میں ٹوٹی ہوئی جگہ (بڑے سوراخ) میں بیٹھ کر دعا کرتا تھا اور اس کے لیے دلیل کے طور پر اپنے دادا جناب علی رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی رسول اللہ ﷺ کی بات سے استدلال کیا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "میری قبر کو میلہ کی جگہ (عید) مت بناؤ اور اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ تمہارا سلام مجھے پہنچایا جاتا ہے تم جہاں بھی ہو"۔ اسی طرح ان کا چچازاد بھائی حسن بن حسین بن علی اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ قبر پر سلام کے لیے کوئی سفر کر کے آئے اور وہ مسجد میں داخل نہ ہو رہا ہو اس کا خیال ہے کہ یہ قبر کو عید منانا ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک آدمی کو آپ ﷺ کی قبر کے پاس دیکھ کر کہا کہ تم قبر کے پاس کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا ہے۔ حسن رحمہ اللہ نے کہا کہ جب مسجد میں داخل ہو تو سلام کرو پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے "میرے گھر کو میلہ و عید اور اپنے گھروں کو قبر مت بناؤ۔ اللہ یہود پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ مجھ پر درود بھیجا کرو تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔ تم جہاں بھی ہو۔ (اس میں) تم اور اندلس کے رہنے والے برابر ہیں۔

اسی طرح سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری تابعین کے دور کے بہت بڑے امام اور قاضی مدینہ تھے۔ ان کے بارے میں ان کے بیٹے ابراہیم نے کہا ہے کہ وہ کبھی بھی قبر کے پاس نہیں آتے وہ اس کو ناپسند کرتے تھے کیا ان ائمہ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے؟ اور صاحب قبر (نبی ﷺ) کی تعظیم ترک کر دی ہے؟ آپ ﷺ کی شان میں انہوں نے کمی کی ہے؟ اگر کوئی کہتا ہے کہ ایسا ہی ہے تو پھر یہ رونگٹے کھڑے کرنے والی بات ضرور ہو گی۔ قبر پرستوں کے پاس کوئی اجماع نہیں ہے سوائے اس عمل کے جو عوام کر رہے ہیں اور یہ ان ادوار کا عمل ہے جب علم اور دین کی قلت تھی، سنتیں اس دور میں کمزور ہو گئی تھیں۔ معروف منکر اور منکر معروف قرار پا چکا تھا۔ مثلاً (نبی ﷺ کی) قبر کو میلہ عید اور حج بنانا اسے دعا اور وقوف کے لیے حج کا رکن بنانا جیسا کہ حج کے دیگر مقامات عرفہ و مزدلفہ، جمرات اور کعبہ کے گرد کا علاقہ ہے۔ یہ چیز اب تک قبر پرستوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے جسے وہ ناپسند نہیں کرتے، اور اس سے منع بھی نہیں کرتے، بلکہ اس کی طرف دعوت دیتے ہیں، اس میں رغبت رکھتے ہیں، اس پر دوسروں کو آمادہ کرتے ہیں، جو ان امور میں ان کی موافقت نہیں کرتا یا ان کی مخالفت کرتا ہے اسے یہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں کمی کرنے والا آپ ﷺ کی تعظیم نہ کرنے والا سمجھتے ہیں۔ یہ ہے دین اسلام کو تبدیل کرنا، اس کو الٹ دینا۔ اگر اللہ تعالیٰ اس دین کا ذمہ نہ لیتا کہ ایک گروہ ہمیشہ اس پر قائم رہے گا اور اس کو رسوا کرنے کی کوشش کرنے والا اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا قیامت تک تو اس دین کا بھی وہی حشر ہوتا جو اہل کتاب کے دین کا ہوا تھا اور یہ سب کچھ متشابہ اور غیر صحیح احادیث کی اتباع اور صحیح، صریح اور محکم احادیث کو ترک کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

سبکی کہتے ہیں کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت سے منع کیا اس نے ایسی شریعت بنائی کہ جس کی اجازت اللہ نے نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دی ہے اور ہمیں ایسا کرنے کا حق بھی نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص ان امور سے منع کرتا ہے جن سے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے اور اس کے مفاسد سے خبردار کیا ہے، مثلاً قبروں کی تعظیم، اس پر میلے اور عرس، اسے عبادت گاہ بنانا اس کو حج کے مناسک بنانا، جیسا کہ بیت اللہ کا حج ہوتا ہے۔ وہاں کھڑے ہو کر دعا کرنا، عاجزی کرنا، جیسا کہ مناسک حج میں کیا جاتا ہے۔ اسے دنیا والوں کے لیے فریاد سننے کی جگہ قرار دینا، حاجات براری کا مقام سمجھنا، مشکلات کے حل کا ذریعہ سمجھنا (اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے منع کردہ ان امور سے منع کرتا ہے) تو وہ نئی شریعت نہیں بناتا، بلکہ شریعت وہ شخص بناتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ان احکام کی مخالفت کرتا ہے۔ ان امور کی طرف دعوت دیتا ہے ان میں رغبت رکھتا ہے لوگوں کو ان پر آمادہ کرتا ہے، قبر کے پاس حج کرنے کو مستحب کہتا ہے، اسے میلہ اور عید بناتا ہے کہ وہاں لوگ جمع ہوں، جیسے عید میں جمع ہوتے ہیں۔ اسے فریاد، مانگنے اور کھڑے ہونے کے لیے حج کا رکن بناتا ہے۔ اب ان دونوں قسم کے لوگوں میں سے شریعت کون بنا رہا ہے؟ ہم قبر پرستوں کو قسم دے کر ان سے پوچھتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے ان کے بارے میں ذکر کیا ہے کیا یہ ان پر جھوٹ بولا ہے یا یہ ان کا سب سے بڑا مقصد ہے؟

سوال: سبکی کہتا ہے: قرآن مجید، اجماع، سیر صحابہ وتابعین، تمام علمائے امت اور سلف صالحین رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے وجوب بلکہ تعظیم میں مبالغہ پر متفق ہیں۔

جواب: جو کچھ ہم نے ابھی بیان کیا اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ کی تعظیم کرنے والے کون ہیں اور نہ کرنے والے کون؟ جو آپ ﷺ کے احکامات کی پیروی کرتے ہیں وہ تعظیم کرنے والے اور جو آپ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے دین کو لوگوں کی آراء کی بنا پر چھوڑ دیتے ہیں، اور ان کے اور ان کے اسلاف کے خیال میں یقین اور ہدایت آپ ﷺ کے کلام سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ قبر پرست جو کچھ کر رہے ہیں یہ تعظیم نہیں بلکہ غلو ہے۔ یہ وہ تعظیم نہیں ہے جو ایمان کا لازمہ ہے۔

سوال: سبکی کہتا ہے کہ جو بھی شخص قرآن اور اس کے مشتملات میں جو تصریحات یا اشارات ہیں ان میں غور کرے گا جن میں کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرنے کو واجب قرار دیا گیا ہے آپ ﷺ کی توقیر وادب کا وجوب ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو آپ ﷺ کے ساتھ معاملہ تھا تو اس (غور کرنے والے کا) دل ایمان سے بھر جائے گا اور اس مذکورہ حقیر خیال سے رک جائے گا۔

جواب: تم اور تمہارے قبیل کے دیگر لوگ تعظیم کے معاملے میں بہت ہی کم نصیب واقع ہوئے ہیں، اگرچہ تمہارا حصہ اس غلو میں بہت زیادہ ہے جو قابل مذمت، مکروہ اور ممنوع ہے۔ اس لیے کہ تعظیم کی بنیاد آپ ﷺ کے احکام کی اطاعت اور آپ ﷺ کی دی ہوئی خبر کی تصدیق ہے۔ جبکہ تم جیسے لوگ آپ ﷺ کی اطاعت سے رک گئے ہوں اس لیے کہ آپ ﷺ کے مقابلے پر تم نے دیگر لوگوں کو اطاعت کے قابل سمجھا ہے۔ ان کے اقوال کی پیروی کرتے ہو ان کے فرامین کو محکم نص سمجھتے ہو، جبکہ رسول اللہ ﷺ کے کلام کو تم متشابہ کا مقام دیتے ہو۔ تو تم اسے لیتے ہو اور جو اس کے مخالف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو اس کی تم تاویل کرتے ہو یا اسے رد کر دیتے ہو۔ اس سے منہ موڑ لیتے ہو۔ اسے اس کے جاننے والے کے حوالے کر دیتے ہو۔ ہم تمہیں قسم دے کر تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم اس شخص کے دلائل کو چھوڑتے ہو جس کی تم تقلید کرتے ہو؟ یا رسول اللہ ﷺ کا فرمان اس شخص کے قول کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہو جس کی تم تقلید کرتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے اللہ اور اس کی صفات کے بارے میں خبر دی ہے جو کچھ بتلایا ہے تم اس کو ان متکلمین کے اقوال کی وجہ سے ترک کرتے ہو جن کی مذمت پر ائمہ اربعہ اور سلف کا اجماع ہے۔ ان سے بچنے اور دور رہنے کا حکم انہوں نے دیا ہے اور ان کو بدعتی اور گمراہ قرار دیا ہے، مگر تم لوگوں نے اللہ کے رسول اللہ کی بات کو چھوڑ کر ان لوگوں کی آراء اپنالی ہیں اور ان کی باتوں کو عقلی طور پر قطعی قرار دے دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو ظار لفظی قرار دیا ہے۔ جو یقین کا فائدہ نہیں کرتے، انہیں متکلمین کے اقوال پر مقدم کرنا جائز نہیں سمجھتے۔

اس حقیقی علیحدگی کے ساتھ ساتھ تم ان امور کی تعظیم کرتے ہو جن کو ناپسند کیا جاتا ہے یعنی قبروں کی تعظیم اور آپ ﷺ کی شریعت کے مقابلے پر تم نے شریعت بنالی ہے۔ پھر اس حقیقی علیحدگی کے ساتھ ساتھ تم لوگوں نے اس چیز کی تعظیم کی جس کی تعظیم مکروہ ہے یعنی قبروں کی تعظیم اور ان کے بارے میں وہ شریعت بنائی جو اللہ کی شریعت کے برعکس ہے۔ اس تعظیم کے ذریعے تم نے اصل مقصود کو باطل کر دیا ہے۔ تم نے اس چیز کی تعظیم کی جس کی تعظیم مکروہ ہے۔ اس عمل کے ذریعے قرب حاصل کرنا چاہا جس نے تمہیں دور کر دیا۔ آپ ﷺ کی تعظیم کرتے کرتے سارے ایمان کی توہین کر ڈالی۔ ایمان کو تم نے پس پشت ڈال دیا اور اس کے علاوہ تم نے اس شخص کو اپنا لیا جس کے اقوال کی تم غایت درجہ تعظیم کرتے ہو۔ یہاں تک کہ اس کے اقوال کو تم نے رسول اللہ ﷺ کے اقوال پر مقدم کر دیا۔ یہ رافضیہ کے غلو کے مشابہ ہے جو انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا۔ حالانکہ وہی علی رضی اللہ عنہ کی شدید مخالفت کرنے والے ہیں۔ اس طرح نصاریٰ کا غلو جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جبکہ یہ نصاریٰ جناب عیسیٰ علیہ السلام سے بہت دور ہیں۔ اگرچہ یہ اپنے خیال میں ان کی تعظیم کرنے والے ہیں۔ تعظیم تو ایسی چیز ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ مگر ایک وہ تعظیم ہے کہ اس کو ترک کیے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کی بزرگی و جلالت شان کو ماننا واجب ہے، مگر یہ تعظیم اس تعظیم سے علیحدہ چیز ہے۔

سبکی کہتا ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرنا واجب ہے۔ مبالغہ سے مراد وہی مبالغہ ہے جسے یہ صحیح سمجھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر دعا کرنا، اس کو سجدہ کرنا طواف کرنا، آپ ﷺ کے علم غیب جاننے کا دعویٰ کرنا اور یہ کہ آپ ﷺ ہی دینے والے اور روکنے والے ہیں۔ اور اللہ کو چھوڑ کر آپ ﷺ ہی نفع نقصان کے مالک ہیں۔ آپ ﷺ ہی ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ مشکلات دور کرتے ہیں جس کے لیے چاہیں گے سفارش کریں گے، جسے چاہیں گے جنت میں داخل کریں گے؟

اگر تعظیم میں مبالغہ کے وجوب کا دعویٰ یہ ہے تو پھر یہ شرک میں مبالغہ اور دین سے مکمل طور پر خروج ہے اور اگر تعظیم میں مبالغہ سے مراد وہ تعظیم ہے جسے شرع نے لازم کیا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کی اطاعت آپ ﷺ سے محبت، آپ ﷺ کے حقوق کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہچان، آپ ﷺ کی لائی خبروں کی تصدیق، آپ ﷺ کے کلام کو اپنانا اور دوسروں کی مخالفت کرنا اور اس کے دیگر لوازمات۔ اگر تعظیم سے مراد یہ ہے تو اس تعظیم کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ مگر سبکی اور اس جیسے لوگ ایسی تعظیم سے کوسوں دور ہیں۔ اگر لوگ اول الذکر تعظیم کو اپنائیں گے تو مقصود سے دور ہو جائیں گے۔

سبکی کہتا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی وہ تعظیم جو شرع نے منصب نبوت کی وجہ سے مقرر کی ہے اس میں سے کچھ بھی ترک کر لیا اور یہ ربوبیت کے ادب کی نیت یا خیال سے کیا۔۔۔ یہ بات تو صحیح ہے مگر مشروع تعظیم کو اپنانا یا ترک کرنا کیا ہے؟ شرعی تعظیم تو آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی اطاعت کو دوسروں کی اطاعت پر مقدم کرنا ہے۔ آپ ﷺ کی خبر کو دوسروں کی دی ہوئی خبروں پر، آپ ﷺ کی محبت کو باپ، بیٹے اور تمام دیگر لوگوں کی محبت پر مقدم کرنا ہے۔ جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور اس کے حکم کی نافرمانی کی اور اللہ نے تعظیم کا جو حکم دیا تھا اسے ترک کر دیا۔

رہی دوسری بات کہ آپ ﷺ کی قبر پر میلہ و عید منانا اس کے لیے دور دراز سے اس طرح سفر کر کے آنا جیسا کہ بیت اللہ کے لیے ہوتا ہے اور وہاں پر اللہ و رسول اللہ کی ناراضگی کے کام کرنا اسے دعا کا مقام بنانا وہاں حاجات طلب کرنا اور مشکلات سے نجات چاہنا تو جس نے یہ کام دین قرار دے دیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے دین پر جھوٹ باندھ لیا۔

یہ 'الصارم' کی آخری بات تھی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ الاسلام یہ نہیں کہتے کہ صرف (آپ ﷺ کی قبر کی) زیارت شرک کا ذریعہ اور سبب ہے بلکہ شیخ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی قبر کی تعظیم میں افراط سے کام لینا اور وہ اس طرح کہ آپ ﷺ کی قبر کو میلہ و عید کی جگہ بنا لیا جائے یا اسے سجدہ گاہ یا موقف (جیسا کہ مزدلفہ و عرفات ہیں) بنا لیا جائے۔ وہاں کھڑے ہو کر حاجات طلب کی جائیں یا آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کو واجب یا تاکیدی مستحب قرار دیا جائے۔ آپ ﷺ کے فرمان (فزوروھا) سے بڑھ کر کچھ بنا لیا جائے یا آپ ﷺ نے مسلمانوں کی قبروں کے ساتھ جو معاملہ رکھا اس سے بڑھا دیا جائے تو یہ ایسے کام ہیں جو شرک کی طرف لے جاتے ہیں۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شیخ الاسلام اور دیگر تمام مسلمانوں کے نزدیک اگرچہ زیارت مشروع ہے لیکن اس سے عوام اور بے وقوف لوگوں کے شرک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے یہ لوگ زیارت سے منع کرتے ہیں تاکہ شرک میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہی ختم ہو جائے۔ مثلاً اگر رسول اللہ ﷺ کی قبر کے علاوہ بھی کوئی قبر شرک کا سبب بن رہی ہو گی تو اس کی زیارت سے بھی عوام کو منع کیا جائے گا۔ یہ ایک واضح مسئلہ ہے جسے ہر وہ محدث اور فقیہ اچھی طرح سمجھتا ہے۔ جو سدّ ذرائع کے مسئلہ سے واقفیت رکھتا ہو، اس پر واضح آیات صحیح احادیث، سلف و خلف متقدمین و متاخرین کی عبارات دلالت کرتی ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم یہاں انہیں نقل نہیں کر رہے۔

شیخ دحلان: اس میں دو چیزیں ہیں۔

1 نبی ﷺ کی تعظیم کا وجوب اور انہیں دیگر مخلوق سے بلند رتبہ سمجھنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

2 ربوبیت کو منفرد کرنا یعنی یہ اعتقاد کہ رب تبارک و تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں تمام مخلوق سے جدا اور منفرد ہے۔

شیخ بشیر: اس الحصار (محدودیت) میں جو بات قابل توجہ یا لائق اعتراض ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس لیے کہ یہاں ایک تیسری بات بھی ہے اور وہ ہے اس عمل کو ایجاد نہ کرنا جو دین کا حصہ نہ ہو اور جس کی اجازت اللہ ورسول اللہ ﷺ نے نہ دی ہو۔ بلکہ ایک چوتھی چیز بھی ہے اور وہ یہ کہ اللہ ورسول اللہ ﷺ کے منع کردہ امور سے اجتناب کرنا ہے۔ اب جو شخص زیارت کے معاملے میں ایسی چیز کا اضافہ کرتا ہے جس پر شرعی دلیل نہ ہو اور اللہ ورسول اللہ ﷺ کے منع کردہ عمل کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ شخص بدعتی اور گمراہ بن جاتا ہے۔ (حاشیہ نمبرا، صفحہ ۸۲ اس مسئلہ میں بہت سے لوگ غلطی کر جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم سے صرف صفت ربوبیت والوہیت پر اثر پڑتا ہے جیسا کہ بوصیری کا قول ہے۔ دو باتیں چھوڑ دو جو نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں کہی ہیں اور آپ ﷺ کی مدح کے بارے میں جو چاہو فیصلہ کرو۔

اسی طرح کا ایک اور قول ہے کہ نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اسے رہنے دو آپ ﷺ کی مدح کرنے والو جو چاہو کہو۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ غیر شرعی تعظیم کی بھی دو قسمیں بنتی ہیں۔

1 وہ جو کہ کفر ہے، یعنی جن باتوں کا تعلق خاص اللہ سے ہے۔ جیسے دعا کرنا، تکالیف میں فریاد کرنا۔

2 جو کہ معصیت ہے جیسے جھوٹ اور اپنی طرف سے معجزات گڑھنا بجائے ان معجزات کے جو صحیح سند سے مروی ہیں۔ حاشیہ ختم)

شیخ دحلان: جس نے نبی ﷺ کی کسی بھی قسم کی تعظیم میں مبالغہ کیا البتہ آپ ﷺ کو اللہ کے درجے تک نہیں پہنچایا تو یہ حق اور صحیح کام تک پہنچ گیا اور اس نے رسالت وربوبیت دونوں کا خیال رکھا۔ یہ ایسا قول ہے جس میں افراط و تفریط نہیں ہے۔

شیخ بشیر: یہ قابل غور بات ہے، اس لیے کہ تعظیم کی کچھ اقسام ایسی ہیں جو لوگوں کی ایجاد کردہ (بدعی) ہیں۔ کچھ ایسی ہیں جو ممنوع ہیں۔ اگرچہ یہ ایسی قسمیں ہیں جو رب تعالیٰ کے ساتھ مختص نہیں ہیں تو ان کے مرتکب کو حق پر کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

شیخ دحلان: جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے فرمان "لا تشد الرحال" کا تعلق ہے تو اس سے مراد ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی تعظیم اور اس میں نماز کے لیے سفر مت کرو، سوائے ان تین مساجد کے۔ یہ مطلب ہی لینا ہوگا۔ اگر یہ مطلب نہیں لیں گے تو پھر حج، جہاد اور دارالکفر سے ہجرت اور تعلیم یا تجارت کے لیے سفر بھی ممنوع قرار پائے گا۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ بشیر: اگر مذکورہ مطلب نہ لیں اور یہ حدیث ان امور کے لیے سفر کو بھی ممنوع قرار دیتی ہے تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ ان امور کے وجوب کے لیے احادیث موجود ہیں۔ اور وہ اس حدیث کو جو کہ عام ہے اس کو خاص کر دیتی ہیں۔ عام کی بنیاد خاص پر ہوتی ہے یہ مشہور مسئلہ ہے۔ مذکورہ امور میں شیخ کا حج کو ذکر کرنا بڑی غفلت و لاپرواہی ہے۔ اس لیے کہ حدیث "لا تشد الرحال" حج کے لیے سفر کو سرے سے منع ہی نہیں کرتی (حاشیہ نمبر ا صفحہ ۸۳ اس سبکی تعلیل پر اکتفا کرنا اس کی غفلت اور کند ذھنی کا قصور ہے۔) اس لیے کہ حج کے لیے رخت سفر باندھنا ہی مسجد حرام کے لیے سفر ہے۔ کیا دحلان نے اللہ کا یہ فرمان نہیں پڑھا:

﴿وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا﴾ (آل عمران)

ترجمہ: "اللہ کے لیے لوگوں کے ذمے بیت اللہ کا حج ہے جو بھی اس کی طرف راستے کی استطاعت رکھتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر کی ہے کہ استطاعت سے مراد توشہ اور سفر ہے اور کیا مفتی دحلان کو یہ نہیں معلوم کہ راحلہ کس کو کہتے ہیں؟)

شیخ دحلان: علامہ ابن حجر نے الجواھر المنظم میں کہا ہے:

"مذکورہ حدیث کی تاویل اس حدیث سے بھی واضح ہو جاتی ہے جس کی سند حسن ہے اور جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے رخت سفر باندھے سوائے مسجد حرام، میری اس مسجد کے اور مسجد اقصیٰ کے۔"

شیخ بشیر: یہ حدیث امام احمد نے اپنی مسند میں شہر بن حوشب سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابو سعید سے سنا جب ان کے سامنے طور میں نماز پڑھنے کا ذکر ہوا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرما رہے تھے کسی کے لیے لائق نہیں کہ وہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے رخت سفر باندھے، سوائے مسجد حرام، میری اس مسجد کے اور مسجد اقصیٰ کے اور کسی مسلمان عورت کے لیے لائق نہیں کہ وہ سفر پر نکلے جب تک اس کے ساتھ اس کا شوہر یا کوئی ذی محرم نہ ہو اور دن میں دو وقت ہیں جن میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

1 فجر کے بعد جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو۔

2 عصر کے بعد جب تک سورج غروب نہ ہو۔

اور سال میں دو دن ایسے ہیں جن میں روزہ رکھنا جائز نہیں، ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحیٰ۔

قول ہیثمی 'مجمع الزوائد' میں فرماتے ہیں صحیح میں اسی طرح ہے میں نے اس کو اس کی غرابت کی وجہ سے نقل کیا ہے۔ ہیثمی نے اس پر غریب ہونے کا حکم لگا دیا ہے۔

شیخ بشیر: اس کے متعدد جواب ہو سکتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1 یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے کہ اس کی سند میں شہر بن حوشب ہے۔ اس کو جتنے محدثین نے ثقہ کہا ہے ان سے زیادہ تعداد کے محدثین نے اس پر تنقید کی ہے۔ دار قطنی اپنی سنن میں فرماتے ہیں "شہر بن حوشب قوی نہیں ہے۔" ایک اور جگہ فرماتے ہیں "صالح بن احمد نے بیان کیا وہ کہتے ہیں میں نے موسیٰ علیہ السلام بن ہارون سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا "لیس بشئی" اس میں "شہر بن حوشب ہے اور وہ ضعیف ہے۔" مسلم اپنی صحیح میں فرماتے ہیں ہمیں عبید اللہ بن سعید نے بتایا وہ کہتے ہیں میں نے نضر سے سنا فرما رہے تھے ابن عون سے شہر بن حوشب کی حدیث کے بارے میں سوال ہوا وہ دروازے کے چوکھٹ پر کھڑے تھے کہنے لگے "نزکوہ" انہوں نے شہر میں طعن کیا ہے۔ (حاشیہ نمبر ا، صفحہ ۸)

نزک نون اور زا کے ساتھ ہے (نزکوہ کا معنی ہے انہوں نے طعن کیا ہے) اصل میں الطعن بالنزك کا معنی ہوتا ہے چھوٹے نیزے سے زخم لگانا۔ پھر یہ استعمال ہونے لگا اس طعن کے لیے جس میں طعن کرنے والے کو علم نہ ہو بغیر علم کے طعن کرے۔ مجاز الاساس میں لکھا ہے "نزکہ ۔ عابه بغير ما راى فيه" نزک کا معنی ہے کچھ دیکھے بغیر عیب لگا دیا؛ موسیٰ علیہ السلام بن ہارون کے الفاظ میں بھی لفظ نزکوہ ہے۔ یعنی محدثین نے اس پر طعن کیا ہے۔ ان کی عبارت بطور شاہد کے اس نے نقل کی ہے۔ (محمد رشید رضا)

ابو الحسین مسلم بن الحجاج کہتے ہیں لوگوں کی زبانوں پر اس کا نام تھا اس کے بارے میں انہوں نے کلام کیا ہے۔ حجاج بن شاعر نے مجھے بتایا کہ ہمیں شبابہ نے بتایا وہ کہتے ہیں کہ شعبہ نے کہا ہے میں شہر سے ملا ہوں مگر میں نے اس پر اعتماد نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں کہ مسلم نے اس پر ابن عون کی جرح نقل کی ہے اور شعبہ نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ کسی سے اس کی توثیق نقل نہیں کی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام مسلم کے نزدیک راجح اس کی جرح ہے (توثیق نہیں ہے)۔

غالباً اسی لیے امام مسلم نے اپنی کتاب میں اس کی حدیث صرف اس وقت ذکر کی ہے جب اس کے ساتھ کسی اور کی حدیث بھی ہو (تائید میں)۔ امام ترمذی رحمہ اللہ جامع میں فرماتے ہیں احمد بن حنبل نے کہا ہے "عبد الحمید بن بهرام عن شهر بن حوشب" جو روایت کرتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں شہر حسن الحدیث ہے اور اس کا معاملہ قوی ہے کہتے ہیں اس کے بارے میں ابن عون نے کلام کیا ہے پھر (امام بخاری نے) عن ہلال بن ابی زینب سے شہر بن حوشب کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ابو داؤد کہتے ہیں ہمیں نضر بن شمیل نے ابن عون کی بات بتائی کہ وہ کہہ رہے تھے کہ "ان شهرا نزکوه" شہر پر محدثین نے طعن کیا ہے۔

امام ذہبی المیزان میں فرماتے ہیں "شهر بن حوشب الاشعرى ام سلمه وابى هريرة" اور ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے "قتادہ ابو داؤد بن ابی ھند، عبدالحمید بن بھرام" اور ایک جماعت روایت کرتی ہے۔ احمد کہتے ہیں کہ اس نے اسماء بنت یزید سے حسن حدیثیں روایت کی ہیں۔

ابن ابی خیثمہ اور معاویہ بن ابی صالح ابن معین سے روایت کرتے ہیں کہ ثقہ ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں ابو الزبیر کے بغیر نہیں ہے اس سے دلیل نہیں لی جاتی۔ ابوزرعہ کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ نضر بن شمیل ابن عون سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ محدثین نے اسے مطعون کیا ہے۔ نسائی اور ابن عدی کہتے ہیں یہ قوی نہیں ہے۔ یحییٰ بن ابی بکیر الکرمانی کہتے ہیں مجھے میرے باپ نے بتایا کہ شہر بیت المال کا نگران تھا تو اس نے کچھ درہم لے لیے جس پر کسی نے کہا تھا کہ شہر نے اپنا دین ایک تھیلی کے بدلے فروخت کر دیا تو اس کے بعد قراء پر کون بھروسہ کرے گا؟

دولابی کہتے ہیں اس کی حدیث لوگوں (محدثین) کی حدیث جیسی نہیں ہوتی۔ یہ گویا نبی ﷺ کی اونٹنی کی مہار سے چمٹا ہوا ہے۔ سعدی کہتے ہیں فلاس نے کہا ہے کہ یحییٰ بن سعد شہر سے حدیث نہیں لیتے تھے جبکہ عبدالرحمٰن ان سے حدیث لیتے تھے۔ ابو داؤد کہتے ہیں ہمیں شعبہ نے ابو اسحاق سے اس نے عبداللہ بن عطاء سے اس نے عقبہ بن عامر سے خبر دی ہے۔ شعبہ کہتے ہیں میں نے ابن عطاء سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے زیاد بن مخراق نے خبر دی ہے میں نے زیاد سے پوچھا تو اس نے کہا کہ مجھے بنولیث کے ایک آدمی نے مجاہد سے اس نے شہر سے عقبہ بن عامر کی حدیث عمر بن الخطاب سے بیان کی ہے۔ وضوء کے بارے میں۔ معاذ بن معاذ کہتے ہیں میں نے ابن عون سے:

"ھلال بن ابی ذئب عن شھر عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ لا تجف الارض من دم الشھید حتی تبتدرہ زوجتہ"

کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ شہر کا کیا کیا جائے گا؟ شعبہ نے شہر کو چھوڑ دیا ہے۔ یحییٰ بن القطان عباد بن منصور سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے شہر کے ساتھ حج کیا تو اس نے میرا کپڑوں کا تھیلا چوری کر لیا۔

علی بن حفص المدائنی کہتے ہیں میں نے شعبہ سے عبدالحمید بن بہرام کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ صدوق ہے مگر شہر سے روایت کرتا ہے۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں عبدالحمید کی حدیث شہر کی حدیث کی طرح ہے۔ یہ انہیں اس طرح یاد کرتا تھا جیسے قرآن کی آیت یاد کی جاتی ہے اور یہ ستر (۷۰) حدیثیں تھیں۔

سیار بن حاتم جعفر بن سلیمان سے وہ ابو بکر سے وہ شہر بن حوشب سے روایت کرتے ہیں کہ جب آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے کو قتل کیا تو سو سال تک زمین نہیں ہنسی، پھر اس نے شعر پڑھا:

ترجمہ: "شہر اور ان میں رہنے والے بدل گئے، زمین کا چہرہ غبار آلود ہے۔ ہر رنگ اور ذائقے والی چیز بدل گئی اور ہر خوبصورت چہرے کی تازگی (بدل گئی)۔"

اسحاق بن المنذر صدوق ہے، وہ کہتے ہیں ہمیں عبدالحمید بن بہرام نے حدیث بیان کی۔ شہر بن حوشب عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعا کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''لکل نبی حرم وحرمی المدینۃ'' (ہر نبی کا حرم ہوتا ہے، میرا حرم مدینہ ہے)

ابن عدی نے کہا کہ ہمیں محمد بن یحییٰ المروزی نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں ہمیں اسحاق نے ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ شہر حسن الحدیث ہے۔ اس کا معاملہ قوی ہے۔ احمد بن عبد اللہ العجلی کہتے ہیں ثقہ ہے شامی ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے یحییٰ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں قابل حجت ہے۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں ثقہ ہے۔ مگر بعض نے اس میں طعن کیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں شہر ان میں سے ہے جن (کی حدیث) سے دلیل نہیں لی جاتی اور نہ ہی اس کی حدیث لی جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے دلیل لینے والی ایک جماعت ہے۔ حرب کرمانی احمد سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں اس کی حدیث کتنی احسن ہے۔ اس کو ثقہ کہا ہے یہ حمصی ہے، حنبل نے اس سے روایت کیا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فسوی کہتے ہیں اگرچہ ابن عون نے شہر کے بارے میں کلام کیا ہے مگر وہ ثقہ ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی روایت بلال اور تمیم داری سے ظاہر الانقطاع ہوتی ہے۔ صالح بن جزرہ کہتے ہیں حجاز آیا اور عراق میں حدیثیں بیان کیں۔ مگر اس کے جھوٹ کا کسی کو علم نہیں ہو سکا۔ (یعنی جھوٹ نہیں بولا) یہ عبادت گذار آدمی تھا۔ اس سے ثابت نے ام سلمہ کی روایت منفرداً نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نے منع کیا ہے ہر نشہ آور چیز اور جھوٹ اور الزام تراشی کرنے سے۔

المنذری ترغیب وترھیب میں کہتے ہیں شہر بن حوشب کے بارے میں ابن عون نے کہا ہے کہ محدثین نے اس پر طعن کیا ہے۔ شبابہ شعبہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں شہر سے ملا ہوں مگر میں نے اس پر اعتماد نہیں کیا۔ ابن عدی کہتے ہیں شہر ان لوگوں میں سے ہے جن کی حدیث پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اور اس کا دین (طریقہ) نہیں اپنایا جاتا۔ ابو حاتم کہتے ہیں یہ ابو الزبیر سے کم نہیں اور اس کی حدیث سے دلیل نہیں لی جاتی۔ نسائی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے۔ ابو زرعہ کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں شہر ثقہ ہے۔ اس پر بعض نے طعن کیا ہے اسے ابن معین، احمد بن حنبل، العجلی اور الفسوی نے ثقہ کہا ہے۔ مسلم نے اس کی حدیث مقروناً ذکر کی ہے (یعنی جب تائید میں کسی اور کی روایت ہو) دیگر لوگوں نے بھی اس سے دلیل لی ہے۔

امام نووی شرح مسلم میں کہتے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شہر متروک نہیں ہے بلکہ بہت سے کبار ائمہ سلف نے اس کی توثیق کی ہے۔ توثیق کرنے والوں میں احمد بن حنبل، ابن معین وغیرہ شامل ہیں۔ احمد بن حنبل نے اس کی توثیق کی ہے اور اس کی حدیث کو عمدہ قرار دیا ہے۔ احمد بن عبد اللہ البجلی کہتے ہیں یہ (شہر) ثقہ تابعی ہیں۔ ابن خیثمہ یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں کہ یہ ثقہ ہے۔ ابن خیثمہ نے اس کے علاوہ کچھ ذکر نہیں کیا۔ ابو زرعہ کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں امام بخاری نے کہا ہے شہر حسن الحدیث ہے اور اس کا معاملہ قوی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں ابن عون نے کلام کیا ہے۔ پھر ہلال بن ابی ذئب کے واسطے سے شہر سے روایت کیا ہے۔ یعقوب بن ابی شیبہ کہتے ہیں شہر ثقہ ہے۔ صالح بن محمد کہتے ہیں شہر سے شام، کوفہ و بصرہ کے لوگوں نے روایت لی ہے۔ اس سے جھوٹ ثابت نہیں ہے وہ عبادت گزار آدمی تھا۔ البتہ اس نے ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن میں کوئی اور اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ حافظ تقریب میں کہتے ہیں شہر بن حوشب اشعری شامی اسماء بنت یزید ابن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

السکن کا آزاد کردہ غلام صدوق ہے۔ کثیر الاوھام اور کثیر الارسال ہے۔

الخلاصہ میں کہتے ہیں شہر بن حوشب مولی اسماء بنت یزید ابن السکن ابو سعید شامی تمیم داری اور سمان سے مرسل روایت کرتے ہیں۔ اپنی مولیٰ (اسماء)، ابن عباس رضی اللہ عنہ، عائشہ، ام سلمہ، جابر رضی اللہ عنہم اور ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے قتادہ، ثابت، حکم اور عاصم بن بہلالہ نے روایت کیا ہے۔ ابن معین اور احمد نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ یعقوب بن ابی سفیان کہتے ہیں شہر ثقہ ہے اگرچہ ابن عون نے کہا ہے کہ محدثین نے اس پر طعن کیا ہے۔ ابن معین کہتے ہیں ثابت ہے۔ نسائی کہتے ہیں قوی نہیں ہے۔ ابو زرعہ کہتے ہیں اس میں حرج نہیں ہے۔ اس کی ملاقات عمرو بن عتبہ سے نہیں ہوئی۔ بخاری اور کچھ دیگر لوگ کہتے ہیں اس کا انتقال ۱۰۰ھ یا ۱۱۱ھ میں ہوا ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے معلوم ہو گیا کہ محدثین کی شہر کے بارے میں تین قسم کی آراء ہیں۔

1 صرف جرح کی گئی ہے۔

2 صرف توثیق

3 جرح و تعدیل دونوں۔

پہلی رائے دار قطنی، موسیٰ علیہ السلام بن ہارون، ابن عون، شعبہ، مسلم، نسائی، ابن عدی، ابو بکر، دولابی، یحیٰ بن سعید اور عباد بن منصور رحمہم اللہ کی ہے۔

دوسری رائے والے احمد بن حنبل، بخاری، ترمذی، ابن معین، ابو زرعہ، العجلی، یعقوب بن ابی شیبہ اور الفسوی رحمہم اللہ ہیں۔

تیسری رائے ابو حاتم الرازی، صالح بن محمد، ابن حجر العسقلانی رحمہم اللہ کی ہے۔

واضح یہ ہوا کہ شہر کی حدیث پہلی رائے کے مطابق قابل حجت نہیں ہے۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس کی روایت سے دلیل نہیں لی جاسکتی۔ صالح بن محمد کہتے ہیں یہ ایسی احادیث روایت کرتا ہے جن میں کوئی اور اس کے ساتھ شریک نہیں ہوتا تو اس کی حدیث میرے نزدیک منکر ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ کثیر الاوھام اور کثیر الارسال ہے۔ اصول سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کثیر الاوھام اور منکر حدیث والے کی حدیث قابل حجت نہیں ہوتی۔ ابن الصلاح کہتے ہیں اس آدمی کی روایت قبول نہیں کی جاتی، جس کی احادیث میں کثرت شاذ اور منکر کی ہو۔ شعبہ کہتے ہیں شاذ حدیث وہی آدمی بیان کرتا ہے جو خود شاذ ہو۔ اس آدمی کی روایت بھی قبول نہیں کی جاتی جو بہت زیادہ بھولتا ہو، جب تک کہ وہ صحیح اصل سے روایت نہ کرے۔ اسی طرح جن کی روایت قبول کی جاتی ہے ان کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ عادل، ضابط ہوں۔ کسی کا منکر یا کثیر الاوھام ہونا اس کے عدم ضبط کی دلیل ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے آدمی کی روایت چودہ ائمہ کی رائے میں قابل حجت نہیں ہوتی جبکہ آٹھ امام اس کو حجت مانتے ہیں۔ زیادہ تعداد کو ہی ترجیح دی جاتی ہے۔ جیسا کہ اصول کی کتب میں مذکور ہے۔

حافظ فتح الباری میں فرماتے ہیں باب الخلق: اس حدیث کو امام بخاری کا اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کرنے کے چند فائدے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1 جب اکثر راوی حدیث کو موصول بیان کریں اور قلیل تعداد کے لوگ اسے مرسل روایت کریں تو وصل کو مقدم رکھا جائے گا۔ اگرچہ مرسل بیان کرنے والے زیادہ احفظ ہوں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ موصول کو مرسل پر مقدم کیا جائے گا۔ راجح بات یہ ہے کہ شہر اگر منفرد ہو تو اس کی روایت سے دلیل نہیں لی جائے گی۔ اسی لیے امام مسلم نے اس کی روایت صرف اس صورت میں لی ہے جب کسی اور کے ساتھ ہو۔ اس لیے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ ابن الصلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں جب کسی شخص میں جرح وتعدیل دونوں جمع ہو جائیں تو جرح مقدم ہوگی۔ اس لیے کہ تعدیل کرنے والا تو وہی بیان کر رہا ہے جو ظاہر ہے، جبکہ جرح کرنے والا اس باطن کی خبر دے رہا ہے جو تعدیل کرنے والے پر مخفی رہا۔ اگر تعدیل کرنے والے (بنسبت جرح کرنے والوں کے) زیادہ ہوں تو تعدیل اولیٰ ہے۔ صحیح مذہب جس پر جمہور ہیں وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دیا۔

سوال: اگر کوئی سوال کرے کہ مبہم جرح قبول نہیں کی جاتی اور شہر پر جرح بھی ایسی ہی ہے۔ لہٰذا یہ جرح قبول نہیں ہے۔

جواب: اس پر کی جانے والی بعض جرح واضح ہے جیسے ابوبکیر کی جرح جس میں وہ کہتے ہیں کہ شہر بیت المال کا نگران تھا تو اس نے کچھ درہم اس میں سے لیے تھے۔ اس طرح عباد بن منصور کی جرح جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے شہر کے ساتھ حج کیا اس نے میرا تھیلا چوری کیا۔ جبکہ دوسری جرح مبہم ہیں اور مبہم جرح قبول نہیں ہوتی، لیکن اس لحاظ سے قبول شمار ہوتی ہے کہ اس کی حدیث لینے میں توقف کیا جاتا ہے۔

ابن الصلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ لوگ راویوں کی جرح اور اس کی احادیث کو رد کرنے میں ان ائمہ کی آراء پر اعتماد کرتے ہیں جنہوں نے جرح میں یا جرح وتعدیل میں کتب تصنیف کی ہیں، حالانکہ یہ ائمہ بہت کم جرح کے اسباب بیان کرتے ہیں۔ بلکہ صرف اس بات پر ہی اکتفا کرتے ہیں کہ فلان ضعیف، فلاں لیس بشئی وغیرہ۔

سوال: اگر سبب بیان کرنے کی شرط لگادی گئی تو یہ کام معطل ہو جائے گا یا جرح وتعدیل کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

جواب: اگرچہ ہم جرح وتعدیل میں اس پر اعتماد نہیں کرتے۔ ہم نے اس پر اعتماد، اس بارے میں کیا ہے کہ ہم اس آدمی کی حدیث قبول کرنے میں توقف کرتے ہیں جس کے بارے میں محدثین کی یہ رائے ہو، اس لیے کہ ہمارے نزدیک ان کے قول سے اس آدمی کے بارے میں شک قوی ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے توقف کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور پھر جب ان محدثین کا شک اس آدمی سے ختم ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ اس کے بارے میں تحقیق کر لیتے ہیں اور اس کی ثقاہت وعدالت ثابت ہو جاتی ہے تو ہم اس حدیث کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور اس میں توقف نہیں کرتے۔ جیسے کہ وہ راوی ہیں جن سے صحیحین وغیرہ نے احادیث لی ہیں اور دیگر لوگوں نے ان کے بارے میں اس طرح کی جرح کی ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ شہر عادل ضابط ہے، تو پھر بھی اس کی حدیث نہیں لی جا سکتی۔ اس لیے کہ وہ شاذ ہے اپنے سے اوثق، اضبط واحفظ کی مخالفت کر رہا ہے۔ یعنی قزعہ مولی زیاد جو کہ ابوسعید خدری سے یہی حدیث روایت کر رہا ہے۔ مگر اس میں مستثنٰی منہ مذکور نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں (باب مسجد بیت المقدس قبل ابواب العمل فی الصلاۃ، (فتح الباری):

"حدثنا ابو الولید حدثنا شعبة عن عبد المالك قال سمعت قزعة مولی زیادہ قال سمعت ابا سعید الخدری یحدث باربع عن النبی ﷺ فاعجبنی و آنقنتی۔۔۔۔"

"نبی ﷺ نے چار چیزوں کا ذکر کیا جو مجھے پسند آئیں اور بہت ہی اچھی لگیں۔ کوئی عورت دو دن کا سفر نہ کرے جب تک اس کے ساتھ اس کا شوہر یا ذی محرم نہ ہو، دو دن کا روزہ نہیں ہے۔ یوم الفطر و یوم الاضحیٰ، فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز نہیں ہے اور سواریاں نہ کسی جائیں مگر تین مساجد کے لیے مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے لیے۔"

امام مسلم اپنی صحیح میں کہتے ہیں:

"حدثنا قتیبة بن سعید و عثمان بن ابی شیبة جمیعا عن جریر قال قتیبة حدثنا جریر عن عبد الملك وھو ابن عمیر عن قزعة عن ابی سعید الخدری قال سمعت منه حدیثا فاعجبنی"

میں نے اس سے حدیث سنی تو مجھے پسند آئی میں نے ان سے پوچھا کیا یہ حدیث آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ تو اس نے کہا کیا میں رسول اللہ ﷺ پر وہ بات کہوں گا جو میں نے سنی نہیں؟ میں نے کہا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو کیا فرماتے سنا ہے؟ اس نے کہا: آپ ﷺ فرما رہے تھے:

"لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد"

"سواریاں نہ کسی جائیں مگر تین مساجد تک، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد، اور فرمایا کہ کوئی عورت کبھی بھی دو دن کا سفر نہ کرے جب تک اس کے ساتھ ذو حرم یا اس کا شوہر نہ ہو۔"

ترمذی رحمہ اللہ جامع میں فرماتے ہیں:

"حدثنا ابن ابی عمر اخبرنا سفیان بن عیینة عن عبد الملك بن عمیر عن قزعة عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد مسجد الحرام و مسجدی ھذا و مسجد الاقطی، قال ھذا حدیث حسن صحیح"

اس لیے مجمع الزوائد کے مصنف نے شہر کی حدیث پر غریب ہونے کا حکم لگایا ہے اور قزعہ شہر سے زیادہ ثابت ہے اس کے ثقہ ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ صحیحین کے رجال میں سے ہے مجھے نہیں معلوم کہ اس پر کسی نے جرح کی ہے اسی لیے ذھبی نے میزان میں اس کا ذکر نہیں کیا کہ وہ کتاب صرف ضعفاء کے ذکر کے لیے خاص ہے۔ اگرچہ اس میں خفیف جرح ہو اور اس شخص نے جرح کی ہو جس کی جرح کا اعتبار نہیں ہے۔ قزعہ وغیرہ نے یہ حدیث ابو سعید کے علاوہ کسی اور سے بھی روایت کی ہے، اس میں بھی مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے۔ ابو سعید نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد المسجد الحرام و مسجد الرسول و مسجد الاقصی"

یہ بخاری کے الفاظ ہیں جبکہ مسلم کے الفاظ اس طرح ہیں:

"لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد مسجدی هذا و مسجد الحرام و مسجد الاقصی"

ایک اور روایت میں ہے:

"تشد الرحال الی ثلاثة مساجد"

سلیمان الاغر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انما یسافر الی ثلاثة مساجد مسجد الکعبه و مسجدی و مسجد ایلیا" (مسلم)

"تین مساجد کی طرف سفر کیا جاتا ہے مسجد کعبہ، میری مسجد اور ایلیا کی مسجد"

ابو سلمہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد الکعبة و مسجدی هذا و مسجد الاقصی" (دارمی)

حجیة بن عدی نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد مسجدی هذا و المسجد الحرام و المسجد الاقصی"
(طبرانی فی المعجم الصغیر)

قزعہ بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد الی المسجد الحرام و الی المسجد الاقصی و الی مسجدی هذا" (ابن ماجہ)

ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بصرہ بن ابی بصرہ الغفاری سے روایت کی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرمایا:

"لا تعمل المطی الا علی ثلاثة مساجد"
"صرف تین مساجد کے لیے سواریاں تیار کی جائیں"

"الی المسجد الحرام و الی مسجد هذا و الی مسجد ایلیا اؤلبیت المقدس" (مالک فی الموطا)

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ صحیح ابا بصرہ ہے اس کا نام۔ جمیل بن ابی بصرہ ہے۔ غلطی یزید سے ہوئی ہے مالک سے نہیں ہوئی۔
التقریب میں ابو بصرہ الغفاری جمیل بن بصرہ ہے۔ لہٰذا شہر کی حدیث شاذ ہے اس لیے رد کر دی گئی ہے۔
سیوطی التدریب میں شاذ کے بیان میں فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ یہ تفصیل طلب مسئلہ ہے اگر ثقہ متفرد ہو اور اس کی مخالفت کر رہا ہو جو اس سے زیادہ احفظ و اضبط ہے۔ ابن الصلاح کے الفاظ یوں ہیں کہ اگر اس کی مخالفت کر رہا ہو جو اس سے حفظ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادہ بہتر ہے۔ شیخ الاسلام کی عبارت اس طرح ہے جو اس سے زیادہ راجح ہو بوجہ ضبط کی زیادتی یا کثرت عدد کی وجہ سے یا دیگر ترجیحات کی وجوہات کی بنا پر۔ تو جس میں یہ منفرد ہے وہ شاذ ہو گی رد کر دی جائے گی۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں اس کے مقابل کو محفوظ کہا جاتا ہے اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے ترمذی رحمہ اللہ، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عیینہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فوت ہوا اس نے (ترکہ میں) کچھ نہیں چھوڑا سوائے ایک غلام کے جسے اس نے آزاد کیا۔۔۔۔ اس کے موصول ہونے پر ابن جریج نے ابن عیینہ کی متابعت کی ہے مگر حماد بن زید نے ان کی مخالفت کی ہے وہ اسے عمرو بن دینار عن عوسجۃ سے روایت کرتے ہیں اور اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ ابن عیینہ کی روایت محفوظ ہے۔

شیخ الاسلام کہتے ہیں حماد بن زید اہل عدالت والضبط میں سے ہے اس کے باوجود ابن حاتم نے ان کی حدیث کو ترجیح دی جو تعداد میں اس سے زیادہ تھے اور کہتے ہیں کہ شاذ کی تعریف میں اصطلاح کے لحاظ سے یہی قابل اعتماد ہے۔

متن کی مثال ابوداؤد اور ترمذی رحمہ اللہ کی روایت ہے جو "عبدالواحد بن زیاد عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرہ" مرفوعاً ہے:

"اذا صلی احدکم رکعتی الفجر فلیضطجع علی یمینہ"

"جب تم میں سے کوئی شخص فجر کی دو رکعت پڑھ لے تو اسے چاہیے کہ دائیں کروٹ پر لیٹ جائے"

بیہقی کہتے ہیں کہ اس میں عبدالواحد نے بہت بڑی تعداد کی مخالفت کی ہے اس لیے کہ دیگر لوگوں نے اسے نبی ﷺ کا عمل روایت کیا ہے قول نہیں۔ اعمش کے ثقہ اصحاب میں سے عبدالواحد اس لفظ (کو بیان کرنے) میں متفرد ہیں۔ امام ذہبی المیزان میں فرماتے ہیں عبدالواحد بن زیاد بن شیبہ العبدی البصری مشہور رواۃ میں سے ہے۔ صحیحین نے اس سے دلیل لی ہے اور ان مناکیر سے اجتناب کیا ہے جن میں اس پر عیب لگایا گیا ہے۔ یہ اعمش سے عن ابی صالح عن ابی ھریرہ صیغہ سماع کے ساتھ روایت کرتا ہے:

"قال قال رسول اللہ ﷺ اذا صلی احدکم الرکعتین قبل الصبح فلیضطجع علی یمینہ" (ابوداؤد)

امام سیوطی منکر کی بحث میں وہی پہلی والی بات کرتے ہیں کہ منفرد ہو اور ثقات کی روایت کے مخالف ہو۔ مالک کی روایت زہری سے:

"عن علی بن حسین عن عمر بن عثمان عن اسامہ بن زید عن رسول اللہ قال لا یرث المسلم الکافر والکافر المسلم"

"مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا"

مالک وغیرہ ثقات نے اس کی مخالفت کی ہے عمر بن عثمان میں عمر کو مضموم (عُمر) پڑھنے پر۔

مسلم نے التمییز میں ذکر کیا ہے کہ زہری سے جن لوگوں نے بھی روایت کیا فتح (عَمر) کے ساتھ کیا ہے۔ مالک کو اس میں وہم ہوا ہے۔ العراقی کہتے ہیں اس مثال میں قابل غور بات ہے (اور وہ یہ کہ) یہ حدیث منکر نہیں ہے۔ میرے خیال میں کسی نے بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے منکر نہیں کہا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ سند منکر یا شاذ ہو کہ مالک نے ثقات کی مخالفت کی ہے مگر سند میں شذوذ اور نکارت سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ وصف (شذوذ و نکات) متن میں بھی موجود ہو۔ ابن الصلاح نے معلل کی قسم میں ذکر کیا ہے۔ سند میں واقع ہونے والی علت کبھی متن کو معیوب بناتی ہے کبھی نہیں بناتی۔ اس قسم کے لیے صحیح مثال وہ روایت ہے جسے سنن اربعہ نے "ھمام بن یحییٰ عن ابن جریج عن الزھری عن انس" روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی (باہر) رکھ دیتے۔ اسے روایت کرنے کے بعد ابوداؤد کہتے ہیں یہ حدیث منکر ہے، یہ اس طرح مشہور ہے:

"عن ابن جریج عن زیاد بن سعد الزھری عن انس ان النبی ﷺ اتخذ خاتما من ورق ثم القاہ"

اس میں وہم ہمام کی طرف سے ہے اسے صرف ہمام نے روایت کی ہے۔ نسائی اس کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں یہ حدیث غیر محفوظ ہے ہمام بن یحییٰ ثقہ ہے اس سے اہل الصحیح نے دلیل لی ہے، لیکن اس نے بہت سے لوگوں کی مخالفت کی ہے اس نے ابن جریج سے یہ متن اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور دیگر لوگوں نے ابن جریج سے وہ حدیث روایت کی ہے جس کی طرف ابوداؤد نے اشارہ کیا ہے اسی لیے اس پر منکر ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔ مؤلف کہتے ہیں کہ اس منقولہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سند میں واقع ہونے والی علت کبھی متن کو معیوب بناتی ہے اس کے لیے ابن الصلاح نے مثال دی ہے مرسل اور موقوف کی کتنی ہی احادیث ہیں کہ ان کے راوی ثقہ ہیں۔ مگر ثقات کی روایات کی مخالفت کی وجہ سے انہیں شاذ شمار کیا گیا ہے۔ ان احادیث کو شاذ بنانے والی یہ مخالفت کبھی سند میں ہوتی ہے جو کہ متن کو بھی شاذ بنا دیتی ہے اور کبھی یہ شذوذ متن میں ہوتا ہے۔

پہلے کی مثال محمد بن فضیل اعمش کی روایت ہے:

"عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ان للصلاۃ اولاً و آخراً"

"نماز کا اول و آخر ہوتا ہے"

ترمذی رحمہ اللہ اپنے جامع میں کہتے ہیں میں نے محمد (بخاری) سے سنا فرمارہے تھے اعمش کی روایت مجاہد سے مواقیت کے بارے میں محمد بن فضیل عن الاعمش کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ محمد بن فضیل کی روایت میں غلطی ہے اور یہ غلطی محمد بن فضیل نے کی ہے۔

"حدثنا ھناد حدثنا ابو اسامۃ عن ابی اسحاق الفزاری عن الاعمش عن مجاھد قال کان یقال ان للصلاۃ اولاً و آخراً۔۔۔"

اس کے بعد اعمش سے محمد بن فضیل کی طرح حدیث بیان کی۔ اس کو مسند کہنا صحیح نہیں ہے، اس کے اسناد میں ابن فضیل نے وہم کیا ہے، اس کے علاوہ دیگر لوگ اعمش سے وہ مجاہد سے مرسل روایت کرتے ہیں۔

"اخبرنا ابو سھیل بن زیادہ اخبرنا محمد بن احمد بن النصر حدثنا معاویۃ عمرو اخبرنا زائدۃ عن الاعمش عن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجاھد قال کان یقال ان للصلاۃ اولاً وآخراً"

پھر یہ حدیث ذکر کی ہے اور یہ ابن فضیل کے قول سے زیادہ صحیح ہے۔ زائدہ کی متابعت عشر بن القاسم نے کی ہے:

"حدثنا ابو بکر الشافعی حدثنا محمد بن شاذان اخبرنا معلی بن منصور اخبرنی ابو زبید (عثبر) اخبرنا الاعمش عن مجاھد عن النبی ﷺ نحوہ"

باوجود یہ کہ یا اس کے کہ محمد بن فضیل ثقہ ہے صحیح کے رجال میں سے ہے۔ امام ذھبی المیزان میں لکھتے ہیں محمد بن فضیل بن غزوان کوفی صدوق مشہور ہے۔ صاحب حدیث و معرفت ہے، ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ احمد کہتے ہیں حسن الحدیث ہے شیعہ ہے۔ نسائی کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حافظ التقریب میں لکھتے ہیں صدوق اور عارف ہے۔ اسے شیعہ کہا گیا ہے۔ ابو زرعہ کہتے ہیں صدوق ہے۔ التھذیب میں بھی اسی طرح ہے۔ ذھبی الکاشف میں کہتے ہیں ثقہ ہے شیعہ ہے۔ ان میں سے ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کوئی چیز ھبہ کر دی تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے جب تک اس کا بدلہ نہ دیا گیا ہو۔ حافظ البلوغ میں لکھتے ہیں اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ حالانکہ جو محفوظ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہے وہ عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ تخریج الھدایہ میں ہے:

"وعن ابن عمر اخرجه الحاکم والدار قطنی واسنادہ صحیح"

البتہ بیہقی نے کہا ہے کہ اس میں عبد اللہ بن موسیٰ علیہ السلام نے حنظلہ عن سالم غلطی کی ہے جبکہ صحیح اس طرح ہے:

"ابن وھب عن حنظلہ عن سالم عن ابن عمر عن عمر قولہ"

یعنی یہ عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں ہے۔

اسی طرح ابن عیینہ نے عن عمر اور عن سالم روایت کیا ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں:

"حدثنا ابو علی الصفار من اصل کتابه حدثنا علی بن سھل بن المغیرۃ حدثنا عبد اللہ بن موسیٰ علیہ السلام اخبرنا حنظلہ عن ابی سفیان قال سمعت سالم بن عبد اللہ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال من وھب ھبة فھو احق بھا مالم یثب منھا"

یہ حدیث مرفوع ثابت نہیں ہے، جبکہ صحیح اس طرح ہے:

"عن ابن عمر عن عمر مرفوعاً"

دار قطنی کی عبارت ختم ہوئی۔

جو نسخہ ۷۲۹ھ میں لکھا گیا تھا اور ابن الجزری پر پڑھا گیا تھا اس میں الفاظ یہ ہیں۔ صحیح اس طرح ہے "عن ابن عمر عن عمر مرفوعاً"۔ شاید کہ یہ لکھنے والے کی غلطی ہو ورنہ صحیح اس طرح ہے "عن ابن عمر عن عمر موقوفاً" جیسا کہ حافظ نے کہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے:

"عن عکرمة ان اخت عبداللہ بن ابی اتت النبی ﷺ فقالت یا رسول اللہ! ثابت بن قیس ما اعتب علیہ فی خلق ولا دین۔۔۔"

اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے موصول ہونے کو مرسل ہونے پر مقدم کیا ہے، اس لیے کہ موصول بیان کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کی ہے تو اس کو موصول روایت کرلیں اور کم لوگ اسے مرسل روایت کریں تو موصول ہونا مقدم ہوگا۔ اگرچہ مرسل بیان کرنے والا زیادہ حافظہ والا ہو (احفظ ہو)۔ البتہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ موصول کو مرسل پر مقدم کیا جائے گا۔

جب روای ضبط کے اعلیٰ درجہ پر نہ ہو اور اسی جیسا راوی اس کی موافقت کرے تو اس کو سہارا و قوت ملتی ہے اور دونوں روایتیں ایک پختہ ضابط کے قائم مقام یا برابر ہو جاتی ہیں۔ باوجودیکہ اس روایت کے تمام رجال ثقہ و اثبات ہیں۔

شاذ کی جو دوسری قسم ہے اس کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

1 "عبدالرحمٰن بن سابط عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ قال قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخر دبر الصلوات المکتوبة" (ترمذی)

"رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ کونسی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا رات کے پچھلے پہر اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا۔"

حافظ شرح الاذکار میں لکھتے ہیں ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ مگر ترمذی رحمہ اللہ کی یہ بات قابل غور ہے اس لیے کہ اس حدیث میں علتیں ہیں جن میں سے ایک شذوذ ہے، اس لیے کہ یہ حدیث ابی امامہ کے پانچ ساتھیوں (شاگردوں) سے مروی ہے کہ عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مگر اس میں صرف پہلی شق ہی بیان ہوئی۔ باوجود یہ کہ عبدالرحمٰن بن سابط ثقہ ہیں صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

2 دوسری حدیث "ابو اسحاق عن الاسود عن عائشہ رضی اللہ عنہا" ہے۔ فرماتی ہیں "کان النبی ینام وھو جنب ولا یمس ماءً" رسول اللہ ﷺ بحالت جنب سو جاتے تھے اور پانی کو نہیں چھوتے تھے۔

ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں دیگر لوگوں نے یہ روایت عن الاسود عن عائشہ روایت کی ہے مگر اس میں ہے کہ آپ ﷺ سونے سے قبل وضوء کرلیا کرتے تھے۔ یہ عن ابی اسحاق عن الاسود کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ ابو اسحاق سے یہ حدیث شعبہ، ثوری وغیرہ نے بھی روایت کی ہے وہ سب سمجھتے ہیں کہ اس میں ابو اسحاق کی طرف سے غلطی ہوئی ہے۔ حالانکہ ابو اسحاق ثقہ ہیں۔ صحیحین کے رجال میں سے ہیں۔

3 ایک اور حدیث "ابی قیس بن ھزیل بن شرحبیل عن المغیرة بن شعبة قال توضأ النبی ﷺ ومسح علی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الجوربین والنعلین" (ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔ اس کے راوی عبدالرحمٰن بن ثروان ابو قیس الدودی اگرچہ ثقہ ہے انہیں ابن معین وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور یہ صحیح بخاری کے رجال میں سے ہیں مگر جب اس نے اس حدیث کو روایت کرنے میں ثقات کی مخالفت کی تو یہ حدیث شاذ قرار دی گئی۔ اس لیے کہ نافع بن جبیر نے یہ حدیث عروۃ بن المغیرۃ عن ابیہ المغیرۃ بن شعبۃ روایت کی ہے۔ جسے بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے اور عامر الشعبی نے اسے عروہ بن المغیرہ عن ابیہ روایت کیا ہے۔ جسے بخاری، مسلم، ابوداؤد، دارمی، دار قطنی نے نقل کیا ہے اور اشعث نے اسود بن ھلال عن المغیرہ روایت کیا ہے۔ جسے مسلم نے نقل کی ہے۔ مسلم نے اسے عن مسروق عن المغیرۃ بن شعبۃ روایت کی ہے۔ جسے مسلم اور نسائی نے نقل کیا ہے، اور بکر بن عبداللہ المزنی نے عن عروۃ بن المغیرۃ بن شعبہ عن ابیہ روایت کی ہے۔ جسے مسلم نے نقل کی ہے اور ابن سیرین نے عن عمرو بن وھب الثقفی عن المغیرۃ ابن شعبہ روایت کی ہے۔ جسے نسائی اور دار قطنی نے نقل کی ہے اور عبدالرحمٰن بن ابی الزناد نے اسے عن ابیہ عن عروۃ بن الزبیر عن المغیرۃ بن شعبۃ روایت کی ہے۔ جسے ابوداؤد، ترمذی رحمہ اللہ اور دار قطنی نے نقل کی ہے اور عباد بن زید نے اسے عروہ بن المغیرہ بن شعبۃ عن ابیہ روایت کی ہے۔ اسے مالک اور ابوداؤد وغیرہ نے نقل کی ہے۔ مگر اس میں عروۃ کا ذکر نہیں ہے، اور قتادۃ نے اسے عن الحسن اور عن زرارۃ بن اوفی عن المغیرۃ بن شعبۃ روایت کی ہے، جسے ابوداؤد، ترمذی رحمہ اللہ اور دار قطنی نے نقل کیا ہے اور عباد بن زید نے اسے عروہ بن المغیرہ بن شعبۃ عن ابیہ روایت کی ہے اسے مالک اور ابو داؤد وغیرہ نے نقل کی ہے، مگر اس میں عروۃ کا ذکر نہیں ہے۔ اور قتادۃ نے اسے عن الحسن اور عن زرارۃ بن اوفی عن المغیرۃ بن شعبہ روایت کی ہے۔ جسے ابوداؤد نے نقل کی ہے اور بکر بن عامر البجلی نے عبدالرحمٰن بن ابی نعیم عن المغیرۃ بن شعبۃ روایت کیا ہے۔ جسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور اسماعیل بن محمد بن سعد نے عن حمزۃ بن المغیرۃ بن شعبۃ عن ابیہ روایت کی ہے اور ابو بکر بن عبداللہ المزنی نے اسے حمزہ بن المغیرۃ بن شعبۃ عن ابیہ روایت کی ہے جسے نسائی نے نقل کی ہے۔ اور بکر بن عبداللہ المزنی نے اسے ابن لمغیرۃ عن ابیہ روایت کی ہے۔ جسے ابوداؤد، نسائی اور دار قطنی نے نقل کی ہے مگر ان تمام ثقات کی روایت میں مسح علی الجوربین کا ثبوت نہیں ہے اسی لیے اس روایت کو ائمہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے ابو قیس کی متابعت کی ہو جبکہ مغیرۃ سے صحیح (منقول) مسح علی الخفین ہے۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں ابن مہدی اسے بیان نہیں کرتے تھے امام بیہقی فرماتے ہیں ثوری، ابن معین، ابن مہدی، احمد، ابن المدینی اور مسلم رحمھم اللہ اجمعین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ تخریج الھدایۃ للحافظ ابن حجر میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

شیخ دحلان: جہاں تک وسیلہ لینے کی بات ہے تو اس کا صدور رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔ اس بارے میں بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں۔ مثلاً

ا۔ آپ ﷺ کی دعا یہ بھی تھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اللهم انى اسئلك بحق السائلين عليك"

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اس حق کے واسطے سے جو مانگنے والوں کا تجھ پر ہے"

یہ بلاشبہ وسیلہ لینا ہی ہے اسی طرح بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کو بھی حکم کرتے تھے کہ اس طرح کی دعا کیا کریں۔ مثلاً ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من خرج من بيته الى الصلاة فقال اللهم انى اسئلك بحق السائلين عليك واسئلك بحق ممشاى هذا اليك فانى لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا رياء ولا سمعة"

"جو آدمی اپنے گھر سے نماز کے لیے نکلا اور وہ دعا کرتا رہا کہ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں مانگنے والوں کو اس حق کے واسطے سے جو تجھ پر ہے اور تجھ سے سوال کرتا ہوں اپنی تیری طرف اس آمد کے وسیلے سے میں تکبر کرنے والا، اکڑنے والا، ریا اور شہرت کے لیے نہیں نکلا۔"

شیخ بشیر: ابو سعید رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں بچند وجوہ کلام ہے۔

1 اس کی سند میں عطیہ بن سعد الکوفی ہے اگرچہ اس سے دلیل لینے میں اختلاف ہے مگر راجح اور ثابت شدہ بات یہی ہے کہ وہ ضعیف ہے، اب ہم اس کے بارے میں محدثین کی آراء ذکر کرتے ہیں اور پھر راجح قول کی نشاندہی کریں گے۔

عطیہ بن سعد الکوفی مشہور تابعی ہیں، ضعیف ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابی سعید اور عمر رضوان اللہ اجمعین سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے مسعر، حجاج بن ارطاۃ، اس کا اپنا بیٹا حسن اور ایک گروہ روایت کرتا ہے۔

ابو حاتم کہتے ہیں اس کی حدیث لکھی جاتی ہے، وہ ضعیف ہے۔ سالم المرادی کہتے ہیں عطیہ شیعہ مذہب کا تھا، ابن معین کہتے ہیں صالح تھا، احمد کہتے ہیں ضعیف الحدیث تھا۔ ھشیم عطیہ کے بارے میں کلام کرتا تھا۔ ابن المدینی یحیٰ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ عطیہ، ابو ہارون اور بشر بن حرب میرے نزدیک برابر ہیں۔ احمد کہتے ہیں مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ عطیہ کلبی کے پاس آتا تھا، اس سے تفسیر لیتا تھا اس کو ابو سعید کی کنیت سے پکارتا تھا اور کہتا تھا "قال ابو سعید" یعنی یہ باور کراتا تھا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

نسائی اور ایک جماعت نے اسے ضعیف کہا ہے۔ المنذری ترغیب و ترھیب میں کہتے ہیں عطیہ بن سعد العوفی کے بارے میں احمد وغیرہ نے کہا ہے کہ ضعیف ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں ضعیف ہے، اس کی حدیث لکھی جاتی ہے، ابن معین وغیرہ نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی متعدد احادیث کو حسن کہا ہے۔ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس کی احادیث نقل کی ہیں کہتے تھے دل میں عطیہ سے متعلق کچھ ہے۔ ابن قیم "الهدى فى بيان سنة الجمعه" میں لکھتے ہیں عطیہ العوفی کے بارے میں بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں ھشیم نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے احمد وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ بیہقی نے کہا ہے عطیہ العوفی لا یحتج بہ۔ مبشر بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبید الحمصی وضع حدیث کی طرف منسوب ہے (وضاع قرار دیا گیا ہے) حجاج بن ارطاۃ سے دلیل نہیں لی جاتی۔ بعض محدثین نے کہا ہے شاید کہ یہ حدیث ان تینوں ضعفاء پر لوٹ آئی ہے کہ ان میں ضبط و اتقان نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں:

"عطیه بن سعد ابن جنادة بضم الجیم بعد ھانون الخفیفة العوفی الجدلی بفتح الجیم المھمله الکوفی ابو الحسن صدوق یخطئ کثیراً کان شعیبا مدلسا من الثالثة مات سنة احدی عشرة (ای بعد المأة)"

"عطیہ بن سعد ابن جنادہ العوفی الجدلی سچا ہے۔ غلطیاں بہت کرتا ہے، شیعہ مدلس تھا، تیسرے طبقہ کا تھا۔ ۱۱۱ھ میں انتقال ہوا"

امام ذہبی الکاشف میں لکھتے ہیں عطیہ بن سعد الکوفی ابو الحسن ابو سعید اور ایک گروہ سے روایت کرتے ہیں اس سے روایت کرنے والوں میں اس کے دونوں بیٹے عمر اور حسن اور ان کے علاوہ مسعر، مرہ و دیگر لوگ شامل ہیں۔ محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۱۱۱ھ میں انتقال ہوا۔

حافظ صفی الدین بن احمد بن عبد اللہ الخزرجی الخلاصہ میں لکھتے ہیں:

"عطیه بن سعد جنادة العوفی بفتح المھمله واسکان الواو بعدھا فاء الجدلی بفتح الجیم ابو الحسن الکوفی"

ابو ہریرہ، ابو سعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہ رضوان اللہ اجمعین سے روایت کرتے ہیں۔ اس سے روایت کرنے والے اس کے دو بیٹے عمر، حسن اور ان کے علاوہ اسماعیل، ابن ابی خالد، مسعر اور دیگر لوگ ہیں۔ ثوری، ھشیم اور ابن عدی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اس کی متعدد احادیث کو ترمذی ؒ نے حسن قرار دیا ہے۔ مطین کہتے ہیں اس کا انتقال ۱۱۱ھ میں ہوا ہے۔ التہذیب میں لکھا ہے ابو حاتم نے کہا ہے ابن سعد اگرچہ ضعیف ہے مگر اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔

المنذری سنن ابی داؤد کی تلخیص میں لکھتے ہیں عطیہ ضعیف الحدیث ہیں، کئی مقامات پر یہ لکھا ہے کہ اس کی حدیث سے دلیل نہیں لی جاتی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں اس کی اسناد میں "محمد بن الحصین بن عطیه العوفی عن ابیه عن جده" اور یہ تینوں ضعیف ہیں۔ اس کی اسناد میں عطیہ عوفی ہے اور وہ ضعیف ہے، حافظ ابن حجر تلخیص الجبیر میں ابو سعید کی حدیث "من اسلف فی شئی فلا صرفه الی غیره" کے تحت لکھتے ہیں اس میں عطیہ الکوفی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

ابو حاتم، بیہقی اور عبد الحق بن القطان نے اسے ضعیف و مضطرب کہا ہے۔ الھیثمی مجمع الزوائد میں لکھتے ہیں عطیہ سے دلیل لینے میں اختلاف ہے، ایک اور جگہ لکھا ہے اس روایت میں حجاج بن ارطاۃ اور عطیہ ہیں اور ان دونوں میں کلام ہے۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں اس میں عطیہ ہے جسے ابن معین نے ثقہ کہا ہے مگر ایک جماعت نے اس کی تضعیف کی ہے اگرچہ نرم تضعیف ہے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث:

"قال قال رسول الله طلاق الامة اثنتان وعدتها حیضتان"

"لونڈی کی طلاق دو ہیں اور عدت دو حیض ہے"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کے تحت میں دار قطنی اپنی سنن میں لکھتے ہیں عبد اللہ بن عیسیٰ کی روایت "عن عطیۃ عن ابن عمر عن النبی" منکر ہے، ثابت نہیں ہے اس کی دو وجہ ہیں۔

1 عطیہ ضعیف ہے، جبکہ سالم اور نافع اس سے زیادہ اثبت اور روایت کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہیں۔

2 عمر بن شبیب ضعیف الحدیث ہے اس کی حدیث سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔

یہ ہیں عطیہ کے بارے میں محدثین کی آراء، ان آراء سے چند امور کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

1 امام ذھبی نے اس کی تضعیف کو ہی مختار جانا ہے، جیسا کہ المیزان میں اس کے بارے میں فرماتے ہیں، مشہور تابعی ہیں ضعیف ہیں، اس کی تائید ان کی الکاشف میں بیان کردہ یہ بات بھی کرتی ہے کہ محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

وہاں توثیق کا قول مذکورہ نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ امام ذھبی نے تضعیف کو ترجیح دی ہے۔ المیزان میں الحکم بن فضیل بن عطیۃ العوفی کے حالات زندگی میں لکھتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ اسے ابو داؤد نے ثقہ کہا ہے مگر عطیہ وہی ہے۔"

المیزان میں فضیل بن مرزوق کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ بہت منکر احادیث والا ہے۔ ان لوگوں میں سے ہے جو ثقات کی احادیث میں غلطیاں کرتا تھا اور عطیہ سے موضوع روایات نقل کرتا تھا۔"

میں کہتا ہوں عطیہ اس سے زیادہ ضعیف ہے۔ اسی طرح ابن قیم نے الھدیٰ میں اس کی تضعیف کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح المنذری نے سنن ابی داؤد کی تلخیص میں کئی مواقع پر اور ابن حجر نے تلخیص الحبیر اور دار قطنی نے اپنی سنن میں بھی یہی لکھا ہے۔

2 عطیہ ابو ھارون، بشر بن حرب برابر ہیں۔ جیسا کہ یحییٰ سے منقول ہے۔ ابو ہارون کا نام عمارہ بن جوین ہے۔ امام ذھبی المیزان میں لکھتے ہیں عمارہ بن جوین ابو ہارون العبدی تابعی کمزور ہے۔ اسے حماد بن زید نے جھوٹا قرار دیا ہے۔

شعبہ نے کہا ہے کہ ابی ہارون کی حدیث بیان کرنے سے بہتر ہے کہ میں اپنی گردن آگے کروں اور اسے کاٹ دیا جائے۔ احمد کہتے ہیں "لیس بشیٔ"۔ ابن معین کہتے ہیں ضعیف ہے، اس کی حدیث کی تصدیق نہیں کی جاتی۔ دار قطنی کہتے ہیں متلو خارجی اور شیعہ تھا۔ اس سے جو روایت ثوری لیتے ہیں اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

ابن حبان کہتے ہیں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے وہ حدیثیں روایت کرتا تھا جو اس کی حدیث نہیں ہوتی تھی۔ معاویہ بن صالح نے یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے اسے ضعیف کہا ہے۔ یحییٰ القطان کہتے ہیں شعبہ نے کہا ہے میں قافلوں سے العبدی کے بارے میں پوچھتا تھا تو وہ آیا میں نے اس کے پاس کتاب دیکھی جس میں علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نامناسب با... میں نے پوچھا یہ کیسی کتاب ہے؟ اس نے کہا یہ کتاب حق ہے۔ القطان کہتے ہیں ابن عون مرتے دم تک ا...

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہا۔ الجوزجانی کہتے ہیں ابوہارون کذاب ہے۔ افتراپرداز ہے۔

"ابن عدی حدثنا الحسن بن سفیان حدثنی عبدالعزیز بن سلام حدثنی علی بن مهران سمعت بهز بن اسد سمعت شعبة قال۔۔۔"

شعبہ نے کہا ہے میں ابوہارون کے پاس آیا اور کہا کہ تم نے ابوسعید سے جو کچھ سنا ہے وہ دکھاؤ۔ اس نے ایک کتاب نکالی اس میں لکھا تھا کہ مجھے ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ عثمان کو قبر میں داخل کیا گیا جب کہ وہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا تھا (نعوذباللہ)۔ میں نے کتاب واپس کی اور کھڑا ہو گیا۔

الاثرم کہتے ہیں "حدثنا یحییٰ بن آدم حدثنا معلی بن خالد" کہتے ہیں مجھے شعبہ نے بتایا کہ اگر میں چاہوں کہ ابوہارون العبدی مجھے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے سب کچھ بیان کر دے تو میرا خیال ہے کہ اہل واسط یہ کام رات کو کر دیں گے تو میں ایسا کر سکتا ہوں۔ ابن معین کہتے ہیں ابوہارون کے پاس ایک صحیفہ تھا جس کے بارے میں وہ کہتا تھا کہ یہ صحیفہ وحی ہے۔ سلیمانی کہتے ہیں میں نے ابوبکر بن حامد سے سنا کہہ رہے تھے، میں نے صالح بن محمد سے سنا کہتے ہیں ہمیں خبر دی علی رضی اللہ عنہ نے۔ ابوہارون العبدی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا یہ فرعون سے بھی بڑا جھوٹا ہے۔ ابواحمد الزبیری کہتے ہیں ہمیں سفیان نے ابی ہارون سے بیان کیا وہ کہتے ہیں میں نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے کہا کہ میری ایک لونڈی تھی جس سے میں عزل کرتا تھا، اس نے ایک بیٹے کو جنم دیا جو مجھے تمام لوگوں میں بہت زیادہ پسند تھا۔ (محمد بن کثیر عن الثوری)
دوسری سند میں عن سعید رضی اللہ عنہ مرفوعاً ہے کہ:

"واذا ضرب احدکم خادمه فذکر الله فارفعوا ایدیکم"

"جب تم میں سے کوئی شخص اپنے ملازم کو مار رہا ہو اور وہ اللہ کا ذکر کرے۔ اللہ کا نام لے تو اپنا ہاتھ اٹھا لو۔"

جہاں تک بشر بن حرب کی بات ہے تو ان کے بارے میں امام ذھبی رحمہ اللہ المیزان میں فرماتے ہیں، بشر بن حرب ابوعمرو الندبی البصری الندب ازد کا ایک قبیلہ ہے۔ اس کی روایتیں ابوسعید اور ایک جماعت یعنی متعدد افراد سے ہیں۔ اس سے شعبہ اور حماد بن زید نے روایتیں لی ہیں۔ اسے علی و یحییٰ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ احمد کہتے ہیں یہ قوی نہیں ہے۔ ابن خراش کہتے ہیں متروک ہے۔ حماد بن زید ان کی تعریف کرتے تھے۔ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں میں نے ابن المدینی سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے نزدیک ثقہ تھے۔ ابن عدی نے کہا کہ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں، میں اس کی کوئی منکر حدیث نہیں جانتا۔ اور جب عطیہ ان دونوں (بشر بن حرب اور ابوہارون عمارہ بن جوین) کے برابر ہے تو اس کے بارے میں یہ بات صادق آئے گی کہ کمزور ہے، کذاب ہے، لیس بشیئ (کچھ نہیں ہے)۔ اپنی حدیث میں اس کی تصدیق نہیں کی جاتی، متروک الحدیث ہے، کذاب ہے، افتراپرداز ہے، فرعون سے بھی زیادہ جھوٹا ہے۔

معلوم ہوا کہ عطیہ میں شدید کلام ہے جیسا کہ الھیثمی نے کہا ہے کہ ایک جماعت (محدثین کی) نے اس کی تضعیف کی ہے اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو یہاں نقل کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ان کلمات کا اطلاق ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے، بلکہ میرے نزدیک ابی حاتم کا قول پسندیدہ ہے کہ "ضعیف یکتب حدیثہ" اس لیے کہ یہ سب سے صحیح اور منصفانہ قول ہے۔ البتہ ھیثمی کی غلطی کی نشاندہی کرنی تھی کہ انہوں نے صرف تضعیف پر اکتفا کیا ہے۔

3 یہ راوی مدلس ہے جیسا کہ ابن حجر نے صراحت کی ہے۔ یہ بدترین تدلیس کرتا ہے، جیسا کہ امام احمد نے کہا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ عطیہ کلبی کے پاس آکر ان سے تفسیر پڑھتا تھا اور اس کو ابو سعید کی کنیت سے پکارتا تھا، پھر بیان کرتے وقت قال ابو سعید کہتا تھا، سننے والوں کو یہ باور کرانے کے لیے کہ مراد ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ تدلیس کس قسم کی ہے؟ توضیح الافکار میں ہے اگر ایک ثقہ راوی کی شہرت استعمال کی جائے، جس سے اس کا حدیث لینا ممکن ہو تو یہ بہت زیادہ فساد کا ذریعہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ عطیہ العوفی نے کیا کہ محمد بن السائب الکلبی کی کنیت ابو سعید رکھی اور جب حدیث بیان کرتا تھا تو قال ابو سعید کہتا تھا سننے والے کو یہ باور کرانا کہ یہاں ابو سعید خدری ہیں اس لیے کہ عطیہ کی ملاقات ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی اور ان سے حدیثیں بھی روایت کی ہیں۔ تدلیس شیوخ میں یہ شدید ترین تدلیس ہے۔

4 ابو سعید کی حدیث "من اسلف فی شیئ فلا یصرفه الی غیره" (جس نے کوئی چیز ادھار لی وہ کسی اور کو نہ دے) کو نقادان حدیث کی ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے، اس کے ضعف کی علت بیان کی ہے۔ جیسا کہ حافظ نے تلخیص الحبیر میں کہا ہے۔ حالانکہ عطیہ تک اس کے سارے راوی ثقہ ہیں مگر عطیہ کی وجہ سے اس میں ضعف آگیا ہے۔ ابو داؤد میں اس کی سند اس طرح ہے:

"حدثنا محمد بن عیسیٰ اخبرنا ابو بدر عن زیاد بن خیثمة عن سعد یعنی الطائی۔ عن عطیة بن سعد عن ابی سعید الخدری"

اور سنن ابن ماجہ میں سند اس طرح ہے:

"حدثنا محمد بن عبداللہ بن نمیر حدثنا شجاع بن الولید حدثنا زیاد بن خیثمة عن سعد عن عطیة عن ابی سعید"

ابن ماجہ نے سعد کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جبکہ محمد بن عیسیٰ کے بارے میں حافظ نے التقریب میں لکھا ہے کہ محمد بن عیسیٰ بن نجیح ابو جعفر الطباع البغدادی جو بعد میں اذنہ میں رہائش اختیار کر چکے تھے (جسے ترکی لوگ اطنہ کہتے ہیں) ثقہ فقیہ ہیں۔ یہ ھشیم کی احادیث کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، دسویں درجہ میں ہیں۔ ۲۲۰ھ میں انتقال ہوا ہے۔

ان کی ۷۴ سال عمر تھی۔ الخلاصہ میں فرماتے ہیں محمد بن عیسیٰ بن نجیح البغدادی ابو جعفر الطباع اذنہ کا رہائشی تھا۔ یہ محمد بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطرف، ابن ابراہیم بن سعد، ھشیم اور بہت سے لوگوں سے روایت لیتے ہیں۔ ان سے امام بخاری رحمہ اللہ تعلیقاً روایت لیتے ہیں اور ابوداؤد، الذھلی اور دارمی نے روایت لی ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں ثقہ ہیں، محفوظ ہیں، ابو داؤد کہتے ہیں ان کو تقریباً چالیس ہزار احادیث حفظ تھیں۔ الکاشف میں فرماتے ہیں محمد بن الطباع ابو جعفر اسحاق اور یوسف کا بھائی ہے، اذنہ میں آکر رہنے لگا تھا۔ اس نے مالک، ابی غسان، محمد بن مطرف اور دیگر لوگوں سے روایت لی ہے۔ ان سے روایت لینے والوں میں دارمی، احمد بن جلید الحلبی شامل ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان سے تعلیقاً روایت کرتے ہیں۔ یہ حافظ تھا، فقیہ تھا، بہت احادیث روایت کرنے والا تھا۔ کہتے ہیں اس کو تقریباً چالیس ہزار احادیث یاد تھیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں ثقہ مامون ہے۔ اس سے زیادہ کسی کو میں نے ابواب کو یاد کرنے والا نہیں دیکھا۔

اسی طرح ابو بدر ہیں جن کا نام شجاع بن الولید ہے۔ التقریب میں لکھا ہے کہ شجاع بن الولید بن قیس السکونی ابو بدر الکوفی صدوق ہے۔ پرہیز گار آدمی تھا، اس کی اوہام بھی ہیں۔ نویں درجہ میں ہیں۔ ان کا انتقال ۲۰۴ھ میں ہوا۔ حافظ نے ان کے لیے اشارہ رکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی روایات اصحاب اصول ستہ نے روایت کی ہیں۔ الکاشف میں لکھا ہے، شجاع بن الولید و ابو بدر السکونی الحافظ الصالح اعمش، ھشام وابن عروہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے روایت لینے والے ان کے بیٹے الولید ہیں۔

الخلاصہ میں لکھتے ہیں شجاع الولید بن قیس السکونی ابو بدر الکوفی نزیل بغداد محدثین ہیں، صالح ہیں، اعماش، ہشام اور عطاء بن السائب سے روایت لیتے ہیں، ان سے روایت لینے والے محمد بن عبدالرحیم البزار، احمد بن محمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ اور اس کا اپنا بیٹا ولید بن شجاع ہیں۔ احمد کہتے ہیں یہ صالح شیخ تھے صدوق تھے۔ احمد بن خیثمہ اور عبدالخالق بن منصور کہتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں ان کا انتقال ۲۰۴ھ میں ہوا ہے۔ بخاری میں ان کی ایک حدیث ہے۔

المیزان میں اس طرح مذکور ہے:

"شجاع بن الولید ابو بدر الکوفی السکونی الحافظ صدوق مشہور ہے"

مغیرہ بن مقسم اور لیث سے روایت کرتے ہیں، ان سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے ولید اور دیگر لوگ ہیں جن میں ابو خیثمہ بھی ہیں۔ ابن معین وغیرہ نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ ابوزرعہ کہتے ہیں "لاباس بہ" ابو حاتم کہتے ہیں "لین الحدیث" ہیں۔ شیخ ہیں مضبوط نہیں ہیں، اس کی روایت سے دلیل نہیں لی جاتی۔ البتہ ان کے پاس محمد بن عمرو سے کچھ صحیح احادیث تھیں۔ المروزی کہتے ہیں میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا ابو بدر ثقہ ہیں؟ انہوں نے کہا مجھے امید ہے کہ وہ ثقہ ہوں گے، اس لیے کہ وہ صالح لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ وکیع نے ثوری سے روایت کیا ہے وہ کہتے تھے کوفہ میں ابو بدر سے زیادہ عبادت گزار کوئی نہیں ہے۔

زیادہ بن خیثمہ کے بارے میں التقریب میں لکھا ہے کہ زیادہ بن خیثمہ الجعفی الکوفی ثقہ ہے، السابعہ میں ہے

الخلاصہ میں ہے زیاد بن خیثمہ الجعفی شعبی اور مجاہد سے روایت کرتے ہیں، ان سے زہیر بن معاویہ، ھشیم اور وکیع لیتے ہیں۔ ابن معین نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ الخلاصہ میں اس کے لیے بطور اشارہ کے م لکھا ہے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایتیں مسلم اور سنن اربعہ نے روایت کی ہیں۔ الکاشف میں ہے کہ زیادہ بن خیثمہ الکوفی شعبی اور مجاہد سے روایت لیتے ہیں اور اس سے روایت لینے والے ھشیم اور وکیع ہیں یہ ثقہ ہیں۔

سعد طائی کے بارے میں حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں، "سعد ابو مجاھد الطائی الکوفی لا باس به۔ السادسه" میں سے ہیں۔ اس کے لیے اشارہ کے طور پر خ۔ د۔ ت۔ ق لکھا ہے۔ جو اس بات پر دلالت ہے کہ یہ بخاری کے رجال میں سے ہیں۔ الخلاصہ میں ہے سعد الطائی ابو مجاہد الکوفی محل بن خلیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے اسرائیل اعمش روایت لیتے ہیں۔ ابن حبان نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ التہذیب میں ہے کہ وکیع نے بھی (ثقہ کہا ہے)۔

محمد بن عبداللہ بن نمیر جو ابن ماجہ کی سند میں ہیں۔ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر نے التقریب میں کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن نمیر الھمدانی الکوفی ابو عبدالرحمٰن ثقہ ہیں۔ حافظ ہیں، فاضل ہیں، العاشرہ میں سے ہیں۔ ان کا انتقال ۲۳۴ھ میں ہوا۔ الخلاصہ میں ہے کہ محمد بن عبداللہ بن نمیر الھمدانی خارفی ابو عبدالرحمٰن الکوفی الحافظ احمر، ابن عیینہ ابو معاویہ اور بہت سے لوگوں سے روایت لینے والوں میں بہت بڑے عالم ہیں۔ ان کے لیے بطور اشارہ خ۔ م۔ د۔ ق ہے۔ امام احمد نے انہیں بہت بڑا اور بزرگ قرار دیا ہے۔

نسائی کہتے ہیں ثقہ ہے مامون ہے، ابن حبان کہتے ہیں ان کا انتقال ۲۳۴ھ میں ہوا۔ الکاشف میں ہے کہ محمد بن عبداللہ بن نمیر ابو عبدالرحمٰن الخارفی الحافظ الزاہد مطلب بن زیاد اور ابن عیینہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور اس سے مطین اور ابو یعلی روایت کرتے ہیں۔ ابو اسماعیل ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں احمد بن حنبل ابن نمیر کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ احمد بن صالح کہتے ہیں میں نے عراق میں ان جیسا نہیں دیکھا۔

عبداللہ بن سعید جو کہ ابن ماجہ کی دوسری سند میں ہیں، ان کے بارے میں حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں عبداللہ بن سعید بن حصین الکندی ابو سعید الاشج الکوفی ثقہ ہیں، دسویں طبقے کے صغار میں سے ہیں، انکا انتقال ۲۵۷ھ میں ہوا۔ الخلاصہ میں لکھا ہے عبداللہ بن سعید بن الحصین الکندری الکوفی ابو سعید الاشج الحافظ ائمہ میں سے ہیں۔ عبدالسلام بن حرب، ابو خالد الاحمر، المحاربی، ابن ادریس، ھشیم اور ان کے طبقے سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے روایت کرنے والے ابو حاتم ہیں۔ یہ ثقہ ہیں اپنے زمانے کے امام ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات ۲۵۷ھ میں ہوئی۔

الکاشف میں ہے کہ عبداللہ بن سعید ابو سعید الاشج الکندری الحافظ ھشیم اور مطلب بن زیاد سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے روایت کرنے والے ابن ابی حاتم ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں اپنے دور کے امام ہیں۔ الشطوی (محمد بن احمد بن بلال) کہتے ہیں میں نے ان سے زیادہ حافظے والا (احادیث حفظ کرنے والا) نہیں دیکھا۔

ثابت یہ ہوا کہ مذکورہ حدیث میں ضعف صرف عطیہ کی وجہ سے آیا ہے اسی لیے حافظ ابن حجر نے اس کی صراحت کی ہے معلوم ہوا کہ عطیہ ان نقادان حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

5 پانچویں بات یہ ہے کہ عطیہ کا ضعف صرف اس کے شیعہ اور مدلس ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کی ایک وجہ اور بھی ہے اور وہ ہے عدم ضبط اور کثرت خطاء جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ نے الھدی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے التقریب میں کہا ہے۔

6 اس پر جرح کرنے والے اس کی توثیق کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔

مثلاً جرح کرنے والے ابو حاتم، سالم المرادی، احمد، ھشیم، یحییٰ، نسائی، بیہقی، ثوری، ابن عدی، عبد الحق، ذھبی، منذری، ابن قیم، ابن حجر اور دار قطنی ہیں۔ جبکہ اس کی توثیق کرنے والے ابن معین اور ترمذی رحمہ اللہ ہیں۔ اب ایک طرف اتنی کثیر تعداد اور دوسری طرف دو افراد۔ اس سے عطیہ کی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان تفصیلات کے بعد ہم کہتے ہیں کہ راجح بات یہ ہے کہ عطیہ ضعیف ہے، اس لیے کہ اس پر جرح کرنے والے اس کی تعدیل کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ توثیق کرنے والوں کی بات سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جس حدیث میں عطیہ متفرد ہو، اس سے دلیل لی جا سکتی ہے، اس لیے کہ ابن معین نے ان کی توثیق ان الفاظ میں کی ہے۔ صالح، جیسا کہ المیزان میں ہے۔ یہ لفظ مراتب توثیق میں چھٹے مرتبے پر ہے۔ لہٰذا یہ نرم و کمزور توثیق ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی حدیث اعتبار کے طور پر لکھی جا سکتی ہے (کسی حدیث کے لیے شاہد یا تابع تلاش کرنے کو اعتبار کہا جاتا ہے)۔ اس طرح کی توثیق تضعیف کے منافی نہیں ہے۔ جہاں تک ترمذی رحمہ اللہ کی بات ہے تو انہوں نے عطیہ کی توثیق صراحت سے نہیں کی۔ البتہ اس کی کچھ حدیثوں کو ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے مگر ان کے حسن قرار دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عطیہ کی حدیث سے ہر جگہ دلیل لی جا سکتی ہے۔ اس لیے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ بعض دفعہ اس حدیث کو بھی حسن کہتے ہیں جو ایک اور سند سے مروی ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ تحسین اس موقع پر کی ہو جہاں ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث بیان کرنے کی صراحت ثابت ہو چکی ہو۔ اس لیے کہ عطیہ مدلس ہے اور مدلس کی حدیث اس وقت قبول کی جاتی ہے جس اس بات کی صراحت ہو جائے کہ یہ مدلس راوی جس سے حدیث بیان کر رہا ہے یہ اس نے اسی سے سنی ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ ترمذی رحمہ اللہ کسی حدیث کو صحیح اور حسن قرار دینے میں تساہل سے کام لیتے ہیں، اسی لیے علماء ان کے صحیح و حسن قرار دینے پر اعتماد نہیں کرتے اور انہوں نے ترمذی رحمہ اللہ کی صحیح و حسن قرار دی ہوئی بہت سی حدیثیں رد کی ہیں۔ امام ذھبی المیزان میں کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف بن زید المزنی کے حالات زندگی میں لکھتے ہیں:

”ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی حدیث روایت کی ہے، ”الصلح جائز بین المسلمین“ اور اسے صحیح کہا ہے، اسی لیے علماء نے ترمذی رحمہ اللہ کے صحیح قرار دینے پر اعتماد نہیں کیا ہے“

ابن دحیہ ’العلم المشہور‘ میں فرماتے ہیں کتنی ہی ایسی احادیث ہیں جنہیں ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں حسن قرار دیا ہے جبکہ وہ موضوع ہیں اور جن کی اسناد کمزور ہیں، ان میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ (راوی) مجہول ہے جبکہ مجہول کی روایت کو صحیح یا حسن قرار دینے کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔ توضیح

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الافکار میں بھی اسی طرح ہے۔ اگرچہ یہ بات ضمناً کہی گئی ہے مگر مقصود اس سے یہ ہے کہ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو ترمذی رحمہ اللہ کے صحیح یا حسن قرار دینے پر اعتماد و بھروسہ نہیں کرتے۔

المنذری ترغیب وترہیب میں لکھتے ہیں:

"میں اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ بہت سی ایسی احادیث جو کتاب لکھتے وقت میرے سامنے آئی ہیں کہ جسے ضعیف قرار دینے میں ابو داؤد نے سکوت اختیار کرنے، ترمذی رحمہ اللہ کے حسن قرار دینے، ابن حبان اور حاکم کے صحیح قرار دینے میں تساہل برتا گیا ہے۔ میں ان ائمہ پر تنقید کی غرض سے نہیں بلکہ اس کتاب کا دیگر کتب سے موازنہ کرنے کی غرض سے کہہ رہا ہوں کہ ہر وہ حدیث جو میں نے ابو داؤد کی طرف منسوب کی ہے اس پر سکوت کیا ہے، تو یہ اسی طرح ہے جس طرح ابو داؤد نے ذکر کیا ہے اور یہ حسن کے درجہ سے کم نہیں ہے اور کبھی تو یہ صحیحین کی شرط پر ہوتی ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن العمرة اواجبة ہی. قال لا وان تعتمر فهو اولی" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ کیا عمرہ واجب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ البتہ بہتر ہے) اس حدیث کے تحت ابن حجر تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے، مگر یہ تصحیح حجاج کی وجہ سے محل نظر ہے، اس لیے کہ اکثریت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اس پر اتفاق ہے کہ یہ مدلس ہے۔ نووی کہتے ہیں اس کو صحیح قرار دینے میں امام ترمذی رحمہ اللہ کی رائے سے دھوکہ میں نہیں آنا چاہیے اس لیے کہ حفاظ نے اس کے ضعف پر اتفاق کیا ہے۔"

تلخیص میں [1] جد کثیر کی حدیث جو عید کی تکبیر سے متعلق ہے اس کے بارے میں امام بخاری اور ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس باب میں یہی صحیح ترین حدیث ہے۔ ایک جماعت محدثین نے امام ترمذی رحمہ اللہ کے اس حدیث کو حسن قرار دینے کو ناپسند کیا ہے۔ عدم رفع الیدین کی عبد اللہ بن مسعود والی حدیث کو ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ ابن حزم نے صحیح کہا ہے۔ ابن المبارک کہتے ہیں کہ یہ ان سے ثابت نہیں ہے۔ ابن ابی حاتم اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ یہ (نسبت) غلط ہے۔ احمد بن حنبل اور ان کے شیخ یحیٰ بن آدم کہتے ہیں یہ ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے یہ قول نقل کیا ہے اور اس کے تابع بھی ذکر کیے ہیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں اہل کوفہ نے رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین نہ کرنے کی جو روایتیں بیان کی ہیں ان میں یہ سب سے اچھی روایت ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ضعیف ترین روایت ہے، اس میں بہت سی علتیں ہیں جو اسے باطل ثابت کرتی ہیں۔ ان تمام ائمہ حدیث نے عاصم بن کلیب کی سند پر طعن کیا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر علماء نے کہا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ جس حدیث کو حسن یا صحیح کہیں تو یہ صحیح میں شمار نہیں ہوتی جب تک کہ یہ ایسی حدیث نہ ہو جس پر عمل واجب ہو بلکہ یہ جدید اصطلاح ہے۔ توضیح الافکار میں لکھا ہے۔

سوال: اگر کوئی یہ کہے کہ محدثین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے ہاں تصحیح میں یہ ایک قسم کا تساہل ہے، انہوں نے اپنی سنن میں ایسی احادیث کو بھی حسن کہا ہے جن کی سند میں انقطاع ہے اور ایسی روایت کو بھی حسن کہا ہے

[1] حاشیہ نمبر ا صفحہ ۱۰۵، اصل کتاب میں اسی طرح ہے مگر یہ مغلق ہے سمجھ میں نہیں آسکتا، اس سے مراد ہے کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف عن ابیہ عن جدہ جیسا کہ تلخیص میں ہے اور اس کے بعد ابن حجر نے کہا ہے کثیر ضعیف ہے، یہ امام بخاری کا قول ہے۔ رشید رضا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس کا راوی روایت کرنے میں متفرد ہے۔ جیسا کہ ترمذی رحمہ اللہ نے خود بھی کہا ہے۔ مثلاً وہ ایک حدیث لاتے ہیں اور پھر اس کے بعد کہتے ہیں "انه حسن غريب، حسن صحيح غريب، لا نعرفه الا من هذا الوجه؟"

جواب: ان سب الفاظ سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی جدید اصطلاح ہے اور جو شخص امامت اور حفظ کی انتہا کو پہنچ چکا ہے اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے اپنے لیے نئی اصطلاح کیوں ایجاد کر لی ہے۔ اصطلاحات میں تنگی نہیں ہے (گنجائش ہے)۔ اس طرح اس مشکل کا حل بھی سامنے آجاتا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک ہی متن کی حدیث کو صحیح وحسن کیسے قرار دے دیا جبکہ ان دونوں میں مغایرت ہے۔ (ابن حجر الھیثمی کا کلام مکمل ہوا)

شیخ بشیر: جب امام ترمذی رحمہ اللہ کی اصطلاح میں صحیح اور حسن ایک ہی چیز ہے تو پھر ان کا کسی حدیث کو صحیح کہنا اس معنی میں نہیں لیا جا سکتا جس کی ہم بات کر رہے ہیں، بلکہ یہ اس پر محمول کیا جائے گا کہ یہ حسن کی ہی ایک قسم ہے۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ المصابیح میں البغوی نے صحیح اور حسن کے لیے ایک اور اصطلاح استعمال کی ہے، انہوں نے صحیح اس کو کہا ہے جسے شیخین (بخاری، مسلم) یا ان دونوں میں سے کسی ایک نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہو۔ اور حسن وہ ہے جو ان دونوں کے علاوہ دیگر نے روایت کیا ہو۔ ان کے علاوہ دیگر لوگوں جیسے حاکم اور خطیب وغیرہ نے ایک اور اصطلاح ایجاد کی ہے ان کے نزدیک وہ سب صحیح ہے جو ابوداؤد اور نسائی میں ہے۔ نسائی کے بارے میں ان کی موافقت دیگر محدثین نے بھی کی ہے، مثلاً ابو علی نیساپوری، ابو احمد بن عدی اور دار قطنی۔ (ابن حجر الھیثمی کی فہرست سے ماخوذ)

میں نے یہ سب کچھ اس لیے نقل کیا ہے تاکہ جب کوئی شخص یہ دیکھے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے کسی حدیث کو صحیح کہا ہے یا بغوی نے کسی حدیث کو حسن کہا ہے تو وہ اسے وہ صحیح نہ سمجھ لے جو ائمہ کے نزدیک صحیح ہوتی ہے یا وہ حسن نہ شمار کرے جسے مصنف وغیرہ نے صحیح کے لیے استعمال کیا ہے بلکہ جو امام جس حدیث کو صحیح یا حسن کہہ رہا ہے اس امام کی اصطلاح معلوم ہو۔

توضیح الافکار میں ابن خزیمہ اور ابن حبان کی صحیح کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: بہر حال جو شخص اجتہاد اور غور و فکر کی اہلیت رکھتا ہو وہ اجتہاد کرے اور ان لوگوں کی یا ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کی تقلید نہ کرے اس لیے کہ کتنی ہی ایسی حدیثیں ہیں جنہیں ابن خزیمہ نے صحیح کہا مگر وہ حسن کے درجے سے زیادہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں بھی کہ جنہیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے ایک حصہ اس طرح کا ہے باوجودیکہ وہ حسن اور صحیح میں فرق کرتے ہیں۔ ابن حجر اپنی فہرست میں لکھتے ہیں میں کہتا ہوں کہ جو کچھ مصنف نے اور زین وغیرہ نے کہا ہے اسے کلی حکم کے طور پر مت لینا۔

توضیح الافکار میں مزید لکھا ہے مصنف کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہو۔ جبکہ ابن حجر سے جو کچھ ہم نے نقل کر کے پیش کر دیا ہے اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ ترمذی رحمہ اللہ بہت سی ایسی احادیث کو حسن کہہ د[یتے ہیں] جو ضعیف ہوتی ہیں اور ان میں مدلسین کی روایات بھی ہوتی ہیں۔ ان راویوں کی بھی روایات ہوتی ہیں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جو کثیر الغلط ہوتے ہیں۔ (جن کی احادیث میں غلطیاں زیادہ ہوں اور صحیح روایتیں کم ہوں)۔ ایسے میں ترمذی رحمہ اللہ کی حسن قرار دی گئی حدیث پر عمل کیسے کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ ان کی حالت یہ ہو؟

حافظ ابن حجر نے خطیب بغدادی سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ حدیث صرف اس وقت قبول کی جا سکتی ہے جب اس کو روایت کرنے والا سچا اور دیانتدار ہو۔ حافظ مزید فرماتے ہیں کہ ابوالحسن بن القطان جو اہل غرب کے ایک حافظ اور نقاد ہیں اپنی کتاب بیان الوھم والایہام میں لکھتے ہیں کہ ایسی حدیثوں پر کبھی عمل نہیں کیا جاتا۔ الّا یہ کہ فضائل اعمال میں ان پر عمل ہوتا ہے۔ اور احکام میں ان پر عمل کرنے میں توقف کیا جاتا ہے سوائے اس صورت کے کہ اس کے طرق زیادہ ہو جائیں یا اسے مسلسل عمل کیے جانے کا سہارا ملے یا اس کو موافق صحیح شاہد ملے یا ظاہر قرآن سے اس کی تائید ہوتی ہو۔ یہ بات ہی بہتر، قوی اور قابل بھروسہ ہے۔ میرا نہیں خیال کہ کوئی منصف مزاج آدمی اس بات کا انکار کرتا ہوگا جب کسی حدیث کو ترمذی رحمہ اللہ حسن کہے تو لازم نہیں آتا کہ اس سے دلیل لی جائے اس لیے کہ انہوں نے ایک روایت نقل کی ہے "خیثمه البصری عن الحسن عن عمران بن حصین" اور اس کے بعد لکھا ہے "هذا حديث حسن" حالانکہ اس کی سند اس طرح نہیں ہے۔ کتاب العلم میں علم کی فضیلت میں ایک حدیث روایت کرتے ہیں پھر اس کے بارے میں کہتے ہیں "هذا حديث حسن"۔ ہم نے اسے صحیح نہیں کہا، اس لیے کہ اعمش نے اس میں تدلیس کی ہے کہ "حدث عن ابی صالح عن ابی هریرة"۔ (ترمذی)

اس میں واقع ہونے والے تردد کی وجہ سے اس پر حسن کا حکم لگایا صحیح کا حکم نہیں لگایا لیکن دونوں مثالیں محل نظر ہیں، اس لیے کہ یہ احتمال ہے کہ ترمذی رحمہ اللہ نے ان کو کسی اور وجہ سے حسن کہا ہو کہ یہ ایک اور سند سے بھی مروی ہیں۔ جیسا کہ پہلے اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ لیکن یہاں ہماری بحث کا مقصد تو یہ ہے کہ کیا ترمذی رحمہ اللہ کا حسن کا حکم لگانے سے یہ لازم آتا ہے کہ اس سے دلیل بھی لی جاتی ہو؟ یا یہ کہ اس پر توقف کیا جائے گا؟ دل تو ابن القطان کی بات کی طرف ہی مائل ہوتا ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ ابن حجر ابن الصلاح پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب ترمذی رحمہ اللہ کسی حدیث کو حسن کہیں تو لازم نہیں آتا کہ اس سے دلیل لی جائے۔ اس لیے کہ اس نے دو حدیثیں روایت کی ہیں جو (۱) "خیثمه البصری عن الحسن عن عمران بن الحصین" اور پھر اس کے بعد لکھتے ہیں "هذا حديث حسن" حالانکہ اس کی اسناد اس طرح نہیں ہے۔ اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اسی طرح اس کے بارے میں مزید فرماتے ہیں کہ ہم پہلے جو کچھ امام ترمذی رحمہ اللہ کی صحیح یا حسن قرار دینے کے بارے میں بیان کر چکے ہیں اس پر بحث کو مد نظر رکھیں۔ اسی وجہ سے المنذری نے کہا ہے کہ ترمذی رحمہ اللہ کی تصحیح و تحسین قبول نہیں کی جاتی۔ (تلخیص سنن ابی داود)

(۲) ان میں سے ایک وہ بھی جو انہوں نے مغیرہ بن شعبہ کی روایت "ان رسول الله توضأ ومسح على الجوربين والنعلين"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(ترمذی) نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ "ھذا حدیث صحیح"۔ حالانکہ ابو بکر بیہقی نے مغیرہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے اور اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اسے سفیان ثوری، عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی اور مسلم بن حجاج رحمھم اللہ نے ضعیف کہا ہے۔ ابو قیس اودی جس کا نام عبدالرحمٰن بن مروان الاودی الکوفی سے اگرچہ امام بخاری نے دلیل لی ہے، مگر احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے دلیل نہیں لی جاسکتی۔ ابو حاتم سے ان کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔ یہ قلیل الحدیث ہے حافظ نہیں ہے۔ سوال ہوا ان کی حدیث کیسی ہے؟ کہا صالح ہے، یہ لین الحدیث ہے۔

(۳) اسی طرح ایک ترمذی رحمہ اللہ کی رائے وہ بھی ہے جو انہوں نے حدیث "علی نے کہ ان رسول اللہ کان یخرج من الخلاء فیقرئنا القرآن۔۔۔" کے بعد کہا ہے کہ حسن صحیح۔ ابو بکر البزار کہتے ہیں کہ علی سے صرف عمرو بن مرہ عن عبداللہ بن سلمہ والی روایت لی جاتی ہے۔

امام بخاری نے عمرو بن مرہ کے بارے میں کہا ہے کہ مرہ ہمیں حدیثیں بیان کرتے تھے جن میں سے کچھ ایسی ہوتیں جنہیں ہم جانتے ہوتے اور کچھ ایسی ہوتیں جنہیں ہم نہیں جانتے تھے ان کی عمر زیادہ ہوگئی تھی۔ ان کی حدیث کی متابعت نہیں کی جاتی۔ امام شافعی نے یہ حدیث ذکر کی ہے اور فرمایا ہے اگرچہ محدثین اس کو ثابت نہیں مانتے۔ الخطابی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل اس علی کی روایت کو کمزور قرار دیتے تھے۔

(۴) اس طرح ایک حدیث ابو عطیہ کی ہے:

"کان مالک بن حویرث یاتینا الی مصلانا ھذا فاقیمت الصلاۃ۔۔۔"

ترمذی رحمہ اللہ کے اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حسن ہے جبکہ ابو حاتم رازی سے ابو عطیہ کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ نہ اس کا نام لیا جاتا ہے نہ اس کو کوئی پہنچانتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابو عطیہ کی حدیث جو تعجیل افطار سے متعلق ہے کے تحت امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ ابو عطیہ کا نام مالک بن ابی عامر الھمدانی ہے۔ مالک بن عامر بھی کہا گیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ یہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی آخری بات ہے لہٰذا ابو حاتم کا یہ کہنا کہ اس کا نام نہیں لیا جاتا (نام معلوم نہیں) یہ ترمذی رحمہ اللہ کے اس قول کے معارض ہے (اس لیے کہ ترمذی رحمہ اللہ نے اس کا نام ذکر کر دیا ہے)۔

(۵) ایک حدیث "باب وضع الرکبتین قبل یدیه" وائل بن حجر کی ہے جسے ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں اس میں شریک سے روایت کرنے میں یزید متفرد ہیں اور عاصم بن کلیب سے شریک نے روایت کیا ہے جبکہ شریک اپنی متفرد روایت میں قوی نہیں ہے۔ ابو بکر البیھقی کہتے ہیں یہ حدیث شریک کی متفرد روایات میں شمار ہوتی ہے۔ ھمام نے مرسلاً اس کی متابعت کی ہے۔ بخاری وغیرہ متقدمین حفاظ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں ترمذی رحمہ اللہ نے خود جابر کی حدیث "ان النبی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

توضأ مرة مرة ومرتين مرتين وثلاثا ثلاثا" کے تحت کہا ہے کہ شریک کثیر الخلط ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ نے علی کی روایت "انا دار الحکمۃ وعلی بابھا" کو غریب سمجھا ہے اور شریک کے تفرد کی وجہ سے اسے حسن قرار نہیں دیا منکر کہا ہے۔

(۶) ایک حدیث "لا جلب ولا جنب" بھی ہے، جسے ترمذی رحمہ اللہ نے "حسن بصری عن عمران بن حصین" سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حالانکہ حسن بصری کا عمران بن حصین سے سماع ثابت نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ترمذی رحمہ اللہ نے حسن بصری کی عمران بن حصین سے احادیث کو کئی جگہ حسن اور صحیح کہا ہے جن میں دادا کی میراث اور داغنے کی حدیث "الجلب علی الخیل فی السباق" اور "لا ارکب الا اجوان ولا البس المعصفر" ہے۔ اسی طرح سعید بن المسیب عن عتاب بن اسید کی روایت کہ:

"امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تخرص العنب کما تخرص النخل"

"رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ انگور کا بھی اسی طرح اندازہ کیا جائے جس طرح کھجوروں کا کیا جاتا ہے۔"

پھر ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں "ھذا حدیث حسن غریب"۔ جبکہ ترمذی رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر محدثین کہتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ اس لیے کہ عتاب بن اسید کا انتقال اسی دن ہوا تھا جس دن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور سعید بن المسیب کی پیدائش عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۱۵ھ کو ہوئی۔ کسی نے کہا ہے کہ اس کے بعد ہوئی ہے۔

(۷) اسی طرح حدیث:

"عن ابی سلمہ عن عبد الرحمٰن بن عوف سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالٰی انا الرحمٰن وھی الرحم"

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں رحمان ہوں اور وہی رحم ہے۔"

ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں حدیث صحیح، مگر ان کی تصحیح محل نظر ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سنا۔ دیگر محدثین نے کہا ہے کہ ابو سلمہ اور اس کے بھائی حمید کا اپنے باپ سے سماع صحیح نہیں۔ انہی میں سے ایک حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ... کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مغرب (یورپ) کے لیے عقیق کو میقات مقرر کیا۔ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ حالانکہ اس کی سند میں یزید بن ابی زیادہ ہے اور وہ ضعیف ہے۔ بیہقی کہتے ہیں وہ اس حدیث کے بیان کرنے میں متفرد ہے۔ میں کہتا ہوں کئی جگہ ترمذی رحمہ اللہ نے ابن ابی زیادہ کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۸) جن میں سے ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزے کے حالت میں پچھنیں لگوائیں (احتجم وھو صائم) اور ایک حدیث کہ عباس رضی اللہ عنہ .... رسول اللہ ﷺ کے پاس غصے کی حالت میں آئے۔

(۹) اسی طرح ترمذی رحمہ اللہ نے اسی ابن ابی زیادہ کی اس حدیث کو بھی حسن کہا ہے کہ "دخلت العمرۃ فی الحج" اور عبد اللہ بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جنگ کے دوران پیٹھ پھیر کر بھاگنا۔ حالانکہ یزید کی حدیث کو تو حسن بھی نہیں کہا جا سکتا چہ جائے کہ اسے صحیح قرار دیا جائے۔

امام ذھبی کہتے ہیں یزید بن ابی زیاد الکوفی کوفہ کے علماء میں سے مشہور عالم ہیں، ان کے سوء حفظ پر اتفاق ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں 'لیس بالقوی' اور کہتے ہیں 'لا یحتج بہ'۔ ابن المبارک کہتے ہیں 'ارم بہ' اسے پھینک دو۔ شعبہ کہتے ہیں یزید بن ابی زیادہ بہت سی موقوف روایات کو مرفوع بیان کرتا ہے۔ علی بن عاصم کہتے ہیں مجھے شعبہ نے بتایا کہ اگر میں یزید بن ابی زیاد کی حدیث لکھ لوں تو پھر میں کسی کی بھی حدیث لکھنے کی پرواہ نہ کروں۔ وکیع کہتے ہیں کہ "یزید بن ابی زیادہ عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ" "لیس بشیئ" یعنی اس کی روایات حدیث۔ احمد کہتے ہیں اس کی احادیث کی اہمیت نہیں ہے اور اس کی احادیث 'عن ابراھیم لیس بشیئ'۔ ان کی احادیث ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں 'ھذا لیس بصحیح'۔

ابو قدامہ نے روایت کیا کہتے ہیں اسامہ کو میں نے سنا یزید عن ابراہیم کی حدیث کے بارے میں کہہ رہے تھے اگر ان روایات کے لیے یہ میرے سامنے پچاس قسمیں کھائے میں پھر بھی اس کی تصدیق نہیں کروں گا۔ کیا یہ ہے ابراہیم کی حدیث کیا یہ علقمہ کا مذہب ہے؟ ابن عدی کہتے ہیں یزید بن ابی زیادہ مولیٰ بن ہاشم جس کی کنیت ابو عبداللہ ہے علی بن المنذر کہتے ہیں ہمیں ابن فضیل نے بتایا کہ یزید بن ابی زیاد شیعہ کے بڑے ائمہ میں سے ہے۔ مسلم رحمہ اللہ نے اس کی روایت دوسرے کے ساتھ ملا کر روایت کی ہے۔

المنذری ترغیب و ترھیب میں لکھتے ہیں یزید بن ابی زیادہ الکوفی مشہور آدمیوں میں سے ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں 'لا یحتج بہ' اور ایک جگہ کہتے ہیں 'لیس بالقوی'۔ ابن المبارک نے اسے واہی کہا ہے۔ علی بن عاصم کہتے ہیں مجھ سے شعبہ نے کہا جب میں یزید بن ابی زیادہ سے حدیث لکھ لوں تو پھر میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ حدیث کسی سے نہ لکھوں۔

احمد کہتے ہیں اس کی حدیث اس قابل نہیں ہے۔ مسلم نے اس کی حدیث دوسرے راوی کے ساتھ ذکر کی ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے۔ حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں 'یزید بن ابی زیاد الھاشمی مولاھم الکوفی ضعیف'۔ بڑی عمر میں پہنچ کر اس میں تبدیلی آگئی تھی۔ دوسروں سے سمجھتا سیکھتا تھا۔ شیعہ تھا۔ پانچویں درجے میں سے ہے۔ ۱۳۶ھ میں انتقال ہوا ہے۔

امام ذہبی الکاشف میں لکھتے ہیں:

"یزید بن ابی زیادۃ الکوفی مولی بن ھاشم عن مولاہ عبداللہ بن الحارث بن نوفل وابن جحیفۃ وابن ابی لیلیٰ"

اس سے زائدہ اور ابن ادریس روایت کرتے ہیں، یہ شیعہ عالم ہے، سمجھدار تھا سچا تھا مگر اس کا حفظ خراب تھا، کمزور تھا، متروک نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الخلاصہ میں ہے "یزید بن ابی زیاد الھاشمی عن مولاہ عبداللہ بن الحارث بن نوفل وابی جحیفہ" سے روایت کرتے ہیں اور اس سے روایت کرنے والے زائدہ بن قدامہ، ابوعوانہ اور ابن فضیل ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ شیعہ کے بڑے ائمہ میں سے ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ حافظ شمس الدین ذھبی کہتے ہیں کہ یہ صدوق ہے مگر اس کا حافظہ خراب ہے۔ مطین کہتے ہیں اس کا انتقال ۱۳۷ھ میں ہوا ہے۔ مسلم رحمہ اللہ نے اس کی روایت دوسرے راوی کے ساتھ ملا کر روایت کی ہے۔

(۱۰) ان میں سے ایک حدیث وہ بھی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ . . سے روایت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا عمرہ کرنے والا لبیک کہتا رہے گا، یہاں تک کہ حجر اسود کو چھولے۔ ترمذی رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے، حالانکہ اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ انصاری کوفی ہے۔ اس کے بارے میں ائمہ نے کلام کیا ہے۔ منذری ترغیب وترہیب میں لکھتے ہیں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ انصاری کوفی صدوق ہے، ثقہ ہے، اس کا حافظہ بہت زیادہ خراب تھا۔ جمہور نے بھی اس کے بارے میں یہی کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں خراب حافظہ والا ہے، بڑی غلطیاں کرتا ہے۔ اس کی احادیث میں مناکیر کی تعداد زیادہ ہے اس لیے ترک کیے جانے کا مستحق ہوا ہے۔ احمد اور یحییٰ نے اسے ترک کیا ہے۔
حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ انصاری کوفی قاضی ابوعبدالرحمٰن صدوق ہے، بہت زیادہ خراب حافظے والا ہے۔
الخلاصہ میں لکھتے ہیں ابوحاتم نے کہا ہے اس کا مقام صدق کا ہے۔ قضاء میں مشغول ہوا تو اس کا حافظہ خراب ہو گیا۔ نسائی کہتے ہیں قوی نہیں ہے۔ العجلی کہتے ہیں فقیہ تھا، صاحب سنۃ، جائز الحدیث ہے۔ امام ذھبی رحمہ اللہ الکاشف میں لکھتے ہیں احمد نے کہا ہے کہ برے حافظے والا تھا۔ ابوحاتم کہتے ہیں اس کا مقام صدق کا ہے (صدوق ہے)۔

(۱۱) اسی طرح واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث جو میراث ابن الملاعنہ سے متعلق ہے، اس کے بارے میں ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حسن ہے۔ حالانکہ اس کی سند میں عمرو بن رؤبۃ التغلبی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں 'فیہ نظر' (محل نظر ہے) ابوحاتم رازی سے ان کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا 'صالح الحدیث' ہے۔ کسی نے سوال کیا اس کی حدیث سے حجت قائم ہو سکتی ہے؟ فرمایا: نہیں، لیکن صالح ہے۔ الخطابی کہتے ہیں یہ حدیث اہل النقل کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔
امام بیھقی رحمہ اللہ کہتے ہیں امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ نے اس حدیث کو بعض مجہول راویوں کی وجہ سے ثابت نہیں مانا۔

(۱۲) ایک حدیث وہ بھی ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے میت کا بوسہ لینے سے متعلق مروی ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حالانکہ اس کی سند میں عاصم بن عبیداللہ بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم ہیں جس کے بارے کئی ائمہ نے کلام کیا ہے۔

(۱۳) ایک حدیث ابوصالح کی ابن عباس رضی اللہ عنہ . . . . سے ہے، عورتوں کا قبروں کی زیارت سے متعلق۔ اس کے بارے میں ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حسن ہے۔ مگر ان کی رائے محل نظر ہے۔ اس لیے کہ یہ ابوصالح باذان ہے، جسے باذا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولی ام ھانی رضی اللہ عنہ بنت ابی طالب کہا جاتا ہے۔ یہ وہی کلبی والا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔ ائمہ کی ایک جماعت نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے۔

ابن عدی کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ متقدمین میں سے کسی نے اس کو پسند کیا ہو۔ یحییٰ بن سعید القطان وغیرہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس کو پسند کیا ہے شاید کہ اسے ثقہ یا حجۃ کہا ہے۔ امام ذھبی رحمہ اللہ المیزان میں لکھتے ہیں باذام ابو صالح تابعی ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ کہتے ہیں باذام ثقہ نہیں ہے۔ ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ اکثر تفسیر روایت کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس نے اپنی مولیٰ ام ہانی اس کے بھائی علی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ان سے روایت کرنے والے مالک بن مغول، سفیان ثوری اور اس کا بھانجا عمار بن محمد ہیں۔ یحییٰ القطان کہتے ہیں میں نے اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا جس نے ابو صالح مولی ام ہانی کو ترک کیا ہو۔

محمد بن قیس، خبیب بن ابی ثابت سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہم باذان ابو صالح مولی ام ہانی کو دروغ زن کہتے تھے (دروغ زن فارسی میں جھوٹے کو کہتے ہیں۔ مترجم) زکریا بن ابی زائدہ کہتے ہیں امام شعبی ابو صالح کے پاس سے گزرتے تو اس کا کان پکڑ کر جھنجھوڑتے اور کہتے کہ تم قرآن کی تفسیر کرتے ہو حالانکہ تمہیں قرآن یاد نہیں۔ اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں ابو صالح جھوٹ بولتا تھا، میں نے اس سے جب بھی کچھ (قرآنی آیت سے متعلق) سوال کیا اس نے اس کی تغیر کر دی۔ ابن ادریس نے اعمش سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں ہم مجاہد کے پاس آتے تھے تو ابو صالح پر سے گزر ہوتا تھا، اس کے پاس چند لڑکے بیٹھے ہوتے تھے۔ ہمارے خیال میں اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔

ابن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے سنا وہ سفیان رحمہ اللہ سے نقل کر رہے تھے کہ کلبی نے کہا کہ مجھ سے ابو صالح نے کہا کہ میں نے جتنی حدیثیں تمہارے سامنے بیان کی ہیں وہ سب جھوٹی ہیں۔ مفضل بن مہلهل مغیرہ سے روایت کرتے ہیں، اس نے کہا ابو صالح کلبی کے ساتھ تھا اور بچوں کو سکھاتا (پڑھاتا تھا)۔ اس کی تفسیر کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں جب اس سے کلبی روایت کرتے ہیں تو وہ کچھ بھی نہیں ہوتا، عبدالحق کہتے ہیں یہ بہت زیادہ ضعیف ہے۔ ابوالحسن بن القطان نے اس کی اس بات کو ناپسند کیا ہے۔

(۱۴) ایک حدیث وہ بھی ہے جو عبداللہ بن مالک عن عقبۃ بن عامر بنالنذر فی المعصیۃ میں مروی ہے اس کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں حدیث حسن۔ حالانکہ اس کی سند میں عبیداللہ بن احر ہے۔ جس کے بارے میں متعدد ائمہ نے کلام کیا ہے۔ میں کہتا ہوں المنذری رحمہ اللہ ترغیب وترھیب میں لکھتے ہیں عبیداللہ کے بارے میں ابن معین رحمہ اللہ نے کہا کہ 'لیس بشیئ'۔ ابن حبان کہتے ہیں یہ اثبات سے موضوعات روایت کرتا ہے اور جب یہ علی بن زید سے روایت کرتا ہے تو بڑی تعجب خیز حدیثیں لاتا ہے۔ (غلط احادیث روایت کرتا ہے)۔

جب کسی سند میں عبیداللہ، علی بن زید اور قاسم بن عبدالرحمٰن جمع ہو جائیں تو پھر یہ حدیث لازماً ان کی بنائی ہوئی ہوتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دار قطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ قوی نہیں ہے۔ ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں ایسی حدیثیں لاتا ہے کہ ان میں اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔ خلاصہ میں بھی اسی طرح ہے۔

(۱۵) ایک حدیث شفعہ کے بارے میں حسن عن سمرہ ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں حسن صحیح اور یہی ان کا آخری فیصلہ ہے۔ جبکہ سمرہ سے حسن کا سماع میں ائمہ کا اختلاف ہے، جو پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اکثریت کی رائے ہے کہ حسن نے سمرہ سے صرف عقیقہ والی روایت سنی ہے۔ میں کہتا ہوں امام ترمذی رحمہ اللہ نے سمرہ سے حسن کی روایت کردہ متعدد احادیث کو حسن اور صحیح کہا ہے ان میں سے ایک روایت صلاۃ وسطیٰ کے بارے میں ہے اور ایک حدیث سکتتین (دو سکتوں) کی ہے۔ ایک حدیث غسل یوم الجمعہ ہے ایک حدیث "نهى عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئة" ہے۔ ایک حدیث "جار الدار احق بدار الجار"۔ ایک حدیث "لا تلاعنوا بلعنة الله ولا بغضب الله ولا بالنار"۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان احادیث کو صحیح کہا ہے مگر محدثین نے اس تصحیح کو قبول نہیں کیا ہے۔

(۱۶) اسی طرح عمر بن حرملہ کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ .... سے "باب ما يقول اذا شرب اللبن" میں ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ حالانکہ عمر بن حرملہ اسے ابن ابی حرملہ بھی کہا جاتا ہے، اس کے بارے میں ابو زرعہ رازی سے سوال ہوا تو انہوں نے کہا بصری ہے۔ میں اسے نہیں جانتا سوائے اس باب کے۔ اس حدیث کی سند میں علی بن زید بن جدعان ابو الحسن بصری ہے۔ اسے ائمہ کی ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے۔

(۱۷) اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ .... کی روایت ہے کہتے ہیں جب آیت "ما كان لنبى ان يغل" نازل ہوئی۔ اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں حسن ہے۔ حالانکہ اس کی سند میں خصیف ہے جسے ابن عبد الرحمٰن الجزری کہتے ہیں اس پر کئی ائمہ نے کلام کیا ہے۔ www.kitabosunnat.com

(۱۸) اسی طرح ایک حدیث کتاب الحمام میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے، جبکہ اس کی سند ابو یحییٰ القتات ہے۔ جس کا نام عبد الرحمٰن بن دینار ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ اس کا نام ذاذان ہے۔ کسی نے کہا عمران ہے، کسی نے کچھ اور بتایا ہے۔ اس پر بھی کئی ائمہ نے کلام کیا ہے۔

(۱۹) ایک حدیث کتاب اللباس میں سہل بن معاذ بن انس کی ہے۔ جس کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حسن ہے۔ حالانکہ سہل بن معاذ بصری ضعیف ہے۔ اور اس سے روایت کرنے والا ابو مرحوم عبد الرحیم بن میمون بصری بھی قابل حجۃ نہیں ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ المیزان میں لکھتے ہیں سہل بن معاذ بن انس الجهنی عن ابیہ کو ابن معین رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقات میں لکھا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ تخلیط اس کی طرف سے ہے یا اس کے ساتھی زبان بن فائد کی وجہ سے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲۰) ان احادیث میں سے ایک حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی ہے:

"مرعلى النبی ﷺ رجل علیه ثوبان احمران فسلم"

ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ حالانکہ اس کی سند میں ابو یحییٰ القتات ہے، وہ کوفی ہے، اس کی حدیث سے دلیل نہیں لی جاتی۔ ابو بکر البزار رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث ان الفاظ سے ہم نہیں جانتے کسی نے روایت کی ہو۔ سوائے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے اس کی سند صرف یہی ہے اور اس کو اسرائیل سے صرف اسحاق بن منصور نے روایت کیا ہے۔

(۲۱) ایک حدیث وہ ہے جو ابو عبیدہ یعنی ابن عبداللہ بن مسعود عن عبداللہ بن مسعود باب الامر والنھی میں مذکور ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے، جبکہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود کا اپنے باپ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔ لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔ حافظ (ابن حجر رحمہ اللہ) التقریب میں لکھتے ہیں راجح بات یہ ہے کہ ابو عبیدہ کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

(۲۲) ایک حدیث "عبداللہ بن محیریز عن فضالۃ بن عبید تعلیق ید السارق فی عنقه" کے تحت ہے۔ اس کے بارے میں ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے "حسن غریب لا نعرفه الا من حدیث عمر بن علی المقدمی عن الحجاج بن ارطاۃ"۔ نسائی کہتے ہیں "ضعیف لا یحتج بحدیثه" بہت سے دیگر ائمہ نے بھی یہی بات کی ہے۔

(۲۳) اسی طرح عبداللہ بن سراقہ عن ابی عبیدہ بن الجراح سے دجال سے متعلق حدیث ہے، جسے ترمذی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عبداللہ بن سراقہ کا سماع ابو عبیدہ سے معلوم نہیں ہے۔

(۲۴) ایک حدیث "عبیداللہ بن ابی رافع عن ابیه باب الصبی یولد فیؤذن فی اذنه" میں ہے، جسے ترمذی رحمہ اللہ نے حسن صحیح کہا ہے۔ جبکہ اس کی سند میں عاصم بن عبیداللہ بن عاصم بن عمر بن الخطاب ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس پر تنقید کی ہے۔ ابن معین نے کہا ہے کہ ضعیف لا یحتج بہ۔ دیگر محدثین نے بھی اس پر کلام کیا ہے۔ ابو حاتم محمد بن حبان البستی رحمہ اللہ نے کبھی ان پر اس حدیث اور دیگر احادیث کی رو سے تنقید کی ہے۔

حافظ التقریب میں لکھتے ہیں عاصم بن عبیداللہ بن عاصم بن عمر بن الخطاب العدوی المدنی ضعیف ہے۔ چوتھے درجے میں ہے۔ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں عفان، شعبہ کہتے تھے (اصل میں بھی عفان ہی ہے المیزان میں عاصم کی حالات زندگی میں بھی نہیں اور نہ عفان کی حالات زندگی ہیں۔ لہٰذا دیکھنا چاہیے کہ یہ کس حال کا ہے اور اس کا اصل کیا ہے۔ محمد رشید نے یہ لکھا ہے) عاصم بن عبیداللہ سے اگر تم یہ پوچھو کہ بصرہ کی مسجد کس نے بنائی ہے تو کہے گا "انبانا فلان عن فلان ان رسول اللہ ﷺ بناہ"۔

ابو زرعہ رحمہ اللہ اور ابو حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ منکر احادیث والا ہے۔ دار قطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ غلطیاں کرتا ہے، اس لیے ترک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا جاتا ہے۔ ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگرچہ یہ ضعیف ہے مگر اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ العجلی کہتے ہیں 'لا باس به' ابن خزیمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کے سوء حفظ کی وجہ سے میں اس سے دلیل نہیں لیتا۔

(۲۵) ایک حدیث اتباع الصید میں ابن عباس رضی اللہ عنہ والی ہے جس کے بارے میں ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ "حسن وفی اسنادہ ابو موسیٰ علیہ السلام عن وهب بن منبه ولا نعرفه"۔ حافظ ابو احمد الکرابیسی کہتے ہیں اس کی حدیث قائم (قابل اعتماد) نہیں ہوتی۔ حافظ التقریب میں لکھتے ہیں ابو موسیٰ علیہ السلام عن وھب بن منبہ مجہول ہے۔ السادہ میں ہے۔ ایک حدیث عامر یعنی شعبی کی ہے:

"قال اخبرني عروة بن مفرس الطائي قال اتيت رسول الله ﷺ بالموقف يعني مجمع (مزدلفه) قلت جئت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم من جبلي طيء۔۔۔"

ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں حسن صحیح اور یہی ان کا آخری کلام ہے۔ جبکہ علی بن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں عروہ بن مفرس سے شعبی رحمہ اللہ نے روایت نہیں لی ہے۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں میں نے بھی سنن ابی داؤد میں تلاش کیا تو اس میں یہ روایت ہے "اسماعيل انبأنا عامر اخبرني عروة بن مفرس" میں نے سنن ترمذی رحمہ اللہ دیکھی تو اس میں بھی "عن داؤد بن ابي هند و اسماعيل بن ابي خالد و زكريا بن ابي زائده عن الشعبه عن عروة بن مفرس ابن اوس بن حارثه بن لام الطائي" ہے۔

(۲۶) ایک حدیث ذکاۃ الجنین سے متعلق ابو سعید رضی اللہ عنہ کی ہے جس کے بارے میں ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے حدیث حسن اور یہی ان کا آخری کلام ہے (آخری رائے ہے)۔ جبکہ اس کی سند میں مجالہ بن سعید الھمدانی ہے جس کے بارے میں متعدد محدثین نے کلام کیا ہے۔

(۲۷) ایک حدیث ابی واقد کی ہے "صيد قطع منه قطعة" میں ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ جبکہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار المدینی ہے۔ جس کے بارے میں یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے کہا ہے "في حديثه ضعف"۔ ابو حاتم الرازی کہتے ہیں "لا يحتج به"۔ ابن عدی کہتے ہیں "هو في مجلة من يكتب حديثه من الضعفاء" یہ ان ضعفاء کے زمرے میں شامل ہے جن کی احادیث لکھی جاتی ہیں۔ خلاصہ میں بھی اسی طرح ہے۔

(۲۸) ایک حدیث سلیمان بن یسار عن سلمان بن صخر البیاضی رضی اللہ عنہ کی الظہار کے بارے میں ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں میرے نزدیک سلیمان بن یسار نے سلامہ صخر سے نہیں سنا۔ مزید فرماتے ہیں یہ حدیث مرسل ہے۔ سلیمان بن یسار نے سلمہ بن صخر کو نہیں پایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲۹)ایک حدیث قیس بن طلق عن ابیہ رضی اللہ عنہ ہے۔ سحری کے بارے میں ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حسن غریب ہے۔ حالانکہ اس قیس کے بارے میں متعدد ائمہ نے کلام کیا ہے۔

(۳۰)ایک حدیث یونس بن عبید مولیٰ محمد بن القاسم کی ہے کہتے ہیں مجھے محمد بن القاسم نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔۔۔ باب الرایات والاولویہ۔ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں "حسن غریب لا نعرفه الا من حديث ابن ابی زائدہ" اور یہی ان کی آخری رائے ہے۔ جبکہ اس میں ابو یعقوب الثقفی کوفی ہے۔ ابن عدی الجرجانی کہتے ہیں اس نے ثقات سے ایسی روایتیں لی ہیں کہ جن پر اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔ فرماتے ہیں اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ المیزان میں لکھتے ہیں اسحاق بن ابراہیم الثقفی الکوفی ابن المنکدر اور ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں اور اس سے ابو نعیم وغیرہ نے روایتیں لی ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں یہ ثقات سے ایسی روایتیں لیتا ہے جن پر اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔

ترمذی رحمہ اللہ کی اور بھی روایات ہیں جنہیں انہوں نے صحیح یا حسن کہا ہے مگر وہ صحیح اور حسن کہلانے کی مستحق نہیں ہیں۔ ان میں سے (۳۱)ایک حدیث:

"اسماعيل بن عبيد بن رفاعه بن رافع الزرقی عن ابيه عن جده ان التجار يبعثون فجاراً الا من اتقى الله وبر"

"قیامت میں تاجر گناہ گار بن کر اٹھائے جائیں گے سوائے ان کے جو اللہ سے ڈر گئے اور نیکی کرتے رہے۔"

مجھے نہیں معلوم کہ اس سے عبداللہ بن عثمان ابن خثیم کے علاوہ کسی نے روایت کی، مگر ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

(المیزان، للذہبی)

(۳۲)اس طرح امام ترمذی رحمہ اللہ نے جمیع بن عمیر التیمی کی حدیث کو حسن کہا ہے حالانکہ اس میں شدید کلام ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ المیزان میں لکھتے ہیں ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ رافضی تھا، حدیثیں وضع کرتا تھا۔ ابن نمیر کہتے ہیں یہ سب سے زیادہ جھوٹا آدمی تھا۔ الکراکی کہتے ہیں اس نے بہت سی بے بنیاد احادیث بیان کیں مگر ان کو کسی نے نہیں لیا۔ ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی اکثر روایات پر اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔

(۳۳)ان احادیث میں سے حفص بن عبداللہ عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی ہے۔ جو "النهی عن التختم بالذهب" میں مذکور ہے۔ یہ حفص اللیثی ہے، مجھے نہیں معلوم کہ اس سے ابی التیاح کے علاوہ کسی نے روایت کی ہو۔ لہٰذا یہ مجہول ہوا۔ (امام ذہبی المیزان)

(۳۴)ایک حدیث حنظلہ السدوسی البصری کی ہے "ينحنی بعضنا بعض" (کیا ہم میں سے کوئی شخص دوسرے کے آگے جھک سکتا ہے؟)

یحیٰی القطان کہتے ہیں یہ بہت غلطیاں کرتا تھا میں نے اس کو قصداً چھوڑ دیا ہے۔ امام احمد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ منکر حدیث والا ہے، عجیب احادیث بیان کرتا تھا۔ ابن معین کہتے ہیں 'لیس بشیئ، تغیر فی آخر عمرہ' نسائی کہتے ہیں 'لیس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بقوی' اور کہا ہے 'ضعیف'۔ (المیزان، للذہبی)

(۳۵) ایک حدیث "صلاۃ فی مسجد قباء" کی ہے جس کی سند میں ابو الابرد عن ایس بن ظہیر ہے اور یہ منکر احادیث والا ہے۔ اس سے روایت کرنے والا صرف عبدالحمید بن جعفر ہے۔

(۳۶) اسی طرح ایک حدیث عدت کے بارے میں فریعہ والی روایت بھی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں زینب بنت کعب بن عجرہ سے سعد بن اسحاق کے علاوہ کسی نے بھی "الفریعۃ فی العدۃ" روایت نہیں کی۔

ابن حزم کہتے ہیں یہ مجہول ہے، ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا حدیث بیان کرنا صحیح ہے (بعض نے اس عورت کو صحابہ میں شمار کیا ہے، جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ہے (محمد رشید رضا))

(۳۷) ایک حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے "لا تتخذوا لضیعۃ فترغبوا فی الدنیا"۔ ترجمہ: دنیاوی مال اسباب مت اپناو ورنہ دنیا کے شوق میں مبتلا ہو جاوگے۔ ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس کی سند میں سعد بن الاحزم الطائی الکوفی ہے اور وہ مجہول ہے اس کا تذکرہ امام ذہبی نے المیزان میں کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے روایت کرنے والا صرف اس کا بیٹا مغیرہ ہے۔

(۳۸) ایک حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"قال قال رسول اللہ ﷺ اذا کان غداۃ الاثنین فاتنی انت وولدك"

ترجمہ: پیر کے دن صبح تم بھی آجاو اور اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لے آو۔

ترمذی رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ "حدیث حسن غریب لا نعرفه الا من هذا الوجه"۔ (حسن غریب ہے اور اس سند کے علاوہ ہم اسے نہیں جانتے)۔ حالانکہ عبدالوہاب ابن عطاء کی روایت پر یہ حدیث منکر قرار دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ ابن معین نے کہا ہے کہ یہ موضوع ہے۔ (الخلاصہ میں بھی یہی ہے)۔

(۳۹) ایک حدیث:

"عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول اللہ ﷺ من سبح مائة بالغداۃ ومائة بالعشی کان کمن حج حجة"

"جس نے سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کو سبحان اللہ پڑھ لیا وہ ایسا ہے جیسے اس نے ایک حج کر لیا ہو"

امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے محمد بن وزیر سے روایت کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے مگر کچھ بھی نہیں کیا۔

(۴۰) ایک حدیث تخلیل اللحیۃ میں عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن اور صحیح کہا ہے حالانکہ اس کی سند میں عامر بن شقیاق ہے جسے ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں 'لیس بالقوی'۔ نسائی کہتے ہیں 'لیس به بأس'۔ (المیزان)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راجح قول یہی ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں 'لین الحدیث'۔ احمد کہتے ہیں داڑھی میں خلال سے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں نبی ﷺ سے تخلیل اللحیہ میں کچھ ثابت نہیں ہے۔

ایک حدیث انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ "ان النبی ﷺ یتوضأ لکل صلاۃ" (نبی ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے)۔ اس کی سند میں سلمہ بن الفضل الابرش اور جو الری رحمہ اللہ کا قاضی رحمہ اللہ اور ابن اسحاق رحمہ اللہ سے مغازی روایت کرنے والا ہے۔ اس کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ ابن راھویہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی بعض احادیث منکر ہیں۔ نسائی کہتے ہیں ضعیف ہے۔ ابن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں ہم نے الرای سے کچھ نہیں لیا یہاں تک کہ ہمیں سلمہ کی روایت دے دی گئی۔

ابو حاتم کہتے ہیں 'لا یحتج به' ابو زرعہ کہتے ہیں اس کی سوء رائے اور ظلم کی وجہ سے محدثین اس میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ (المیزان میں بھی یہی لکھا ہے)۔ التقریب میں حافظ لکھتے ہیں سلمہ بن الابرش مولی انصار قاضی الرای صدوق کثیر الخطا۔ اسی طرح اس کی سند میں حمید ہے وہ بھی مدلس ہے اور یہ روایت اس نے معنعن بیان کی ہے۔ اس میں محمد بن اسحق ہے وہ بھی مدلس ہے اور اس نے یہ روایت معنعن بیان کی ہے۔

یہ پورا کلام امام ترمذی رحمہ اللہ کی صحیح اور حسن قرار دینے والی احادیث سے متعلق تھا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی تصحیح یا حسن قرار دی گئی حدیث قبولیت کے لائق ہوتی ہے تو عطیہ کی روایت پھر بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے کہ اس میں علت قادحہ ہے۔ تنقیح الانظار میں ہے۔ یاد رکھو تصحیح دو قسم کی ہے۔

1 کوئی حافظ جو (الزامات سے) محفوظ ہو اور پسندیدہ مانا جاتا ہو وہ اس کی صحت کی صراحت کرے تو یہ تصحیح قبول کی جائے گی۔ اس لیے کہ خبر واحد کی قبولیت پر اجماعت ہے۔ الا یہ کہ صحتِ حدیث میں علت قادح ہو۔ مثلاً راوی فاسق ہو اور یہ علت اس پر مخفی رہی ہو، اسے صحیح قرار دے رہا ہے یا راوی بہت زیادہ غفلت والا ہو یا اور کوئی اس طرح کی علت ہو جو قبول ثقات سے مانع ہوتی ہے۔

توضیح الافکار میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی عادل کہے کہ حدیث صحیح ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ اس حدیث پر عمل کیا جائے جب تک اس کا معارض مانع نہ ہو۔ عطیہ عوفی کی حدیث کو ضعیف قرار دینے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے دو منکر حدیثیں مروی ہیں جو بہت زیادہ ضعیف ہیں یہاں تک کہ انہیں موضوع تک کہا گیا ہے۔ اور ان کی سندوں کے تمام رجال ثقہ ہیں سوائے عطیہ کے تو یہ حدیثیں اس کی پیدا کی گئی مصیبت میں سے ہیں۔

پہلی حدیث ہے جسے امام ذھبی رحمہ اللہ نے المیزان میں حکم بن فضیل کے حالات زندگی میں ذکر کی ہے جس کی عبارت ہے:

"حدثنا القاسم بن زکریا بن سوید انبأنا الحکم بن فضیل حدثنا عطیة عن ابی سعید مرفوعاً۔ الیدان جناح والرجلان برید والاذنان قمع والعینان دلیل واللسان ترجمان والطحال ضحك والرئة نفس والکلیتان مکر و

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الکبر رحمة والقلب ملك فاذا فسد الملك فسد جنوده"

"ہاتھ پر ہیں، پاؤں قاصد ہیں، کان ذریعہ اور راستہ ہیں، آنکھیں رہنما ہیں، زبان ترجمان ہے، تلی فنی ہے، پھیپھڑا سانس ہے، گردے مکر ہیں، جگر رحمت ہے، دل بادشاہ ہے، جب بادشاہ خراب ہو جاتا ہے تو فوج خراب ہو جاتی ہے"

میں کہتا ہوں اسے ابو داؤد نے ثقہ کہا ہے اور عطیہ واہی ہے۔ خطیب کہتے ہیں حکم بن فضیل واسطی سکن المدائن جسکی کنیت ابو محمد ہے۔ سیار ابی الحکم اور یعلی بن عطاء سے روایت کرتا ہے اس سے عاصم بن علی محمد بن ابان الواسطی روایت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ عبادت گزار تھا۔ اور یہی ذھبی کے آخری الفاظ ہیں (اس کے بارے میں)۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کا ضعف حکم بن فضیل کی وجہ سے نہیں بلکہ عطیہ کی وجہ سے ہے۔

دوسری حدیث جسے امام ذھبی نے المیزان میں ذکر کیا ہے سلام بن سلیمان ابن سوار کے حالات زندگی میں اس کی عبارت اس طرح ہے:

"اخبرنا عبد الرحمٰن بن مخلد بن كنانه اخبرنا عبد الصمد بن محمد سنة تسع وستمائة انبانا عبد الكريم بن حمزه انبأنا عبد العزيز بن احمد انبانا تمام انبانا عبد الرحمٰن بن عبد الله بن عمر بن راشد حدثنا يزيد بن محمد بن عبد الصمد حدثنا سلام بن سليمان حدثنا فضيل بن مرزوق عن عطية العوفي عن ابي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم السبت يوم مكر وخديعة ويوم الاحد يوم غراس و بناء ويوم الاثنين يوم سفر ويوم الثلاثاء يوم حديد وبأس ويوم الاربعاء يوم الاخذ والاعطاء ويوم الخميس يوم طلب الحوائج ودخول السلطان ويوم الجمعة يوم خطبة ونكاح"

"ہفتہ کا دن مکر اور دھوکے کا دن ہے۔ اتوار کا دن شادی بیاہ کا ہے، پیر کا دن سفر کا ہے، منگل کا دن جنگ کا ہے، بدھ کا دن لینے دینے کا ہے۔ جمعرات کا دن ضروریات طلب کرنے اور بادشاہ کے پاس جانے کا ہے۔ جمعہ کا دن خطبہ اور نکاح کا دن ہے۔ نسائی نے الکنی میں لکھا ہے انبانا العباس رضی اللہ عنہ بن الولید حدثنا سلام بن سلیمان ثقہ مدائنی ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں سلام بن سلیمان کی اکثر روایتیں اچھی ہوتی ہیں۔ مگر ان پر اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔ میزان میں بھی اسی طرح ہے۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث میں خرابی سلام بن سلیمان کی وجہ سے نہیں بلکہ عطیہ کی وجہ سے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ فضیل بن مرزوق ان لوگوں میں سے ہے جن میں اختلاف ہے۔ امام ذھبی المیزان میں فرماتے ہیں نسائی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ اسی طرح عثمان بن سعید نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ شیعہ مشہور تھا البتہ (صحابہ کو) گالیاں نہیں دیتا تھا۔ ابو عبد اللہ الحاکم کہتے ہیں "فضیل بن مرزوق لیس من شرط الصحیح" مسلم نے ان کو صحیح میں رکھا ہے تو اس کی وجہ سے امام مسلم کی بات کو معیوب کہا گیا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں بہت منکر حدیث والا ہے۔ ثقات پر غلطیاں کرتا تھا اور عطیہ سے موضوع روایات لیتا تھا۔ میں کہتا ہوں عطیہ اس سے زیادہ ضعیف ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں جب یہ ثقات کی موافقت کرتا ہے تو اس کی حدیث لی جاتی ہے۔ احمد بن ابی خیثمہ نے ابن معین کی بات نقل

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ انہوں نے ضعیف کہا ہے۔
المیزان میں ہے کہ فضیل بن مرزوق الرقاشی یہ پہلا شخص ہے جس نے عطیہ سے روایت کیا ہے اور ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں صدوق ہے۔ اس کو بہت وہم ہوتا تھا اس کی حدیث لکھی جاتی تھی 'لا یحتج به'۔ تہذیب میں بھی اسی طرح ہے۔ الحافظ التقریب میں لکھتے ہیں صدوق ہے وہم ہوتا تھا۔ اور شیعہ تھا اس کے بارے میں راجح قول وہی ہے جو ابن عدی کا ہے کہ جب یہ ثقات کی موافقت کرتا ہے تو اس کی دلیل لی جاتی ہے۔ اس کی اس روایت میں کوئی اس کی متابعت نہیں کر رہا اور جو اس کا دعویٰ کرتا ہو وہ وضاحت کرے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس کی سند میں فضل بن موفق عن مسعر ہے اسے ابوحاتم نے ضعیف کہا ہے۔ میزان، ترغیب وترہیب، الکاشف اور تلخیص میں بھی اسی طرح ہے۔ اگر کوئی سوال کرے کہ اسے ابن حبان نے ثقہ کہا ہے جیسا کہ منذری نے ترغیب و ترہیب میں کہا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ابن حبان اگر اکیلا توثیق کرے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ امام ذھبی المیزان میں عمارہ بن حدیج کے حالات زندگی میں لکھتے ہیں ابن حبان کا اس کا ثقات میں ذکر کرنا معتبر نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ غیر معروف لوگوں سے دلیل (حدیث) لینے میں مشہور ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ زیادہ شبہ اس بات کا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ امام ذہبی المیزان میں عبداللہ بن صالح بن مسلم العجلی الکوفی کے حالات میں لکھتے ہیں۔ اس کی ایک روایت:

"فضیل بن مرزوق عن عطیة عن ابی سعید عن النبی ﷺ قال: اذا خرج الرجل من بیته قال اللھم بحق السائلین علیك وبحق ممشای"

"اے اللہ! تجھ سے سوال کرنے والوں کا واسطہ اور میرے چلنے کا واسطہ۔ ابونعیم نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اس نے یہ حدیث فضیل سے روایت کی ہے۔ مگر اس کو مرفوع نہیں کہا۔ ابوحاتم کہتے ہیں اس کی موقوف روایت حجت نہیں ہے۔"

پانچویں بات یہ ہے کہ عطیہ مدلس ہے اور یہ حدیث اس نے عنعنہ کے ساتھ بیان کی ہے۔ لہٰذا قابل قبول نہیں ہے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ حافظ ابن حجر نے تخریج الاذکار کے "کتاب الصلاة لابی نعیم عن فضیل عن عطیة قال حدثنی ابو سعید" پھر یہ حدیث ذکر کی ہے، مگر اس کو مرفوع نہیں کیا اس طرح ابن عطیہ عوفی کی تدلیس رفع ہو جاتی ہے۔

جواب: میں کہتا ہوں ابن عطیہ کی تدلیس رفع نہیں ہوتی، اس لیے کہ ابن عطیہ محمد بن السائب الکلبی کو ابوسعید کی کنیت سے ذکر کرتا ہے اور جب ان سے روایت لیتا ہے تو کہتا ہے حدثنی ابوسعید اور یہ اس لیے کرتا ہے تاکہ سننے والوں کو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ باور کروائے۔ اس طرح یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں ہے۔

اب اس حدیث کے ضعف میں شک نہیں ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ "ترغیب و ترھیب فی المشی الی المساجد" میں علامہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منذری نے یہ حدیث لفظ روی سے شروع کی ہے اور آخر میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے اور یہ دونوں باتیں ان کے نزدیک ضعیف سند پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ دیباچہ میں انہوں نے لکھا ہے۔ امام نووی نے الاذکار میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ لہٰذا احمد دحلان کا دعویٰ کہ سند صحیح کے ساتھ مروی ہے باطل ہو گیا۔

شیخ دحلان: مذکورہ حدیث کو ابن السنی نے صحیح سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن جناب بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج۔۔۔"

شیخ بشیر: اس سند کو صحیح کہنا واضح اور بڑی غلطی ہے۔ اس لیے کہ یہ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ امام نووی الاذکار میں لکھتے ہیں یہ حدیث ضعیف ہے اور وجہ یہ لکھی ہے کہ اس کی سند میں وازع بن نافع العقیلی ہے۔ جس کے ضعف پر اتفاق ہے۔ یہ منکر احادیث والا ہے۔

حافظ ابن حجر شرح الاذکار میں اس حدیث کی انہیں الفاظ سے تخریج کرنے کے بعد لکھتے ہیں "حدیث واہ" اسے دار قطنی نے اس سند سے افراد میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں الوازع متفرد ہے۔ اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔ وہ منکر احادیث والا ہے۔ حافظ کہتے ہیں اس کے بارے میں اس سے بھی زیادہ سخت اقوال ہیں۔ ابن معین اور نسائی کہتے ہیں 'لیس بثقة' ابو حاتم اور دیگر محدثین کہتے ہیں 'متروک'۔ حاکم کہتے ہیں اس نے موضوع احادیث روایت کی ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی تمام احادیث غیر محفوظ ہیں۔ حافظ کہتے ہیں یہ حدیث مضطرب ہے۔ اس لیے کہ ابو نعیم نے اسے الیوم واللیلہ میں عن سالم بن عمر عن بلال روایت کی ہے۔ جبکہ پہلی سند میں عن ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن عن جابر بن عبد اللہ عن بلال ہے۔ حافظ کہتے ہیں اس پر اس کی متابعت نہیں ہوتی ہے۔ فتوحات ربانیہ میں بھی یہی ہے۔

ابی حاتم کی کتاب الجرح والتعدیل میں لکھا ہے الوازع بن نافع العقیلی مدینہ کا تھا۔ جزیرہ میں رہتا تھا۔ سالم بن عبد اللہ اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے روایت کرتا ہے اور اس سے روایت کرنے والے اہل جزیرہ ہیں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے جو ثقات سے موضوع احادیث روایت کرتے ہیں اس کی روایتیں کم ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اس نے عمداً نہیں کیا بلکہ اس کی کثرت وھم کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔ لہٰذا اس سے حدیث لینا باطل ہوا۔ اس لیے کہ یہ ثقات سے وہ حدیثیں روایت کرتا ہے جو ان کی نہیں ہوتیں حنبلی نے احمد بن زہیر سے اس نے یحییٰ بن معین سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں وازع بن نافع ثقہ نہیں ہے۔ پھر انہوں نے اس کی احادیث نقل کی ہیں، جن میں سے کچھ موضوع ہیں اور کچھ مقلوب ہیں۔ فتوحات ربانیہ میں بھی اسی طرح ہے۔

امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں وازع بن نافع العقیلی الجزری ابو سلمہ اور سالم بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے علی بن ثابت، بقیہ اور دیگر لوگ روایت کرتے ہیں۔ ابن معین کہتے ہیں 'لیس بثقة'۔ امام بخاری کہتے ہیں یہ منکر احادیث والا ہے۔ نسائی کہتے ہیں متروک ہے اور کہا ہے کہ ثقہ نہیں ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں وازع کی اکثر روایات غیر محفوظ ہوتی ہیں۔ دار قطنی اپنی سنن میں کہتے ہیں وازع بن نافع ضعیف الحدیث ہے۔ ھیثمی مجمع الزوائد میں کہتے ہیں یہ ضعیف ہے۔ یہ متروک ہے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے ضعف پر اجماع ہے۔

شیخ دحلان: توسل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جو منقول ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ اپنی بعض دعاؤں میں کہتے تھے "بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی۔۔۔" یہ طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ وہ حدیث طبرانی نے الکبیر اور اوسط میں ابن حبان

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے اور حاکم نے روایت کی ہے اور انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے۔

شیخ بشیر: الھیثمی مجمع الزوائد میں لکھتے ہیں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں جب فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد بن ہاشم (یعنی) علی بن ابی طالب کی ماں فوت ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اس کے سرہانے بیٹھ کر کہا "اے میری ماں! تجھ پر اللہ رحم کرے۔ تم میری ماں کے بعد میری ماں تھیں۔ تم بھوکی رہتی تھی اور مجھے سیر کر کے کھلاتی تھی، خود پہننے کے بجائے مجھے پہناتی تھی، خود اچھا نہیں کھاتی تھی بلکہ مجھے کھلاتی تھی اور اس سے آپ کی نیت اللہ کی رضا اور آخرت تھی۔" پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے تین مرتبہ غسل دیا جائے پھر اس پانی کی باری آئی جس میں کافور ڈالی گئی تھی، تو آپ ﷺ نے اس کو اپنے ہاتھ سے ڈالا پھر اپنی قمیض اتار کر انہیں پہنائی اور اسے اپنی چادر کا کفن دیا۔ پھر اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے اسامہ بن زید، ابو ایوب انصاری، عمر بن الخطاب اور ایک کالے غلام کو بلایا۔ انہوں نے اس کی قبر کھودی، جب وہ لوگ لحد تک پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کھودا اور مٹی اپنے ہاتھ سے نکالی۔ جب اس کام سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ اس قبر میں لیٹ گئے، پھر فرمایا اللہ کی ذات ہی ہے جو ہمیشہ زندہ ہے اسے موت نہیں آتی اور وہی زندگی اور موت دینے والی ذات ہے۔ اے اللہ! مجھے اور میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے۔ اس کو یاد کرا دے اس کے جوابات (منکر نکیر کے سوالات کے) اس کی قبر اس کے لیے کشادہ کر دے۔ تیرے نبی ﷺ اور مجھ سے قبل کے انبیاء کے وسیلے سے بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہی (جنازہ پڑھایا) عباس رضی اللہ عنہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہما نے اسے لحد میں اتارا (طبرانی فی الکبیر الاوسط)۔ اس میں روح بن صلاح ہے جسے ابن حبان اور حاکم نے ثقہ کہا ہے جبکہ اس میں ضعف ہے۔ اس کے بقیہ رجال صحیح ہیں۔

امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں روح بن صلاح المصری کو ابن سابہ کہا جاتا ہے، اسے ابن عدی نے ضعیف کہا ہے۔ اسے ابو الحارث کہا جاتا ہے۔ اسے ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ حاکم کہتے ہیں 'ثقہ مامون' معلوم ہوا کہ اس کی سند میں روح بن صلاح المصری ہے اور وہ ضعیف ہے۔ ابن عدی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ رجال میں جو کلام کیا جاتا ہے اس میں یہ معتدل قسم کا کلام ہے۔ جیسا کہ السخاوی نے فتح المغیث میں لکھا ہے۔

ابن حبان کا اس کو ثقہ کہنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ غیر معروف لوگوں سے احادیث لینے میں ابن حبان کا قاعدہ مشہور ہے جیسا کہ میزان میں موجود ہے اور اس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح حاکم کے ثقہ اور صحیح قرار دینے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ درگزر کی قسم میں سے ہے۔ سخاوی کہتے ہیں ان میں سے ایک قسم درگزر اور سستی کرنے والوں کی ہے۔ جیسے ترمذی رحمہ اللہ اور حاکم وغیرہ۔

سیوطی تدریب الراوی میں کہتے ہیں کہ یہ متساہل ہے اس نے جن احادیث کو صحیح کہا ہو اور قابل اعتماد محدثین نے اس کو نہ صحیح نہ ضعیف کہا ہو تو ہم اس پر حسن کا حکم لگاتے ہیں۔ جب تک کہ اس کو ضعیف بنانے والی کوئی علت ظاہر نہ ہو جائے۔ بدر بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جماعۃ کہتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ یہ تلاش کرتا ہے اور حکم لگاتا ہے جو بھی حسن، ضعف یا صحت کے لائق ہو۔ العراقی نے بھی اس بات کی موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا حدیث پر حسن کا حکم لگانا زبردستی کا حکم ہے۔ کہتے ہیں کہ البتہ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ تصحیح کا کام اس دور میں منقطع ہو گیا ہے۔ کسی کو زیب نہیں دیتا کہ اسے صحیح کہے۔ اسی لیے اس کی وضاحت پر نظر نہیں جا سکی۔

مصنف پر تعجب ہوتا ہے کہ اس نے یہاں اس کی موافقت کیسے کر لی جبکہ بنیادی مسئلے میں اس کی مخالفت کرتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اس بارے میں ابی امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے جس میں الفاظ ہیں:

"اسألك بنور وجهك الذی اشرقت له السموات والارض وبكل حق هولك وبحق السائلین علیك"

(طبرانی فی الکبیر)

الھیثمی مجمع الزوائد میں کہتے ہیں اس میں فضالہ بن جبیر ہے اور اس کے ضعف پر اجماع ہے۔ امام ذھبی المیزان میں لکھتے ہیں فضالہ بن جبیر ابو المھند الغدانی صاحب امامہ کے بارے میں ابن عدی کہتے ہیں اس کی اکثر احادیث غیر محفوظ ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں اس کی حدیث سے کسی بھی حالت میں دلیل لینا جائز نہیں ہے۔ یہ ایسی احادیث روایت کرتا ہے جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ کنانی نے ابو حاتم الرازی سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں یہ ضعیف الحدیث ہے۔

اس باب میں ایک حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ... کی بھی ہے جس کے الفاظ ہیں "سالت النبی ﷺ عن الكلمات التی تلقاها آدم من ربه" میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کلمات کے بارے میں پوچھا جو آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے سیکھے تھے تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ انہوں نے محمد ﷺ، علی، فاطمہ اور حسن و حسین کے وسیلے سے دعا کی تھی۔ (اللہ تعالی نے ان کلمات کا ذکر قرآن میں کر دیا ہے جو آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے حاصل کیے تھے اور دونوں آدم و حواء نے دعا کی تھی "ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين") اور اس رافضی مجوسی کی وضع کردہ روایت سے یہ روایت زیادہ قوی ہے)۔ (محمد رشید رضا)

دار قطنی کہتے ہیں عمرو بن ثابت اس میں متفرد ہے۔ یحیٰی کہتے ہیں یہ نہ ثقہ ہے نہ مامون ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں یہ موضوع احادیث روایت کرتا ہے، شوکانی کی الفوائد المجموعہ میں بھی یہی لکھا ہے۔ امام ذھبی المیزان میں لکھتے ہیں عمرو بن ثابت ابی المقدام بن ھرمز الکوفی جس کی کنیت ابو ثابت ہے ابن معین نے کہا ہے 'لیس بشیئ' ایک جگہ کہا ہے کہ 'لیس بثقة ولا مامون'۔ نسائی کہتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں یہ موضوعات روایت کرتا ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں رافضی ہے۔ بخاری کہتے ہیں محدثین کے نزدیک یہ قوی نہیں ہے۔ ھناد کہتے ہیں میں نے اس سے بہت سی حدیثیں لکھیں پھر مجھے معلوم ہوا کہ یہ حبان بن علی کے پاس تھا۔ مجھے اس آدمی نے بتایا جس نے اس کو یہ کہتے سنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سوائے چار آدمیوں کے باقی سب کافر ہو گئے تھے (نعوذ باللہ)۔ حبان سے کسی نے کہا کہ کیا آپ اس کی بات کی تردید نہیں کر رہے؟ تو حبان نے کہا کہ یہ ہمارے ساتھ اٹھتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیٹھتا ہے (ہم مجلس ہے)۔ جب عمرو نے یہ بات کی تو حبان شرمندہ ہوا۔

ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں عمرو بن ثابت سے حدیثیں بیان مت کرو یہ سلف کو گالیاں دیتا تھا۔ الفلاس کہتے ہیں میں نے عبدالرحمٰن سے عمرو بن ثابت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس سے حدیث بیان کرنے سے انکار کر دیا۔ معاویہ بن صالح یحییٰ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ عمرو بن ثابت اپنی حدیث میں جھوٹ نہیں بولتا۔ الآجری کے سوالات میں ہے کہ ابوداؤد سے عمرو بن ثابت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا رافضی خبیث ہے۔ اسماعیل بن ابی سفیان نے بھی ان سے اسی طرح روایت کی ہے۔

شیخ دحلان: جن احادیث میں وسیلے (کے جواز) کا ذکر آیا ہے ان میں سے ایک روایت وہ ہے جسے ترمذی، نسائی، بیھقی اور طبرانی نے صحیح سند سے عثمان بن حنیف مشہور صحابی سے روایت کیا ہے کہ (نابینا پن کی) تکلیف میں مبتلا شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ اللہ کے رسول اللہ! میرے لیے دعا کریں کہ مجھے اس تکلیف سے اللہ نجات دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں دعا کر لیتا ہوں اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے۔ اس نے کہا میرے لیے دعا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھی طرح وضو کر اور یہ دعا پڑھ:

"اللهم انی اسئلك۔۔۔۔"

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری طرف تیرے نبی محمد نبی الرحمت کے واسطے سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنی حاجت پوری کروانے کے لیے۔ اے اللہ! محمد ﷺ کی شفاعت میرے بارے میں قبول فرما۔

(اس نے دعا کی) تو اس کی نظر واپس آگئی۔ اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کو پکارنا اور ان کا وسیلہ لینا جائز ثابت ہوا۔

شیخ بشیر: اس کی سند میں ابو جعفر ہے۔ اگر یہ عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ماہان ابو جعفر الرازی التیمی ہے جیسا کہ التقریب میں ابن حجر نے لکھا ہے تو اسے اکثر نے ضعیف کہا ہے۔

امام ذھبی المیزان میں لکھتے ہیں عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ماھان الرازی صالح الحدیث ہے۔ اس نے شعبی عطاء ابن ابی رباح قتادہ اور دیگر لوگوں سے روایت کیا ہے۔ بصرہ میں پیدا ہوا۔ ری میں رہتا تھا اس سے روایت کرنے والوں میں اسکا بیٹا عبداللہ اور ابو نعیم، ابو احمد زبیری، علی بن الجعد اور دیگر لوگ ہیں۔ ابن معین کہتے ہیں ثقہ ہے، احمد اور نسائی کہتے ہیں 'لیس بالقوی'۔ ابو حاتم کہتے ہیں صدوق۔ ابن المدینی کہتے ہیں ثقہ ہے۔ خلط کرتا تھا۔ ایک جگہ کہتے ہیں "یکتب حدیثه الا انه یخطیٔ" اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ البتہ یہ غلطیاں کرتا ہے۔

الفلاس کہتے ہیں سیئ الحفظ ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں مشاہیر سے منکر روایات لینے میں متفرد ہے۔ ابو زرعہ کہتے ہیں بہت وہم کرتا ہے۔ حاتم بن اسماعیل ھاشم ابو النضر اور حجاج بن محمد وغیرہ ابو جعفر الرازی کے ذریعے ربیع بن انس عن ابی العالیہ عن ابی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہریرۃ یا کسی اور کے واسطے سے نبی ﷺ سے معراج کی طویل حدیث روایت کرتے ہیں۔ جس میں منکر الفاظ ہیں۔ حافظ ابن حجر التقریب میں رازی تمیمی کے حالات زندگی میں لکھتے ہیں ابو جعفر الرازی التمیمی ان کا مشہور آزاد کردہ غلام ہے۔ جو کنیت سے مشہور ہے۔ اس کا نام عیسیٰ بن ابی عیسیٰ بن ماہان ہے۔ یہ مرو کا تھا اور رے کی طرف تجارت کرتا تھا۔ صدوق ہے سيئ الحفظ ہے۔ خاص کر مغیرہ سے۔ ساتویں درجے کے کبار میں سے ہے۔ ۱۶۰ھ میں انتقال ہوا۔ الکاشف میں ہے ابو جعفر الرازی مولیٰ تمیم عیسیٰ بن ابی عیسیٰ مروزی رے کی طرف تجارت کرتا تھا۔ عطاء اور ابن المنکدر سے روایت کرتا ہے اور اس سے روایت کرنے والوں میں اس کا بیٹا عبداللہ ابو احمد زبیری اور عبدالرحمٰن الفشکی شامل ہیں۔ ابو زرعہ کہتے ہیں یہ بہت وہم کرتا تھا۔ نسائی کہتے ہیں 'لیس بالقوی'۔ ابو حاتم نے اسے ثقہ کہا ہے۔

الخلاصہ میں لکھا ہے ابو جعفر التیمی ان کا مولیٰ ہے رازی ہے اس کا نام عیسیٰ ہے۔ عطاء، عمرو بن دینار اور قتادہ سے روایتیں لیتا ہے۔ اس سے روایت لینے والوں میں ابو عوانہ اور شعبہ ہے۔ ابن معین کہتے ہیں ثقہ ہے۔ الفلاس کہتے ہیں سيئ الحفظ ہے۔ ابن المدینی کہتے ہیں مغیرہ سے خلط کرتا ہے۔ اگرچہ ابو جعفر المدنی جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں ہے یہ مجہول ہے۔ اس لیے کہ امام ذہبی المیزان میں اس کے حالات زندگی میں لکھتے ہیں اس سے صرف یحییٰ بن کثیر نے روایت کیا ہے۔ ذھبی کا قول اس احتمال کو رد کرتا ہے اس لیے کہ (ابو جعفر سے) متنازع فیہ حدیث روایت کرنے والا یحییٰ بن کثیر نہیں بلکہ شعبہ ہے۔ البتہ تقریب میں یہ جو لکھا ہے کہ ابو جعفر المؤذن انصاری المدنی مقبول ہے ثالثہ میں سے ہے۔ اور جس نے یہ کہا ہے کہ یہ محمد بن علی بن الحسین ہے تو یہ وہم ہے اور خلاصہ میں ہے جو کہ ابو جعفر الانصاری المؤذن المدنی عن ابی ھریرہ اور اس سے روایت لینے والا یحییٰ بن ابی کثیر ہے۔ اس کی حدیث کو ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے مگر یہ بات اس کا تقاضا نہیں کرتی کہ یہ راوی اس قابل کہ اس کی حدیث سے دلیل لی جائے۔ اس لیے کہ لفظ مقبول مرتبہ سادسہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ وہ مرتبہ ہے کہ جس کی حدیث اعتبار کے لیے لکھی جاتی ہے وہ دلیل لینے کے لیے نہیں ہوتی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کی تحسین کوئی فائدہ نہیں کرتی، اس لیے کہ اس کی حیثیت پہلے بیان ہو چکی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شعبہ کی ابو جعفر سے یہ روایت معروف نہیں ہے اور نہ ہی اس ابو جعفر کی روایت عمارہ بن خزیمہ سے (معروف ہے)۔ اور اگر یہ (ابو جعفر عیسیٰ بن ابی عیسیٰ نہیں بلکہ) کوئی اور ہے تو پھر یہ تعیین ہونی چاہیے کہ یہ کونسا ابو جعفر ہے، تاکہ اس کے بارے میں تحقیق کی جاسکے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ:

"صحيح على شرط البخاري ومسلم وكذا في الترغيب والترهيب للمنذري؟"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ترمذی رحمہ اللہ اور حاکم کسی حدیث کو صحیح قرار دینے میں جو تساہل کرتے ہیں اس سے ہر کوئی واقف ہے۔ جہاں تک بات ہے ابن خزیمہ کی تو ابن خزیمہ کا کسی حدیث کو اپنی کتاب میں روایت کرنا اس کے مطلقاً صحیح ہونے کا تقاضا نہیں کرتا۔ جیسا کہ توضیح الافکار میں لکھا ہے کہ عماد ابن کثیر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ابن حبان اور ابن خزیمہ نے بھی (اپنی کتابوں کے لیے) صحت کا التزام کیا ہے اور یہ دونوں کتابیں سند و متن کے لحاظ سے مستدرک سے بہت زیادہ بہتر ہیں۔ مگر ان لوگوں یا ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کی تقلید کرنے کے بجائے اجتہاد اور غور و تدبر سے کام لینا چاہیے (بلا تحقیق ان کی حدیث نہیں لینی چاہیے)۔ اس لیے کہ کتنی ہی حدیثیں ہیں جنہیں ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے مگر وہ حسن کے مرتبہ سے آگے نہیں بڑھ سکتیں۔ بلکہ ان میں بھی کہ جنہیں ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے ایسی احادیث کی تعداد موجود ہے حالانکہ وہ حسن اور صحیح میں فرق کرتے ہیں۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ مصنف رزین اور دیگر لوگوں نے جو کچھ کہا ہے اور جو کلی حکم لگایا ہے اسے مت اپناؤ۔

شیخ دحلان: وسیلے کا منکر یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تھا ایسا کہنے والے کا قول غیر مقبول ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام اور تابعین آپ ﷺ کے بعد بھی اپنی حاجات کی بر آری کے لیے یہ دعا کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ طبرانی اور بیہقی میں ہے کہ ایک آدمی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے پاس اپنی ضروریات کے لیے آتا رہتا تھا تو عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اس کی ضروریات کی طرف توجہ کرتے تھے۔ اس آدمی نے اس بات کا شکوہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ جو مذکورہ حدیث کا راوی ہے سے کیا تو اس نے بتایا کہ وضو خانہ میں جا کر وضو کرو، پھر مسجد میں آکر نماز پڑھو، پھر یہ دعا پڑھو:

"اللھم انی اسئلك واتوجه اليك بنبينا محمد نبی الرحمة يا محمد انی اتوجه بك الی ربك لتقضی حاجتی وتذكرحاجتك"

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں اپنے نبی جناب محمد ﷺ کے وسیلے سے جو نبی رحمت ہیں۔ اے محمد ﷺ! میں آپ کے وسیلے سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، تاکہ میری حاجت و ضرورت پوری ہو، اس کے بعد اپنی ضرورت بیان کر دو۔"

یہ ہے نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا وسیلہ لینا۔

شیخ بشیر: طبرانی نے اس حدیث کے طرق ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ والحدیث صحیح۔ مجمع الزوائد، ترغیب وترہیب میں بھی یہی ہے۔ حالانکہ اس کی سند میں روح بن صلاح ہے جسے ابن عدی نے ضعیف کہا ہے۔

شیخ دحلان: بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ لوگوں پر عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قحط آیا۔ بلال بن حارث رضی اللہ عنہ جو صحابی تھے آپ ﷺ کی قبر کے پاس آئے اور کہا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"یا رسول اللہ ﷺ! استسق لامتك فانهم هلكوا"

اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ! اپنی امت کے لیے بارش طلب کریں لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔"

آپ ﷺ اس کے خواب میں آئے اور بتایا کہ انہیں پانی مل جائے گا (بارش ہو جائے گی)۔

شیخ بشیر: حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ ابی صالح السمان سے اس نے مالک الداری سے جو کہ عمر رضی اللہ عنہ کے خزانچی تھے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قحط پڑ گیا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے پانی طلب کریں لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ اس آدمی کے خواب میں آئے۔ اس آدمی کو لوگوں نے کہا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔۔۔۔ سیف نے فتوح میں روایت کی ہے کہ جس نے یہ خواب دیکھا تھا وہ بلال بن حارث المزنی رضی اللہ عنہ صحابی تھا۔ معلوم یہ ہوا کہ قبر پر آنے والا آدمی صحابی نہیں تھا اور یہ جو روایت میں ہے کہ ایک صحابی آیا تھا تو یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ المیزان میں لکھتے ہیں سیف بن عمر الضبی اسدی اسے التمیمی البرجمی اور سعد کوفی بھی کہا جاتا ہے۔ جو کہ الفتوح والردہ کا مصنف ہے۔ یہ واقدی کی طرح ہے۔ ہشام بن عروہ، عبید اللہ بن عمر، جابر جعفی اور دیگر بہت سے مجہولین سے روایت کرتا ہے۔ یہ تاریخ کی معلومات زیادہ رکھتا تھا۔ اس سے روایت کرنے والے عبادہ بن الفلس ابو معمر القطیعی، نضر بن حماد العتکی اور دیگر لوگ ہیں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے یحیٰی کی رائے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ مطین نے یحیٰی کی رائے نقل کی ہے کہ اس سے فلیس بہتر ہے۔

ابو داؤد کہتے ہیں 'لیس بشیئ'۔ ابو حاتم کہتے ہیں متروک ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں اس پر زندیقیت کا الزام ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی اکثر احادیث منکر ہیں۔ مکحول البیرونی کہتے ہیں میں نے جعفر بن ابان سے اس نے ابن نمیر کو کہتے سنا کہ سیف الضبی تمیمی تمام (روایات میں) یہی کہتا تھا کہ "حدثنی رجل من تیمم" سیف حدیثیں وضع کرتا تھا اور اس پر زندیقیت کا الزام تھا۔

حافظ ابن حجر التقریب میں کہتے ہیں سیف بن عمر التمیمی صاحب الردۃ اس کو الضبی بھی کہا جاتا ہے اور دیگر نام بھی ہیں۔ کوفی ہے ضعیف الحدیث ہے۔ البتہ تاریخ میں بہت عمدہ ہے۔ ابن حبان نے اس کے بارے میں بہت سخت رائے کا اظہار کیا ہے۔ امام ذہبی الکاشف میں لکھتے ہیں ابن معین وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ الخلاصہ میں لکھا ہے سیف بن عمر الاسدی الکوفی صاحب الردۃ جابر جعفی اور ابو الزبیر سے روایت کرتے ہیں اور اس سے روایت کرنے والے محمد بن عیسیٰ الطباع اور ابو معمر الہذلی ہے محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

شیخ دحلان: آدم علیہ السلام کا جناب محمد ﷺ کا وسیلہ لینا جیسا کہ بیہقی نے صحیح سند سے اپنی کتاب 'دلائل النبوۃ' میں روایت کیا ہے جس کے بارے میں حافظ نے کہا ہے کہ یہ کتاب دلائل النبوۃ اپنائے رکھو یہ پوری کتاب ھدایت اور نور ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت میں ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدم علیہ السلام کو غلطی کا احساس ہوا تو دعا کی: "اے اللہ! میں محمد ﷺ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے"۔

(رواہ الحاکم والطبرانی)

شیخ بشیر: تعجب کی بات ہے کہ مؤلف نے دلائل النبوۃ کتاب کے بارے میں امام ذھبی کی رائے تو نقل کر لی مگر اس حدیث کے بارے میں جو ان کی رائے ہے اس کا ذکر نہیں کیا۔ امام ذھبی المیزان میں لکھتے ہیں "عبداللہ بن مسلم ابو الحارث الفھری عن اسماعیل بن مسلمہ بن قعنت عن عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم" سے باطل ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ "یا آدم! لولا محمد ما خلقتك" (اے آدم! اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا)۔

بیھقی نے اسے دلائل النبوۃ میں روایت کی ہے۔ مجمع الزوائد میں ہے کہ اسے طبرانی نے اوسط اور صغیر میں روایت کی ہے اور اس میں ایسے راوی ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے۔ الصارم المنکی میں ہے کہ مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ حاکم نے کس طرح تقلیداً عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی اس حدیث کو صحیح کہہ دیا جس میں وسیلے کا بیان ہے یعنی آدم علیہ السلام کو اللہ نے فرمایا تھا کہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔ حالانکہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ نہ ہی یہ ثابت ہے بلکہ اس کی سند بہت ہی ضعیف ہے۔ ائمہ نے اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔ اس کی سند حاکم سے عبدالرحمٰن بن زید تک صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ عبدالرحمٰن پر بنائی گئی ہے جیسا کہ ہم عنقریب وضاحت کریں گے۔ اگر عبدالرحمٰن تک صحیح سند پہنچ جاتی پھر بھی یہ حدیث ضعیف ہوتی قابل حجت نہ ہوتی۔ اس لیے کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن ہے اور اس کو صحیح کہنے میں حاکم نے غلطی کی ہے، بلکہ بہت بڑے تضاد کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس لیے کہ دوسری جگہ اس کو ضعیف کہا ہے۔

مثلاً کتاب الضعفاء میں عبدالرحمٰن کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کے بارے میں جو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ یہ اپنے باپ سے موضوع روایات لیتا ہے تو یہ بات کسی بھی غور کرنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ان احادیث کو روایت کرنے کا یہ ذمہ دار ہے۔

اس کتاب کے آخر میں کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ان کی جرح میرے نزدیک ظاہر ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ جرح دلیل سے ہی ثابت ہوتی ہے میں ان لوگوں کے سامنے ان کی جرح واضح کروں گا جو مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں، میں تقلیداً جرح کرنا جائز نہیں سمجھتا اور اس کام کے لیے جو بات میں پسند کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے نام میں نے ذکر کیے ہیں ان کی حدیث نہ لکھی جائے۔ اس لیے کہ ان لوگوں کی حدیثیں روایت کرنے والا بھی رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا مصداق بنے گا کہ جس نے کوئی حدیث بیان کی اور وہ سمجھتا بھی ہے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے تو یہ بھی جھوٹوں میں شمار ہو گا۔ یہ ابو عبداللہ حاکم صاحب مستدرک کا کلام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن زید کی جرح ان کو دلیل کے ساتھ معلوم ہو گئی تھی اور اس حدیث کو بیان اور روایت کرنے والا بھی اس حدیث کی وعید میں شامل ہے کہ جس نے جان بوجھ کر جھوٹی حدیث بیان کر لی وہ جھوٹوں میں سے ہے۔

www.kitabosunnat.com

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پھر جب حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک علی الشیخین جمع کی تو اس میں ضعیف اور منکر بلکہ موضوع احادیث بھی کافی تعداد میں درج کر لیں اور ان مجروح راویوں کی احادیث بھی اس میں درج کر لیں جن کا ذکر اس نے کتاب الضعفاء میں کیا تھا اور یہ بتایا تھا کہ ان کی جرح میرے سامنے واضح ہو گئی ہے۔ حاکم کے اس فعل پر بہت سے ائمہ نے اعتراض کیا ہے اور بعض ائمہ نے کہا ہے کہ آخری عمر میں ان کو غفلت لاحق ہو گئی تھی۔ ان (کے حافظہ) میں تبدیلی آگئی تھی اس لیے ان سے یہ سب کچھ سرزد ہوا اور یہ کوئی ناممکن بھی نہیں ہے۔

مستدرک میں حاکم نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی جو احادیث روایت کی ہیں ان میں سے یہ توسل والی روایت بھی ہے اور اس کے درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں یہ صحیح الاسناد حدیث ہے۔ اور یہ اس کتاب میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی پہلی حدیث ہے جسے میں لکھ رہا ہوں۔ اس موقع پر حاکم کی اتنی بڑی غلطی اور تضاد ملاحظہ کریں۔ اور یہ بھی دیکھیں کہ اعتراض کرنے والا (سبکی) قصداً وہ روایت نقل کر رہا ہے جس میں حاکم نے غلطی کی ہے مگر یہ سبکی پھر بھی اس کی تقلید کر رہا ہے اور اس پر اعتماد کر رہا ہے اور مخالفت کرنے والے پر طعن و تشنیع کر رہا ہے۔ کہتا ہے مذکورہ حدیث کی اس سند سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ واقف نہیں تھے اور نہ ان کو یہ معلوم ہو سکا تھا کہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے (زادالاسقام میں لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ قصہ آدم میں توسل کا جو ذکر ہے تو اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، نہ ہی کسی نے قابل اعتماد سند کے ساتھ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے نہ اس کا اعتبار ہے۔ اس سے دلیل لی جا سکتی ہے۔ پھر ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ روایت جھوٹی ہے اور اس پر بہت تفصیلی کلام کیا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں)۔

اگر ان کو معلوم ہو جاتا کہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے تو وہ کبھی اس کو جھوٹی روایت نہ کہتے۔ ہم اس کا جواب اس طرح دیں گے کہ اگر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو حاکم کی رائے پہنچ بھی جاتی تو اس کے بعد بھی (وہ آنکھ بند کر کے اس پر اعتماد نہ کرتے بلکہ) وہ راوی حدیث عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم پر اعتراض کرتے۔

ہم کہتے ہیں کہ ہم نے حاکم کی تصحیح پر اعتماد کر لیا مگر اس سے پہلے وہ کہہ چکا ہے کہ اس کا ضعف میرے سامنے واضح ہو چکا ہے۔ اب اس کی اتنی بڑی غلطی اور تضاد بیانی کو دیکھیں اور اس معترض (سبکی) کو بھی کہ غیر صحیح، غیر ثابت شدہ بلکہ موضوع روایت کو صحیح قرار دے رہا ہے اور یہ بھی حاکم کی تقلید میں جس کی غلطی اور تضاد واضح ہو چکا ہے۔ حالانکہ یہ معترض اس حدیث کے راوی کے ضعف اور جرح سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس سے بھی واقف ہے کہ اس راوی کے بارے میں مشہور رائے کیا ہے؟ اس کے باوجود وہ اس منکر حدیث کی مخالفت کرنے والوں پر تنقید کر رہا ہے اور اس کو غلط اور گمراہ تک قرار دے رہا ہے۔

یہاں ہمارا مقصد اس حدیث کے ضعف پر کلام نہیں ہے نہ ہی معترض کی اس بات پر تنقید کرنا مقصود ہے جو اس نے بغیر علم کی کہی ہے۔ ہم نے صرف اس بات کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ معترض زیارت سے متعلق عبدالرحمٰن بن زید کی روایت کو قوی قرار دے رہا ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"ثلاث لا یفطرن الصائم الحجامۃ۔ والقیٔ۔ والاحتلام"

اس حدیث کے تحت امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اس حدیث میں ضعیف قرار پاچکا ہے۔ میں نے ابوداؤد السجزی کو کہتے سنا کہ میں نے احمد بن حنبل سے عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کے بھائی عبداللہ بن زید میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے محمد (بخاری) سے سنا وہ علی بن عبداللہ سے نقل کر رہے تھے کہ انہوں نے کہا عبداللہ بن زید بن اسلم ثقہ ہے اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم ضعیف ہے۔ محمد (بخاری) فرماتے ہیں میں اس سے کوئی حدیث روایت نہیں کرتا۔ امام سیوطی مناھل الصفانی تخریج احادیث الشفاء میں لکھتے ہیں کہ یہ جو حدیث ہے کہ آدم علیہ السلام نے نافرمانی کے بعد کہا تھا۔۔۔۔ یہ بیہقی اور طبرانی میں عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مروی ہے ضعیف سند کے ساتھ ہے۔

شیخ دحلان: اسی وسیلے کا مشورہ امام مالک رحمہ اللہ عنہ نے خلیفہ منصور کو دیا تھا کہ جب منصور نے حج کیا اور رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کی تو امام مالک مسجد نبوی میں تھے۔ خلیفہ نے ان سے پوچھا کہ اے ابو عبداللہ! میں قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کروں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے کیوں منہ پھیر رہے ہیں حالانکہ یہی آپ کا اور آپ کے باپ آدم کا وسیلہ ہیں قیامت کے دن۔ آپ ﷺ کی طرف منہ کریں ان کی شفاعت طلب کریں۔ اللہ آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی شفاعت قبول کر لیں گے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾

(النساء:٦٤)

"اگر یہ لوگ جب اپنے نفسوں پر ظلم کریں اور پھر آپ ﷺ کے پاس آئیں اللہ سے استغفار کریں اور رسول اللہ بھی ان کے لیے استغفار کریں تو یہ پائیں اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا۔"

قاضی عیاض نے اس کو الشفاء میں صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

شیخ بشیر: الصارم المنکی میں ہے یہ حکایت جو قاضی عیاض نے اپنی سند سے امام مالک سے روایت کی ہے صحیح نہیں ہے۔ معترض نے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اس کی اسناد جید ہے۔ حالانکہ یہ اس کی بہت بڑی غلطی ہے اس لیے کہ اس کی سند جید نہیں ہے بلکہ منقطع ہے۔ اس آدمی پر مشتمل ہے جو متہم بالکذب ہے اور وہ راوی بھی ہے جو مجہول الحال ہے۔ ابن حمید جو ہے یہ محمد بن حمید الرازی ہے یہ ضعیف ہے، کثیر المناکیر ہے۔ اس کی حدیث سے دلیل نہیں لی جاتی۔ اس نے مالک رحمہ اللہ سے کچھ نہیں سنا اور نہ ہی ان سے ملاقات کی ہے۔ اس لیے اس کی روایت منقطع غیر متصل ہے۔ معترض (سبکی) کا خیال شاید یہ ہے کہ یہ ابو سفیان محمد بن حمید المعمری ہے جو ثقہ ہے اور اس کی احادیث مسلم میں بھی ہیں۔ خطیب نے اس کو مالک سے روایت کرنے والوں میں ذکر کیا ہے اور اس نے یہ بہت بڑی غلطی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی ہے۔ اسے بہت بڑا وھم ہوا ہے اس لیے کہ محمد بن حمید المعمری بہت پہلے دور کا آدمی ہے اس کو اس حکایت کے روایت کرنے والے یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل نے نہیں پایا اور پھر بھی یہ ابن حمید سے روایت کر رہا ہے۔ جبکہ ان دونوں کے درمیان بہت فاصلہ ہے۔

معمری نے ھشام بن حسان معمر اور ثوری سے روایت کیا ہے اور اس کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہوا ہے۔ اس وقت یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل پیدا نہیں ہوا تھا۔ جبکہ محمد بن حمید رازی یہ معمری سے روایت کرنے والوں کے طبقہ میں ہے جیسے ابی خیثمہ، ابن نمیر اور عمرو الناقد وغیرہ۔ اس کی وفات کا سن ہے ۲۴۸ھ۔ لہٰذا یعقوب بن اسحاق کی روایت اس سے ممکن ہے بخلاف معمری کے وہ نا ممکن ہے اور یہ جو محمد بن حمید رازی جس سے یہ حکایت مروی ہے اس پر بہت سے ائمہ نے کلام کیا ہے بعض نے اس کی نسبت کذب کی طرف کی ہے۔ یعقوب بن شیبہ السدوسی کہتے ہیں۔ محمد بن حمید الرازی کثیر المناکیر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی حدیث محل نظر ہوتی ہے۔ نسائی کہتے ہیں 'لیس بثقة' ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی کہتے ہیں ردی المذھب ہے ثقہ نہیں ہے۔ فضلک الرازی کہتے ہیں میرے پاس ابن حمید سے مروی پچاس ہزار حدیثیں ہیں مگر میں ان میں سے کچھ بھی بیان نہیں کرتا۔

ابو العباس رضی اللہ عنہ احمد بن محمد الازہری کہتے ہیں میں نے اسحاق بن منصور کو کہتے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں اللہ کے ہاں گواہی دیتا ہوں یا دوں گا کہ محمد بن حمید اور عبید بن العطار جھوٹے ہیں۔ صالح بن محمد الحافظ کہتے ہیں اس کے پاس سفیان کی جو حدیث پہنچتی اسے مہران کی طرف پھیر دیتے (ان کے نام سے روایت کرتے) اور جو حدیث منصور کی پہنچتی اسے عمرو بن قیس اور اعمش کی حدیث کو ان مذکورہ افراد اور عنبسہ کی طرف پھیر دیتے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ابن حمید جو بھی حدیث ہمارے سامنے بیان کرتا تھا ہم اس میں اس کو متھم سمجھتے تھے۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں اس کی احادیث میں اضافہ ہوتا رہتا تھا، اس سے بڑھ کر اللہ پر جراءت کرنے والا ہم نے کسی کو نہیں دیکھا لوگوں کی حدیثیں لے کر ایک دوسرے میں تبدیل کرتا رہتا۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں میں نے دو آدمیوں سے زیادہ جھوٹ میں ماہر کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک سلیمان شاذکونی اور دوسرا محمد بن حمید الرازی۔ یہ حدیث پوری حفظ کرتا اور ہر دن اس کی حدیث میں اضافہ ہو جاتا۔

ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن عبد الکریم الرازی ابو زرعہ کا بھتیجا کہتا ہے کہ میں نے ابو زرعہ سے محمد بن حمید کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے پوچھا کیا وہ جھوٹ بولتا تھا؟ ابو زرعہ نے کہا ہاں۔ میں نے کہا وہ بوڑھا ہو گیا تھا۔ کبھی تدلیس کرتا ہو گا کبھی گڑ لیتا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا تھا (بڑھاپے کی وجہ سے نہیں تھا)۔ ابو حاتم الرازی کہتے ہیں میں محمد بن حمید کے ہاں گیا تو عون بن جریر بھی وہاں تھا۔ ابن حمید نے جریر سے روایت کردہ حدیث بیان کرنی شروع کی تو اس میں شعر بھی شامل تھا۔ عون نے کہا کہ یہ شعر حدیث میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو میرے باپ (جریر) کا کلام ہے مگر ابن حمید نے توجہ نہیں دی اور اسی حدیث میں ہی شعر کو جاری رکھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو نعیم عبد الملک بن محمد بن عدی کہتے ہیں میں نے ابو حاتم محمد بن ادریس الرازی کے گھر عبد الرحمٰن بن یوسف بن خراش اور اہل ری کے مشائخ اور حفاظ حدیث موجود تھے کہ انہوں نے ابن حمید کا ذکر کیا۔ تو سب نے متفقہ طور پر کہا کہ وہ حدیث میں بہت ضعیف ہے اور وہ احادیث بیان کرتا ہے جو اس نے نہیں سنیں اور وہ اہل بصرہ و کوفہ کی احادیث لیتا ہے اور رازیین سے ان کو بیان کرتا ہے۔ ابو العباس رضی اللہ عنہ بن سعید کہتے ہیں میں نے داؤد بن یحییٰ سے سنا کہہ رہے تھے کہ ہمیں پہلے تو ابو حاتم محمد بن حمید کی حدیثیں بیان کرتے تھے مگر بعد میں چھوڑ دیا تھا اور کہا کہ میں نے عبد الرحمٰن بن یوسف بن خراش سے سنا کہہ رہے تھے ہمیں ابن حمید نے حدیث بیان کی، اور اللہ کی قسم وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ ابو حاتم بن حبان البستی کتاب الضعفاء میں لکھتے ہیں محمد بن حمید رازی کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، یہ ابن مبارک اور جریر سے روایت کرتے ہیں، اس سے ہمارے شیوخ نے حدیثیں بیان کی ہیں۔ ۲۴۸ھ میں فوت ہوئے یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو ثقات سے حدیثیں لے کر ان میں الٹ پھیر کرتے ہیں، خاص کر جب اپنے شہر کے شیوخ سے روایت کرتے ہیں۔ میں نے ابراہیم بن عبد الواحد بغدادی سے سنا کہہ رہے تھے کہ صالح بن احمد بن حنبل نے کہا کہ میں ایک دن اپنے باپ (احمد بن حنبل رحمہ اللہ) کے پاس بیٹھا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نکلا تو ابو زرعہ اور محمد بن مسلم بن وارۃ اجازت مانگ رہے تھے۔ میں نے آکر والد کو بتایا تو انہوں نے اجازت دی وہ اندر آئے سلام کیا۔ ابن وارۃ نے والد صاحب کے ہاتھ کو بوسہ دیا تو انہوں نے اعتراض نہیں کیا جبکہ ابو زرعہ نے مصافحہ کیا کچھ دیر تک وہ باتیں کرتے رہے، پھر ابن وارۃ نے کہا اے ابو عبد اللہ! کیا آپ کو ابو القاسم بن زیاد کی کوئی حدیث یاد ہے؟ شیخ نے کہا ہاں۔

"حدثنا ابو القاسم بن ابی الزناد عن اسحاق بن حازم عن ابن مقسم یعنی عبیداللہ عن جابر بن عبداللہ ان النبی ﷺ سئل عن ماء البحر فقال ھو الطھور ماؤہ الحلال میتتہ"

پھر امام صاحب کھڑے ہو گئے، تو وہ دونوں کہنے لگے ان کو کیا ہو گیا؟ ہم نے کہا کسی بات میں شک ہو گیا ہے۔ امام صاحب باہر آ گئے ان کے ہاتھ میں کتاب تھی اس میں دیکھ کر کہا کہ میتہ ہے ایک تا کہ ساتھ جبکہ لوگ میتتہ پڑھتے ہیں۔ پھر تینوں بات چیت کرنے لگے ابن وارہ نے کہا اے ابو عبد اللہ! محمد بن حمید کو آپ نے دیکھا ہے؟ کہا ہاں۔ پوچھا آپ نے اس کی حدیث کو کیسے پایا؟ امام نے کہا کہ جب عراقیوں کی احادیث روایت کرتا ہے تو صحیح احادیث لاتا ہے۔ مگر جب اپنے شہر والوں ابراہیم ابن المختار وغیرہ سے روایت کرتا ہے تو غیر معروف اشیاء بیان کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے؟ صالح بن احمد کہتے ہیں کہ ابو زرعہ اور ابن وارہ نے کہا کہ ہمارے نزدیک تو وہ جھوٹا ثابت ہو چکا ہے۔ صالح کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب میرے باپ کے سامنے ابن حمید کا ذکر ہوتا تو وہ ہاتھ جھاڑنے لگتے۔ (یعنی اشارہ کرتے کہ رہنے دو)

العقیلی کتاب الضعفاء میں لکھتے ہیں مجھے ابراہیم بن یوسف نے بتایا کہ ابو زرعہ اور محمد بن مسلم نے محمد بن حمید سے بہت سی حدیثیں لکھیں، پھر ان دونوں نے اس سے روایت لینا چھوڑ دیا۔ حاکم ابو احمد اپنی کتاب، کتاب الکنٰی میں لکھتے ہیں ابو عبد اللہ محمد بن حمید الرازی محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔ اسے ابو عبد اللہ، محمد بن یحییٰ الذھلی اور ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے چھوڑ دیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جب ائمہ حدیث کے نزدیک محمد بن حمید الرازی کی حالت یہ ہے تو اس کی منقطع روایت سے بیان کردہ حکایت کے بارے میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی سند عمدہ ہے جبکہ اس تک پہنچنے والی روایت میں بھی غیر معروف راوی ہیں۔ سبکی نے اس حکایت کو نقل کرنے اور اس کے راویوں پر کلام کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس حکایت اور اسکے راویوں کی ثقاہت کو دیکھو اور یہ دیکھو کہ یہ مالک سے نقل کردہ ابن وھب کی بات کے کتنی موافق ہے۔ سبکی نے یہ بات شاید اس وجہ سے کی ہے کہ اس کے پاس علم کی کمی ہے اور یہ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے۔ حالانکہ اس حکایت کے بارے میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ اس کے ضعف، انقطاع اور نکارت اور اس کے بعض راویوں کی جہالت (مجہول ہونا) کو دیکھو اس کے بعض راویوں کے کذب کو دیکھو اور یہ دیکھو کہ یہ امام مالک اور دیگر علماء سے منقول اقوال کے کس قدر مخالف ہے؟

امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں محمد بن حمید الرازی الحافظ یعقوب القمی اور ابن المبارک جیسے علم کے سمندر سے روایت کرتا ہے۔ مگر یہ ضعیف ہے۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کثیر المناکیر ہے۔ بخاری کہتے ہیں فیہ نظر، ابوزرعہ نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ فضلک رازی کہتے ہیں ابن حمید کے پاس پچاس ہزار حدیثیں ہیں، مگر میں ان میں سے ایک بھی بیان نہیں کرتا۔ محمد بن شاذان نے اسحاق الکوسج سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں ابن حمید نے ہمارے سامنے سلمہ سے کتاب المغازی پڑھی۔ میں نے کہا کہ ابن حمید نے سلمہ سے؟ تعجب کی بات ہے اس نے تو یہ مجھ سے سنی ہے۔ الکوسج کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے۔ صالح جزرہ کہتے ہیں ہم ابن حمید کی ہر حدیث میں اسے متہم سمجھتے تھے۔ میں نے اس سے بڑھ کر اللہ پر جراءت کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔ یہ لوگوں کی احادیث لیتا تھا اور ان کو ایک دوسرے میں ملا دیتا تھا۔ ابن خراش کہتے ہیں ابن حمید نے ہمیں حدیث بیان کی اور اللہ کی قسم وہ جھوٹا ہے۔ بہت سے لوگوں کی رائے ہے کہ یہ حدیثیں چوری کرتا تھا۔ نسائی کہتے ہیں یہ ثقہ نہیں ہے۔ صالح جزرہ کہتے ہیں میں نے ابن حمید اور ابن الشاذکونی سے زیادہ جھوٹ میں ماہر کسی کو نہیں دیکھا۔ ابو علی النیسابوری کہتے ہیں میں نے ابن خزیمہ سے کہا کہ آپ کو ابن حمید سے بھی سند لینی چاہیے اس لیے کہ احمد بن حنبل نے اس کی تعریف کی ہے۔ تو اس نے کہا کہ احمد بن حنبل اسے نہیں جانتے۔ اگر جان لیتے جس طرح ہم اسے جانتے ہیں تو کبھی بھی اس کی تعریف نہ کرتے۔ ابو احمد العسال کہتے ہیں میں نے فضلک رازی سے سنا کہتے تھے میں ابن حمید کے پاس گیا تو وہ اسانید کو متنوں پر چڑھا رہے تھے (سندوں کو متون کے ساتھ ملا رہے تھے)۔

میں کہتا ہوں اسے قرآن یاد نہیں تھا (آتا نہیں تھا) محمد بن جریر الطبری سے صحیح روایت سے منقول ہے کہتے ہیں محمد بن حمید رازی نے ہمارے سامنے پڑھا "یثبتوك او یقتلوك او یخاجوك" ابو بکر الصنعانی نے کہا کہ ہمیں محمد بن حمید نے حدیث بتائی۔ کسی نے کہا کہ آپ اس سے حدیث لیتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا میں کیوں اس سے حدیث نہ لوں جبکہ اس سے تو احمد بن حنبل اور ابن معین نے بھی حدیثیں لی ہیں۔ ابوزرعہ نے کہا ہے کہ جس سے محمد بن حمید رہ گیا اس سے بارہ ہزار حدیثیں رہ گئیں۔ ابن حمید کے آخری ساتھیوں میں ابو القاسم البغوی اور ابن جریر الطبری ہیں۔ اس کا انتقال ۲۴۸ھ میں ہوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: "فتلقی آدم من ربه کلمات" اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان کلمات میں سے آدم علیہ السلام کا محمد ﷺ کا وسیلہ بھی ہے۔ جب آدم علیہ السلام نے کہا تھا کہ اے رب میں تجھ سے محمد ﷺ کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں کہ میری بخشش فرمادے۔

شیخ بشیر: پہلے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا احکام شرع میں اس سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔

شیخ دحلان: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عباس رضی اللہ عنہ ... کے وسیلے سے بارش کی دعا کی تھی۔

شیخ بشیر: اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔ مگر اس کا تعلق زیر بحث مسئلے سے نہیں ہے، اس لیے کہ ہم بات کر رہے ہیں مردوں سے وسیلے کے بارے میں جبکہ اس حدیث میں زندہ آدمی سے دعا کروانے کا ذکر ہے، جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ الصارم میں ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں پر قحط آگیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے بارش طلب کی۔

صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ ... کے ذریعے بارش طلب کی اور کہا کہ اے اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کے ذریعے بارش طلب کرتے تھے تو ہمیں بارش دیتا تھا۔ اب ہم نبی ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے بارش طلب کرتے ہیں ہمیں بارش دے۔ عباس رضی اللہ عنہ ... کے ذریعے سے انہوں نے بارش کی دعا کی جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے ذریعے سے دعا کرتے تھے۔ جب لوگ نبی ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے ذریعے سے دعا کرتے تھے جس طرح امام اپنے مقتدیوں کے لیے دعا کرتا ہے۔ اس میں ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سامنے مخلوق کی تقسیم پیش کرتے تھے، اور نہ ہی آپس میں یہ تقسیم تھے (کہ کون نیک مستجاب الدعوات ہے کون نہیں ہے وغیرہ)۔ اور جب نبی ﷺ کا انتقال ہو گیا تو عباس رضی اللہ عنہ ... کی دعا سے بارش طلب کی۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں زبیر بن بکار نے الانساب میں اس دعا کی تفصیل بتائی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب قحط کا واقعہ پیش آیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ ... سے دعا کی درخواست کی۔ عباس رضی اللہ عنہ ... کے دعا کے الفاظ اس طرح تھے:

"اے اللہ! جب بھی کوئی مصیبت آتی ہے وہ کسی گناہ کی وجہ سے آتی ہے اور توبہ کرنے سے دور ہو جاتی ہے۔ قوم میرے ذریعے سے تیری طرف متوجہ ہے اس لیے کہ نبی ﷺ کے ساتھ جو میرا تعلق اور مقام تھا اس کی وجہ سے ہمارے گناہ گار ہاتھ تیرے سامنے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لیے جھکی ہوئی ہیں۔ ہم پر بارش برسا دے۔ آسمان پر پہاڑوں کی طرح بادل چھا گئے اور زمین جل تھل ہو گئی لوگ ہلاک ہونے سے بچ گئے۔"

شیخ دحلان: عمر رضی اللہ عنہ کا عمل حجت ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے اللہ نے حق عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور دل پر جاری کر دیا ہے۔ (احمد، ترمذی)

شیخ بشیر: اس حدیث پر کئی طرح سے کلام ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1 اس کی سند میں خارجہ بن عبداللہ انصاری ہے۔وہ ضعیف ہے، احمد نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔امام ذھبی الکاشف میں لکھتے ہیں "خارجة بن عبداللہ بن سلیمان بن زید بن ثابت عن ابیه ونافع وعنه معن والقضبی"۔اسے احمد نے ضعیف کہا ہے۔اس کا انتقال ۱۶۵ھ میں ہوا۔حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں سچا ہے مگر اس کے اوہام ہیں۔

2 عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور دل پر حق جاری ہونے کا مطلب یہ نہیں بنتا کہ ان کا عمل حجۃ ہے۔ایسا دعویٰ کرنے والا دلیل پیش کرے۔

3 مقصد یہ تھا کہ اللہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر کئی مواقع پر حق جاری کیا۔جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے راوی کہتے ہیں جب بھی لوگوں کے سامنے کوئی مسئلہ یا مشکل پیش آئی اور لوگوں نے اپنی رائے دی اور عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کوئی رائے دی تو قرآن کا حکم اسی طرح نازل ہوتا تھا جیسا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہوتا تھا۔اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔متفق علیہ حدیث ہے انس ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ میں نے تین مواقع پر اپنے رب کی موافقت کی (یعنی تین مواقع پر میری رائے اللہ کے حکم کے موافق ہوئی)۔

① میں نے کہا اللہ کے رسول اللہ اگر ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنائیں؟ تو آیت نازل ہوئی

﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ (البقرة)

"مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ"

② میں نے کہا اللہ کے رسول اللہ آپ کے ہاں ہر قسم کے نیک و بد لوگ آتے ہیں، اگر آپ کی ازواج مطہراتؓ کو آپ حکم دیں کہ اگر وہ پردہ کر لیا کریں۔تو پردہ کے حکم کی آیت نازل ہوئی۔

③ جب آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اخراجات کے معاملے پر اکھٹی ہوئیں تو میں نے کہا کہ اگر آپ ان کو طلاق دے دیں گے تو اللہ آپ کو ان کے بدلے میں بہتر بیویاں دے دے گا۔اس پر آیت نازل ہوئی:

﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا﴾ (التحریم:۵)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تین مقامات پر اپنے رب کی موافقت کی ہے۔مقام ابراہیم حجاب اور بدر کے قیدیوں کے بارے میں۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں "وافقت ربی فی ثلاث" یعنی تین مواقع پر اور اس کا مطلب ہے کہ رب نے میری رائے کے موافق قرآن نازل کیا۔لیکن ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا کہ میں نے رب کی موافقت کی ہے۔یا یہ اشارہ کرنا تھا کہ میری رائے حادث ہے اور رب کا حکم قدیم ہے۔

اور تین کی تعداد کی تخصیص ایسی نہیں ہے کہ جو زیادہ کی نفی کرے، اس لیے کہ صحیح روایات میں مزید واقعات کا بھی ذکر کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ مثلاً بدر کے قیدی، منافقین کی نماز جنازہ وغیرہ۔

ترمذی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث مروی ہے کہتے ہیں کہ جب بھی لوگوں کے سامنے کوئی معاملہ آتا اور اس میں لوگ اپنی آراء کا اظہار کرتے اور عمر بھی اپنی رائے دیتے تو قرآن میں حکم اسی طرح نازل ہوتا جس طرح عمر رضی اللہ عنہ نے رائے دی ہوتی تھی۔ یہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ کی کثرت موافقت پر دلالت کرتی ہے اور ہم نے جو تلاش کیا ہے تو ایسے پندرہ مواقع ہیں جن میں عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق قرآن نازل ہوا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مذکورہ حدیث ثابت بھی ہو تو اس کا معنی و مطلب وہی ہوگا جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں ہے۔ جس میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم سے پہلے والی اقوام میں ایسے لوگ تھے جو محدّث تھے۔ اگر میری امت میں کوئی ہوا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایسے لوگ تھے جن سے کلام کیا جاتا تھا، حالانکہ وہ نبی نہیں ہوتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی ایسا ہوا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوگا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں "محدثون" دال کے زبر کے ساتھ مُحدَّث کی جمع ہے۔ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے ہے کہ اس کا معنی ہے جسے الہام ہوتا ہو اس کو کہا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محدّث اس کو کہتے ہیں جس کا خیال اور رائے سچی ہو، اس کے دل میں ملاء اعلیٰ کی طرف سے کچھ القا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ اس آدمی کی طرح ہوا جس کو کسی نے یہ بات بتائی ہو۔ ابو احمد العسکری نے یہی بات یقینی طور پر کہی ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ محدث اس کو کہا جاتا ہے جس کی زبان سے بلا قصد سچ جاری ہوتا ہو۔ کسی نے کہا ہے جس سے کلام کیا جاتا ہو۔ یعنی نبوت کے بغیر اس سے فرشتے کلام کرتے ہوں۔ یہی بات ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مرفوع روایت میں بھی ہے کہ کسی نے پوچھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ کس طرح بیان کرتا ہے یا بات کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے اس کی زبان سے بولتے ہیں۔

ہم نے اس کو فوائد الجوہری میں روایت کیا ہے اور قابسی و دیگر نے اس کو بیان کیا ہے۔ اس کی تائید ایک معلق روایت سے بھی ہوتی ہے۔ اس کو پہلے معنی کی طرف بھی لوٹا سکتے ہیں یعنی کہ وہ اس کے دل میں بات کرتا ہے۔ اگرچہ اس نے بات کرنے والے کو حقیقتاً نہیں دیکھا اس طرح یہ معنی الہام کی طرف لوٹ جائے گا۔

ابن التین نے اس کا معنی کیا ہے نظر جما کر دیکھنا (گہرا فہم و ادراک) مسند حمیدی میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے بعد لکھا ہے۔ محدث اس کو کہا جاتا ہے جسے صحیح بات کا الہام ہوتا ہو جو اس کی زبان پر جاری کیا جائے۔ مسلم میں ابن وھب کی روایت میں ملھمون کا لفظ ہے، یعنی بغیر نبوت کے صحیح بات تک پہنچنا۔ ترمذی کی ایک روایت ابن عیینہ کے بعض اصحاب سے محدثون یعنی مفہمون ہے۔ اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ ابراہیم یعنی ابن سعد نے کہا ہے کہ لفظ محدث کا معنی ہے کہ اس کے دل میں بات ڈالی جاتی ہے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ نے حق عمر کی زبان اور دل پر جاری کر دیا ہے۔ اسے ترمذی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور احمد نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور طبرانی نے بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اوسط میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ مسند احمد اور ابو داؤد میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں قلبہ کے بجائے یقول بہ ہے حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ طبرانی نے بھی اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

فتح الباری میں ہے "وان یك فی امتی" کا جملہ تردید کی جگہ میں استعمال نہیں ہوا ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کی امت افضل ترین امت ہے۔ اور جب یہ چیز دیگر امتوں میں ثابت ہے تو امت محمد ﷺ میں اس کا امکان زیادہ ہے۔ یہ لفظ تاکید کے لیے آیا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "ان یکن لی صدیق فانه فلان" (اگر میرا کوئی دوست ہے تو فلاں ہے)۔ اس میں ایک شخص کے لیے دوستی خاص طور پر ثابت کی جاتی ہے دوستی کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر کوئی مزدور مالک سے کہے کہ "ان کنت عملت لك توفنی حقی" (اگر آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کے لیے کام کیا ہے تو مجھے میرا حق پورا دیں)۔ حالانکہ دونوں (مالک، مزدور) اس بات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ جو میرا حق مؤخر کر رہے ہیں تو گویا آپ کو میرے کام کرنے میں شک ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل میں (محدثون) کا وجود ثابت ہو چکا ہے۔ مگر اس کا سبب یہ تھا کہ جب ان میں نبی نہیں ہوتا تھا تو ان کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہوتی تھی جبکہ نبی ﷺ کی رائے یہ ہے کہ اس امت کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ کسی نبی کی ضرورت بھی نہ رہی کہ قرآن موجود ہے اور یہ حقیقت بھی ہے اس لیے کہ اگر اس امت میں کوئی محدّث ہو بھی تو اس کی رائے کو قرآن پر پیش کیا جائے گا۔ اگر اس کے موافق ہوئی یا سنت کے موافق ہوئی تو لے لی جائے گی ورنہ ترک کی جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ ایسا ہو سکتا ہے کہ محدث ہو مگر یہ ایسی امت میں بہت ہی کم اور نادر ہے جس کا دین قرآن و سنت کی اتباع ہو۔ ان محدثون کی کثرت اور ان کا وجود عصر اول کے بعد اس لیے ہے کہ اس امت کو ان کے وجود سے شرف و عزت ملے اور ان کی کثرت کی وجہ سے اس امت کو بنی اسرائیل کے مقابلے پر عزت دینا کہ ان میں انبیاء زیادہ تھے اور امت محمد ﷺ میں چونکہ انبیاء نہیں ہیں صرف ایک نبی خاتم الانبیاء ہیں۔ لہٰذا بنی اسرائیل کے کثیر الانبیاء کے عوض اس امت کو کثیر تعداد میں محدثون دیے گئے۔

کسی نے کہا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں قرآن کے نزول کی متعدد بار ان کی رائے سے موافقت ہوئی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے بہت سے کام صحیح کیے۔ ان تفصیلات کے بعد یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ اکثر کے نزدیک جو معنی بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے مراد ملہم ہے یعنی جسے الہام ہوتا ہو۔ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ بلا قصد اس کی زبان سے سچ جاری ہوتا ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ فرشتے بات کرتے ہیں اگرچہ وہ نبی نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجر نے اس کو پہلے معنی کی طرف لوٹایا ہے (یعنی الہام ہوتا ہو۔) بعض لوگوں کے نزدیک بہت زیادہ ماہر اور فراست والا۔

الغرض جو بھی معنی مراد لیا جائے مگر محدّث کے دل میں جو کچھ ڈالا جاتا ہے اس پر حکم و فیصلہ نہیں ہو گا۔ بلکہ اسے قرآن و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سنت پر پیش کیا جائے گا۔ اسی لیے اہلسنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کے علاوہ کسی بھی آدمی کا الہام حجت نہیں ہے۔ لہٰذا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا اور یہ مطلب اس کا نہیں ہے کہ اللہ نے ہر موقع اور واقعہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق جاری کر دیا ہے اور ان کا قول و فعل شریعت میں حجۃ ہے اور ان سے کبھی غلطی نہیں ہو سکتی، اور اگر ایسا ہوتا (کہ عمر رضی اللہ عنہ سے کبھی کوئی غلطی نہیں ہوتی تھی) تو صحابہ اور تابعین ان کے بعد فقہاء اور محدثین کبھی بھی عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہ کرتے، جبکہ صحابہ و تابعین کا عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف بہت سے مواقع پر ہوا ہے۔ اور اس کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اس مختصر جگہ اسے قلمبند کرنا ممکن نہیں ہے۔ کتب احادیث و تاریخ سے واقفیت رکھنے والے اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے کسی فعل کو بنیاد بنا کر عمومی طور پر اس کو حجت بنا لیا جائے؟ جیسا کہ مؤلف کا خیال ہے۔ حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ سے متعدد مسائل میں خطا ہوئی ہے جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

① پانی کی عدم موجودگی میں جنبی کے لیے تیمم کا عدم جواز۔

② حج میں تمتع کی ممانعت

③ تین طلاقیں جس عورت کو دی گئی ہوں اس کے لیے رہائش اور اخراجات (شوہر کے ذمے) ہیں۔

اور جب فتح الباری کی عبارت سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث (ابن عمر رضی اللہ عنہ والی) بہت سے طرق سے مروی ہے تو پھر اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ہم ان طرق میں سے ان کا تذکرہ کریں جن سے ہم واقف ہیں اور ان پر عدل و انصاف کے ساتھ کلام کریں۔
ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور اس کی سند میں خارجہ بن عبداللہ انصاری ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔ اس میں اوہام ہیں (وہم والی روایات ہیں)۔ الکاشف اور التقریب میں بھی یہی لکھا ہے۔ البتہ ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن اور صحیح کہا ہے جبکہ ترمذی کے حسن اور صحیح کے بارے میں سلف کی آراء سے آپ واقف ہو چکے ہیں کہ ترمذی حسن اور صحیح قرار دینے میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو احمد، البزار اور طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔ بزار کے رجال صحیح ہیں، سوائے جہم بن ابی الجہم کے وہ ثقہ ہے۔ مجمع الزوائد میں بھی اسی طرح ہے۔ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں جہم بن ابی الجہم جعفر بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں اور اس سے محمد بن اسحاق روایت کرتے ہیں۔ حلیمہ سعدیہ کا قصہ اس سے معروف نہیں ہے، معلوم ہوا کہ یہ جہم مجہول ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اس میں ابو بکر بن ابی مریم ہے اور اس نے اختلاط کیا ہے۔ مجمع الزوائد میں بھی اسی طرح ہے۔ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں ابو بکر بن ابی مریم الغسانی الحمصی۔ کسی نے کہا ہے کہ اس کا نام بکر ہے کسی نے بکیر کہا ہے کسی نے عمر کسی نے عامر کسی نے عبدالسلام۔ محدثین کے نزدیک یہ ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں یہ عباد میں سے تھا۔ راشد بن سعید اور خالد بن معدان سے روایت کرتا ہے۔ اس سے بقیہ، ابو الیمان اور دیگر لوگوں نے روایت لی ہے اس کی زیادہ غلطیوں کی وجہ سے احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ علماء میں سے تھا۔
ابن حبان کہتے ہیں اس کا حافظہ خراب تھا اس کی وہ حدیث قابل حجۃ نہیں ہوتی جس میں یہ متفرد ہو۔ بقیہ کہتے ہیں ہمیں ابی بکر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے گاؤں کے ایک آدمی نے بتایا کہ اس گاؤں میں کوئی درخت ایسا نہیں ہوگا جہاں بکر نے کئی راتیں نہ گزاری ہوں (عبادت کے لیے)۔ ایک اور آدمی نے کہا ہے کہ یہ بہت رونے والا تھا۔ جوزجانی کہتے ہیں یہ اچھا آدمی تھا۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی احادیث صالح ہیں، اس سے دلیل نہیں لی جاسکتی۔ یزید بن عبدربہ کہتے ہیں اس کا انتقال ۱۵۶ھ میں ہوا ہے۔ اس کی اور بھی حدیث ہے جو بہت ہی منکر ہے۔

ابو داؤد کہتے ہیں ابو بکر بن ابی مریم کے زیورات چوری ہو گئے تو اس کی وجہ سے ان کی عقل خراب ہو گئی تھی۔ میں نے احمد رحمہ اللہ سے سنا کہہ رہے تھے 'لیس بشیئی'۔

حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں ابو بکر بن عبداللہ بن ابی مریم الغسانی الشامی اس کی نسبت اس کے دادا کی طرف کی جاتی ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ اس کا نام بکیر ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ عبدالسلام ہے۔ یہ ضعیف ہے۔ جب اس کے گھر میں چوری ہوئی تھی تو اس کے بعد سے اس کا دماغ مختلط ہو گیا تھا۔ ساتویں درجے کا ہے ۱۵۶ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

امام ذہبی الکاشف میں لکھتے ہیں ابو بکر بن عبداللہ بن ابی مریم الغسانی کسی نے اس کا نام بکیر کسی نے عبدالسلام لکھا ہے۔ یہ خالد بن معدان اور مکحول سے روایت کرتے ہیں اور اس سے روایت کرنے والے ابن المبارک اور ابو الیمان ہیں۔ (محدثین نے) اسے ضعیف کہا ہے۔ یہ عالم بھی تھا دیانتدار بھی تھا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی جہاں تک بات ہے اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اس میں سلیمان شاذکونی وغیرہ ضعفاء ہیں۔ مجمع الزوائد میں بھی ایسا لکھا ہے۔ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں سلیمان بن داؤد المنقری الشاذکونی البصری الحافظ ابو ایوب۔ اس نے حماد بن زید اور جعفر بن سلیمان اور ان کے بعد کے لوگوں سے ملاقات کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں 'فیہ نظر'۔ ابن معین نے اس کی حدیث جب ذکر کی ہے تو اس میں اس کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ عبدان الاھوازی کہتے ہیں اللہ کی پناہ کہ اس کو متہم کیا جائے۔ البتہ ایسا ہوا تھا کہ اس کی کتابیں ضائع ہو گئی تھیں تو یہ اپنے حافظہ سے بیان کرتا تھا۔

ابن عدی کہتے ہیں کہ جب ابو یعلیٰ اور حسن بن سفیان اس سے روایت کرتے تھے تو کہتے تھے 'حدثنا سلیمان ابو ایوب' اس کے علاوہ کچھ اضافہ نہیں کرتے تھے۔ یہ دونوں اس کے بارے میں تدلیس کرتے تھے اس کا نام چھپاتے تھے۔ ابو حاتم کہتے ہیں یہ متروک الحدیث ہے۔ نسائی کہتے ہیں لیس بثقة۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں ہمیں سلیمان الشاذکونی نے کہا کہ حسن بصری کی رائے کا ایک حرف ایسا دکھاؤ جو مجھے یاد نہ ہو۔ حنبل کہتے ہیں میں نے ابو عبداللہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ ہم میں رجال کا علم سب سے زیادہ یحییٰ بن معین کو تھا اور ابواب کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والے شاذکونی تھے۔ ابن المدینی ہم میں سب سے زیادہ طوال کو یاد رکھنے والے تھے۔ صالح بن محمد الحافظ کہتے ہیں میں نے شاذکونی سے زیادہ حافظ کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ حدیث میں جھوٹ بولتا تھا۔ احمد کہتے ہیں حماد بن زید، بشر بن المفضل اور یزید بن زریع شاذکونی کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے مگر ان میں سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا۔ کسی نے کہا ہے کہ وہ نشے اور مزاح کرنے کا عادی تھا۔ اس کا انتقال ۲۳۲ھ میں ہوا۔ ابن عدی کہتے ہیں محمد بن موسیٰ علیہ السلام السواق نے کہا کہ جب ابن الشاذ کونی کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے کہا کہ اے اللہ! تیرے سامنے میں معذرت پیش کرتا ہوں۔ مگر میں اس بات کے لیے عذر پیش نہیں کروں گا کہ میں نے کسی پاکدامن عورت پر بہتان نہیں لگایا اور کسی حدیث میں تدلیس نہیں کی (یعنی یہ دونوں گناہ میں نے نہیں کیے اس لیے ان کی معافی یا معذرت کی میں ضرورت محسوس نہیں کرتا)۔ ابن عدی نے اس کی بہت سی احادیث بیان کیں جن میں اس کی مخالفت کی گئی ہے اور پھر ابن عدی نے کہا کہ شاذ کونی کی بہت سی حدیثیں صحیح ہیں، یہ چند حفاظ میں سے تھا اس کا معاملہ ابن عبدان کے قول کے کتنا مشابہ ہے کہ یہ حافظے سے حدیثیں بیان کرتا تھا تو ان میں غلطیاں کرتا تھا۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے جسے طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔ اس میں علی بن سعید المقبری العقاری ہے اسے میں نہیں جانتا۔ جبکہ اس کے بقیہ رجال صحیح ہیں سوائے عبداللہ بن صالح کاتب لیث کے اس کی توثیق کی گئی ہے جبکہ اس میں ضعف ہے جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔ حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں عبداللہ بن صالح بن محمد بن مسلم الجہنی ابو صالح المصری کاتب لیث سچا ہے مگر بہت غلطیاں کرتا ہے۔ جو اس کی کتاب میں موجود ہیں۔ غفلت کرنے والا تھا۔ دسویں طبقے میں ہے اس کا انتقال ۲۲۰ھ میں ہوا بعمر ۸۵ سال۔

امام ذہبی الکاشف میں لکھتے ہیں عبداللہ بن صالح الجہنی لیث کا کاتب، معاویہ بن صالح اور موسیٰ علیہ السلام بن علی سے روایت کرتے ہیں اور اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بھی روایت لی ہے۔ اور ابن معین اور بکر بن سہل نے بھی۔ یہ بہت زیادہ حدیث بیان کرنے والا تھا۔ ابوزرعہ کہتے ہیں یہ حسن الحدیث تھا جھوٹوں میں سے نہیں تھا۔ الفضل الشعرانی کہتے ہیں میں نے اس کو جب بھی دیکھا حدیث بیان کرتے یا عبادت کرتے دیکھا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں یہ میرے نزدیک مستقیم الحدیث ہے۔ البتہ اس کی غلطیاں (حدیث میں) بھی ہیں۔ جزرہ نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں عبداللہ بن صالح بن محمد بن مسلم الجہنی المصری ابو صالح لیث بن سعد کے اموال کا کاتب (منشی) تھا۔ صاحب علم و حدیث تھا۔ بہت احادیث بیان کرنے والا تھا۔ اس کی منکر روایات بھی ہیں۔ اس نے معاویہ بن صالح اور دیگر لوگوں سے حدیثیں لی ہیں اور اپنے شیخ لیث، ابن وہب، ابن معین، احمد بن فرات اور دیگر سے بھی عبدالملک بن شعیب بن اللیث ثقہ ہے، مامون ہے۔ اس نے میرے دادا کی حدیثیں سنیں، ابو حاتم نے کہا کہ میں نے محمد بن عبداللہ بن عبید الحکم سے سنا جب ان سے ابو صالح کے بارے میں پوچھا گیا تھا تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھ رہے ہو جو لیث کے بہت قریب رہا، سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہا، تنہائی میں اکثر اس کے ساتھ رہتا تھا۔ ایسے آدمی کے بارے میں یہ انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے لیث سے مروی بہت کچھ سن لیا ہوگا۔

ابو حاتم کہتے ہیں میں نے ابن معین سے سنا کہہ رہے تھے کہ اس کی کم سے کم حالت یہ ہے کہ اس نے یہ کتابیں لیث سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھیں اور لیث نے اس کو ان کتابوں (کو روایت کرنے) کی اجازت دی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابن ابی ذئب نے اس کو اس طرح لکھا ہو کہتے ہیں میں نے احمد بن صالح کو کہتے سنا کہ میں کسی کو نہیں جانتا جو عن اللیث عن ابی ذئب روایت کرتا ہو سوائے ابو صالح کے، احمد بن حنبل کہتے ہیں۔ ابتداء میں یہ بہت ضبط (حافظے) والا تھا مگر آخر میں (حافظہ) بگڑ گیا تھا۔ یہ ابن ابی ذئب سے روایت کرتا۔ حالانکہ لیث نے ابن ابی ذئب سے کچھ نہیں سنا۔ ابو حاتم کہتے ہیں میں نے جہاں تک سمجھا ہے وہ صدوق ہے۔ ابو زرعہ کہتے ہیں میرے نزدیک یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ حسن الحدیث ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں آخری عمر میں اس نے ایسی احادیث روایت کیں جنہیں محدثین نے منکر جانا معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ حدیثیں تھیں جو خالد بن نجیح نے بنائی تھیں چونکہ ابو صالح اس کے ساتھ رہتا تھا (لہٰذا اس کی بنائی ہوئی حدیثیں روایت کی ہوں گی)۔ صحیح فکر والا تھا۔ یہ جھوٹ نہیں باندھتا تھا صالح آدمی تھا۔ احمد بن محمد الحجاج بن رشدین کہتے ہیں میں نے احمد بن صالح سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ یہ (ابو صالح) متہم ہے۔ 'لیس بشیئ' (یعنی الحمراوی عبداللہ بن صالح) میں نے احمد بن صالح سے سنا عبداللہ بن صالح کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اس پر دوسرے الفاظ کا اجرا کیا ہے۔ ابن عبد الحکیم کہتے ہیں میں نے ابو عبداللہ سے سنا وہ ان کے بارے میں بہت کچھ کہہ رہے تھے ان سے کہا گیا کہ یحییٰ بن بکیر ابو صالح کے بارے میں کچھ کہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ان سے کہو کہ لیث نے تمہیں کوئی حدیث بتائی ہے؟ اس نے کہا نہیں اور ابو صالح اس کے ساتھ تھا اور اس کے ساتھ سفر میں بھی نکلتا تھا اور اس کا کاتب بھی تھا تو اس وجہ سے انکار کرتا تھا کہ (وہ احادیث کسی اور کے پاس ہو) سعید بن منصور کہتے ہیں مجھ سے یحییٰ بن معین نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم عبداللہ بن صالح سے (احادیث لو) میں نے کہا میں اس سے نہیں لوں گا۔ میں اس کو سب سے زیادہ جانتا ہوں وہ بے فائدہ چیزیں لکھتا تھا۔ احمد کہتے ہیں اس نے مجھے لکھا جب میں حمص میں تھا مجھ سے ملاقات چاہتا تھا، فضل بن محمد الشعرانی نے کہا کہ میں نے ابو صالح کو یا تو احادیث بیان کرتے یا عبادت کرتے یا دیکھا ہے۔ صالح جزرہ کہتے ہیں۔ یحییٰ بن معین اس کو ثقہ کہتے تھے، میرے نزدیک وہ احادیث میں جھوٹ بولتا تھا۔ نسائی کہتے ہیں یہ ثقہ نہیں ہے اور یحییٰ بن بکیر اس سے زیادہ ہمیں پسند ہے۔ ابن المدینی کہتے ہیں اس میں سے کچھ بھی روایت نہیں کرتا۔ ابن حبان کہتے ہیں وہ اپنی ذات کی حد تک سچا تھا۔ اس کی احادیث میں مناکیر اس کے پڑوسی کی وجہ سے آئی ہیں میں نے ابن خزیمہ کو کہتے سنا ہے اس کا ایک پڑوسی تھا جس کے ساتھ اس کی عداوت تھی۔ وہ ابو صالح کی لکھائی میں وضعی احادیث لکھتا تھا اور وہ کاغذ اس کے گھر میں اس کی کتابوں میں رکھ دیتا تھا۔ ابو صالح عبداللہ سمجھتے تھے کہ یہ میری لکھائی ہے تو اس کو بیان کر دیا کرتے تھے۔ ابن عدی کہتے ہیں میرے نزدیک یہ مستقیم الحدیث ہے۔ البتہ اس کی احادیث کی سندوں اور متون میں غلطیاں ہو جاتی تھیں۔ اگرچہ یہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتے تھے۔ میں کہتا ہوں امام بخاری نے اس سے اپنی صحیح بخاری میں روایت لی ہے، لیکن اس میں انہوں نے اس کو چھپا رکھا ہے پوری طرح واضح نہیں کیا۔ مثلاً کہتے ہیں حدثنا عبداللہ، اس کے باپ کا نام ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ یہ عبداللہ بن صالح ہے۔ البتہ امام بخاری نے اس کی حدیث تعلیقاً ذکر کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جس میں امام بخاری فرماتے ہیں "قال اللیث ابن سعد حدثنی جعفر بن ربیعہ" حدیث کے آخر میں فرماتے ہیں "حدثنی عبداللہ بن صالح انبأنا اللیث"۔ اس میں اس کا ذکر کر لیا ہے۔ مگر یہ ابن حمویہ سرخسی کے (نسخہ میں) ہے، اس کے دیگر دونوں صاحبان کے (نسخوں میں) نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ بھی نعیم بن حماد اور اسماعیل بن ابی اویس اور سوید بن سعید کے بغیر نہیں ہے اور ان کی حدیثیں صحیحین میں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی منکر روایات بھی ہیں، جو ان سے مروی کثیر روایات میں پوشیدہ ہو گئی ہیں۔ ان میں سے بعض منکر اور کمزور ہیں۔ بعض غریب محتمل ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کی امت میں ایک معلم یا دو معلم ہوتے تھے اگر میری امت میں ان میں سے کوئی ہوا تو وہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ حق عمر کی زبان اور دل پر ہے۔ میں کہتا ہوں صحیح میں اس کا کچھ حصہ بغیر سیاق کے ہے۔ اسے طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔ اس میں عبدالرحمن بن ابی الزناد ہے اور وہ لین الحدیث ہے۔ جیسا کہ مجمع الزوائد میں بھی ہے۔ ابن معین کہتے ہیں ھشام بن عروہ کی احادیث کے سلسلے میں یہ سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ ابو حاتم وغیرہ کہتے ہیں اس سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔ الکاشف میں بھی اسی طرح ہے۔

حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں کہ یہ سچا ہے۔ جب بغداد آیا تو اس کا حافظہ تبدیل ہو گیا تھا۔ یہ فقیہ تھا السابعہ میں سے تھا مدینہ کے خراج کی ذمہ داری ان پر آئی تو اس میں ان کی تعریف کی گئی ہے (یعنی یہ ذمہ داری انہوں نے صحیح طرح نبھائی)۔

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں جب صالح لوگوں کا ذکر ہو تو عمر رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ دو ہم اصحاب رسول اللہ کبھی اس بات کو ناممکن نہیں سمجھتے تھے کہ سکینہ و وقار، اطمینان عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے جاری ہوتا ہے۔ (طبرانی فی الاوسط واسنادہ حسن)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم اس بات کو ناممکن نہیں سمجھتے تھے کہ وقار و اطمینان عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر نازل ہو گا۔ (طبرانی باسناد حسن)۔ طارق بن شہاب سے روایت ہے کہتے ہیں ہم باتیں کرتے تھے کہ السکینہ (وقار، اطمینان، حق) عمر کی زبان پر نازل ہو گا۔ (طبرانی، رجالہ ثقات)

مجمع الزوائد میں بھی یہی ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حدیث:

"ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ"

اگرچہ اس کی کوئی بھی سند کسی قول (اعتراض) سے خالی نہیں ہے۔ مگر اکثر شواہد کی بنا پر اس قابل ہے کہ اسے دلیل بنایا جا سکے۔ البتہ اس کو اس بات کی دلیل بنانا جائز نہیں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا فعل حجت ہے۔

شیخ دحلان: اس کو طبرانی نے الکبیر اور ابن عدی نے الکامل میں فضل بن عباس رضی اللہ عنہ ... سے روایت کیا ہے۔ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ ہے میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں اور حق میرے بعد عمر کے ساتھ ہو گا وہ جہاں بھی ہوں۔

شیخ بشیر: صرف طبرانی اور ابن عدی کے روایت کرنے سے یہ حدیث اس قابل نہیں بن جاتی کہ اس کو دلیل بنایا جائے جب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تک کہ اس کا صحیح یا حسن ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ لہٰذا جو لوگ اس کو دلیل بنا رہے ہیں ان کو چاہیے کہ اس کے صحیح یا حسن ہونے کی وضاحت کریں، اور یہ مشکل ترین کام ہے۔ جبکہ اس کے بغیر مطلوب پر اس کی دلالت مسلمہ نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلی حدیث میں ہم واضح کر چکے ہیں۔

شیخ دحلان: یہ حدیث بھی اسی طرح ہے جو علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ جہاں جائیں گے حق ان کے ساتھ جائے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ بشیر: اس حدیث کو صحیح قرار دینے والے سے پہلا مطالبہ تو یہ کیا جائے گا کہ اس (کی صحت) پر دلیل دیں اور دلیل کہاں سے دیں گے؟ دے بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ اس حدیث کو ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور اس کی سند میں سعید بن حبان ہے جس کے بارے میں امام ذہبی المیزان میں فرماتے ہیں معروف نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی سند میں مختار بن نافع التیمی ہے جو ابی حبان التیمی سے روایت کرتے ہیں۔ امام نسائی وغیرہ فرماتے ہیں کہ 'لیس بثقة' ابن حبان کہتے ہیں منکر الحدیث جداً (اس کی احادیث بہت ہی منکر ہیں)۔ احمد بن عبد الرحمٰن الکزبرانی کہتے ہیں ہمیں مختار بن نافع نے ابن حبان سے اس نے اپنے باپ سے اس نے علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کیا کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے اس نے اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کروائی اور دار الھجرۃ تک میرا ساتھی بنا۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے اس کی کنیت ابو اسحاق ہے۔ میزان میں بھی یہی لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ التقریب میں لکھتے ہیں مختار بن نافع التیمی اسے العکلی بھی کہا جاتا ہے۔ ابو اسحاق التمار الکوفی ہے ضعیف ہے۔ سادسہ درجہ میں ہے۔

اسی طرح اس سند میں سہل بن حماد ہے، جس کے بارے میں امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں۔ یہ ۲۰۰ھ کے بعد کا ہے۔ معلوم نہیں یہ کون تھا یہ الدلال ابو عتاب نہیں ہے۔ بظاہر لگتا ہے کہ یہ وہی ہے۔ اس لیے کہ عثمان دارمی کہتے ہیں میں نے یحییٰ بن معین سے سہل بن حماد الدلال کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا میں اسے نہیں جانتا۔ مراد یہ ہے کہ اس کی حالت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اس کے بارے میں ابو زرعہ اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ صالح الحدیث ہے۔ شیخ ہے، جبکہ امام احمد کہتے ہیں 'لا باس به'۔

میں کہتا ہوں اس کا انتقال ۲۰۸ھ میں ہوا ہے، یہ قرہ بن خالد اور شعبہ اور ان کے طبقہ کے افراد سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی کوئی حدیث اپنی کتاب میں روایت نہیں کی۔

تعجب کی بات ہے کہ مؤلف (شیخ دحلان) نے کس طرح اس حدیث کو صحیح قرار دینے کی جسارت کی حالانکہ اس کی سند میں مختار بن نافع التیمی ہے جو بہت ہی ضعیف ہے۔ جبکہ اس طرح کی حدیث کی دلالت ایسے موقع پر تسلیم نہیں کی جاسکتی، ورنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا فعل بھی حجۃ بنے گا، اس لیے کہ عبد الرحمٰن بن ابی عمیرہ جو کہ صحابی ہے سے مروی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں، آپ ﷺ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی تھی: اے اللہ! اس کو ہدایت یافتہ اور رہنمائی کرنے والا بنا دے۔ اسے ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اسے حسن غریب کہا ہے۔ عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا جب بھی تذکرہ کرو خیر کے ساتھ کیا کرو اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ! اس کے ذریعے ہدایت دے۔ (ترمذی)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اس کو ہدایت نصیب فرما اس کو غلط کاموں سے محفوظ رکھ اور دنیا اور آخرت میں اس کو بخشش عطا فرما۔ (طبرانی فی الاوسط)

اس میں سدی بن عاصم ہے جو کہ ضعیف ہے، مجمع الزوائد میں بھی اسی طرح ہے۔ جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل کو حجت قرار دینا بہت ہی ناممکن ہے۔

شیخ دحلان: عمر رضی اللہ عنہ کا عباس رضی اللہ عنہ ..کو وسیلہ بنانا بھی وسیلہ کے دلائل میں سے ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتا۔

شیخ بشیر: اسے ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور اس کی سند میں مشرح بن ہاعان ہے۔ اس کے بارے میں امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں۔ مشرح بن ہاعان المصری عن عقبۃ بن عامر صدوق ہے۔ ابن حبان نے اسے کمزور کہا ہے۔ عثمان بن سعید ابن معین کی رائے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ثقہ کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ اس کی کنیت ابو مصعب ہے یہ عقبہ سے منکر احادیث روایت کرتا ہے۔ جن پر اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔ یہ لیث اور ابن لھیعہ سے بھی روایت کرتا ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن روایات میں یہ متفرد ہے۔ انہیں چھوڑ دیا جائے۔ ابن عقیلی نے اس کا ذکر کیا ہے مگر اس کے حالات میں صرف اتنا کہا ہے کہ یہ حجاج کے ساتھ مکے آیا تھا اور کعبہ پر منجنیق نصب کی تھی۔ عصمہ کی حدیث کا جہاں تک تعلق ہے کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتا۔

اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں فضل بن مختار ہے جو کہ ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں فضل بن مختار ابو سہل بصری ابن ابی ذئب وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس کی احادیث منکر ہوتی ہیں۔ یہ باطل احادیث روایت کرتا ہے۔ ازدی کہتے ہیں یہ بہت زیادہ منکر احادیث والا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی احادیث منکر ہوتی ہیں اکثر کی متابعت نہیں کی جاتی، پھر اس نے ان کی چار احادیث ذکر کی ہیں اور ان کے بعد کہا ہے کہ یہ سب باطل اور عجیب ہیں۔ پھر اس نے عصمہ بن مالک کی حدیث جو سرقہ سے متعلق ہے اور طبرانی نے جسے روایت کیا ہے۔ وہ ذکر کی ہے اور اس کے بارے میں کہا ہے کہ شاید کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اس مسئلے میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے جس میں اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر اللہ نے میرے بعد رسول بھیجنا ہوتا تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بھیجتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں عبدالمنعم بن بشیر ابوالخیر انصاری المصری عبداللہ بن عمر العمری سے روایت کرتے ہیں اور اس سے روایت کرنے والے یعقوب الفسوی ہیں۔ اس (عبدالمنعم) پر ابن معین نے جرح کی ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں یہ بہت زیادہ منکر احادیث والا ہے۔ اس سے دلیل لینا جائز نہیں ہے۔ الحنبلی کہتے ہیں میں نے ابن معین کو کہتے سنا ہے کہ میں عبدالمنعم کے پاس آیا تو اس نے ابو مودود کی تقریباً دو سو جھوٹی احادیث نکال کر دکھا دیں۔ میں نے کہا شیخ آپ نے یہ حدیثیں مودود سے سنی ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا اللہ کا خوف کریں یہ تو سب جھوٹی ہیں۔ میں وہاں سے اٹھ گیا اور کوئی بھی حدیث نہیں لکھی۔ خلاصہ یہ کہ ان احادیث کو دلیل بنانا ممنوع ہے (جائز نہیں ہے)۔

شیخ دحلان: طبرانی نے الکبیر میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں کی اقتدا کرو جو میرے بعد ہوں گے۔ ابو بکر و عمر یہ اللہ کی دراز کردہ رسی ہے۔ جس نے ان دونوں کو تھام لیا اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جس نے ٹوٹنا نہیں ہے۔

شیخ بشیر: مجمع الزوائد میں ہے کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ایسے راوی ہیں جنہیں میں نہیں جانتا۔ اس مسئلے میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان دونوں کی اقتداء کرو جو میرے بعد ہیں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

اسے ترمذی رحمہ اللہ نے تین طرق سے روایت کیا ہے۔ دو میں عبدالملک بن عمیر اللخمی الکوفی ثقہ ہے۔ یہ بڑے علماء میں سے تھا لیکن طول عمری کی وجہ سے ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ ابو حاتم کہتے ہیں یہ حافظہ والا نہیں تھا، اس کے حافظہ میں تغیر آ گیا تھا۔ احمد کہتے ہیں ضعیف ہے، غلطیاں کرتا تھا۔ ابن معین کہتے ہیں اسے اختلاط ہوتا تھا۔ ابن خراش کہتے ہیں کہ شعبہ اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ الکوسج نے احمد کی بات نقل کی ہے کہ اس نے کہا ہے کہ یہ بہت زیادہ ضعیف ہے۔ العجلی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ نسائی وغیرہ نے کہا ہے کہ 'لیس به بأس'۔ عبداللہ بن احمد کہتے ہیں میرے باپ سے عبدالملک بن عمیر اور عاصم بن ابی النجود کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میرے نزدیک عاصم میں کم اختلاف ہے۔ عاصم کو اس نے مقدم رکھا۔ میں کہتا ہوں اس کو ابن عدی، العقیلی اور ابن حبان نہیں لائے اور جو اس سے زیادہ قوی حافظے والا تھا اس کا ذکر انہوں نے کر دیا ہے۔ جہاں تک ابن عمیر کی بات ہے تو اس کا ذکر کیا اور جرح بیان کی، توثیق ذکر نہیں کی۔ یہ آدمی ابو اسحاق اور سعید المقبری کے زمرے کا ہے جب وہ بڑھاپے تک پہنچ گئے تو ان کا حافظہ خراب ہوا اور دماغ کمزور ہو گیا، مگر انہوں نے احادیث میں خلط نہیں کیا اور ان کی احادیث کتب اسلام میں موجود ہیں۔

عبدالملک کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی، المیزان میں بھی اسی طرح ہے۔ حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں یہ ثقہ فقیہ ہے۔ اس کا حافظہ خراب ہو گیا کہ حافظہ کی خرابی کے ساتھ ساتھ یہ تدلیس بھی کرتا تھا، اور یہ حدیث اس نے معنعن روایت کی ہے۔ لہٰذا قابل قبول نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلی روایت میں حسن بن صباح البزار ہے، اگرچہ وہ سچا ہے لیکن وہم کرتا ہے۔ جیسا کہ حافظ نے التقریب میں کہا ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں یہ قوی نہیں ہے۔ میزان میں بھی یہی لکھا ہے۔

دوسری میں ہلال مولیٰ ربعی ہے اور وہ مجہول ہے اس سے عبدالملک بن عمیر کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا ہے۔ میزان میں بھی یہی لکھا ہے۔ اسی طرح اس کی سند میں سفیان ثوری ہے اور وہ مدلس ہے، جبکہ عنعنہ روایت کر رہا ہے۔

تیسری میں عمرو بن ھرم ہے جسے یحییٰ القطان نے ضعیف کہا ہے اور احمد، ابن معین اور ابو حاتم نے ثقہ کہا ہے۔ المیزان میں بھی یہی ہے۔ اس میں سالم بن العلاء، ابو العلاء، المرادی ہے۔ کسی نے سالم بن عبدالواحد کہا ہے۔ ربعی بن حراش اور عطیہ عوفی سے روایت کرتا ہے اور اس سے روایت کرنے والے یعلی بن عبید اور بہت سے لوگ ہیں۔ اسے ابن معین اور نسائی نے ضعیف کہا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ المیزان میں بھی اس طرح لکھا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کو مطلوب پر دلالت کے لیے پیش کرنا تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ اقتداء سے مراد ان امور میں اقتداء ہو سکتا ہے جو خلفاء اور اولی الامر کی اطاعت سے متعلق ہیں۔ جیسا کہ السمع والطاعت کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ ان میں امراء وائمہ کی اطاعت کا حکم ہے۔ مثلاً

"من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله ومن يطع الامير فقد اطاعنی ومن يعص الامير فقد عصانی" (بخاری، مسلم، ابو ھریرہ سے)

"جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"

ام الحصین سے روایت ہے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم پر ایسا آدمی امیر مقرر کیا جائے جس کے ہاتھ پاؤں یا کان ناک کٹے ہوئے ہوں مگر جب تک وہ تمہاری قیادت کتاب اللہ کے مطابق کر رہا ہو تو اس کی اطاعت کرو اور اس کا حکم سنو۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر ایک حبشی غلام امیر بنا دیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح ہو۔ (بخاری)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان پر سننا اور اطاعت ہے۔ پسند ناپسند دونوں میں جب تک اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو اس کو سننا بھی نہیں اور ماننا بھی نہیں۔ (متفق علیہ)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی سمع و اطاعت پر مشکل اور آسانی میں اور پسند و ناپسند میں اور ہم پر ترجیح دیے جانے پر اور یہ کہ ہم حکمرانوں سے نزاع نہ کریں (حکومت نہ چھینیں) اور یہ کہ ہم جہاں بھی ہوں بلا خوف و خطر حق بات کریں اور اس میں کسی کی پرواہ نہ کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ حکومت یا حکمران سے اس وقت تک نزاع نہ کریں جب تک اس میں صراحتاً کفر نہ دیکھ لیں، ایسا کفر جس کے کفر ہونے پر اللہ کی طرف سے واضح دلیل ہو۔ (متفق علیہ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابن عباس رضی اللہ عنہ۔۔۔ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص امیر میں کوئی ایسی بات دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو صبر کرے اس لیے کہ جو بھی آدمی جماعت سے ایک بالشت دور ہوا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔(متفق علیہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اطاعت سے نکل گیا اور جماعت سے الگ ہو گیا اور ایسی حالت میں مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔(مسلم)

ان کے علاوہ بھی احادیث آتی ہیں، معلوم ہوا کہ ان احادیث میں سمع واطاعت سے مراد خلافت وامامت کے امور ہیں، ان کے افعال اقوال اور تقریرات کو حجت بنانا مراد نہیں ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات حجت ہیں (اس طرح دوسروں کے نہیں ہیں)۔ اور شاید یہی مراد ان احادیث کی بھی ہو جن میں فرمایا گیا ہے کہ سنت خلفائے راشدین کو تھامے رکھو اور یہ کہ سواد اعظم کی اتباع کرو اور جماعت کو لازم پکڑو۔

جس حدیث سے متعلق یہ بات ہو رہی ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد جو دو اشخاص (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) تو اس سے مراد وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی اور اس کی مزید تائید اس لفظ سے ہی ہو جاتی ہے "الذین من بعدی" (جو میرے بعد ہیں)۔ اس لیے کہ اگر مراد یہ ہوتا کہ ان دونوں کے افعال حجت ہیں تو صرف یہ کہنا کافی ہوتا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرو مگر جب آپ ﷺ نے میرے بعد کا لفظ کہا تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں ان کیا اقتداء نہیں ہے۔ اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد خلافت وامارت ہی ہے اس کی مثال وہ حدیث بھی ہے جس میں بیوی کو شوہر کی اطاعت اور اولاد کو والدین کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ کوئی بھی مسلمان یہ نہیں کہتا کہ شوہر کا فعل قول یا تقریر بیوی کے لیے اور والدین کا عمل اولاد کے لیے حجت ہے۔ لہٰذا یہی حال مذکورہ حدیث میں بھی ہے۔

یہ ساری تفصیلات اور دیگر گفتگو تو ان احادیث پر تھی جو صاحب کتاب (شیخ دحلان) نے توسل سے متعلق پیش کی تھیں۔ اب ہم مسئلہ توسل (وسیلہ) کی تحقیق شروع کرتے ہیں۔ اس میں سب سے پہلے ہم بعض علماء کے اقوال اور تحقیقات پیش کریں گے اور پھر جو ہمارے نزدیک حق ہے وہ بیان کریں گے (علماء کے اقوال پیش خدمت ہیں)۔

1 علامہ محمد بن اسماعیل بن صلاح الامیر الیمانی الصنعانی اپنی کتاب تطہیر الاعتقاد عن ادران الالحاد کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

الحمد للہ الذی۔۔۔۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو اس وقت تک بندوں سے توحید ربوبیت کو قبول نہیں کرتا جب تک یہ بندے اس کو توحید الوہیت میں مکمل طور پر اکیلا تسلیم نہ کرلیں۔ اس کو تمام شریکوں سے پاک نہ سمجھیں کوئی شریک نہ بنائیں۔ اس کے ساتھ کسی کو نہ پکاریں۔ صرف اسی پر توکل کریں، ہر حال میں صرف اسی کی طرف رجوع کریں اس کو اس کے اسمائے حسنیٰ کے علاوہ اور ناموں سے نہ پکاریں، سفارشیوں کے ذریعے اس کی طرف وسیلہ تلاش نہ کریں (من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ) اس کے بعد انہوں نے پانچ اصول ذکر کیے ہیں جو دین کی بنیادیں ہیں۔ ان میں سے دوسرے اصول میں فرماتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں، ابتداء تا انتہا تمام انبیاء اس لیے مبعوث کیے گئے تھے کہ وہ بندوں کو اللہ کی توحید عبادت کی طرف دعوت دیں اور ہر رسول اللہ نے سب سے پہلے اپنی قوم کو جو تبلیغ کی وہ یہ تھی:

"یا قوم اعبدوا الله مالکم من الہ غیرہ"

"میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔"

"ان لا تعبدوا الا الله"

"صرف اللہ کی عبادت کرو"

"ان اعبدوا الله واتقوہ واطیعون" (الشعرا)

"اللہ کی عبادت کرو اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو"

"لا الہ الا اللہ" اسی پیغام پر مشتمل ہے۔ انبیاء نے اپنی امتوں کو اس کلمہ کے اقرار اور اس پر اعتقاد کی طرف دعوت دی، صرف زبانی اقرار کی طرف نہیں دی اور اس کا معنی ہے کہ اللہ کو الوہیت اور عبادت میں اکیلا ماننا اور اس کے علاوہ معبودوں سے بیزاری کا اعلان کرنا ان کی نفی کرنا۔

تیسرے اصول کے ضمن میں لکھتے ہیں توحید کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اول توحید ربوبیت، خالقیت اور رازقیت وغیرہ ہے۔ اور اس کا معنی ہے اکیلا اللہ ہی جہانوں کا خالق ہے، وہی ان کا رب ہے رازق ہے۔ ان امور کا انکار مشرکین نہیں کرتے تھے اور ان میں وہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ بلکہ وہ اس کا اقرار کرتے تھے۔

دوسری قسم کی توحید ہے توحید عبادت، اس کا معنی ہے اللہ کو تمام قسم کی عبادات میں اکیلا ماننا اس میں وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین نے بتوں کو، عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کو اللہ کا شریک اس طرح نہیں ٹھہرایا تھا کہ انہیں زمین آسمان یا اپنی تخلیق میں شریک مانا تھا، بلکہ اس لیے بنایا تھا کہ یہ ان کو مرتبہ میں اللہ کے قریب کریں گے۔ وہ اپنے خالص کفریہ کلمات میں بھی اللہ کا اقرار کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ (معبودان) اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔ قرآن مجید میں مذکور ہے:

﴿قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝﴾ (یونس:۱۸)

"کیا تم اللہ کو اس کی خبر دے رہے ہو کہ (گویا) وہ نہیں جانتا آسمانوں اور زمینوں میں وہ اللہ پاک ہے اور بلند ہے اس سے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔"

ان کے اس سفارشی بنانے کے عمل کو اللہ نے شرک قرار دیا اور خود کو اس سے پاک قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔

چوتھے اصول کے تحت لکھتے ہیں جن مشرکین کی طرف اللہ نے رسولوں کو بھیجا وہ مشرک اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی ان کا خالق ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (الزخرف:۸۷)

اس بات کا بھی اقرار کرتے تھے کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝﴾ (الزخرف:۹)

وہ اس بات کا بھی اقرار کرتے تھے کہ اللہ رازق ہے، وہ مردہ کو زندہ سے اور زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے، وہی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف امور کی تدبیر کرتا ہے، وہی سماعت، بصارت اور دلوں کا مالک ہے:

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝﴾ (یونس:۳۱)

﴿قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ۝﴾ (المؤمنون:۸۴-۸۹)

"ان سے پوچھو کہ تمہیں آسمان و زمین سے کون رزق دیتا ہے یا کون ہے جو سماعت و بصارت کا مالک ہے کون ہے جو مردے کو زندہ سے اور زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے۔ کون ہے جو امور کی تدبیر کرتا ہے؟ یہ کہیں گے اللہ۔ ان سے کہہ دو تم ڈرتے کیوں نہیں۔ ان سے کہہ دو زمین اور اس میں جو کچھ ہے اس کا مالک کون ہے، اگر تم جانتے ہو؟ یہ کہیں گے اللہ۔ ان سے کہو تم نصیحت کیوں حاصل نہیں کرتے۔ ان سے پوچھو کون ہے ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک؟ یہ کہیں گے اللہ۔ ان سے کہو تم ڈرتے کیوں نہیں؟ ان سے پوچھو کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اگر تم جانتے ہو۔ یہ کہیں گے اللہ کے لیے ہے۔ ان سے کہو تم پر کیوں جادو کیا جاتا ہے؟"

ہر مشرک اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ اس کا خالق ہے اور آسمان و زمین کا خالق ہے سب کا رب اور رازق ہے، پھر فرماتے ہیں جب آپ نے یہ اصول جان لیے تو یہ بات بھی جان رکھو کہ اللہ نے عبادت کی اقسام بنائی ہیں، جن میں سے ایک اعتقادی عبادت ہے اور یہ بنیاد ہے۔ اور یہ عبادت ہے اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ اللہ ہی اکیلا رب ہے، ایک ہے وہی پیدا کرتا ہے وہی حکم کرنے کے لائق ہے۔ اسی کے اختیار میں نفع و نقصان ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ ان کے علاوہ جو بھی الوہیت کے لوازمات ہیں۔

اسی طرح ایک عبادت لفظیہ ہے، یعنی زبان سے کلمہ توحید کا اقرار ایک عبادت بدنیہ ہے، جیسے قیام، رکوع، سجدہ۔ ایک عبادت روزہ اور حج اور طواف ہے۔ ایک عبادت مالی ہے، یعنی اللہ کے حکم پر اپنے مال کا کچھ حصہ دینا۔ واجبات، مندوبات، بدنی، قولی، مالی اور فعلی عبادات بہت سی ہیں۔ لیکن یہ (مذکورہ) ان کی بنیادی اور بڑی اقسام ہیں۔ پھر انہوں نے وسیلہ کو شرک فی العبادت کی قسم میں شمار کیا ہے۔ فرماتے ہیں آپ نے ان تمام تفصیلات سے جان لیا ہو گا کہ جس نے کسی درخت، پتھر، قبر، فرشتہ، جن، زندہ یا مردہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا کہ وہ نفع یا نقصان دے سکتا ہے یا اللہ کے قریب کر سکتا ہے یا صرف سفارش اور اللہ سے توسل کے ذریعے کوئی دنیاوی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ (جہاں تک اس حدیث کی بات ہے جو نبی ﷺ کے بارے میں آتی ہے تو وہ تفصیل طلب ہے)۔ اس کے علاوہ جس نے یہ سب کچھ مان لیا، اس نے شرک کر لیا۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں میت کے لیے مال کی نذر یا اس کی قبر پر ذبیحہ اس سے وسیلہ لینا اس سے حاجات طلب کرنا وغیرہ یہ بعینہ وہی کام ہیں جو جاہلیت میں لوگ کرتے تھے۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں اگر آپ یہ کہیں کہ قبر پرست وغیرہ کہ جو زندہ یا مردہ فاسقوں اور جاہلوں کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے بلکہ ہم تو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ان کے لیے ہم نماز نہیں پڑھتے، نہ ان کے لیے روزہ رکھتے ہیں، نہ حج کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ عبادت کے معنی سے لاعلمی ہے۔ اس لیے کہ عبادت صرف ان مذکورہ امور کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کی بنیاد تو عقیدہ ہے اور عقیدہ ان کے دلوں میں پیدا ہو چکا ہے۔ بلکہ یہ تو خود کو کہتے بھی معتقد ہیں اور ان کے لیے وہ کام کرتے ہیں، جو عقیدے کی فرع ہیں۔ مثلاً ان سے دعائیں کرنا، ان کو پکارنا ان کا وسیلہ لینا، فریاد کرنا، مدد مانگنا، ان کے نام کی قسم کھانا ان کے لیے نذر نیاز کرنا وغیرہ۔

ان عبارتوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امام اسماعیل یمانی صنعانی رحمہ اللہ کی رائے میں توسل شرک فی العبادت میں داخل ہے۔

2 امام محمد بن علی الشوکانی "الرد النضید فی اخلاص کلمة التوحید" میں لکھتے ہیں اس سلسلے میں گفتگو کرنے سے پہلے چند الفاظ کی وضاحت ضروری ہے۔ اس لیے کہ ان کی وجہ سے ہی اختلاف اور التباس پیدا ہوتا ہے۔ الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

1	استغاثہ	(غین اور ث کے ساتھ) فریاد کرنا۔
2	استعانة	(عین اور نون) مدد چاہنا
3	التشفع	شفارشی تلاش کرنا یا سفارشی بنانا
4	التوسل	وسیلہ و ذریعہ بنانا

استغاثہ کا معنی ہے فریاد کرنا یعنی تکلیف دور کرنے کے لیے کسی کو پکارنا۔ جیسا کہ استنصار کا معنی ہے مدد طلب کرنا (دونوں ایک باب سے ہیں)۔ اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ مخلوق سے ان امور میں فریاد یا مدد طلب کی جائے جو اس کے اختیار و قدرت میں ہیں۔ یہ چونکہ اتنا واضح ہے کہ اس کے لیے دلائل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے خیال میں اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن میں بھی اس کا ذکر موجود ہے کہ:

﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِن شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ﴾ (القصص:۱۵)

موسیٰ علیہ السلام علیہ السلام سے اس آدمی نے فریاد کی (مشکل میں مدد چاہی) جو اس کے گروہ (بنی اسرائیل) کا تھا، دشمن کے خلاف

اور:

﴿وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ (الانفال:۷۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر وہ تم سے دین کے معاملے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا (لازم) ہے۔
اسی طرح اللہ فرماتا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (المائدۃ:۲)

"نیکی اور تقوی کے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون (مدد) کرو۔"

اور جن امور میں کہ قدرت و طاقت صرف اللہ کے پاس ہے مخلوق کے پاس نہیں ہے، تو ان میں اللہ کے علاوہ کسی سے فریاد نہیں کرنا چاہیے، جیسے گناہوں کا بخشنا، ہدایت دینا، بارش برسانا، رزق دینا وغیرہ۔ اس لیے کہ اللہ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۱۳۵)

"اللہ کے علاوہ کون گناہ بخش سکتا ہے؟"

فرماتا ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (القصص:۵۶)

"آپ جسے چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے"

فرماتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾

(فاطر:۳)

"لوگو اللہ کی نعمت یاد رکھو جو اس نے تم پر کی ہے، کیا اللہ کے علاوہ کوئی پیدا کرنے والا ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دے؟"

اسی پر وہ حدیث محمول کی جائے گی جو طبرانی معجم الکبیر میں مروی ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں منافق تھا وہ مومنوں کو ایذائیں دیتا تھا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ (لوگو) کھڑے ہو جاؤ، ہم اس منافق کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے فریاد کرتے ہیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ:

"لا یستغاث بی وانما یستغاث باللہ"

"فریاد مجھ سے نہیں اللہ سے کی جاتی۔"

آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جس بات کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہو اس کی فریاد صرف اللہ سے کی جاتی ہے۔ البتہ جو مخلوق کی قدرت و اختیار میں ہو تو اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی اور سے یہ درخواست (استغاثہ) کرے کہ میرے ساتھ فلاں پتھر وغیرہ اٹھا دو، یا میرے اور میرے کافر دشمن کے درمیان کوئی رکاوٹ پیدا کر دو (اس کے شر سے بچنے کا کوئی طریقہ بتاؤ اس سلسلے میں میری مدد کرو ماتحت الاسباب) یا چور وغیرہ سے بچاؤ کے لیے کسی سے درخواست کرنا مدد مانگنا۔ اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ ہر مکلف کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ مطلقاً فریاد کرنا صرف اللہ سے کرنا ہے اور فریاد قبول کرنے والا صرف اللہ ہے ہر قسم کی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر یہ لفظ کسی اور کے لیے استعمال ہو جائے تو وہ مجازی طور پر ہو گا حقیقی فریاد رس صرف اللہ ہے۔ اس کے ناموں میں سے المغیث اور الغیاث ہیں۔ ابو عبدا لحلیمی کہتے ہیں غیاث کا معنی بھی مغیث کا ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے "یا غیاث المستغیثین" (اے فریاد کرنے والوں کی فریاد قبول کرنے والے)۔ یعنی مشکلات میں اپنے بندوں کی دستگیری کرنے والے جب بھی بندے تجھے پکاریں اور تو ہی ان کی دعا قبول کرتا ہے تو ہی ان کو مشکلات سے نجات دیتا ہے۔ صحیحین کی روایت میں بارش کی دعا میں لفظ "اللھم اغثنا" (اے اللہ ہماری فریاد قبول کر)۔

اغاثۃ، غیاثۃ، غوثًا۔ یہ سب الفاظ قبول کرنے والے کے معنی میں آتے ہیں:

"اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم"

"جب تم نے اپنے رب سے فریاد کی تو اس نے تمہاری فریاد قبول کر لی۔"

البتہ اغاثہ افعال اور استجابہ اقوال سے ہوتا ہے۔ مگر یہ دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فتاویٰ میں فرماتے ہیں استغاثہ اس معنی میں استعمال کرنا کہ رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز طلب کی جائے جو ان کے منصب کے لائق ہے تو اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہے، جس نے اس معنی میں اختلاف کیا وہ یا تو کافر (منکر) ہے یا غلطی پر ہے، گمراہ ہے۔ اور جس معنی سے رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے تو اس کی نفی کرنا بھی واجب ہے۔ جو صفات صرف اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔ ان کو کسی اور کے لیے ثابت کرنے والا بھی کافر ہے جب اس پر حجت قائم ہو جائے ایسی حجت کے جس کو ترک کرنے والے کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی سے متعلق بایزید بسطامی رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ مخلوق کا مخلوق سے فریاد کرنا مدد چاہنا ایسا ہے جیسے ایک ڈوبنے والا دوسرے ڈوبنے والے سے مدد طلب کرتا ہو۔ شیخ ابو عبداللہ القرشی کا قول ہے کہ مخلوق سے فریاد کرنا ایسا ہے جیسے قیدی دوسرے قیدی سے مدد مانگ رہا ہو۔

جہاں تک لفظ استعانۃ کی بات ہے تو اس کا معنی ہے طلب العون، مدد طلب کرنا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مخلوق سے ان کے حسب قدرت و استطاعت دنیاوی امور میں مدد طلب کرنا، مثلاً کہ میرے ساتھ فلاں سامان اٹھوا دو، میرا پیغام یا خط پہنچا دو، میرے جانور کے لیے چارہ لا دو وغیرہ۔ اور جن امور میں مخلوق کی قدرت نہیں ہے بلکہ صرف اللہ کی طاقت و قدرت ہے تو ان میں صرف اسی اللہ سے مدد طلب کی جائے گی جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝﴾ (الفاتحہ:۴)

"خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔"

سفارش: مخلوق سے ان امور میں سفارش کروانا جن ان کی قدرت و استطاعت میں ہیں اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سنت متواترہ اور اجماع ائمہ سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ شافع ہیں اور ان کی سفارش قبول کی جائے گی، اور آپ ﷺ قیامت کے دن لوگوں کی سفارش کریں گے اور لوگ آپ ﷺ سے سفارش کروائیں گے، آپ ﷺ کو سفارشی بنائیں گے کہ رب کے سامنے سفارش کر دیں۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ سفارش گناہ گاروں کے گناہوں کی بخشش کے لیے ہو گی یا اطاعت گذاروں کے ثواب میں اضافے کے لیے۔ مگر سفارش کی نفی کسی نے نہیں کی۔ سنن ابی داؤد میں روایت ہے ایک آدمی نے کہا اللہ کے رسول اللہ ﷺ ہم اللہ کو آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کو اللہ کے سامنے سفارشی بناتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی شان اس سے بڑی ہے کہ اس کو مخلوق میں سے کسی کے سامنے سفارشی نہیں بنایا جاسکتا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو برقرار رکھا کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کو اللہ کے سامنے سفارشی بنایا جاسکتا ہے، اور اس بات کو رد کر دیا کہ اللہ کو آپ ﷺ کے لیے سفارشی بنایا جاے۔ اس کی مکمل تفصیلات شفاعت سے متعلق گفتگو میں آئیں گی۔ ان شاء اللہ

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اللہ سے جب بندہ کچھ مانگ رہا ہو تو اس کے لیے مخلوق میں سے کسی کا وسیلہ بنائے تو اس بارے میں عزبن عبد السلام کہتے ہیں اللہ کے پاس صرف نبی ﷺ کا وسیلہ جائز ہے اگر روایت صحیح ہو۔ غالباً ان کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جو نسائی اور ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور جسے ابن ماجہ وغیرہ نے صحیح کہا ہے کہ ایک نابینا آدمی اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا اللہ کے رسول اللہ ﷺ میں نابینا ہو گیا ہوں میرے لیے اللہ سے دعا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وضو کر اور دو رکعت نماز پڑھ اور پھر کہو:

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی محمد ﷺ کے واسطے سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ! میں آپ کو اپنی بینائی کی واپسی کے لیے سفارشی بناتا ہوں۔ اے اللہ میرے بارے میں اپنے نبی کی سفارش قبول کر۔"

اگر کوئی اور ضرورت اور حاجت ہو تو ایسا ہی کر۔ اللہ نے اس آدمی کی بینائی لوٹا دی۔

اس حدیث کے مطلب میں علماء کے دو قول ہیں۔

1 جو وسیلہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لیا تھا اس میں الفاظ ہیں کہ:

"(اے اللہ!) جب ہم پر قحط سالی آتی تھی تو ہم تیرے نبی کا وسیلہ تیرے پاس لاتے تھے اور تو ہمیں بارش دیتا تھا اور اب ہم نبی ﷺ کے چچا کا وسیلہ لائے ہیں۔"

یہ حدیث صحیح بخاری وغیرہ میں ہے۔ اس میں عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا کہ استسقاء میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کا وسیلہ لیتے تھے اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کے چچا کا وسیلہ لیا۔ ان کا وسیلہ یہ ہوتا تھا کہ وہ دعا کریں اور لوگ بھی ان کے ساتھ دعا کریں تو یہ اللہ کی طرف ان کا وسیلہ تھا۔ اس میں شفاعت کرنے والے اور دعا کرنے والے ہوتے تھے۔

2 (دوسرا قول) آپ ﷺ کا وسیلہ آپ کی زندگی میں آپ کی وفات کے بعد، آپ ﷺ کی موجودگی اور غیر موجودگی میں ہوتا تھا۔ حالانکہ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آپ ﷺ کا وسیلہ آپ کی زندگی میں لیا جاتا تھا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد کسی اور کا وسیلہ لیا جاتا تھا۔ اس پر صحابہ کرام کا سکوتی اجماع ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی عمر رضی اللہ عنہ پر عباس رضی اللہ عنہ... کے وسیلہ لینے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر اعتراض نہیں کیا۔

میری رائے: میرے خیال میں وسیلہ کے جواز کو صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جیسا کہ عز بن عبد السلام کا خیال ہے۔ یعنی صرف نبی ﷺ کا وسیلہ لینا جائز ہے کسی اور کا نہیں۔ میرے خیال میں یہ بات صحیح نہیں۔ اور اس کی دو وجہ ہیں۔

1 صحابہ کرام کا اس پر اجماع۔

2 اللہ کی طرف اہل فضل واہل علم کا وسیلہ (دراصل ان کے اعمال صالحہ اور فضائل عالیہ کا ہی ہوتا ہے۔

(یہ بات دو وجہ سے غلط ہے اس لیے کہ کسی اور کی فضیلت اور اعمال کا وسیلہ عقل وشرع دونوں لحاظ سے غلط ہے۔ اصحاب الغار نے اپنے اعمال کا وسیلہ لیا تھا۔ اس کا مزید رد عنقریب آجائے گا)۔ (محمد رشید رضا)

اس لیے کہ کوئی آدمی صاحب فضیلت اس کے اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے، لہٰذ جب کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اے اللہ! میں تیرے پاس فلاں عالم کا وسیلہ پیش کرتا ہوں تو وہ اس کے علم کے اعتبار سے کہہ رہا ہوتا ہے، اور صحیحین وغیرہ میں ثابت ہے کہ غار کا دہانہ بند کر دیا تھا، ان میں سے ہر ایک نے اپنے سب سے بڑے عمل صالح کا واسطہ دیا تو چٹان کھسک گئی۔ اگر اعمال صالحہ کا وسیلہ جائز نہیں تھا یا اگر یہ شرک ہوتا تو عز بن عبد السلام جیسے متشدد کہہ رہے ہیں تو پھر ان لوگوں کی دعا کبھی قبول نہ ہوتی اور نہ ہی یہ واقعہ بیان کر کے نبی ﷺ اس کے رد کرنے سے خاموشی اختیار کرتے۔ اور یہ جو انبیاء کے وسیلے سے منع کرنے والوں کے دلائل ہیں مثلاً:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ﴾ (الزمر:۳)

اور

﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ (الجن:۱۸)

اور

﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُم بِشَيْءٍ﴾ (الرعد:۱۴)

ان آیات کو بنیاد بنا کر اس مسئلے پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ان کی بنیاد پر اعتراض کا مطلب ہے کہ غیر متعلقہ دلائل پیش کرنا۔ اس لیے کہ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان معبودوں کی عبادت کی تھی۔ جبکہ کسی عالم کا جب وسیلہ لیا جاتا ہے تو اس کی عبادت نہیں کی جاتی بلکہ اس کی علمیت کی وجہ سے اس کا وسیلہ لیا جا رہا ہے۔ اسی طرح آیت بھی ﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ وسیلے کے خلاف دلیل نہیں بن سکتی، اس لیے کہ اس میں اللہ کے ساتھ کسی پکارنے سے منع کیا گیا ہے کہ کوئی شخص اس طرح نہ کہے کہ یا اللہ دیا فلاں۔ جبکہ کسی عالم کا جب وسیلہ لیا جاتا ہے تو اس میں صرف اللہ کو پکارا جاتا ہے اور عالم کا وسیلہ صرف اس کے نیک عمل کا لیا جاتا ہے۔ جیسے غار میں محبوس تین آدمیوں نے کیا تھا اسی طرح ﴿وَالَّذِينَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ بھی وسیلے کے خلاف دلیل نہیں بن سکتی، اس لیے کہ یہ آیت ان لوگوں کے رد میں ہے جو اللہ کے علاوہ ان کو پکارتے ہیں جو ان کی پکار قبول نہیں کر سکتے اور اس اللہ کو نہیں پکارتے جو قبول کرتا ہے۔ جبکہ عالم کا وسیلہ لینے والا صرف اللہ کو پکارتا ہے کسی اور کو نہیں پکارتا نہ اس کے ساتھ نہ اس کے علاوہ۔

جب آپ نے یہ جان لیا تو آپ پر یہ بات مخفی نہیں ہوگی کہ وسیلے سے منع کرنے والوں کے دلائل زیر بحث مسئلے سے خارج ہیں۔ ان دلائل کا اس مسئلے سے تعلق نہیں ہے، جیسا کہ آیت:

﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۝﴾ (الانفطار:۱۷-۱۹)

”آپ کو کیا معلوم کہ قیامت کا دن کیا ہے اور پھر آپ کو کیا معلوم کہ قیامت کا دن کیا ہے؟ جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کچھ بھی اختیار نہیں رکھے گا اور اختیار صرف اللہ کا ہی ہوگا۔“

اس آیت میں تو صرف یہ بتایا گیا ہے کہ جزاء کے دن سارے اختیارات صرف اللہ کے پاس ہوں گے، اس دن کسی اور کے پاس کسی قسم کا اختیار نہیں ہوگا۔ جبکہ انبیاء یا علماء کا وسیلہ لینے والا یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ جس کا میں وسیلہ لے رہا ہوں وہ قیامت کے دن اللہ کے اختیارات میں شریک ہوگا۔ یہ عقیدہ تو جو بھی رکھے گا چاہے نبی کے بارے میں ہو یا غیر نبی کے وہ گمراہ ہے۔ اسی طرح وسیلے کی ممانعت پر اس آیت سے دلیل لینا ﴿لیس لك من الامر شيئ﴾۔ آپ ﷺ کو معاملے کا کوئی اختیار نہیں۔ یا یہ آیت کہ ﴿قل لا املك لنفسي نفعا ولا ضرا﴾ کہہ دیجیے کہ میں اپنے لیے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ (یہ دونوں آیتیں دلیل اس لیے نہیں بن سکتیں کہ) ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ کے معاملات میں اختیار نہیں ہے اور جب اپنے لیے اختیار نہیں ہے تو دوسروں کے لیے کیا ہوگا؟ ان آیتوں میں وسیلہ لینے کی ممانعت نہیں ہے نہ محمد ﷺ کی نہ دیگر انبیاء اور نہ صلحاء یا علماء کے وسیلے کی۔ اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے لیے مقام محمود مقرر کر دیا ہے جو شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے اور لوگوں کو بتایا ہے کہ آپ ﷺ کے لیے اس مقام کی دعا کریں کہ اللہ آپ ﷺ کو یہ مقام دے دے۔

(یہ بات تو صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو الہام کرے گا کہ وہ فیصلے کے لیے اللہ کے پاس انبیاء کی سفارش کروائیں، مگر اللہ نے انہیں اپنی کتاب میں یہ حکم نہیں دیا ہے کہ وہ انبیاء، صلحاء اور علماء کی قبروں پر جا کر دنیا و آخرت کی حاجات پوری کرنے (یا کروانے) کے لیے سوال کریں اور اسے عبادت بھی قرار نہیں دیا ہے۔ نہ ہی اسے ضروریات پوری ہونے کا سبب بنایا ہے نہ گناہوں کی بخشش اور نہ آخرت کی سعادت کا ذریعہ بنایا ہے۔ بلکہ اللہ نے ان کے لیے یہ طریقہ مقرر کیا ہے کہ رزق اور امراض سے شفا ان معروف اسباب و ذرائع سے حاصل کریں جو تجربات اور تحقیقات سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور اخروی سعادت ایمان اور عمل صالح اور گناہوں سے توبہ کے ذریعے حاصل کریں۔ اور یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی کو ان امور میں نہ پکاریں جو ان اسباب سے ماوراء ہوں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کر رکھے ہیں اور شریعت میں جس تعاون کا ذکر ہے اس کے دائرے میں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

رہ کر تعاون و مدد حاصل کی جائے۔ جبکہ وسیلہ لینے والا اس کا شدید طریقے سے انکار کرتا ہے جیسا کہ عنقریب ذکر ہوگا)۔(محمد رشید))

رسول اللہ ﷺ سے کہا جائے گا کہ مانگیں آپ کو دیا جائے گا، سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ البتہ اپنی کتاب (قرآن مجید) میں اس سفارش کے ساتھ یہ قید لگائی گئی ہے کہ یہ اللہ کی اجازت سے ہوگی اور صرف اس کے لیے ہوگی جسے وہ (اللہ) پسند کرے گا۔ اس کی تحقیق ان شاء اللہ آجائے گی۔

اسی طرح وسیلے کی ممانعت پر اس آیت سے استدلال کرنا:

﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝﴾ (الشعراء:۲۱۴)

"اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔"

اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کر کے کہا تھا کہ یا فلاں ابن فلاں میں اللہ کے ہاں تمہارے لیے کوئی اختیار نہیں رکھوں گا۔ اے فلاں بنت فلاں میں اللہ کے ہاں تمہارے لیے کوئی اختیار نہیں رکھوں گا۔ یہ اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ جس کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرلے رسول اللہ ﷺ اس کو ختم کرنے یا روکنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ نہ ہی آپ ﷺ اس شخص کو ضرر پہنچا سکتے ہیں جس کو نفع دینے کا اللہ نے ارادہ کیا ہو اور یہ کہ آپ ﷺ اپنے قریبی رشتہ داروں کے لیے دوسروں کی بنسبت کوئی اضافی نفع نہیں دے سکتے۔ یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے اس میں یہ بات کہیں نہیں ہے کہ آپ ﷺ کا اللہ کی طرف وسیلہ نہیں لینا چاہیے اس لیے کہ (وسیلہ) اس ذات سے کسی امر کا سوال یا طلب ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں اختیار ہوتا ہے۔ البتہ طالب اور سوال کرنے والا یہ چاہتا ہے کہ اپنے سوال سے پہلے اس کو پیش کرے جو اس ذات سے قبول کروانے کا سبب بن سکتا ہو جس کے ہاتھ میں دینے اور نہ دینے کا اختیار ہے اور وہی "مالك يوم الدين" (اللہ) ہے۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ مصیبت میں پناہ اور سہارا لینا یا طلب کرنا اور جو ہم نے مجرد وسیلہ یا اس کی سفارش جس کو سفارش کا حق ہے کا ذکر کیا ہے تو وہ اور چیز ہے۔ یہ کام (پناہ لینا یا مصیبت میں مدد وغیرہ طلب کرنا ایسا کام ہے) آج کل بہت سے عوام اور اور بعض خواص بھی اہل قبور کے لیے کر رہے ہیں، اور اہل قبور کے علاوہ نیک زندوں کے لیے بھی کر رہے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھ کر کرتے ہیں کہ یہ اہل قبول یا زندہ صالحین ان چیزوں پر قادر ہیں جن کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہوتی ہے اور یہ وہ کام کرسکتے ہیں جو صرف اللہ کرتا ہے یہاں تک کہ ان کی زبانوں نے وہ بات اگل دی ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ یہ لوگ کبھی ان اہل قبور و صلحاء کو اللہ کے ساتھ پکارتے ہیں کبھی مستقل طور پر انہیں پکارتے ہیں۔ ان کے ناموں کو پکارتے ہیں ان کو ایسی تعظیم دیتے ہیں جیسے نفع و نقصان کے مالک کو تعظیم دی جاتی ہے۔ ان کے آگے ایسی عاجزی کرتے ہیں کہ ایسی عاجزی وہ نماز اور دعا میں اللہ کے لیے بھی نہیں کرتے۔ اگر یہ کام شرک نہیں ہے تو پھر شرک کیا ہے اور اگر یہ کفر نہیں ہے تو پھر دنیا میں کفر ہے ہی نہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے وہ دلائل پیش کریں گے جن میں اس کی ممانعت ہے اور جن میں سے بعض میں اسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صراحت کے ساتھ شرک کہا گیا ہے اور بعض میں، ایسے ہیں جو اس سے کم درجے کے ہیں۔ اور وہ اس کی بنسبت کہ جسے ہم نے ذکر کیا ہے کم تر ہے اور دوبارہ ہم سوال کی طرف واپس آتے ہیں۔

پھر چند صفحات کے بعد کہا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ شرک اور اس کے ذرائع کے خاتمے کے لیے شریعت میں کثیر تعداد میں دلائل موجود ہیں۔ اگر ان تمام دلائل کو شمار کرنے کی کوشش کی جائے تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ ہم چند دلائل پر ہی اکتفا کریں گے اور صرف ان امور پر گفتگو کریں گے جو قبر پرست کرتے ہیں کہ مردوں سے فریاد کرتے ہیں۔ انہیں ضروریات کی تکمیل کے لیے پکارتے ہیں۔ بعض حالات میں انہیں اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں، بعض حالات میں تو صرف انہیں کو پکارتے ہیں (اللہ کو نہیں پکارتے)۔ اب دلائل پیش خدمت ہیں۔

یہ بات جان رکھیں کہ اللہ نے رسولوں کو جس مقصد کے لیے بھیجا اور کتابیں نازل کیں وہ مقصد یہ نہیں تھا کہ لوگوں کو اللہ کے خالق ہونے پر قائل کیا جائے یا انہیں یہ بتایا جائے کہ اللہ رازق ہے وغیرہ۔ اس لیے کہ ان باتوں کا تو ہر مشرک قائل ہوتا ہے اور رسول اللہ کی بعثت سے قبل بھی ان باتوں کو مانتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (الزخرف:۸۷)

''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ کہیں گے اللہ نے۔''

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝﴾ (الزخرف:۹)

''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ کہیں گے اللہ نے جو غالب اور علم والا ہے۔''

﴿قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝﴾ (یونس:۳۱)

''ان سے کہہ دیں کہ تمہیں آسمان و زمین سے کون رزق دیتا ہے یا کون ہے جو سماعت، بصارت اور دلوں کا مالک ہے اور کون زندہ کو مردہ سے مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون ہے جو امور کی تدبیر کرتا ہے۔ یہ کہیں گے اللہ، ان سے کہہ دیں تم (اس سے) ڈرتے کیوں نہیں؟''

﴿قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾ (المؤمنون:۸۴)

''ان سے کہہ دو کہ زمین اور جو اس میں ہے وہ کس کا ہے اگر تم جانتے ہو؟ یہ کہیں گے اللہ کے لیے ہے ان سے کہو تم نصیحت کیوں حاصل نہیں کرتے۔''

﴿قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝﴾ (المؤمنون:۸۶)

''ان سے کہہ دو کہ کون ہے سات آسمانوں کا رب اور کون ہے عرش عظیم کا رب۔ یہ کہیں گے اللہ ہے، ان سے کہو تم ڈرتے کیوں نہیں؟''

﴿قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ۝﴾ (المؤمنون:۸۸-۸۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"ان سے کہو کس کے ہاتھ میں ہے ہر چیز کی بادشاہت اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف پناہ نہیں دی جاتی اگر تم جانتے ہو؟ یہ کہیں گے اللہ کے لیے ہے ان سے کہو تم پر کہاں جادو کیا جاتا ہے؟"

اسی وجہ سے ہم کتاب اللہ میں جتنی بھی آیات دیکھتے ہیں ان میں کفار سے خالق کے بارے میں خطاب کرتے ہوئے استفہامی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ مثلاً:

﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ﴾ (فاطر:۳) "کیا اللہ کے علاوہ کوئی خالق ہے؟"

﴿أَفِي اللهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ (ابراھیم:۱۰)

"کیا اللہ کے بارے میں (تمہیں) شک ہے جو آسمانوں، زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے؟"

﴿أَغَيْرَ اللهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ (الانعام:۱۴)

"کیا میں اللہ کے علاوہ کسی کو دوست بناؤں جو آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے۔"

﴿أَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ (لقمان:۱۱)

"مجھے بتاؤ اللہ کے علاوہ جو لوگ ہیں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟"

بلکہ اللہ نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور کتابیں نازل کیں تاکہ اس کی توحید کو خالص کریں اور اسے عبادت میں اکیلا تسلیم کریں۔

﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ (الاعراف:۵۹)

"میری قوم اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔"

﴿أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا اللهَ﴾ ﴿أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاتَّقُوْهُ وَأَطِيْعُوْنِ ۝﴾ ﴿قَالُوْا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا﴾ ﴿أَنِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ ﴿فَإِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ﴾

آیات اس پر دلالت کرتی ہیں، اور توحید اس وقت تک خالص نہیں ہو سکتا جب تک دعا، پکار، فریاد، امید، خیر طلب کرنا، شر کو دفع کرنا یہ سب صرف ایک اللہ سے نہ مانگا جائے۔ نہ کسی اور سے ہو نہ کسی اور کے لیے ہو۔

﴿فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللهِ أَحَدًا ۝﴾ (الجن:۱۸)

"اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔"

﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ (الرعد:۱۴)

"اسی کے لیے ہے سچی پکار۔"

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ﴾ (الرعد:۱۴)

"جو لوگ اس کے علاوہ اوروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی کوئی پکار قبول نہیں کرسکتے۔"

﴿وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝﴾ (ابراھیم:۱۲)

"صرف اللہ پر ہی توکل کرنے والے توکل کریں۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (المائدہ:۲۳)

"اور اللہ پر ہی توکل کرو اگر تم مومن ہو۔"

کتاب اللہ نے یہ بات بھی ثابت کی ہے کہ جن مشرکین کی طرف اللہ نے رسول اللہ بھیجے تھے ان کا شرک یہی تھا کہ وہ اپنے شریکوں کے بارے میں نفع نقصان اور اللہ کے ہاں سفارشی ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ان کا خالق اور ان معبودوں کا خالق اللہ ہے۔ ان کو رزق دینے والا، زندہ کرنے والا، ان کو موت دینے والا اللہ ہی ہے۔ کہتے تھے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (الزمر:۳)

"ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔"

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ:۲۲)

"اللہ کے لیے شریک مت ٹھہراؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔"

﴿اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (الشعراء:۹۷-۹۸)

"بے شک ہم واضح گمراہی میں تھے جب ہم نے تمہیں رب العالمین کے مساوی قرار دیا۔"

﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝﴾ (یوسف:۱۰۶)

"ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہیں۔"

﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس:۱۸)

"یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔"

وہ لوگ تلبیہ میں کہتے تھے:

"لبيك لا شريك لك الا شريكا هو لك تملكه وما ملك" (بخاری)

"اے اللہ! ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں ہے مگر وہ جو تیرا شریک ہے تو اس کا مالک ہے اور اس کا بھی اور جس کا وہ مالک ہے۔"

جب یہ ثابت ہو گیا تو اس بات میں شک نہیں رہا کہ جو شخص کسی میت یا زندہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ اکیلا یا اللہ کے ساتھ نفع و نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور اسے پکارتا ہے۔ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس سے ان امور میں فریاد کرتا ہے جو مخلوق کی قدرت و طاق میں نہیں ہیں تو ایسا شخص اللہ کے لیے توحید کو خالص نہیں کر رہا نہ ہی اس کو عبادت میں اکیلا تسلیم کر رہا ہے۔ اس لیے کہ اس سے کسی قسم کا نفع طلب کرنا یا ضرر دفع کرنے کی درخواست کرنا عبادت کی ایک قسم ہے۔ اب اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ جسے پکارا جا رہا ہے وہ پتھر ہے۔ فرشتہ ہے یا شیطان ہے، جیسا کہ دور جاہلیت میں لوگ کرتے تھے اور اس بات میں کہ وہ پکارا جانے والا زندہ یا مردہ انسان ہو جیسا کہ موجودہ دور کے مسلمان کر رہے ہیں۔ ہر عالم اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور اس کا اقرار کرتا ہے اس لیے کہ علت ایک ہی ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کرنا اسے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا حیوان کے لیے بھی ایسا ہی ہے جیسے جمادات کے لیے ہے۔ زندہ کے لیے بھی ویسے ہی ہے جیسے مردہ کے لیے ہے۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ بت کو نفع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نقصان کا مالک سمجھنا یا ان امور کا مختار سمجھنا جو صرف اللہ کی قدرت میں ہیں اس میں فرق ہے۔ تو اس کا یہ خیال غلط ہے۔ یہ شخص اپنی بہت بڑی جہالت کا اقرار کر رہا ہے۔

اس لیے کہ شرک کا معنی ہے غیر اللہ کو ان امور میں پکارنا جن کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہے یا غیر اللہ کے بارے میں ایسی طاقت و قدرت کا عقیدہ رکھنا جو صرف اللہ کی قدرت ہے یا غیر اللہ کی طرف ایسی قربت تلاش کرنا جو صرف اللہ کی طرف کی جاتی ہے۔ صرف اس وجہ سے مشرکین کو مشرک کہنا کہ انہوں نے بتوں کو الہٰ اور اللہ کا شریک ٹھہرا لیا تھا اور آج کل اکثر مسلمان جو قبر، مزار یا ولی کے لیے جو کچھ کر رہے ہیں ان کے لیے شرک یا مشرک کا لفظ استعمال کرنا۔ (یعنی یہ لوگ اس لفظ کا مصداق نہیں ہیں) تو ہم اس فرق کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ سب کا حکم ایک ہی ہے۔ جب وہی اعتقاد جو کسی نے بت کے بارے میں رکھا وہی کسی قبر یا ولی کے بارے رکھا جائے (تو اسے بھی شرک اور اعتقاد رکھنے والے کو مشرک کہا جائے گا) اس لیے کہ شرک صرف یہ نہیں ہے کہ بعض چیزوں کے کچھ نام رکھ دیئے جائیں بلکہ شرک یہ ہے کہ غیر اللہ کے لیے وہ کام کیے جائیں جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں چاہے وہ غیر اللہ ایسا ہو جسے دورِ جاہلیت میں کچھ اور کہا جاتا ہو اور اب کچھ اور کہا جائے۔ صرف نام کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اس بات کو نہیں جانتا تو وہ اس قابل ہی نہیں کہ اسے عالم کہا جائے۔ ہر عالم یہ بات جانتا ہے کہ کفار بتوں کی عبادت ان کی تعظیم کی وجہ سے کرتے تھے۔ اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ نفع نقصان دے سکتے ہیں، ضرورت کے وقت ان سے فریاد کرتے تھے ان کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے تھے اور یہی سب کچھ قبر پرست بھی کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی قبروں کی تعظیم اس حد تک کرنی شروع کی ہے۔ جو صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔ بلکہ بعض دفعہ تو ایک نافرمان شخص اگر قبر یا مزار کے قریب ہوتا ہے تو اس قبر یا مزار کی طرف سے جلد سزا ملنے کے خوف سے معصیت ترک کر دیتا ہے جبکہ یہی معصیت وہ مسجد میں یا مسجد کے قریب ہونے کے باوجود ترک نہیں کرتا (مثلاً جب کوئی بس، منی بس وغیرہ مزار کے قریب سے گزرتی ہے تو ڈرائیور گانے بجانا بند کر دیتا ہے اور اگر مساجد کے قریب سے گذرتا ہے تو گانے بج رہے ہوتے ہیں مسجد کے احترام میں انہیں بند نہیں کرتا۔ مترجم)

یہ قبر پرست اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں کھا لیتے ہیں مگر مزار یا قبر والے کے نام کی جھوٹی قسم کھانے سے ڈرتے ہیں (قسم صرف اللہ کے نام کی کھانی چاہیے اگر شدید ضرورت ہو تب ورنہ نہیں، غیر اللہ کی قسم حدیث میں ممنوع قرار دی گئی ہے۔ مصنف کی بات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیر اللہ کی قسم جائز ہے بلکہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ قبر پرست اللہ سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا قبر یا مزار والے سے ڈرتے ہیں (مترجم))

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ لوگ ان کے بارے میں نفع نقصان کا اعتقاد رکھتے ہیں تو اگر ان کے دلوں میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں تو اگر ان کے دلوں میں یہ اعتقاد نہ ہوتا تو کوئی بھی کسی زندہ یا مردہ کو نفع حاصل کرنے یا ضرر رفع کرنے کے لیے نہ پکارتا یہ لوگ ان قبروں اور مزاروں والوں کو پکارتے ہیں کہ میری فلاں حاجت پوری کر دو، مجھے اللہ کا اور تیرا سہارا ہے وغیرہ۔ مردوں کے تقرب کے حصول کی جہاں تک بات ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ ان قبروں اور مزاروں والوں کے لیے نذر نیاز کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور اگر ان سے کہا جائے کہ کچھ مال اس میں سے اللہ کے نام پر دیدو تو نہیں دیتے۔ یہ ایسی بات ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔

سوال: اگر کوئی سوال کرے کہ یہ قبر پرست اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ نفع نقصان دینے والا ہے اور اس کے ہاتھ میں خیر و شر ہے، اگرچہ یہ قبروں والوں کو پکارتے ہیں مگر اس پکار کا مقصد ہوتا ہے کہ اللہ سے جو کچھ یہ مانگ رہے ہیں یہ قبروں والے وہ چیز اللہ اسے دلا دیں؟

جواب: جاہلیت میں بھی یہی ہوتا تھا وہ لوگ بھی اس بات کو جانتے تھے کہ نفع نقصان، خیر و شر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ لوگ بتوں کی عبادت اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کرتے تھے جیسا کہ اس کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کر دیا ہے۔ البتہ اگر صرف وہ توسل کوئی مسلمان کرتا ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے تو اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے صرف وسیلہ لیا ہے جبکہ وہ اس میت کی ایسی تعظیم کرتا ہے جو کسی بھی مخلوق کے لیے نہیں کرنی چاہیے اور اس اعتقاد کے ساتھ ساتھ وہ ذبیحہ اور نذر کے ذریعے اس میت کا قرب حاصل کرتا ہے۔ ضرورت کے وقت اس سے فریاد کرتا ہے تو یہ شخص اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے کہ وہ صرف وسیلہ لے رہا ہے۔ اگر یہ صرف وسیلہ لے رہا ہوتا تو اس کو نذر، ذبیحہ وغیرہ رشوت دینے یا تعظیم و اعتقاد کی ضرورت نہ تھی، اس لیے کہ جسے پکارا جا رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے اور وہ قبول کرنے والا ہے اور جس کا وسیلہ لیا جا رہا ہے اس کی (اس قبولیت میں) کوئی تاثیر نہیں ہے بلکہ اس کو وسیلہ بنانا تو بمنزلہ عمل صالح کے وسیلہ بنانے کے ہے۔ ایسے میں اس شخص کی رشوت کا کیا فائدہ ہے جو منوں مٹی کے نیچے دفن ہے۔

یہ عمل وہی کر سکتا ہے جس کا اعتقاد ہو کہ اس (قبر والے) کی تاثیر ہے بطور اشتراک یا مستقل طور پر۔ اس کے افعال و اعمال جس بات کی گواہی دے رہے ہیں وہ اس کی زبانی دعووں کے موافق نہیں ہیں اور اس کا یہ زبانی دعویٰ (اس کے عمل کی بنا پر) جھوٹا ثابت ہو رہا ہے۔ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں صرف وسیلہ لے رہا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنی دعا میں یا فلاں کہہ کر اس کو پکارتا ہے جس کے بارے میں اس کا اعتقاد ہے (کہ وہ نفع نقصان، خیر و شر کے مالک ہیں) لہٰذا یہ خود اپنے عمل سے اپنی ہی بات کی تکذیب کر رہا ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ یہ لوگ مردوں کو مستقلاً نہیں پکارتے ان سے فریاد نہیں کرتے تو یہ ہمیں اس بات کا جواب دے کہ یمن میں جو لوگ یا ابن العجلی، یا زیلعی، یا ابن علوان وغیرہ پکارتے ہیں کیا اس میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے یا اس کا کوئی انکار کر سکتا ہے کہ یہ مردوں کو مستقلاً نہیں پکارتے؟

اسی طرح یمن کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی یہ چیز عام اور مشہور ہے (کہ اولیاء کی قبروں اور مزارات پر جا کر انہیں پکارا جاتا ہے کہیں علی ہجویری، کہیں غوث اعظم، کہیں پیر بابا، کہیں شہباز قلندر وغیرہ (مترجم))

الغرض ہر ملک، شہر اور بستی میں کوئی نہ کوئی قبر یا مزار ایسا ضرور ہے جس میں مدفون شخص کے بارے میں وہاں کے باشندے عقیدہ رکھتے ہیں اور اسے پکارتے ہیں ہر شہر میں اس مزار کے مدفون کی ایک جماعت ہوتی ہے (سجادہ نشین، گدی نشین ہوتے ہیں اور ہر ایک کا اپنا ہی سلسلہ خانقاہیہ ہوتا ہے)۔ یہ لوگ تو حرم شریف میں بھی یا ابن عباس رضی اللہ عنہ یا محبوب پکارتے ہیں۔ اب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ ابلیس اپنے لشکر سمیت اکثر مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو گیا ہے اور ان کے قدم اسلام کی راہ سے ہٹا رہا ہے۔ اللہ سب کو شیطان کے مکر سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ آمین

ایسے لوگ اب کہاں ہیں جو ان آیات کا مطلب سمجھ سکیں۔

1 ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ﴾ (الاعراف:۱۹۴)

"جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری طرح ہی بندے ہیں۔"

2 ﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۝﴾ (الجن:۱۸)

"اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔"

3 ﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ﴾ (الرعد:۱۴)

"اسی کو پکارنا حق ہے اور جن کو یہ لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ ان کی کوئی بات قبول نہیں کر سکتے۔"

اللہ نے ہمیں یہ بھی بتلا دیا ہے کہ دعا عبادت ہے فرماتا ہے:

﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝﴾ (غافر:۶۰)

"مجھ سے دعائیں کرو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت (دعا) سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔"

ابو داؤد اور ترمذی رحمہ اللہ میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دعا عبادت ہے، ایک روایت میں ہے دعا عبادت کا مغز ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ آیت تلاوت کی (ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے)۔ نسائی، ابن ماجہ، حاکم، احمد اور ابن ابی شیبہ نے بھی اسے مذکورہ الفاظ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح مردوں کے لیے ذبیحہ کرنا یا مال میں سے کچھ نذر نیاز کرنا، تعظیم کرنا سب عبادات ہیں جس طرح کہ قربانی اور صدقہ، عاجزی، انکساری اللہ کی عبادات ہیں۔ اگر کوئی شخص ان دونوں میں فرق کرتا ہے تو ہم اس سے درخواست کریں گے کہ ہمیں بھی یہ فرق سمجھا دے؟

اگر کوئی یہ کہے کہ ان مردوں کو پکارنا ان کے لیے ذبیحہ کرنا اور ان کے لیے نذر نیاز کرنا ان سب کا مقصد ان کی عبادت کرنا نہیں ہے۔ تو اس سے پوچھا جائے کہ پھر یہ سب کچھ کس مقصد کے لیے کر رہے ہو؟

کسی پریشانی میں جب تم کسی فوت شدہ کو پکارتے ہو تو یہ تمہارے دل میں کوئی بات ہوتی ہے جس کی ترجمانی تمہاری زبان کر رہی ہوتی ہے۔ اگر تم مصیبت و پریشانی یا کسی حاجت کے وقت مردوں کے بارے میں فضول اور بے ہودہ باتیں زبان سے ادا کرتے ہو تو شاید تم اپنی دانست میں صحیح کرتے ہو گے؟ (یعنی ان سے نفع نقصان کی امید یا اعتقاد نہیں رکھتے پھر بھی انہیں پکارتے ہو تو یہ فضول اور بے مقصد پکار کیا کوئی صاحب عقل کر سکتا ہے؟)

اور اگر تم ذبیحہ اللہ کے لیے کر رہے ہو، نذر اللہ کے لیے کر رہے ہو تو پھر اس کو میت کے نام پر یا اس کی قبر و مزار پر کیوں کر رہے ہو؟ (مزار کے مجاوروں اور ملنگوں کے بجائے) دیگر غریب دنیا کے ہر کونے میں ہر جگہ موجود ہیں، انہیں کیوں نہیں دیتے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مزار پر نذر یا ذبیحہ کسی مقصد کے تحت ہی کر رہے ہو اور اس کا باقاعدہ تم نے ارادہ کیا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر تم مرفوع القلم ہو یا پاگل مجنون ہو اور یہ فیصلہ ہم نے اس لیے کیا ہے کہ تمہاری باتیں اور تمہارے افعال پاگلوں والے ہی ہیں۔ اگر تم یہ افعال عقلمندوں کے افعال کی طرح کر رہے ہو تو پھر پاگل ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے، خاص کر اس الزام سے بچنے کے لیے جو بت پرستوں پر لگتا تھا جن کے بارے میں اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ:

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَٰذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا لِشُرَكَائِنَا﴾ (الانعام:۱۳۶)

"انہوں نے کھیتوں سے حاصل ہونے والی پیداوار اور چوپائیوں میں سے حصہ مقرر کر دیا ہے اور اپنی دانست میں ایک حصہ کو اللہ کا اور دوسرے کو اپنے شریکوں کا حصہ قرار دیتے ہیں۔"

﴿وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۗ تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ○﴾ (النحل:۵۶)

"اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے ان کے لیے یہ حصہ بناتے ہیں جنہیں یہ جانتے نہیں ہیں۔ اللہ کی قسم تم جو کچھ گھڑتے ہو اس کا تم سے ضرور سوال ہو گا۔"

سوال: اگر کوئی کہے کہ مشرکین تو کلمہ توحید کا اقرار نہیں کرتے تھے جبکہ موجودہ دور کے قبر پرست اور مردہ پرست کلمہ کا اقرار کرتے ہیں؟

جواب: ان لوگوں نے کلمے کا زبانی اقرار کیا ہے اور اپنے افعال سے اس کی مخالفت کی ہے، اس لیے کہ جو شخص مردوں سے فریاد کرتا ہے یا ان سے وہ چیز طلب کرتا ہو جو صرف اللہ کی قدرت میں ہے یا ان کی تعظیم کرتا ہو یا اپنے مال کا کچھ حصہ ان کے لیے نذر کرتا ہو یا ان کے لیے ذبیحہ کرتا ہو تو وہ (مردہ) ان کے لیے اس الٰہ کی طرح ہے جس کے لیے مشرکین یہ سب کام کرتے تھے۔ لہٰذا یہ شخص "لا الہ الا اللہ" کے معنیٰ کا نہ اعتقاد رکھتا ہے نہ اس پر عمل کرتا ہے، بلکہ اعتقاداً و عملاً اس کی مخالفت کرتا ہے۔ اگر یہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو اس اقرار میں یہ جھوٹا ہے اس لیے کہ اس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کو معبود اور نفع نقصان کا مالک قرار دیدیا ہے۔ اور تکالیف و مصائب میں اس کو پکار کر اس سے فریاد کر کے اس کی تعظیم کر کے اور اس کے لیے عاجزی یا ذبیحہ کر کے اس کے لیے نذر مان کر اس کی عبادت کی ہے۔ بغیر عمل کے صرف زبان سے لا الہ الا اللہ کہنے سے اسلام ثابت نہیں ہوتا۔ اگر جاہلیت میں کوئی شخص زبان سے یہ کلمہ کہتا اور بت کی عبادت پر قائم رہتا تو یہ اسلام نہ ہوتا۔

سوال: امام شوکانی رحمہ اللہ اپنی کتاب الدر النضید میں فرماتے ہیں: اگر آپ کہیں کہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے ان سے دعا کریں گے، فریاد کریں گے، پھر نوح علیہ السلام پھر ابراہیم علیہ السلام پھر موسیٰ علیہ السلام علیہ السلام پھر عیسیٰ علیہ السلام تمام انبیاء کے پاس اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے؟

جواب: حشر والے دن لوگ انبیاء کے پاس آکر ان سے یہ درخواست کریں گے کہ وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں اور اللہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دعا کریں کہ وہ حساب کتاب کا فیصلہ کرے اور میدان حشر سے ان کو نجات دے۔ اور یہ عمل جائز ہے کسی سے دعا کروانا اور اس کی سفارش لینا اس کی اجازت دی گئی ہے۔

صحابہ کرام اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی زندگی میں دعائیں کرواتے تھے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے کہا اللہ کے رسول اللہ میرے لیے اللہ سے دعا کریں کہ مجھے ان میں سے کر دے۔ جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جنت میں ستر ہزار افراد داخل ہوں گے اور صحابی نے یہ درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔ اسی طرح ام سلیم نے کہا تھا اللہ کے رسول اللہ ﷺ اپنے خادم انس کے لیے اللہ سے دعا کریں اور ایک عورت کو مرگی کا دورہ پڑتا تھا اس نے کہا تھا اللہ کے رسول اللہ میرے لیے اللہ سے دعا کریں اور یہ دعا کروائی کہ دورہ کے وقت اس کی بے پردگی نہ ہو تو آپ ﷺ نے دعا کی تھی۔

اسی طرح آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے کچھ افراد سے کہا تھا کہ اگر تمہاری ملاقات اویس قرنی سے ہو تو اس سے اپنے لیے دعا کرواؤ۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ جب کوئی مومن دوسرے مومن کی غیر موجودگی میں اس کے لیے دعا کرتا ہے تو قبول ہوتی ہے۔ اس طرح کے بے شمار دلائل ہیں حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جب وہ عمرہ کرنے جا رہے تھے کہ بھائی ہمیں اپنی دعاؤں میں مت بھولنا (یاد رکھنا)۔

اب اگر کوئی آدمی کسی صالح آدمی کے پاس آتا ہے اور اس سے دعا کی درخواست کرتا ہے تو یہ اس اعتقاد میں شمار نہیں ہوتا جو قبر پرست مردوں کے بارے میں رکھتے ہیں۔ بلکہ یہ سنت و شریعت سے ثابت ہے۔ اسی طرح وہ شفاعت جو شریعت مطہرہ سے ثابت ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ مانگیں آپ کو دیا جائے گا سفارش کریں سفارش قبول کی جائے گی۔ یہی وہ مقام محمود ہے جس کا اللہ نے اپنی کتاب میں آپ ﷺ سے وعدہ کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ زندہ لوگوں سے ان کی طاقت کے مطابق مدد طلب کرنا جائز ہے اور اس مدد میں دعا بھی شامل ہے کہ کسی مسلمان سے اپنے لیے دعا کی درخواست کی جائے۔ اسی طرح شریعت میں جن لوگوں کی سفارش کی قبولیت ثابت ہے ان سے سفارش کروانا۔ البتہ یہ معلوم ہونا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ کسی کی دعا اور سفارش صرف اللہ کی اجازت ارادہ اور مشیئت کے بعد ہی نفع بخش ہوگی اور سفارش صرف اسی کے حق میں قبول کی جائے گی جس کی اجازت اللہ نے دی ہوگی۔ جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے یہ مطلق کی تقیید ہے اس کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مزید فرماتے ہیں بعض علماء کو علامہ محمد بن اسماعیل الامیر کے چند اشعار سے غلط فہمی ہوئی ہے وہ شعر ہے:

رجعت عن النظم الذی قلت فی النجدی

"میں نے اس نظم سے رجوع کر لیا ہے جو میں نے نجدی کے بارے میں کہی تھی"۔

وہ فرماتے ہیں کہ مردوں کے بارے میں جو لوگ اس قسم کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ کفر عملی ہے کفر جحودی نہیں ہے اور تارک نماز کے کفر کے بارے میں صحیح احادیث میں جو کچھ آتا ہے وہ نقل کیا ہے اور جو تارکِ حج کے کفر کے بارے میں ہے اور جو قرآن مجید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ ﴾ آتا ہے ان کے علاوہ بھی جو احادیث زانی، چور اور حائضہ عورت سے جماع کرنے والے یا بیوی سے غیر فطری عمل کرنے والے یا کاہن اور نجومی کے پاس جانے والے یا کسی مسلمان کو کافر کہنے والے کے بارے میں جو احادیث آتی ہیں ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگرچہ شارع نے ان کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ البتہ ان کے ارتکاب سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا نہ ہی ملت سے نکل جاتا ہے اور نہ اس کا مال وخون حلال ہوتا ہے جیسا کہ بعض ان لوگوں کا خیال ہے جو دونوں قسم کے کفر اور ان دونوں امور میں فرق نہیں کرتے۔

پھر انہوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کا منعقد کردہ باب ذکر کیا "باب كفر دون كفر" اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا ہے کہ "حكم بغير ما انزل الله" اور ترک نماز کفر عملی ہیں اور ان کی یہ تحقیق بھی ذکر کی ہے کہ ایک کفر عملی ہوتا ہے اور ایک کفر جحود و عناد ہوتا ہے۔ کفر جحود یہ ہے کہ اگر ایک آدمی اس بات کو جانتا ہو کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے لائے ہیں اور پھر انکار اور عناد کی وجہ سے اس کو نہ مانے تو یہ کفر جحود و عناد ہے۔ یہ کفر ہر لحاظ سے ایمان کا متضاد ہے۔ کفر عمل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو ایمان کے متضاد و منافی اور دوسرا وہ ہے جو ایمان کے متضاد نہیں ہے۔

پھر انہوں نے اس بارے میں ابن قیم رحمہ اللہ کا کلام ذکر کیا ہے۔ پھر سید (اسماعیل الامیر) کہتے ہیں کفر عملی میں اولیاء کو پکارنا، تکالیف میں ان سے التجائیں کرنا، ان کی قبروں کا طواف کرنا، ان کے لیے نذر نیاز کرنا شامل ہے۔ یہ کفر عملی ہے کفر اعتقادی نہیں ہے۔ ان امور کا ارتکاب کرنے والا اللہ، رسول اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والا شمار ہوگا۔ لیکن شیطان نے اس کو یہ بات مزین کر کے دکھادی ہے کہ یہ نیک لوگ نفع نقصان کا اختیار رکھتے ہیں۔ سفارش کر سکتے ہیں۔ تو اس نے ان کے بارے میں وہی اعتقاد رکھا جو اہل جاہلیت بتوں کے بارے میں رکھتے تھے۔ لیکن یہ لوگ توحید کو اللہ کے لیے ثابت کرتے ہیں اور ان نیک لوگوں کو معبود نہیں بناتے جیسا کہ کفار نے رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا تھا کہ جب انہیں کلمہ توحید کی طرف دعوت دی تو انہوں نے کہا ﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ﴾ اس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنالیا۔

اہل جاہلیت نے اپنے معبودوں کو حقیقی معبود بنالیا تھا اور تلبیہ میں کہتے تھے کہ:

"لا شريك لك الا شريك هو لك تملكه وما ملك"

اس طرح انہوں نے بتوں کے لیے رب العالمین کے ساتھ شرک (حصہ) ثابت کر لیا تھا۔ اگرچہ ان کے الفاظ سے ثابت ہوتا تھا کہ ان کے معبود اللہ کے شریک نہیں ہیں، اس لیے کہ جب وہ کہتے تھے کہ اللہ تو ان معبودوں کا بھی مالک ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ یہ معبود اللہ کے شریک نہیں بلکہ مملوک ہیں۔ بتوں کو پوجنے والوں نے بھی بتوں کو اللہ کا شریک اس طرح ٹھہرایا کہ وہ کہتے تھے یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ ہمیں اللہ کے قریب کرنے والے ہیں۔ اس کے برعکس جاہل مسلمانوں نے تو اولیاء کو نفع و نقصان کا مالک ٹھہرالیا۔ یہ لوگ اللہ کی وحدانیت اور اس کے اکیلے الٰہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس کے رسولوں کی تصدیق کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ البتہ یہ جو اولیاء کی تعظیم کرتے ہیں یہ کفرِ عمل ہے، کفرِ اعتقاد نہیں ہے۔

لہٰذا ان کو نصیحت کر کے سمجھانا چاہیے اور انہیں ان کی لاعلمی اور جہالت سے آگاہ کر کے اس کام سے منع کرنا چاہیے اگرچہ کوئی تعزیری سزا ہی کیوں نہ دینی پڑ جائے جیسے چور، زانی اور شرابی جیسے عملی برے اور حرام اعمال کرنے والوں کو حد لگانے کا حکم ہے حالانکہ یہ جاہلیت کے اعمال ہیں۔ یہ عملی کفر ہے۔ یہ بات (احادیث سے) ثابت ہو چکی ہے کہ یہ امت جاہلیت کے کاموں میں سے کچھ اعمال کرے گی۔ یہ عملی کفر ہو گا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہوں گے جسے لوگ ترک نہیں کریں گے۔ اپنے خاندان پر فخر، دوسروں کے نسب میں عیب نکالنا، ستاروں سے بارش طلب کرنا، نوحہ کرنا۔ (مسلم، ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ)

اس کی وجہ سے امت ملت سے خارج نہیں ہوتی بلکہ ان جاہلیت والے امور کے ارتکاب کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا امتی قرار دیا ہے "من امتی" کہا ہے۔

سوال: اگر کوئی سوال کرے کہ اہل جاہلیت اپنے بتوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کرتے ہیں اور یہی بات قبر پرست بھی کرتے ہیں کہ ﴿هٰؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اس لیے کہ قبر پرست توحید کے قائل ہیں اور لا الہ الا اللہ کے قائل ہیں۔ اور اگر انہیں کہا جائے کہ ولی کو الہ کہہ دو ورنہ تمہاری گردن کاٹ دیں گے تو یہ گردن کٹوا دیں گے مگر ولی کو الہٰ نہیں کہیں گے۔ بلکہ یہ اپنی لاعلمی اور جہالت کی بنا پر کہتے ہیں کہ جب ولی اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو اس اطاعت کی وجہ سے اس کا اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ بن جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی سفارش قبول کرتا ہے۔ لہٰذا ان سے نفع کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ یہ لوگ ان اولیاء کو اللہ کے ساتھ معبود نہیں سمجھتے۔

اس کے برعکس بت پرست لا الہ الا اللہ نہیں کہتا اور اگر اس کی گردن ماری جائے کہ بت کو الہ مت کہو تو وہ گردن کٹوا دے گا مگر بت کو الہ کہنے سے نہیں رکے گا۔ وہ بت کو الہٰ اور رب کہے گا جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے پوچھا تھا:

﴿ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (یوسف:۳۹)

"کیا بہت سے رب بہتر ہیں یا ایک زبردست رب۔"

یوسف علیہ السلام نے ان کو رب اس لیے کہا کہ وہ لوگ انہیں رب سمجھتے اور کہتے تھے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا:

﴿هٰذَا رَبِّيْ﴾

"یہ میرا رب ہے۔"

تینوں آیات میں یہی کہا یہ قوم کو سمجھانے اور ان کو ان کی غلطی سے آگاہ کرنے کے لیے کہا اس لیے کہ وہ چاند، سورج وغیرہ کو رب کہتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کفار کہتے تھے:

﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا﴾ (ص:٥)

"اس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنالیا۔"

اور کہا:

﴿مَنْ فَعَلَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا﴾ (الانبیا)

"ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا ہے؟"

﴿أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ﴾ (الصافات:٨٦)

"کیا اللہ کے علاوہ تم جھوٹے خدا گھڑتے ہو؟"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار توحید الوہیت کا اقرار نہیں کرتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں کو ذیل کی آیات سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ مثلاً

﴿مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (لقمان:٢٥)

"اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ کہیں گے اللہ نے۔"

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝﴾ (الزخرف:٩)

"اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمینوں آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ کہیں گے انہیں غالب علم والے (اللہ) نے پیدا کیا ہے۔"

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ﴾ (یونس:٣١)

"ان سے کہہ دیں کون تمہیں آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے یا کون مالک ہے سمع وبصر کا اور کون زندہ کو مردہ سے مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے کون تدبیر کرتا ہے امور کی یہ کہیں گے اللہ۔"

یہ ان (جاہلیت والوں کی طرف سے) توحید خالقیت، رازقیت وغیرہ کے قائل تھے۔ مگر توحید الوہیت کے قائل نہیں تھے۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے بتوں کو رب بنالیا تھا۔ یہ جاہلی کفر اعتقادی کفر ہے۔ اور جس کو کفر عمل لازم ہے (یعنی کفر اعتقادی جہاں ہوگا کفر عمل اس کے ساتھ لازم ہے)۔ اس کے برعکس جو لوگ اولیاء کے بارے میں نفع ونقصان کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی توحید کے بھی اقراری ہیں اللہ پر اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تو (اس کے ساتھ ساتھ اولیاء کو نافع وضار ماننا) کفر عملی ہے۔

یہ حق کی وہ وضاحت اور تحقیق ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہے۔ (اسماعیل رحمہ اللہ کا کلام مکمل ہوا)

میں کہتا ہوں اس کلام کو مکمل تحقیق نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس کے اندر تضاد و تناقض ہے اس لیے کہ ان کا یہ کہنا کہ کفر کی دو قسمیں ہیں ایک کفر اعتقاد اور ایک کفر عمل یہ بات تو صحیح ہے مگر اس کے ساتھ یہ دعویٰ کہ مردہ پرست ان مردوں کے بارے میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو عمل کرتے ہیں اسے کفر عمل قرار دینا انتہا درجے کی غلطی ہے اس لیے کہ اس بحث میں انہوں نے کہا ہے کہ اولیاء کے بارے میں اس طرح کا اعتقاد کفر عملی ہے۔ یہ عجیب بات ہے اولیاء کے بارے میں اس طرح کے عقیدے کو عملی کفر کیسے کہا جا سکتا ہے؟ جب اس کو عقیدہ کہا جا رہا ہے اور پھر کہا جا رہا ہے کہ یہ عملی کفر ہے؟ کیا یہ تناقض اور تضاد نہیں ہے؟ دیکھیں انہوں نے اس بحث کی ابتداء میں کہا تھا کہ جو لوگ اولیاء کو پکارتے ہیں تکالیف میں ان سے فریاد کرتے ہیں ان کی قبروں کا طواف کرتے ہیں ان کے مزارات کی دیواریں چومتے ہیں ان کے لیے نذر نیاز کرتے ہیں تو یہ کفر عملی ہے۔ حالانکہ سوچنا چاہیے کہ ان لوگوں سے فریادیں کرتے ہیں، دیواریں چومتے ہیں، تو اس کام پر انہیں کس چیز نے آمادہ کیا ہے؟ کیا صرف کھیل تماشہ کے طور پر یہ سب کرتے ہیں یا ان کے اعتقاد نے انہیں آمادہ کیا ہے؟ اگر صرف کھیل ہے تو یہ صرف پاگل ہیں اور اگر اعتقاد کی وجہ سے کرتے ہیں تو یہ کفر اعتقادی کیوں نہیں کہلا سکتا کہ اگر یہ عقیدہ نہ ہوتا تو یہ افعال و اعمال بھی یہ لوگ نہ کرتے۔ اس کے بعد دیکھیں، شیخ نے کہا کہ یہ کفر عمل ہے۔ کفر اعتقاد نہیں ہے کہتے ہیں۔ لیکن شیطان نے ان لوگوں کے سامنے یہ بات مزین کی ہے کہ یہ اولیاء اللہ کے نیک بندے ہیں اور یہ نفع نقصان کا اختیار رکھتے ہیں ان لوگوں نے جہالت کی وجہ سے اس بات کا عقیدہ اپنا لیا ہے۔ جس طرح اہل جاہلیت نے بتوں کے بارے میں اعتقاد اپنا لیا تھا۔

اب غور کریں یہاں کس طرح یہ حکم لگا رہے ہیں کہ ان کا کفر اعتقادی ہے جس طرح اہل جاہلیت کا کفر تھا ان کے لیے شیخ نے اعتقاد ثابت کر دیا اور یہ بھی عذر تراش لیا کہ یہ اعتقاد جہالت کی بنا پر ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس اعتقاد کی وجہ جہالت کو قرار دینے کا کیا فائدہ ہے؟ اس لیے کہ تمام کفار گروہ اور تمام مشرکین کو کفر اپنانے، حق کو رد کرنے اور باطل کو اپنانے پر جہالت نے ہی امادہ کیا ہے۔ اب کیا ان کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ ان کا اعتقاد، اعتقادِ علم تھا؟ اس لیے کہ اعتقاد جہل تو عذر ہے ان لوگوں کے لیے جو اہل قبور کے معتقد ہیں؟ پھر یہ عذر شیخ کے اس قول سے مزید مکمل ہو گیا کہ یہ مردہ پرست توحید کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ یہ عذر باطل ہے اس لیے کہ ان کا اقرارِ توحید صرف زبانی طور پر ہے اور اس طرح کے اقرار میں تو ان کے ساتھ یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین سب شامل ہیں۔ جبکہ یہ اپنے افعال و اعمال سے مردوں کے بارے میں وہی اعتقاد ثابت کر رہے ہیں جو بت پرست بتوں کے بارے میں رکھتے تھے۔

پھر شیخ نے اسی بات کو ان لوگوں سے تلوار روکنے کا سبب قرار دیا ہے (یعنی چونکہ یہ توحید کا اقرار کرتے ہیں اس لیے ان کا مال وخون محفوظ رہے گا) یہ جو حکم شیخ نے لگایا ہے یہ بھی باطل ہے اس کے رد میں مزید کچھ کہنا ہم ضروری نہیں سمجھتے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ قبر پرست مردوں کے بارے میں اعتقاد میں اس حد کو پہنچے ہوئے ہیں کہ جس تک بت پرست بتوں کے بارے میں بھی نہیں پہنچے تھے۔ وہ اس طرح کہ جب بت پرستوں کو تکلیف یا نقصان پہنچتا تھا تو وہ صرف اللہ کو پکارتے تھے، جبکہ عام حالات میں وہ بتوں کو پکارتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے:

﴿وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

كَفُوْرًا ۝﴾ (الاسراء:٦٧)

"جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے سمندر میں تو تم سے گم ہو جاتے ہیں وہ جنہیں تم پکارتے ہو، سوائے اس (اللہ) کے اور جب وہ (اللہ) تمہیں نجات دے دیتا ہے خشکی کی طرف تو تم اعراض کرنے لگ جاتے ہو، اور انسان بہت ہی ناشکرا ہے۔"

دوسری جگہ فرماتا ہے:

﴿قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ (الانعام:٤٠)

"یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آجائے یا تمہارے پاس قیامت آجائے تو کیا تم اللہ کے علاوہ کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو۔"

فرماتا ہے:

﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ﴾ (الزمر:٨)

"جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتا ہے اس کی طرف متوجہ ہو کر اور پھر جب (وہ اللہ) اس کو نعمت دے دیتا ہے اپنی طرف سے تو یہ بھول جاتا ہے اس کو جسے پہلے پکارتا تھا۔"

ایک جگہ فرماتا ہے:

﴿وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (لقمان:٣٢)

"جب انہیں سمندر کی موج ڈھانپ لیتی ہے تو یہ اللہ کو پکارتے ہیں اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔"

جبکہ ان کے برعکس یہ مردوں کے معتقدین تکالیف و مصائب میں مردوں سے فریاد کرتے ہیں اور ان کے لیے نذر و نیاز کرتے ہیں۔ ان میں ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جو ایسی حالت میں اللہ کو پکارتے ہوں۔ ان لوگوں کے اس حال سے سب ہی واقف ہیں۔ مجھے ایک آدمی نے بتایا جو سمندر کا سفر کر چکا تھا کہ سمندر میں شدید طوفان آیا تو میں نے جہاز کے ملاحوں اور اکثر سواریوں کو دیکھا کہ مردوں کو پکار رہے ہیں ان سے فریادیں کرتے ہیں کوئی آدمی ایسا نہیں تھا جو اللہ کو پکار رہا ہو۔ مجھے اس وقت غرق ہونے کا شدید خوف لاحق ہو گیا کہ اس طرح کا شرک اللہ کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

صنعاء کے قریب ایک بستی ہے اس کے بارے میں ہم نے سنا ہے کہ جب وہاں کسی کا بیٹا پیدا ہوتا ہے تو وہ شخص مردوں کے لیے اپنا کچھ مال وقف کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں (مزار یا قبر میں مدفون) میت سے یہ بیٹا اتنے اتنے میں خریدا ہے اور جب وہ لڑکا بڑا ہو جاتا ہے اور جوانی کو پہنچ جاتا ہے تو وہ وقف شدہ مال اس مزار کے مجاوروں کو دیدیتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ شیخ مرحوم نے صرف ظاہری اقرارِ توحید کو دیکھا ہے اور صرف کلمہ توحید کے زبانی اقرار کو مدنظر رکھا ہے، جبکہ ان لوگوں کا یہ زبانی اقرار ان کے اس اعتقاد کے مخالف اور برعکس ہے جس کی بنیاد پر یہ ان افعال کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لہٰذا اس اقرار کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کو اور ان اعمال کو دیکھتا ہے جو عقائد کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنیاد پر سرزد ہوتے ہیں۔ صرف زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کو نہیں دیکھتا ورنہ منافق اور مومن میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔

امام شوکانی ﷫ مزید فرماتے ہیں: اس جواب کی ابتداء میں ہم نے بتایا تھا کہ کسی نبی یا ولی یا عالم کے وسیلہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ہم نے اس کی مکمل وضاحت کر دی تھی، اب جو شخص کسی قبر یا مزار کی زیارت کے لیے آتا ہے اور صرف اللہ کو پکارتا ہے مگر وسیلہ اس (قبر میں مدفون) میت کا لیتا ہے اور دعا میں کہتا ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے فلاں فلاں مرض سے شفا دے میں تیرے پاس اس نیک بندے کا وسیلہ لیتا ہوں کہ اس نے جو تیری عبادت کی ہے اور جو مجاہدہ تیرے لیے کیا ہے یا اس نے جو تیرے لیے تعلیم و تعلم کا کام کیا ہے تو اس طرح کے وسیلے کے جواز کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ (یہ بات محل نظر ہے اس لیے کہ انسان کا کسی اور کے عمل کا وسیلہ لینا غیر مشروع ہے یہ نہ ماثور ہے نہ معقول ہے، اس لیے کہ وسیلہ لینا تقرب شرعی ہے اور بندے اپنے رب کا قرب صرف اسی طریقے سے حاصل کر سکتے ہیں جو شریعت نے بتایا ہے یعنی ایمان اور عمل صالح جیسا کہ غار میں محصور ہونے والے تین افراد نے کیا تھا جس کی طرف ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں۔ رشید رضا)

یہ بندہ قبر کے پاس کیوں جا رہا ہے؟ اگر صرف زیارت کے لیے جاتا ہے اور دعا اور وسیلہ لینے نہیں جاتا تو صرف زیارت کے لیے جانا منع نہیں ہے۔ اس کی اجازت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے، فرمان ہے: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب زیارت کیا کرو (صحیح احادیث سے ثابت ہے) آپ ﷺ خود بھی قبرستان گئے ہیں اور مردوں کے لیے دعا کی ہے اور ہمیں بھی آپ ﷺ نے تعلیم دی ہے کہ جب ہم قبرستان جائیں تو:

"السلام علیکم اھل دار قوم مومنین وانا بکم ان شاء اللہ لاحقون واتاکم ما توعدون نسأل اللہ لنا ولکم العافیة"

یہ بھی صحیح احادیث سے مختلف الفاظ اور سندوں سے ثابت ہے اور اس زیارت کرنے والے نے صرف وہی کام کیا ہے جس کی شرع میں اجازت ہے، البتہ کسی مزار یا قبر کی زیارت کے لیے سواری تیار کر کے باقاعدہ سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اور صرف تین مساجد کی طرف سواری تیار کر کے سفر کرنے کی اجازت ہے۔ مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ۔ مطلق زیارت کو اس حدیث نے مقید کر دیا ہے۔ اور چند خصوصیات کے ساتھ اس کو خاص کر دیا گیا ہے، مثلاً جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت، اس میں علماء کا اختلاف ہے اور یہ ایسا مسئلہ ہے جس کی تفصیلات بہت طویل ہیں، اس کے اصول بھی مشہور ہیں اس کی وجہ سے کچھ لوگ فتنے میں مبتلا ہوئے ہیں۔ مگر یہاں ہمارا مقصد یہ سب کچھ بیان کرنا نہیں ہے۔ اگر صرف زیارت کرنا مقصود نہ ہو بلکہ وہ قبر کے پاس دعا کرنے کے لیے جا رہا ہو اور زیارت کرنا اس کے تابع ہو یا زیارت اور دعا دونوں کے لیے گیا ہو تو اس کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اس میت کے اعمال صالحہ کا وسیلہ لے قبر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ کہے کہ میں قبر کے پاس اس لیے گیا تھا کہ وسیلہ لیتے وقت قبر کی طرف اشارہ کروں؟ تو اس کو کہا جائے گا کہ (قبر کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ) اللہ مخفی باتوں کا علم رکھتا ہے۔ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے دل کی بات جانتا ہے۔ اس کے پاس خفیہ راز منکشف ہوتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کو بتانے کے لیے قبر کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہی کافی ہے کہ میت، اس کا علم اور اس کی امتیازات کا ذکر کیا جائے۔

میرا نہیں خیال کہ آپ صرف قبر کی طرف اشارہ کرنے کے لیے گئے ہیں جس (اللہ) کو آپ پکار رہے ہیں وہ تو ہر ایک کے ساتھ ہے ہر جگہ ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(اپنے علم، سمع، بصر اور قدرت کے لحاظ سے ہر جگہ ہے ورنہ بذاتہ اللہ عرش پر مستوی ہے۔ مترجم)۔ آپ قبر پر اس لیے گئے ہیں تا کہ میت کو اپنا وسیلہ سنادیں اور اس کا دل اپنی طرف مائل کر دیں اور اس کے پاس جا کر اس کی زیارت اور اس کی قبر کے پاس دعا اور اس کے وسیلے کے ذریعے اس کی تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اگر آپ اپنے دل سے پوچھ لیں تو وہ بھی ہماری بات کی تصدیق کرے گا اگر آپ نے اس میں یہ بات محسوس کر لی تو جان لیں کہ آپ کے دل میں بھی وہی چیز ہے جو قبر پرستوں کے دلوں میں ہے۔ لیکن آپ نے زبردستی دل کی بات کو دبا رکھا ہے، اسے زبان پر لانا نہیں چاہتے۔ اور اس قبر والے کی جو محبت، اعتقاد، فریاد اور تعظیم آپ کے دل میں ہے اسے بھی زبان پر نہیں لا رہے۔ اس حیثیت سے آپ اپنے دل کے مختار ہیں (کہ اس کی خواہش کو دبا دیتے ہیں) مگر ایک لحاظ سے آپ دل کے غلام ہیں کہ اس نے آپ کو آپ کے مقام سے اٹھا دیا ہے۔ اور آپ کو قبر تک جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ اگر اب بھی آپ نے اپنے دل پر قابو نہ پایا تو یہ آپ پر قابو پالے گا اور آپ کو اپنی مرضی پر چلائے گا۔ آپ کو تمام ان خواہشات کا پابند بنا لے گا اور شیطان جو وسوسے اس میں ڈالے گا آپ کو ان کے مطابق چلنے پر مجبور کر دے گا۔

مزید فرماتے ہیں اس تقسیم سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جو بھی آدمی دعا کی نیت سے قبر کے پاس جاتا ہے تو اس کی تین حالتیں ہیں۔

1 اگر صرف زیارت کی نیت سے گیا ہے وہاں دعا کی ہے اور اس کی دعا سے کسی اور کو نقصان حاصل نہیں ہو رہا تو یہ جائز ہے۔ (یعنی اس کی دعا سے کسی کو غلط فہمی نہیں ہو رہی کہ یہ قبر والے کو پکار رہا ہے)

2 اگر صرف دعا کی نیت سے گیا یا دعا اور زیارت دونوں کے لیے اور اس کا وہی عقیدہ تھا جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے تو اس کا نافرمان ہونا کیا بلکہ شرک میں مبتلا ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

اگر اس کا میت کے بارے میں مذکورہ قسم کا اعتقاد نہ ہو تو صرف گناہ گار نافرمان ہے اور یہ کم سے کم درجہ ہے۔ جو کچھ کر رہا ہے اس کا کمترین نتیجہ یہی ہے۔

مزید فرماتے ہیں جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو یہ بھی جان رکھو کہ ہم نے جو دین اور اعتقاد اپنایا ہے وہ یہ ہے کہ جس نے کسی نبی، ولی یا کسی اور کو پکارا اور اس سے حاجات طلب کیں یا مشکلات حل کرنے کی استدعا کی تو یہ وہ بڑا شرک ہے جس کی بنیاد پر اللہ نے مشرکین کو کافر قرار دیا تھا جب انہوں نے اولیاء اور سفارشی بنا لیے تھے اور اپنے خیال میں ان کے ذریعے نفع حاصل کرنے اور ضرر دفع کرنے کی کوشش کرتے تھے اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ﴾ (یونس:۱۸)

"یہ اللہ کے علاوہ ان کو پکارتے ہیں جو انہیں نفع دے سکتے ہیں نہ ضرر اور یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔"

جو شخص انبیاء کرام یا کسی اور کو مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ یا ابو طالب وغیرہ کو وسیلہ بناتا ہے باوجودیکہ ابو طالب نے عبدالمطلب کے جاہلیت والے ملت پر مرنا پسند کیا اور مرتے وقت بھی کلمہ توحید ادا کرنے سے انکار کیا اس کے بارے میں آیت نازل ہوئی کہ:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ (القصص:۵۶)

"اے پیغمبر! آپ جسے چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے، البتہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔")

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہیں پکارتا ہے ان پر توکل کرتا ہے ان سے نفع حاصل کرنے کے لیے ان کو پکارتا ہے، یہ کہہ کر کہ ہم انہیں پکارتے ہیں یہ اللہ کو پکارتے ہیں جس طرح کہ لوگ بادشاہوں سے اپنا کام لینے کے لیے ذرائع استعمال کرتے ہیں اور بادشاہ کے مقرب لوگوں کو ہی واسطہ اور ذریعہ بناتے ہیں۔ یہ ان سے اس لیے سوال یا دعا کرتے ہیں کہ بادشاہ سے براہ راست بات کرنا بے ادبی ہوتی ہے یا یہ وجہ ہے کہ جن کو ہم واسطہ بنا رہے ہیں وہ بادشاہ کے قریبی لوگ ہیں جس نے (ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابو طالب یا کسی اور کو) اس طرح وسیلہ اور ذریعہ بنایا وہ کافر مشرک ہے اس کا خون اور مال حلال ہے۔ اس پر علماء کے اقوال موجود ہیں اور اس پر اجماع نقل ہوا ہے۔

مثلاً الاقناع اور اس کی شرح میں ہے جس نے اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ بنایا اور (جنکو واسطہ اور وسیلہ بنایا ہے) ان کو پکارا ان پر توکل کیا تو اس نے بالاجماع کفر کیا، جیسا کہ بت پرستوں کا کفر تھا جو کہتے تھے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰٓ﴾ (الزمر:٣)

"ہم انہیں صرف لیے پکارتے ہیں کہ یہ ہمیں مرتبے میں اللہ کے قریب کر دیں۔"

امام ابو الوفاء علی بن عقیل الحنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب جاہلوں کے لیے شرعی احکام مشکل ہو گئے تو انہوں نے ان شرعی احکام کو چھوڑ کر اپنے لیے نئے مقامات ڈھونڈ لیے جو ان کے لیے آسان تھے اس لیے کہ یہ ان مقامات کی وجہ سے کسی اور کے حکم کے تابع نہیں رہتے۔ ایسے لوگ میرے نزدیک ان مقامات کی تعظیم کرنے والے کافر ہیں مثلاً قبروں کی تعظیم، ان کا احترام کرنا، انہیں اس طریقے سے اپنائے رکھنا جو شریعت میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جیسے چراغ جلانا، انہیں چومنا، انہیں خوشبو لگانا (دھونی دینا)، مردوں کو اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے پکارنا، ان کے لیے طغرے اور پرچے لکھنا کہ میرے مولا میری فلاں فلاں حاجت پوری کر دیں۔ قبر کی مٹی تبرک کے لیے لینا۔ قبروں پر عطریات یا عرقیات چھڑکنا۔ ان کی طرف باقاعدہ تیاری کر کے (عرس منانے میلے لگانے) جانا وہاں کے درختوں پر جھنڈے اور کپڑے کے ٹکڑے ٹانکنا وغیرہ یہ ان لوگوں کی اقتدا ہے جو لات اور عزی کو پکارتے تھے۔

یہ لات و عزیٰ کے پجاریوں کی اقتداء ہے اگرچہ اس کرنے والے کو معلوم ہو یا نہ ہو حکم اس بت پرستی والے عمل پر لگایا جائے گا اس بنا پر نہیں کہ اس نے مشرکین کی اقتداء کا ارادہ کیا تھا یا نہیں کیا تھا۔ (محمد رشید رضا)

امام البکری الشافعی:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰٓ﴾ (الزمر:٣)

کی تفسیر میں لکھتے ہیں جب کفار سے پوچھا جاتا تھا کہ آسمانوں زمینوں کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ کہتے تھے: اللہ نے۔ جب ان سے بتوں کی عبادت کے بارے میں پوچھا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ ہم ان کو صرف اس لیے پکارتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے ہاں مرتبے میں قریب کر دیں۔ اللہ کے ہاں ان کی شفاعت طلب کرتے تھے اور یہ کفر ہے۔ صاحب الاقناع کی بات پر غور کریں اور اسی طرح ابن عقیل کی بات پر بھی جس میں انہوں نے قبور کی تعظیم اور مردوں کو ضروریات میں پکارنا کفر قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اس آیت ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ کے ضمن میں لکھتے ہیں ان لوگوں کو (بتوں کی) عبادت پر جس چیز نے آمادہ کیا وہ یہ تھی کہ انہوں نے بتوں کو ملائکہ مقربین کی صورتیں سمجھ کر ان یا ان کی جگہ سمجھ کر عبادت کی تاکہ یہ اللہ کے ہاں رزق، مدد اور دیگر دنیاوی امور میں ان کی سفارش کر سکیں جبکہ آخرت کے وہ لوگ منکر تھے اس کو نہیں مانتے تھے۔

قتادہ، سدی اور مالک زید بن اسلم سے اور ابن زید سے روایت کرتے ہیں ﴿اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ یعنی کہ وہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں اور ہمارا مرتبہ اللہ کے ہاں بلند کریں۔ اسی لیے وہ دور جاہلیت میں اپنے تلبیہ میں کہتے تھے "لا شريك لك الا شريك هولك تملكه وما ملك" (کہ اے اللہ! تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جسے تو نے اپنا شریک بنایا ہے تو اس کا مالک ہے اور اس کا بھی جس کا وہ مالک ہے)۔

یہ تھی وہ غلط فہمی جس پر قدیم و جدید مشرکین کی بنیاد ہے انبیاء کرام اس غلط نظریے کو رد کرنے اور ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دینے اور شرک سے منع کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ (یہ کسی کو سفارشی بنانے) کا نظریہ مشرکوں نے اپنی طرف سے ایجاد کیا تھا، اس کی اللہ نے نہ اجازت دی نہ اسے پسند کرتا ہے۔ بلکہ اللہ اسے ناپسند کرتا ہے اور اس سے منع کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (النحل:۳۶)

"ہم نے ہر امت میں ایک رسول اللہ بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔"

فرماتا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۝﴾ (الانبیاء:۲۵)

"ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کوئی رسول اللہ بھیجا اسے ہم نے وحی کی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، سوائے میرے صرف میری عبادت کرو۔"

اللہ نے یہ بتایا ہے کہ آسمانوں میں جو ملائکہ مقربین وغیرہ ہیں وہ سب اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں وہ اس کے سامنے اس کی مرضی کے بغیر سفارش نہیں کر سکتے۔ یہ ملائکہ مقربین وغیرہ کی حیثیت اللہ کے ہاں ایسی نہیں ہے جیسے بادشاہوں کے ہاں ان کے وزیروں وغیرہ کی ہوتی ہے۔ اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو۔ یہ وزیر تو ان کے ہاں ان کی اجازت کے بغیر بھی سفارش کرتے ہیں۔ امام البکری رحمہ اللہ آیت ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ﴾ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ اگر آپ کہیں کہ جب یہ (کفار) اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ زمین، آسمان سے رزق اللہ دیتا ہے مردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ سے اللہ نکالتا ہے، سماعت، بصارت کا مالک اللہ ہے۔ تو پھر انہوں نے بتوں کی عبادت کس طرح یا کیوں کی؟

جواب: جو بھی بت پرست تھے وہ بتوں کی عبادت کو اللہ کی عبادت کا ذریعہ ہی قرار دیتے تھے۔ البتہ ان کے طریقے یا نظریات میں فرق تھا۔ مثلاً ایک گروہ کہتا تھا کہ ہم اس قابل نہیں ہیں کہ اللہ کی عبادت بلاواسطہ کریں۔ اس لیے کہ اللہ کی ذات عظیم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ لہٰذا اس تک رسائی یا تعلق کے لیے یہ بت ہمارا ذریعہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ اللہ کے فرشتوں کی بہت قدر و منزلت ہے ہم نے فرشتوں کی شکل وصورت پر بت بنا رکھے ہیں تا کہ یہ (فرشتے) اللہ کے ہاں ہمارا مرتبہ و مقام بنائیں۔ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

ایک گروہ کہتا تھا ہم نے بتوں کو عبادت کے لیے قبلہ بنا رکھا ہے جس طرح کہ کعبہ قبلہ ہے۔ ایک فرقے کا عقیدہ تھا کہ ہر بت کا ایک مؤکل شیطان ہے جسے اللہ نے مقرر کیا ہے جو شخص صحیح طرح کما حقہ بت کی عبادت کر لیتا ہے اللہ کے حکم سے وہ مقرر شدہ مؤکل شیطان اس شخص کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے۔ اگر بت کی عبادت صحیح طریقے سے نہ کی تو وہ مؤکل شیطان اللہ کے حکم سے اس شخص کو نقصان پہنچاتا ہے۔

ان ائمہ کی باتوں اور تصریحات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بت پرستوں نے بتوں کی عبادت اس لیے کی تھی کہ یہ بت اپنے پجاریوں کو اللہ کے ہاں مرتبے میں قریب کر دیں اور ان کی سفارش کریں۔ ابن کثیر کی بات پر غور کریں کہ انہوں نے زید بن اسلم اور ابن زید کی بات نقل کی ہے اور پھر کہا ہے کہ یہی وہ غلط فہمی ہے جس کی بنیاد پر مشرکوں نے ہر قدیم و جدید دور میں اعتقاد رکھا اور انبیاء کرام اس اعتقاد کو رد کرنے اس سے منع کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔

علامہ البکری رحمہ اللہ نے سورۃ زمر کی آیت کے ضمن میں کہا ہے کہ کفار نے بتوں کی عبادت صرف ان کی سفارش حاصل کرنے کے لیے کی تھی اور پھر وضاحت سے کہا ہے کہ یہ کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو کچھ بیان کیا ہے اس پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کفار نے بتوں کی عبادت صرف اللہ کا قرب حاصل کرنے اور اللہ کے ہاں انہیں اپنا سفارشی بنانے کے لیے کی تھی۔ ان کا بتوں کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں تھا کہ انہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے یا یہ بارش برساتے ہیں یا فصل اگاتے ہیں۔ بلکہ وہ اس بات کا اقرار رکھتے تھے کہ ان امور کا فاعل اکیلا اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝﴾ (یونس:۳۱)

”ان سے کہہ دو تمہیں آسمان وزمین سے کون رزق دیتا ہے؟ یا کون مالک ہے سماعت اور بصارت کا اور کون مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے؟ کون امور کی تدبیر کرتا ہے؟ یہ کہیں گے اللہ (یہ سب کرتا ہے)۔ ان سے کہہ دو تم ڈرتے کیوں نہیں۔“

فرماتا ہے:

﴿وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ (العنکبوت:۶۱)

”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں، زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور چاند سورج کو کس نے مسخر کیا؟ یہ کہیں گے اللہ نے۔ یہ کس طرف چلائے جاتے ہیں۔“

فرماتا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ (المومنون:۸۴-۸۹)

"ان سے کہہ دو زمین کس کی ہے اور جو اس میں ہے (وہ کس کا ہے) اگر تم جانتے ہو؟ یہ کہیں گے اللہ کا ہے۔ ان سے کہہ دو تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ ان سے کہہ دو کون ہے سات آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک؟ یہ کہیں گے اللہ۔"

اسی طرح دیگر آیات بھی ہیں جن میں اللہ نے یہ بتایا ہے کہ مشرکین اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ اللہ خالق رازق ہے وہ لوگ ان بتوں کی عبادت اس لیے کرتے تھے کہ وہ انہیں اللہ کے قریب کر دیں اور ان کی سفارش کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے:

﴿وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس:۱۸)

"یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔"

اللہ نے رسول اللہ مبعوث فرمائے اور کتابیں نازل کیں تا کہ لوگ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنائیں۔ اللہ نے یہ بھی بتلا دیا ہے کہ شفاعت (کا اختیار) صرف اللہ کے پاس ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے ہاں سفارش نہیں کر سکتا اور وہ صرف اس کے لیے اجازت دے گا جس کا قول اور عمل اسے پسند ہو گا اور وہ صرف توحید کو ہی پسند کرتا ہے۔ لہٰذا سفارش ان شروط کے ساتھ مشروط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاۗءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَـيْـــًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ○قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا﴾

(الزمر:۴۳-۴۴)

"کیا انہوں نے اللہ کے علاوہ سفارشی بنا لیے ہیں؟ ان سے کہہ دو اگر یہ (تمہارے بنائے ہوئے سفارشی) کسی چیز کا اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ سمجھتے ہوں؟ کہہ دو کہ شفاعت ساری اللہ کے لیے ہے۔"

فرماتا ہے:

﴿مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ﴾ (السجدہ:۴)

"تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی دوست اور شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔"

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (البقرہ:۲۵۵)

"کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں سفارش کرے؟"

فرماتا ہے:

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَـيْـــًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْضٰى ○﴾

(النجم:۲۶)

"کتنے ہی فرشتے آسمانوں میں ہیں کہ ان کی شفاعت کسی قسم کا فائدہ نہیں دے سکتی۔ مگر بعد اس کے کہ اللہ جس کے لیے چاہے اور پسند کرے اجازت دے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ﴾ (الانبیاء:۲۸)

"یہ صرف اس کی سفارش کر سکیں گے جسے وہ پسند کرے گا۔"

فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ﴾ (سبا:۲۳)

"سفارش اس کے نزدیک فائدہ نہیں دے سکتی مگر اس کی اجازت سے۔"

مزید فرماتے ہیں مقصد یہ ہے کہ کتاب وسنت اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس نے ملائکہ، انبیاء، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابو طالب یا مجبوب وغیرہ کو اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ بنایا کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے اس لیے کہ یہ اللہ کے قریب ہیں جیسا کہ بادشاہوں کے ہاں ہوتا ہے تو اس طرح کرنے والا مشرک اور کافر ہے۔ اس کا مال اور اس کی جان حلال ہے، اگرچہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرتا ہو، نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو، اور خود کو مسلمان سمجھتا ہو۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے اعمال خسارے والے ہیں اور ان کے دنیا میں کیے ہوئے سب اعمال برباد ہو جائیں گے۔ جبکہ یہ خود کو نیکوکار سمجھتے ہیں۔ (التعلیق، صفحہ ۱۷۰)

مزید فرماتے ہیں جب یہ واضح ہو گیا کہ قرآن نے ان تینوں مسائل یعنی مشرکین، توحید ربوبیت کے قائل تھے۔

2 وہ صالحین کو پکارتے تھے۔

3 مشرکین ان کو صرف سفارش کے لیے پکارتے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ آج قبر پرست بھی جو کچھ کرتے ہیں (کہ ان کو فوائد حاصل کرنے اور مشکلات دور کرنے کے لیے پکارنا) یہ شرک اکبر ہے اللہ کے ساتھ کفر ہے۔ یہی وہ کام ہے جو مشرکین کرتے تھے موجودہ دور کے مشرکین نے بھی خالق اور مخلوق کو مشابہ قرار دیا ہے۔

اس کے رد میں قرآنی دلائل اور اہل علم کے اقوال اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ یہاں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔ بادشاہ اور عوام کے درمیان رابطہ اور وسیلہ کی ضرورت تین باتوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔

1 بادشاہ یا حکمران کو لوگوں کے مسائل اور ضروریات سے آگاہ کرنے کے لیے۔ اس لیے کہ بادشاہ یا حکمران کو ان مسائل کا علم نہیں ہوتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ بندوں کے حالات سے واقف نہیں ہے۔ لہٰذا انبیاء، صلحاء وغیرہ کے ذریعے اسے خبر دی جائے ایسا کہنے یا سمجھنے والا تو کافر ہے۔ اللہ ہر خفیہ اور پوشیدہ بات سے باخبر ہے زمین و آسمان میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

2 بادشاہ یا حکمران اپنی رعایا کے امور کی تدبیر سے عاجز ہو یا دشمنوں کے مقابلے کی سکت نہ رکھتا ہو تو پھر وہ معاون رکھتا ہے جو ایسے معاملات میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کو کسی معاون و مددگار کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ کائنات میں جو بھی اسباب و ذرائع ہیں سب اسی اللہ کے پیدا کردہ ہیں وہ اللہ سب سے بے نیاز ہے۔ اور سب اس کے محتاج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔اس کے برعکس حکمران اور بادشاہ اپنے مددگاروں اور معاونین کے محتاج ہوتے ہیں اور یہ معاونین درحقیقت ان حکمرانوں کے کاموں اور اختیارات میں شریک ہوتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں کوئی شریک نہیں ہے۔بلکہ وہ اکیلا معبود و مختار ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔اسی کی بادشاہت اور اسی کی تعریف ہے۔اسی لیے اس کے پاس کوئی بھی نبی یا مقرب فرشتہ یا کوئی رسول اللہ اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکتا۔اگر کوئی شخص اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کسی سے سفارش کرانا چاہتا ہے تو وہ گویا اس کے لیے شریک بنا رہا ہے۔تاکہ یہ سفارش کرنے والا اپنی سفارش کے ذریعے اثر ڈال کر مطلوبہ چیز اللہ سے حاصل کرے۔حالانکہ اللہ کا کوئی بھی کسی بھی قسم کا شریک نہیں ہے۔

3 حکمران اپنی رعایا اور عوام کے فائدے کا کام کرنا نہ چاہتا ہو جب تک کہ خارج سے اس کو تحریک نہ دی جائے، جب کوئی شخص بادشاہ یا حکمران کو مخاطب کرتا ہے، اس کو نصیحت کرتا ہے یا کسی کام کی طرف توجہ یا رغبت دلاتا ہے تو بادشاہ کا ارادہ حرکت میں آتا ہے اور پھر وہ عوام کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے۔جبکہ اللہ رب العزت ہر چیز کا رب اور مالک ہے۔ایک ماں اپنے بچے پر جتنی شفقت کر سکتی ہے اللہ اس سے زیادہ اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے اور تمام اسباب و ذرائع اس کی مشیئت کے تابع ہیں۔وہ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔وہ اللہ جب کسی بندے سے دوسرے بندے کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے تو ایک کو اس طرح بنا دیتا ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اچھائی کرتا ہے۔اس کے لیے دعا کرتا ہے اس کے لیے سفارش کرتا ہے۔وہی اللہ ہے جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہے۔اس نے اچھائی کرنے والے، دعا اور سفارش کرنے والے کے دل میں اچھائی، دعا وغیرہ ڈال دی ہے۔کائنات میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی اس (اللہ) کی مرضی کے خلاف کچھ کر سکے یا اسے وہ بات بتائے کہ اسے معلوم نہیں ہے (اسے ہر بات کا علم ہے۔لہٰذا اسے بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی)۔جو سفارش کرنے والے اس کے ہاں سفارش کرتے ہیں وہ اس کی رضا اور اجازت سے ہی کر سکتے ہیں بخلاف بادشاہوں اور حکمرانوں کے کہ ان کے ہاں سفارش کرنے والا ان کے اختیارات اور مملکت میں شریک ہوتا ہے۔کبھی کبھی اس کے کارندے اثر انداز ہوتے ہیں وہ بادشاہ کی مرضی کے بغیر بھی سفارش کر لیتے ہیں اور بادشاہ کو ان کی سفارش قبول کرنی پڑتی ہے۔اس لیے کہ وہ ان کا محتاج ہوتا ہے یا ان کی کسی اچھائی کا بدلہ دینے کے لیے۔یہاں تک وہ اپنی بیوی اور بچے کی سفارش بھی قبول کرتے ہیں اس لیے کہ وہ بیوی بچوں کے محتاج ہوتے ہیں کہ اگر اس کی بیوی یا بچہ اس کے مخالف ہو گئے تو اس کو نقصان ہو سکتا ہے۔وہ تو اپنے غلام کی سفارش بھی قبول کرتا ہے کہ اگر اس کی سفارش قبول نہ کی تو وہ اس کی اطاعت نہیں کرے گا۔بادشاہ اپنے بھائی کی سفارش بھی قبول کرتا ہے تاکہ وہ اس کے خلاف سازش نہ کر سکے۔لوگوں کے آپس کی ساری سفارشیں اسی طرح کی ہوتی ہیں۔کوئی شخص سفارش صرف فائدے کے لیے یا نقصان سے بچنے کے لیے قبول کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ کسی سے کوئی امید رکھتا ہے نہ وہ کسی کا محتاج ہے بلکہ وہ سب سے بے پرواہ ہے۔سب اس کے محتاج ہیں۔

مزید فرماتے ہیں شیخ الاسلام تقی الدین نے الاقناع میں لکھا ہے کہ جس نے میّت کو پکارا چاہے خلفائے راشدین کو پکارا ہو تو یہ

www.kitabosunnat.com
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پکارنے والا کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ النہر الفائق میں ہے کہ شیخ قاسم نے شرح درالبحار میں لکھا ہے کہ اکثر عوام کی طرف سے جو نذر مانی اور کی جاتی ہے کہ کسی نیک صالح آدمی کی قبر پر آکر کہتا ہے: یافلاں سرکار! ہمارا فلاں آدمی گم ہوا ہے اس کو واپس لائیں یا ہمارے فلاں مریض کو شفاء دیدیں تو اتنا سونا، چاندی یا چراغ اور تیل تمہارے مزار کے لیے نذر کروں گا۔ یہ نذر بالاجماع باطل ہے اور اس کے باطل ہونے کی چند وجوہات ہیں، جن میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نذر ماننے والا اس میت کو متصرف فی الامر مانتا ہے اور یہ اعتقاد رکھنا کفر ہے۔

ابن حجر اربعین کی شرح میں لکھتے ہیں جس نے غیر اللہ کو پکارا وہ کافر ہے۔ شیخ الاسلام تقی الدین رحمہ اللہ ''الرسالة السنية'' میں لکھتے ہیں جس نے بھی کسی نبی یا کسی صالح آدمی کے بارے میں میں غلو کیا اور اس میں کسی قسم کی الوہیت ثابت کی مثلاً اس کو پکار کر کہے کہ میری فریاد سن لو یا کہے کہ میری مدد کرو مجھے رزق دو۔ میری ضرورت پوری کرو، میں تمہاری پناہ میں ہوں یا میرے لیے آپ کافی ہیں، جیسے الفاظ وغیرہ یہ سب شرک و گمراہی ہے۔ اگر اس نے توبہ کرلی تو نجات پا جائے گا ورنہ قتل کیا جائے۔ اللہ نے رسول اللہ بھیجے، کتابیں نازل کیں تاکہ لوگ اللہ کو ایک مانیں اور صرف اسی کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں مثلاً مسیح علیہ السلام، ملائکہ، یا بتوں کو پکارتے تھے وہ ان کے بارے میں یہ اعتقاد نہیں رکھتے تھے کہ انہوں نے مخلوق کو پیدا کیا ہے یا یہ بارش برساتے ہیں یا روئیدگی اگاتے ہیں وہ ان کو یا ان کی قبروں یا ان کی تصویروں کو پوجتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ان کو صرف اس لیے پکارتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمیں مرتبے میں قریب کر دیں۔ اور کہتے تھے یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں اللہ نے اپنے رسول اللہ بھیجے تاکہ لوگوں کو اللہ کے ساتھ پکارنے سے منع کیا جائے نہ عبادت کے طور پر نہ فریاد کے طور پر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ﴾ (الاسراء:٥٦-٥٧)

''کہہ دیں کہ ان کو بلاؤ جن کے بارے میں تمہارا خیال اور دعویٰ ہے۔ اللہ کے علاوہ یہ تم سے ضرر دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جو پکارتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ کون زیادہ قریب ہے۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ اہل توحید پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ مشائخ، انبیاء اور صلحاء کی شان میں کمی کرتے ہیں۔ حالانکہ ان اہل توحید کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ انبیاء، صلحاء اور مشائخ اللہ کے بندے ہیں یہ اپنے لیے یا کسی اور کے لیے نفع و نقصان، موت و حیات اور قیامت میں اٹھانے کا اختیار نہیں رکھتے۔ یہ اپنے پکارنے والوں اور عبادت کرنے والوں کی سفارش نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ اللہ نے ان کی سفارش ان (پکارنے والوں) کے لیے حرام قرار دی ہے۔ یہ اہل توحید کی سفارش تب کر سکیں گے جب اللہ ان کو اجازت دے گا، ان میں سے کسی کے پاس اختیار نہیں ہے بلکہ اختیار سب کے سب اللہ کے پاس ہے۔ سفارش ساری ہی اللہ سبحانہ کے پاس ہے۔ اختیار اس کے پاس ہے، اس کے علاوہ کسی اور مخلوق کے پاس نہ کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اختیار ہے نہ وہ سفارش کر سکتا ہے۔ مشرک یا تو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کو ایسے معاون کی ضرورت ہے جو دنیا کا نظام چلانے کے لیے تدبیر کرے۔ وہ مددگار ہو یا وزیر ہو اور اس طرح کا خیال اس ذات (اللہ) کی شان میں گستاخی ہے جو تمام مخلوق سے بے پرواہ اور غنی ہے اور اللہ کے علاوہ جو بھی مخلوق ہے وہ اللہ کی محتاج ہے۔ یا مشرک کا خیال یہ ہے کہ اللہ کو میرے حالات کا علم نہیں ہے لہٰذا واسطے اور وسیلے کے ذریعے اس تک اپنی بات پہنچائی جا رہی ہے اور یہ کہ وہ اللہ رحم نہیں کرتا، جب تک کہ واسطہ اور وسیلہ نہ ہو۔ یا یہ کہ وہ اللہ اکیلا کافی نہیں ہے۔ یا یہ کہ جب تک سفارش نہ ہو اللہ بندے کا کام نہیں کرتا۔ جیسا کہ مخلوق کے ہاں طریقہ رائج ہے۔ اس لیے اللہ کے ہاں سفارش کرنے والے کی ضرورت ہے کہ کسی بندے کی کوئی بھی حاجت ہو کوئی فائدہ حاصل کرنا ہو۔ ذلت و رسوائی سے بچنا ہو اس کے لیے سفارش کرنے والے کی ضرورت ہے تاکہ اس سے فائدہ حاصل کر سکے اور افراد کی قلت کو کثرت میں تبدیل کر سکے اور اس کے ذریعے سے ذلت ختم کر کے عزت اپنا سکے۔ یا مشرک یہ سمجھتا ہے کہ اللہ اس وقت تک دعا قبول نہیں کرتا جب تک ایسا واسطہ اور ذریعہ نہ تلاش کیا جائے جو بندے کی ضرورت اللہ کے ہاں پہنچا سکے۔ جیسا کہ دنیاوی بادشاہوں اور حکمرانوں کا معاملہ ہے اصل شرک یہی ہے (کہ مخلوق کو اللہ کے کام میں شریک کیا گیا)۔ یا مشرک یہ سمجھتا ہے کہ اللہ دور ہونے کی وجہ سے میری دعا نہیں سن سکتا جب تک اس کی طرف واسطے اور ذریعے استعمال نہ کیے جائیں۔ یا مشرک سمجھتا ہے کہ مخلوق کا اللہ پر حق ہے۔ اور اس حق کے حساب سے وہ مخلوق اس سے حصہ لیتی ہے اور اس مخلوق کے ذریعے سے ہی اللہ کے ساتھ تعلق جوڑا جاتا ہے۔ جس طرح بڑے لوگوں سے تعلق جوڑنے کے لیے ان لوگوں کو واسطہ اور ذریعہ بنایا جاتا ہے، جو ان بڑے لوگوں کے ہاں قابل قدر ہوں اور وہ ان کی مخالفت نہ کر سکتے ہوں۔ یہ سب خیالات اور عقائد ربوبیت میں نقص پیدا کرنے اور اس کو ختم کرنے کا ذریعہ ہیں۔ ان میں ایک تو اللہ کی محبت، اس کا خوف، اس پر توکل، اس سے امید اور اس کی طرف رجوع کرنے کی اہمیت مشرک کے دل سے نکل جاتی ہے کہ یہ اپنے اور اپنے جیسے دوسری مخلوق یعنی اپنے جیسے انسان اور اپنے درمیان فرق کرتا ہے اور اس انسان کو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے۔ اس طرح اللہ کی عظمت، اس کا خوف، اس کی محبت اور امید میں کمی اور ضعف آ جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان سب صفات کا کچھ حصہ بندوں کو دیدیا جاتا ہے۔

لہٰذا شرک سے لازمی طور پر اللہ سبحانہ کی شان میں تنقیص ہوتی ہے اگرچہ مشرک چاہے یا نہ چاہے مگر اس کے شرکیہ عمل سے اللہ کی شان میں تنقیص ہو ہی جاتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے کمال ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ مشرک کی مغفرت نہ کرے اور اس کے مرتکب کو ہمیشہ کے لیے عذاب میں رکھے اور اس کو بدترین و بدبخت ترین مخلوق میں شمار کیا جائے۔ کوئی بھی مشرک ہو وہ اللہ کی شان میں تنقیص کا مرتکب ہوتا ہے اگرچہ وہ خود کو اللہ کی تعظیم کرنے والا ہی کیوں نہ سمجھتا ہو۔ یہی بات اس محقق نے بھی کی ہے جس نے داؤد بن جرجیس العراقی کے رد میں لکھی ہے۔ مصنف کا نام مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔ (اس مصنف کا نام شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن ہے۔ جس کی کتاب کا نام منہاج التاسیس فی الرد علی داؤد بن جرجیس البغدادی ہے)۔

اس میں لکھا ہے کہ یہ جاہل عراقی یا دیگر وہ مسلمان جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں یہ سب کہتے ہیں کہ ہمارا یہ پکارنا دراصل باب التسبب میں سے ہے (یعنی اسباب اختیار کرنے کی ایک صورت ہے)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تو محال اور باطل ہے کہ ہم کسی مسلمان کے بارے میں کہہ دیں کہ وہ غیر اللہ کو پکارتا ہے۔ اس لیے کہ مسلمان صرف اللہ کو پکارتا ہے اور جس نے کسی میت یا غائب سے اپنی حاجت طلب کرلی وہ اسلام سے علیحدہ ہو گیا۔ اس لیے کہ شرک اسلام کے منافی عمل ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسلام کا معنی ہے دل، زبان اور ارکان (اعضاء عملی طور پر) صرف ایک اللہ کی طرف متوجہ ہوں دیگر سب کو چھوڑ کر۔ مخلص مسلمان وہ ہوتا ہے جو صرف اللہ کو پکارتا ہے۔ جبکہ مشرک اپنی اکثر دعائیں اور عبادات یا بعض عبادات غیر اللہ کے لیے کرتا ہے۔ جبکہ یہ بات پہلے ثابت ہو چکی ہے کہ دعا عبادت ہے اور اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو غیر اللہ کو پکارنے سے منع کیا ہے۔ فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ ۝﴾ (یونس:۱۰۶)

"اللہ کے علاوہ کسی اور کو مت پکاریں جو آپ کو نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔"

اگرچہ خطاب خاص ہے مگر حکم پوری امت کے لیے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ۝﴾ (الشعراء:۲۱۳)

"اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریں ورنہ سزا کے مستحق قرار پائیں گے۔"

﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ (القصص:۸۸)

"اللہ کے ساتھ اور معبود نہ پکاریں۔ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کو پکارنا اس کو الٰہ بنانا اور الٰہ معبود ہوتا ہے اور اس کی عبادت کرنے والا اس کو الٰہ بنانے والا شمار ہوتا ہے۔

اس کتاب میں مزید لکھا ہے کہ ایمان سے منحرف لوگوں کا یہ دعویٰ کہ وسیلہ (جس کا قرآن میں ذکر ہے) سے انبیاء اور صلحاء کا وسیلہ لینا مراد ہے۔ تو یہ خیال باطل ہے یہ اللہ کے اس فرمان کے معارض ہے جو آیت کی ابتداء میں ہے یعنی غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت اور اس کا رد جو اللہ نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح اس بات کے دلائل بھی پہلے ذکر ہو چکے ہیں کہ غیر اللہ سے دعائیں کرنے کا یہ عمل بعینہ ان مشرکین کا دین اور طریقہ ہے جنہوں نے اپنے لیے سفارشی بنا رکھے تھے اور ان سے دعائیں کرتے تھے کہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں اور ہمیں اللہ کے ہاں مرتبے میں قریب کریں۔

قرآن مجید ابتداء تا انتہا، اول تا آخر اس قسم کے وسیلے کو باطل قرار دیتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ یہ کفر و شرک ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝﴾ (المومنون:۱۱۷)

"جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پکارا جس پر کوئی دلیل اس کے پاس نہیں ہے تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ کافر کامیاب نہیں ہوتے۔"

اور فرماتا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ۝﴾

(الاحقاف:۵)

"اس سے بڑھ کر کون زیادہ گمراہ ہے جو اللہ کے علاوہ اس کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی بات قبول نہیں کر سکتا۔"

فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۝﴾ (فاطر:۱۳)

"جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ ایک چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔"

﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ﴾ (فاطر:۱۴)

"قیامت کے دن یہ تمہارے شرک کا انکار کریں گے۔"

بہت سی آیات اور احادیث اس بارے میں موجود ہیں کہ جس طرح کے وسیلے کا دعویٰ یہ گمراہ لوگ کرتے ہیں یعنی مردوں اور غائب لوگوں سے تعلق یا رغبت یا ڈر کی وجہ سے یہ سب شرک اکبر ہے۔ جس کی مغفرت اللہ نہیں کرتا۔ جیسا ان آیات کے بارے میں علماء کے اقوال واستدلالات سے ثابت ہو چکا ہے۔

اس کتاب میں مزید لکھا ہے کہ صحیح اجماع وہ ہے جسے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور فقہاء نے اسے اپنی کتب میں ان سے نقل کیا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے اپنے اور اللہ کے درمیان واسطے اور وسیلے بنا لیے اور ان واسطوں کو پکارتا ہے ان سے مانگتا ہے ان پر توکل کرتا ہے تو یہ بالاجماع کفر ہے۔

اس کتاب میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے وسیلے کے بارے میں سوال ہوا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ ہمارے اور اللہ کے درمیان وسیلہ اور ذریعہ ضروری ہے؟

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جواب دیا اگر واسطہ سے مراد یہ ہے کہ ایسا ذریعہ کہ جس سے ہمیں اللہ کے احکام ملتے رہیں (مثلاً انبیاء) تو یہ صحیح ہے اس لیے کہ مخلوق کو نہیں معلوم کہ اللہ کی رضا کیا ہے وہ کیا پسند کرتا ہے۔ اس کے احکام اور نواہی کیا ہیں اس کے اسماء حسنیٰ کونسے ہیں صفات کیا ہیں۔ یہ سب باتیں رسولوں کے واسطے سے ہی معلوم ہوتی ہیں۔ اور اگر واسطہ اور وسیلہ سے مراد یہ ہے کہ بندے اپنے اور اللہ کے درمیان نفع کے حصول اور ضرر کے دفعیہ کے لیے کسی وسیلے کو اپناتے ہیں اس سے مانگتے ہیں اور اس سے امیدیں رکھتے ہیں تو یہ سب سے بڑا شرک ہے۔ جس کی بنا پر اللہ نے مشرکین کو کافر قرار دیا تھا کہ انہوں نے اللہ کے علاوہ دوست اور ولی بنا لیے تھے۔ سفارشی اپنائے تھے ان کے ذریعے سے نفع حاصل کرتے اور ضرر دفع کرتے تھے۔

البتہ جس شفاعت کی اجازت اللہ نے دی ہے وہ جائز ہے۔ جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ (الفرقان:۴)

"اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو پیدا کیا ہے، چھ دن میں۔ پھر وہ عرش پر مستوی ہوا اس کے علاوہ تمہارا کوئی دوست اور سفارشی نہیں ہے تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے؟"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرماتا ہے:

﴿وَاَنۡذِرۡ بِهِ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ اَنۡ یُّحۡشَرُوۡۤا اِلٰی رَبِّهِمۡ لَیۡسَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیۡعٌ﴾ (الانعام:۵۱)

"اس (قرآن) کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرائیں جو اپنے رب کے سامنے جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں۔ ان کے لیے اللہ کے علاوہ کوئی دوست اور سفارشی نہیں ہے۔"

فرمان ہے:

﴿قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَلَا یَمۡلِکُوۡنَ کَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡکُمۡ وَلَا تَحۡوِیۡلًا۝﴾ (الاسراء:۵۶)

"کہہ دیجیے ان لوگوں کو بلاؤ جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ اختیار نہیں رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے کا اور نہ ہٹانے کا۔"

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ کون زیادہ قریب ہے۔ اللہ نے یہ واضح کر دیا کہ ملائکہ اور انبیاء لوگوں کی تکلیف نہ دور کر سکتے ہیں نہ اس کو پھیر سکتے ہیں۔ وہ تو اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں، اللہ کے پسندیدہ کاموں کے ذریعے اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّؤۡتِیَهُ اللّٰهُ الۡکِتٰبَ وَالۡحُکۡمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوۡلَ لِلنَّاسِ کُوۡنُوۡا عِبَادًا لِّیۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰکِنۡ کُوۡنُوۡا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ الۡکِتٰبَ وَبِمَا کُنۡتُمۡ تَدۡرُسُوۡنَ۝ وَلَا یَاۡمُرَکُمۡ اَنۡ تَتَّخِذُوا الۡمَلٰٓئِکَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرۡبَابًا اَیَاۡمُرُکُمۡ بِالۡکُفۡرِ بَعۡدَ اِذۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ۝﴾ (آل عمران:۷۹-۸۰)

"کسی انسان کے لیے لائق نہیں کہ جسے اللہ نے کتاب، حکمت اور نبوت دی ہو اور پھر وہ لوگوں سے کہے کہ میرے بندے بن جاؤ اللہ کو چھوڑ کر۔ لیکن (یہ کہتا ہے کہ) سب رب کے بندے بن جاؤ کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور پڑھتے ہو، اور وہ تمہیں اس بات کا حکم نہیں کرتا کہ تم فرشتوں اور انبیاء کو رب بناؤ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا؟ جبکہ تم مسلمان ہو چکے ہو؟"

اس آیت میں اللہ نے یہ واضح کر دیا کہ ملائکہ اور انبیاء کو رب بنانا کفر ہے۔ جس نے فرشتوں اور انبیاء کو واسطہ اور وسیلہ بنایا انہیں پکارتا رہا، ان سے نفع کے حصول کی التجائیں کرتا رہا، فقر وفاقہ اور مشکلات دور کرنے کی دعائیں کرتا رہا تو یہ شخص بالاجماع کافر ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ الاسلام نے اپنا وہ کلام ذکر کیا ہے جو ان مشائخ علماء کے بارے میں ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ اور امت کے درمیان واسطہ اور ذریعہ بنا دیا گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بات امت تک پہنچاتے ہیں اور آپ ﷺ کی اقتدا کرتے ہیں جس نے ان مشائخ کو امت اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان واسطہ اور ذریعہ بنایا تو یہ صحیح ہے مگر اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان اس طرح کے وسیلے بنانا جس طرح بادشاہوں اور عوام کے درمیان ہوتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں مخلوق کی حاجات پیش کیا کریں کہ مخلوق ان سے دعا کریں اور یہ اللہ سے دعا کریں جیسا کہ بادشاہوں کے درباری ہوتے ہیں کہ لوگوں کی ضروریات معلوم کرتے ہیں اور بادشاہ کے قرب کی وجہ سے بادشاہ تک پہنچاتے ہیں۔

لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ براہ راست بادشاہ سے بات کرنا ادب کے خلاف ہے اور درباری چونکہ بادشاہ کے قریب ہیں لہٰذا ان سے بات کرنا زیادہ مفید ہے تو یہ شخص کافر مشرک ہے اس سے توبہ کروائی جائے گی اگر توبہ نہیں کرتا تو اسے قتل کر دیا جائے گا ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگوں نے خالق کو مخلوق سے مشابہ قرار دیدیا اور اللہ کے لیے شریک اور ساجھی ٹھرا دیے قرآن مجید میں ان لوگوں کا رد اتنی تفصیل سے کیا گیا ہے کہ اس فتویٰ میں اس کے نقل کی گنجائش نہیں ہے مزید اسمیں لکھا ہے کہ۔ مقصد یہ ہے کہ جس نے اللہ اور مخلوق کے درمیان وسیلے اور ذریعے بنا لیے جس طرح بادشاہوں اور رعایا کے درمیان ہوتے ہیں تو ایسا کرنے والا مشرک ہے بلکہ یہ مشرکین بت پرستوں کا دین ہے۔

مزید لکھا ہے۔ شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ پانچویں صورت کہ یہ کہا جائے کہ جو ذریعے اللہ نے بنائے ہیں جو اسباب اس نے مقرر کیے ہیں ہم ان میں اختلاف نہیں کرتے لیکن مخلوق سے فریاد کرنا اور اس کو دعا کے لیے ذریعہ بنایا ایسے امور میں کہ جو اللہ کے علاوہ کسی کے اختیار میں نہیں ہیں یہ کس نے حکم دیا ہے؟ یہ کس نے کہا ہے کہ اگر تم میت یا کسی غائب انسان سے فریاد کروگے تو یہ رزق، ہدایت، مدد، وغیرہ کے حصول کا ذریعہ ہوگا جبکہ ان امور کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہے۔ یہ کس نے مشروع قرار دیا ہے؟ کس نے اس کا حکم دیا ہے۔ انبیاء اور صحابہ اور تابعین میں سے یہ کام کس نے کیا ہے؟ اس مقام پر دو باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔

1 یہ ذرائع ان مقاصد کے حصول کے لیے (اختیار کیے گئے ہیں) جن کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہے۔

2 یہ ذرائع مشروع ہیں؟ ان کا اختیار کرنا حرام نہیں ہے؟ ایسا نہیں ہے کہ ہر کوئی سبب کو اپنانا جائز ہو۔

مثلاً بعض دفعہ مال کے حصول کے لیے سفر اختیار کیا جاتا ہے اور یہ دونوں حرام ہوتے ہیں۔ اسی طرح کبھی انسان نصاریٰ کا دین اختیار کرتا ہے تاکہ وہ اسے مال و دولت دیں یہ طریقہ اور ذریعہ حرام ہے۔ اسی طرح جھوٹی گواہی کبھی کبھی مال کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے مگر یہ ذریعہ حرام ہے۔ اسی طرح شیاطین اور ستاروں کو پکارنا انسان کی عبادت کرنا کبھی کبھی مقصد کے حصول کا ذریعہ بن جاتا ہے مگر یہ ذریعہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام ذرائع حرام قرار دیے ہیں جن کا فساد اور نقصان ان کے فائدے اور مصلحت پر غالب ہوتا ہو جیسے شراب اگرچہ اس سے بعض دفعہ فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں ان مشرکوں کی گمراہی واضح ہو جاتی ہے ان سے شرعی دلائل طلب کیے جائیں گے (کہ جو اعمال یہ کر رہے ہیں شریعت سے ان کا ثبوت کیا ہے) ایک عالم نے اپنے ایک معاصر کی کتاب جلا الغمہ عن تکفیر ھذہ الامتہ۔ کے رد میں کتاب لکھی ہے اس عالم کو میں نہیں جانتا

(وہ شیخ عبداللطیف بن شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالوھاب ہیں ان کی کتاب کا نام مصباح الظلام ہے جو کہ عثمان بن منصور کی کتاب کشف الغمہ عن تکفیر ھذہ الامہ کے رد میں ہے) (رشید رضا)

(اس کتاب میں لکھا ہے) وسیلہ و توسل لفظ بہت سے لوگوں کے عرف میں مشترک لفظ ہے بعض اس کا اطلاق اس پر کرتے ہیں کہ نیک بندوں کے پاس جا کر ان سے دعائیں کی جائیں اور اللہ کے ساتھ ساتھ ان کی بھی عبادت کی جائے قبر پرستوں اور ان کے حمایتیوں کے ہاں اس کا یہی معنیٰ ہے جبکہ اس طرح کا توسل اللہ، اس کے رسول اللہ ﷺ اور علماء کے نزدیک شرک اکبر اور صریح کفر ہے۔ کسی چیز کے نام رکھنے یا بدلنے سے اس کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔ قرآن، سنت اور علماء کی اصطلاح کے لیے ان امور و اعمال کو اختیار کرنا جنھیں اللہ نے مشروع قرار دیا ہے جیسے اللہ پر ایمان لانا۔ اس کی توحید پر کابند رہنا، اس کے رسولوں کی تصدیق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا ایسے اعمال صالحہ بجالانا جن سے اللہ راضی ہوتا ہے اور انہیں پسند کرتا ہے۔ جیسا کہ غار میں بند ہونے والے تین افراد نے اپنے اعمال، والدین سے حسن سلوک، پاکدامنی اور دیانتداری کا وسیلہ استعمال کیا یا علماء کے ہاں یہ اصطلاح بولی جاتی ہے تو اس سے مراد یہی وسیلہ ہوتا ہے۔ اس سے مراد وہ وسیلہ نہیں ہوتا جو مشرکوں کے ہاں مراد ہے یہ لوگ تو اللہ کی نازل کردہ شریعت سے یکسر لاعلم ہیں اس معترض نے اپنے باطل نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے لفظ میں التباس پیدا کر لیا ایک مشترک لفظ سے غلط فائدہ اٹھایا۔

سوال: سنن کی کتب میں بعض دعائیں ہیں جن میں لفظ بحق السائلین یا بحق ممشای وغیرہ مستعمل ہیں؟

جواب: اللہ نے بعض بندوں پر احسان اور فضل کر کے ان کا اپنے اوپر حق رکھا ہے یہ اللہ کے پاس وسیلہ ہے مگر اللہ کے وعدے اور احسان کا وسیلہ ہے جو اللہ نے اپنے مومن بندوں کے لیے اپنے اوپر رکھا ہے۔ لہٰذا اس کا مذکورہ وسیلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یعنی مخلوق کے وسیلے سے اللہ کو پکارنا، فقہاء مدینہ نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے جیسا کہ مجھے محمد بن محمود الجزائری الحنفی نے اسکندریہ میں اپنے گھر میں بتایا تھا انہوں نے کہا تھا کہ احناف کہتے ہیں مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہوتا اس کے لیے انہوں نے دلیل دی کہ داؤد علیہ السلام نے کہا تھا۔

"اللھم انی اساءلك بحق آباءی علیك"

(اے اللہ میں تجھ سے اپنے آباء کے بحق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں)

اللہ نے ان کو وحی کی۔

"ای حق لابائك علی"

(تیرے آباء کا مجھ پر کونسا حق ہے؟)

یہاں جس حق کی نفی ہو رہی ہے یہ وہ حق نہیں ہے جس کا پہلے اثبات کیا گیا ہے۔ جس کا اثبات کیا گیا ہے۔ اس سے مراد اللہ کا سچا وعدہ ہے جو اللہ نے نماز کی طرف جانے والوں سے کیا ہے۔ اور مانگنے والوں کو دینے کا جو وعدہ کیا ہے۔ جس فضل اور احسان کا وعدہ کیا ہے اور جس حق کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد وہ حق ہے جو ایمان اور عمل صالح کے بدلے اور معاوضے کے طور پر جتایا جاتا ہے۔ پہلے والے کا تعلق اللہ کی صفات ذاتی سے ہے جبکہ دوسری کا تعلق مخلوق کی ذات سے ہے۔

اس کتاب میں اس بات سے پہلے لکھا ہے کہ اس بے دین نے صالحین اور انبیاء اور اولیاء کے ذریعے اللہ کی طرف وسیلہ لینے کو شرک اکبر قرار دیا جس کے ذریعے انسان دین سے خارج ہو جاتا ہے اور کافر بن جاتا ہے۔ اور پھر تلبیس سے کام لیتے ہوئے اس میں اولیاء کے وسیلے کو بھی داخل کیا ہے۔ تاکہ سادہ دل لوگوں کو حقیقی صورت حال معلوم نہ ہو سکے۔ جبکہ شیخ کی بات کا موضوع ہے اللہ کو پکارنا صالحین کے توسط سے جبکہ یہ مسئلہ ہے صالحین کو پکارنا اور ان سے ایسی استدعا کرنا جو اللہ کے علاوہ کسی اور کی قدرت میں نہ ہو۔ مگر اس نے دونوں کو خلط کر دیا تاکہ اپنے باطل کو رواج دے سکے۔ اس طرح اس نے اس مسئلے کو بہت زیادہ بگاڑ دیا یہ یہود کے ورثاء تباہ و برباد ہو جائیں اس نے کلام کو اس کے اصل معنی سے تحریف کر کے کسی اور معنی میں استعمال کر لیا۔ شیخ کا کلام اس بارے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں واضح ہے کہ جو شخص اپنی حاجات اور مصائب و مشکلات میں اللہ کے ساتھ اوروں یعنی عبدالقادر جیلانی۔احمد البدوی۔العیدروس۔علی رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ کو ان معاملات میں پکارتے ہیں جن کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہے تو یہ عمل انتہائی برا ہے۔واضح اور صریح شرک ہے۔صرف یہ کہنا کہ میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور اسی کو خالق، رازق، نفع ونقصان کا مالک سمجھتا ہوں صرف یہی اسلام ہے اور صرف اسی پردہ شرک اور اس کے نتائج وعواقب سے نجات حاصل کرلیگا۔ شیخ نے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا۔اور سابقہ آیات سے استدلال کے ذریعے اپنی بات ثابت کرنے کی کوشش کی۔

جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے کہ اللہ کے ہاں انبیاء اولیاء کے مقام ومرتبے کے وسیلے سے دعا کی جائے مثلاً بندہ اس طرح دعا مانگے کہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے انبیاء اور اولیاء کے حق کے واسطے سے یا اس طرح کے دیگر الفاظ استعمال کرے تو شیخ نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ شرک ہے نہ ہی انہوں نے اپنے کلام میں اس کا ذکر کیا ہے۔جبکہ علماء کے نزدیک اس کا حکم معروف ہے۔جمہور اہل علم نے صراحت کے ساتھ اس سے منع کیا ہے۔بلکہ شیخ نے ردیف البکری پر رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے سوائے ابن عبدالسلام کے اور وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مگر یہاں بھی اس پر انہوں نے بالجزم بات نہیں کی۔بلکہ بات کو اس پر موقوف رکھا ہے کہ اگر عمی اولی حدیث ثابت ہو اور صحیح ہو۔جبکہ اس حدیث سے کسی بھی محدث نے دلیل نہیں لی (اس کو دلیل کے قابل نہیں سمجھا) اور اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی یہ گفتگو اس سے متعلق نہیں ہے۔

مزید لکھتے ہیں۔نابینا آدمی کی جو حدیث ہے اس پر محدثین نے کلام کیا ہے اور اسے صحیح قرار نہیں دیا اس لیے کہ اسکی سند میں ایسے راوی ہیں جنکی روایت قابل حجت نہیں ہوتی۔اسی لیے ابن عبدالسلام نے اس کے صحیح ہونے پر توقف سے کام لیا ہے۔اور کہا ہے کہ اگر حدیث صحیح تو پھر صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا جائز قرار پاتی ہے۔جبکہ دیگر لوگ کہتے ہیں کہ اگر حدیث صحیح بھی ہو تی تو اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ خالق سے مخلوق کے مقام ومرتبے کے وسیلے سے دعا مانگی جائے۔اس لیے کہ حدیث کے الفاظ صرف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نابینا کے لیے اللہ سے دعا کی کہ اللہ اس کی نظر لوٹا دے اور یہ طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے وسیلے کا ہے جیسا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ والی روایت میں عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم جب قحط سالی کا شکار ہوتے تھے تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے پاس وسیلہ بناتے تھے اور اب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ... کا وسیلہ لیکر آئے ہیں۔انبیاء اور ان کے مومن قرابت داروں اور صالحین کی دعائیں اللہ کے ہاں بہت بڑے وسائل ہیں اور اس بات کو مراد لینے میں کوئی مانع نہیں ہے۔بحرحال کچھ بھی ہو اختلاف اس میں نہیں ہے اور ہمارے شیخ کی بات اس سے تعلق نہیں رکھتی۔معترض نے مغالطہ اور التباس پیدا کرنے کے لیے اسے پیش کیا ہے معترض کا خیال یہ ہے کہ ہمارے شیخ کی بات بھی مشرک کی بات کی طرح ہے کہ وہ کہتا ہے میں اللہ سے ان (بزرگوں، صالحین) کے حق اور مقام کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں۔حالانکہ ایسا نہیں ہے۔بلکہ سیاق کلام اور موضوع ان لوگوں سے متعلق ہے جو انہیں (بزرگوں، صالحین) اللہ کے ساتھ پکارتے ہیں۔اور ان صالحین کو اپنے کاموں اور حاجتوں کے لیے اللہ اور اپنے درمیان وسیلہ اور واسطہ بناتے ہیں اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ میں ان کے واسطے سے اللہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حاجات طلب کرنے کے لیے ان کو پکارتا ہو۔ مگر یہ کند ذہن اسے سمجھ نہ سکا اور بات کو اس نے خلط ملط کر لیا۔

شیخ حسین بن غنام "الاحسائی روضتہ الافکار والافھام لمرتاد حال الامام"، میں لکھتے ہیں استسقاء کے واقع سے دلیل لیتے ہوئے یہ لوگ کہتے ہیں صالحین کا وسیلہ لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور احمد کا یہ قول کہ صرف نبی ﷺ کا توسل لیا جاسکتا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مخلوق سے فریاد نہیں کرنی چاہیے۔ فرق بہت زیادہ واضح ہے اور یہ اس بات سے تعلق نہیں رکھتا جس بارے میں ہم بحث کر رہے ہیں ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو صالحین کا وسیلہ لینے کی اجازت دیتے ہیں اور کچھ وسیلہ کو صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ جبکہ اکثر علماء اس سے منع کرتے ہیں اور اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ یہ فقہ کے مسائل ہیں اور اگر ہمارے نزدیک جمہور کا اس کو مکروہ قرار دینا صحیح ہوتا تو ہم اس کے مرتکب پر کبھی اعتراض نہ کرتے۔ اجتھادی مسائل پر اعتراض نہیں کیا جاتا۔ ہمارا اعتراض تو اس بات پر ہے جو اللہ سے زیادہ مخلوق کو پکار رہا ہے۔ اور شیخ عبدالقادر جیلانی یا دیگر لوگوں کی قبروں پر جا کر عاجزی وانکساری کرتا ہے اور اپنی حاجات طلب کرتا ہے۔

اب اس آدمی کو اس آدمی کے برابر کیسے قرار دیا جائے گا جو اللہ کو پکارتا ہے اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا لیکن اپنی دعامیں کہتا ہے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے نبی ﷺ اور دیگر رسولوں اور نیک بندوں کے واسطے سے یا کسی مشہور یا غیر مشہور قبر کے پاس جاتا ہے اس اللہ کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے اس کا ہماری بحث سے کیا تعلق ہے؟

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اہل مکہ کو جو خط بھیجا تھا اس میں دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا، کہ جب یہ معلوم ہو گیا تو ہمارا عقیدہ اور ہمارے نزدیک اللہ کا دین یہ ہے کہ جس نے کسی نبی یا ولی وغیرہ کو پکارا اور حاجات پوری کرنے اور مصائب دور کرنے کی اس سے دعا کی تو یہ وہ بہت بڑا شرک ہے جس کے ارتکاب پر اللہ نے مشرکین کو کافر قرار دیا تھا۔

اس لیے کہ انہوں نے اولیاء کو اپنا سفارشی بنالیا تھا ان کے ذریعے سے نفع طلب کرتے تھے اور تکالیف دور کرتے تھے یہ ان کا عقیدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے۔

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ﴾ (یونس:۱۸)

"یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں کو انہیں نقصان دے سکتے ہیں نہ فائدہ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔"

جس نے انبیاء یا ان کے علاوہ عباس رضی اللہ عنہ، محبوب یا ابوطالب وغیرہ کو وسیلہ بنایا انہیں پکارا ان پر توکل کیا نفع کے حصول کے لیے ان سے سوال کیا بایں طور کہ لوگ ان سے اور یہ اللہ سے سوال کریں گے جیسا کہ بادشاہوں تک رسائی کے لیے ذرائع اور وسیلے ہوتے ہیں کہ بادشاہ کا قرب جنھیں حاصل ہوتا ہے وہ دیگر لوگوں کی ضروریات بادشاہ تک پہنچاتے ہیں اس لیے کہ دیگر لوگ ادب کہ وجہ سے بادشاہ سے براہ راست بات نہیں کر سکتے یا اس لیے کہ لوگ بادشاہ کے مقربین ہیں تو جس نے بھی ان (انبیاء وصلحاء) کو اس طریقے سے ذریعہ اور واسطہ بنایا وہ کافر مشرک ہے اس کا مال اور خون حلال ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ نے جو خط عبد اللہ بن سحیم کو بھیجا تھا اسمیں لکھا تھا، جب یہ واضح ہو گیا تو وہ مسائل جن میں سے کچھ قابل مذمت ہیں وہ ہیں جو مجھ پر صریح بہتان ہیں میں انہیں باطل قرار دیتا ہوں یا یہ کہ میں کہتا ہوں کہ چھ سو سال سے لوگوں کے پاس کچھ (اسلام میں سے) نہیں تھا یا یہ کہ میں اجتہاد کا دعویٰ کرتا ہوں یا یہ کہ میں تقلید سے خارج ہو گیا ہوں یا یہ کہ میں کہتا ہوں کہ علماء کا اختلاف عیب ہے۔ اور یہ کہ میں صالحین کا وسیلہ لینے والے کو کافر قرار دیتا ہوں یہ بارہ مسائل ہیں ان کے بارے میں میرا جواب یہ ہے کہ

"سبحانك هذا بهتان عظيم" (النور)

"یہ بہت بڑا بہتان ہے"

محمد ﷺ پر بھی الزامات لگائے گئے تھے کسی نے کہا تھا کہ آپ ﷺ عیسیٰ علیہ السلام اور صالحین کو گالیاں دیتے ہیں۔ یہ لوگ اور اس وقت کے الزام تراشی کرنے والوں کے دل یکساں ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ پر بہتان لگایا تھا کہ آپ ﷺ ملائکہ، عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو جہنمی قرار دیتے ہیں اللہ نے آیت نازل فرمادی۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝﴾ (الانبیاء:۱۰۱)

"جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھائی لکھی جا چکی ہے وہ اس (آگ) سے دور رکھے جائیں گے۔"

شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے اپنے والد کی اس تصنیف کو مختصر کیا ہے جو توحید سے متعلق انہوں نے لکھی تھی اس میں لکھا ہے کہ، اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جس نے غیر اللہ کو پکارا اس نے شرک کر لیا۔ جس نے کہا یا رسول اللہ یا کہا یا ابن عباس رضی اللہ عنہ یا عبد القادر یا محبوب یا اسی طرح کسی اور کو پکارا یہ سوچ کر کہ یہ اللہ کے ہاں میری سفارش کرے گا اس کی طرف میرا وسیلہ ہے تو ایسا کرنے اور سمجھنے والا ایسا مشرک ہے کہ اس کا خون رائیگاں اور اس کا مال مباح ہے الا یہ کہ اس سے توبہ کر لے۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں ہم اپنے نبی جناب محمد ﷺ کے لیے قیامت کے روز کی شفاعت کو ثابت مانتے ہیں جیسا کہ (احادیث سے) ثابت ہے اور ہم اللہ جو کہ شفاعت کا مالک ہے سے شفاعت کا سوال کرتے ہیں اور اللہ ہی شفاعت کی اجازت دے گا اور یہ اجازت صرف خوش نصیب موحدین کے لیے ہو گی۔ ہم اللہ سے عاجزی و انکساری کے ساتھ اس طرح دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ قیامت کے دن محمد ﷺ کو ہمارا سفارشی بنا دے۔ یا اس طرح کہتے ہیں کہ اے اللہ اپنے صالح بندوں اور فرشتوں کو ہمارا سفارشی بنا دے۔ الغرض یہ سب دعائیں اور التجائیں اللہ سے کی جا رہی ہیں ان سے نہیں۔ اس طرح نہیں کہا جائے گا اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ یا اے اللہ کے ولی میں تجھ سے سفارش کا سوال کرتا ہوں۔ یا یہ کہ میری فریاد سن لے۔ یا مجھے تھام لے۔ میرے دشمن کے خلاف میری مدد کر۔ یا اس طرح کے دیگر وہ امور جن کی قدرت اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ جب ان باتوں کی استدعا کی جائے گی جو ایام برزخ میں مذکور ہوئیں تو یہ شرک کی اقسام میں سے ہے کتاب و سنت سے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی نے اس کی ترغیب دلائی ہے بلکہ کتاب و سنت اور اجماع سلف سے یہ ثابت ہے کہ یہ مذکرہ باتیں کرنا شرک اکبر میں سے ہیں جس کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے قتال کیا ہے۔

اسمیں مزید لکھتے ہیں جہاں تک وسیلے کی بات ہے یعنی بندہ یوں کہے۔ اے اللہ میں محمد ﷺ کے مقام کا وسیلہ لیتا ہوں یا اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح کہے کہ میں تیرے نیک بندوں کے مقام کا وسیلہ لیتا ہوں یا اسی طرح کی اور کوئی بات کرے تو یہ بدعت مذمومہ میں سے ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

علامہ سید نعمان خیر الدین المشہور بابن الالوسی البغدادی، "جلاء العینین فی محاکمتہ الاحمدین" میں لکھتے ہیں۔ خاتمہ توسط کے بارے میں ہے اسمیں دو قول ہیں۔ میرے والد رحمہ اللہ آیت۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (المائدۃ:۳۵)

کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اس آیت سے بعض لوگوں نے وسیلہ کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ صالحین کا وسیلہ لے سکتے ہیں اور انہیں اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ بنا سکتے ہیں اللہ کو ان کی قسم دی جا سکتی ہے مثلاً یوں کہا جا سکتا ہے کہ اے اللہ میں تجھے فلاں کی قسم دیتا ہوں کہ میری فلاں ضرورت پوری کر دے۔ ان میں سے کچھ لوگ فوت شدہ صالحین یا غائب افراد کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ یا فلاں اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے رزق دے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ آیت میں مذکور وسیلہ تلاش کرنے سے مراد یہی ہے یہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کام میں تھک جاؤ یا ناکام ہونے لگو تو اہل قبور کو لازم پکڑ لو۔ یا یہ روایت کہ اہل قبور کے سامنے فریاد کیا کرو۔ یہ سب باتیں حق سے کوسوں دور ہیں اس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ مخلوق سے فریاد کرنا اور وہ زندہ ہو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ جس سے دعا کروائی جا رہی ہے وہ دعا کروانے والے سے بہتر اور افضل ہو۔ بلکہ کبھی افضل شخص اپنے سے کم فضیلت والے سے بھی دعا کی درخواست کر سکتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عمرہ پر جانے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ بھائی ہمیں اپنی دعاؤں میں مت بھولنا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے اپنے لیے مغفرت کی دعا کروانا اس طرح آپ ﷺ نے اپنی امت کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کرے اور آپ ﷺ پر درود بھیجے (درود بھی آپ ﷺ کے لیے دعا ہی ہے)۔ البتہ جس سے دعا کی درخواست کی جا رہی ہے وہ میت ہو یا غائب ہو تو اس کے عدم جواز میں کوئی عالم شک نہیں کر سکتا یہ بدعت ہے سلف میں سے کسی نے بھی اسطرح نہیں کیا۔ البتہ اہل قبور کو سلام کرنا ان کو مخاطب کرنا جائز ہے۔

اس میں یہ بھی فرماتے ہیں۔ اللہ کو اس کی مخلوق کی قسم دینا مثلاً یوں کہے کہ میں تجھے فلاں کی قسم دیتا ہوں یا فلاں کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ میری فلاں حاجت پوری کر دے تو اس بارے میں عز بن عبد السلام کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے بارے میں جو کہ انسانوں کے سردار ہیں کہہ سکتے ہیں مگر آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی، ملائکہ یا اولیاء وغیرہ کے بارے میں نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ ان سب کا وہ درجہ اور مقام نہیں ہے (جو محمد ﷺ کا ہے)۔ یہی رائے المناعی سے بھی منقول ہے جو انہوں نے جامع الصغیر کی شرح میں کی ہے۔ اس کی دلیل ترمذی کی روایت کردہ حدیث ہے جسے ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک نابینا آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ اللہ سے میرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے دعا کریں کہ اللہ مجھے اندھے پن سے نجات دیدے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں اور اگر چاہو تو صبر کرلو یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ اس نے کہا دعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھی طرح وضو کرلو اور اس طرح دعا مانگو:

''الھم انی اسئلك۔۔۔۔۔''

''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی ﷺ جو نبی رحمت ہیں کے واسطے سے متوجہ ہوتا ہوں، یارسول اللہ میں آپ ﷺ کے توسط سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت پوری کردے اے اللہ رسول اللہ ﷺ کی سفارش میرے بارے میں قبول فرما۔''

احمد سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

بعض لوگ کسی کی ذات کے توسل اور اللہ کو مخلوق کی قسم دینے سے مطلقاً منع کرتے ہیں اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام سے بھی یہ مترشح ہوتا ہے انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ابو یوسف رحمہ اللہ جیسے بڑے بڑے علماء سے یہی رائے نقل کی ہے ترمذی کی روایت کا انہوں نے جواب دیا ہے کہ اسمیں لفظ دعا مضاف محذوف ہے اصل عبادت ہے بدعا''نبیك لھٰذا''وسیلہ دعا کو بنایا گیا ہے اور یہ صورت جائز بلکہ مندوب ہے۔ اس محذوف پر دلیل حدیث کے آخر میں موجود یہ الفاظ ہیں کہ:

''اللھم شفعہ فی''

''اے اللہ آپ ﷺ کی سفارش میرے بارے میں قبول فرما۔''

بلکہ حدیث کی ابتداء میں بھی ایسے الفاظ ہیں۔

سبکی نے اپنی عادت کے مطابق ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بات کو غلط قرار دیا ہے اور کہا کہ نبی ﷺ کا وسیلہ لینا آپ ﷺ کے وسیلے سے اللہ کے سامنے فریاد کرنا اچھی بات ہے سلف وخلف میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ صراط مستقیم سے ہٹ گئے اور ایسی بات کی ایجاد کرلی جو کسی مسلمان عالم نے کبھی نہیں کہی تھی۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اہل بیت یا دیگر ائمہ کرام سے جو دعائیں منقول ہیں ان میں کہیں بھی آپ ﷺ کی ذات مبارک کو وسیلہ نہیں بنایا گیا اور اگر کہیں کسی دعا میں ایسا ہے بھی تو اس کی تاویل کی جائے گی کہ اس میں مضاف مقدر ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر گیا۔ (آگے بھی تفصیل آئے گی ان شاء اللہ) اور جو لوگ اس وسیلے کے جواز میں نص کا دعوی کرتے ہیں تو ان کہ ذمہ داری ہے کہ وہ نص پیش کریں جہاں تک ابو داود کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ ہم آپ ﷺ کو اللہ کے ہاں سفارشی بناتے ہیں اور اللہ کو آپ ﷺ کے سامنے سفارشی بناتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی پاکی بیان کی یہاں تک کہ صحابہ کرام کو بھی محسوس ہوا (کہ آدمی نے بات صحیح انہیں کی آپ ﷺ کو ناگوار گذری ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ اللہ تعالی کی شان اس سے بہت بڑی ہے۔ یہ حدیث اس بارے میں دلیل نہیں بن سکتی جس بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اس لیے کہ اسمیں آپ ﷺ نے اللہ کو سفارشی بنانے کی ممانعت فرمائی جبکہ رسول اللہ ﷺ کو سفارشی بنانے کا معنی ہے آپ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے دعا کی درخواست کرنا اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی قسم اللہ کو دی جا رہی ہے۔ اگر قسم کا معنی شفاعت طلب کرنا تھا تو پھر آپ ﷺ نے دوسرے جملے کی ہی تردید کیوں کی پہلے والے کی کیوں نہ کی۔ لہٰذا یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث ان لوگوں کے لیے دلیل نہیں بن سکتی جو آپ ﷺ کی زندہ یا فوت شدہ دونوں حالتوں میں قسم کو جائز مانتے ہیں یا آپ ﷺ کے علاوہ ارواح مقدسہ کی قسم کو بھی آپ ﷺ پر قیاس کرتے ہوئے جائز مانتے ہیں۔ (اگرچہ آپ ﷺ اور دیگر ارواح مقدسہ میں فرق ہے۔)

آپ ﷺ نے دوسرے جملے کی تردید اس لیے نہیں کی کہ اسمیں قسم نہیں بلکہ شفاعت کی طلب ہے۔ پہلی حدیث ہمارے موضوع کے بارے میں نص نہیں بن سکتی اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیں تو اس میں زندہ کی قسم یا توسل کا ثبوت ہے اگر کوئی شخص اس مسئلے میں رسول اللہ ﷺ کے زندہ اور فوت ہونے کے بعد کی حالت دونوں کو یکساں قرار دیتا ہے تو اسے چاہیے کہ اسکی کوئی دلیل پیش کرے۔ جبکہ نص اس کے خلاف ہی ہے (حمایت میں نہیں ہے) مثلاً صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قحط سالی ہوتی تو عمر رضی اللہ عنہ عباس رضی اللہ عنہ... کے ذریعے بارش طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اے اللہ ہم تیرے نبی ﷺ کا وسیلہ لیتے تھے اور تو بارش برساتا تھا اب ہم رسول اللہ ﷺ کے چچا کا وسیلہ تیرے پاس لائے ہیں ہمیں بارش دے۔ تو بارش ہو جاتی تھی۔ اگر آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کا وسیلہ لینا جائز ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کسی اور کی طرف نہ جاتے بلکہ وہ اس طرح کہتے۔ اے اللہ ہم تیرے ہاں تیرے نبی ﷺ کا وسیلہ لیتے ہیں یہ ممکن ہی نہیں کہ تھا وہ سید الانبیاء علیہ السلام کو چھوڑ کر آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ... کا وسیلہ لیتے۔ اگر انہیں معمولی سی بھی گنجائش نظر آتی تو وہ ایسا کبھی نہیں کرتے۔ جب صحابہ کرام ہم سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ اور ان دونوں کے حقوق کو جانتے تھے۔ وہ سب سے پہلے ان پر ایمان لانے والے ہیں۔ وہ ہم سے زیادہ بہتر جانتے تھے کہ کونسی دعا مشروع اور کونسی غیر مشروع ہے۔ اور ان کو دعا کی ضرورت بھی پیش آ گئی تھی (قحط پڑ گیا تھا) وہ اللہ سے دعا کر رہے تھے کہ ان کی تکالیف اور پریشانیاں دور کر دے ان پر آسانی فرمائے ان پر بارش برسائے۔ اس کے باوجود ان کا رسول ﷺ کا وسیلہ نہ لینا اس بات کی دلیل ہے کہ مشروع کام وہی ہے جو انہوں نے کیا اس کے علاوہ دوسرا کوئی طریقہ مشروع نہیں ہے۔ جہاں تک اس رائے کا تعلق ہے کہ دیگر ارواح مقدسہ کو آپ ﷺ پر قیاس کیا جا سکتا ہے البتہ آپ ﷺ اور دیگر میں کرامت کا فرق رکھا جائے گا اس فرق کا انکار کوئی منافق ہی کر سکتا ہے مسلمان نہیں۔

یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ ﷺ کی زندگی میں یا انتقال کے بعد آپ ﷺ کی قسم اللہ کو دینے کی کوئی دلیل نہیں ہے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ بخاری کی روایت میں آپ ﷺ یا کسی اور کے قسم دینے کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ ایک تو عمر رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ لیتے تھے (ماضی کا صیغہ ہے)۔ دوسرا قول ہے اب ہم آپ ﷺ کے چچا کا وسیلہ لے رہے ہیں لہٰذا اس طرح کا وسیلہ قسم کی نہیں بلکہ شفاعت کی قسم میں سے ہے مطلب یہ کہ کوئی شخص کسی سے دعا اور شفاعت کی درخواست کرے اور اللہ سے دعا کرے کہ اس کہ دعا اور شفاعت قبول کرے۔ اس بات کہ تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ... دعا کرتے جاتے تھے اور صحابہ کرام آمین کہتے تھے۔

امام تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کا وسیلہ لینا یا کسی کو اللہ کی طرف متوجہ کرنا یا کسی کے ذریعے سے اللہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرف متوجہ ہونا یہ مجمل اور مشترک الفاظ اور اصطلاحات ہیں۔ صحابہ کرام کی اصطلاح میں اس کا مفہوم ہوتا تھا کسی سے دعا کی درخواست کرنا اور کسی کو سفارشی بنانا اس طرح حقیقت میں وسیلہ اور توجہ اس شخص کی دعا اور شفاعت ہوتی تھی اور یہ چیز (شرع میں) ممنوع نہیں ہے۔

جبکہ بہت سے لوگوں کی اصطلاح میں ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے ذریعے سے اللہ سے دعا کی جائے اور اللہ کو اس کی قسم دی جائے۔ یہ ہے دراصل اختلافی مسئلہ۔ اس کے بارے میں تفصیلات بیان ہو چکیں۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے غیر مشروع قسم اس کو بھی قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ اے اللہ میں فلاں شخص کے مقام و مرتبے کے توسط سے تجھ سے دعا یا سوال کرتا ہوں۔ اس لیے کہ سلف سے اس طرح کہیں مروی نہیں ہے کہ کسی نے اس طرح دعا کی ہو۔ فرماتے ہیں اللہ کے اسماء اور صفات کی قسم (وسیلہ) جائز ہے۔ اس طرح کہہ سکتے ہیں اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تیری حمد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو منان ہے بدیع السماوات والارض ہے اے ذوالجلال والاکرام یا حی یا قیوم۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو ایک ہے اکیلا ہے بے نیاز ہے۔

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ○ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ○﴾ (الاخلاص:۴،۳)

میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنے لیے رکھا ہے (حدیث میں سب دعائیں اسی طرح مذکور ہیں) اسی طرح کئی دیگر مسنون دعائیں کی جاسکتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب تمھیں کوئی حاجت درپیش ہو تو میرے مرتبے اور مقام کے وسیلے سے دعا کیا کرو اللہ کے ہاں میرا مقام اور مرتبہ بہت بڑا ہے۔ یہ روایت کسی عالم نے ذکر نہیں کی ہے (البتہ عوام میں سے بعض کی زبانوں پر ہے) حدیث کی کسی کتاب میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ قشیری نے معروف کرخی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں سے کہا تھا کہ اگر تمھیں اللہ کے ہاں کوئی حاجت پیش آجائے تو اللہ کو میری قسم دیکر دعا کیا کرو میں اب تمھارے اور رب کے درمیان واسطہ ہوں۔ یہ ایسی کسی سند سے مروی نہیں ہے جو محدثین کے ہاں قابل توجہ یا قابل اعتماد ہو۔ (لہٰذا قابل قبول نہیں ہے۔)

ابن ماجہ میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز کے لیے نکلنے والے کی دعا ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان سوال کرنے والوں کے حق کے وسیلے سے جن کا تجھ پر حق ہے اور میرے چل کر آنے کے حق کے توسط سے کہ میں نہ توریاء و شہرت کے طور پر نہ تکبر کے طور پر اور نہ کسی برائی کی نیت سے نکلا ہوں میں صرف تیرے غصے سے بچنے اور تیری رضا کے حصول کے لیے نکلا ہوں کہ تو مجھے آگ سے نجات دے اور مجھے جنت میں داخل کر دے۔ اس حدیث کی سند میں عوفی ہے جو کہ ضعیف ہے اگر بالفرض اس کو رسول اللہ ﷺ کا قول اور فرمان تسلیم کر لیا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ اللہ پر مانگنے والوں کا حق یہ ہے کہ وہ انہیں دے۔ اور چل کر آنے والوں کا حق یہاں پورے کیے جانے والے وعدے کے معنی میں ہے اور یہ اللہ کی طرف سے فضل ہو گا اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر واجب نہیں ہو گا۔ جیسا کہ قرآن میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے۔

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾ (الروم:۴۷)

''ہم پر حق ہے مومنوں کی مدد کرنا (یعنی ہمارا وعدہ ہے اور ہم اسے پورا کریں گے)۔''

صحیح حدیث معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا اپنے بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ پر ایسے بندوں کا حق یہ ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ کرے۔ لہٰذا ان مقامات میں لفظ حق کا معنی ثواب اور دعا کی قبولیت ہے اور یہ دونوں اللہ کی فعلی صفات ہیں اور ان کے وسیلہ لینے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایسے موقع پر یہ سوال پناہ مانگنے کی طرح ہو گا جیسا کہ دعا ہے کہ۔

''اعوذبرضاك من سخطك وبمعافاتك من عقبتك واعوذبك منك''

''میں تیری رضامندی کے وسیلے سے تیرے غصے سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری طرف سے ملنے والی عافیت کے واسطے سے تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

جب اللہ کی طرف سے ملنے والی عافیت کے وسیلے سے اللہ سے پناہ مانگی جا سکتی ہے تو اس کی طرف سے ملنے والے ثواب اور قبولیت کے وسیلے سے بھی مانگی جا سکتی ہے اسی طرح ہم ان تین آدمیوں کا سوال بھی قرار دے سکتے ہیں جنھوں نے اپنے اعمال کا وسیلہ دیا تھا کہ اعمال کے وسیلے کا معنی ہے انہیں حصول مقصد کے لیے سبب بنانا۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اعمال صالحہ اللہ سے اجر و ثواب لینے کا سبب ہیں مگر کسی شخص کی ذات نہیں۔ اب تو لوگوں نے اللہ کو قسمیں دینے میں بہت افراط شروع کر دیا ہے اب تو لوگ اللہ کو ان لوگوں کی قسمیں دے رہے ہیں جن کی ذرہ برابر حیثیت نہیں ہے اور اللہ کے ہاں ان کی عزت اور مقام کھجور کی گٹھلی کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر اب تو لوگ قبروں میں پڑے مردوں سے بھی دعائیں کر رہے ہیں ان سے امراض کی شفاء اور فقر سے نجات، گمشدہ کی بازیابی اور مشکلات کا حل مانگ رہے ہیں ان لوگوں کے دلوں میں شیاطین نے یہ من گھڑت حدیث ڈال دی ہے کہ جب تم پر کوئی مشکل آئے تو اصحاب قبور سے مدد مانگا کرو۔ حالانکہ یہ حدیث باتفاق محدثین جھوٹی اور موضوع ہے۔ کسی بھی قابل اعتماد حدیث کی کتاب میں اس کا وجود نہیں ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے تو قبروں کو سجدہ گاہیں بنانے سے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والوں پر لعنت کی ہے تو آپ ﷺ کے بارے میں یہ خیال کیسے کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے قبروں والوں سے فریاد کرنے ان سے مانگنے کا حکم دیا ہو گا۔ یہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مخلوق کا مخلوق کے آگے فریاد کرنا ایسا ہے جیسے ایک قیدی دوسرے قیدی سے فریاد کر رہا ہو۔

سجاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں محتاج کا محتاج سے کچھ طلب کرنا عقل کی خرابی اور بے توفی پر دلالت کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام علیہ السلام کی دعا ہے کہ اے اللہ تجھ سے ہی فریاد کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ ... سے فرمایا تھا جب تم مدد مانگو تو اللہ سے مانگو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝﴾ (الفاتحۃ:۴)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

"(بندے اللہ کے سامنے یہ اقرار کریں کہ) ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔"

ان تمام باتوں کے باوجود میں اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ اللہ کے ہاں رسول اللہ ﷺ کے مقام و مرتبہ کا توسل لیا جائے اور آپ ﷺ کے مرتبہ و مقام سے مراد لیا جائے اللہ کی کوئی صفت یعنی یہ کہ اللہ آپ ﷺ سے اتنی محبت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی دعا اور شفاعت رد نہیں کرتا۔ اب ایسی دعا کہ اے اللہ میں تجھ سے محمد ﷺ کے مقام و مرتبہ کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں کا معنی ہوگا اے اللہ تو محمد ﷺ سے جو محبت کرتا ہے اس محبت کو میری حاجت پوری کرنے کا وسیلہ بنا دے۔ اس طرح کہنے اور یوں کہنے کہ اے اللہ میں تیری رحمت کا وسیلہ لیکر دعا کرتا ہوں کہ میری فلاں حاجت پوری کر دے اس لیے کہ اس کا معنی بنتا ہے اے اللہ اپنی رحمت کو میرے فلاں کام کے لیے وسیلہ بنا دے۔ بلکہ میں تو اس بات میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ اللہ کو رسول اللہ ﷺ کے مقام کی قسم دی جائے بشر طیکہ اس معنی میں ہوں جو ہم نے ذکر کیا۔ اسی طرح کی بات حرمت میں بھی کہی جا سکتی ہے یعنی بحرمۃ فلاں اور بجاہ فلاں ایک ہی چیز ہے مگر اس کو صرف ذات کے توسل اور قسم میں استعمال نہیں کیا جا سکتا (کسی کی ذات کے وسیلہ یا قسم کو اس مذکورہ پر قیاس کر کے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا) یاد رہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں ہے کہ اس نے کسی کی حرمۃ یا مقام کا توسل لیا ہو اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ انہیں اس بات کا اندیشہ ہوگا کہ اس دور میں لوگوں کے ذھنوں میں ابھی بتوں کا وسیلہ لینے کی عادت تازہ تھی (کہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے) اور اس معاملے میں ائمہ نے بھی صحابہ کی تابعداری کی (اور کسی کی حرمت یا جاہ کا وسیلہ نہیں لیا)۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کو منہدم کر کے ابراہیم علیہ السلام والی بنیادوں پر تعمیر نہیں کیا اس لیے کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں یہ مذکور ہے۔ میں نے جو (جاہ اور حرمت یا قسم کے) جواز کا ذکر کیا ہے تو یہ لوگوں سے حرج کو دور کرنے اور گمراہ قرار دیے جانے سے بچنے کے لیے کیا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا رسول اللہ ﷺ کے مقام و مرتبہ کے توسل لینے میں خیال اور رائے ہے۔ یہ میں نے اس لیے نہیں کہا کہ میں اس کو ان دعاؤں سے بہتر سمجھتا ہوں جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں بلکہ کوئی بھی منصف مزاج شخص اس بات میں شک نہیں کرے گا کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے جو دعائیں سکھائی ہیں اور صحابہ کرام نے جنھیں اپنایا اور ان کے بعد مسلمانوں نے ان صحابہ سے اخذ کیں وہ دعائیں زیادہ افضل، جامع اور نفع رساں ہیں جو کچھ کہا جانا تھا کہا جا چکا چاہے کوئی اسے حق جانے یا جھوٹ۔ یہاں دو باتیں اور رہ گئی ہیں۔

1 نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کے مقام و مرتبہ کے توسل لینے میں حرج نہیں ہے بشر طیکہ جس کے مرتبے کا توسل لیا جا رہا ہے اس بارے میں قطعی معلوم ہو کہ اللہ کے ہاں کا مرتبہ ہے اور یہ صالح اور ولی ہے۔ اگر کسی کے بارے میں ان باتوں کا قطعی علم نہ ہو تو اس کے مقام کا توسل نہیں لینا چاہیے اس لیے کہ اسمیں اللہ پر ضمناً ایسا حکم لگایا جا رہا ہے جس کا اس کے ہاں ثابت ہونا معلوم نہیں ہے۔ اللہ کے بارے میں اس طرح کرنا بڑی جسارت ہے۔

2 لوگوں نے غیر اللہ کو بہت پکارنا شروع کر دیا ہے۔ فوت شدہ اور زندہ اولیاء کو پکارتے ہیں مثلاً اے فلاں پیر میری فریاد سن لے وغیرہ اس میں کسی قسم کا توسل جائز نہیں ہے۔ مومن آدمی کو چاہیے کہ ایسی باتیں کبھی اپنے منہ سے نہ نکالے۔ بلکہ ایسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باتوں کے قریب تک نہ جائے۔ کئی علماء نے اس کو شرک قرار دیا ہے۔ اگر شرک نہ بھی کہا جائے تو شرک کے قریب ضرور ہے۔ میرے خیال میں جو بھی اس طرح کسی غیر اللہ کو پکارتا ہے وہ زندہ غیر موجود یعنی غائب اور مردہ کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ پیر زندہ یا مردہ میرے حالات سے باخبر ہے اور میری پکار سنتا ہے اور یہ نفع پہنچانے اور ضرور دور کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ رکھتا تو کبھی نہ پکارتا اور منہ سے ایسی باتیں کبھی نہ نکالتا۔ لہٰذا ایسی باتوں سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔ اور جو کچھ مانگنا ہو اس رب سے مانگنا چاہیے جو قوت والا ہے غنی ہے اور جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔

طبرانی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک منافق مومنوں کو تکلیف پہنچاتا تھا تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (لوگوں سے) کہا کہ اٹھو رسول اللہ ﷺ سے فریاد کرتے ہیں اس منافق کے بارے میں۔ سب آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ فریاد مجھ سے نہیں اللہ سے کی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس حدیث کو سمجھ جائے تو اسے یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قبروں میں مدفون لوگوں سے فریاد نہیں کرنا چاہیے جن میں کہ کچھ خوش نصیب تو جنتوں میں ہوں گے جو اس جہاں (دنیا) کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے اور کچھ بدبخت عذاب میں مبتلا ہوں گے انہیں جہنم کی آگ کسی کی نداء سننے یا اس کو قبول کہاں کرنے دے گی؟ صاحب عقل کو ایسا کام زیب نہیں دیتا۔

اس بات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ غیر اللہ کو پکارنے والوں کی حاجات بھی کبھی پوری ہو جاتی ہیں۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں یہ دراصل اللہ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان جس (غیر اللہ) کو پکارتا ہے شیطان اس کی صورت میں آجاتا ہے پکارنے والا سمجھتا ہے کہ یہ (پیر یا ولی) کی کرامت ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ یہ شیطان ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرتا ہے اور اس کہ خواہشات اس کے سامنے مزین کرتا ہے جیسا کہ بتوں کے اندر سے شیطان بولا کرتا تھا اور بت پرستوں کو گمراہ کرتا تھا۔ بعض جہلاء اس کو پکارے جانے والے (ولی، پیر) کی روح خیال کرتے ہیں۔ یا یہ سمجھتے ہیں کہ پیر اور ولی کی کرامت سے فرشتہ اس کی صورت میں ہے۔ یہ سب غلط خیالات ہیں اگرچہ صورت بدلنا اور کسی اور طرح سے ظاہر ہونا (فرشتوں کے لیے) ممکن ہے مگر اس طرح نہیں وہ اس طرح نہیں کر سکتے۔

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس قسم کے خیالات سے محفوظ رکھے اور ہم اس سے یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بہترین راستے پر گامزن کر دے۔ یہ ایک بہترین طریقہ ہے جو کہ ذوی العقول میں مقبول ہے اور منقول و معقول کے موافق ہے میرا خیال ہے کہ کسی اور کتاب میں یہ بات اس خوبی سے بیان کی گئی نہیں ملے گی صاحباب عقل کے ہاں یہ مغز اور خلاصہ ہے۔

(والد سے مراد تفسیر روح المعانی کے مصنف ہیں جو جلاء العینین کے مصنف کے والد ہیں) والد رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اشارہ کے ضمن میں لکھا ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ﴾ (الحج: ٧٢)

"جب ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو آپ کافروں کے چہروں میں ناپسندیدگی دیکھیں گے۔"

اس میں اشارہ ہے ان لوگوں کی مذمت کی طرف جو خود کو صوفی ظاہر کرتے ہیں جب وہ ایسی آیات سنتے ہیں جن میں ان کا ردہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تا ہے تو ان کے تیوریاں چڑھ جاتی ہیں ایسے لوگ ہمارے زمانے میں بہت ہیں۔ اسی طرح آیت:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا﴾ (الحج:۷۳)

"جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ کبھی مکھی پیدا نہیں کر سکیں گے۔"

اس میں اشارہ ہے ان لوگوں کہ مذمت کی طرف جو اولیاء اللہ کے بارے میں غلو سے کام لیتے ہیں کہ تکالیف میں ان سے فریاد کرتے ہیں۔ ان کے نام کی نذر مانتے ہیں جبکہ اللہ سے غافل رہتے ہیں اور انہیں اللہ کے ہاں وسیلہ اور ذریعہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم یہ نذر نیاز اللہ کے لیے کر رہے ہیں جبکہ اس کا ثواب ولی کو پہنچا رہے ہیں۔ اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ لوگ اپنے پہلے دعویٰ میں بت پرستوں سے مکمل مشابہت رکھتے ہیں جو کہتے تھے۔

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی﴾ (الزمر:۳)

"ہم ان کو اس لیے پکارتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔"

اور جبکہ دوسرے دعویٰ میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ ان (اولیاء) سے اپنے مریضوں کے لیے شفاء نہ طلب کرتے ہوں یا دیگر حاجات نہ مانگتے ہوں جبکہ ان کی ظاہری حالت بتاتی ہے کہ یہ طلب کرتے ہوں گے اس لیے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ اللہ کے لیے نذر کرو اور اس کا ثواب اپنے والدین کے لیے کرو کہ وہ ان اولیاء کی نسبت ثواب کے زیادہ محتاج ہیں تو یہ کبھی نہیں کریں گے آیت "دعوا اللہ مخلصین له الدین" کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مشرکین (جب سمندر میں ہوتے تھے تو) غیر اللہ کو نہیں پکارتے تھے مگر آج کل کے یہ مشرکین تو خشکی اور سمندر جہاں بھی انہیں کوئی خطرہ یا مشکل در پیش ہو تو ایسی ہستیوں کو پکارتے ہیں جو نہ نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان کچھ لوگ خضر کو کچھ الیاس علیہ السلام کو کچھ عباس رضی اللہ عنہ... کو بعض لوگ ابو الخمیس کو۔ بعض لوگ چاروں اماموں میں سے کسی امام کو بعض کسی شیخ کو (شیخ (یہاں باز سے شیخ عبد القادر جیلانی کے لقب کی طرف اشارہ ہے۔ شیخ عبد القادر کو ماننے والے کہتے ہیں کہ جب کوئی پریشانی لاحق ہو جائے تو رات کو دو رکعت نماز ادا کر و پھر بغداد کی طرف منہ کر کے شیخ عبد القادر سے ان الفاظ میں فریاد کرو۔ کیا کوئی تکلیف مجھے پہنچ سکتی ہے کہ جب آپ میرے حمایتی ہوں؟ اور کیا مجھ پر دنیا میں کوئی ظلم کر سکتا ہے جب میرے مددگار ہوں؟ چراہ گاہ کے محافظ کے لیے یہ بہت ہی عار کی بات ہے کہ لکوہ چراہ گاہ میں موجود ہو اور پھر بھی معذور اونٹ پیاس سے مر جائے؟ (یہ الفاظ کہنے کے بعد) اپنی حاجت شیخ القادر جیلانی سے طلب کرے تو وہ پوری ہو گی۔) عبد القادر جیلانی) بعض دیگر اولیاء و صلحاء کو پکارتے ہیں مگر ایسا کوئی نہیں ہو تا جو خشوع خضوع اور عاجزی کے ساتھ صرف اللہ کو پکارے بلکہ کسی کے دل میں اس کا خیال تک نہیں آتا۔ حالانکہ ان تمام مشکلات سے صرف وہی اللہ نجات دے سکتا ہے۔

اب ان دونوں گروہوں (دورِ جہالت کے بت پرست یا موجودہ دور کے قبر پرست) میں سے کون ہدایت پر ہے؟ کس کی بات صحیح ہے؟ ایسے دور میں کہ جب جہالت ہر سو چھائی ہوئی ہے۔ گمراہی کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور شریعت کی کشتی ڈوب چکی ہے یا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈوب رہی ہے۔ لوگوں نے غیر اللہ سے فریاد کو نجات کا ذریعہ بنالیا ہے علماء امر بالمعروف سے عاجز آگئے ہیں اور نہی عن المنکر کی راہ میں بڑی بڑی رکاوٹیں پیدا ہوگئی ہیں۔

ایسے موقع پر وہی فتویٰ دیا جاسکتا ہے جو مصر کے مفتی کے اشعار میں مذکور ہے کہ کسی مصیبت میں نہ باز کو پکارہ نہ شیر کو۔ اللہ تیرا رب ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔

اس کلام سے توحید مترشح ہے اور یہ بات اپنانے کے زیادہ لائق ہے۔ (جلاء العینین کی عبارت مکمل ہوگئی)۔

ائمہ کے کلام میں سے یہ سب کچھ میں نے یہاں ذکر کرنا مناسب سمجھا۔ اب اس بارے میں وہ کچھ ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اللہ نے میرے دل میں ڈالا ہے اگرچہ وہ بھی سلف کے اہل علم وخرد کے اقوال سے ماخوذ ہے۔

میں یہاں وہ کچھ بیان کروں گا جو اللہ نے مجھ پر آشکار کیا ہے کہ ان اقوال میں سے کس کو رد کرنا ہے کس کو قبول کرنا ہے۔ میرا مقصد اس بیان سے صرف حق اور صحیح بات کا اظہار ہے اور کچھ نہیں اور تعصب کی بنا پر کسی کا رد بھی نہیں۔ اس لیے کہ اس طرح کرنا بری عادت ہے۔ اب میں اللہ کی مدد اور اس کی مہربانی سے اپنی گذارشات پیش کرتا ہوں۔

وسیلے کے مسئلے میں مؤلف کی تحقیق

سب سے پہلے لفظ توسل کا لغوی اور شرعی معنی واضع کرنا چاہیے اور پھر دونوں میں سے ہر ایک کا حکم بیان کرنا چاہیے

علامہ احمد بن محمد بن علی المقری الفیومی۔ مصباح المنیر میں لکھتے ہیں۔ سل لفظ باب وَعَدَ (ضرب یضرب) سے ہے۔ جب عربی میں کہا جائے کہ:

"وسلت الی اللہ"

"بالعمل اسل"

"میں نے عمل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا اور حاصل کر رہا ہوں"

تو اس کا معنی ہوتا ہے رغبت اور تقرب اسی سے لفظ وسیلہ ہے یعنی جس کے ذریعے کسی چیز کا قرب حاصل کیا جائے۔ اس کی جمع وسائل ہے۔ وَسِیل 'کو کسی نے اس کا جمع کہا ہے اور کسی نے کہا ہے کہ یہ بھی وسیلہ میں ایک لغت ہے (یعنی وسیلہ اور وسیل دونوں مستعمل ہیں)۔ جب عربی میں کہا جاتا ہے کہ:

"توسل الی ربہ بوسیلہ"

تو اس کا معنی ہوتا ہے عمل کے ذریعے اس کا قرب حاصل کیا۔ النھایہ میں ہے۔ اذان کی حدیث میں الفاظ ہیں (آتِ محمدن الوسیلۃ) محمد ﷺ کو وسیلہ عطا فرما۔

یہاں وسیلہ سے مراد ہے جس کے ذریعے کسی چیز کا قرب حاصل کیا جائے اور کسی چیز کو ذریعہ بنایا جائے اس کی جمع وسائل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے:

"وسل الیہ وسیلتہ وتوسل"

"اس کی طرف قربت کا ذریعہ اپنایا"

حدیث مذکور میں وسیلہ سے مراد اللہ کا قرب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے قیامت میں شفاعت مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ جنت میں ایک مقام کا نام ہے۔ حدیث میں بھی یہی آیا ہے (کہ مقام ہے)۔ مجمع البحار میں ہے۔ اس (مقام) تک پہنچنے والا اللہ کے قریب ہوگا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا۔

"سلوا اللہ الوسلۃ"

"اللہ سے وسیلہ طلب کرو"

آپ ﷺ نے اپنی امت سے اپنے لیے دعا کی دخواست کی ہے تو یہ دراصل آپ ﷺ اللہ کے سامنے اپنی فقر اور محتاجی اور کسر نفسی کے اظہار کے لیے فرمایا ہے تاکہ امت کو اس طرح کہنے سے فائدہ ہو اور ثواب ملے۔۔ یا یہ سمجھانے کے لیے کہ ہر شخص اپنے ساتھی سے اپنے لیے دعا کی دخواست کیا کرے۔

جوہری کہتے ہیں۔ وسیلہ اس کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی دوسرے کا قرب حاصل کیا جائے۔ اس کی جمع الوسیل اور الوسائل ہے۔ توسیل اور توسل کا ایک ہی معنی ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے۔

"وسل فلان الی ربہ وسیلتہ وتوسل الیہ بوسلۃ"

"یعنی اس نے عمل سے اللہ کا قرب حاصل کر لیا"

واسل کا معنی ہے اللہ کی طرف رغبت کرنے والا۔ لبید شاعر نے کہا ہے۔

"بلی کل ذی دین الی اللہ واسل"

ترجمہ: "کیوں نہیں ہر دین والا اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے"۔

قاموس میں ہے۔ وسیلہ اور واسلہ بادشاہ کے ہاں مقام اور قرب کو کہتے ہیں۔ وسل الی اللہ توسلاً کا معنی ہے ایسا عمل کیا کہ جس کے ذریعے قرب حاصل کر لیا واسل کا معنی ہے اللہ کی طرف رغبت کرنے والا۔

ان تفصیلات سے توسل (وسیلہ) کا لغوی معنی معلوم ہو گیا۔

شرعی معنی

اس معنی کی وضاحت کا دار و مدار کتاب و سنت میں اس لفظ کے استعمال کے مواقع کی تفصیل پر ہے۔ (کہ یہ لفظ قرآن و سنت میں کہاں کس سیاق میں مستعمل ہے)

مثلاً سورہ مائدہ میں یہ لفظ اس آیت میں مذکور ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝﴾ (المائدہ:۳۵)

"ایمان والو اللہ سے ڈر جاؤ اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ"

علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اللہ اپنے مومن بندوں کو تقویٰ کا حکم دیتا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے اطاعت کرنا اور محرمات سے رک جانا اور منہیات کو ترک کرنا۔ اس کے بعد فرمایا۔

"وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ"

سفیان ثوری طلحہ سے وہ عطاء سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ... سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا اس کا معنی قرب ہے۔ مجاہد، ابو وائل، حسن اور ابن زید وغیرہ نے بھی یہی معنی کیا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں اس کا معنی ہے کہ اللہ کا قرب حاصل کرو اس کی اطاعت اور اس کی پسند کے اعمال کر کے۔ ابن زید نے پڑھا۔

"اولئك الذين يدعون الى ربهم الوسيلة"

یہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔

یہ جو کچھ ائمہ کرام نے کہا ہے مفسرین کے درمیان اسمیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس پر ابن جریر نے شاعر کا شعر پیش کیا ہے۔

اذا غفل الواشون عدنا لوصلها،

وعاد التصافی بیننا والوسائل

"جب جھوٹے اور چغل خور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں ہم سے غافل ہو جاتے ہیں تو ہم دوبارہ (باہمی تعلق) کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور ہمارے درمیان اچھے تعلقات اور قربتیں پھر لوٹ آتی ہیں۔"

وسیلہ اس کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان اپنے مقصد تک پہنچتا ہے۔ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ مقام کو بھی کہا جاتا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا مقام اور جنت میں آپ ﷺ کا گھر ہے یہ جنت میں عرش کا قریب ترین مقام ہے۔ دیگر تفاسیر میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا۝ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا۝﴾ (بنی اسرائیل:۵۶-۵۷)

"ان سے کہہ دیں کہ یہ پکاریں ان کو جن کے بارے میں اللہ کے علاوہ ان کا خیال ہے۔ وہ ان کے لیے تکلیف دور کرنے اور تبدیل کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا اختیار نہیں رکھتے یہ لوگ جو پکارتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کون ان میں سے زیادہ قریب ہے اور یہ لوگ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں تیرے رب کا عذاب ہے ہی ایسا کہ اس سے ڈرا جائے۔"

ابن کثیر کہتے ہیں وسیلہ کا معنی قرب ہے جیسا کہ قتادہ نے کہا ہے اس لیے کہا کہ "ایھم اقرب"

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اذان سن کر کہا:

"اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمۃ آت محمدا ان الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودن الذی وعدتہ"

"اے اللہ تو محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں اس مقام محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔"

اس کے لیے میری شفاعت جائز ہو گئی۔ (بخاری)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں رب ھذہ الدعوۃ ہے اور بیہقی نے محمد بن عون عن علی بن عیاش اس طرح لفظ بھی ذکر کیا ہے۔

"اللھم انی اسئلك بحق ھذہ الدعوۃ التامۃ"

"اے اللہ میں تجھ سے اس دعوت تامہ کے حق کے ساتھ سوال کرتا ہوں۔"

(ابن حجر کہتے ہیں) وسیلہ اس کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی بڑے کا قرب حاصل کیا جائے۔ جیسا کہ عربی میں کہتے ہیں توسلت یعنی تقربت۔ اس کا اطلاق بلند مقام پر بھی ہوتا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں مسلم کے الفاظ میں اس طرح آیا ہے۔

"فانھا منزلۃ فی الجنۃ لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ۔۔۔۔۔۔"

وہ ایک مقام ہے جنت میں جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لیے ہے۔ اسی طرح بزار میں ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے۔ دونوں حدیثوں کا مطلب ہو سکتا ہے کہ اس مقام تک پہنچنے والا اللہ کے قریب ہو گا تو وہ (مقام) اس قرب کی طرح ہے جس کو ذریعہ بنایا جاتا ہے۔

مؤلف کہتے ہیں محمد بن عون الخراسانی جو عکرمہ سے روایت کرتا ہے۔ اس کے بارے میں نسائی کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے۔ بخاری کہتے ہیں اس کی حدیث منکر ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ ابن معین سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا لیس بشیئ۔ میزان میں بھی اس طرح ہے لہٰذا اس کی روایت صحیح نہیں ہے شرعی مسائل میں اس کی روایت سے دلیل نہیں لیجا سکتی۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرما رہے تھے جب تم مؤذن کی اذان سنو تو وہی کہو جو مؤذن کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا۔ پھر اللہ سے میرے لیے وسیلہ مانگو وہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کے لیے ہے۔ اور مجھے امید ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ بندہ میں ہی ہو نگا رسول اللہ ﷺ نے خود اس کی تفسیر کر دی کہ وسیلہ مقام کا نام ہے۔

اہل لغت کہتے ہیں کہ وسیلہ بادشاہ کے ہاں کسی کا مقام و مرتبہ کو کہا جاتا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قحط سالی ہوتی تو وہ عباس رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے بارش طلب کرتے اور کہتے۔ اے اللہ ہم تیرے پاس تیرے رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ لیکر آیا کرتے تھے۔ تو تو ہم پر بارش برساتا تھا اب ہم تیرے پاس نبی ﷺ کے چچا کا وسیلہ لائے ہیں ہمیں بارش دے۔ تو بارش ہو جاتی تھی۔ (بخاری)

ہم پہلے زبیر بن بکار کے واسطے سے فتح الباری کے حوالے سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ عباس رضی اللہ عنہ... کی دعا کس طرح کی ہوتی تھی وہاں یہ وضاحت ہو گئی تھی کہ دراصل وسیلہ عباس رضی اللہ عنہ... کی دعا کو بنایا گیا تھا ان کی ذات کو نہیں فتح الباری میں ہے۔ زبیر بن بکار نے۔ داؤد کے واسطے سے عطاء عن زید بن اسلم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے قحط والے سال عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب کے ذریعے بارش کی دعا کی۔ اسمیں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ عباس رضی اللہ عنہ کو وہی مقام دیتے تھے جو والد کو دیا جاتا ہے لوگو تم رسول اللہ ﷺ کی اقتداء آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی صورت میں کرو اور ان کو اللہ کی طرف وسیلہ بناؤ۔ اس حدیث میں ہے کہ کچھ ہی دیر بعد اللہ نے بارش برسا دی۔ ان تمام تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ لغت میں توسل کا معنی قرب حاصل کرنا ہے۔ وسیلہ اس کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی چیز کا قرب حاصل کیا جائے۔ شریعت نے بھی وسیلہ کو وہی حیثیت دی ہے یا شرع میں وسیلہ کی وہی حقیقت ہے جو لغت میں ہے۔

اور دونوں مذکورہ آیتوں میں وسیلہ قرب کے معنی میں ہے اس پر مفسرین کا اتفاق ہے۔ اور حدیثوں میں ہے کہ وسیلہ جنت میں اعلیٰ مقام کا نام ہے۔ اس آخری معنی کے شرعی حقیقی معنی ہونے میں کوئی شک نہیں جبکہ پہلا معنی بمعنی قرب کو شرعی حقیقی معنی قرار دینے میں تامل ہو سکتا ہے۔ اب ہم اس وسیلہ کی اقسام بیان کرتے ہیں۔ اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرنے کی کئی اقسام ہیں۔

وسیلہ کی اقسام

ا۔ اللہ کے اسماء و صفات کا وسیلہ۔ یہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور اللہ کے اسماء حسنیٰ ہیں ان کے ذریعے اللہ کو پکارو۔ عبد اللہ بن بریدہ اپنے باپ کے توسط سے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو کہتے سنا۔

"اللھم انی اسئلک بانک انت اللہ لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد۔"

آپ ﷺ نے فرمایا اس نے اللہ کے اسم اعظم کے وسیلے سے سوال کیا ہے اور اس کے وسیلے سے جو بھی سوال کرتا ہے اللہ اس کو دیتا ہے۔ اس کے وسیلے سے دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، بحوالہ مشکاۃ)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر ابو عیاش زید بن صامت الزرقی پر ہوا جو کہ نماز پڑھ رہا تھا اور نماز میں کہہ رہا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اللھم انی اسئلك بان لك الحمد لا الہ الا انت یا منان یا بدیع السموات والارض یا ذا الجلال والا کرام۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اللہ کے اسم اعظم کے ذریعے سے دعا کی ہے اور اس کے ذریعے سے جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے جب اس کے ذریعے سوال کیا جائے تو مل جاتا ہے۔(احمد، ابن ماجہ) اور ابو داؤد، ابن حبان، نسائی، حاکم میں یہ الفاظ بھی ہیں یا حی یا قیوم۔ حاکم کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے مسلم کی شرط پر ہے۔ ترغیب وترھیب میں بھی اسی طرح ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا۔

"اللھم انی اسئلك باسمك الطاھر الطیب المبارك الاحب الیك الذی اذا دعیت بہ اجبت واذا سئلت بہ اعطیت واذا استرحمت بہ رحمت واذا استفرجت بہ فرجت۔"

"اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے اس پاک اور پاکیزہ مبارک نام کے ذریعے سے جو تجھے بہت پسند ہے اس کے ذریعے سے جب تجھے پکارا جائے تو تو قبول کرتا ہے جب تجھ سے رحم کی التجا کی جائے تو تو رحم کرتا ہے۔ جب تجھ سے مشکل دور کرنے کی دعا کی جائے تو تو مشکل دور کرتا ہے۔"

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک دن مجھ سے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم جانتی ہو کہ اللہ نے مجھے اپنا ایسا نام بتا دیا ہے کہ اگر اس کے ذریعے سے دعا کے جائے تو قبول ہوتی ہے؟ میں نے کہا آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان مجھے بھی سکھلا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمھارے لیے مناسب نہیں ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک طرف کو ہو کے بیٹھ گئی (روٹھ کر) پھر تھوڑی دیر بعد اٹھی اور آپ ﷺ کے سر مبارک کے بوسہ دیا اور پھر کہا کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ مجھے وہ نام لکھوا دیں آپ ﷺ نے فرمایا تمھارے لیے مناسب نہیں ہے کہ میں تمھیں بتلا دوں۔ یہ تمھارے لیے مناسب نہیں کہ تم اس کے ذریعے سے دنیا کی کوئی چیز مانگو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں کھڑی ہو گئی میں نے وضو کیا پھر میں نے دو رکعت نماز پڑھی پھر میں نے دعا کی۔

"اللھم انی ادعوك اللہ وادعوك الرحمٰن۔ وادعوك البر الرحیم وادعوك باسمائك الحسنی کلھا ما علمت منھا وما لم اعلم ان تغفرلی وترحمنی"

"اے اللہ میں تجھ کو اللہ کہکر پکارتی ہوں اور تیرے ان تمام اسمائے حسنیٰ کے ذریعے سے پکارتی ہوں جنھیں میں جانتی ہوں اور جن کو نہیں جانتی کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر دے۔"

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسکرائے پھر فرمایا وہ اسم ان میں موجود ہے جن کو تو نے اپنی دعا میں ذکر کیا ہے۔ (ابن ماجہ)

وسیلہ کی دوسری قسم:

2 دوسری قسم کا وسیلہ ہے اعمال صالحہ کے ذریعہ وسیلہ لینا یہ بھی کتاب وسنت صحیح سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ سے دلیل تو وہ دو آیتیں ہیں جو پہلے ذکر ہو چکی ہیں جن میں وسیلہ کا ذکر ہے۔ مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیتوں میں وسیلہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مراد قرب ہے۔ اور:

﴿اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾

میں اس کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اس آیت میں عبادت کو استعانت پر مقدم کیا گیا ہے کہ عبادت استعانت کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کو مقدم کرنا مقاصد کے حصول کا سبب بنتا ہے اور قبول ہونے کی زیادہ امید ہوتی ہے۔ بیضاوی وغیرہ میں بھی یہی لکھا ہے۔ اس پر اللہ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے۔

﴿وَاسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ (البقرہ:۴۵)

کی اپنی ضروریات اور جو بھی دنیا و آخرت کی اچھائیوں کی تم امید رکھتے ہو اللہ سے ان کے لیے مدد مانگو صبر اور نماز کے ذریعے تاکہ مقاصد کے حصول اور مشکلات کے خاتمے کی دعائیں قبول ہو جائیں۔ احمد، ابو داؤد اور ابن جریر میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی پریشان کن امر درپیش ہوتا تو آپ ﷺ نماز کی طرف لپکتے۔

سنت سے دلائل

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین آدمی راستے میں جا رہے تھے کہ بارش آگئی تینوں نے پہاڑ میں موجود ایک غار میں پناہ لی۔ پہاڑ سے ایک چٹان لڑھک کر آئی اور اس نے غار کا دہانہ بند کر دیا۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے ایسے اعمال کو ذھن میں لاؤ یا غور کرو کہ جو تم نے خالص اللہ کے لیے کیے ہوں ان کے ذریعے سے دعا کرو شاید اللہ اس غار کا دہانہ کھول دے۔ (متفق علیہ)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان اپنے رب کے سامنے اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کر سکتا ہے۔ کہ ان تینوں نے ایسا کیا اور ان کی دعا قبول ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ اور ان کی فضائل میں سے شمار کیا ہے۔ البتہ اس حدیث سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ انسان صرف اپنے اعمال کا اپنے لیے وسیلہ دے سکتا ہے کسی نبی، یا صالح آدمی کا نہیں جیسا کہ امام شوکانی کا خیال ہے (ان کی رائے غلط ہے)

وسیلہ کی تیسری قسم:

③ تیسری صورت وسیلہ کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ لیا جائے یعنی آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کا وسیلہ، آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان کا وسیلہ اوامر اور نواہی میں آپ ﷺ کی اطاعت کا وسیلہ، آپ ﷺ کی زندگی اور بعد از وفات آپ ﷺ کی نصرت کا وسیلہ، آپ ﷺ کی دعوت کو پھیلانے آپ ﷺ کی شریعت کی تبلیغ کا وسیلہ اس شریعت کے علوم کی ترویج اور اس کے دفاع کا وسیلہ اس کے معانی کو سمجھنے، اس کی طرف دعوت دینے، اس کو سیکھنے اور سکھانے، اس کی تعظیم و تکریم کرنے، اس کا ادب کرنی اس میں بغیر علم کے کلام نہ کرنے کا وسیلہ حاملین شریعت کی عزت اس شریعت کی وجہ سے کرنے آپ ﷺ کے اخلاق و آداب کو اپنانے، آپ ﷺ سے محبت کرنے۔ آپ ﷺ کے اہل بیت اور صحابہ کرام اور آپ ﷺ کے متبعین سے محبت کا وسیلہ۔ آپ ﷺ کی سنتوں اور اہل بیت اور صحابہ کرام کو برے الفاظ سے یاد کرنے یا بدعت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے والوں سے دوری اختیار کرنے، آپ ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کرنے، اس شریعت کے لیے تکالیف اور مشکلات برداشت کرنے کا وسیلہ۔ اس طرح صالحین کی محبت، توقیر اور اکرام کا وسیلہ یا اس طرح کی اور باتوں کا وسیلہ، اس قسم کا وسیلہ تو عین اسلام ہے کوئی بھی مسلمان اس کا انکار نہیں کرتا مگر یہ وسیلہ درحقیقت اعمال صالحہ کا وسیلہ ہے اگر کوئی شخص اس کا نام انبیاء وصلحاء کا وسیلہ رکھے تو اس طرح کہنے سے اس کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے کہ نام کا اعتبار نہیں ہوتا کام یا چیز کا اعتبار ہوتا ہے۔

وسیلہ کی چوتھی قسم:

4 آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی دعا کا وسیلہ لینا، اس طرح نیک اور صالح لوگوں کی دعاؤں کا وسیلہ لینا جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اے اللہ ہم تیرے رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ لیتے تھے تو بارش ہوتی تھی اب ہم آپ ﷺ کے چچا کا وسیلہ لے رہے ہیں ہم پر بارش برسا۔ اسی طرح اس دیہاتی کا قول کہ جب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگوں کو بہت مشکل پیش آئی (بارش نہ ہونے کی وجہ سے) تو اس نے کہا کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ مال برباد ہو گیا اور خاندان بھوکے ہیں آپ اللہ سے دعا کریں۔ اسی طرح صحابہ کرام سے جب کوئی ایسا عمل سرزد ہوتا جس میں توبہ کی ضرورت ہوتی تو وہ آپ ﷺ کے پاس آتے اور کہتے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ مجھ سے فلاں عمل سرزد ہوا ہے میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیے۔ اس کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ ہے کہ۔

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴾ (النساء:٦٤)

"اگر یہ جب اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تو آپ ﷺ کے پاس آکر اللہ سے استغفار کرتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو اللہ کو پاتے توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا۔"

اس قسم کے وسیلہ میں بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے اسی پر اس اندھے آدمی کی بات کو محمول کیا جائے گا جس نے دعا میں کہا تھا کہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی رحمت کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو اسمیں مراد ہوگا تیرے نبی کی دعا کے وسیلہ سے اور اس پر یہ لفظ بھی دلالت کرتا ہے کہ اس آدمی نے آپ ﷺ سے کہا تھا کہ میرے لیے اللہ سے دعا کیجیے اور اے اللہ آپ ﷺ کی شفاعت میرے بارے میں قبول کرلے۔

وسیلہ کی پانچویں قسم:

5 اللہ کو پکارنا اور اس پکار میں اپنے ساتھ اللہ کے نیک بندوں کو ملانا جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں دعا ہے۔

"اللهم رب جبرائيل وميكائيل واسرافيل" (مسلم)

"اے اللہ جبریل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے رب۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا اگر کوئی شخص اپنی دعا میں کہے کہ اے ابراھیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، داوٗد علیہم السلام، اور محمد ﷺ کے رب یا کہے کہ اے ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ کے رب یا کہے اے اللہ فاطمہ، حسن، حسین کے رب، یا کہے اے اللہ ابو حنیفہ، شافعی، مالک، احمد کے رب یا کہے اے اللہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ رحمہم اللہ کے رب یا کہے اے اللہ معروف کرخی ابو یزید بسطامی، شیخ عبد القادر جیلانی، جنید کے رب تو میرے خیال میں اس طرح کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وسیلہ کی چھٹی قسم:

6 رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا وسیلہ، جیسا کہ عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو اللہ کے ہاں قسم کی کوئی حاجت پیش آئے یا کسی انسان سے کوئی حاجت ہو تو اچھی طرح وضو کرے۔ دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر اللہ کی ثنا بیان کرے رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے پھر کہے۔

"لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم۔۔۔۔" (ترمذی۔ابن ماجہ)

اس کی سند میں فائد بن عبد الرحمٰن بن ابی الورقاء ہے اگرچہ یہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے مگر حاکم نے اسے مستقیم الحدیث کہا ہے اس حدیث کا شاہد انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے لہٰذا یہ قابل حجت بن گئی ہے۔

(فائد بن ابی الورقاء کے بارے میں حافظ ابن حجر نے التقریب میں کہا ہے کہ متروک ہے محدثین نے اس کو مہتم کہا ہے۔ مصنف کی بات پر تعجب ہوتا ہے کہ جب جمہور نے اس کو ضعیف کہا ہے تو حاکم کی گواہی پر اس کو قابل اعتماد جان لیا۔ حاکم اس کے بارے میں یا اس سے بہتر کی جتنی بھی توثیق کرے وہ قابل اعتماد نہیں ہوا۔: محمد رشید)

ابی بن کعب کی روایت نماز کی فضیلت میں ہے کہ تب تمھارا مقصد پورا ہو جائے گا اور گناہ معاف ہو جائے گا۔(ترمذی)

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ یک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی پھر کہا۔

"اللھم اغفرلی وارحمنی"

آپ ﷺ نے فرمایا تم نے بہت جلدی کی۔ جب نماز پڑھ چکو تو بیٹھ کر اللہ کی حمد بیان کرو جس کا وہ لائق ہے مجھ پر درود بھیجو اور پھر دعا کرو اس کے بعد ایک اور آدمی نے نماز پڑھی اس نے اللہ کی حمد بیان کی رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا کی دعا کرو قبول ہو گی۔ (ترمذی رحمہ اللہ، ابو داود، نسائی)

عبد الرحمٰن بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ تھے (تینوں تشریف فرما تھے) جب میں بیٹھا (تشہد میں) تو میں نے اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان کی پھر نبی ﷺ پر درود بھیجا پھر اپنے لیے دعا کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مانگو دیئے جاؤ گے (ترمذی)۔

عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب فرماتے ہیں دعا آسمان و زمین کے درمیان ٹھہری ہوتی ہے اور پر کچھ نہیں جاتا جب تک نبی ﷺ پر درود نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھیجو۔(ترمذی)

علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر دعا رکی ہوتی ہے جب تک رسول اللہ ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے۔

(طبرانی فی الاوسط موقوفاً ورواتہ ثقات)

وسیلہ کی ساتویں قسم:

7 اس طرح کہنا اے اللہ میں تجھ سے فلاں کے حق اور مقام کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں وغیرہ۔

اس وسیلے کے بارے میں عزبن عبد السلام اور اس کے متبعین کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے ایسا کہنا جائز نہیں ہے حنابلہ کے ہاں صحیح قول یہ ہے کہ اس طرح کہنا مکروہ تحریمی ہے۔

قدوری نے احناف میں سے ابو یوسف رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔اللہ کو صرف اسی کے واسطے سے پکارنا چاہیے۔العلائی نے شرح تنویر میں تاتار خانیہ عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو صرف اسی کے واسطے سے پکارنا چاہیے۔ان کی تمام متون میں ہے کہ کوئی دعا کرنے والا اگر بحق الانبیاء یا بحق الاولیاء یا بحق البیت (بیت اللہ) یا بحق المشعر الحرام کا وسیلہ لے تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اس طرح حرام ہے جس طرح کسی کو آگ کی سزاء دینا حرام ہے۔ان سب نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے مخلوق کا اللہ پر کوئی حق نہیں ہے۔میں کہتا ہوں۔متفق علیہ روایت میں معاذ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہتے ہیں میں گدھے پر نبی ﷺ کے پیچھے بیٹھا تھا میرے اور آپ ﷺ کے درمیان صرف پالان کا پچھلا حصہ تھا۔آپ ﷺ نے کہا معاذ تم جانتے ہو اللہ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول اللہ ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ شرک نہ کرے اللہ اس کو عذاب نہ کرے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندوں کا بھی اللہ پر حق ہے۔لہٰذا (احناف کی ذکر کردہ) وجہ غلط ہے۔

اس حدیث کی تاویل یوں کی جاسکتی ہے کہ اگر بندوں کا حق اللہ پر ثابت ہو گیا ہے تو یہ اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ اس حق کے وسیلے سے اللہ سے دعا کی جائے۔اس مقام پر صاف بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ اگر بحق فلاں کہنا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے تو صحیح ہے ورنہ بدعت ہے۔اور یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اس بارے میں جتنی احادیث آئی ہیں سب میں کلام ہے۔لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس طرح کے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں۔جب اللہ نے دعا میں وسعت رکھی ہے (بہت سے الفاظ بتلائے ہیں) اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں متعدد قسم کے وسیلے سکھا دیے ہیں جنکا ذکر پہلے ہو چکا تو پھر شبہات میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان کے درمیان مشتبہات ہیں جو ان سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی۔اور جو ان مشتبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا جیسا کہ کوئی چرواہا چراہ گاہ کے گرد بکریاں چرائے گا تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بکریاں چراہ گاہ میں داخل ہو جائیں گی۔ (متفق علیہ)

امام شوکانی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اہل فضل واہل علم کا وسیلہ لینا دراصل ان کے اعمال صالحہ اور ان کی فضیلت کا وسیلہ لینا ہے اس لیے کہ آدمی اعمال کی وجہ سے ہی صاحب فضیلت بنتا ہے۔

سوال: جب کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اے اللہ میں تیری طرف فلاں عالم کا وسیلہ لیتا ہوں تو یہ اس کے علم کے اعتبار سے ہوتا ہے اور صحیحین میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین آدمیوں کا واقعہ بیان کیا ہے جن پر چٹان نے غار کا دہانہ بند کر دیا تھا اور ہر ایک نے اپنے عمل کا وسیلہ دیا تھا اور چٹان ہٹ گئی تھی۔

جواب 1: یہ بات کئی لحاظ سے قابل غور ہے۔

ان کا یہ دعویٰ کہ کوئی صاحب فضیلت صرف اپنے اعمال کی وجہ سے صاحب فضیلت بنتا ہے یہ صرف دعویٰ ہے جس کی دلیل نہیں ہے لہٰذا قابل قبول نہیں (مؤلف کی اس بات میں بھی قابل غور یا قابل اعتراض بات ہے وہ یہ کہ صاحب فضیلت اپنے اعمال کی وجہ سے صاحب فضیلت ہوتا ہے یہ دعویٰ بدیہی ہے یہ دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ فضیلت کیا ہے؟ یہی کہ کسی اور کی نسبت نفس اور اعضاء سے زیادہ عمل کیا جائے اس امت کو خیر امت اللہ نے اس عمل کی بنیاد پر ہی کہا ہے جو عمل خیر ہے یعنی۔

"تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله"

مؤلف اگر شوکانی کی بات پر یہ اعتراض نہ کرتے تو بہتر تھا (محمد رشید رضا)

کیا آپ دیکھتے نہیں کہ نبی ﷺ کی امت بہترین امت ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا۔

"كنتم خير امة اخرجت للناس"

حالانکہ دیگر امتوں میں سے ایسی امتیں بھی ہیں ہے جن کے اعمال امت محمدیہ سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا کوئی صاحب فضیلت اللہ کے فضل سے بنتا ہے صرف عمل سے نہیں۔

جواب 2:

ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ اگر کسی صاحب فضل کی فضیلت اس کے اعمال کی وجہ سے ہے تو اس شخص کا وسیلہ لینا اس کے اعمال کا وسیلہ لینا شمار ہو گا یہ وسیلہ اس کی ذات کا وسیلہ کیوں شمار نہیں کیا جائے گا؟ بلکہ یہ زیادہ واضح ہے کسی چیز کا وسیلہ حقیقت میں اس چیز کی ذات کا وسیلہ ہوتا ہے۔ یہ جو اشخاص کا وسیلہ لیتے ہیں ان کی حالت سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ان اشخاص کی ذات کا وسیلہ لے رہے ہیں اور اس لیے لیتے ہیں کہ وہ اشخاص اپنے اعمال اور صفات کی وجہ سے ممتاز ہوتی ہیں یہ لوگ ان کے بارے میں اس امتیاز کی وجہ سے) یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے وسیلہ سے حصول مطلوب میں اثر ہوتا ہے۔ چاہے مطلوب ان کے وسیلہ کی وجہ سے اللہ پورا کرتا ہو یا یہ اپنی کرامات سے پورا کریں دونوں صورتوں میں ان کا یہ عقیدہ باطل ہے (رشید رضا)۔

اعمال حقیقت سے زائد کی چیز ہے اور حقیقت سے مجاز کی طرف جانا صرف کسی مانع کی وجہ سے ہوتا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جواب3:
غار اور چٹان والی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدمی اپنے اعمال کا وسیلہ لے کسی اور کے اعمال کا نہیں لہٰذا یہ دلیل نہیں بن سکتی۔ بلکہ کسی اور کے اعمال کا وسیلہ لینا عقل بھی تسلیم نہیں کرتی اور کتاب وسنت سے بھی اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں وسیلہ کا ثبوت ہے جو باب الاذان میں حدیث محمد بن عون سے مروی ہے جس میں الفاظ ہیں۔

"اللھم انی اسئلک بحق ھذہ الدعوۃ التامۃ"

یہ دعا مؤذن کے علاوہ دوسرا شخص کرتا ہے اور وہ کسی اور (مؤذن) کے عمل کا وسیلہ لیتا ہے؟ (اذان مؤذن کا عمل ہے دعا پڑھنے والا اس اذان کا وسیلہ لے رہا ہے؟)

جواب: اس کا جواب دو طرح سے ہو سکتا ہے۔

1 محمد بن عون کے بارے میں پہلے بات ہو چکی ہے دین کے مسائل میں اس کی روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

2 اس دعا میں جس دعوۃ تامہ کی بات ہے وہ اذان ہے کسی خاص موذن کی اذان نہیں ہے۔ جیسا کہ نماز سے مراد نماز ہے کسی خاص نمازی کی نماز نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ اعمال صالحہ کا وسیلہ لیا جا سکتا ہے ان اعمال کو کسی متعین شخص کے ساتھ ملائے بغیر۔

3 اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اگر کوئی شخص یوں کہے "اللھم انی اتوسل الیک بابی بکر" وغیرہ تو یہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اعمال کا وسیلہ ہے ان کی ذات کا نہیں ہے تو یہ لفظ تو اس بات کا بھی یقینی احتمال رکھتا ہے کہ یہ ذات کا وسیلہ ہو؟ جبکہ اللہ نے ہمیں ایسے مبہم الفاظ استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقُولُوا۟ رَٰعِنَا وَقُولُوا۟ ٱنظُرْنَا وَٱسْمَعُوا۟ ۗ وَلِلْكَٰفِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾

(البقرہ:۱۰۴)

"ایمان والو راعنا مت کہو انظرنا کہو اور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

علامہ ابو الطیب صدیق بن حسن القنوجی رحمہ اللہ اپنی تفسیر فتح البیان میں لکھتے ہیں۔ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے الفاظ کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے جن میں گالی یا تنقیص کا احتمال ہو اگرچہ بولنے والے نے وہ معنی مراد نہ بھی لیا ہو مگر سد ذریعہ قطع مفسدہ کے لیے اجتناب کرنا چاہیے۔

اسی طرح والد صاحب نے جلاء العینین میں جو اس طرح کہنا جائز قرار دیا ہے۔

"اللھم انی اسئلک بحق النبی وجاھہ"

کہ اس سے مراد اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور اس سے مراد محبت تامہ ہے جو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے اسے رد نہ کیا جائے تو والد صاحب کا یہ قول بھی محل نظر ہے۔ اس لیے کہ بحق اور بجاہ کے الفاظ کو اللہ کی صفت بنانا خرابی سے خالی نہیں ہے۔ اگر اس کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ لفظ اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ توسل بالذات مراد ہے اور الفاظ محتمل الفاظ کے استعمال کی ممانعت سورہ بقرہ کی آیت سے ثابت ہو چکی ہے۔

اسی طرح یہ بات جو کہی گئی ہے کہ جب اعمال صالحہ کا توسل جائز ہے تو آپ ﷺ کا وسیلہ لینا بدرجہ اولیٰ جائز ہے کہ آپ ﷺ میں نبوت بھی ہے اور فضائل بھی۔ یہ قول بھی غلط ہے اس لیے کہ دونوں (عمل صالحہ اور ذات) میں فرق واضح ہے کہ اعمال صالحہ کا وسیلہ لینا کتاب و سنت صحیحہ سے ثابت ہے جبکہ صاحبان فضل کی ذات کا وسیلہ ثابت نہیں ہے اس (ذات کے وسیلے کے جواز) پر جو سب سے بڑی دلیل پیش کی جاتی ہے وہ عثمان بن حنیف کی حدیث ہے اور وہ حدیث ثابت نہیں ہے اس لیے کہ اس کی سند میں ابو جعفر رازی ہے جو سیئی الحفظ کثیر الوھم ہے۔ اس کی انفرادی روایت سے دلیل نہیں لی جاتی۔ اور اگر بالفرض اس کو ثابت مان بھی لیں تو بنبیك سے مراد بدعاء نبیك و شفاعته ہو گا بلکہ یہی متعین ہے اور اس پر دلیل اس نابینا کے یہ الفظ ہیں۔ ادعوالله ان یعا فینی۔ اور آپ ﷺ کے الفاظ ان شئت دعوت۔ اور پھر دعا میں یہ الفاظ کہ۔ فشفعه فی۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کا قول کہ۔

"کنانتوسل الیك بنبینافتسقینا وانانتوسل الیك بعم نبینافاسقنا"

یہاں نبی ﷺ اور عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے نبی ﷺ کی دعا اور عباس رضی اللہ عنہ کی دعا ہی مراد ہے۔ اس پر دلیل وہ طریقہ ہے جس طریقے سے نبی ﷺ اور عباس رضی اللہ عنہ ... نے بارش مانگی اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی اصطلاح میں نبی ﷺ کے وسیلہ سے مراد آپ ﷺ کی دعا کا وسیلہ ہوتا تھا اور اس قسم کے وسیلے کو کسی بھی عالم نے شرک نہیں کہا۔ وسیلہ کو سب سے زیادہ سختی سے منع کرنے والے شیخ محمد بن عبدالوھاب نجدی رحمہ اللہ ہیں مگر ان علماء نے بھی وضاحت کے ساتھ کہا ہے کہ اس طرح کا وسیلہ (دعا کا وسیلہ) شرک نہیں ہے۔

'تبعید الشیطان تبقہیب اغاثتہ اللھفان' میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ قبروں کے پاس جو یہ بدعات کی جا تی ہیں ان کے کئی مرتبے ہیں ان میں سے شریعت سے سب سے زیادہ دور یہ بدعت ہے کہ میت سے اپنی حاجت کا سوال کیا جائے اس سے فریاد کی جائے جیسا کہ بہت سے لوگ کرتے ہیں اس طرح کرنے والے بت پرستوں میں سے ہیں اسی لیے کبھی کبھی شیطان مرنے والے کی صورت میں آتا ہے جیسا کہ بت پرستوں کے سامنے آتا تھا یہ کام اہل کتاب اور کفار کے مشرکین کرتے تھے۔ جس کی تعظیم کرتے تھے اس کو پکارتے تھے تو کبھی شیطان اس کی صورت میں آجاتا تھا جس کو یہ لوگ پکار رہے ہوتے تھے اور ان کو بعض غیب کے امور کے بارے میں بتاتا تھا۔ اسی طرح (بدعت) قبروں کے آگے سجدہ کرنا اور ان کو بوسہ دینا، چومنا ہے۔

دوسرا مرتبہ۔ کہ قبر والے کے واسطے اور وسیلے سے اللہ کو پکارا جائے۔ یہ کام اکثر متاخرین (ہمارے دور کے لوگ) کر رہے ہیں اور یہ باتفاق مسلمین بدعت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیسرا مرتبہ۔ کہ قبر والے کو ہی پکارا جائے۔

چوتھا مرتبہ۔ یہ خیال اور عقیدہ رکھنا کہ فلاں شخص کی قبر کے پاس دعا قبول ہوتی ہے اور یہ مسجد سے افضل جگہ ہے تو اس قبر یا مزار کی زیارت کے لیے جاتا ہے وہاں نماز پڑھتا ہے تاکہ اپنی ضروریات اور حاجات طلب کرے۔ یہ بھی باتفاق مسلمین بدعت ہے اور حرام ہے۔ میرے خیال میں اس بارے میں ائمہ دین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے (کہ یہ بدعت ہے اور حرام ہے) اگرچہ بہت سے لوگ یہ کام کر رہے ہیں ان میں سے بعض لوگ کسی قبر اور مزار کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ تجربہ شدہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی قبر کے پاس دعا کیا کرتے تھے یہ کھلا اور واضح جھوٹ ہے۔ مزید لکھتے ہیں۔ شیطان آدمی کو دعا کی طرف مائل کرتا ہے پہلے شیطان آدمی کو کہتا ہے کہ اس قبر یا مزار کے پاس دعا کر۔ و آدمی اس قبر کے پاس عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کرتا ہے۔ اللہ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے اس لیے کہ دعا دل کے اخلاص سے کی گئی ہوتی ہے قبر والے کی وجہ سے نہیں۔ مگر یہ جاہل سمجھتا ہے کہ قبر اور مزار کا اثر ہے۔ جب انسان اس کام میں مبتلا ہو جاتا ہے جو شیطان اس سے کروانا چاہتا ہے یعنی گھر یا مسجد کی نسبت قبر کے پاس دعا کو بہتر سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ تو پھر شیطان اس کو دوسرے مرحلے میں منتقل کر دیتا ہے یعنی قبر یا مزار والے کے وسیلے سے دعا کرنا اور اللہ کو اس کی قسم دینا یہ عمل پہلے والے سے زیادہ بڑا (گناہ) ہے۔ حالانکہ اللہ کی شان اس سے بڑی ہے کہ اس کو کسی کی قسم دی جائے یا کسی مخلوق کے وسیلے سے اس سے دعا کی جائے۔ ائمہ اسلام نے اس کو بہت برا سمجھا ہے۔

ابو الحسن قدوری کتاب الکرخی کی شرح میں لکھتے ہیں۔ بشیر بن الولید کہتے ہیں میں نے ابو یوسف سے سنا انہوں نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا۔ اللہ کو صرف اسی کے ناموں یا وسیلے سے پکارنا چاہیے کسی اور کے نہیں۔ میں اسطرح کہنا پسند نہیں کرتا کہ کوئی کہے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے عرش کے معزز مقامات کے وسیلے سے۔ یا یہ کہے کہ میں فلاں کے حق۔ انبیاء کے حق۔ رسولوں کے حق کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں۔

ابو الحسن کہتے ہیں غیر اللہ کے وسیلے سے اللہ سے سوال کرنا ناپسندیدہ کام ہے اس لیے کہ اللہ پر کسی کا حق نہیں ہے بلکہ اللہ کا اپنی مخلوق پر حق ہے۔ عرش کے پناہ کے مقامات کے وسیلے سے دعا کرنا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ناپسند کیا ہے۔ اور ابو یوسف نے رخصت دی ہے اس لیے کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح دعا کی ہے۔ اور عرش کے معزز مقام کی پناہ کا معنی ہے اللہ کی وہ قدرت جس کے ذریعے اللہ نے اتنا بڑا عرش پیدا کیا ہے تو گویا یہ اللہ کی صفات کے وسیلے سے دعا ہوئی۔ ابن بلدجی شرح مختار میں لکھتے ہیں اللہ کو اس کے واسطے کے علاوہ (کسی اور کے واسطے سے) پکارنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ اس طرح نہیں کہنا چاہیے کہ اے اللہ میں تجھ سے تیرے فرشتوں کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں یا انبیاء کے وسیلے سے وغیرہ اس لیے کہ مخلوق کا اللہ پر کوئی حق نہیں ہے۔ یا اپنی دعا میں اس طرح کہے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے عرش کے جائے پناہ کے واسطے۔ ابو یوسف نے اس (آخری صورت) کو جائز کہا ہے۔ اور جب امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب کسی معاملے کے بارے میں کہیں کہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اکرہ کذا"

"میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔"

تو یہ امام محمد کے نزدیک حرام ہوتی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک حرام کے قریب ہوتی ہے۔ اور جانب حرمت اس میں غالب ہوتی ہے فتاویٰ ابن السلام میں بھی اسی طرح ہے۔ البتہ انہوں نے نبی ﷺ کے بارے میں توقف کیا ہے اس لیے کہ اس بارے میں حدیث موجود ہے اور ان کو اس حدیث کی صحت کے بارے میں علم نہیں ہے۔ جب شیطان اس آدمی کو یاباور کروادیتا ہے کہ اس قبر اور مزار والے کی قسم اگر اللہ کو دو گے تو یہ اس کی تعظیم اور احترام میں اضافہ کا سبب بنے گا اور تمھاری حاجت پوری کرنے میں زیادہ مفید ہو گا تو اس کے بعد شیطان اس آدمی کو ایک درجہ اور اوپر لے جاتا ہے اور وہ ہے اللہ کے بجائے خود اس قبر اور مزار والے کو پکارنا۔

پھر ایک درجہ اور اوپر لیجاتا ہے اور آدمی اس صاحب قبر کو بت بنا کر اس پر مجاور بن کر بیٹھ جاتا ہے اس پر چراغ جلاتا ہے چادریں چڑھاتا ہے وہاں پر مسجد بناتا ہے اس قبر کے آگے سجدہ و طواف کرتا ہے اس کو چومتا ہے بوسے دیتا ہے۔ قصد کر کے اس کے پاس جاتا ہے وہاں جانور ذبح کرتا ہے پھر شیطان اس آدمی کو ایک اور مرحلے میں منتقل کر دیتا ہے کہ یہ دیگر لوگوں کو اس مزار کی عبادت اور وہاں جشن یا عرس منانے کی دعوت دیتا ہے انہیں بتاتا ہے کہ یہ تمھیں دنیا و آخرت میں نفع دے گا۔

(ہم محمد بن عبدالوھاب کا قول بھی پہلے پیش کر چکے ہیں وہ بھی نصیحت آموز ہے۔)

آٹھویں صورت:

وسیلہ کی آٹھویں قسم:

اللہ سے سوال کرے مگر اس کو صالحین کی قبروں کے پاس پکارے یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ قبر کے پاس دعا قبول ہوتی ہے۔

وسیلہ کی نویں قسم:

کسی نبی یا ولی اور نیک آدمی کی قبر کے پاس آکر صاحب قبر کو مخاطب کر کے کہے کہ میرے لیے اللہ سے دعا کرو وغیرہ یہ دونوں قسمیں (۸۔۹) ایسی ہیں کہ ان کے ناجائز ہونے اور ان کے بدعت ہونے میں کوئی عالم شک نہیں کرے گا۔ یہ بدعت ہے سلف میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا البتہ قبرستان جا کر قبروں والوں پر سلام کرنا جائز ہے (سلام دراصل زندہ کی طرف سے صاحب قبر کے لیے دعا ہے زندہ مردہ کے لیے دعا کر سکتا ہے مگر اس سے دعا کروا نہیں سکتا اس لیے سلام کرنا جائز ہے۔ مترجم)

وسیلہ کی دسویں قسم:

کسی نبی یا نیک آدمی کی قبر کے پاس آکر صاحب قبر کو مخاطب کر کے کہے کہ میرے مریض کو شفاء دے میری فلاں پریشانی دور کردے۔ تو یہ واضح شرک ہے۔ اس لیے کہ غیر اللہ کو پکارنا اور اس سے ان امور میں دفع شر اور جلب منفعت کی استدعا کرنا جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صرف اللہ کی قدرت میں ہے یہ دعا ہے اور دعا عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک ہے۔ عقیدہ چاہے ان قبروں اور صاحب قبر کے بارے میں کچھ بھی رکھے چاہے یہ عقیدہ ہو کہ یہ بذاتہ مؤثر ہیں یا یہ عقیدہ ہو کہ ان امور میں تصرف کرنے کا اختیار یا طاقت انہیں اللہ نے دی ہے۔ یا یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کی طرف حاجات پہنچانے کے لیے یہ دروازے سفارشی اور ذریعہ ہیں۔ اس حکم میں کسی بھی عبادت کے طریقے سے حاصل کیا جانے والا وسیلہ شامل ہے چاہے ذبح کا ہو، نذر ہو، توکل ہو، التجا ہو، خوف ہو، امید ہو، سجدہ ہو یا طواف ہو۔

وسیلہ کی گیارہویں قسم:

کسی میت یا غائب کو قبروں کے پاس پکارتا ہو اور سے مخاطب کر کے کہتا ہو کہ اللہ سے میری فلاں حاجت کے لیے دعا کرو۔ یہ عقیدہ یا خیال رکھتے ہوئے کہ (جسے پکار رہا ہے) وہ غیب کا علم رکھتا ہے اور اس کی بات ہر زمان اور ہر جگہ سنتا ہے اور ہر وقت اس کی سفارش کرتا ہے یہ بھی صریح شرک ہے اس لیے کہ علم غیب اللہ کی خاص صفات میں سے ایک صفت ہے۔

وسیلہ کی بارہویں قسم:

کسی میت یا غائب کو کسی قبر کے پاس پکارے اور اس کو مخاطب کر کے کہے کہ اے فلاں! میرے مریض کو شفا دے۔ میری مغفرت کر دے وغیرہ یہ شرک ہے دو وجوہات کی بنا پر۔

نمبر ا۔ جس کو پکار رہا ہے اس کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھ رہا ہے اور یہ شرک ہے۔

نمبر ۲۔ غیر اللہ کو پکار رہا ہے اس سے دفع شر اور جلب نفع کی دعا کر رہا ہے جس کی وہ قدرت نہیں رکھتا یہ دعا اور پکار عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک ہے۔ جن علماء نے وسیلہ کو شرک کہا ہے ان کی مراد یہ تین آخری صورتیں ہیں۔

شیخ دحلان:

عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ... کے وسیلہ سے بارش طلب کی اور نبی ﷺ کے وسیلے سے بھی کی یہ اس لیے کہ لوگوں کو یہ بتانا تھا کہ نبی ﷺ کے علاوہ دوسرے لوگوں کا وسیلہ بھی لیا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے نبی ﷺ کے وسیلے سے بارش مانگنا تو ان کے ہاں معروف تھا مگر بعض لوگوں کا شاید یہ خیال ہو کہ نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کا وسیلہ لینا جائز نہیں ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ... کا وسیلہ لیکر یہ بات واضح کر دی کہ اس کا جواز ہے۔ اگر عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کا وسیلہ لیتے تو بعض لوگ یہ سمجھتے کہ شاید نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کا وسیلہ لینا جائز نہیں ہے۔

شیخ بشیر:

1 انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں عباس رضی اللہ عنہ... کے وسیلہ سے باش طلب کرنے کا جو ذکر ہے تو اس سے مراد ہے عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کے ذریعے بارش طلب کرنا اور یہ طریقہ شریعت میں ثابت ہے۔ کہ جس کے واسطے سے بارش مانگی جار ہی ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کو میدان میں لیجایا جائے اور وہ بارش کی دعا کرے۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگے چادر پلٹ دے اور دو رکعت نماز ادا کرے یا اور جو طریقے احادیث میں مذکور ہیں ان پر عمل کرے۔ ہماری اس بات پر عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول دلیل ہے کہ۔ اے اللہ ہم تیرے پاس تیرے نبی ﷺ کو وسیلہ بناتے تھے اور تو ہمیں بارش دیتا تھا اب ہم آپ ﷺ کے چچا کو وسیلہ بنارہے ہیں لہٰذا ہمیں بارش دے۔ اس میں واضح دلیل ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنانا اسی طرح تھا جس طرح وہ نبی ﷺ کو وسیلہ بناتے تھے اور نبی ﷺ کو وسیلہ صرف اس طرح بنایا جاتا تھا کہ آپ ﷺ میدان کی طرف نکل جاتے قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے اپنی چادر پلٹ دیتے دو رکعت نماز ادا کرتے وغیرہ۔ کسی صحیح یا حسن تو کیا ضعیف حدیث میں بھی ایسا نہیں ہے کہ لوگوں نے اللہ سے آپ ﷺ کے وسیلے سے بارش طلب کی ہو اور آپ ﷺ نے استسقاء کے معروف طریقوں میں سے کسی طریقے پر نماز اور دعا وغیرہ نہ کی ہو۔ اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ ایسا ہوا ہے تو وہ دلیل پیش کرے؟

جب یہ بات ثابت ہو گئی (کہ آپ ﷺ کا وسیلہ صرف اسی طریقہ سے لیا جاتا تھا) تو پھر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ وسیلہ صرف زندہ کا لیا جاسکتا ہے مردہ کا نہیں لہٰذا نبی ﷺ کے انتقال کے بعد اس کو ممکن قرار دینا باطل ترین قول ہوگا۔ شیخ دحلان کی یہ بات کہ اگر (عمر رضی اللہ عنہ) نبی ﷺ کا وسیلہ لیتے تو بعض لوگ سمجھتے کہ شاید آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کا وسیلہ لینا جائز نہیں ہے۔ یہ قول بدیہی طور پر باطل ہے۔ نبی ﷺ کے فعل سے جو کچھ ثابت ہے وہ ہمارے لیے شریعت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"ما اٰتاکم الرَّسُوْلُ فخذوہ"

"جو کچھ تمہیں رسول اللہ ﷺ سے ملے وہ لے لو۔"

اور فرماتا ہے۔

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"

"تمہارے لیے اللہ کے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے۔"

جب تک اس بات کی دلیل نہ ملتی کہ یہ نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے تو وہم کو دور کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔

2 اگر مذکورہ وہم ہی دور کرنا مقصود تھا تو پھر زیادہ بہتر یہ تھا کہ آپ ﷺ کی زندگی میں کسی اور زندہ آدمی کا وسیلہ لیا جاتا یا آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور فوت شدہ آدمی کا وسیلہ لیا جاتا اس لیے کہ یہ تینوں صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں یہ واضح نہیں ہو سکتا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ ... کے وسیلے سے اس لیے بارش مانگی کہ عباس رضی اللہ عنہ ... زندہ تھے اور آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا تھا اور فوت شدہ کے وسیلے سے بارش طلب کرنا جائز نہیں ہے۔

جب عمر رضی اللہ عنہ یہ صورتیں چھوڑ دیں اور وہ صورت اپنائی جس میں مذکورہ وضاحت پیدا ہوتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد مذکورہ وہم دور کرنا نہیں تھا۔

3 یہ وہم معمولی ہے کہ نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کے وسیلے سے بارش مانگنا جائز نہیں ہے اس کی بنسبت یہ وہم بڑا ہے کہ کسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فوت شدہ کے وسیلے سے بارش مانگنا جائز نہیں ہے۔ خاص کر جب فوت شدہ شخص نبی ﷺ کے علاوہ کوئی اور ہو لہٰذا اس وہم کو دور کرنا زیادہ بہتر تھا اور زیادہ مناسب یہ تھا کہ نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور فوت شدہ کے وسیلے سے دعا مانگتے۔

4 یہ وجہ یا علت فاسد ہے اس لیے کہ یہ وجہ بیان کرنے والے نے اس کی کوئی دلیل نہیں دی ہے۔ نہ عقلی نہ نقلی لہٰذا اس کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ دحلان: یہ بات نہیں کرنی چاہیے کہ عباس رضی اللہ عنہ... کے وسیلے سے اس لیے بارش مانگی کہ وہ زندہ تھے اور آپ ﷺ کا انتقال ہو چکا تھا اور فوت شدہ کے وسیلے سے بارش طلب کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ ہماری رائے میں یہ وہم بہت سے دلائل کی روسے باطل اور مردود ہے۔

شیخ بشیر: یہ دلائل اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے اس مسئلہ میں استدلال کیا جا سکے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا۔

شیخ بشیر نے فرمایا۔ یہ بات ہم تسلیم کرتے ہیں بلکہ سب کرتے ہیں کہ یہ برزخی زندگی ہے اور دنیاوی اور برزخی زندگی کو کوئی بھی عقل مند تمام احکام میں مساوی قرار نہیں دیتا ورنہ بے شمار خرابیاں لازم آئیں گی اور یہ بات معمولی سی عقل و فہم رکھنے والا بھی سمجھتا ہے۔

شیخ دحلان: کسی عارف (صوفی) نے کہا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا نبی ﷺ کے بجائے عباس رضی اللہ عنہ... کے وسیلہ لینے میں ایک اور نکتہ بھی ہے اور وہ ہے عمر رضی اللہ عنہ کا کمزور مومنین پر شفقت کرنا اس لیے کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کا وسیلہ لیتے تو کبھی دعا کی قبولیت میں تاخیر ہو جاتی ہے کہ یہ اللہ کی مشیئت سے متعلق ہے اور اگر ایسا ہوتا تو کمزور ایمان والوں کے دلوں میں وسوسہ اور اضطراب پیدا ہو سکتا تھا۔

شیخ بشیر: اس نکتہ کو کالا نکتہ یا سیاہ وسوسہ یا بہرا فتنہ یا اندھا شبہ کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس طرح تو آپ ﷺ کی زندگی میں بھی آپ ﷺ کے وسیلے سے بارش طلب کرنا چھوڑ دینا چاہیے تھا اس لیے کہ دعا کی قبولیت کا تعلق آپ ﷺ کی زندگی اور بعد وفات اللہ کی مشیئت سے ہے اور اگر آپ ﷺ کی زندگی میں بھی دعا کی قبولیت میں تاخیر ہو جاتی تو تب بھی وسوسہ اور اضطراب پیدا ہوتا؟ یہ تو کوئی بھی مسلمان نہیں کہتا۔ خلاصہ یہ کہ یہ لوگ اس گھٹیا اور کم حیثیت نکتہ کی طرف مجبور ہو گئے ہیں اور ایسی وجوہات بیان کرنے کی طرف گئے جو فاسد اور مردود ہیں اس لیے کہ گویا (نعوذ باللہ) عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام جو اس ہستی کو چھوڑ کر عباس رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے تو یہ اس بات کی واضح ترین دلیل ہے کہ فوت شدہ کا وسیلہ لینا جائز نہیں ہے مگر اس کو جائز قرار دینے والے یہ لوگ اس عدول کی توجیہ اور تاویل کے محتاج ہو گئے ہیں یہ اندھے بہرے ہو گئے ہیں جو کچھ انہوں نے کہا ہے وہ گویا یہ اندھی اونٹنی پر سوار ہیں۔ ایسی مثالوں کے بارے میں تو اللہ سے ہی شکایت کی جا سکتی ہے کہ یہ واضح تحریفات ہیں۔

شیخ دحلان: خلاصہ یہ ہوا کہ اہل سنت والجماعت کے مذہب میں رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ آپ ﷺ کی زندگی اور بعد از وفات جائز ہے اسی طرح آپ ﷺ کے علاوہ انبیاء اور رسول ہوں اور نیک اور صالح لوگوں کا بھی۔ اس لیے کہ مذکورہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ بشیر: اگر ان کی مراد یہ ہے کہ اہلسنت والجماعت وسیلہ کی مذکورہ تمام صورتوں کو جائز کہتے ہیں تو یہ بات ان کی غلط ہے اس لیے کہ بہت سے اہلسنت نے بہت ساری صورتوں کو ناجائز یا مکروہ قرار دیا ہے۔ بلکہ بعض کو تو کفر اور شرک کہا ہے۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ اہلسنت نے بعض صورتوں کو جائز کہا ہے تو اس بات سے ہم یا دوسرے وہ علماء جنھیں وسیلہ کے منکر کہا جاتا ہے وہ اس کا انکار نہیں کرتے۔

شیخ وحلان: ہم اہلسنت کا گروہ تاثیر، تخلیق، ایجاد عدم، نفع اور نقصان صرف ایک اللہ کے لئے مانتے ہیں۔ ہم نفع نقصان اور تاثیر نبی ﷺ یا کسی اور فوت شدہ کے لیے نہیں مانتے لہٰذا نبی ﷺ یا دیگر انبیاء اور رسولوں کا وسیلہ لینے میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح اولیاء اور صالحین کے وسیلہ لینے، زندہ اور مردہ کے وسیلہ میں فرق نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ کچھ چیز پیدا نہیں کر سکتے اور نہ انکی کسی چیز میں تاثیر ہے البتہ ان کا تبرک حاصل کیا جاتا ہے اس لیے کہ یہ اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں (وسیلہ تبرک کے لیے لیا جاتا ہے) جبکہ پیدا کرنا، ایجاد، عدم، نفع اور نقصان صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ کے ہاتھ میں ہے۔

شیخ بشیر: اس کے بارے میں ہم چند امور ذکر کریں گے۔

1 بہت سے عوام بلکہ کچھ خواص بھی زندہ اولیاء اور مردہ اولیاء کے بارے میں ان امور کی قدرت کا عقیدہ رکھتے ہیں جن کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہے ان کا عقیدہ ہے کہ صلحاء وہ کام بھی کر سکتے ہیں جو صرف اللہ کے کرنے کے ہیں۔ یہ اپنی زبان سے اپنے اس عقیدے کا اظہار بھی کرتے ہیں (وہ اس طرح کہ) یہ ان اولیاء و صلحاء کو کبھی اللہ کے ساتھ اور کبھی صرف انہی کو پکارتے ہیں۔ ان کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسے نفع و نقصان کے مالک کی تعظیم کی جاتی ہے ان کے آگے اتنی عاجزی کرتے ہیں کہ جتنی یہ نماز میں اللہ کے آگے نہیں کرتے جیسا کہ امام شوکانی کے کلام میں گذر چکا ہے۔

2 ان صلحاء میں صرف تاثیر، خلق، ایجاد، عدم، نفع اور نقصان کا عقیدہ نہ رکھنا اور یہ امور صرف اللہ کے لیے ثابت ماننا انسان کو شرک سے بری نہیں کر سکتا اور نہ وہ مشرکین جن کی طرف اللہ نے انبیاء مبعوث فرمائے تھے وہ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ اللہ خالق اور رازق ہے۔ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ توحید خالص ہو اور اللہ کو اکیلا مانا جائے اور توحید تب خالص ہو سکتی ہے جب دعا، پکار، فریاد، امید، اور نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ کو مانا جائے کسی اور کو نہیں۔ اس طرح نذر، ذبح اور سجدہ بھی صرف اللہ کے لیے ہو ہماری گذشتہ بیان کردہ تفصیلات سے اس کی مکمل وضاحت ہو چکی ہے۔

3 صرف یہ اعتقاد رکھنا کہ زندہ اور مردہ لوگ اس بات میں برابر ہیں کہ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے اور کسی چیز میں ان کی تاثیر نہیں ہے یہ اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ زندہ اور مردہ لوگ تمام احکام میں برابر ہیں اور نہ زندہ لوگوں کے توسل کے جواز سے مردہ لوگوں کے توسل کا جواز لازم آتا ہے۔ اس لیے کہ زندہ شخص کے وسیلے کا مطلب ہے اس کی دعا کا وسیلہ لینا اور یہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جبکہ فوت شدہ شخص کی دعا کا وسیلہ کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: جو لوگ زندہ اور فوت شدہ لوگوں میں فرق کرتے ہیں کہ وہ زندوں میں تاثیر مانتے ہیں اور مردوں میں نہیں مانتے جبکہ ہم کہتے ہیں کہ:

"اللہ خالق کل شیئی واللہ خلقکم وما تعملون"

اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو (یا بناتے ہو) یہ لوگ جو زندوں کا وسیلہ جائز قرار دیتے ہیں اور مردوں کا ناجائز یا ان کا جو یہ عقیدہ ہے کہ زندوں میں تاثیر ہے مردوں میں نہیں ہے تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے توحید میں شرک داخل ہو چکا ہے اس لیے کہ انہوں نے مردوں کے بجائے زندوں میں تاثیر کا عقیدہ رکھا ہے۔

شیخ بشیر: یہ تو رونگٹے کھڑے کر دینے والی بات ہے کیا یہ اتنی جسارت سے بات کرنے والا، یہ حاسد فضول گو یہ نہیں جانتا کہ زندوں اور مردوں میں فرق کرنے والے تو وہی لوگ (توحید کے داعی) ہیں جو اللہ کے علاوہ کسی اور کی تاثیر کے عقیدے سے منع کرتے ہیں بار بار اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ اس طرح کا عقیدہ شرک ہے۔ تو پھر یہ دوسروں کو کیسے غیر اللہ کی تاثیر کا باور کروا سکتے ہیں؟ یہ تو ان پر بہت بڑا بہتان ہے۔ دراصل زندوں اور مردوں میں فرق کی بنیاد یا وجہ یہ نہیں ہے کہ زندوں میں تاثیر ہے مردوں میں نہیں ہے جیسا کہ موحدین پر تہمت لگانے والے دحلان نے کہا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندہ لوگوں کا وسیلہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور مردہ لوگوں کا ثابت نہیں ہے۔

شیخ دحلان: وسیلہ لینا، سفارشی بنانا، فریاد کرنا سب ایک ہی معنی رکھتے ہیں مومنوں کے دلوں میں سوائے اللہ کے محبوب بندوں سے تبرک لینے کے ان کا اور کوئی معنی نہیں ہے اس لیے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ ان (صالحین) کے ذریعے بندوں پر رحم کرتا ہے چاہے یہ (صالحین) زندہ ہوں یا مردہ۔

شیخ بشیر: یہ حصر و تخصیص تسلیم نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ صاحب کتاب نے (یعنی شیخ دحلان جس کی مصنف (بشیر) رد کر رہے ہیں مگر یہاں یہ ادا قاصر یا نا مکمل ہے یہاں مصنف کو اس کی رد میں یہ کہنا چاہیے تھا کہ ان تینوں الفاظ کا معنی ایک نہیں ہے۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں صرف تبرک ہوتا ہے وہ سواریاں کس کر ان کی قبروں کی طرف سفر نہیں کرتے کہ صرف ان قبروں میں ان کا ذکر کرنا عبادت کی قسم ہے جس کے ثبوت کے لیے شارع سے نص کی ضرورت ہے اور یہاں نص موجود نہیں ہے۔ اور ان کو رحمت کا سبب ماننا اس بات کے منافی ہے کہ ان میں تاثیر نہ مانی جائے اس نے اگلے جملے میں ضدین کو جمع کر دیا ہے وہ ان کے ذکر کو تاثیر الٰہی کے لیے عادتاً سبب مانا ہے حالانکہ قبر پرستوں کے ایک گروہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ (اس تاثیر کو) خارق عادت مانتے ہیں اسباب عادیہ میں سے نہیں مانتے۔ رشید رضا)

دارمی کی اس روایت کو توسل کی اقسام میں سے شمار کیا ہے۔ ابی الجوزا سے روایت ہے کہتے ہیں کہ مدینہ ایک مرتبہ شدید قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر تکلیف کا تذکرہ کیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف دیکھو اس قبر سے آسمان کی طرف ایک روشندان یا چھوٹی کھڑکی بناؤ کہ اس کھڑکی اور آسمان کے درمیان کوئی چھت (رکاوٹ) نہ ہو۔ ان لوگوں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسا کیا تو بارش ہو گئی یہاں تک کہ گھاس اگ آئی اور اونٹ اتنے صحت مند اور موٹے ہو گئے کہ ان پر چربی چڑھ گئی اس سال کو۔ عام فتق (اونٹوں کے موٹے ہونے کا سال) کہا جانے لگا۔ اس میں اللہ کے محبوب بندوں کے ذکر سے تبرک لینے کا ذکر نہیں ہے۔ جب توسل تاثیر کے اعتقاد اور غیر اللہ کو پکارنے اس کے لیے نذر ماننے ذبح کرنے اور دیگر عبادات اور اللہ ورسول اللہ ﷺ کے منع کردہ امور سے خالی ہو اور صرف اللہ کے محبوب بندوں کے ذکر سے تبرک حاصل کرنا ہو تو یہ شرک نہیں ہوتا۔ لیکن یہ دیکھنا ضروری ہے کہ یہ تبرک کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے ثابت ہو تو اس کی مشروعیت میں کوئی شک نہیں ہوتا اور اگر ثابت نہیں ہے تو وہ بدعت اور گمراہی ہے۔ ابی الجوزاء کی اس روایت پر عنقریب گفتگو ہو گی۔۔ البتہ اس کا یہ دعویٰ کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ان زندہ یا مردہ صالحین کے سبب سے رحم کرتا ہے تو اس کے لیے دلیل ہونی چاہیے ورنہ اس دعویٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پھر یہ بھی وضاحت چاہیے کہ ان کے سبب سے مراد ان کے ذکر کا سبب ہے ورنہ بات صحیح نہیں بن سکتی۔

<u>شیخ دحلان:</u> حقیقی موثر اور موجد صرف اللہ ہے ان نیک بندوں کا ذکر اس تاثیر میں عادتا سبب ہے جیسا کہ عادتا کسب ہے جس کی تاثیر نہیں ہوتی۔

<u>شیخ بشیر:</u> یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ان نیک بندوں کا ذکر اس تاثیر میں عادی سبب ہے؟ اگر تسلیم کر لیا جائے تو ضروری نہیں کہ یہ مشروع ہو۔ جیسا کہ خرید و فروخت کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن سے فائدہ حاصل ہوتا ہے مگر وہ مشروع نہیں ہیں۔

<u>شیخ دحلان:</u> قبروں میں انبیاء کرام کی زندگی ثابت ہے لیکن جیسا کہ شیخ دحلان خود بھی اعتراف کرتے ہیں کہ یہ زندگی دنیاوی زندگی کی طرح نہیں ہے لہٰذا جس طرح دنیاوی زندگی کو توسل کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے اس طرح قبر کی زندگی کو نہیں کیا جا سکتا۔

<u>شیخ دحلان:</u> اگر یہ سوال کیا جائے کہ توسل کی ممانعت کرنے والوں نے بعض لوگوں سے ایسے الفاظ سنے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر اللہ کی تاثیر کا عقیدہ رکھتے اور زندہ یا مردہ صالحین سے ایسی اشیاء مانگتے ہیں جو صرف اللہ ہی مانگی جا سکتی ہیں اور یہ لوگ اولیاء کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ میرا فلاں کام کر دیں۔ اور اکثر یہ لوگ ایسے افراد کو اولیاء کہتے ہیں جو ولی نہیں ہوتے بلکہ بعض تو نیم پاگل قسم کے مجذوب ہوتے ہیں اور ان کی طرف کرامات اور خرق عادت کی نسبت کرتے ہیں ان کے لیے ایسے احوال اور مقام ثابت کرتے ہیں جن کے وہ لائق نہیں ہوتے۔ ان باتوں کو مد نظر رکھ کر ممانعت کرنے والوں نے سوچا کہ عوام کو مکمل طور پر روک لیا جائے تا کہ سد ذرائع ہو سکے۔ اگرچہ یہ مانعین توسل جانتے ہیں کہ اکثر یا عام لوگ تاثیر، نفع ونقصان کا غیر اللہ کے لیے تاثیر کا اعتقاد نہیں رکھتے اور وہ توسل تبرک کے لیے لیتے ہیں اگر یہ لوگ اولیاء کی طرف کوئی بات منسوب کر دیں تو وہ ان کے بارے میں اعتقاد نہیں رکھتے۔ ہم ان مانعین توسل سے عرض کرتے ہیں کہ جب آپ سد ذرائع کے لیے توسل سے منع کرتے ہیں تو پھر آپ کو اس بات پر کونسی چیز آمادہ کرتی ہے کہ آپ پوری امت کو عالم، جاہل، عام و خاص کو کافر قرار دیتے ہیں؟ آپ مطلقا توسل کو کیوں ممنوع قرار دیتے ہیں؟ آپ اس طرح بھی کر سکتے ہیں کہ عوام کو ان الفاظ کے استعمال سے منع کر دیں جن سے غیر اللہ کی تاثیر کا شبہ ہوتا ہے۔ اور ان کو توسل کے صحیح طریقے سے آگاہ کر دیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ بشیر: پہلی بات تو یہ ہے کہ مانعین توسل کی دلیل بیان کرنے میں تم نے جان بوجھ کر تحریف سے کام لیا ہے۔
مانعین کی دلیل کی تفصیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے بعض عام بلکہ کچھ خاص لوگوں کو ایسے الفاظ زبان سے ادا کرتے سنا ہے کہ جن سے مکمل طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ غیر اللہ میں تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ لوگ زندہ یا مردہ صالحین سے ایسی اشیاء مانگتے ہیں جو صرف اللہ کی قدرت میں سے ہیں۔ یہ ان صالحین کے لیے نذر نیاز کرتے ہیں ان کے لیے ذبیح کرتے ہیں ان کے لیے اموال خرچ کرتے ہیں ان کو وسیلہ اور ذریعہ بناتے ہیں ان سے نفع کے حصول کی التجائیں کرتے ہیں یعنی لوگ ان کو پکاریں اور یہ صالحین ان کے لیے اللہ سے دعا کریں۔ جیسا کہ بادشاہ کے ہاں کچھ افراد ہوتے ہیں جو عوام اور بادشاہوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہوتے ہیں وہ بادشاہوں کے سامنے لوگوں کی ضروریات پیش کرتے ہیں اور عوام ان سے درخواست کرتے ہیں کہ ہماری فلاں حاجت بادشاہ کے سامنے پیش کردو اس لیے کہ یہ لوگ بادشاہ کے مقرب ہوتے ہیں۔ (بعض فقہاء نے تو لکھا ہے کہ ولی اپنی قبر سے نکل آتا ہے اور اپنے پکارنے یا وسیلہ لینے والی کی ضرورت خود پوری کر دیتا ہے۔ رشید رضا) مانعین توسل کی دلیل کی تفصیل جاننے کے بعد وجہ تکفیر واضح ہوگئی ہے غیر اللہ کی تاثیر کا اعتقاد صریح کفر ہے۔ غیر اللہ کو پکارنا۔ اس کے لیے نذر اور ذبح وغیرہ عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت شرک اور کفر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم اہل توحید پوری امت، عالم، جاہل عام وخاص کو کافر قرار نہیں دیتے یہ ہم پر بہتان ہے۔ ہم صرف اس کو کافر کہتے ہیں جس میں کافر قرار دیے جانے کی وجوہات پائی جائیں۔ یعنی غیر اللہ کی تاثیر اور اس میں نفع ونقصان کا اعتقاد غیر اللہ کو پکارنا اس کے لیے نذر ونیاز اور ذبح کرنا وغیرہ۔

تیسری بات یہ ہے کہ صرف غیر اللہ میں تاثیر نہ ماننے کا اعتقاد شرک سے بری کرنے کے لیے کافی نہیں ہے (جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے) بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ عبادت خالص صرف اللہ کے لیے کی جائے۔ دعا، فریاد، نذر، ذبح اور دیگر تمام عبادات صرف اللہ کے لیے خاص کی جائیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ۔ ہم اہل توحید مطلقاً وسیلہ کو ممنوع قرار نہیں دیتے بلکہ ہم صرف وہ وسیلہ ممنوع قرار دیتے ہیں جس میں غیر اللہ کی عبادت شامل ہو۔ یا اسمیں ایسی کوئی بات پائی جاتی ہو جس سے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے یا وہ بدعت پر مشتمل ہو جس کی کتاب وسنت سے دلیل نہ ہو۔

شیخ دحلان: جن الفاظ سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے ان الفاظ کو مجاز پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے اس طرح مسلمانوں کو کافر قرار دینے کی ضرورت نہیں رہے گی یہ مجاز عقلی ہوگا جو کہ مشہور اور مستعمل ہے۔

شیخ بشیر: یہ کئی وجوہ کی بنا پر محل نظر ہے۔

1 اس مقام پر اور اس سے پہلے بھی مؤلف نے وہم پیدا کرنے والے الفاظ کہا ہے۔ یہ وہم پیدا کرنے والے الفاظ کا جو جملہ مؤلف نے استعمال کیا ہے یہ تدلیس اور تلبیس سے خالی نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ الفاظ (جنھیں یہ اولیاء کو پکارنے والے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

استعمال کرتے ہیں) تو مکمل طور پر تاثیر غیر اللہ کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں اسمیں وھم پیدا کرنے والی کیا بات ہے؟ (یہ تو صراحتاً دلالت کرتے ہیں وھم نہیں ہے)۔

2 اگر ارتداد کو ناممکن بنانے کے لیے مجاز پر ان الفاظ کو محمول کیا جائے تو وہ باب ارتداد جس کا عقیدہ فقہاء رکھتے ہیں وہ ختم ہو جائے گا اور جب بھی کوئی مسلمان ایسے قول یا فعل کا ارتکاب کرے گا جو موجب کفر ہو گا تو اس کو مجاز عقلی پر محمول کیا جائے گا اور اسلام اور توحید اس مجاز کے لیے قرینہ ہوں گے۔

3 اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ جن کو کتاب اللہ نے مشرک قرار دیا ہے وہ مشرک نہ ہوں اس لیے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ خالق، رازق ہے نفع ونقصان کا مالک ہے۔ خیر و شر اس کے ہاتھ میں ہے لیکن وہ بتوں کی عبادت اس لیے کرتے تھے تا کہ وہ انہیں مرتبے میں اللہ کے قریب کر دیں قرینہ ہے کہ بتوں کی عبادت سے حقیقی عبادت مراد نہ لی جائے بلکہ مجازی معنی مراد لیا جائے مثلاً تکریم وغیرہ۔ کیا خیال ہے؟

4 آپ نے تو ان کے شرکیہ الفاظ کی یہ تاویل کر لی مگر ان کے شرکیہ افعال کی کیا تاویل کرو گے مثلاً غیر اللہ کو پکارنا۔ اس سے فریاد کرنا، نذر کرنا، ذبح کرنا شرک اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ غیر اللہ میں تاثیر مانی جائے بلکہ جب انسان سے غیر اللہ کی عبادت سرزد ہو جائے تو آدمی مشرک بن جاتا ہے چاہے اس نے غیر اللہ میں تاثیر مانی ہو یا نہ مانی ہو۔

شیخ دحلان: وسیلہ کو مطلقاً منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لیے کہ یہ سنت صحیحہ سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور امت کے سلف و خلف سے اسکا صدور ثابت ہے۔

شیخ بشیر: ہم مطلقاً وسیلہ کی ممانعت نہیں کرتے جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں۔ ھم وہ وسیلہ منع کرتے ہیں جس میں غیر اللہ کی عبادت پائی جاتی ہو۔ یا ایسی کوئی بات پائی جاتی ہو جس سے اللہ ورسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے یا اس میں بدعت پائی جاتی ہو جو کتاب وسنت سے ثابت نہ ہو۔ مؤلف نے جو احادیث اس بارے میں ذکر کی ہیں اور ان کے خیال میں وہ صحیح بھی ہیں تو ان پر ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

شیخ دحلان: وسیلہ کی ممانعت کرنے والوں میں کچھ تو ایسے ہیں جو اسے حرام قرار دیتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہیں جو اسے کفر اور شرک کہتے ہیں، مگر یہ سب باطل اور غلط ہے اس لیے کہ اس طرح تو امت کا بہت بڑا حصہ گمراہ قرار پائے گا؟

شیخ بشیر: گذشتہ تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے کہ وسیلہ کی کئی اقسام ہیں جن میں کچھ مشروع ہیں کچھ شرک ہیں کچھ حرام ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو مکروہ اور بدعت ہیں۔ جس کو ہم کفر، شرک، حرام یا بدعت کہتے ہیں ہم یہ نہیں مانتے کہ امت کا بہت بڑا حصہ ان کا ارتکاب کرتا ہے جبکہ امت کا بڑا حصہ جس وسیلے کو مانتا ہے ہم اس کو شرک یا حرام یا بدعت نہیں کہتے۔

شیخ دحلان: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔ یہ حدیث صحیح ہے بلکہ بعض نے تو اسے متواتر کہا ہے۔

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ بشیر: اس حدیث کو ترمذی نے ابواب الفتن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"ان اللہ لا یجمع امتی یا امۃ محمد علی ضلالۃ۔ وید اللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی النار"

"اللہ میری امت کو گمراہی پر متفق نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو علیحدہ ہوا وہ آگ میں ڈالدیا گیا۔"

اس حدیث کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے اور سلیمان المدنی میرے خیال میں سلیمان بن سفیان ہے۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں سلیمان بن سفیان ہے جس کے بارے میں امام ذھبی المیزان میں فرماتے ہیں۔ سلیمان بن سفیان المدنی عبداللہ بن دینار اور بلال بن یحی سے روایت کرتے ہیں ابن معین نے کہا ہے کہ لیس بشیئ۔ ایک جگہ کہا ہے لیس بثقتہ۔ امام نسائی نے بھی یہی کہا ہے۔ ابو حاتم اور دار قطنی کہتے ہیں یہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ التقریب میں لکھتے ہیں سلیمان بن سفیان التیمی مولاھم ابو سفیان المدنی ضعیف لمن الثامنۃ۔ (ضعیف ہے درجہ ثامنہ میں ہے)۔ امام ذھبی الکاشف میں فرماتے ہیں ابو حاتم وغیرہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ الخلاصہ میں لکھتے ہیں سلیمان بن سفیان التیمی آل طلحہ کا مولیٰ ابو سفیان المدنی عبداللہ بن دینار اور بلال بن یحی سے روایت کرتے ہیں اور اس سے معتمر بن سلیمان اور ابو داؤد الطیالیسی روایت کرتے ہیں اس کو ابو حاتم وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ امام ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں اس باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو صرف اسی طریق سے جانتے ہیں۔ اس کی سند اس طرح ہے۔ حدثنا یحیٰی بن موسیٰ حدثنا عبدالرزاق انبانا ابراہیم بن میمون عن ابن طاؤس عن ابیہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ میں کہتا ہوں اس کی سند میں عبدالرزاق ہے اگرچہ وہ ثقہ ہے مگر آخری عمر میں نابینا ہو گیا تھا اس لیے اسمیں تبدیلی آگئی تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ التقریب میں فرماتے ہیں عبدالرزاق بن نافع الحمیری مولاھم ابو بکر الصنعانی۔ ثقہ ہے حافظ ہے مشہور مصنف ہے آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے اس لیے اسمیں تبدیلی آگئی تھی یہ شیعہ مذھب کا تھا۔ امام ذھبی المیزان میں فرماتے ہیں ابوزرعہ الدمشقی نے کہا ہے کہ ہمیں احمد نے بتایا کہ ہمارے پاس عبدالرزاق آیا تھا تو اس کی نظر صحیح تھی اور جس نے اس کے نابینا ہونے کے بعد حدیث سنی ہے تو وہ اسکی سماع میں صنعف ہے اثرم کہتے ہیں میں نے ابو عبداللہ سے سنا النار جبار کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ یہ باطل ہے عبدالرزاق سے یہ کون بیان کرتا ہے؟ میں نے کہا مجھے احمد بن شبویہ نے بتائی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ حدیثیں انہوں نے اس کے نابینا ہونے کے بعد اس سے سنی ہیں۔ اسے حدیثیں تلقین کی جاتیں تو وہ ان کی تلقین کرتا (اسے بتائی جاتیں تو وہ آگے بیان کرتا) اور یہ حدیثیں اسکی کتب میں نہیں تھیں لوگوں نے اس کی طرف ایسی احادیث منسوب کر دی ہیں جو اس کی کتابوں میں نہیں ہیں نابینا ہونے کے بعد وہ انہیں یاد کرتا تھا (دوسروں سے سن کر) امام نسائی فرماتے ہیں جس نے ان سے ان کے نابینا ہونے کے بعد حدیثیں لی ہیں وہ محل نظر ہیں۔ اس سے منکر احادیث روایت کی گئی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں عبد الرزاق اپنی کتاب سے جو روایت کرتا ہے وہ صحیح ہوتی ہے۔
اس حدیث سے جو شخص استدلال کرتا ہے اس کے لیے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ یحییٰ بن موسیٰ نے یہ حدیث عبد الرزاق سے ان کے نابینا ہونے سے پہلے سنی ہے۔ اس حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس سے اجماع کے حجت ہونے پر دلیل لی جا سکے۔
ابن ماجہ نے اس کو ابواب الفتن میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند اور الفاظ اس طرح ہیں

"ثنا عثمان الدمشقی حدثنا الولید بن مسلم حدثنا معان بن رفاعہ السلامی حدثنی ابو خلف الاعمی قال سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان امتی لا تجتمع علی ضلالة، فاذا رأیتم اختلافاً فعلیکم بالسواد الاعظم"

"میری امت گمراہی پر جمع (متفق) نہیں ہو سکتی جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم (بڑی اکثریت) کو لازم پکڑو"
اس کی سند میں معان بن رفاعہ السلامی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں کہ یہ لین الحدیث کثیر الارسال ہے۔
امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں۔ معان بن افاعہ الدمشقی وقیل الحمصی ابی الزبیر اور عبد الوھاب بن بخت سے روایت لیتے ہیں اور اس سے ابو المغیرہ، عصام بن خالد اور بہت سے لوگ روایت لیتے ہیں ابن المدینی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ جوزجانی کہتے ہیں لیس بحجتہ۔ یحی بن معین نے اس کو لین کہا ہے۔ تقریباً امام اوزاعی کے ساتھ ہی انتقال ہوا ہے۔ اس کی احادیث مضبوط نہیں تھیں۔ الکاشف میں ہے۔ ابو حاتم وغیرہ نے کہا ہے۔ لا یحتج بہ۔ اس کی سند میں ابو خلف الاعمی بھی ہے۔ جس کے بارے میں حافظ ابن حجر التقریب میں فرماتے ہیں "ابو خلف الاعمی نزیل الموصل خادم انس۔ قیل اسمہ حازم بن عطاء" متروک ابن معین نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔ خامسہ میں سے ہے۔ جس نے کہا ہے کہ یہ مروان اصغر ہے تو اس کو وہم ہوا ہے۔ اگرچہ مروان کی کنیت بھی ابو خلف تھی۔ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں ابو خلف الاعمی جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کسی نے کہا ہے کہ اس کا نام حازم ہے۔ یحیٰ بن معین نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ منکر احادیث والا ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ الکاشف میں فرماتے ہیں کہ یہ لین ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ بہت ہی ضعیف ہے۔ علی بن احمد العزیزی، السراج المنیر میں لکھتے ہیں۔ شیخ یعنی محمد حجازی الشعرانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں یہ شیخ سے غلطی ہوئی ہے اس لیے کہ اس کی سند میں ایسا راوی بھی ہے جو جھوٹا قرار پا چکا ہے۔ ایسا بھی ہے جو لین کثیر الارسال ہے لہٰذا اس کو صحیح قرار دینا تعجب کی بات ہے۔ دارمی نے اس کو باب فضل النبی ﷺ میں عمرو بن قیس سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔

"اخبرنا عبد اللہ بن صالح حدثنی معاویتہ عن عروۃ بن قیس ان رسول اللہ ﷺ قال۔ ان اللہ ادرک بی الاجل المرحوم واختصر لی اختصاراً فنحن الآخرون ونحن السابقون یوم القیامة وانی قائل قولاً غیر فخر۔ ابراھیم خلیل اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وموسیٰ علیہ السلام صفی اللہ وانا حبیب اللہ ومعی لواء الحمد یوم القیامۃ وامۃ اللہ عزوجل وعدنی فی امتی واجارھم من ثلاث لایعمھم بسنۃ ولا یستاصلھم عدو ولا یجمعھم علیٰ ضلالتہ"

"اللہ نے میرے ذریعے رحم کی جانے والی مدت پوری کر دی ہے اور میرے لیے بہت اختصار کر دیا ہے ہم سب سے آخر میں آنے والے ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے جانے والے ہیں میں ایک بات کرتا ہوں بغیر فخر کے، ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام علیہ السلام صفی اللہ ہیں اور میں حبیب اللہ ہوں۔ قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ساتھ ہوگا۔ اللہ نے میری امت کے بارے میں مجھ سے تین باتوں کا وعدہ کیا ہے۔ 1اسے قحط کے ذریعے برباد نہیں کرے گا۔ 2دشمن اس کا خاتمہ نہیں کر سکے گا۔ 3اسے گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔"

اس کی سند میں عبداللہ بن صالح ہے اور وہ بہت غلطیاں کرنے والا ہے۔ اس کے بارے میں پہلے بات ہو چکی ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں۔ معاویہ بن صالح بن حدیر الحضرمی ابو عمرو یا ابو عبدالرحمٰن الحمصی قاضی اندلس صدوق ہے مگر اس کی اوہام ہیں امام ذھبی المیزان میں لکھتے ہیں۔ یحییٰ القطان اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ابو حاتم کہتے ہیں۔ لایحتج بہ۔ امام بخاری نے اس کی کوئی روایت نہیں لی۔ ابن معین نے اس کو لین کہا ہے۔ اسی طرح اس سند میں عروہ بن رویم ہے جو کثیر الارسال ہے۔ حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں عروہ بن رویم اللخمی ابو القاسم صدوق ہے۔ مگر بہت ارسال کرتا ہے۔ (روایات کو مرسل بناتا یا بیان کرتا ہے) درجہ خامسہ میں سے ہے۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے ابو مالک اشعری سے کتاب الفتن میں روایت کیا ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"حدثنا محمد بن عوف الطائی انبانا محمد بن اسماعیل حدثنی ابی۔ قال ابن عوف وقراءت فی اصل اسماعیل قال حدثنی ضمضم عن شریح عن ابی مالک۔ یعنی الاشعری۔ قال قال رسول اللہ ﷺ۔ ان اللہ اجارکم ثلاث خلال ان لایدعو علیکم نبیکم فتھلکو جمیعاً وان لایظھر اھل الباطل علی اھل الحق۔ وان لاتجتمعوا علی ضلالۃ"

"اللہ نے تم کو تین باتوں سے بچا رکھا ہے۔ (۱) تمھارا نبی تمھارے لیے بد دعا نہیں کرے گا کہ تم سب ہلاک ہو جاؤ۔ (۲) اہل باطل اہل حق پر غالب نہیں آئیں گے۔ (۳) اور تم گمراہی پر متفق و مجتمع نہیں ہوگے۔"

مؤلف کہتے ہیں کہ اس کی سند میں محمد بن اسماعیل بن عیاش الحمصی ہے۔۔ امام ذھبی المیزان میں لکھتے ہیں۔ محمد بن اسماعیل بن عیاش الحمصی کے بارے میں ابو داؤد نے کہا ہے کہ۔ وہ اس قابل نہیں ہے۔ ابو حاتم رازی کہتے ہیں اس نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سنا۔ حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں محمد ابن اسماعیل بن عیاش کا محدثین نے یہ عیب بیان کیا ہے کہ وہ اپنے باپ سے بغیر سماع کے روایت کرتا ہے۔ الخلاصہ میں ہے کہ محمد بن اسماعیل بن عیاش الحمصی کے بارے میں ابو حاتم کہتے ہیں اس نے اپنے باپ سے نہیں سنا لوگوں نے اس کو (روایت کرنے پر) آمادہ کیا تو اس نے روایتیں بیان کرنا شروع کیں۔ اس سے ابو زرعہ نے روایت کیا ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں یہ اس قابل نہیں ہے (کہ حدیثیں روایت کرے)۔ اس حدیث کی سند میں ضمضم بن زرعہ ہے جو بہت وہم والا ہے حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں ضمضم بن زرعہ بن ثوب الحضرمی الحمصی صدوق ہے مگر وہم کرتا ہے۔ امام ذھبی المیزان میں لکھتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں ضمضم بن زرعہ عن شریح بن عبید کو یحیٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے اور ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا ہے اس سے بہت سے افراد نے روایت کیا ہے۔

الخلاصہ میں لکھا ہے۔ ضمضم بن زرعہ الحضرمی شریح بن عبید سے روایت کرتے ہیں اور اس سے ابن عبید اس سے اسماعیل بن عیاش یحیٰ بن حمزہ روایت لیتے ہیں ابن معین اور ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا ہے ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس کی سند میں شریح بن عبید ہے جو بہت ارسال کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں شریح بن عبید بن شریح الحضرمی الحمصی ثقہ ہے درجہ ثالث میں ہے بہت ارسال کرتا تھا، ۱۰۰ھ کے بعد فوت ہوا ہے امام ذہبی الکاشف میں لکھتے ہیں۔ ثقہ ہے بہت سے لوگوں کہ روایت مرسل بیان کی ہیں۔ اس حدیث کو دار قطنی نے کعب بن عاصم اشعری سے روایت کیا ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"انبانا محمد بن اسماعیل الفارسی انبانا الولید بن مروان انبا نا جنادۃ بن مروان انبا نا ابی انبانا شعوذ بن عبدالرحمٰن عن خالد بن معدان قال قال کعب بن عاصم الاشعری انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول۔ ان اللہ اجارنی علی امتی من ثلاث۔ لایجوعوا ولایستجمعوا علی ضلال۔ ولا تستباح بیضۃ المسلمین۔"

"اللہ نے میری امت کو تین باتوں سے محفوظ رکھا ہے۔ (۱) بھوک (قحط) سے ہلاک نہ ہوں گے۔ (۲) گمراہی پر جمع نہ ہوں گے۔ (۳) مسلمانوں کی بنیاد ختم نہ ہوگی۔"

اس کی سند میں جنادہ بن مروان ہے جو متہم بالکذب ہے۔ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں جنادہ بن مروان حمصی عن جریر بن عثمان وغیرہ۔ اس کو ابو حاتم نے متہم کہا ہے۔

اسی طرح اس کی سند میں خالد بن معدان الکلاعی الحمصی ابو عبداللہ ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں ثقہ ہے عبادت گذار ہے بہت مرسل روایات بیان کرتا ہے۔ یہ معاویہ، مقدام بن معد یکرب اور ابو امامہ سے روایت کرتا ہے۔ اس سند کے بقیہ رجال کے بارے میں نہ تو المیزان میں کچھ مذکور ہے نہ الکاشف میں، نہ التقریب میں اور نہ الخلاصہ میں۔ البتہ امام ذہبی نے المیزان میں اتنا لکھا ہے کہ الولید بن مروان عن غیلان بن جریر مجہول ہے۔ اگر اس ولید سے مراد یہی ولید ہے جو اس سند میں ہے تو یہ مجہول ہے اور اگر کوئی اور ولید ہے تو اس کے بارے میں مجھے علم نہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ حدیث اس سند سے بہت ہی ضعیف بلکہ موضوع ہے۔ امام احمد نے (مسند احمد) اس کو ابوذر سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرماتے ہیں دو ایک سے بہتر ہیں۔ تین دو سے بہتر ہیں چار تین سے بہتر ہیں تم جماعت کو لازم پکڑو اللہ میری امت کو ہدایت پر ہی متفق و مجتمع کرے گا۔ اس کی سند میں البختری بن عبید ہے اور وہ ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد میں بھی یہی لکھا ہے، امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں۔ البختری بن عبید اپنے باپ عبید بن سلیمان بن بنت شرجیل روایت کرتے ہیں اس کو ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے اور دیگر نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں اس نے اپنے باپ سے تقریباً بیس حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے اکثر منکر ہیں۔ حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں ضعیف متروک ہے۔ امام ذہبی الکاشف میں لکھتے ہیں محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: ان منکرین وسیلہ کو اس آیت کی وجہ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔

"لاتجعلوادعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً"

"رسول اللہ ﷺ کی پکار کو آپس میں اس طرح نہ بناؤ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کی پکار کو بناتے ہو۔"

اللہ نے اس آیت میں مومنوں کو اس انداز تخاطب سے منع کیا ہے جو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کا نام لیکر پکارتے ہیں اس پر قیاس کر کے (یہ منکرین وسیلہ) کہتے ہیں کہ غیر اللہ یعنی انبیاء صلحاء وغیرہ سے وہ چیز طلب نہیں کرنی چاہیے جو عام طور پر صرف اللہ سے ہی طلب کی جاتی ہے تاکہ اللہ اور اس کی مخلوق میں بظاہر برابری پیدا نہ ہو۔

شیخ بشیر: میری معلومات کے مطابق تو کسی بھی منکر وسیلہ نے اس آیت سے استدلال نہیں کیا ہے اگر کسی نے کیا ہوگا تو اس نے غلطی کی ہے۔ ہمیں اسکی ضرورت نہیں ہے۔ اس بارے میں ہمارے پاس اور بہت سے قوی اور صحیح دلائل موجود ہیں جن سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے دیگر دلائل کی ضرورت نہیں۔ (دلائل مذکور ہو چکے ہیں)

شیخ دحلان: اس کو مجاز عقلی پر محمول کیا جائے گا اگر اس کا صدور کسی موحد سے ہو جائے۔

شیخ بشیر: پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ پہلے والے مشرکین بھی پھر مشرک نہیں تھے اور ارتداد کا بھی امکان ختم ہو جاتا ہے اور ارتداد کے احکام بے کار ہو جاتے ہیں۔

شیخ دحلان: (حالانکہ) فریاد اصل میں اللہ سے ہی کی جارہی ہوتی ہے البتہ فریاد کرنے والے اور اللہ کے درمیان صرف واسطہ اور وسیلہ ہوتے ہیں جبکہ حقیقی فریادرس اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ کسی چیز کے پیدا کرنے اور ایجاد کرنے کی فریاد اللہ سے کی جارہی ہوتی ہے جبکہ نبی ﷺ مجازاً استغاث ہوتے ہیں (آپ ﷺ کو جو پکارا جاتا ہے تو یہ مجازاً ہوتا ہے) آپ ﷺ سے فریاد کرنا تسبب عادی اور کسب کے طور پر ہوتا ہے۔

شیخ بشیر: جن مشرکین کی طرف اللہ نے انبیاء مبعوث فرمائے تھے وہ مشرکین بھی ایسے ہی تھے وہ بھی اس بات کو جانتے تھے کہ اللہ ہی خالق اور موجد ہے اور یہ جو بت ہیں یہ اسباب اور وسائل عادیہ ہیں اسی لیے وہ ان بتوں کو پکارتے تھے ان کی پوجا کرتے تھے ان سے فریاد کرتے تھے اور موجودہ دور کے پیر پرست اور قبر پرست بھی ایسا ہی کرتے ہیں یہ بھی صالحین اور انبیاء کو پکارتے ہیں ان سے فریادیں کرتے ہیں ان کے لیے جانور قربان کرتے ہیں ان کے لیے نذر و نیاز کرتے ہیں۔ اور یہ فریاد، پکار، نذر و نیاز، ذبیحہ یہ سب عبادات کی اقسام ہیں اور یہ مجازی معنی میں کیے جارہے ہیں تو اسی پر اگر سابقہ مشرکین کی عبادات کو بھی محمول کیا جائے جو کہتے تھے۔

"مانعبدھم الالیقربونا الی اللہ زلفیٰ"

تو پھر فرق کیا رہ جائے گا (موجودہ قبر پرستوں صلحاء پرستوں اور سابقہ مشرکین میں) (موجودہ قبر پرستوں اور سابقہ مشرکین میں فرق یہ ہے کہ وہ مشرکین اہل زبان تھے اور زبان کے سلیقہ سے واقف تھے۔ لغت کی رو سے وہ جانتے تھے کہ جس طریقے سے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بھی اللہ کی طرف متوجہ ہوا جائے اور اس سے بلاواسطہ یا بالواسطہ طلب کیا جائے تو یہ عبادت کہلاتی ہے۔ اور مخلوق سے وہ کچھ جب طلب کیا جائے جو اسباب عادیہ مشتر کہ بین الناس میں سے نہ ہو تو وہ بھی عبادت کہلاتی ہے اسی طرح ہر وہ امید اور خوف بھی اسمیں شامل ہے جو اسباب معروفہ میں سے نہ ہو۔ اگر ان میں سے کسی نے سانپ کی پوجا کی تو اس اعتقاد کے بنیاد پر کی کہ یہ سانپ انسان یا اونٹ کو قتل کے معروف اسباب کے بغیر قتل کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کے یا دیگر قوموں اور امتوں کے نزدیک فطری عبادت ایسے اعتقاد، شعور، عمل اور دعا پر مشتمل ہوتی تھی جس کا تعلق اس ہستی یا ذات یا چیز کے ساتھ ہوتا تھا جس کو غیبی غیر عادیہ طاقت حاصل ہو۔ یہ عبادت بعض دفعہ کئی اشیاء کی ہوتی تھی اور یہ اشیاء ایک دوسرے سے درجے میں کم زیادہ ہوتی تھیں یعنی بعض تو ایسی ہوتی تھیں جن کو ذاتی تاثیر حاصل ہوتی یعنی وہ موثر بالذات ہوتیں۔ اور کچھ ایسی ہوتیں جو بالواسطہ موثر ہوتیں یا تاثیر کا واسطہ اور وسیلہ بنتیں۔

جبکہ متاخرین (قبر پرستوں وغیرہ) نے جب یہ بات ازبر کر لی کہ عبادت صرف وہی ہوتی ہے جو اللہ کے لیے کی جائے تو (بلا واسطہ) تو پھر انہوں نے بالواسطہ عبادت کو وسیلہ اور سفارشی اور ولی کہنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ مشرکین سابقہ کرتے تھے فرق یہ ہے کہ لوگ معبود کے بجائے سفارشی یا ولی کہتے ہیں اور وسیلے کو عبادت کے بجائے وسیلہ کہتے ہیں حالانکہ لغوی لحاظ سے یہ عبادت ہی ہے لہٰذا دونوں گروہوں میں فرق صرف لغوی ہے۔ محمد رشید رضا)

شیخ دحلان: جس شخص سے باعتبار کسب کے فریاد اور حاجت پوری ہوتی ہو اس کے لیے لفظ استغاثہ (فریاد کرنا) کا استعمال معروف ہے۔ اس میں لغوی یا شرعی لحاظ سے کوئی شک نہیں ہے جب کوئی شخص کہتا ہے۔ اغثنی یا اللہ (اے اللہ میری فریاد سن لے، قبول کر لے) تو اس سے مراد حقیقی نسبت ہوتی ہے خلق اور ایجاد کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اور جب کوئی شخص کہتا ہے۔ اغثنی یارسول اللہ۔ (اے اللہ کے رسول اللہ میری فریاد سن لیں) تو اس سے مراد مجازی نسبت ہوتی ہے یعنی باعتبار سبب کسب، سفارش کے اور ذریعے کے طور پر ہوتا ہے۔

شیخ بشیر: دور جاہلیت کے مشرکین بھی یہی کہا کرتے تھے وہ انبیاء اور صالحین کو پکارتے تھے رب کے ہاں ان کو سفارشی سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ ویعبدون من دون اللہ مالا یضرھم ولاینفعھم ویقولون ھولاء شفعاءنا عند اللہ ﴾

"یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارتے ہیں جو ان کو نقصان دے سکتے ہیں نہ نفع، اور یہ (پکارنے والے) کہتے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (یہ لوگ کہتے تھے)

﴿ مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ ﴾

"ہم ان کو صرف اس لیے پکارتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ کے ہاں مرتبہ میں قریب کر دیں۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اللہ سے استغاثہ حقیقی اور انبیاء اور صالحین سے استغاثہ مجازی ہے اور باعتبار سبب اور کسب کے ہے تو یہ بات مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر بدیہی طور پر باطل ہے۔

1 اگر حقیقی نسبت کی بنیاد خلق اور ایجاد ہے جیسا کہ شیخ دحلان کا خیال ہے تو پھر یہ لازم آئے گا کہ بندوں کے تمام افعال کی نسبت حقیقتاً اللہ کی طرف کی جائے۔ اس لیے کہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا اس کا تقاضا ہوگا کہ اللہ کو بھی ایمان، نماز، زکاۃ، روزہ، حج، جہاد اور صلہ رحمی وغیرہ صفات حسنہ سے متصف مانا جائے۔ اسی طرح اعمال سیئہ جیسے کفر، شرک، فسق، فجور، زنا، جھوٹ، چوری، نافرمانی، قتل، سود وغیرہ سے بھی (نعوذ باللہ) اس کو متصف مانا جائے۔ اس لیے کہ تمام اچھے برے اعمال کا خالق وہی اللہ ہے۔ جب کہ یہ بات وہی کر سکتا ہے جس کے پاس عقل ہو نہ دین ہو اس لیے کہ اس طرح کرنے سے اللہ کو نقائص اور صفات حدوث سے متصف ماننا پڑے گا اور اللہ میں بیک وقت صفات متضادہ بلکہ متناقضہ کا وجود لازم آئے گا۔

2 اگر مجازی نسبت کا مدار اور اس کی بنیاد تسبب اور کسب کا اعتبار ہے جیسا کہ شیخ دحلان کا خیال ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ پھر انسان حقیقت میں نہ مومن ہے نہ کافر ہے۔ نہ نیک ہے نہ گناہ گار ہے۔ نہ نمازی ہے نہ روزہ دار اور نہ زکاۃ دینے والا ہے نہ حاجی ہے نہ مجاہد اور غازی ہے۔ نہ زانی ہے نہ چور ہے نہ قاتل ہے نہ جھوٹا ہے لہٰذا اجزاء و سزاء حساب وغیرہ باطل ہیں اور پھر شریعت، جنت اور جہنم بھی بے فائدہ ہیں جبکہ کوئی بھی مسلمان یہ بات نہیں کہہ سکتا۔

3 یہ دعویٰ کہ انبیاء اور صالحین فریاد (کی قبولیت) کے لیے سبب اور کاسب ہیں یہ دعویٰ محتاج دلیل ہے ورنہ بغیر دلیل کے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جبکہ یہ دعویٰ محض غلط فہمی اور وسوسہ ہی ہے جو کہ مدعی کی بے وقوفی اور جہالت پر دلالت کرتا ہے۔

شیخ دحلان: (استغاثہ کی دلیل) بخاری محبت الحشر میں مذکور حدیث بھی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ جب لوگ میدان حشر میں کھڑے ہوں گے تو۔

"بینما هم كذالك استغاثوا بآدم ثم بموسى ثم بمحمد ﷺ ------"

اس حدیث میں لفظ استغاثہ سے میں استغاثہ مجازی مراد ہے اور اسمیں مستغاث اللہ ہی ہے۔

شیخ بشیر: ہم اس فریاد اور استغاثہ کی بات نہیں کر رہے استغاثہ کی دو قسمیں ہیں۔

1 زندہ مخلوق سے اس چیز کی فریاد او استغاثہ کرنا جو اس کے اختیار اور قدرت میں ہو جیسے کوئی شخص کسی سے استدعا کرے کہ میرے ساتھ فلاں بوجھ اٹھا دیا فلاں کام میں تعاون کرلو۔ درندے، چور، دشمن وغیرہ کے خلاف میری مدد کرو اسی طرح اپنے لیے کسی سے دعا کروانا۔ اس مدد اور تعاون کے جواز میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

محشر سے متعلق مذکورہ حدیث میں اسی قسم کا استغاثہ ہے۔ اس وقت جن انبیاء سے استغاثہ کیا جائے گا وہ اس وقت زندہ ہوں گے اور یہ استغاثہ ایسا ہوگا کہ اہل محشر انبیاء کے پاس آکر ان سے درخواست کریں گے کہ اللہ کے ہاں یہ سفارش کریں، دعا کریں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ حساب کتاب کا فیصلہ کردے اور ہمیں میدان حشر کے وقوف کی اس تکلیف سے نجات دے۔۔ جبکہ اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ انبیاء دعا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں (زندہ حالت میں) لہٰذا یہ میدان حشر والا استغاثہ زندہ مخلوق سے ہوگا اور اس کام میں ہوگا جو اس کی قدرت واستطاعت میں ہے۔

2 دوسری قسم کا استغاثہ (فریاد اور مدد) وہ ہے جو زندہ یا مردہ مخلوق سے ان امور میں کیا جائے جنکی ان میں قدرت و استطاعت نہیں ہے ان امور کی طاقت وقدر صرف اللہ کے پاس ہے۔

اس قسم کے استغاثہ کے بارے میں اہل تحقیق کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔

سوال: یہ جو مردوں یا غائب لوگوں کو پکارنے والے ہیں یہ بھی تو ان سے یہی استدعا کرتے ہیں کہ ہمارے لیے اللہ کے ہاں سفارش کردیں، اللہ سے ہمارے لیے دعا کریں کہ وہ ہماری حاجات پوری کردے۔ جن کو پکارا جارہا ہے وہ اس بات پر تو قادر ہی ہیں (کہ دعا کریں سفارش کریں) لہٰذا یہ استغاثہ بھی قسم اول میں سے ہی ہے۔

جواب: اس بات میں چند وجوہ کی بناپر کمی ہے۔

1 اس میں زندہ کی شرط اور قید سے بے توجہی برتی گئی ہے اور زندہ سے مراد بھی دیناوی زندگی ہے برزخی نہیں ہے۔

2 ان پکارنے والوں کے ظاہری الفاظ مثلاً یارسول اللہ میرے مریض کو شفادے یا میری فلاں تکلیف دور کردے یا مجھے بیٹا عطا فرمادے یا رزق میں وسعت دے وغیرہ تو یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ لوگ شفاعت طلب نہیں کررہے بلکہ مریض کی شفا اور تکالیف سے نجات، اولاد اور رزق طلب کررہے ہیں جبکہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ (جن کو پکارا جارہا ہے) ان امور کی قدرت نہیں رکھتے۔

3 مردوں اور غائب لوگوں کو پکارنے والے مختلف مقامات اور علاقوں سے انہیں پکارتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ ہر جگہ سے اور ہر وقت ہماری پکار سنتے ہیں اور ہماری تکلیف سے باخبر ہیں اور اس طرح کا عقیدہ ان کے لیے علم غیب ثابت کرنا ہے جو کہ صرف اللہ کے لیے مختص صفت ہے اور اللہ کی صفات میں کسی کو شریک کرنا شرک کہلاتا ہے۔

شیخ دحلان: رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ جو شخص مدد کا طلبگار ہو تو وہ کہے۔ "یاعباد اللہ اعینونی"۔ (اے اللہ کے بندو میری مدد کرو) ایک روایت میں ہے۔ اغیثونی۔ (میری فریاد سن لو)

شیخ بشیر: اس پر ہم دو جہتوں سے بات کرتے ہیں۔

1 حدیث ضعیف ہے اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا عنقریب ہم اس کے ضعف کی تفصیل بیان کردیں گے۔

2 اگر بالفرض اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس مراد پہلی قسم کی مدد مراد ہوگی اور ان لوگون سے طلب کی جائے گی جو زندہ ہوں گے مردہ نہیں یہ ملائکہ کی جنس سے ہوں گے جو (اسطرح) کی مدد پر قادر ہیں۔

شیخ دحلان: قارون کے واقعہ میں مذکور ہے کہ جب اللہ نے اس کو زمین میں دھنسایا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام ...... کے آگے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فریاد کی مگر موسیٰ علیہ السلام.. نے اس کی فریاد قبول نہ کی بلکہ مسلسل یہ کہتے رہے کہ اے زمین اس کو پکڑ لے۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام.. کی سرزنش کی تھی کہ انہوں نے قارون کی فریاد کیوں نہ سنی یا قبول نہ کی؟ اللہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام...... اس نے تم سے فریاد کی تم نے قبول نہ کی اگر یہ مجھ سے فریاد کرتا تو میں قبول کر لیتا۔ اسمیں اللہ کی طرف استغاثہ کی نسبت حقیقی اور موسیٰ علیہ السلام.. کی طرف مجازی ہے۔

شیخ بشیر: اس قصے کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں قارون موسیٰ علیہ السلام.. کے چچا کا بیٹا تھا علم حاصل کرتا رہا یہاں تک کہ عالم بن گیا اور پھر اس نے موسیٰ علیہ السلام.. کے خلاف حسد کی بنیاد پر بغاوت کر دی۔ موسیٰ علیہ السلام.. نے اس کو کہا کہ اللہ نے مجھے زکاۃ لینے کا حکم دیا ہے۔ اس نے انکار کیا اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام.. تم لوگوں کا مال کھانا چاہتا ہے یہ تمھارے پاس نماز اور دیگر امور لیکر آیا تم لوگوں نے انہیں اپنا لیا اب یہ چاہتا ہے کہ تم اس کو اپنا مال بھی دینا شروع کردو کیا تم لوگ ایسا کرو گے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ ان لوگوں نے قارون سے پوچھا کہ تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ میں بنی اسرائیل میں سے کسی بدکردار اور زانیہ عورت کو موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجتا ہوں وہ اس پر الزام لگادے گی کہ موسیٰ علیہ السلام.. (نعوذ باللہ) میرے ساتھ بدکاری کرنا چاہتا تھا۔ ان لوگوں نے ایک ایسی عورت کو تیار کر لیا کہ جو موسیٰ علیہ السلام.. پر یہ بہتان لگائے کہ اس نے اس عورت کے ساتھ بدکاری کی ہے۔ قارون نے موسیٰ علیہ السلام.. کے پاس آکر کہا کہ میں بنی اسرائیل کو جمع کرتا ہوں اور تم ان کو اللہ کے احکام اور دین کی تبلیغ کر لو۔

موسیٰ علیہ السلام.. نے کہا صحیح ہے۔ قارون نے لوگوں کو جمع کیا۔ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تیرے رب نے کیا حکم دیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام.. نے کہا۔ مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو صلہ رحمی کرو اور اگر کوئی شادی شدہ شخص زنا کرے تو اسے رجم کرو۔ لوگوں نے کہا اگرچہ وہ شخص تم ہی کیوں نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام.. نے کہا کہ ہاں اگر میں بھی ہوں (تب بھی ایسا کرنے کی سزاء ملے گی)۔ لوگوں نے کہا تم نے تو زنا کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں نے؟ لوگوں نے اس عورت کو بلا لیا اور اس سے پوچھا تم موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہہ رہی ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم سچ کہو گی۔ اس عورت نے کہا جب مجھے اللہ کی قسم دے رہے ہو تو بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہی مجھے الزام لگانے کا کہا تھا اور اس کے عوض مجھے اتنے اتنے پیسے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ بے گناہ ہیں اور اللہ کے رسول اللہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام روتے ہوئے سجدے میں گر گئے اور اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ اگر میں تیرا رسول اللہ ہوں تو میرے لیے تو غصہ کر اللہ نے پوچھا تجھے کس بات نے رلایا ہے؟ میں تجھے زمین کا اختیار دیتا ہوں اس کو جو حکم کرو گے وہ کرے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے سر اٹھایا اور (زمین سے مخاطب ہو کر) کہا کہ ان سب کو پکڑ زمین نے ان سب کو ٹخنوں تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پکڑ لیا۔ وہ سب کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام۔ ہمیں بچالے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ زمین انہیں پکڑ لے۔ زمین نے ان کو گھٹنوں تک پکڑ لیا۔ انہوں نے پھر موسیٰ علیہ السلام سے کہا مگر موسیٰ علیہ السلام نے کہا انہیں پکڑ۔ زمین نے ان کو گردنوں تک پکڑ لیا اور انہیں نگل لیا۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام میرے بندے تجھ سے سوال کرتے رہے گڑگڑاتے رہے مگر تو نے ان کی بات قبول نہ کی مجھے میری عزت کی قسم اگر یہ مجھے پکارتے تو میں ضرور ان کی پکار قبول کرتا (تفسیر فتح البیان)

اس قصہ میں لفظ استغاثہ اور اغاثہ کہیں نہیں ہے بلکہ لفظ اجابتہ ہے۔ البتہ دونوں کا مقصد ایک ہی بنتا ہے۔ لہٰذا اسمیں اختلاف نہیں البتہ ہمیں جس بات میں اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہ حدیث مؤلف کی بات پر دلالت کرتی ہے یا نہیں؟ ہمارے خیال میں تو اس حدیث میں ان کی بات کی کوئی دلیل نہیں بنتی۔ اگر اغاثہ اور اجابہ کا ایک معنیٰ تسلیم کر لیا جائے تو اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اغاثہ اللہ اور موسیٰ علیہ السلام دونوں سے ہے اور اللہ کے لیے اس کی نسبت حقیقی اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے مجازی ہے یہ غلط ہے اغاثہ کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف حقیقی کیوں نہیں ہے۔ بلکہ یہی صحیح اور متعین ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے ہی فریاد کی تھی اور اس لیے تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو توجہ دلائی کہ تم نے ان لوگوں کی فریاد کیوں نہ قبول کی اور یہ اس کام میں فریاد کی گئی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے اختیار میں تھا اس لیے کہ اللہ نے زمین کا اختیار اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو دے دیا تھا اور اگر موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کی فریاد سننے کی استطاعت نہ رکھتے ہوتے تو اللہ کبھی ان کی سرزنش نہ کرتا کہ تم نے فریاد کیوں قبول نہ کی؟ اس لیے کہ۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ (طاقت سے زیادہ بوجھ اللہ کسی نفس پر نہیں ڈالتا)۔ مخلوق میں جن امور کی استطاعت ہو ان کی نسبت اس کی طرف کرنا حقیقی نسبت ہوتی ہے اور یہ قدرت و استطاعت باعتبار عمل اور کسب کے ہوتی ہے باعتبار خلق و ایجاد کے نہیں ہوتی جیسا کہ نماز، روزہ، حج، زکاۃ وغیرہ اعمال حسنہ اور چوری، زنا، جھوٹ، خیانت وغیرہ اعمال سیئہ اور اسی طرح کھانے، پینے بیوی سے جماع کرنے جیسے مباح امور کی نسبت انسان کی طرف کی جاتی ہے۔ اور یہ حقیقی نسبت ہوتی ہے؟ اور یہ قدرت باعتبار فعل اور کسب کے ہوتی ہے نہ کہ باعتبار خلق و ایجاد کے اس لیے کہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ ہے۔ جہاں تک مؤلف کی اس بات کا تعلق ہے کہ اس نے اللہ کی طرف نسبت کو حقیقی نسبت کہا ہے تو یہ بات کسی بھی لحاظ سے صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اغاثہ سے کونسا اغاثہ مراد ہوگا اگر اس سے مراد وہ اغاثہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا کسب ہے تو اللہ کا اس کا خالق ہونا تسلیم ہے لیکن اللہ کی طرف اس کی طرف نسبت کا حقیقی ہونا اس بات کا تقاضا کرے گا کہ بندوں کے تمام افعال کی نسبت اللہ کی طرف ہو۔ جبکہ یہ بات تو مکمل طور پر باطل ہے (کہ انسانی افعال کی نسبت اللہ کی طرف ہو)۔ اور اگر اغاثہ سے مراد وہ اغاثہ ہو جو اللہ کی صفات میں سے ہے تو اس کی نسبت اللہ کی طرف حقیقی ہے اور اس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن یہ مؤلف کتاب (شیخ دحلان) کے عقیدے پر پورا نہیں اترتا اس لیے کہ اس کے اعتقاد کے مطابق اسناد حقیقی باعتبار خلق اور ایجاد کے ہے اور اللہ اپنی صفات کا خالق اور موجد نہیں ہے۔ ورنہ یہ لازم آئے گا کہ اللہ کی صفات مخلوق اور محدث ہیں جبکہ اللہ ایسی بات سے بہت بلند ہے۔ لہٰذا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ لینے کا مطلب کبھی آپ ﷺ سے طلب دعا بھی ہوتا ہے اس لیے کہ آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور سوال کرنے والوں کے سوال کو جانتے ہیں۔

شیخ بشیر: یہ بات ہم تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن وہ برزخی زندگی ہے اور تمام احکام میں برزخی زندگی کا دنیاوی زندگی کے برابر اور مثل ہونا تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ پھر اس کی بنا پر ان سے سوال کرنا جائز قرار پائے اور آپ ﷺ سوال کرنے والے کے سوال کو جانتے ہوں اور آپ ﷺ سے دعا کروانا جائز ہو۔

شیخ دحلان: بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

شیخ بشیر: اس پر مکمل گفتگو بھی ہو چکی ہے۔

شیخ دحلان: اس سے معلوم ہوا کہ حاجات میں آپ ﷺ سے دعا کروائی جاسکتی ہے جیسے آپ ﷺ کی زندگی میں کروائی جاتی تھی۔

شیخ بشیر: یہ غلط دلیل پر غلط بنیاد رکھی جارہی ہے اس لیے اس کہ کوئی اہمیت نہیں ہے۔

شیخ دحلان: ہر اچھے کام کے لیے آپ ﷺ کا وسیلہ لیا جاسکتا ہے آپ ﷺ کے دنیا میں ظہور سے قبل، ظہور کے بعد اور وفات کے بعد بھی اور قیامت میں بھی وہ اللہ سے شفاعت کریں۔

شیخ بشیر: اس توسیع اور تعمیم پر کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے جو دلائل مؤلف نے ذکر کیے ہیں ان کی کمزوری ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

شیخ دحلان: جب تک توسل کے مانعین نہیں تھے اس سے پہلے یہ توسل متواتر احادیث اور اجماع سے ثابت تھا۔

شیخ بشیر: تواتر اور اجماع کا دعویٰ دلیل کا محتاج ہے دلیل کے بغیر اس دعویٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

شیخ دحلان: مانعین توسل جو کہ اس کی برکات سے محروم ہیں ان کا یہ دعویٰ کہ منع توسل اور زیارتی توحید کے تحفظ کے لیے ہے اور توسل شرک کا ذریعہ ہے تو ان لوگوں کا یہ خیال فاسد اور باطل ہے۔

شیخ بشیر: جو تفصیلات پہلے گذر چکی ہیں ان سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ توسل اور زیارت کی بعض صورتیں شرک ہیں مثلاً۔ غیر اللہ کو پکارنا اس کے لیے ذبیحہ، اس کے لیے نذرونیاز، قبر کا طواف وغیرہ یہ عبادات کی اقسام ہیں لہٰذا اس طرح کے توسل اور (مزارات کی) زیارت سے منع کرنا توحید کا تحفظ ہے۔

شیخ دحلان: گویا مانعین توسل کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہ تعظیم جائز نہیں ہے اور جو شخص بھی آپ ﷺ کی تعظیم کرتا ہے یہ لوگ اس پر کفر اور شرک کا حکم لگاتے ہیں۔

شیخ بشیر: یہ مکمل ایجاب اور مکمل سلب جس پر اس فاسد اور باطل کلام کی بنیاد رکھی گئی ہے یہ صریح بہتان ہیں مانعین توسل کبھی بھی تعظیم سے منع نہیں کرتے اور نہ ہی تعظیم کرنے والے پر کفر و شرک کا حکم لگاتے ہیں البتہ اس تعظیم سے منع کرتے ہیں جو غیر اللہ کی عبادت پر مشتمل ہو یا بدعت کے ذریعے ایجاد کردہ ہو جس پر کتاب وسنت سے دلیل نہ ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مانعین توسل اس شخص پر کفر و شرک کا حکم لگاتے ہیں جو کفر و شرک پر مشتمل تعظیم کرتا ہے۔ اور جو تعظیم کتاب و سنت سے ثابت ہے وہ عین ایمان ہے۔

شیخ دحلان: ہم پر یہ واجب ہے کہ ہم آپ ﷺ کو ان صفات سے متصف نہ کریں جو رب کی صفات ہیں۔

شیخ بشیر: ہم پر یہ بھی واجب ہے کہ ہم غیر اللہ کی کسی قسم کی عبادت نہ کریں مثلاً دعا، نذر، ذبیحہ، طواف وغیرہ اور جن کاموں سے اللہ و رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے ان سے رک جائیں اور دین میں کسی قسم کی بدعت ایجاد نہ کریں۔

شیخ دحلان: اللہ بوصیری پر رحم فرمائے جس نے کہا ہے کہ ان باتوں سے اجتناب کرو جو نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں کہی تھیں اور جتنی مدح چاہو کرتے رہو۔

شیخ بشیر: یہ بدترین قول ہے اس لیے کہ یہ اس بات کا جواز فراہم کرتا ہے کہ الوہیت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی جو چاہو مدح بیان کرو چاہے وہ کفر، شرک، جھوٹ، بدعت اور حرام و ممنوع ہی کیوں نہ ہو۔ میرے خیال میں تو کوئی بھی عالم اس بات کی تائید نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ یہ کتاب و سنت کے نصوص کے خلاف ہے۔

شیخ دحلان: آپ ﷺ کے لیے ربوبیت کی صفات بیان نہ کی جائیں تو دیگر کسی تعظیم میں کوئی شرک و کفر نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی تعظیم تو بہت بڑی اطاعت اور قربت کا ذریعہ ہے۔

شیخ بشیر: یہ تو بہت ہی غلط بات کہی گئی ہے اس لیے کہ غیر اللہ کو پکارنا، اس کے لیے ذبیحہ کرنا، نذر، طواف سجدہ، رکوع وغیرہ عبادت کی اقسام بجالانا کفر اور شرک ہے اور یہ صفات ربوبیت کے علاوہ تعظیم بھی ہے اب اس کو بہت بڑی عبادت اور اطاعت قرار دینے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے (جو کہ مؤلف کے پاس نہیں ہے)۔

شیخ دحلان: آپ ﷺ کی تعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کی رات کو خوشی (جشن میلاد) منائی جائے۔ ولادت کا تذکرہ کیا جائے اور اس موقع پر کھڑے ہوں۔ اور کھانا کھلایا جائے وغیرہ اس طرح کے دیگر نیک کام جو لوگوں میں رائج ہیں۔ یہ سب آپ ﷺ کی تعظیم ہے۔

شیخ بشیر: یہ بیکار دعویٰ ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لیے کہ یہ مذکورہ اشیاء کسی بھی لحاظ سے تعظیم کے زمرے میں شامل نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے کہ تعظیم اطاعت میں ہوتی ہے۔ اور یہ امور معصیت کے ہیں اس لیے کہ یہ اسلام میں ایجاد کردہ نئے کام ہیں اور بدعت کہلاتے ہیں۔ بدعت سے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے۔ لہٰذا یہ امور تعظیم نہیں کہلاتے بلکہ آپ ﷺ کی تحقیر اور توہین کہلا سکتے ہیں اللہ ہمیں ایسے کاموں سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ اگر تاویل اور اجتہادی خطاء کا احتمال نہ ہوتا تو ایسے کام کرنے والوں پر کفر کا حکم لگا دیا جاتا اس لیے کہ آپ ﷺ کی تحقیر و توہین واضح اور صریح کفر ہے۔

شیخ دحلان: رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا مسئلہ علیحدہ تصنیف کا متقاضی مسئلہ ہے چونکہ بہت سے علماء نے اس پر مدلل کتب لکھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں اس لیے میں اس پر مزید لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

شیخ بشیر: بہت سے محققین نے بہت عمدہ اور بہترین کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ عمل بدعت ہے اور جن غلط فہمیوں کو مؤلف نے دلائل کہا ہے ان کتب میں ان کا بھرپور رد کیا گیا ہے۔ تحقیق کے خواہشمند ان کتب سے رجوع کر سکتے ہیں (جن فقہاء اور مصنفین پر شیخ دحلان کو اعتماد ہے ان میں سے ایک عالم شیخ احمد بن حجر الهیثمی ہیں جن کے بیان کردہ مسئلہ زیارت اور دیگر بدعات پر اقوال کو شیخ دحلان اہمیت دیتے ہیں اس ابن حجر نے بھی فتوی دیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت کے تذکرے کے موقع پر کھڑا ہونا بدعت ہے شرعاً مکروہ ہے۔ ہماری بھی ایک کتاب ہے۔ ذکر المولد النبوی الشریف۔ اس کے مقدمہ میں ہم نے علماء کے اقوال ذکر کیے ہیں جنھوں نے محفل میلاد کو بدعت کہا ہے اور اس کتاب میں ہم نے صحیح اور حق مسئلہ واضح کر دیا ہے۔ محمد رشید رضا)

شیخ دحلان: اللہ نے جن چیزوں کی تعظیم کا حکم دیا ہے ان میں کعبہ معظمہ، حجر اسود، اور مقام ابراہیم علیہ السلام شامل ہیں۔ حالانکہ یہ سب پتھر ہیں مگر اللہ نے ان کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور اللہ نے بیت اللہ کی تعظیم کے لیے اس کے طواف اور رکن یمانی کو چھونے کا حجر اسود کو بوسہ دینے اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

شیخ بشیر: یہ جتنے بھی تعظیم ہیں ان میں سے کچھ قرآن اور کچھ سنت سے ثابت ہیں اس کے برعکس وہ تعظیم جو شرک یا ممنوعہ امور پر مشتمل ہوں یا بدعت ہوں جن سے کہ مانعین منع کرتے ہیں ان کو اس تعظیم (جو قرآن و سنت سے ثابت ہے) پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اگر ان پتھروں کی تعظیم ثابت نہ ہوتی تو ہم کبھی نہ کرتے۔ اس پر عابس بن ربیعہ کی روایت بھی دلالت کرتی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے اور فرما رہے تھے میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ فائدہ دے سکتا ہے نہ نقصان اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی بھی تجھے بوسہ نہ دیتا (متفق علیہ) یہی وجہ ہے کہ رکن یمانی کو صرف (ہاتھ سے) چھوا جاتا ہے بوسہ نہیں دیا جاتا اس لیے کہ حجر اسود کا بوسہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور رکن یمانی کا ثابت نہیں ہے لہٰذا دونوں میں فرق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی جو تعظیم ثابت ہے وہ تو عین ایمان ہے اس سے کوئی بھی مسلمان منع نہیں کرتا قرآن میں بھی اللہ نے فرمایا ہے کہ۔

﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَـٰكَ شَـٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۚ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝﴾ (الفتح:۸-۹)

"ہم نے آپ ﷺ کو گواہ اور خوشخبری دینے والا۔ خبردار کرنے والا بھیجا ہے۔ تاکہ تم لوگ ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول اللہ پر اور اس کی عزت کرو اس کی توقیر (تعظیم) کرو۔"

اگر آیت میں ضمیر رسول ﷺ کی طرف منسوب ہو تو۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں آپ ﷺ کی تعظیم کی تفصیلات مذکور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ (النور:٦٣)

”رسول اللہ ﷺ کی پکار کو ایک دوسرے کی پکار کی طرح مت بناؤ۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝﴾ (الحجرات:١-٢)

”ایمان والو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے آگے مت بڑھو اللہ سے ڈر جاؤ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ایمان والو اپنی آواز یں نبی ﷺ کی آواز پر بلند مت کرو اور ان کے سامنے اونچی آواز سے بات مت کرو جیسا آپس میں کرتے ہو ورنہ تمھارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمھیں شعور بھی نہیں ہو گا۔“

فرماتا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝﴾ (الحجرات:٣)

”جو لوگ اپنی آوازیں رسول اللہ ﷺ کے پاس پست رکھتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقوی کے لیے آزمالیا ہے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔“

فرماتا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝﴾ (الحجرات:٤)

”جو لوگ آپ کو کمروں کے باہر سے آوازیں دیتے ہیں ان کی اکثریت عقل نہیں رکھتی۔“

ایک جگہ فرماتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝﴾ (الاحزاب:٥٦)

”اللہ اور اس کے ملائکہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں ایمان والو تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجو اور تسلیم کرو جیسا کہ تسلیم کرنے کا حق ہے۔“

فرماتا ہے۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ۝﴾ (الاحزاب:٣٦)

”کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے لائق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی کام کا حکم کریں تو ان کو پھر اپنے معاملے کا کوئی اختیار ہو۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے وہ واضح گمراہی میں ہے۔“

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ فرماتا ہے۔

﴿ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتَ النَّبِىِّ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡذَنَ لَـكُمۡ اِلٰى طَعَامٍ غَيۡرَ نٰظِرِيۡنَ اِنٰٮهُ ۙ وَلٰـكِنۡ اِذَا دُعِيۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا وَلَا مُسۡتَاۡنِسِيۡنَ لِحَـدِيۡثٍ‌ ؕ اِنَّ ذٰ لِكُمۡ كَانَ يُؤۡذِى النَّبِىَّ فَيَسۡتَحۡىٖ مِنۡكُمۡ‌ وَاللّٰهُ لَا يَسۡتَحۡىٖ مِنَ الۡحَـقِّ‌ ؕ وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔـلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ اَطۡهَرُ لِقُلُوۡبِكُمۡ وَقُلُوۡبِهِنَّ‌ ؕ وَمَا كَانَ لَـكُمۡ اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنۡ تَـنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا ‌ؕ اِنَّ ذٰ لِكُمۡ كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمًا ۞ ﴾ (الاحزاب:۵۳)

"ایمان والو نبی ﷺ کے گھروں میں داخل مت ہو جب تک تمھیں اجازت نہ دی جائے کھانے کی اور مت دیکھو برتنوں کو مگر جب تمھیں بلایا جائے تو پھر داخل ہو جاؤ جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ (کھانے سے فارغ ہو کر وہاں) باتیں نہ شروع کر دینا بے شک یہ (کھانے سے فراغت کے باوجود بہ جانا بیٹھا رہنا) نبی ﷺ کو تکلیف دیتا ہے وہ تم سے حیا کرتے ہیں (اس لیے جانے کو نہیں کہتے) مگر اللہ حق بیان کرنے سے حیاء نہیں کرتا جب تم (آپ ﷺ کی ازواج) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو یہ تمھارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے ہے تمھارے لیے لائق نہیں ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دو اور یہ بھی (لائق نہیں) کہ تم آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرو آپ ﷺ کے بعد کبھی کبھی۔ یہ بات اللہ کے ہاں بہت بڑی ہے۔"

مزید فرماتا ہے۔

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ۝ ﴾ (النساء:۶۵)

"تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ ﷺ کو اپنے اختلافی معاملات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنا لیں اور پھر آپ ﷺ کے کیے ہوئے فیصلے سے اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور مکمل طور پر تسلیم کر لیں۔"

فرماتا ہے۔

﴿ وَمَاۤ اٰتٰٮكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰٮكُمۡ عَنۡهُ فَانْتَهُوۡا ﴾ (الحشر:۷)

"رسول اللہ ﷺ جو (حکم) تمھیں دیں اسے اپنا لو اور جس سے منع کر دیں اس سے رک جاؤ۔"

فرماتا ہے۔

﴿ لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الاحزاب:۲۱)

"تمھارے لیے اللہ کے رسول ہی بہترین نمونہ ہیں۔"

فرمان ہے۔

﴿ يٰۤـاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ‌ ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡـتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَـوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ ؕ ذٰ لِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ۝ ﴾ (النساء:۵۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور صاحبان اختیار کی بھی اگر کسی چیز میں (باہم) اختلاف کر بیٹھو تو اسے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹا دو یہ بہت بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے اچھا ہے۔"

فرماتا ہے۔

﴿یاایھاالذین آمنوا استجیبوالله۔۔۔۔۔﴾

"ایمان والو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی بات مان لو جب وہ تمھیں بلائیں اس (دین) کی طرف جو تمھیں زندگی دے۔"

فرماتا ہے۔

﴿عَسٰٓى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝﴾ (الاسراء:۷۹)

"قریب ہے کہ تیرا رب تجھے قابل تعریف مقام پر پہنچا دے۔"

فرماتا ہے۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرہ:۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تمھیں امت وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر اور رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہوں۔"

فرماتا ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔"

فرماتا ہے۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب:۴۰)

"محمد ﷺ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں البتہ اللہ کے رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں۔"

فرماتا ہے۔

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ (الاسراء:۱)

"پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو رات کے ایک حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد ہم نے برکت دی ہے تاکہ دکھائیں ان کو اپنی نشانیاں۔"

فرمان ہے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ (السبا:۲۸)

"اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لیے بھیجا ہے۔"

فرماتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ○ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ○ ﴾ (النجم:۸-۱۸)

"پھر قریب ہوا پس رہنمائی حاصل کی پھر قریب ہوا دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی زیادہ۔ اس نے اپنے بندے کو وحی کی جو کرنی تھی دل نے اس بات کو نہیں جھٹلایا جو آنکھ نے دیکھا اور تحقیق اس نے دیکھا دوسری مرتبہ سدرۃ المنتھی کے پاس اس کے پاس جنتہ الماویٰ ہے۔ جب ڈھانپ لیا سدرہ کو جس نے ڈھانپا۔ نہ آنکھ چوکی اور نہ وہ بھٹکے اس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

فرمان ہے۔

﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ﴾ (الفتح:۱-۲)

"ہم نے آپکو فتح مبین عطا کی تاکہ بخش دے اللہ جو کوتاہیاں پہلے ہوئی ہیں یا بعد میں۔"

فرماتا ہے۔

﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○ ﴾ (الضحیٰ:۵)

"عنقریب تجھے دیگا تیرا رب تو راضی ہو جائے گا۔"

فرماتا ہے۔

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ ﴾ (الانشراح:۴)

"ہم نے آپ ﷺ کا تذکرہ بلند کر دیا ہے۔"

ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں۔ ان آیات سے جو کچھ ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم مندرجہ ذیل امور ہیں

1. آپ ﷺ کی پکار اور بلاوے کو ایک دوسرے کی پکار کی طرح نہ سمجھنا۔
2. اللہ و رسول اللہ ﷺ سے آگے نہ بڑھنا۔
3. آپ ﷺ کی آواز پر اپنی آواز اونچی نہ کرنا۔
4. آپ ﷺ کے سامنے اونچی آواز میں بات نہ کرنا جیسے آپس میں کرتے ہیں۔
5. رسول اللہ ﷺ کے پاس آوازیں پست رکھنا۔
6. کمروں کے باہر سے آوازیں نہ دینا۔
7. صلاۃ و سلام بھیجنا۔
8. اللہ و رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بعد مومن مرد و عورت کا اختیار نہ ہونا۔
9. آپ ﷺ کی ازواج سے کوئی چیز مانگنا تو پردے کے پیچھے سے مانگنا۔
10. آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج سے کبھی بھی نکاح نہ کرنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

11 آپس کے اختلافات میں آپ ﷺ سے فیصلے کروانا۔
12 آپ ﷺ کے کیے ہوئے فیصلہ سے دل میں تنگی نہ لانا۔
13 رسول اللہ ﷺ جو (حکم) دیں اسے لینا جس سے منع کریں اس سے رک جانا۔
14 آپ ﷺ کی سنتوں کی پیروی کرنا۔
15 رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنا۔
16 اختلافی معاملات کے فیصلے آپ ﷺ کی طرف لیجانا۔
17 آپ ﷺ کی پکار کا جواب دینا اگرچہ نماز میں ہوں۔ جیسا کہ ابو سعید بن المعلی کی روایت صحیح بخاری میں مذکور ہے۔
18 یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کو مقام محمود پر پہنچائیگا جو جنت میں اعلی مقام ہے۔ (صحیح بات یہ ہے کہ مقام محمود شفاعت عظمیٰ ہے جس پر سب لوگ آپ ﷺ کی تعریف کریں گے قیامت کے دن)۔
19 یہ اعتقاد رکھنا کہ امت محمد ﷺ لوگوں پر اور آپ ﷺ امت پر گواہ ہیں۔
20 یہ اعتقاد رکھنا کہ امت محمد ﷺ بہترین امت ہے۔
21 یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو رات کے ایک حصے میں بیت المقدس لے گیا تھا۔
22 یہ اعتقاد رکھنا کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کے لیے رسول اللہ ہیں۔
23 یہ اعتقاد رکھنا کہ آپ ﷺ نے معراج کی رات اللہ کو (بعض لوگوں کی رائے کے مطابق) دیکھا اور جبریل کو اس اصلی صورت میں دیکھا۔ (صحیح حدیث میں عائشہ سے روایت ہے کہ جو یہ عقیدہ رکھے کہ آپ ﷺ نے اللہ کو دیکھا اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا)۔
24 یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ نے آپ ﷺ کی تمام لغزیش معاف کردی تھیں۔

تعظیم سے متعلق احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

1 انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے باپ، بیٹے اور تمام لوگوں سے بڑھکر مجھ سے محبت نہ کرے۔ (متفق علیہ)

2 عبداللہ بن ھشام سے روایت ہے۔ کہتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، اللہ کی قسم، جب تک کہ میں تمھیں تمھاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں آپ ﷺ نے فرمایا عمر اب۔ (بخاری)

3 ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری پوری امت جنت میں داخل ہو جائے گی سوائے اس شخص

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے جو (جنت میں جانے سے) انکار کر دے۔ کسی نے پوچھا کہ انکار کون کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو میری اطاعت کرے گا جنت میں جائے گا جو میری نافرمانی کرے گا وہ (جنت میں جانے سے) انکار کرتا ہے۔ (بخاری)

4 عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے مطابق نہ ہو جائیں (شرح السنہ)

5 جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس عمر رضی اللہ عنہ نے آکر کہا کہ ہم یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں، آپ ﷺ کی کیا رائے ہی کہ ہم ان میں سے کچھ باتیں لکھ لیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم بھی اسی طرح شکوک میں مبتلا ہو رہے ہو یا بے وقوف اور حیران بننا چاہتے ہو جیسے یہود و نصاری ہو گئے تھے؟ میں تمھارے پاس واضح شریعت لیکر آیا ہوں۔ اگر موسیٰ علیہ السلام... بھی زندہ ہو جائیں تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہو گا (احمد، بیہقی)

6 عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ مہاجرین وانصار کے ایک گروہ میں تھے کہ ایک اونٹ آیا اور آپ ﷺ کے سامنے اس نے سجدہ کیا۔ صحابہ کرام نے کہا اللہ کے رسول اللہ ﷺ جانور اور درخت آپ ﷺ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں ہم زیادہ حقدار ہیں کہ آپ ﷺ کے آگے سجدہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی (محمد ﷺ) کی عزت و تکریم کرو۔ اگر میں کسی کو کسی کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیویوں کو حکم کرتا کہ اپنے شوہروں کے آگے سجدہ کریں۔ (احمد)

اس حدیث کی تشریح میں علماء نے کہا ہے کہ "اکرموا اخاکم" کا معنی ہے رسول اللہ ﷺ کی ایسی تعظیم کرو جو آپ ﷺ کی محبت کے لائق ہو اور ظاہری و باطنی اطاعت پر مشتمل ہو۔

7 قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں حیرہ گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے سردار کے آگے سجدہ کرتے ہیں میں نے سوچا کہ رسول اللہ ﷺ تو زیادہ مستحق ہیں کہ ان آگے سجدہ کیا جائے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہا کہ میں حیرہ گیا تھا میں نے دیکھا کہ وہ لوگ اپنے سردار کے آگے سجدہ کرتے ہیں آپ ﷺ تو اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میری قبر کے پاس سے گذرو گے تو کیا اس کے آگے سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا مت کرو اگر میں نے کسی کو کسی کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دینا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کے آگے سجدہ کیا کریں کہ اللہ نے شوہروں کا ان پر حق رکھا ہے۔ (ابوداؤد)

8 عبدالرحمٰن بن ابی قراد سے روایت ہے کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء کیا تو صحابہ کرام آپ ﷺ کے وضوء کا (استعمال شدہ) پانی اپنے اوپر مل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمھیں اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی محبت نے، آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے محبت کرے یا اللہ اور اسکا رسول اللہ ﷺ اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ جب بھی بات کرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سچی کرے۔ جب اس کے پاس اُمانت رکھوائی جائے تو اسمیں خیانت نہ کرے اور پڑوسیوں سے اچھے تعلقات یا سلوک رکھے۔ (بیہقی)

9 انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ شخص صحابہ کے نزدیک کوئی نہیں تھا جب صحابہ کرام آپ ﷺ کو دیکھتے تھے تو کھڑے نہیں ہوتے اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ آپ ﷺ اس کو پسند نہیں کرتے ۔ (ترمذی، حدیث حسن)

10 معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو اس بات سے خوشی ہوتی ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوا کریں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (سمجھے) (ترمذی رحمہ اللہ، ابوداؤد)

11 ابی امامہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ چھڑی کا سہارا لیتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ ہم آپ ﷺ کے احترام میں کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح مت کھڑے ہوا کرو جس طرح عجمی لوگ (بادشاہوں کے درباروں میں) تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں (ابوداؤد)

12 سعید بن ابی الحسن سے روایت ہے کہتے ہیں ایک مجلس میں ہمارے پاس ابو بکرہ رضی اللہ عنہ آئے تو ایک آدمی ان کو جگہ دینے کے لیے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تو ابو بکرہ نے اس جگہ بیٹھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی تعظیم کرنے سے منع کیا ہے

13 ابو الدرداء سے روایت ہے کہتے ہیں جب نبی ﷺ ہمارے ساتھ کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تھے اور کہیں جانا ہوتا تو ایک جوتا یا چادر اتار کر رکھ کر چلے جاتے ہم سمجھ جاتے کہ آپ ﷺ واپس تشریف لائیں گے لہٰذا لوگ آپ ﷺ کے انتظار میں بیٹھے رہتے (ابوداؤد)

14 ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں بنی آدم کی تمام زمانوں میں سے بہتر زمانے میں مبعوث ہوا ہوں (بخاری)

15 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں قیامت میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی سب سے پہلے سفارش کروں گا اور سب سے پہلے میری سفارش قبول کی جائے گی (مسلم)

16 انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تمام انبیاء سے زیادہ میرے متبعین ہوں گے اور میں ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا (مسلم)

17 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے دیگر نبیوں پر چھ (۶) باتوں کی فضیلت حاصل ہے
(۱) مجھے جوامع الکلم دیے گئے ہیں (۲) رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے (۳) میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے۔ (۴) میرے لیے پوری زمین مسجد اور پاک بنائی گئی ہے۔ (۵) میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ (۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میرے ذریعے سے انبیاء کا اختتام ہوا ہے (مسلم)

18 عباس رضی اللہ عنہ ... سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہترین گروہ میں سے کیا۔ پھر انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین حصہ میں سے کر دیا پھر انہیں قبائل بنایا تو مجھے بہترین گھرانے میں سے کر دیا میں بہترین انسان اور بہترین گھرانے والا ہوں۔ (ترمذی)

19 ابن عباس رضی اللہ عنہ ... سے روایت ہے ایک طویل حدیث ہے جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا سنو اللہ کا حبیب ہوں مگر فخر نہیں کہتا۔ میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا جس کے نیچے آدم علیہ السلام اور دیگر تمام انسان ہوں گے، فخر نہیں کرتا۔ میں سب سے پہلے سفارش کرنے والا اور سفارش قبول کیا جانے والا ہوں گا مگر فخر یہ نہیں کہتا۔ میں ہی سب سے پہلے جنت کی کنڈی ہلاؤں گا تو اللہ جنت کا دروازہ میرے لیے کھول دے گا مجھے اسمیں داخل کر دے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین کو بھی (داخل کرے گا) فخر نہیں کرتا۔ میں اگلے پچھلے تمام انسانوں میں سے اللہ کے ہاں سب سے زیادہ قابل تکریم ہوں فخر یہ نہیں کہتا (ترمذی)

20 جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا میں تمام رسولوں کا قائد ہوں مگر اس پر فخر نہیں کرتا (دارمی)

21 انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کرامت اور (جنت کی) چابیاں اس دن (قیامت میں) میرے ہاتھ میں ہوں گی (ترمذی، دارمی)

22 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا میں (قیامت کے دن) جنت کا لباس پہنوں گا پھر میں عرش کے دائیں طرف کھڑا ہوں گا وہاں مخلوق میں سے میرے علاوہ کوئی بھی کھڑا نہیں ہو گا۔ (ترمذی)

23 ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا تو میں انبیاء کا امام اور خطیب ہوں گا اور میں ہی ان میں صاحب شفاعت ہوں گا مگر فخر نہیں کرتا۔ (ترمذی)

24 عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اتنا مت بڑھاؤ (میرے مقام سے) جتنا نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بڑھایا تھا میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول اللہ کہا کرو۔ (متفق علیہ)

25 مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں بنی عامر کے ایک وفد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا ہم نے کہا آپ ﷺ ہمارے آقا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا آقا صرف اللہ ہے۔ ہم نے کہا آپ ﷺ ہم میں سب سے زیادہ فضیلت اور عزت والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح کی بات کر سکتے ہو مگر شیطان تمھیں ورغلا نہ دے (احمد۔ ابو داؤد)

26 انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ آپ ﷺ تمام مخلوق میں سے زیادہ بہترین ہستی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (مسلم)

27 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک یہودی اور ایک مسلمان کے مابین گالم گلوچ ہو گئی تو مسلمان نے کہا کہ اس رب کی قسم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس نے محمد ﷺ کو تمام جہانوں میں برگزیدہ بنایا ہے۔ یہودی نے کہ اس اللہ کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام... کو تمام جہانوں میں برگزیدہ بنایا ہے۔ مسلمان نے اس یہودی کو اس بات پر تھپڑ مار دیا۔ وہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لیکر آیا اور پورا واقعہ سنا دیا رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کو بلا کر پوچھا تو اس نے بھی واقعہ بتادیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام ﷺ سے بہتر مت کہا کرو۔ قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا جب دیکھوں گا تو موسیٰ علیہ السلام... عرش کے ایک طرف کھڑے نظر آئیں گے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ بھی بے ہوش ہو گئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آئے ہیں یا اللہ نے ان کو بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رکھا ہے (متفق علیہ)

ان احادیث سے رسول ﷺ کی تعظیم کی چند صورتیں ہمارے سامنے آگئیں جن میں سے بنیادی تعظیم یہ ہے کہ اپنے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ آپ ﷺ سے محبت کی جائے۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی اتباع اور اطاعت کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۳۱)

"ان سے کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔"

جو شخص جتنی زیادہ اطاعت کرے گا اتنی ہی زیادہ اس کو رسول اللہ ﷺ سے محبت ہو گی اور جس کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبت ہو گی وہی آپ ﷺ کی زیادہ تعظیم کرے گا۔ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ نے تعظیم کی بعض صورتوں سے منع فرمایا ہے جیسا کہ سجدہ کرنے سے منع کیا ہے اس منع کے حکم میں تعظیم کی وہ تمام صورتیں داخل ہیں جو عبادت کی جنس سے ہیں جیسے دعا، نذر، ذبح، طواف، رکوع وغیرہ ان میں سے قیام تعظیمی اور عجمیوں (بادشاہ کے درباریوں) کی طرح کھڑے رہنا بھی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی تعریف و توصیف میں غلو کرنا اور آپ ﷺ کی شان اتنی زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرنا بھی ہے کہ جس سے نبی ﷺ نے منع کیا ہے۔ بلکہ اس معاملے میں وہیں تک محدود رہنا چاہیے جہاں تک کتاب و سنت نے بتایا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے لفظ سید کے استعمال سے منع کر دیا۔ آپ ﷺ کو تمام مخلوق سے بہتر اور موسیٰ علیہ السلام سے بہتر قرار دینے سے منع کر دیا مگر جب آپ ﷺ کو وحی کر دی گئی کہ آپ سید ولد آدم ہیں اور اولین و آخرین سب سے زیادہ قابل تکریم ہیں، قائد المرسلین اور امام النبیین ہیں، صاحب مقام محمود ہیں، حبیب اللہ ہیں حامل لواء الحمد ہیں۔ پہلے شفاعت کرنے والے اور پہلے شفاعت قبول کیے جانے والے ہیں وغیرہ تو آپ ﷺ نے اپنی امت کو اس کی خبر دی اور فرمایا کہ یہ باتیں میں فخریہ نہیں کہتا۔ اس کی تائید آپ ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ مجھے اتنا مت بڑھا کر بیان کرو جتنا نصاری نے عیسیٰ علیہ السلام کو بڑھایا تھا اور فرمایا کہ شیطان تمہیں ورغلانہ دے۔ لہٰذا مومن کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہر قسم کے کلمات کی جسارت نہ کرے بلکہ یہ بہت زیادہ احتیاط کا معاملہ ہے اس لیے کہ آپ ﷺ کی صفات کمالیہ سے آپ ﷺ کو متصف ماننا عقائد کے مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔ جب کتاب و سنت سے کوئی صفت ثابت نہ ہو تو وہ صفت رسول اللہ ﷺ کے لیے بیان نہیں کرنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چاہیے۔ لہٰذا ابو صیری کا یہ قول غلط ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی مدح میں جو کچھ چاہو کہدو اسی طرح مولف کی غلطی بھی ثابت ہوئی کہ وہ بوصیری کی تائید کرتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم اہل الحدیث رسول اللہ ﷺ کی مکمل تعظیم کرتے ہیں مگر وہ تعظیم جو کتاب وسنت سے ثابت ہے چاہے یہ تعظیم فعلی ہو، قولی ہو یا اعتقادی اور اس طرح کی تعظیم کی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں بہت سی صورتیں موجود ہیں ہم نے ان میں سے چند ذکر کی ہیں اگر سب کو ذکر کرنے کہ کوشش کی جائے تو ایک مفصل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ البتہ ہم اس قسم کی تعظیمات سے اجتناب کرتے ہیں جن سے کفر اور شرک لازم آتا ہو اور جن سے اللہ ورسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے یا جو تعظیم بدعت کی پیداوار ہو۔

جبکہ اہل بدعت جتنی قسم کی تعظیمات کرتے ہیں ان میں سے اکثر بدعی ہوتی ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی طرف رخت سفر باندھکر جانا، آپ ﷺ کی پیدائش کی رات کو خوشیاں منانا، آپ ﷺ کی جائے ولادت کا تذکرہ، آپ ﷺ کے تذکرے کے موقع پر کھڑے ہونا۔ جب موذن اذان میں آپ ﷺ کا نام لیتا ہے تو اس موقع پر انگوٹھے چومنا۔ آپ ﷺ کی قبر کے سامنے (ساکت و جامد) کھڑے رہنا۔ آپ ﷺ سے اپنی حاجات مانگنا۔ آپ ﷺ کے لیے نذر ماننا وغیرہ۔ حالانکہ (کتاب و سنت سے ثابت شدہ تعظیمات سے تو یہ لوگ کوسوں دور ہیں (تاریخ کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ سے زیادہ محبت کرنے والے اور آپ ﷺ کی بہت زیادہ اتباع والے بہت کم غلو کرتے ہیں خاصکر صحابہ کرام ﷺ اور تابعین و تبع تابعین اور جو کمزور ایمان اور کم اتباع والے ہیں وہ قول میں سب سے زیادہ غلو کرتے ہیں اور عمل میں بہت زیادہ بدعت سے کام لیتے ہیں اس کا ثبوت دونوں فریقوں کے اشعار ہیں۔ "محمد رشید رضا")

ہم اہل بدعت کو اللہ کا واسطہ دیکر پوچھتے ہیں کہ تم انصاف کو مد نظر رکھکر بتاؤ کہ دونوں گروہوں میں سے نبی ﷺ کی زیادہ تعظیم اور اتباع کون کرتا ہے؟ کون آپ ﷺ سے زیادہ محبت کرتا ہے؟ صارم المنکی کی بات ہم ذکر کر چکے ہیں وہ ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

www.kitabosunnat.com

شیخ دحلان: جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ یہاں دو اور باتیں بھی ہیں۔

1 رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کا وجوب اور آپ ﷺ کو تمام مخلوق پر فوقیت دینا۔

2 اللہ کی توحید ربوبیت کو اپنانا کہ رب تعالیٰ ہی اپنی ذات اور افعال میں تمام مخلوق سے الگ اور اکیلا ہے۔

شیخ بشیر: صرف یہ دو باتیں نہیں بلکہ ایک تیسری بات بھی ہے جسے مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ جو چیز دین کا حصہ نہ ہو اللہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم یا اجازت نہ دی ہو اس کو دین میں شامل نہیں کرنا یعنی بدعت نہیں کرنی۔ بلکہ ایک چوتھی بات بھی اہم ہے وہ ہے اللہ کو ہر قسم کی عبادت میں اکیلا اور ایک ماننا چاہے عبادت اعتقادی ہو، لفظی ہو یا بدنی، بلکہ پانچویں بات بھی ہے وہ اللہ ورسول اللہ ﷺ کی منع کردہ باتوں سے رک جانا (اجتناب کا لفظ استعمال کرنا زیادہ بہتر تھا اس لیے کہ اللہ نے فاجتنبوا فرمایا ہے) (رشید رضا)

www.KitaboSunnat.com

چوتھی کو پانچویں میں مدغم کیا جا سکتا ہے کہ جس نے تعظیم میں بدعت سے کام لیا اور دین میں ایسا کچھ ایجاد کر لیا جو دین کا حصہ نہ تھا تو یہ شخص بدعتی اور گمراہ ہوا۔ اور جس نے عبادت کی کوئی بھی قسم غیر اللہ کیلیے کر دی مثلاً غیر اللہ کو پکارنا، فریاد کرنا، نذر، ذبح وغیرہ تو اس نے شرک کر لیا وہ سابقہ مشرکین کی طرح ہے اس لیے کہ انہوں نے بھی مخلوق میں سے کسی کو اللہ کی ذات صفات اور افعال میں شریک نہیں کیا تھا بلکہ وہ ان کی عبادت اس لیے کرتے تھے کہ وہ معبود انہیں مرتبے میں اللہ کے قریب کر دیں اور اللہ کے ہاں ان کی سفارش کر دیں اور جس نے اللہ ورسول اللہ ﷺ کے منع کردہ کام کا ارتکاب کر لیا تو اس نے فسق کر لیا اور نافرمان بن گیا۔

شیخ دحلان: جس نے تعظیم کی کسی بھی قسم میں مبالغہ کر لیا مگر آپ ﷺ کو اللہ کی صفات میں سے کسی صفت سے متصف نہیں کیا تو وہ حق کو پہنچ گیا اس لیے کہ اس نے ربوبیت اور رسالت دونوں کی حفاظت کر لی۔

شیخ بشیر: اس میں تو واضح غلطی اور خرابی ہے اس لیے کہ تعظیم کی بہت سی اقسام ایسی ہیں جو شرک ہیں مثلاً آپ ﷺ کی قبر کو سجدہ کرنا، اس کا طواف کرنا، اس کے لیے ذبح کرنا، نذر کرنا اور کچھ اقسام ایسی ہیں جو بدعت ہیں۔ کچھ ایسی ہیں جو ممنوع ہیں اگرچہ ان میں ربوبیت کی صفات میں سے کوئی صفت نہیں ہے۔ تو اس کے مرتکب کو صحیح اور حق پر کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

شیخ دحلان: جب مومنوں کے کسی قول میں کسی بات کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہو تو اسے مجاز عقلی پر محمول کرنا چاہیے کسی مومن کو کافر نہیں کہنا چاہیے مجاز عقلی کتاب وسنت میں مستعمل ہے۔

شیخ بشیر: یہ بات عمومی لحاظ سے تو غلط ہے اس لیے کہ (مومن کی ہر بات کو مجاز عقلی پر محمول نہیں کیا جا سکتا ورنہ) مومن تو یہ بھی کہتا ہے کہ ہم نے کھایا، ہم نے پیا، ہم نے اپنی بیویوں سے صحبت کی، ہم نے نماز پڑھی، ہم نے روزہ رکھا، ہم نے حج کیا، ان تمام میں غیر اللہ کی طرف نسبت کی گئی ہے حالانکہ ان میں سے کسی بات کو بھی مجاز عقلی پر محمول نہیں کیا جا سکتا چہ جائے کہ واجب قرار دیا جائے، یہاں صحیح بات یہ ہے کہ ہم نے کبھی مجاز عقلی کا انکار نہیں کیا مگر اس میں کچھ تفصیل ضروری ہے تفصیل اس طرح ہے کہ اگر کبھی کسی مومن کے قول میں غیر اللہ کی طرف ایسے کام کی نسبت کی جائے جس کی وہ قدرت رکھتا ہے تو اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا اسے مجاز عقلی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہوگا جیسا کہ مذکورہ مثالوں میں ہے۔ اور اگر مومنوں میں سے کسی کے کلام میں ایسی بات یا کام کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی جائے جس کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہے تو مثلاً اے فلاں مجھے شفا دے، یا مجھے رزق دے، یا بیٹا دے وغیرہ تو اس کو مجاز عقلی پر محمول کیا جائے گا لیکن مطلقاً نہیں بلکہ اس وقت کہ جب اس طرح کی بات کرنے والے نے کبھی ایسے الفاظ ادا نہ کیے ہوں یا اعمال کا ارتکاب نہ کیا ہو جو صریح کفر ہو یا واضح شرک ہو۔ اور اگر اس نے اس طرح کے الفاظ ادا کیے ہوں یا عمل کیا ہو تو اس کو مجاز پر محمول نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ اس طرح کے الفاظ یا عمل سے مومن ایمان سے مکمل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طور پر خارج ہو جاتا ہے وہ مومن نہیں رہتا لہٰذا اس کی بات کو مجاز پر محمول کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے جبکہ اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ انبیاء اور صالحین کی عبادت کرنے والے ایسے الفاظ ادا کرتے ہیں اور ایسے اعمال کرتے ہیں جو صریح کفر کے زمرے میں آتے ہیں جیسے سجدہ، طواف، نذر، ذبح وغیرہ۔ جب انبیاء اور صالحین کی عبادت کرنیوالا کوئی شخص (کسی نبی یا ولی کو مخاطب کر کے) کہے کہ یا فلاں میرے مریض کو شفا دے تو اس سے کیا مراد ہوگا؟ اگر مراد حقیقی نسبت ہے تو اس کے کفر اور شرک ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور اگر اس سے مراد مجازی نسبت ہے کہ مراد یہ ہو کہ یا فلاں میرے مریض کی شفا کا سبب بن جاؤ یعنی اللہ سے دعا کرو کہ میرے مریض کو شفا دے (اس طرح کے کلام کو کسی بھی طرح مجاز عقلی پر محمول نہیں کیا جاسکتا نہ عرف میں، نہ لغت میں، جبکہ دعا طلب کرنے والا اس کی صراحت بھی کر رہا ہے "محمد رشید رضا")۔ جس کو پکارا جا رہا ہے اگر وہ زندہ ہے اور موجود اور حاضر ہے تو یہ کسی بھی لحاظ سے شرک نہیں ہے لیکن اگر ان الفاظ سے اسناد حقیقی کا تاثر ملتا ہو جو کہ صریح شرک ہے تو ایسے الفاظ استعمال نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے ہمیں ایسے الفاظ کے استعمال سے منع کیا ہے اور اگر پکارا جانے والا فوت ہو چکا ہو اور دور سے پکارا جا رہا ہو تو یہ بھی شرک ہے اس لیے کہ اس میں غیر اللہ کے لیے علم غیب ثابت کیا جا رہا ہے جبکہ یہ اللہ کی مخصوص صفات میں سے ہے۔ اور اگر پکارا جانے والا فوت شدہ شخص ہو اور اسے اسکی قبر کے قریب سے پکارا جا رہا ہو تو یہ شرک تو نہیں ہے مگر بدعت ہے بہر حال مومن کو غیر اللہ کی پکار سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یہ قول افراط اور تفریط دونوں سے پاک ہے یعنی مبنی بر انصاف قول ہے۔

شیخ دحلان: مانعین وسیلہ زندہ اور مردہ میں جو فرق کرتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ زندہ بعض ایسے امور کی قدرت رکھتے ہیں جو مردہ نہیں رکھتے۔ گویا کہ ان کا عقیدہ اور مذہب باطل ہے ان کا یہ اعتقاد ان کی اس بات سے ثابت ہوتا ہے یہ کہتے ہیں اگر زندہ کو پکارا جائے اور اس سے ایسی چیز طلب کی جائے جو اس کے اختیار اور قدرت میں ہے تو اس طرح کی پکار میں کوئی حرج نہیں ہے اور مردہ جو ہے وہ کسی بھی چیز کی قدرت نہیں رکھتا۔ جبکہ اہل سنت کہتے ہیں کہ زندہ بھی اسی طرح بے بس و بے اختیار ہے جس طرح مردہ ہے قدرت و طاقت دراصل اللہ کے پاس ہے بندے کا صرف کسب ظاہری ہے۔ باعتبار زندہ کے اور کسب باطنی باعتبار تبرک کے ہے جو رسول اللہ ﷺ اور دیگر (صلحاء وغیرہ) کے اسم مبارک کے ذکر سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور ان کی شفاعت لی جاتی ہے۔

شیخ بشیر: اس قول میں بہت سی خرابیاں ہیں مثلاً۔

1 مردہ کے برعکس زندہ افراد میں بعض قوتوں کا ہونا کتاب وسنّت سے ثابت ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرہ:۲۸۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾ (البقرہ:۲۸۶)

"(اے اللہ!) ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہ ہو۔"

سورہ مائدہ میں ارشاد ہے:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ﴾ (المائدہ:۳۴)

"مگر جو لوگ توبہ کر لیں اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پالو۔"

سورہ انفال میں ارشاد ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ (الانفال:۶۰)

"ان "دشمنوں" کے مقابلے پر تیاری کرو جتنی تمھاری استطاعت ہو قوت اور گھوڑوں میں سے۔"

سورہ ہود میں ارشاد ہے:

﴿اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ (ہود:۸۸)

"میں صرف اصلاح چاہتا ہوں جتنی میری استطاعت ہے۔"

سورہ نحل میں ارشاد ہے:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (النحل:۷۵)

"اللہ مثال بیان کر رہا ہے ایک غلام بندے کی جو کسی بھی چیز کی قدرت نہیں رکھتا اور ایک وہ شخص کہ جسے ہم نے بہترین رزق دیا ہے وہ اسمیں سے اعلانیہ اور چپکے خرچ کرتا ہے کیا یہ برابر ہیں؟ اللہ ہی کی تعریف ہے مگر ان کی اکثریت نہیں جانتی۔"

اور فرمایا:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (النحل:۷۶)

"اللہ دو آدمیوں کی مثال بیان کرتا ہے جن میں سے ایک گونگا ہے کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا اپنے مالک پر بوجھ ہے جہاں اسے بھیجتا ہے کوئی خیر نہیں لاتا کیا ایسا شخص اور وہ شخص برابر ہو سکتے ہیں جو عدل کے ساتھ حکم کرتا ہے اور سیدھے راستے پر ہے؟"

اللہ کا ارشاد ہے:

﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝﴾ (فصلت:۴۰)

"جو چاہو عمل کرو اللہ تمھارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورہ مجادلہ میں ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ۖ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا﴾ (المجادلة:۴)

"جو نہ پائے تو پھر وہ مسلسل دوماہ کے روزے رکھے چھونے سے پہلے۔ جو استطاعت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔"

سورہ تغابن میں ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ﴾ (التغابن:۱۶)

"اللہ سے ڈرو جتنی استطاعت رکھتے ہو۔ سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو تمھارے لیے بہتر ہے۔"

سورہ قلم میں ہے:

﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ○ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ○﴾ (القلم:۴۲)

"جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جائیگا تو یہ استطاعت نہیں رکھیں گے۔ ان کی نظریں جھکی ہوں گی انہیں (دنیا میں) سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا اور یہ صحیح سالم ہوتے تھے (مگر پھر بھی نہ آتے تھے)۔"

سورہ مدثر میں ہے:

﴿كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ○ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ○﴾ (المدثر:۵۴-۵۵)

"ہرگز نہیں۔ بے شک یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اسے یاد کرلے۔"

سورہ دھر میں ہے:

﴿فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ○﴾ (الدھر:۲۹)

"جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ پکڑلے (اپنالے)۔"

سورہ نبا میں ہے:

﴿ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ○﴾ (النبا:۳۹)

"یہ حق دن ہے جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنائے۔"

سورہ تکویر میں ہے:

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ○ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ○﴾ (التکویر:۲۷)

"یہ تو صرف نصیحت ہے جو چاہے تم میں سے کہ سیدھی راہ پر رہے۔"

سورہ فاطر میں ہے:

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ○﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(الفاطر:۲۲)

"زندہ اور مردہ برابر نہیں ہوتے۔ اللہ سناتا ہے جسے چاہے آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔"

اب ہم وہ آیات تحریر کر رہے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی عمل کا نفع یا ضرر اس کے کرنے والے کو ملتا ہے کسی اور کو نہیں اس بارے میں بھی بہت سی آیات موجود ہیں مثلاً۔ سورہ بقرہ کی آیت ہے:

﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾ (البقرہ:۱۳۴)

"وہ امت تھی جو گزر گئی اس کے لیے وہی ہے جو اس نے کیا اور تمھارے لیے وہی ہے جو تم کرو گے تم سے نہیں پوچھا جائیگا کہ وہ کیا کرتے تھے۔"

فرماتا ہے اس کیلیے وہی ہے جو اس نے کیا اور اس پر (اس کا عذاب) ہوگا جو (عمل) اس نے کیا۔ آل عمران میں ارشاد ہے:

﴿وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝﴾ (آل عمران:۲۵)

"اور ہر نفس کو پورا پورا دیا جائے گا جو اس نے کمایا ہوگا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوءٍ﴾ (آل عمران:۳۰)

"جس دن پالے گی ہر نفس جو کچھ اس نے بھلائی کی ہوگی موجود اور جو برا عمل کیا ہوگا وہ بھی سامنے ہوگا۔"

سورہ نساء میں ہے:

﴿وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ﴾ (النساء:۱۱۱)

"جس نے گناہ کیا وہ اپنی نفس پر کمائے گا۔"

سورہ انعام میں ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ۝﴾ (الانعام:۱۰۴)

"جس نے بصیرت سے کام لیا تو وہ اس کے لیے ہے اور جو اندھا بن گیا تو "اسکا وبال "اسی پر ہوگا۔"

اس سورۃ میں آیت ہے:

﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ (الانعام:۱۶۵)

"نفس جو بھی کمائے وہ اسی پر ہوگا کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

سورہ اعراف میں ارشاد ہے:

﴿هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾ (اعراف:۱۴۷)

"ان کو صرف اسی کام کی جزاء دی جائیگی جو یہ کرتے تھے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سورہ یونس میں فرماتا ہے:

﴿فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ﴾ (یونس:۱۰۸)

"جو سیدھی راہ پر آیا تو اپنے نفس کے لیے سیدھی راہ پائی اور جس نے گمراہی اختیار کی تو اس کا وبال اس کے نفس پر ہی ہوگا۔"

سورہ حم سجدہ میں ارشاد ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝﴾ (حم سجدہ:۴۶)

"جس نے نیک عمل کیا تو اپنے لیے کیا او جس نے برا عمل کیا تو وبال اسی پر ہوگا۔ تمھارا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔"

سورہ شوریٰ میں فرماتا ہے۔

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۚ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ (الشوریٰ:۱۵)

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمھارے درمیان عدل کروں اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمھارا بھی ہمارے لیے ہمارے اور تمھارے لیے تمھارے اعمال ہیں۔"

سورہ نجم میں فرماتا ہے:

﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝﴾

(النجم:۳۸-۴۰)

"یہ کہ نہیں اٹھائے گا کوئی کسی اور کا بوجھ اور انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی اور اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔"

سورہ لیل میں ہے:

﴿اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝﴾ (اللیل:۴)

"بے شک تمھاری کوشش الگ الگ ہے۔"

یہ تمام آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ زندہ انسان بعض امور کی قدرت رکھتا ہے اسی طرح کی دلالت وہ آیات بھی کرتی ہیں جن میں امر و نہی اور ثواب و عذاب کا ذکر ہے۔

اسی طرح بہت سی احادیث بھی ہیں جب سے زندہ انسانوں کے بعض امور پر قدرت کی دلیل ملتی ہے مثلاً:

1 ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے۔ صدقہ جاریہ یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو۔ یا صالح اولاد (مسلم)

2 ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ جو چاہے اپنے (وضوء کے اعضاء) کی چمک بڑھانا تو بڑھا لے۔ (متفق علیہ)

3 جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا ہم بکری کا گوشت کھائیں تو وضوء کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر چاہو تو کر لو چاہو تو نہ کرو۔ (مسلم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

4 عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی ﷺ دائیں طرف کو (کام کے آغاز کے لیے) پسند کرتے تھے جہاں تک بھی استطاعت ہوتی اپنے تمام کاموں میں وضوء کرنے، کنگھی کرنے، چپل پہننے میں (متفق علیہ)

5 حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے (استحاضہ کی صورت میں ایسا کرو کہ) اگر تم دونوں کی قدرت رکھتی ہو تو تم زیادہ جانتی ہو۔ اور اگر ظہر کو موخر کرو اور عصر کو مقدم کرلو۔ ایسا کرو اور روزہ رکھو اگر اس کی قدرت رکھتی ہو (ترمذی)

6 ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی چیز نماز کو قطع نہیں کرتی (مگر آگے سے گذرنے والے کو) ہٹاؤ جہاں تک تمھاری استطاعت ہو اس لیے کہ وہ شیطان ہے (ابو داوٴد)

7 ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آجائے تو جتنی استطاعت ہو منہ بند کرلیا کرے۔ (مسلم)

8 عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قیام اللیل کے بارے میں) آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمھاری استطاعت ہو کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جائے جو اس وقت اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا کرلیا کرو۔ (ترمذی)

9 عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اعمال میں سے جن کی طاقت رکھتے ہو وہ لے لو۔ (متفق علیہ)

10 عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کو اگر اس کی بھی نہ ہو تو لیٹ کر (بخاری)

11 ابن عباس رضی اللہ عنہ ... سے روایت ہے (صلاۃ تسبیح کے بارے میں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس طرح چار رکعات میں کرو اگر تمھاری استطاعت ہو تو ہر دن ایک مرتبہ پڑھ سکتے ہو تو پڑھو (ابو داوٴد۔ ابن ماجہ)

12 ابو موسیٰ اشعری سے صدقہ کے بارے میں روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس کی استطاعت نہ ہو یا فرمایا تو پریشان حال ضرورت مند کی مدد کرے (متفق علیہ)

13 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے روزے کے کفارہ کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم دو مہینے مسلسل روزہ رکھنے کی استطاعت رکھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں (متفق علیہ)

14 ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم کس طرح روزہ رکھتے ہو؟ اسی میں لفظ ہے کہ کیا کوئی اس کی طاقت رکھتا ہے؟ (متفق علیہ)

15 عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عبد اللہ کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کے تم دن کو روزے رکھو اور رات کو قیام کرو۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ میں نے کہا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر تم بہترین روزہ رکھو جو داؤد علیہ السلام کا روزہ تھا کہ ایک دن روزہ رکھو ایک دن نہ رکھو۔ (متفق علیہ)

16 عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی ﷺ جب رات کو اپنے بستر پر تشریف لیجاتے تو دونوں ہتھیلیوں کو آپس ملاتے۔ ان کو اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جسم پر پھیرتے جہاں تک استطاعت ہوتی (متفق علیہ)

17 جابر رضی اللہ عنہ سے دم جھاڑے کے بارے میں روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جس کی استطاعت ہو کہ اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکے تو پہنچائے (مسلم)

18 ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی استطاعت رکھتا ہے کہ ہر دن ہزار آیتیں پڑھے ؟ عرض کیا گیا کہ ایک ہزار آیات پڑھنے کی استطاعت کون رکھتا ہے ہر دن ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کی استطاعت نہیں رکھتا کہ "الھاکم التکاثر" پڑھے ؟ (بیہقی)

19 ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات سے عاجز ہو (طاقت نہیں رکھتے) کہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لو؟ عرض کیا گیا ایک تہائی قرآن کیسے پڑھا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا قل ھو اللہ احد ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (مسلم)

20 سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات سے عاجز ہو کہ ایک دن میں ایک ہزار نیکیاں کرو؟ کسی نے سوال کیا کہ ہم میں سے کوئی شخص ایک ہزار نیکیاں کیسے کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک سو مرتبہ سبحان اللہ کہے تو ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں (مسلم)

21 شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سید الاستغفار یہ ہے:

"اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عھدك ووعدك ما استطعت" (بخاری)

22 انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کی عیادت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"سبحان اللہ لا تطیقه ولا تستطیعه"

"تم نہ اس کی طاقت رکھتے ہو نہ استطاعت۔"

23 ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہم سے خطاب کیا فرمایا لوگو تم پر حج فرض ہے حج کرو ایک آدمی نے پوچھا، کیا ہر سال؟ آپ ﷺ خاموش رہے اس نے تین مرتبہ سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو یہ واجب ہو جاتا اور پھر تم اس کی استطاعت نہ رکھتے۔۔۔۔ جب میں تمھیں کسی کام کا حکم کروں تو اسے اپنا لو جہاں تک تمھاری استطاعت ہو اور جب کسی کام سے منع کردوں تو اسے چھوڑ دو۔ (مسلم)

24 عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو تم اتنے ہی اعمال کرو جن کی طاقت رکھتے ہو۔ (مسلم)

25 عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جوانوں کے گروہ تم میں سے جو استطاعت رکھتا ہے شادی کی تو وہ شادی کرلے یہ نظروں کو نیچے رکھنے اور عصمت کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور جو استطاعت نہیں رکھتا تو وہ روزہ رکھے یہ اس کے لیے ڈھال ہے (متفق علیہ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

26 ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے بدل دے جو استطاعت نہ رکھے تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی استطاعت نہ رکھے تو دل سے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔(مسلم)

27 ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی سننے اور اطاعت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے فرماتے تھے کہ جتنی تمھاری استطاعت ہو۔(متفق علیہ)

28 عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کی بیعت کی اور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیا۔اس کو دل دے دیا تو پھر اس کی اطاعت کرے جتنی استطاعت ہو۔(مسلم)

29 امیمہ بنت رقیقہ سے روایت ہے کہتی ہیں میں نے دیگر عورتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا جتنی تمھاری استطاعت اور طاقت ہو۔میں نے کہا اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ہمارے نفسوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔(ترمذی، حدیث حسن صحیح)

30 عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے درمیان تقسیم کرتے تھے تو کہتے کہ اے اللہ یہ میری تقسیم ہے جتنی میری طاقت ہے۔مجھے اس میں نہ ملامت کر جس کا میں اختیار نہیں رکھتا۔(ترمذی)

1 احادیث میں الفاظ وسع، طاقت، قدرت، قوت ملک اور استطاعت مستعمل ہیں یہ ان سب کا ایک ہی مفہوم و معنی ہے ان سے مشیت ثابت ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ زندہ اور مردہ برابر نہیں ہیں۔اور یہ کہ موت کے بعد عمل منقطع ہو جاتا ہے اور عجز کا سلب ثابت ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندہ کو قدرت (ایک حد تک) حاصل ہے اور یہی ثابت کرنا مقصود تھا۔

2 مردہ کے برعکس زندہ کئے لیے جب بعض امور کی قدرت ثابت ہو گئی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے افعال کا خالق ہے۔موصوف نے جو دلیل ذکر کی ہے وہ مطلوب کو ثابت نہیں کرتی اس لیے کہ مانعین وسیلہ کے اقوال میں زندہ کے لیے جو قدرت ثابت ہے اور مردہ کے لیے نہیں ہے تو اس قدرت سے مراد قدرۃ الکسب ہے قدرۃ الخلق نہیں ہے۔

3 تعارض وسیلہ کو جائز قرار دینے والوں کے کلام میں تعارض ہے وہ اس طرح کہ ان کے خیال میں مردہ اور زندہ برابر ہیں اور پھر ان کا اعتقاد ہے کہ زندہ بھی کسی قسم کی قدرت نہیں رکھتا جس طرح کہ مردہ نہیں رکھتا گویا کہ ان کے اعتقاد کے مطابق بندہ مجبور محض ہے اس کو کسب کا بھی اختیار نہیں ہے حالانکہ اس طرح کا اعتقاد باطل ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ کہ ان کا یہ اعتقاد ہے تو اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ یہ کہتے ہیں۔جب مردہ کو پکارا جائے اور اس سے کچھ مانگا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ زندہ کو پکارنے میں کوئی نقصان نہیں ہے یہ دونوں عدم قدرت میں برابر ہیں۔

4 میت کے لیے کسب ثابت کرنا اگرچہ باطنی کسب ہو یہ نص صریح کے مخالف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب انسان مر جاتا ہے تو اس سے اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔لہٰذا اس دعویٰ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ زندہ شخص کے کسب کی قدرت و استطاعت تو مشاہدہ سے معلوم ہو جاتی ہے مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ زندہ آدمی پتھر یا اور کوئی وزن اٹھا سکتا ہے۔خود کو کسی درندے یا چور وغیرہ سے بچا سکتا ہے۔اپنے لیے دعا کر سکتا ہے وغیرہ۔جبکہ میت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے کسب کی قدرت اگر ہم تسلیم بھی کرلیں تو ہم مشاہدہ سے اس کو معلوم نہیں کرسکتے۔ تو اس کے معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا اس کی قدرت زندہ کی قدرت کے برابر ہے؟ کم ہے یا اس سے زیادہ ہے؟ یہ سب معلوم ہونا چاہیے تاکہ اسی حساب سے پھر اس سے مدد طلب کی جائے ورنہ اس کے بغیر اندھا دعویٰ ہے جس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

شیخ دحلان: علامہ سید سمہودی نے خلاصۃ الوفا میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے توسل لینے کی دلیل وہ حدیث ہے جسے دارمی نے اپنے صحیح میں ابو الجوزاء سے روایت کی ہے کہ اہل مدینہ پر شدید قحط آ گیا لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی، عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کہ قبر کو دیکھو اور اس میں ایک روشندان بناؤ آسمان کی طرف کہ اس روشندان اور آسمان کے درمیان چھت نہ ہو (یعنی کوئی آڑ اور رکاوٹ نہ ہو)۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا تو بارش ہوگئی۔ یہاں تک کہ گھاس اگ آئی اور اونٹ فربہ ہوگئے ان پر چربی چڑھ گئی اور اس سال کو خوشحالی کا سال کہا جانے لگا۔

شیخ بشیر: ہم اس پر مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر گفتگو کریں گے۔

1 مسند دارمی کو صحیح کہنا محدثین کی اصطلاح کے خلاف ہے اس کو مسند کے بجائے سنن کہنا بہتر ہے اس لیے کہ مسند دارمی صحیح میں شمار نہیں ہوتی مغلطائی کہتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے دارمی کو صحیح کہا ہے مگر عسقلانی نے ان کا تعاقب کیا ہے اور کہا ہے کہ مجھے یہ بات کسی قابل اعتماد (محدث) کے کلام میں نہیں ملی۔ یہ ہو بھی نہیں سکتا تھا اس لیے کہ اگر کوئی قابل قدر محدث دارمی کو صحیح قرار دیتا تو یہ حقیقت کے خلاف ہوتا۔

2 اس روایت کی سند میں محمد بن الفضل السدوسی ابو النعمان البصری ہے جس کے بارے میں ابن حجر نے التقریب میں لکھا ہے اس کا لقب عارم ہے ثقہ ہے آخری عمر میں یہ تبدیل ہو گیا تھا (یعنی حافظہ متغیر ہو گیا تھا)۔ الخلاصہ میں فرماتے ہیں عارم مختلط ہو گیا تھا۔ ابو حاتم کہتے ہیں ثقہ ہے جس نے اس سے ۲۲۰ھ سے پہلے سنا ہے تو اس کا سماع صحیح ہے۔ امام ذہبی الکاشف میں لکھتے ہیں موت سے قبل اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور اس سے حدیث لینا ترک کر دیا گیا تھا۔ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں ابو حاتم نے کہا ہے کہ عارم آخر عمر میں مختلط ہو گیا تھا اس کی عقل ختم ہو گئی تھی۔ جس نے ۲۲۰ھ سے پہلے اس سے سنا ہے اس کا سماع صحیح ہے۔

3 امام بخاری فرماتے ہیں آخر عمر میں عارم میں تغیر آ گیا تھا۔ ابو داؤد کہتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ ۲۱۳ھ میں عارم کی ذہنی حالت خراب ہوئی پھر صحیح ہو گئی مگر پھر دوبارہ ۲۱۶ھ میں اختلاط اس پر مستقل ہو گیا۔ ابو داؤد نے اس تغیر کی وجہ سے اس سے حدیث نہیں لی۔

4 اس کی سند میں سعید بن زید ہے جس کے بارے میں امام ذہبی الکاشف میں لکھتے ہیں۔ لیس بالقوی۔ اور بھی محدثین کی یہی رائے ہے۔ ابن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں۔ صدوق لہ اوھام۔ (سچا ہے مگر بہت وہم والی روایات ہیں) الخلاصہ میں لکھتے ہیں ابن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ احمد نے کہا ہے۔ لیس بہ باس۔ نسائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں لیس بالقوی۔ ذہبی رحمہ اللہ المیزان میں لکھتے ہیں سعید بن زید ابو الحسن اخو حماد بن زید۔ حماد بن زید سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ علی نے یحییٰ بن سعید سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں یہ ضعیف ہے۔ السعدی کہتے ہیں 'لیس بحجة'۔ محدثین اس کی حدیث کو ضعیف کہتے تھے۔ نسائی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے۔ احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے ۔لیس بہ باس۔ یحی بن سعید اس کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔

5 اس کی سند میں عمرو بن مالک النکری ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے التقریب میں لکھا ہے صدوق لہ اوھام۔

6 اس کی سند میں ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ ہے جس کے بارے میں التقریب میں لکھا ہے کہ اوس بن عبد اللہ الربعی البصری کو محدثین نے ثقہ کہا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یحییٰ بن سعید کہتے ہیں گڑھے میں قتل ہو گیا تھا۔ اس کی اسناد محل نظر ہے۔ محدثین اس کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں۔ الکنی میں لکھتے ہیں ابو الجوزاء الربعی اوس مشہور تابعی ہے امام بخاری رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں اس کی اسناد محل نظر ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث ضعیف۔ منقطع ہے۔

7 اگر اس کو حجت تسلیم کر لیں تو پھر یہ عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کی روایت سے معارض ہے جسے محمد بن اسحاق نے مغازی میں خالد بن دینار عن ابی العالیہ سے روایت کی ہے کہتے ہیں جب ہم نے تستر کو فتح کیا تو ہم نے ھرمزان کے مال خانے میں ایک آدمی کو ایک چارپائی پر مردہ پایا جس کے سرہانے ایک کتاب رکھی تھی وہ ہم نے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچائی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کعب کو بلایا جنہوں نے اس کتاب کو عربی میں منتقل کر لیا۔ میں پہلا آدمی تھا جس نے وہ کتاب پڑھی۔ جس طرح میں قرآن پڑھتا ہوں۔ میں نے ابو العالیہ سے پوچھا اس میں کیا تھا؟ اس نے کہا اسمیں تم لوگوں کی سیرت اور کردار، امور اور طرز تکلم اور جو کچھ ہونے والا تھا بعد میں، میں نے پوچھا تم لوگوں نے اس مردہ آدمی کا کیا کیا؟ اس نے کہا ہم نے دن میں ۱۳ قبریں کھودیں الگ الگ جگہ جب رات ہوئی تو اس کو دفن کر دیا اور ساری قبریں دوبارہ مٹی ڈال کر برابر کر دیں تا کہ اسے لوگوں سے چھپائیں کوئی اس کی لاش نہ نکال دے۔ میں نے پوچھا لوگوں کو اس کی لاش سے کیا سروکار تھا؟ اس نے کہا کہ جب بارش نہیں ہوتی تھی تو لوگ اس چارپائی کو (اس لاش سمیت) باہر لے آتے تھے تو بارش ہو جاتی تھی۔ میں نے پوچھا آپ لوگوں کے خیال میں وہ آدمی کون تھا؟ اس نے کہا دانیال علیہ السلام۔ میں نے پوچھا تم لوگوں نے کیا اندازہ لگایا۔ یا معلوم کیا کہ اس کا انتقال کب ہوا ہو گا؟ اس نے کہا تین سو سال قبل۔ میں نے پوچھا اس کے جسم میں سے کچھ بھی تبدیل نہیں ہوا تھا؟ اس نے کہا نہیں صرف گدی کے چند بال تبدیل ہوئے تھے۔ انبیاء کا گوشت زمین نہیں گلاتی اور نہ ہی اس کو درندے کھاتے ہیں (دانیال علیہ السلام بنی اسرائیل میں نبی تھے اور عیسی علیہ السلام سے چھ سو سال پہلے تھے اس کو کتاب یہود کی مشہور کتب سفر میں سے ایک ہے۔ محمد رشید رضا) (اس واقعہ سے صحابہ کرام کا عمل معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے کس طرح اس شخص کی قبر گم کر دی کہ لوگ اس کی وجہ سے فتنے میں نہ پڑیں۔ تبعید الشیطان بتقریب اغاثۃ اللھفان میں بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح ہے)

شیخ دحلان: عتبی سے بھی بہت بہترین قول منقول ہے جو سفیان بن عیینہ سے بھی مروی ہے اور یہ دونوں حضرات امام شافعی رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے ہیں۔ عتبی کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ میں نے سنا ہے کہ آپ ﷺ پر اللہ نے سچی کتاب نازل کی ہے جس میں اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ۔

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَٱسْتَغْفَرُوا ٱللَّهَ وَٱسْتَغْفَرَ لَهُمُ ٱلرَّسُولُ لَوَجَدُوا ٱللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ (النساء: ٦٤)

"اگر یہ لوگ "جب" خود پر ظلم کریں تو آپ ﷺ کے پاس آئیں اور اللہ سے مغفرت طلب کرے تو یہ اللہ کو پائیں گے توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا۔"

میں آپ ﷺ کے پاس اپنے گناہ کی مغفرت طلب کرنے آیا ہوں۔

شیخ بشیر: اس حکایت سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔ اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ الصارم المنکی میں لکھا ہے کہ ایک حکایت جسے لوگ العتبی سے بلا اسناد بیان کرتے ہیں اور بعض لوگ اسے محمد بن حرب عن ابی الحسن الزعفرانی عن الاعرابی بیان کرتے ہیں۔ بیہقی نے اسے کتاب شعب الایمان میں مظلم عن محمد بن روح بن یزید البصری سے وہ ابو حرب الھلالی سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حج کیا جب رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے دروازے پر آیا تو اپنی سواری کو وہاں باندھا اور مسجد میں داخل ہو کر قبر تک آیا پھر آگے الفاظ وہی ہیں جو پہلے مذکور ہوئے۔ بعض جھوٹے لوگوں نے اس کے لیے سند وضع کی ہے جو علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب تک ہے اس کا عنقریب ذکر ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ اعرابی کی یہ حکایت دلیل نہیں بن سکتی اس کی سند میں اختلاف ہے اور سند نامعلوم ہے۔ اس کے الفاظ میں بھی اختلاف ہے۔ اور اگر یہ ثابت بھی ہوتی تو تب بھی دلیل نہیں بن سکتی تھی اس لیے کہ ایسی حکایات اہل علم کے ہاں دلیل کے طور پر تسلیم نہیں کی جاتیں۔

شیخ دحلان: یہ مقام خوابوں سے استدلال کا نہیں ہے خوابوں سے احکام ثابت نہیں ہوتے اس لیے کہ خواب دیکھنے والے کے شبہ کا احتمال ہوتا ہے یہاں استدلال علماء کے استحسان سے ہے کہ علماء نے اس مذکورہ قسم کی زیارت کو مستحسن جانا ہے اور جہاں انہوں نے حج کے احکام بیان کیے ہیں وہاں انہوں نے (رسول اللہ ﷺ کی قبر کی) زیارت کو بھی مستحسن قرار دیا ہے۔

شیخ بشیر: امت کے تمام علماء کا استحسان تو ناممکن ہے جب کہ بعض علماء کا استحسان دلیل نہیں بن سکتا جس طرح کہ کسی کا خواب ثبوت اور دلیل نہیں بنتا۔ اور اگر امت کے تمام علماء کا استحسان ثابت ہو بھی جائے تو اس کو اصطلاحی اجماع کہنا بھی محل نظر ہو گا اور اگر اصطلاحی اجماع بھی ثابت ہو جائے تو اس کا شرعی حجت ہونا مسلّم نہیں ہے۔ جبکہ اس کے لیے حجت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کی جانے والی احادیث پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے اور ان احادیث کا اجماع کی دلیل ہونا بھی محل نظر ہے۔

شیخ دحلان: علامہ ابن حجر رحمہ اللہ الجوھر المنظم میں فرماتے ہیں بعض حفاظ نے ابو سعید السمعانی سے آپ نے علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سپرد خاک کرنے کے تین دن بعد ایک اعرابی آیا اور قبر مبارک پر گر گیا۔

شیخ بشیر: یہ خبر بہت ہی ضعیف ہے بلکہ اس کو موضوع تک کہا گیا ہے۔ الصارم المنکی میں ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ ابو الحسن علی بن ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن الکرخی نے علی بن محمد بن علی سے روایت کیا ہے اس کو احمد بن محمد بن الھیثم الطائی نے بتایا کہ مجھے میرے باپ نے بتایا کہ وہ سلمہ بن کھیل عن ابی صادق عن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو سپرد خاک کرنے کے تین دن بعد ہمارے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے خود کو رسول اللہ ﷺ کی قبر پر گرا دیا اور اپنے سر پر مٹی ڈالی اور کہا اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ آپ نے جو کچھ کہا ہم نے آپ کی بات سن لی۔ آپ ﷺ نے اللہ سے لیکر دیا ہم نے آپ ﷺ سے کچھ لیکر محفوظ کر لیا۔ اور آپ پر اللہ نے جو کچھ نازل کیا تھا اسمیں یہ بھی ہے۔

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ (النساء:۶۴)

"اگر یہ لوگ خود پر ظلم کریں اور پھر آپ ﷺ کے پاس آتے اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتے تو یہ اللہ کو پاتے توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا۔"

میں نے خود پر ظلم کیا ہے اور اب میں آپ ﷺ کے پاس آیا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت طلب کر لیں۔ قبر سے آواز آئی کہ تمھارے گناہ معاف کر دیے گئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خبر منکر اور موضوع ہے کسی نے من گھڑت خبر تخلیق کی ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا نہ ہی اس کو اپنایا جا سکتا ہے۔ اس کی اسناد اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ہیثم احمد بن محمد بن الھیثم کا دادا میرے خیال میں ابن عدی الطائی ہے اور اگر یہ ہی ہے تو یہ متروک کذاب ہے (جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس حکایت کی اس مذکورہ سند میں ابن ھثیم ابن مالك الطائی الشامی نابینا ابو محمد الموثق ہے تو اس کو اس دعویٰ پر دلیل پیش کرنی چاہیے۔ اس حکایت میں ابو صادق ہے جس نے علی رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔ اسمیں احمد بن محمد بن الھیثم عن ابیہ روایت کرتا ہے۔ ان دونوں کا ذکر نہ التقریب میں ہے نہ التھذیب میں اور نہ المیزان میں جو شخص ان کی روایت کو دلیل بناتا ہے اسے چاہیے کہ کسی امام سے ان کی توثیق لائے) اور اگر یہ وہ ابن الھثیم نہیں ہے تو پھر یہ مجھول ہے ھثیم بن عدی کوفہ میں پیدا ہوا وہیں جوان ہوا کہا جاتا ہے کہ اس نے سلمہ بن کہیل کا زمانہ پایا تھا۔ پھر وہاں سے بغداد جا کر سکونت اختیار کر لی عباس الدوری کہتے ہیں میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے سنا ہے کہ ھثیم الکوفی ثقہ نہیں ہے یہ جھوٹ بولتا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ العجلی اور ابو داؤد کہتے ہیں یہ کذاب ہے۔ ابو حاتم الرازی، نسائی، الدولابی اور الازدی کہتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہے۔ السعدی کہتے ہیں ساقط ہے اس کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے۔ ابو زرعہ نے کہا۔ لیس بشیئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں محدثین نے اس سے سکوت کیا ہے یعنی اس کو ترک کر دیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں مسند اس کی بہت کم ہے یہ تاریخ، واقعات، نسب و اشعار تھا۔ ابن حبان کہتے ہیں یہ ان علماء میں سے تھا جو سیرت، تاریخ اور اخبار عرب کا علم رکھتے ہیں۔ البتہ یہ ثقہ راویوں سے ایسی روایات بیان کرتا تھا گویا کہ وہ موضوع ہوں وہ دل میں جلدی اتر جاتی تھیں کہ یہ ان میں تدلیس کرتا تھا۔ حاکم ابو احمد کہتے ہیں ۔ذاھب الحدیث تھا۔ حاکم عبد اللہ کہتے ہیں الھیثم بن عدی الطائی کا علمی مقام ہے اس نے (ثقہ محدثین کی ایک) جماعت سے منکر احادیث روایت کی ہیں۔ عباس بن محمد کہتے ہیں میں نے اپنے بعض اصحاب کو کہتے سنا کہ ھشیم کی لونڈی نے کہا کہ میرا یہ مالک رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا تھا اور صبح بیٹھ کر جھوٹ بولتا تھا۔ امام ذہبی ھشیم بن عدی الطائی کے بارے میں لکھتے ہیں ابوعبد الرحمٰن المنبجی ثم الکوفی کے بارے میں امام بخاری فرما رہے ہیں یہ ثقہ نہیں تھا۔ جھوٹ بولتا تھا۔ یعقوب بن محمد کہتے ہیں اس کی ماں اہل منبج کے قیدیوں میں سے تھی اس سے محدثین نے سکوت اختیار کیا ہے۔ عباس نے یحییٰ سے روایت کیا وہ کہتے ہیں یہ ثقہ نہیں ہے۔ جھوٹ بولتا تھا۔ ابو داؤد کہتے ہیں یہ کذاب تھا۔ نسائی وغیرہ کہتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ میں کہتا ہوں یہ تاریخ کا بڑا عالم تھا۔ اس نے ھشام بن عروہ اور عبد اللہ بن عیاش المشرف اور مجاہد سے روایت کیا ہے۔ (المیزان میں المشرف کے بجائے المتشوف لکھا ہے)۔ ابن عدی کہتے ہیں مسند میں اس کی بہت کم روایات ہیں یہ صاحب تواریخ تھا۔ ابن المدینی کہتے ہیں یہ واقدی سے زیادہ قابل بھروسہ ہے میں اس کو کسی چیز میں پسند نہیں کرتا۔ عباس الاودی کہتے ہیں ہمیں ہمارے بعض ساتھیوں نے بتایا کہ اس کی لونڈی نے کہا ہے میرا یہ آقا رات کو نمازیں پڑھتا جب صبح ہوئی تو بیٹھ کر جھوٹ بولنے لگتا ہے۔

المیزان میں ہے۔ دوسرا الھشیم الطائی بھی کذاب ہے میزان کی عبارت اس طرح ہے الھشیم بن عبد الغفار الطائی بصری کم احادیث والا ہے۔ احمد نے کہا کہ میں نے یحی وغیرہ پر ھشیم عبد الغفار عن ھمام بن یحییٰ وغیرہ کی احادیث پیش کیں تو اس نے کہا کہ یہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ میں نے اقرع جو کہ ھشیم کا ساتھی ہے سے پوچھا تو اس نے بھی یہ بتایا۔ احمد نے کہا میں نے ھشیم سے سنا کہہ رہے تھے ہمارے بھائی عباد بن عوام کے لیے دعا کرو جو کہتا ہے کہ ہمارے پاس بصرہ سے ھشیم بن عبد الغفار نام کا آدمی آتا تھا اور ہمیں ھمام عن قتادہ' اور اس کا باپ اور ایک آدمی ابن حبیب اور دیگر بہت سے افراد کے حوالے سے احادیث سناتا تھا اور ہم اس آدمی (ھشیم) کو بہت پسند کرتے تھے۔ اس نے ہمیں ایک حدیث سنائی جسے میں نے عجیب سمجھا میں نے اس پر شک کا اظہار کیا تو پھر جب ملاقات ہوتی تو اس نے مجھ سے کہا اس حدیث کو چھوڑ دو۔ میں عبد الرحمٰن بن مہدی کے پاس آیا اور ھشیم کی بعض احادیث اس کے سامنے پیش کیں تو اس نے کہ یہ آدمی کذاب ہے۔ یا غیر ثقہ کہا۔ احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں مکہ میں میری ملاقات اقرع سے ہوئی تو میں نے اس کے سامنے اس کی چند احادیث پیش کیں تو اس نے کہا کہ یہ بری یعنی ھمام عن قتادہ کی احادیث ہیں۔ میں نے پھر اس (ھشیم) کی (روایت کردہ) احادیث کو نذر آتش کیا اور اس کے بعد اس سے احادیث لینا ترک کر دیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: اس کی تائید رسول اللہ ﷺ سے مروی اس صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ میری زندگی تمھارے لیے خیر ہے۔ تم باتیں کرتے ہو اور میں تمھارے لیے احادیث بیان کرتا ہوں۔ میری وفات تمھارے لیے بہتر ہو گی مجھ پر تمھارے اعمال پیش کیے جائیں گے میں تمھارے اچھے عمل کو دیکھوں گا تو اللہ کا شکر کروں گا اور اگر تمھارا برا عمل دیکھوں گا تو اللہ سے تمھارے لیے مغفرت طلب کروں گا۔

شیخ بشیر: الصارم المنکی میں لکھا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ خبر مرسل ہے اسے قاضی اسماعیل بن اسحاق نے کتاب فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ میں سلیمان بن حرب عن حماد بن زید عن غالب القطان عن بکر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے۔ ابو بکر مزنی تک یہ سند صحیح ہے۔ بکر ثقہ تابعی اور امام ہے۔ قاضی اسماعیل حجاج بن منہال حماد بن سلمہ عن کثیر بن الفضل عن بکر بن عبد اللہ کی سند سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری زندگی تمھارے لیے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمھارے لیے بہتر ہے تم مجھ سے بات کرتے ہو میں تم سے بات کرتا ہوں جب میں فوت ہو جاؤں گا تو مجھ پر تمھارے اعمال پیش کیے جائیں گے اگر میں اسمیں اچھا عمل دیکھوں گا تو اللہ کا شکر ادا کروں گا اور اگر برا عمل دیکھوں گا تو تمھارے لیے استغفار کروں گا۔ مرسل روایت ضعیف کی اقسام میں سے ہوتی ہے لہٰذا اس کو صحیح قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

شیخ دحلان: الجوھر المنظم میں یہ بھی ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر کہا اے اللہ یہ (صاحب قبر ﷺ) تیرا حبیب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ شیطان تیرا دشمن ہے اگر تو نے مجھے بخش دیا تو تیرا حبیب خوش ہو گا۔ تیرا بندہ (یعنی اعرابی) کامیاب ہو جائے گا اور تیرے دشمن کو غصہ آئے گا اور اگر تو نے مجھے نہیں بخشا تو تیرا حبیب ناراض ہو گا۔ تیرا دشمن خوش ہو گا اور تیرا بندہ (اعرابی) ہلاک ہو جائے گا۔ اے رب تو بہت قابل قدر و عزت ہے تو اپنے حبیب کو ناراض اپنے دشمن کو خوش اور اپنے بندے کو ہلاک نہیں کرے گا۔ اے اللہ عرب کا جب کوئی سردار مر جاتا تھا تو وہ اس کی قبر پر (غلام کو) آزاد کرتے تھے۔ اے اللہ یہ تو تمام جہانوں کے سردار ہیں ان کی قبر پر مجھے آزاد کر دے اے ارحم الراحمین۔ وہاں موجود لوگوں میں سے کسی نے اس سے کہا اے عرب کے سپوت اللہ نے تجھے اس بہترین طریقے سے سوال کرنے کی وجہ سے بخش دیا۔

شیخ بشیر: مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

1 یہ واقعہ بغیر سند کے مذکور ہے لہٰذا جو بھی اس سے استدلال کرتا ہے اس سے اسکی سند بیان کرنی چاہیے اور اس کے رجال کی توثیق کرنی چاہیے۔

2 ایک اعرابی کا کوئی فعل کسی بھی مسئلہ کی دلیل نہیں بن سکتا۔

3 اس دعا میں نہ غیر اللہ کو پکارا گیا ہے نہ ہی کسی کے حق (یا وسیلہ) سے دعا کی گئی ہے۔ جس توسل کو مانعین وسیلہ منع کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں اس سے مراد وہ توسل ہو جس میں غیر اللہ کو پکارا گیا ہو یا کسی مخلوق کے حق کا واسطہ دیکر دعا کی گئی ہے یا اس جیسے اور کسی طریقے سے دعا کی گئی ہو جو بدعت، منکر یا ممنوع ہو۔

4 قبر کے پاس جو لوگ موجود تھے جن میں سے ایک نے اعرابی سے کہا کہ اللہ نے تمہیں بخش دیا ہے تو وہ کہنے والا کون تھا کہ اس کی بات کا اعتبار کیا جائے؟ خلاصہ کلام یہ کہ اس طرح کی حکایات کو مضبوط دلائل کی جگہ پیش کرنا ایسا کرنے والے کی جہالت کی دلیل ہے۔

شیخ دحلان: حج کے احکام بیان کرنے والے علماء نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت اور دعا کے وقت قبر کی طرف منہ کرنا قبلہ کی طرف منہ کرنے سے افضل ہے۔

شیخ بشیر نے فرمایا۔ زیارت کے موقع پر سلام کرتے وقت قبر کی طرف منہ کرنے میں ائمہ کا اختلاف ہے جبکہ دعا کے وقت قبر کی طرف منہ کرنا بالاتفاق ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے آخر عمر میں احکام حج سے متعلق جو کتاب لکھی ہے اسمیں لکھتے ہیں آپ ﷺ (کی قبر کے پاس) آپ ﷺ پر سلام کرے حجرہ کی طرف منہ کر کے اور قبلہ کی طرف پیٹھ ہو یہ اکثر علماء کے نزدیک ہے۔ مثلاً مالک رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ، احمد رحمہ اللہ، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منہ قبلہ کی طرف ہو۔ امام صاحب کے اصحاب میں سے کسی نے کہا ہے کہ حجرہ کی طرف پیٹھ ہو کسی نے کہا ہے کہ حجرہ بائیں طرف ہو البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حجرہ کو نہ چھونا ہے۔ نہ بوسہ دینا ہے نہ اس کا طواف کرنا ہے نہ اس کی طرف نماز پڑھنی ہے نہ حجرہ کی طرف منہ کر کے وہاں دعا کرنی ہے۔ یہ سب امور باتفاق ائمہ ممنوع ہیں امام مالک اس کو بہت زیادہ ناپسند کرتے تھے۔ جس نے امام مالک سے یہ حکایت نقل کی ہے کہ انہوں نے خلیفہ منصور سے کہا تھا کہ (قبر کے پاس) دعا کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرو تو یہ امام مالک پر بہتان ہے (وہ نبی ﷺ کی قبر کے پاس دعا کے قائل نہیں تھے) بلکہ قبر کے پاس اپنے لیے دعا کرنے کیلئے بھی کھڑا نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ بدعت ہے۔ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی یہاں کھڑے ہو کر اپنے لیے دعا نہیں کرتا تھا بلکہ وہ آپ ﷺ کی مسجد (مسجد نبوی ﷺ) میں قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا کرتے تھے۔

الصارم المنکی میں فرماتے ہیں۔ اسی طرح اہل قبور کا شرک ہے۔ شیطان کو یہ امید نہ تھی کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس شرک میں مبتلا کر دے گا اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور اسلام میں کسی نبی کی قبر نہ تھی کہ اس کا قصد کر کے اس کی طرف سفر کیا جاتا ہو۔ اور نہ وہاں دعا کرنا مقصود ہوتا تھا نہ آپ ﷺ کی قبر کے پاس تبرک، برکت یا شفاعت طلب کی جاتی تھی۔ بلکہ افضل الخلق جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی قبر ان کے پاس تھی مگر کوئی بھی اس کا قصد کر کے نہیں آتا تھا۔ اسی طرح تابعین ان کے بعد ائمہ دین میں سے بھی کوئی مذکورہ مقاصد کے لیے آپ ﷺ کی قبر کے پاس نہیں آتا تھا۔ علمائے سلف نے آپ ﷺ کی قبر کے پاس رسول اللہ ﷺ کے لیے دعا کے بارے میں کلام کیا ہے ان میں سے بعض نے سلام کے علاوہ دعا کے لیے وہاں کھڑے ہونے سے منع کیا ہے۔ بعض نے دونوں کی اجازت دی ہے۔ بعض نے دونوں سے منع کیا ہے۔ البتہ آپ ﷺ سے دعا کرنا استغفار اور شفاعت طلب کرنا آپ ﷺ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتقال کے بعد تو اس بارے میں کسی امام یا عالم حتی کہ ائمہ اربعہ میں سے بھی کسی امام سے منقول نہیں ہے۔ اور جو دعائیں ان علماء نے بتائی ہیں وہ ان مذکورہ امور سے خالی ہیں۔

امام مالک کے بارے میں قاضی عیاض کہتے ہیں کہ امام مالک نے المبسوط میں کہا ہے میں نہیں سمجھتا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا یا سلام کیا جائے بلکہ سلام کرتے ہوئے گذر جائے۔ یہی بات قاضی اسماعیل بن اسحاق نے المبسوط میں کہی ہے لکھتے ہیں امام مالک فرماتے ہیں میری رائے میں آپ ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا نہیں کرنا چاہیے بلکہ نبی ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کہتے ہوئے گزر جانا چاہیے اسی لیے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے۔ السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابا بکر۔ السلام علیک یا ابی اور پھر واپس مڑ جاتے تھے۔ کھڑے ہو کر دعا نہیں کرتے۔ لہٰذا امام مالک (کھڑے ہو کر دعا کرنے کو) بدعت سمجھتے ہیں۔

قاضی عیاض کہتے ہیں ابن وھب کی روایت میں ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا جب نبی ﷺ پر سلام کرے اور دعا کرے تو منہ قبر کی طرف ہو قبلہ کی طرف نہ ہو قریب ہو کر سلام کہے مگر ہاتھ سے قبر کو نہ چھوے۔ اس قول میں دعا سے مراد غالباً سلام ہے اس لیے کہتے ہیں قریب ہو سلام کہے مگر قبر کو ہاتھ نہ لگائے اس کی تائید ابن وھب کی روایت میں مذکور انکا یہ قول بھی ہے۔ "السلام علیك ایهاالنبی ورحمته الله وبركاته۔ کہے، کبھی دعا سے مراد درود بھی ہوتا ہے جیسا کہ مؤطا میں عبد اللہ بن دینار کی روایت میں ہے کہ وہ درود بھیجتے تھے نبی ﷺ پر، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ پر یہ یحییٰ بن یحییٰ کی روایت میں ہے مگر ابن عبد البر وغیرہ نے اس کو غلط قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ روایت کے صحیح الفاظ وہ ہیں جو ابن القاسم اور القعبنی وغیرہ نے ذکر کیے ہیں کہ نبی ﷺ پر درود اور ابو بکر و عمر پر سلام بھیجتے تھے۔ ابو الولید الباجی کہتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ نبی ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے لیے لفظ صلاۃ (درود سے ہی دعا کرتے تھے اس لیے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اختلاف ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں المبسوط میں ہے جو شخص سفر سے آئے یا سفر پر روانہ ہو رہا ہو اس کے لیے اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس آکر کھڑا ہو۔ آپ ﷺ پر درود بھیجے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کرے۔ اگر دعا سے مراد درود و سلام ہے تو یہ اس روایت کے موافق ہے اور اگر مزید دعا مراد ہے تو پھر یہ دوسری روایت ہے بہر حال دعا مختصر ہی ہو گی۔

ابن حبیب کہتے ہیں قبر کے پاس عاجزی اور وقار کے ساتھ کھڑے ہو کر نبی ﷺ پر درود و ثنا پڑھے اور جو کچھ اس وقت یاد ہو آپ ﷺ کی تعریف میں کہے ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کہے۔ انہوں نے درود کے ساتھ ثنا کا ذکر کیا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ثنا کو لفظ شہادت سے ذکر کیا ہے اور درود کا ذکر نہیں البتہ آپ ﷺ کے لیے دعا کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہ دعا کرنے والا اپنے لیے بھی دعا کرے یہ ذکر نہیں ہے کہ اپنے لیے کچھ طلب کرے اور یہ بھی نہیں ہے کہ:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ (النساء: ٦٤)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تلاوت کرے۔ مالک رحمہ اللہ نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے نہ ہی ان سے قبل کے ہمارے اصحاب اور نہ جمہور نے ایسا کیا ہے۔
بلکہ منسلک المروزی میں ہے کہ پھر روضہ کے پاس آجاؤ۔ یعنی قبر اور منبر کے درمیان کی جگہ وہاں نماز پڑھو اور جو چاہو دعا مانگو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس آؤ اور کہو۔

"السلام علیك یا رسول الله و رحمة الله و بركاته السلام علیك یا محمد بن عبد الله۔ اشهد ان لا اله الا الله و اشهد انك رسول الله و اشهد انك قد بلغت رسالة ربك و نصحت لامتك و جاهدت فی سبیل الله بالحكمته و الموعظة الحسنة و عبدت الله حتی اتاك الیقین فجزاك الله افضل ما جازی نبیا عن امته و رفع درجتك العلیا و تقبل شفاعتك الكبری و اعطاك سئولك فی الآخرة و الاولی كما تقبل من ابرهیم۔ اللهم احشرنا فی زمرته و توفنا علی سنته و اوردنا حوضه و اسقنا بكائسه شربا رویا لا نظما بعده ابداً۔"

ترجمہ: "یارسول اللہ تجھ پر سلام اے محمد بن عبداللہ تجھ پر سلام۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اللہ ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا اور اپنی امت کی خیر خواہی کی تھی اور اللہ کی راہ میں حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ جہاد کیا آپ نے موت تک اللہ کی عبادت کی۔ اللہ آپ کو امت کی طرف سے بہت بہترین جزاء دے۔ آپ کے بلند درجے میں مزید اضافہ کرے۔ آپ کی شفاعت کبری قبول فرمائے۔ آخرت اور دنیا میں آپ کا سوال آپ کو عطا فرمائے۔ جس طرح ابراہیم کی دعا قبول کی تھی۔ اے اللہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرے میں اٹھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر موت دینا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض پر ہمیں لیجانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے سے سیراب کر کے پلانا کہ پھر کبھی بھی پیاس نہ لگے)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب اقتضاء صراط المستقیم مخالفته اصحاب الجحیم۔ میں فرماتے ہیں سلف میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ طلب کرنے کے لیے آتا ہو۔ نہ ہی صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس دعا کے لیے آتے تھے نہ ہی کسی اور نبی کی قبر کے پاس جاتے تھے۔ وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ساتھیوں (ابو بکر و عمر) پر درود و سلام بھیجتے تھے۔

ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دعا کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف منہ نہ کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف منہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہے یہ بات اصحاب شافعی نے کہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ امام شافعی کا ہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بلکہ قبلہ کی طرف منہ کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ابو بکر و عمر پر سلام کہے گا۔

اسماعیل بن اسحاق نے المبسوط میں اور قاضی عیاض وغیرہ نے کہا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرے البتہ سلام کہتا ہوا گزر جائے۔ امام مالک مزید فرماتے ہیں جو شخص سفر پر جانے لگے تو اس کے لیے اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس کھڑا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر کے لیے دعا کرے کسی نے پوچھا اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہ سفر سے آتے ہیں نہ سفر پر جاتے ہیں مگر دن میں کئی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آ کے سلام

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں اور کبھی جمعہ کے دن یا کسی اور دن ایک یا دو مرتبہ وہاں کھڑے رہتے ہیں سلام کرتے ہیں اور کچھ دیر دعا کرتے ہیں (یعنی امام مالک سے کسی نے کہا کہ مدینہ میں موجود رہنے والے لوگ آپ ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہوتے ہیں سلام کرتے ہیں دعا کرتے ہیں حالانکہ نہ وہ سفر پر جا رہے ہوتے ہیں نہ آ رہے ہوتے ہیں تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے کسی بھی عالم تابعین وغیرہ یا صحابہ کرام کے بارے میں معلوم نہیں ہوا ہے کہ کسی نے ایسا کیا ہو۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہونے کا رواج اور سلام و دعا امام مالک کے دور میں شروع ہوا اور مدینہ میں رہنے والے عوام میں سے کچھ لوگوں نے کیا اور یہ لوگ اتنے کم تھے کہ امام مالک نے جو کہ ہر وقت مسجد میں ہوتے تھے ان کو نہیں دیکھا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ امام مالک کے سامنے ایسا نہ کرتے ہوں کہ آپ ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے بلکہ امام مالک نے عبد الرحمن بن مہدی پر اعتراض کیا تھا جب انہوں نے مسجد میں اپنی چادر رکھ کر اس پر نماز پڑھی تھی۔ اور دلیل یہ دی تھی کہ جس نے اس مسجد میں بدعت ایجاد کی یا بدعتی کو رہنے دیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ بدعت اسی طرح جاہلوں کے اعمال اور علماء کے سکوت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ بدعت سنت کی جگہ لے لیتی ہے بلکہ سنت کو ہی ختم کر دیتی ہے۔ "محمد رشید رضا")

امام مالک نے جواب دیا ہمارے شہر کے کسی فقیہ کے بارے میں تو مجھے علم نہیں کہ اس نے ایسا کیا ہو۔ اور اس کو کھلا چھوڑا ہو اس امت کا آخر تب صحیح ہو گا جب اس کا اول صحیح ہو گا اور مجھے اس امت کے اول اور ابتدا (صحابہ کرام) سے ایسا کوئی فعل نہیں پہنچا۔

امام مالک اس کو ناپسند کرتے تھے سوائے اس شخص کے لیے کہ جو سفر سے آیا ہو یا سفر پر جا رہا ہو۔ پہلے بھی سلف اور ائمہ کے اقوال اس کی موافقت میں گذر چکے ہیں جو اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کی قبر کے پاس آپ ﷺ کے لیے دعا اور صلاۃ و سلام کو پسند کرتے تھے اور وہاں کھڑے ہونا اور دعا کی نیت سے جانا پسند نہیں کرتے تھے جو لوگ اس کی رخصت و اجازت دیتے ہیں تو وہ صرف اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ پر سلام کیا جائے پھر دعا کرنا چاہے تو قبلہ کی طرف منہ کرے اور قبر کی طرف پیٹھ کرے یا قبر ایک جانب کو ہو۔ وہ اس طرح کہ قبلہ رخ ہو کر دعا کرے قبر کی طرف منہ کر کے دعا نہ کرے۔ دیگر ائمہ سے بھی اسی طرح منقول ہے مسلمان ائمہ میں ایسا کوئی نہیں ہے جو کسی کے لیے اس بات کو پسند کرتا ہو کہ آپ ﷺ کی قبر کی طرف منہ کر کے دعا کرے۔ یہ جو ہم نے امام مالک اور دیگر ائمہ کی آراء ذکر کی ہیں ان سے اس حکایت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے جو امام مالک کی طرف منسوب کی گئی ہے جسے قاضی عیاض نے محمد بن حمید سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں امیر المومنین جعفر نے مسجد رسول اللہ ﷺ میں امام مالک سے مناظرہ کیا۔ امام مالک نے ان سے کہا۔ امیر المومنین اس مسجد میں آواز بلند نہ کیا کریں۔ اللہ نے قوم کو یہ ادب سکھایا ہے کہ۔

﴿لَا تَرْفَعُوٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (الحجرات:۲)

پھر بقیہ حکایت ذکر کی ہے پھر کہا ہے کہ یہ حکایت اس سند سے یا تو ضعیف ہے یا اس میں تبدیلی کی گئی ہے یا اس کی ایسی تفسیر کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائے کہ یہ امام مالک کے مذہب اور رائے کے موافق ہو جائے۔ اس لیے کہ اس حکایت سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ امام مالک کے اس معروف مذہب کے خلاف ہے جو کہ ان سے ثقات کے ذریعے سے منقول ہے وہ اپنے مذہب کے خلاف نہیں چل سکتے اور ان کا مذہب یہ ہے کہ دعا کے وقت قبر کی طرف منہ نہ کرے اور یہ بھی ان کا واضح قول ہے کہ دعا کے لیے وہاں کھڑا نہ ہو۔ ان کے اصحاب کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ قبر کے قریب کھڑا ہو اور آپ ﷺ پر سلام کہے پھر قبلہ کی طرف منہ کرے تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ثابت ہو گیا کہ دعا کے وقت قبلہ کی طرف منہ ہونا چاہیے البتہ قبر کی طرف پیٹھ کرنے میں اختلاف ہے ہو سکتا ہے کہ قبر کی طرف منہ کر کے دعا کرنے کی جو نسبت امام مالک کی طرف کی گئی ہے تو یہاں دعا سے مراد سلام ہو کہ سلام کی حالت میں بھی فقہاء عراق قبلہ کی طرف منہ کرنے کا کہتے ہیں جبکہ امام مالک سلام کے وقت قبر کی طرف منہ کرنے کو کہتے ہیں (شاید اس سے کسی کو مغالطہ ہوا ہو) جیسا کہ ابن وھب کی روایت میں ہے کہ جب نبی ﷺ پر سلام کہے تو منہ قبر کی طرف رکھے قبلہ کی طرف نہ رکھے۔ قبر کے قریب ہو۔ سلام کہے۔ دعا کرے مگر قبر کو ہاتھ نہ لگائے۔ ان کا قول پہلے بھی گذر چکا ہے کہ آپ ﷺ پر درود بھیجے اور آپ ﷺ کے لیے دعا کرے۔ یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا اور آپ ﷺ کے لیے دعا کرنا قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت کے حصول کا سبب بنتا ہے۔

جیسا کہ صحیح حدیث میں آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم موذن کی آواز سنو تو وہی کہو جو موذن کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو۔ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو وہ جنت میں ایک درجہ ہے جو صرف ایک بندے کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا۔ جس نے میرے لیے وسیلہ کی اللہ سے دعا کی اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہو گئی۔ مذکورہ حکایت جس کی نسبت امام مالک کی طرح کی گئی ہے اگر وہ نسبت صحیح ثابت ہو گئی تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ امام مالک کہتے ہیں جب کوئی بندہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی طرف متوجہ ہو جائے، سلام کرے، درود بھیجے اور آپ ﷺ کے لیے اللہ سے وسیلہ مانگے تو رسول اللہ ﷺ اس کے لیے قیامت میں شفاعت کریں گے اس لیے کہ قیامت میں تمام امتیں اللہ کی طرف جانے یا اللہ سے ملنے کے لیے آپ ﷺ کی شفاعت کو ذریعہ بنائیں گی دنیا میں آپ ﷺ کی شفاعت کرنے کا معنی یہ ہو گا جو آخرت میں آپ ﷺ لوگوں کے لیے کریں گے (کہ لوگوں کی شفاعت کر کے اللہ کے ہاں ان کے لیے وسیلہ بنیں گے) یعنی کہ دنیا میں انسان رسول اللہ ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کرے۔ اسی طرح امام مالک سے ابن وھب کی روایت کے توسط سے منقول ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ پر سلام کہے۔ دعا کرے۔ قبلہ کے بجائے قبر کی طرف منہ کرے۔ دعا کرے اور سلام کہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کرے۔ یہاں دعا سے مراد وہی دعا ہے جو قبرستان میں پڑھنا مشروع ہے اور جو تمام مومنین کرتے ہیں یعنی اہل قبور کے لیے دعا کرنا تمام اہل قبور میں اللہ کے رسول اللہ ﷺ زیادہ لائق ہیں کہ آپ کے لیے دعا کی جائے اس طریقہ سے امام مالک کے اقوال میں تطبیق دی جا سکتی ہے کہ ایک جگہ امام مالک دعا کو پسند کرتے دوسری روایت میں ہے کہ ناپسند کرتے تھے اور اسے بدعت کہتے تھے۔

سوال: بریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ ان کو سکھاتے تھے کہ جب قبرستان جاؤ تو یہ کہا کرو:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"السلام علیکم اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء الله بکم لاحقون نسأل الله لنا ولکم العافیة"

(مسلم، نسائی، ابن ماجه)

"اے اہل قبور تم پر سلامتی ہو مومنین اور مسلمین میں سے۔ ان شاء اللہ ہم بھی تم سے آکر ملنے والے ہیں ہم اپنے لیے اور تمھارے لیے اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں"۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ پایا (تلاش کیا تو) آپ ﷺ بقیع میں تھے اور فرما رہے تھے:

"السلام علیکم دار قوم مومنین انتم فرط وانا بکم لاحقون اللهم لاتحرمنا اجرهم ولا تفتنا بعدهم"

"مومن قوم کے قبرستان تم پر سلامتی ہو۔ تم ہم سے پہلے جاچکے ہو اور ہم آکر ملنے والے ہیں اے اللہ ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کر اور ان کے بعد ہمیں فتنے میں مبتلا نہ کر"۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ... سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا گزر مدینہ کی قبروں پر ہوا تو ان کی طرف منہ کر کے کہا:

"السلام علیکم یا اهل القبور یغفر الله لنا ولکم وانتم سلفنا ونحن بالاثر"

"اہل قبور تم پر سلامتی ہو۔ اللہ تمھیں اور ہمیں بخش دے۔ تم پہلے جاچکے ہو ہم پیچھے آنے والے ہیں"۔

ان احادیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے قبرستان میں اپنے لیے عافیت کی اور اجر سے محروم نہ ہونے، فتنہ میں مبتلا نہ ہونے اور مغفرت کی دعا کی ہے؟

جواب: قبر کے پاس جس دعا سے منع کیا جاتا ہے اس سے مراد وہ دعا ہے جس کے لیے قبر کی زیارت کا قصد کیا جاتا ہو اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ قبر کے پاس مانگی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور یہ کہ قبر کے پاس دعا مسجد میں کی جانے والی دعا سے بہتر ہے اس مقصد کے لیے قبروں کی زیارت کی جاتی ہے اور وہاں اپنی ضروریات مانگی جاتی ہیں۔ جہاں تک اس دعا کا تعلق ہے کہ اصحاب قبور کے لیے دعا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی عافیت، مغفرت اور فتنہ سے محفوظ ہونے او اجر سے محروم نہ ہونے کی دعا ہے تو اس سے بھی مومن منع نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے تلمیذ رشید ابن قیم رحمہ اللہ جو کہ قبروں کے پاس دعا سے شدت کے ساتھ منع کرتے ہیں وہ بھی اس طرح کی دعا کو جائز کہتے ہیں بلکہ اس طرح کی دعا جس زیارت میں کی جائے اس زیارت قبور کو کہتے ہیں کہ یہ اہل ایمان کی زیارت اور سنت کے مطابق زیارت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ باب زیارۃ النبی ﷺ کے تحت لکھتے ہیں حج سے قبل یا بعد مدینہ منورہ نظر آئے تو جو کچھ پہلے بیان ہوا وہ کہے جب داخل ہو جائے تو مستحب ہے کہ غسل کرے امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب، مسجد میں داخل ہو جائے تو دایاں پاؤں پہلے رکھے اور کہے:

"بسم الله والصلاة علی رسول الله اللهم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك"

پھر روضہ یعنی قبر اور منبر کے درمیان کی جگہ پر آئے وہاں نماز پڑھے اور جو چاہے دعا کرے۔ پھر نبی ﷺ کی قبر کے پاس آئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قبر کی دیوار کی طرف منہ کرے مگر اس کو نہ ہاتھ لگائے نہ بوسہ دے اور جو قندیل قبر کے پاس قبلہ کی سمت ہے اس کو سر کے اوپر رکھے (یعنی اس کے نیچے کھڑا ہو) تاکہ نبی ﷺ کے سامنے کھڑا ہو دور کھڑا رہے اور اس طرح خشوع خضوع اور سکون کے ساتھ سر جھکا کر کھڑا ہو کہ اگر آپ ﷺ حیات ہوتے تو اس وقت آپ ﷺ کے سامنے جیسے کھڑا ہوتا۔ آنکھیں جھکی ہوئی ہوں۔ آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہونے کا منظر اور اس کی قدر و منزلت اپنے دل میں لائے پھر کہے:

"السلام علیك یا رسول الله و رحمة الله و برکاته۔ السلام علیك یا سید المرسلین و خاتم البنیین وقاید الغر المحجلین۔ اشهد ان لا اله الا الله و اشهد انك رسول الله اشهد انك قد بلغت رسالات ربك و نصحت لامتك و دعوت الی سبیل ربك بالحکمة و الموعظة الحسنة و عبدت الله حتی ایاك الیقین فجزاك الله افضل ماجزی نبیا و رسولا عن امته اللهم آتها لوسیلة و الفضیلة وابعثه مقاما محمودا الذی وعدته لیغبطه الاولون ولآخرون اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت۔۔۔۔۔"

"اللهم احشرنا فی زمرته وتوفنا علی سننه واوردنا حوضه واسقنا بکاتسه شرابا رویا لانظماء بعده ابدا"

(یہ فصل مصنف کی کتاب کی ابتداء میں ہے اور بتکرار ہے)

اور "الجواهر الباهر لمن سال من ولاة الامر عما افتی به فی زیارة المقابر" میں فرماتے ہیں۔ میں نے متعدد مقامات پر زیارت قبور کو اس طریقے پر مستحب کہا ہے جس طریقے سے رسول اللہ ﷺ اہل بقیع اور شھداء احد کی زیارت کرتے تھے اور صحابہ کرام بھی جانتے تھے کہ جب وہ قبروں کی زیارت کرنے جاتے تھے تو کہتے تھے:

"السلام علیکم اهل الدیا رمن المسلمین وانا ان شاء الله بکم لاحقون ویرحم المستقد مین مناو منکم والمستاخرین۔ ونسال الله لنا ولکم العافیة اللهم لاتحرمنا اجرهم ولا تفتنا بعدهم واغفر لنا ولهم"

جب عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مشروع ہے تو قبور انبیاء و صالحین کی زیارت تو بدرجہ اولیٰ ہے آخر عمر میں احکام حج کے بارے میں جو کتاب لکھی اس میں فرماتے ہیں قبروں کی زیارت دو طرح سے ہے۔ ایک زیارت شرعیہ اور دوسری زیارت بدعیہ بدعیہ۔ شرعیہ سے مقصود میت کے لیے سلام (یعنی سلامتی کی دعا) ہے جیسا کہ نماز جنازہ میں کرتے ہیں۔ لہٰذا مرنے کے بعد قبر کی زیارت کا مقصد اس کے لیے دعا کی قسم سے ہے۔ اس میں سنت طریقہ یہ ہے کہ میت پر سلام کہے اس کے لیے دعا کرے چاہے میت نبی ہو یا غیر نبی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو حکم کرتے تھے کہ جب قبر کی زیارت کریں تو اس طرح کہیں:

"السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء الله بکم لاحقون ویرحم الله المستقد مین منکم والمستاخرین نسال الله لنا ولکم العافیة اللهم لاتحرمنا اجرهم ولا تفتنا بعدهم واغفر لنا ولهم"

آپ ﷺ خود بھی جب اہل بقیع، شھدائے احد یا دیگر فوت شدہ صحابہ کرام کی قبروں کی زیارت کرتے تھے تو یہی کرتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور زیارت بدعیہ یہ ہے کہ زیارت کرنے والے کا زیارت سے مقصود میت سے اپنی حاجات طلب کرنا ہوتا ہے یا اس کی قبر کے پاس دعا کرنا یا میت کے توسط سے دعا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ نبی ﷺ کی سنت نہیں ہے اور امت کے سلف میں سے بھی کسی نے اس کو پسند نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ بدعت ہے جس سے امت کے سلف اور ائمہ نے بالاتفاق منع کیا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب صحابہ کی قبروں کی زیارت کرتے تھے تو ان کے لیے اور استغفار کرتے تھے۔ ان کے لیے رحم کی دعا فرماتے تھے یہ ہے وہ زیارت جو آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے مقرر کی ہے اور سنت قرار دی ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ جب قبروں کی زیارت کریں تو اس طرح کہیں:

"السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء الله بکم لاحقون نسال الله لنا ولکم العافیة"

"تبعید الشیطان بتقریب اغاثه اللهفان" میں ہے اب اس زیارت کے بارے میں سنو جو اہل ایمان کرتے ہیں اور جسے اللہ نے جائز و مشروع قرار دیا ہے اور پھر اس کا موازنہ اس زیارت کے ساتھ کرو جو اہل شرک کرتے ہیں اور جسے شیطان نے ان کے لیے بنایا ہے اور پھر اپنے لیے (دونوں میں سے) منتخب کرو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ کی باری جب میرے ہاں ہوتی تو رات کے آخری پہر میں بقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور کہتے:

"السلام علیکم دار قوم مومنین وانا کم ماتوعدون غدا موجلون وانا ان شاء الله بکم لاحقون اللهم اغفر لاهل بقیع الغرقد" (مسلم)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے۔ جبریل آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ رب نے حکم دیا ہے کہ آپ بقیع میں جا کر ان کے لیے استغفار کریں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا اللہ کے رسول اللہ ﷺ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح کہو:

"السلام علی اهل الدیار من المومنین والمسلمین ویرحم الله المستقدمین منکم والمستاخرین وانا ان شاء الله بکم لاحقون"

بریرہ عن ابیہ کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان کو سکھاتے تھے کہ جب قبرستان جاؤ تو کہو۔

"السلام علی اهل الدیار"

ایک جگہ لفظ ہے۔

"السلام علیکم اهل الدیا۔۔۔"

یہ حدیث پوری گزر چکی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

"نسال الله لنا ولکم العافیة"

قبروں والوں کے لیے دعا کرنے کے بعد اپنے لیے دعا کرنے سے کون منع کر سکتا ہے جبکہ یہ صحیح احادیث سے ثابت ہے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الصارم المنکی میں ہے۔ قبر کے پاس دعا کرنا مطلقاً مکروہ نہیں ہے بلکہ اس طرح کی دعا کا تو حکم کیا جائے گا جس طرح سنت میں ہے البتہ قبر کے پاس خاص کر دعا کے لیے آنا مکروہ ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا کسی اور کے لیے دعا کرنا چاہے تو ابتداء اپنے لیے دعا سے کرے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو یاد کرتے اور اس کے لیے دعا کرتے تو پہلے اپنے لیے کرتے (اسے ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور حسن صحیح غریب کہا)

اسی لیے تشہد میں السلام علینا پہلے آیا ہے۔

ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ دعا میں ابتداء اپنے آپ سے کی جائے۔

مقصود بالذات میت کے لیے دعا ہے۔ اور اپنے لیے دعا اسی وجہ سے ہے کہ جب کسی اور کے لیے ہو تو ابتداء خود سے کی جائے۔

شیخ دحلان: یہ جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا افضل ہے تو امام صاحب سے یہ بات غلط منقول ہے۔ اس لیے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی مسند میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں سنت طریقہ یہ ہے کہ قبر شریف کی طرف منہ ہو اور قبلہ کی طرف پیٹھ ہو۔

شیخ بشیر: اس بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں ابن حجر مکی الجوھر المنظم میں کہتے ہیں یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا اور قبر کی طرف منہ کرنا افضل ہے تو یہ ہمارا اور جمہور علماء کا مذھب ہے۔ جبکہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ کعبہ کی طرف منہ کرنا افضل ہے یہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے مگر ان سے پہلے مذھب کی موافقت منقول ہے۔

یہ دعویٰ کرنا کہ ان سے یہ نقل صحیح نہیں ہے اس لیے کہ مسند امام اعظم میں روایت اس کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسند امام اعظم کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ اس کے راویوں میں مجہول، مجروح اور متھم بالکذب راوی بھی ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے امام صاحب کی مشہور ترین مسند ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی کی مسند ہے جسے حسن بن زیاد اللؤلوی نے روایت کیا ہے اور یہ عبداللہ جو اس مسند کو جمع کرنیوالا ہے اس پر خود وضع حدیث کا الزام ہے۔ امام ذھبی المیزان میں لکھتے ہیں عبداللہ محمد بن یعقوب الحارثی البخاری الفقیہ جو استاد کے نام سے معروف ہے اس سے اکثر روایات عبداللہ بن مندہ کی ہیں اور اس کی تصانیف بھی ہیں اس کے بارے میں ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابو سعید الروسی نے کہا ہے کہ یہ متھم بوضع الحدیث ہے۔ احمد سلیمانی کہتے ہیں یہ ایک سند کو ایک متن اور اس متن کی سند کو اس سند کے متن کے ساتھ لگاتا تھا اور یہ وضع کی ایک قسم ہے۔ حمزہ السہمی کہتے ہیں میں نے ابو زرعہ احمد بن الحسن الرازی سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ ضعیف ہے۔ حاکم نے کہا کہ یہ ثقہ راویوں سے عجیب احادیث روایت کرتا تھا۔ خطیب کہتے ہیں لایحتج بہ۔ الخلیلی کہتے ہیں یہ استاد کے نام سے معروف تھا اس کی اسی طرح پہچان تھی اس الملاحی اور احمد بن محمد البیصر نے عجیب احادیث روایت کی ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ عبید اللہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن واصل بن الصائغ اور عبد الصمد بن الفضل البلخی اس سے روایت کرتے ہیں اسکی سماعات ۲۸۰ھ کے بعد اور اس سے پہلے کی ہیں اس کا انتقال ۳۴۰ھ میں ۸۱ سال کی عمر میں ہوا اس نے مسند امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جمع کی ہے اسی طرح اس کی روایت میں حسن بن الزیاد اللؤلؤی ہے اور وہ کذاب ہے۔ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں حسن بن زیاد اللولوی الکوفی جو ابن جریج وغیرہ سے روایت کرتا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے فقہ کا علم حاصل کیا ہے۔ احمد بن ابی مریم اور عباس رضی اللہ عنہ الدوری نے یحیٰ بن معین سے روایت کی ہے انہوں نے کہا ہے کہ یہ کذاب ہے۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر کہتے ہیں یہ علی بن جریج پر جھوٹ بولتا تھا۔ اسی طرح ابو داؤد نے بھی اسے کذاب کہا ہے وہ کہتے ہیں یہ کذاب اور غیر ثقہ ہے۔ ابن المدینی کہتے ہیں اس کی احادیث نہیں لکھی جاتیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں یہ ثقہ اور مامون نہیں ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں یہ ضعیف اور متروک ہے۔ محمد بن حمید الرازی کہتے ہیں میں نے نماز کے بارے میں اس سے برا آدمی نہیں دیکھا۔ البویطی کہتے ہیں میں نے شافعی کو کہتے سنا کہ فضل بن ربیع نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کا اور لولوی کا مناظرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا وہ اس قابل نہیں ہے۔ اس نے کہا میں چاہتا ہوں۔ کہتے ہیں ہم دونوں آگئے اور وہ ہمارے لیے کھانا لایا میرے ساتھ ایک آدمی تھا اس نے کہا آپ کا اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے نماز میں پاکدامن عورت پر بہتان لگایا؟ اس نے کہا کہ اس کی نماز باطل ہوگئی۔ اس نے پوچھا اور اس کی طہارت؟ تو اس نے کہا کہ باقی ہے۔ میں نے اس سے کہ اگر پاکدامن عورت پر بہتان لگانا نماز میں ہنسنے سے زیادہ برا ہے۔ (امام شافعی کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نماز میں ہنسنے سے وضوء باطل ہو جاتا ہے تو پاکدامن عورت پر تہمت سے کیوں نہیں ٹوٹتا جب کہ یہ تو ہنسنے سے بڑا گناہ ہے۔ "رشید رضا")

لولوی نے اپنی چپل اٹھائی اور کھڑا ہو گیا۔ میں نے فضل سے کہا کہ میں نے تمھیں نہیں بتایا تھا کہ یہ مناظرہ کرنے کے لائق نہیں ہے؟ محمد بن حسن نیساپوری کہتے ہیں حسن بن زیاد نماز میں امام سے پہلے سر اٹھاتا تھا اور امام سے پہلے سجدہ کرتا تھا۔ اس کا انتقال ۲۰۴ھ میں ہوا یہ بہت بڑا فقیہ تھا۔

خاص کر یہ اثر (بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ مصنف کا قول ہے اور یہ عبداللہ بن الحارث کے قول کہ لولوی متہم بالوضع ہے کا تتمہ ہے اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ خاصکر یہ اثر موضوع کہلانے کے زیادہ لائق ہے مستثنٰی اور مستثنیٰ منہ میں فاصلہ دراصل تالیف کا ضعف ہے" محمد رشید رضا")

جسے طلحہ بن محمد نے اپنی مسند میں صالح بن احمد سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح وفاء الوفاء میں ہے۔ جبکہ اس کو روایت کرنے والا طلحہ ضعیف ہے۔ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں ابن ابی الفوارس نے کہا ہے کہ یہ اعتزال (معتزلہ مذہب) کی طرف دعوت دیتا تھا۔ ازھری نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ صالح بن احمد نے اس کو کذاب، دجال کہا گیا ہے۔ امام ذہبی کہتے ہیں۔ صالح بن احمد بن ابی مقاتل عن یعقوب الدوانی ویوسف بن موسیٰ القطان وغیر ھما یہ قیروطی بزار کے نام سے معروف ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں متروک، کذاب، دجال ہے ہم نے اس کو دیکھا ہے مگر اس کی حدیث نہیں لکھی۔ یہ وہ حدیثیں بیان کرتا تھا جو اس نے نہیں سنی ہوتی تھیں۔ ابن عدی کہتے ہیں یہ حدیثیں چوری کرتا تھا۔ اس کے دادا کا نام یونس تھا۔ البرقانی کہتے ہیں ذاھب الحدیث ہے عبداللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

استاد نے مسند ابو حنیفہ میں جو حدیثیں جمع کی ہیں ان میں سے ایک حدیث ہے۔ کہ اس نے ابو صالح کو لکھا:

"حدثنا الخضر بن ابان الهاشمي حدثنا مصعب بن المقدام حدثنا زفر حدثنا ابو حنيفة عن عطاء عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ بئس البيت الحمام لا يستر وماء لا يطهر"

یہ صالح کی بنائی ہوئی حدیث ہے۔ اگر اس اثر کی اسناد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تک صحیح تسلیم کرلی جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ امام صاحب کا مذہب ہو اس لیے کہ بہت سے امام احادیث روایت کرتے ہیں اور ان کا اپنا مذہب ان احادیث کے خلاف ہوتا ہے۔ اس کی وجوہات علم الاصول میں مذکور ہیں۔ اور کسی بھی عالم نے اس کا انکار نہیں کیا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بہت سے مسائل میں آثار سے دلیل نہیں لیتے یہ مسئلہ بھی انہی میں سے ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ امام صاحب کا اس اثر کو اپنی مسند میں روایت کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ امام صاحب سے زیارت کے موقع پر استقبال قبلہ کی بات نقل کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کے دحلان کا خیال ہے۔ ہم یہاں احناف علماء کی کچھ عبارتیں نقل کرتے ہیں جن سے یہ واضح ہو جائیگا کہ سلام کے وقت قبلہ رو ہونا ان کے ہاں مشہور ہے۔

1 طحاوی در مختار کے حاشیہ میں لکھتے ہیں پھر کھڑا ہو جائے آپ ﷺ کی قبر کی طرف متوجہ ہو جائے قبر کے سرہانے کھڑا رہے قبلہ رو ہو کر تقریباً تین چار ہاتھ قبر کے قریب ہو اس سے زیادہ قریب نہ ہو۔

2 الهندیہ میں الاختیار فی شرح المختار سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے پھر اٹھے آپ ﷺ کی قبر کی طرف متوجہ ہو جائے سرہانے کھڑا ہو جائے قبلہ کی طرف منہ کر کے پھر تین چار ہاتھ کے برابر قریب ہو اس سے زیادہ نہ ہو۔

3 سید محمود آفندی شہاب الدین بغداد میں احناف کے مفتی مشہور مفسر جو آلوسی کے نام سے معروف ہیں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ائمہ نے آپ ﷺ کی قبر کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونے میں ائمہ نے اختلاف کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں یہ ہے کہ قبر کی طرف منہ نہ کرے بلکہ پیٹھ کرے اور قبلہ کی طرف منہ کرے۔ بعض نے کہا ہے سلام کے وقت منہ قبر کی طرف کرے اور دعا کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرے۔ صحیح یہ ہے کہ سلام کے وقت قبر کی طرف منہ کرے اور دعا کے وقت قبلہ کی طرف رخ کرے۔

4 اب اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔

5 کرمانی وغیرہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ سید محمود نے جو یہ کہا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ سلام کے وقت قبر کی طرف منہ کرے اور دعا کے وقت قبلہ کی طرف منہ اور قبر کی طرف پیٹھ کرے تو یہ قول مردود ہے۔ اس لیے کہ ابن جماعہ نے لکھا ہے کہ جس بات کو احناف نے صحیح کہا ہے وہ یہ ہے کہ سلام اور دعا دونوں صورتوں میں منہ قبلہ کی طرف ہو گا۔

شیخ دحلان: ابن الہمام نے ابن جماعہ سے قبل اس مسئلہ پر بات کی ہے اور اس نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ قبر کی طرف منہ کرنے کو پسند کرتے تھے اور کرمانی کی اس بات کو رد کیا ہے کہ منہ قبلہ کی طرف ہو گا کہا ہے "انہ لیس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بشیئی"۔

شیخ بشیر: میں نے منسک ابی جماعہ دیکھی ہے مگر اس میں یہ آثار اور اس کا رد کہیں نہیں ملا اسمیں وہی ہے جو ابھی میں نے نقل کیا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ جو کچھ شیخ دحلان کہہ رہے ہیں یہ جھوٹ ہو اس لیے کہ میں نے جو نسخہ دیکھا تھا وہ صحیح اور قدیم نسخہ تھا اس کے آخر میں لکھا تھا کہ یہ نسخہ دس رمضان ۷۴۶ھ کو مکمل ہوا اس کا کاتب محمد بن عیسیٰ البزاوی ہے۔

شیخ دحلان: قبر کی طرف منہ کرنے کی دلیل اس بات سے بھی لی جاسکتی ہے کہ ہم اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور زیارت کرنے والے کا علم رکھتے ہیں اور جب آپ ﷺ دنیا میں تھے تو آپ ﷺ کی زیارت کرنے والے کو لازمی طور پر آپ ﷺ کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرنی پڑتی۔ اب یہی طریقہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت میں بھی ہو گا۔

شیخ بشیر: آپ ﷺ کی قبر کی زندگی برزخی زندگی ہے اور برزخی زندگی تمام احکام میں دنیاوی زندگی کی طرح نہیں ہے جو شخص کہتا ہے کہ برابر ہے تو وہ دلیل دے۔

شیخ دحلان: جب ہم مسجد حرام میں علماء کا درس دیکھتے ہیں تو اس میں عالم قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہوتا ہے۔ اور طلبہ عالم کی طرف منہ کر کے اور کعبہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے ہوتے ہیں تو نبی ﷺ کے ساتھ تو زیادہ اولیٰ ہے۔ (کہ آپ ﷺ کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پیٹھ ہو)

شیخ بشیر: یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی زندگی برزخی زندگی ہے اور مدرس کی زندگی دنیاوی ہے لہٰذا دونوں کا آپس میں کوئی تعلق یا مناسبت نہیں۔

شیخ دحلان: امام مالک کا خلیفہ منصور کو یہ کہنا کہ تو نے اپنا منہ کیوں پھیرا؟ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

شیخ بشیر: اس پر گفتگو بھی ہو چکی ہے اور اس کی تاویل بھی کی جاچکی ہے۔

شیخ دحلان: علامہ زرقانی شرح المواھب میں لکھتے ہیں مالکیہ کی کتب بھری پڑی ہیں اس بات سے کہ دعا کے وقت قبر کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا مستحب ہے۔

شیخ بشیر: یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ابن وھب کی روایت میں امام مالک کا قول نقل ہوا ہے کہ (زیارت کرنے والا) جب نبی ﷺ پر سلام کہے اور دعا کرے تو وہ اس طرح کھڑا ہو کہ اس کا منہ قبر کہ طرف ہو قبلہ کی طرف نہ ہو اس روایت میں سلام اور دعا سے مراد ہے۔ نبی ﷺ کے لیے دعا کرنا جیسا کہ قبروں کی زیارت کے وقت کیجاتی ہے۔ یہ دعا قبروں والوں کے لیے ہوتی ہے اور اس کے ضمن میں اپنے لیے بھی دعا کر لی جاتی ہے۔ اس کا انکار کوئی بھی مسلمان مومن نہیں کرتا۔ (تفصیل گذر چکی ہے۔) اگر مالکیہ کی مراد وہ دعا ہے جس کے لیے قبر کا قصد کر کے لوگ جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ قبر کے پاس دعا قبول ہوتی ہے اور قبر کے پاس دعا مسجد میں دعا سے افضل ہے اور اپنی ضروریات و حاجات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مانگنے کے لیے قبر کے پاس جاتا ہے تو یہ ان کے امام کے اس قول کے خلاف ہے جو امام سے سند صحیح کے ساتھ منقول ہے امام کہتے ہیں کھڑا رہے اور دعا کرتا رہے بلکہ سلام کرتا ہوا گذر جائے۔ اس کو اسماعیل بن اسحاق نے المبسوط میں اور قاضی عیاض وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مناظرہ کے وقت منصور سے بات کرنا یہ اس روایت کے معارض نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی سند بہت کمزور ہے۔ جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے۔

شیخ دحلان: پھر امام ابو حنیفہ امام شافعی اور جمہور کا مسلک بھی اسی طرح منقول ہے۔

شیخ بشیر: یہ جو ان ائمہ سے منقول ہے یہ اس منقول کے معارض ہے جسے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ائمہ اربعہ سے نقل کیا ہے کہ ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب دعا کرے تو قبر کی طرف منہ نہ کرے۔ شیخ ابن قیم رحمہ اللہ اغاثہ میں فرماتے ہیں سلف نے توحید کو مکمل طور پر صاف اور خالص بنا دیا ہے ان میں سے جب کوئی نبی ﷺ پر سلام کہتا تھا اور پھر دعا کرنا چاہتا تو قبلہ کی طرف منہ کرتا اور پیٹھ قبر کی دیوار کی طرف کرتا پھر دعا کرتا۔ سلمہ بن وردان کہتے ہیں میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجتے پھر قبر کی دیوار کی طرف ٹیک لگا کر دعا کرتے۔ ائمہ اربعہ نے وضاحت و صراحت سے کہا ہے کہ دعا کے وقت منہ قبلہ کی طرف ہو گا تا کہ قبر کے پاس دعا نہ ہو اس لیے کہ دعا عبادت ہے۔ یہ دونوں امام نقل میں شیخ ہیں جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ ابن حجر المکی جس پر شیخ دحلان کو اعتماد ہے وہ الجوھر المنظم میں لکھتے ہیں ہم نے جو یہ کہا ہے کہ دعا کے وقت قبر کی طرف منہ کرے گا تو یہ ہمارا اور جمہور علماء کا مذہب ہے اور بعض مالکیہ نے بھی اس کو اپنایا ہے باوجود یکہ امام مالک اس کے خلاف ہیں ان کی رائے میں بہتر یہ ہے کہ دعا کے وقت بھی منہ قبر کی طرف ہو خلیفہ منصور نے سوال کیا تھا (اسکا جواب امام نے یہ دیا تھا)۔

شیخ بشیر: پہلے یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ اس حکایت کی امام مالک کی طرف نسبت بہت ہی ضعیف ہے اور اس کے ساتھ امام مالک کی وہ رائے معارض ہے جو ان سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے جس میں امام مالک فرماتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرے بلکہ سلام کرتا ہوا گذر جائے۔ ثابت یہ ہوا کہ امام مالک اس بات میں جمہور کے موافق ہیں کہ دعا کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرے۔

شیخ دحلان: آلوسی نے اپنی تفسیر میں جو یہ نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے وسیلہ لینے سے منع کیا ہے تو یہ نقل صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ بات ان کے ہم مذہب لوگوں میں سے کسی نے نقل نہیں کی۔

شیخ بشیر: ابو الحسن قدوری شرح کتاب الکرخی میں لکھتے ہیں بشر بن ولید نے کہا کہ میں نے ابو یوسف کو کہتے سنا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کسی کے لیے لائق نہیں کہ اللہ کو پکارے مگر صرف اسی کے ذریعے (یعنی اللہ ہی کے) میں اس طرح کہنے کو ناپسند کرتا ہوں کہ۔ (اے اللہ) میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے عرش کے عزت کے مقامات کے واسطے سے اس کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ناپسند کیا۔ ابو یوسف نے اس کی رخصت دی ہے۔ تبعید الشیطان میں بھی اسی طرح لکھا ہے ابن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلاجی شرح مختار میں لکھتے ہیں اللہ کو صرف اسی کے واسطے سے پکارنا چاہیے اس کے علاوہ مکروہ ہے یہ نہ کہے کہ میں تجھ سے تیرے ملائکہ یا انبیاء وغیرہ کے واسطے سے پکارتا ہوں اس لیے کہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔ تبعید الشیطان میں بھی یہی ہے۔

نعمان خیر الدین حنفی جلاء العینین میں لکھتے ہیں۔ قدوری وغیرہ احناف نے ابویوسف سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کسی کے لیے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کو کسی کے واسطے سے پکارے، العلائی شرح تنویر میں التاتارخانیہ سے وہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا اللہ کو صرف اسی کے ساتھ پکارنا چاہیے (یعنی صرف اللہ کو پکارنا چاہیے بغیر کسی کے واسطے کے)۔ ان تمام کے متن میں ہے کہ بحق الانبیاء، اولیاء، بحق البیت بحق مشعر حرام وغیرہ مکروہ تحریمی ہے جیسے آگ کی سزاء کسی کو دینا حرام ہے۔ اسی میں مزید لکھا ہے شیخ ابوالحسین القدوری نے اس کو شرح الکرخی کے باب الکراھیۃ میں لکھا ہے۔ بشر بن الولید کہتے ہیں میں نے ابو یوسف رحمہ اللہ کو کہتے سنا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کو صرف اسی کے نام سے پکارنا چاہیے اور میں یہ بمقاعد العزمن عرشک یا بحق خلقک کو پسند نہیں کرتا۔ ابو یوسف بمقاعد العزمن عرشک کو ناپسند نہیں کرتے اور بحق فلاں بحق انبیاء ک ورسلک و بحق البیت والمشعر الحرام کو مکروہ کہتے ہیں۔ قدوری کہتے ہیں مخلوق کے واسطے اور وسیلے سے دعا یا سوال کرنا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔ در مختار میں کہتے ہیں کہ تاتارخانیہ میں المنتقی کی طرف منسوب ابو یوسف سے نقل کیا گیا ہے وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ صرف اللہ ہی کو پکارنا چاہیے اور جن دعاؤں کی اجازت ہے اور جن کا حکم دیا گیا ہے اور وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا سے جو بھی نام لیکر پکارا جائے۔ اسی طرح فرمایا کوئی شخص کسی پر درود نہ بھیجے سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ”بحق رسلك وانبیاءك واولیاءك یابحق البیت“ کو ناپسند کیا ہے اس لیے کہ اللہ پر مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدین ردالمختار علی درالمختار میں لکھتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو بحق رسلک کو مکروہ کہا ہے تو ابویوسف نے اسمیں ان کی مخالفت نہیں کی ہے بخلاف سابقہ متن کے جیسا کہ اتقانی نے کہا ہے۔ اور مخلوق کا خالق پر حق نہیں ہے کہ تحت لکھا ہے کہ جب لفظ سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہو کہ عدم جواز پر دال ہے تو یہ منع کے لیے کافی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ خبر آحاد کے معارض نہیں ہے۔ اسی لیے ہمارے ائمہ نے منع کیا ہے یا منع کا لفظ استعمال کیا ہے۔

یہ سب لوگ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذھب کے افراد ہیں اور یہ سب امام صاحب سے وسیلہ کی ممانعت نقل کر رہے ہیں جو شخص اس نقل کا انکار کرتا ہے وہ مذھب ابی حنیفہ رحمہ اللہ سے لاعلم ہے۔

شیخ دحلان: امام قسطلانی کی مواہب الدنیہ میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آیا اور کہا اے اللہ تو نے غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا ہے یہ تیرا حبیب ہے اور میں تیرا غلام ہوں مجھے اپنے حبیب کی قبر پر جہنم سے آزاد کر دے۔ اس کو ایک آواز آئی کہ تم صرف اپنے لیے آزادی مانگ رہے ہو تم نے تمام مومنین کے لیے آزادی کیوں نہ مانگی جاؤ تمھیں آزاد کر دیا گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ بشیر: اس پر مندرجہ ذیل وجوہ سے گفتگو ہو سکتی ہے۔

1 قسطلانی نے یہ حکایت بغیر سند کے بیان کی ہے لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

2 کسی قسم کی آواز شریعت میں دلیل نہیں اس لیے کہ ہو سکتا ہے یہ آواز شیطان کی ہو۔

3 اعرابی کا یہ قول اور فعل کوئی شرعی دلیل نہیں شرعی مسائل میں اس کو بطور دلیل کے پیش نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ دحلان: مواھب میں ہی حسن بصری سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حاتم الاصم نے رسول اللہ ﷺ کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کی اے اللہ ہم نے تیرے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کی ہے اب ہمیں ناکام واپس مت لوٹانا۔ اس کو آواز آئی تم نے ہمارے حبیب کے قبر کے پاس جو بھی کہا وہ قبول کر لیا گیا جاؤ تم اور تمھارے ساتھ جتنے بھی زیارت کرنے والے ہیں سب کو بخش دیا گیا۔

شیخ بشیر: اس پر بھی ہم چند وجوہ کی بنا پر بات کریں گے۔

1 یہ حکایت بغیر سند کے ہے لہٰذا قابل اعتبار نہیں۔

2 حاتم اصم کا قول شرعی دلیل نہیں ہے۔

3 حاتم اصم کے قول میں صرف زیارت اور دعا کا ذکر ہے اور یہ زیارت کے وسیلہ سے ہے جبکہ زیارت اعمال صالحہ میں سے اور اعمال صالحہ کے وسیلے کا کوئی انکار نہیں کرتا۔

4 اس حکایت میں جس آواز کا ذکر ہے اس کا اعتبار نہیں ہو سکتا ہے وہ شیطان کی آواز ہو اور یہ امکان و احتمال اس دلیل کے رد کے لیے کافی ہے۔

شیخ دحلان: ابن ابی فدیک کہتے ہیں میں نے ایک عالم صالح آدمی کو سنا وہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص رسول ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر:

﴿ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ ﴾
(الاحزاب:٥٦)

آیت تلاوت کرے اور کہے کہ اے محمد ﷺ تجھ پر اللہ رحمتیں نازل کرے یہ بات ستر مرتبہ کہے تو فرشتہ اس آدمی کو آواز دیکر کہتا ہے کہ اے فلاں تم پر اللہ نے رحمت کی اس کی کوئی حاجت رد نہیں کی جاتی۔

شیخ بشیر: اس میں متعدد خامیاں ہیں۔

1 بغیر سند کے ہے اسکا اعتبار نہیں ہے۔

2 جس سے ابن ابی فدیک نے روایت کیا ہے وہ مجہول اور نامعلوم ہے۔

3 یہ ایک مجہول آدمی کی بلاغات میں سے ہے حالانکہ ثقہ اور عدول کی بلاغات حجت نہیں ہوتی تو مجہول کی کیسے ہو سکتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

4 اس میں کہا ہے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ پہنچانے والا کون ہے؟ تابعی ہے تبع تابعی ہے۔ صحابی ہے یا اللہ کے رسول ﷺ ہیں؟

5 محمد بن اسماعیل بن ابی فدیک اگرچہ صدوق ہے مشہور ہے اس کی روایات کتب ستہ میں ہیں لیکن ابن سعد نے کہا ہے۔ 'لیس بحجة'۔ میزان میں بھی اسی طرح ہے۔

شیخ دحلان: شرح مواہب للزرقانی میں ہے کہ جب پکارنے والا کہتا ہے اے اللہ میں تیرے پاس تیرے نبی کو سفارشی بناتا ہوں اے نبی رحمت میرے لیے اپنے رب کے پاس سفارش کردیں تو اس (پکارنے والے) کی دعا قبول ہوتی ہے۔

شیخ بشیر: ابو جعفر اور امام مالک کے مناظرہ کے تحت زرقانی نے امام مالک کے قول:

"وهو وسيلتك ووسيلة ابيك آدم عليه السلام الى الله يوم القيامه"

کے بارے میں کہا ہے کہ یہ دراصل شفاعت عظمی کی حدیث کی طرف اشارہ ہے اور یہ جو پکارنے والے کا قول ہے کہ اللہ میں تیرے نبی کو سفارشی بناتا ہوں .... تو اس کے لیے زرقانی نے سند ذکر نہیں کی۔ اب جو شخص اس سے دلیل لیتا ہے اس کو چاہیے کہ اس کی سند پیش کرے اور اس کے رجال کی توثیق کرے شاید کہ اس کا مقصد عثمان بن حنیف کی اس روایت سے استدلال ہو جسمیں نابینا کی دعا کا ذکر ہے تو اسمیں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ سے دعا کرو .... اگر وہی حدیث مراد ہے تو اس پر پہلے بات تفصیل کے ساتھ ہو چکی ہے۔

شیخ دحلان: یہ جو نبی ﷺ اور صحابہ کرام اور امت کے سلف و خلف سے نصوص روایت کی گئیں ان میں واضح ہو گیا ہو گا کہ نبی ﷺ کا وسیلہ لینا۔ آپ ﷺ کی زیارت۔ آپ ﷺ سے شفاعت طلب کرنا ان سب سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا ہے۔ اسمیں کوئی شک شبہ نہیں رہا۔ اور یہ بڑی عبادات میں سے ہے اور یہ کہ آپ ﷺ کا وسیلہ لینا آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل بھی لیا جا چکا ہے اور بعد پیدائش بھی آپ ﷺ کی زندگی میں اور وفات کے بعد بھی اور قیامت میں بھی لیا جائے گا۔

شیخ بشیر: شیخ دحلان نے جو کچھ ذکر کیا ان میں سے کچھ تو ثابت ہی نہیں۔ کچھ ایسا ہے جو اس مسئلہ کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کچھ ایسا ہے جسکا مد مقابل دلیل کے طور پر قبول کرنے سے انکار نہیں کرتا یہ سب کچھ گذشتہ تفصیلات سے واضح ہو گیا ہے۔

شیخ دحلان: المواهب میں ہے کہ اللہ ابن جابر پر رحم کرے جس نے کہا ہے اللہ نے آدم کی دعا قبول کرلی اور نوح علیہ السلام کو کشتی میں نجات دے دی اور خلیل علیہ السلام کو بھی آگ نے نقصان نہیں پہنچایا آپ ﷺ کے نور کی وجہ سے اور آپ ﷺ کی وجہ سے ہی اسماعیل علیہ السلام ذبیح کہلائے۔

شیخ بشیر: معلوم نہیں ابن جابر کون ہے جو اس کی بات سے استدلال کرتا ہے اسے چاہیے کہ اس کا تعارف اور اس کی توثیق اور ان اشعار کی سند پیش کرے۔ تاکہ ان پر غور کیا جا سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: بیہقی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بارش کی دعا کرنے لگا اور کہنے لگا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہیں اس حال میں کہ عورتوں کا دودھ خون بنکر بہہ رہا ہے اور ماؤں کو بچوں کی فکر نہ رہی ہم صرف آپ کے پاس ہی آسکتے ہیں مخلوق رسولوں کے علاوہ اور کہاں جاسکتی ہے؟ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کی اس بات کو رد نہیں کیا بلکہ انس کہتے ہیں کہ جب اعرابی نے یہ باتیں کیں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک گھسیٹتے ہوئے منبر پر گئے خطبہ دیا اور دعا شروع کر دی یہاں تک کہ بارش شروع ہو گئی۔

شیخ بشیر: اس پر ہم دو پہلو سے بات کریں گے۔

1 اس کی سند میں مسلم الملائی ہے جو بہت ہی کمزور ہے امام ذہبی رحمہ اللہ المیزان میں فرماتے ہیں مسلم بن کیسان ابو عبد اللہ الضبی الکوفی الملائی الاعور انس رضی اللہ عنہ اور ابراھیم نخعی سے روایت کرتا ہے اور اس سے ثوری، ابو وکیع الجراح بن ملیح یا ملیح روایت کرتے ہیں ان کے بارے میں الفلاس کہتے ہیں یہ متروک الحدیث ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔ یحیٰ ' کہتے ہیں یہ ثقہ نہیں ہے بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کے بارے میں محدثین کلام کرتے ہیں۔ یحیٰ کہتے ہیں محدثین کا خیال ہے کہ اس نے اختلاط کیا ہے۔ نسائی وغیرہ اسے متروک کہتے ہیں۔ ابو ھشام کہتے ہیں حدثنا ابن فضیل حدثنا مسلم الملائی عن انس رضی اللہ عنہ ام ایمن نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بھنا ہوا پرندہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ مجھے اپنے محبوب ترین بندے کے وسیلے سے دے۔ حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں۔ مسلم بن کیسان الضبی الملائی البراد الاعور لابو عبد اللہ الکوفی ضعیف ہے خامسہ میں سے ہے۔ الخلاصہ میں ہے عمرو بن علی کہتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے۔ التہذیب میں ہے کہ امام بخاری، نسائی، ابن معین اور ابو حاتم نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ میں کہتا ہوں ذھبی کی بات سے ثابت ہو گیا ہے کہ مسلم الملائی ضعیف ہے اور اس نے پرندے والی حدیث روایت کی ہے جبکہ یہ حدیث بہت سے محدثین کے نزدیک موضوع ہے۔ علامہ عبد العزیز الدھلوی التحفہ میں لکھتے ہیں اس حدیث کو بہت سے محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ شمس الدین الجزری نے واضح طور پر کہا ہے کہ یہ موضوع حدیث ہے۔ امام اہل الحدیث شمس الدین ابو عبد اللہ بن محمد احمد الدمشقی الذھبی اپنی تلخیص میں لکھتے ہیں میں کافی عرصے تک سوچتا رہا کہ یہ پرندے والی حدیث حاکم کو اپنی مستدرک میں نہیں لانی چاہیے تھی جب میں نے اس کتاب کی تعلیق لکھی تو میں نے دیکھا کہ اس کتاب میں جو موضوع روایات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ یہی بات علامہ بصر اللہ کابلی کی کتاب الصواقع الموبقتہ میں بھی ہے۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ العلل المتناھیتہ میں لکھتے ہیں ابن طاہر نے کہا ہے یہ پرندے والی روایت موضوع ہے یہ اہل الکوفہ کے ساقط راویوں نے مشہور اور مجہول راویوں کے ذریعے انس وغیرہ سے روایت کی ہے۔ کہتے ہیں حاکم کا معاملہ دو وجہ سے خالی نہیں ہے یا تو وہ صحیح حدیث کا علم نہیں رکھتا لہٰذا اس کی بات کا اعتماد نہیں ہے یا علم رکھتا ہے مگر پھر بھی اس کے خلاف بولتا ہے تو پھر یہ معاند اور کذاب ہے اس کی بے تکی باتیں بہت ہیں۔ شیخ عبد الوھاب الشعرانی الیواقیت والجواہر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں لکھتے ہیں، اس حدیث کو ابن الجوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے اس کے لیے ایک الگ حصہ خاص کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے تمام طرق باطل ہیں۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ القواعد المجموعہ میں لکھتے ہیں۔ المتخقر میں ہے کہ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ ابن الجوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ جبکہ حاکم نے اس کو اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اس پر بہت سے علماء نے اعتراض کیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے النبلاء میں حاکم کے حالات زندگی ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

2 اس میں زندہ آدمی کی دعا کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے جبکہ اس کا انکار کوئی بھی نہیں کرتا۔

شیخ دحلان: صحیح بخاری میں ہے کہ جب اعرابی نے آکر رسول اللہ ﷺ سے قحط کی شکایت کی اور آپ ﷺ نے اللہ سے دعا کی تو آسمان بادلوں سے ڈھک گیا اور بارش ہوگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر ابو طالب زندہ ہوتا تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔ کون ہمیں اس کا شعر سنائے گا؟ علی رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے رسول اللہ ﷺ شاید آپ ﷺ کی مراد ابو طالب کا یہ شعر ہے:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمته الارامل

(اور سفید ہے بادلوں سے اس کے چہرے کے وسیلے سے یا وجہ سے بارش مانگی جاتی ہے۔ یتیموں کا فریادرس اور بیواؤں کا محافظ ہے)۔

(یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک دمک اٹھا آپ ﷺ نے اس شعر پر اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی اس بات پر کہ ان کی وجہ سے بادلوں سے بارش مانگی جاتی ہے۔ اگر اس طرح کہنا حرام ہوتا تو آپ ﷺ اس پر اعتراض کرتے اور شعر سننے کی خواہش نہ کرتے۔

شیخ بشیر: بخاری میں یہ روایت نہیں ہے اسمیں انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ایک آدمی نے آکر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ مویشی ہلاک ہوگئے راستے بند ہوگئے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تو جمعہ سے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ اس آدمی نے پھر آکر کہا کہ گھر ڈھے گئے۔ راستے بند ہوگئے، مویشی ہلاک ہوگئے آپ ﷺ اللہ سے دعا کریں کہ بارش بند ہو جائے آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ دور پہاڑوں، بیابانوں اور وادیوں اور جہاں درخت اگتے ہیں وہاں ہو۔ مدینہ سے بارش ایسے ختم ہوئی جیسا کہ کپڑا اٹھا لیا جاتا ہے۔ بخاری نے اس حدیث کو کئی طرق سے روایت کیا ہے مگر کسی میں بھی یہ نہیں ہے کہ اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور نہ ہی آپ ﷺ نے شعر سننے کی خواہش کی نہ علی رضی اللہ عنہ کے سنانے اور آپ ﷺ کے خوش ہونے کی بات ہے۔

اسی طرح اس میں عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن دینار عن ابیہ روایت ہے کہتے ہیں میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو ابو طالب کے شعر (مذکورہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی طرح کہتے سنا۔

اور سالم عن ابیہ میں ہے جب شاعر کا یہ قول ذکر ہوا میں رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا آپ ﷺ بارش مانگ رہے تھے یہاں تک کہ بارش ہوئی اور پرنالے بہہ گئے۔ یہ شعر ابو طالب کا ہے۔ البتہ شیخ دحلان نے جو بات بخاری کی طرف منسوب کی ہے وہ بیہقی نے الدلائل میں مسلم الملائی عن انس روایت کی ہے کہ ایک اعرابی نے نبی ﷺ کے پاس آکر کہا ہم آپ ﷺ کے پاس آئے ہیں ہمارے پاس نہ تو آوازیں نکالنے والا اونٹ رہا نہ بلبلانے والا بچہ پھر اس نے شعر پڑھا جس کا مفہوم ہے۔

ہمارے بھاگ کر آنے کی جگہ صرف آپ ہی ہیں اور لوگ رسولوں کے پاس نہیں جائیں گے تو کہاں جائیں گے۔ آپ ﷺ فوراً کھڑے ہوگئے چادر گھسیٹتے ہوئے منبر پر تشریف لے گئے اور بارش کی دعا مانگی۔۔۔۔۔۔ اسمیں یہ بھی ہے کہ اگر ابو طالب ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں کون ہے جو ہمیں ان کا شعر سنائے علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ شاید آپ یہ شعر سننا چاہتے ہیں۔

وابیض۔۔۔۔۔۔۔۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور القطلانی نے المواھب میں لکھا ہے کہ آپ کو سابقہ تفاصیل سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس کی سند میں مسلم الملائی ہے وہ متروک ہے موضوع احادیث روایت کرتا تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ ابو طالب کے شعر والی بات بیہقی میں ہے بخاری میں نہیں ہے۔

صاحب کتاب کی تحریف دیکھیں یہ کتنی بری حرکت ہے کہ اس نے امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کردی جس کی عربی عبارت ہی ایسی ہے کہ کوئی فصیح عرب ایسا کلام نہیں کہہ سکتا اس لیے یہ۔

1 کلمہ 'لمّا' کے جواب پر ایسے مواقع پر ف داخل نہیں ہوتی۔

2 لفظ شکا یشکوالیٰ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے لام کے ساتھ نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن میں ہے۔

﴿إِنَّمَآ أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِيٓ إِلَى ٱللَّهِ﴾ (یوسف:۸۶)

"میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں"۔

اور اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ عن انس بن مالک کی جو روایت بخاری میں ہے اس میں بھی لفظ ہے۔

"ان رجلاً شکا الی النبی ﷺ ھلک المال۔۔۔۔۔۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اشتکت النار الی ربھا" (متفق علیہ)

خباب سے روایت ہے کہتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔

"فشکونا الیہ" (مسلم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

"فشکوا الی رسول اللہ ۔۔۔۔" (بخاری)

بہت سی احادیث میں شکا۔ الیٰ کے ساتھ متعدی ہوا ہے۔ قاموس میں اس کا استعمال۔ شکا امرہ الی اللہ کی دی گئی ہے۔

3 اس میں لفظ فانجابت اسماء بالمطر ہے جس کا کوئی معنی نہیں ہے اس لیے انجابت کا معنی ہے۔ انکشف۔ المصباح میں ہے انجاب السحاب انکشف۔ لہٰذا انکشاف السماء بالمطر کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔

4 انجاب۔ بارش ختم ہونے رک جانے کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ فانجابت عن المدینۃ انجیاب الثوب۔ مدینہ سے بارش (یا بادل) ایسے ختم ہوئی جیسے کپڑا لپیٹ دیا گیا ہو۔ ہٹا دیا گیا ہو۔ بارش کی دعا مانگنے کے بعد بادلوں کا منقطع اور ختم ہونے کا مطلب ہے رسول اللہ ﷺ کی دعا کا قبول نہ ہونا اور یہ بداہتہ باطل بات ہے۔ اس لیے کہ تمام روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس وقعہ میں آپ ﷺ کی دعا قبول ہو گئی تھی۔

5 بادلوں کے آنے سے پہلے ان کا چلے جانا ممکن نہیں ہے۔

6 انجیاب کا صلہ عن کے ساتھ ہوتا ہے ب کے ساتھ نہیں ہوتا جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہ الفاظ یا روایت جو شیخ دحلان نے بخاری کی طرف منسوب کی ہے یہ بخاری میں نہیں ہے نہ بیہقی میں ہے نہ حدیث کی کسی اور کتاب میں ہے لہٰذا یہ مؤلف کی اپنی اختراع ہے۔

شیخ دحلان: نہ تو آپ ﷺ نے ان اشعار پر اعتراض کیا اور نہ ان الفاظ پر کہ بادلوں سے ان کے چہرے کی وجہ یا برکت سے بارش مانگی جاتی ہے۔

شیخ بشیر: اس پر دو طرح سے بات ہو سکتی ہے۔

1 جس لفظ سے مولف نے توسل کے جواز پر استدلال کیا ہے وہ لفظ بخاری میں نہیں ہے وہ بیہقی کی روایت میں ہے اور وہ بہت ہی ضعیف ہے۔

2 اس میں زندہ آدمی کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے اور اس کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا بلکہ مردوں کے توسل سے منع کیا جاتا ہے۔

سوال: اگر یہ سوال کیا جائے کہ۔ یستسقی الغمام بوجھہ۔ سے ثابت ہوتا ہے کہ افضل اور بہتر افراد اور شخصیات کو وسیلہ لینا جائز ہے؟

جواب: جو وسیلہ مکروہ ہے وہ یہ ہے کہ کسی کے حق اور حرمت کا واسطہ دیا جائے جیسے 'اساءلك بحق فلان یا بحرمة فلان'۔ جہاں تک بات ہے نیک اور صالح لوگوں کی استسقاء کے مقام میں موجود ہونے یا ان سے دعا کروانے کی تو یہ کسی بھی لحاظ سے ناپسندیدہ عمل نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو سنت صحیحہ سے ثابت ہے۔ جبکہ بیہقی کی روایت میں بھی صرف آپ ﷺ کی دعا کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وسیلہ ہے اور یہی وسیلہ ابو طالب کے شعر میں ہے یہ نبی ﷺ کے مقام استسقاء میں موجودگی اور آپ ﷺ کی دعا ہے۔ اسمیں دو احتمال ہیں۔

1 اس میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جو عبدالمطلب کے زمانے میں پیش آیا تھا۔ خطابی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ عبدالمطلب کے دور میں قریش پر کئی سال تک قحط مسلط رہا تو عبدالمطلب اور اس وقت ابو قیس کے جو قریش موجود تھے وہ (کعبہ یا کسی اور مکان کی چھت پر) چڑھ گئے اور عبدالمطلب نے رسول اللہ ﷺ کو جو کہ اس وقت لڑکپن کی عمر میں تھے اپنے کندھے پر اٹھایا آپ ﷺ نے دعا کی تو اسی وقت بارش ہوئی اس موقعے پر ابو طالب نے یہ اشعار کہے تھے۔

2 یا اسمیں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جو ابو طالب کے دور میں پیش آیا تھا ابن عساکر نے حلیمہ (خصائص الکبری میں حلیمہ کے بجائے حلیمہ بن عرفطہ ہے روایت میں اور بھی غلطیاں تھیں جنکی تصحیح میں نے کر دی ہے۔ "رشید رضا") سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں میں مکے آیا قریش پر قحط آیا ہوا تھا ان میں سے ایک نے کہالات اور عزی کی طرف چلو کسی نے کہا منات کی طرف چلتے ہیں۔ ایک خوبصورت چہرے والے سمجھدار بزرگ نے کہا کہ تم میں ابراھیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی باقیات موجود ہیں۔ سب نے کہا تمہارا اشارہ ابو طالب کی طرف ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ وہ سب کھڑے ہو گئے میں بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا ہم نے ابو طالب کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ باہر آئے لوگوں نے کہا ابو طالب۔ وادی میں قحط آیا ہوا ہے۔ لوگوں کو خشک سالی نے گھیر رکھا ہے جبکہ آپ ان میں موجود ہیں۔ ابو طالب نکل آئے ان کے ساتھ ایک لڑکا تھا جس کا چہرہ سورج کی طرح چمک رہا تھا ایسا سورج جس سے بادل بہت دور ہوں (یعنی صاف آسمان میں سورج) اس کے گرد اور لڑکے بھی تھے اس کو ابو طالب نے پکڑا اور کعبہ کی دیوار کے ساتھ لگا دیا لڑکے نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا۔ حالانکہ اس وقت آسمان میں بادل کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہیں تھا۔ ادھر ادھر سے بادل آنے لگے آسمان بادلوں سے ڈھک گیا بارش شروع ہو گئی وادیاں بھر گئیں۔ میدان سیراب ہو گئے۔ اس موقعے پر ابو طالب نے کہا تھا۔

"وابیض یستسقی الغمام بوجھه------"

جب صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین میں سے کسی کی موجودگی جنگ میں فتح و نصرت کا سبب بن سکتی تھی تو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ لوگوں کے گروہ جنگ کریں گے تو پوچھیں گے (آپس میں) کہ تم میں رسول ﷺ کا کوئی صحابی ہے؟ کہیں گے۔ ہاں تو ان کو فتح نصیب ہو گی۔ پھر وقت آئے گا لوگوں کے گروہ جنگ کریں گے پوچھیں گے کیا تم میں صحابہ کرام کا کوئی ساتھی (تابعی) ہے؟ کہیں گے ہاں۔ تو ان کو فتح نصیب ہو گی۔ پھر ایک وقت آئے گا جنگ کریں گے تو کہا جائے گا کہ صحابہ کرام کے ساتھیوں کا کوئی ساتھی تم میں ہے؟ کہیں گے ہاں۔ تو انہیں فتح ملے گی۔ (متفق علیہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مصعب بن سعد سے روایت ہے کہتے ہیں سعد نے دیکھا کہ دیگر لوگوں پر اس کی فضیلت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو مدد اور رزق تمہارے کمزوروں کی وجہ سے ملتے ہیں (بخاری) ابو الدرداء سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کرو تمہیں مدد اور رزق تمہارے کمزوروں کی وجہ سے ملتے ہیں۔(ابوداؤد)

امیہ بن خالد بن عبداللہ بن اسید کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ غریب مہاجرین کے وسیلے سے فتح طلب کرتے تھے۔(شرح السنہ)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نبیوں میں سے ایک نبی تھا وہ لوگوں کو لیکر نکلا دیکھا تو ایک چیونٹی آسمان کی طرف ٹانگیں اٹھائے ہوئی تھی تو نبی نے کہا کہ واپس لوٹ جاؤ اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے۔(دار قطنی)

ابو طالب کے قول میں۔ بوجھہ یستسقی الغمام۔ بھی آپ ﷺ کی ذات اور دعا سے برکت کے حصول کے طور پر ہے بحق النبی یابحرمۃ النبی کے معنی میں نہیں ہے۔ یہ قول عیسائیوں کے پادری کے قول کی طرح ہے جسے بیضاوی نے آیت مباہلہ کے تحت ذکر کیا ہے پادری نے عیسائیوں سے کہا تھا نصاری کے گروہ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں اگر وہ اللہ سے دعا کریں کہ فلاں پہاڑ اس کی جگہ سے ہٹا دے تو اللہ ہٹا دے گا لہٰذا تم ان سے مباہلہ مت کرو۔

شیخ دحلان: ابو طالب نے یہ اشعار اس موقع پر کہے تھے جب قریش قحط میں مبتلا ہو گئے تھے اور نبی ﷺ کے توسل سے دعا کرنے کی وجہ سے بارش ہوئی تھی اس وقت ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں قصیدہ کہا تھا یہ شعر اس کا حصہ ہے۔

شیخ بشیر: یہ بہت ہی واضح اور بڑی غلطی ہے ان اشعار کے کہنے کا سبب یہ بنا تھا کہ قریش نے نبی ﷺ کے خلاف گٹھ جوڑ کیا اور جو لوگ اسلام لانا چاہتے تھے انہیں بھگا دیا تھا جیسا کہ فتح الباری میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ قصیدہ جو ابو طالب نے کہا تھا ابن اسحاق نے سیرت میں پورا درج کیا ہے جو اسی (۸۰) سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے یہ ابو طالب نے اس وقت کہا تھا جب قریش نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف اتحاد کر لیا تھا اور ان لوگوں کو بھگا دیا تھا جو ایمان لانا چاہتے تھے۔ قصیدہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ قوم میں محبت نہیں رہی اور انہوں نے تمام رشتے ناتے توڑ لیے۔ اور انہوں نے ہم سے کھلی دشمنی اور تکالیف دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ انہوں نے ہم سے سخت دشمنوں والا سلوک شروع کر دیا ہے۔

اے عبد مناف تم بہترین قوم ہو لہٰذا اپنے کام میں ہر گھسنے والے کو شامل مت کرو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اللہ نے تمہارا معاملہ نہیں سدھارا تو تمہارا حشر بھی سابقہ اقوام کی طرح ہو گا۔

فتح الباری میں ہی ہے ابن التین نے کہا ہے کہ ابو طالب کے اشعار میں اس بات کی دلیل ہے کہ ابو طالب رسول اللہ ﷺ پر وحی آنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کی نبوت کو جانتا تھا اس لیے کہ ان کو بحیرہ اور دیگر لوگوں نے بتا دیا تھا مگر یہ محل نظر ہے اس لیے کہ پہلے گذر چکا ہے کہ ابو طالب نے یہ اشعار نبی ﷺ کی بعثت کے بعد کہے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زرقانی شرح مواھب میں لکھتے ہیں۔ ابو طالب نے یہ اشعار اس وقت کہے تھے جب قریش نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف گٹھ جوڑ کر لیا تھا آپ ﷺ کی برکت ان پر آپ ﷺ کے بچپن سے ہی تھی صرف اس وقت نہیں تھی اس لیے یہ ابن اسحاق کے قول کے معارض نہیں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جب قریش نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف اتحاد کیا اور اسلام لانے کے خواہشمندوں کو بھگا دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اشعار بارش طلب کرنے کے موقع پر کہے ہوں اور بقیہ قصیدہ اس وقت کہا ہو جب قریش نے آپ ﷺ کے خلاف اتحاد کر لیا تھا۔ زرقانی کے اس قول کہ اس بارے میں قصیدہ کہا تھا سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اشعار استسقاء کے بعد نہیں کہے گئے۔

شیخ دحلان: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے وہ کہتے ہیں۔ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی اے عیسیٰ محمد ﷺ پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو حکم کرو کہ جو بھی آپ ﷺ کو پائے وہ ان پر ایمان لائے اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں جنت اور جہنم پیدا نہ کرتا۔ میں نے عرش پانی پر پیدا کیا تو وہ جنبش کر رہا تھا میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دیا تو اس کی جنبش ختم ہو گئی۔

شیخ بشیر: اس پر ہم دو پہلوں سے بات کریں گے۔

1 یہ اثر الجوہر المنظم میں بھی اسی طرح بغیر سند کے مذکور ہے جو شخص اس سے استدلال کرتا ہے وہ اس کی سند اور اس کے رجال کی توثیق پیش کرے۔ زرقانی شرح مواھب میں لکھتے ہیں بیہقی نے اسے اپنے شیخ کی طرح روایت کی اور اسے صحیح بھی قرار دیدیا (امام ذھبی نے تلخیص المستدرک میں اس کا تعاقب کیا ہے اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ یہ موضوع ہے سعید عن قتادہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ محمد ﷺ پر ایمان لاؤ اور اپنی امت سے بھی کہو۔۔۔۔۔ میں کہتا ہوں یہ پہلے گذر چکا ہے کہ حاکم کسی حدیث کو صحیح کہنے میں تساہل کرتے ہیں لہٰذا ان کے صحیح قرار دینے کا کوئی اعتبار نہیں ہے امام ذھبی کہتے ہیں کسی بھی شخص کو حاکم کی تصحیح سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے جب تک میری تعقبات نہ دیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کہتے ہیں مستدرک حاکم کی بات پر اس وقت تک اعتبار نہیں کرنا چاہیے جب تک امام ذھبی کی التلخیص نہ دیکھی جائے (اس کو سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں ذکر کیا ہے اور اس کا تعاقب ان الفاظ میں کیا ہے ذھبی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں عمرو بن اوس ہے پتہ نہیں یہ کون ہے حافظ ابن حجر لسان المیزان میں کہتے ہیں عمرو بن اوس مجہول الحال ہے اور اس نے ایک منکر حدیث روایت کی ہے جسے حاکم نے اپنی مستدرک میں درج کیا ہے میرا خیال ہے کہ روایت جندل بن واثق کے طریق سے موضوع ہے اور پھر اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ "محمد رشید رضا")

2 اس روایت میں اس توسل کی دلیل نہیں ہے جسے مانعین توسل منع کرتے ہیں۔

شیخ دحلان: قسطلانی نے شرح بخاری میں کعب احبار سے روایت لکھی ہے کہ بنی اسرائیل میں جب بھی قحط آتا وہ اپنے نبی کے اہل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیت کے وسیلے سے دعا مانگتے۔

شیخ بشیر: قسطلانی نے یہ حکایت بغیر سند کے ذکر کی ہے لہٰذا اس سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اہل بیت کے توسل سے استسقاء کا معنی ہے ان کی دعاؤں کے ذریعے یا استسقاء کی جگہ ان کی موجودگی کی برکت سے اور اس طرح کے توسل کو کوئی منع نہیں کرتا۔ مکروہ توسل وہ ہے جس میں کہا جائے کہ ہم بحق اہل بیت تجھ سے سوال کرتے ہیں اور یہ اس روایت میں مذکور نہیں ہے۔

شیخ دحلان: صحیح بخاری میں تین آدمیوں کا واقعہ ہے جو غار میں پھنس گئے تھے پھر انہوں نے اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ لیکر دعا کی تھی اور غار کا دھانا کھل گیا تھا۔ جب اعمال صالحہ کا وسیلہ لینا جائز ہے تو رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ لینا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کے پاس نبوت بھی ہے اور دیگر فضائل بھی ہیں اور یہ آپ ﷺ کی زندگی اور انتقال کے بعد دونوں حالتوں میں ہے۔ جب کوئی مومن آپ ﷺ کا وسیلہ لیتا ہے تو مراد آپ ﷺ کی نبوت ہوتی ہے جو کمالات کا مجموعہ ہے۔

شیخ بشیر: بخاری کی روایت سے جو وسیلہ ثابت ہے وہ ہے کسی آدمی کا اپنے عمل صالح کا وسیلہ لینا کسی اور کے عمل یا کمال کا وسیلہ نہیں ہے۔ اور یہ دعویٰ کرنا کہ دلالت نص اور کلام کے اشتمال سے ثابت ہے تو یہ بات ثابت کی جائے تو تب اس پر غور کیا جا سکتا ہے ثبوت کے بغیر نہیں

شیخ دحلان: یہ مانعین وسیلہ کہتے ہیں کہ اعمال صالحہ کا وسیلہ لینا جائز ہے حالانکہ وہ اعراض ہیں جبکہ فضیلت والی ذات ان اعراض سے بہتر ہے۔

شیخ بشیر: اعراض کا توسل ذات کے توسل کو لازم نہیں ہے اور جو ایسا دعویٰ کرتا ہے وہ ثابت کرے (یہاں یہ کہنا زیادہ مناسب تھا کہ اعمال کا وسیلہ لینا اللہ کا قرب اس طریقے سے حاصل کرنا ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع قرار دیا ہے اور یہ مشروعیت نص قطعی اور اجماع دونوں سے ثابت ہے۔ اور یہ عقل بھی تسلیم کرتی ہے اس لیے کہ اعمال سے عامل کا تزکیہ ہوتا ہے اور عمل کرنے والے کو اس قابل بناتا ہے کہ اسکی دعا قبول ہو جائے اور اللہ اس سے راضی ہو۔ جبکہ کسی اور کی ذات کا کسی کے تزکیہ میں کوئی اثر نہیں ہوتا اگرچہ وہ ذات کتنی ہی فضیلت والی ہو اور اپنے اعمال سے اپنا تزکیہ کیا ہے (قد افلح من زکھا)۔ "محمد رشید رضا")

شیخ دحلان: عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ لیا تھا۔

شیخ بشیر: عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ اس کی دعا اور اس کی موجودگی کی برکت کا تھا اور یہ جائز ہے (مؤلف بار بار کہتے ہیں کہ ان کی موجودگی کی برکت۔ حالانکہ یہ محل نظر ہے)

جو توسل مکروہ ہے وہ یہ ہے کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اللھم اسئالك بحق العباس"

اور اس طرح کہنا (اس روایت میں) ثابت نہیں ہے۔

شیخ دحلان: اگر ہم یہ تسلیم کرلیں تو ہم کہتے ہیں کہ جب اعمال صالحہ کا وسیلہ لینا جائز ہے تو پھر نبی ﷺ کے وسیلہ لینے میں کیا مانع ہے جبکہ آپ ﷺ کی نبوت، رسالت اور کمال کا اعتبار کیا جائے گا۔ جو کہ ہر قسم کے کمال اور اعمال صالحہ سے بڑھکر ہے۔

شیخ بشیر: رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ لینے میں مانع یہ ہے کہ یہ بدعت ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے بدعات سے منع کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جو ہمارے دین سے ثابت نہ ہو وہ عمل قابل رد ہے۔

شیخ دحلان: توسل کے جواز کے دلائل میں سے سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے کہ سواد بن قارب نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ کیا گیا تھا اور آپ ﷺ نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ قصیدہ میں اس طرح کہا گیا تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی رب نہیں ہے اور آپ ﷺ ہر غائب پر مامون ہیں اور آپ ﷺ تمام مرسلین میں وسیلہ کے لیے قریب ترین (ہستی) ہیں اللہ کی طرف اے معزز ترین اور پاکیزہ (خاندان) کے فرزند ہمیں حکم دیں جو بھی آپ ﷺ کے پاس آرہا ہے۔ اگرچہ اس میں صحت مند (آدمی) بوڑھا ہی کیو نہ ہوتا ہو (مشکل کام کا حکم ہی کیوں نہ ہو) اور میرے لیے اس دن شفاعتی بن جائیں جس دن کوئی سفارشی نہ ہو اور سواد بن قارب کو ہر قسم (رنج والم) سے بے پرواہ کریں اس میں تمام رسولوں میں قریب ترین وسیلہ قرار دینے پر بھی رسول اللہ ﷺ نے اعتراض نہ کیا اور نہ اس بات پر کہ آپ ﷺ میرے لیے سفارشی بن جائیں۔

شیخ بشیر: اس پر ہم کئی طرح سے بات کریں گے۔

1 اس واقعہ کی سند بیان کرنی چاہیے تھی تاکہ اس پر غور کیا جاتا سند کے بغیر یہ کسی توجہ کے لائق نہیں ہے۔ الھیثمی مجمع الزوائد میں لکھتے ہیں محمد بن کعب القرضی سے روایت ہے کہتے ہیں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مسجد کے ایک حصے میں آدمی گزرا ایک آدمی نے کہا امیر المؤمنین آپ جانتے ہیں یہ گذرنے والا کون تھا؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں۔ اس آدمی نے کہ ایہ سواد بن قارب ہے یہ یمن کا باشندہ ہے اور یمن میں اس کی بہت عزت اور مقام ہے۔ اور اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اس کا شیطان آیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ۔ اسے بلایا گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا تم سواد بن قارب ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم ہی وہ شخص ہو جس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں شیطان آیا تھا؟ اس نے کہا ہاں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم کہانت کرتے تھے؟ اس کو غصہ آیا اس نے کہا جب سے میں مسلمان ہوا ہوں مجھے یہ بات کسی نے نہیں کہی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم اس سے بھی بڑے شرک میں (اسلام سے قبل) مبتلا تھے۔

مجھے شیطان کے آنے کی تفصیل بتاؤ جو رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں آیا تھا۔ اس نے کہا کہ ایک رات میں نیند اور جاگنے کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درمیان (غنودگی) کی کیفیت میں تھا کہ میرے پاس میرا شیطان آیا اور مجھے پاؤں مار کر کہا کہ سواد ابن قارب کھڑے ہو جاؤ سمجھو اور عقل سے کام لو اگر تم عقلمند ہو۔ لوی بن غالب میں ایک نبی آیا ہے جو اللہ عزوجل اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ پورا واقعہ بیان کر کے اسمیں وہ قصیدہ بھی بیان کیا مذکور اشعار جس کا حصہ ہیں کہا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام میرے اسلام لانے سے بہت خوش ہوئے یہاں تک کہ ان کے چہروں سے خوشی عیاں تھی۔ عمر بن خطاب نے فوراً اٹھ کر ان کو گلے لگالیا اور کہا کہ میں بھی تم سے وہ قصیدہ سننا چاہتا ہوں۔ (طبرانی) اسی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ سواد بن قارب کہتے ہیں میں ایک پہاڑی پر سورہا تھا کہ کسی نے آکر مجھے پاؤں مارا۔۔۔۔۔۔ میں مکہ آیا تو رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوگئی میں نے آپ ﷺ سے ذکر کیا۔۔۔۔ دونوں سندیں ضعیف ہیں میں کہتا ہوں کہ دونوں سندیں بھی ضعیف ہیں اور دونوں کے متن میں بھی اضطراب ہے۔

2 اس کا یہ قول کہ آپ ﷺ تمام انبیاء میں قرب ترین وسیلہ ہیں یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ رسول ﷺ کی ذات وسیلہ ہے بلکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے مراد آپ ﷺ کی اللہ سے قربت کو تمام انبیاء کی قربت سے زیادہ قربت کہا گیا ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوٓا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ﴾ (المائدہ:۳۵)

"ایمان والو اللہ سے ڈر جاؤ اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو"۔

اس سے مراد بالاتفاق قربت ہے۔ یہی مراد اللہ کے اس فرمان میں بھی ہے۔

﴿ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ ﴾ (الاسراء:۵۷)

"یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کو پکارتے ہیں اس کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں ان میں سے کون زیادہ قریب ہے۔"

یا اس سے مراد مقام، مرتبہ اور درجہ ہے۔ ایسی صورت میں مراد یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ دیگر انبیاء کی نسبت اللہ کے زیادہ قریب ہے۔ اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آپ ﷺ کی ذات کا وسیلہ لے تو اس میں پھر بھی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس سے مراد ممنوعہ وسیلہ ہے مراد یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے وسیلہ، واسطہ اور ذریعہ ہیں ہمیں اللہ کا حکم پہنچاتے ہیں اور اس بات سے تو کوئی ان کار کر ہی نہیں سکتا اس لیے کہ مخلوق کو اللہ کے پسندیدہ و ناپسندیدہ اعمال و امور اور اللہ کے اوامر و نواہی اور اللہ کے اسماء حسنیٰ اور صفات کا علم صرف انبیاء و رسل کے توسط سے ہی ہوا ہے جنھیں اللہ نے بندوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا اپنی زندگی میں وسیلہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام میں جب بھی کسی سے کوئی معصیت ہو جاتی وہ آپ ﷺ کے پاس آکر کہتا اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے فلاں غلطی ہوگئی ہے آپ ﷺ میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔ جیسا کہ قرآن میں اس بات کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

﴿ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوك۔۔۔۔۔۔۔۔ ﴾

"اگر یہ لوگ جب اپنے نفسوں پر ظلم کرتے اور پھر آپ ﷺ کے پاس آتے اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو اللہ کو پاتے توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح جب قحط سالی ہوتی (آپ ﷺ کے دور میں) تو کوئی شخص آ کر کہتا کہ اللہ کے رسول ﷺ مویشی ہلاک ہو گئے، راستے بند ہو گئے آپ ﷺ اللہ سے دعا کریں اسی طرح دیگر حاجات میں بھی وہ آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتے جیسے مریض کے لیے شفاء نابینا کی بینائی لوٹ آنے کے لیے وغیرہ اسی طرح قیامت میں وسیلہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ جب (میدان حشر میں) روکے جائیں گے تو وہ کہیں گے ہم اپنے رب کے پاس کسی کی سفارش لیجاتے ہیں تاکہ وہ ہمیں یہاں کی تکلیف سے آرام دے لوگ آدم علیہ السلام، پھر ابراہیم علیہ السلام، پھر موسیٰ علیہ السلام، اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ اللہ نے ان کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی ہیں۔ لوگ محمد ﷺ کے پاس آئیں گے آپ ﷺ اپنے رب سے اس کے حضور اجازت مانگیں گے تو اجازت دیدی جائے گی۔۔۔۔۔ (حدیث میں لفظ دارہ ہے جس کا معنی ہے اللہ کا گھر اس کی وضاحت میں ابن حجر نے بخاری کی کتاب میں مذکور انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ضمن میں کہا ہے کہ یہ عبارت ہمام کا اضافہ ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہاں گھر یا دار سے مراد اللہ کے حضور میں اجازت لینا ہے۔ بعض نے مراد جنت لیا ہے اس لیے کہ قرآن میں جنت کو بھی دارالسلام کہا گیا ہے۔ دار کا معنی گھر اور سلام اللہ کا نام ہے۔ یعنی اللہ کا گھر (واللہ یدعوا الی دارالسلام) اللہ سلامتی کے گھر یا سلام کے گھر یعنی جنت کی طرف بلاتا ہے ابن حجر نے پھر اس بات کی حکمت بیان کی ہے کہ رسول ﷺ (سفارش کے لیے) اس زمین سے اللہ کے گھر کی طرف کیوں منتقل ہوں گے؟ تو کہتے ہیں کہ یہ زمین خوف اور ڈر کی جگہ ہے جبکہ شفاعت کرنے والے کے لیے مناسب یہ ہے کہ عزت واحترام کی جگہ پر ہو۔ "محمد رشید رضا")

ہماری بات تو اس وسیلہ کے بارے میں ہو رہی ہے جس میں بحق محمد کہا جاتا ہو اور مذکورہ حدیث میں۔

"انك ادنى المرسلين وسيلة"

ہے۔ بحق محمد نہیں ہے۔

3 قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت طلب کرنے کا کوئی بھی مسلمان انکار نہیں کرتا البتہ وہ اللہ کی اجازت سے ہو گی جیسا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے واضح ہو چکا ہے لہٰذا اس قصیدہ میں جو رسول اللہ ﷺ کو کہا گیا ہے کہ آپ میرے لیے سفارشی بن جائیں تو اس میں شیخ دحلان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ (اس لیے کہ آپ ﷺ قیامت میں سفارشی ہوں گے)

شیخ دحلان: توسل کے دلائل میں سے آپ ﷺ کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا کا وہ مرثیہ بھی ہے جو اس نے آپ ﷺ کی وفات پر پڑھا تھا جس کے اشعار کا مفہوم اس طرح تھا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ہی ہماری امید ہیں۔ آپ ہی ہم پر ترس اور رحم کرتے تھے ہم پر کبھی ظلم زیادتی نہیں کرتے تھے۔ ان اشعار میں آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی وفات کے بعد پکارا گیا ہے۔ کہ آپ ﷺ ہماری امید ہیں۔ یہ مرثیہ صحابہ کرام نے سنا مگر کسی نے بھی اس پر اعتراض نہ کیا۔

شیخ بشیر: مجمع الزوائد میں اس مرثیہ کا ذکر بایں الفاظ ہے۔ عروہ سے روایت ہے کہتے ہیں صفیہ بنت عبد المطلب نے رسول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ ﷺ کا مرثیہ پڑھا میرا دل افسوس کر رہا ہے اور ایسا لگتا ہے کوئی چیز کھو گئی ہے میں رات بھر جاگتی ہوں اس دکھ اور غم کی وجہ سے۔ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ہماری امید تھے اور ہم پر نرمی کرنے والے تھے سختی اور ظلم نہیں کرتے تھے یہ مرثیہ پورا ذکر کیا ہے پھر کہا اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے۔(یہ حسن کیسے ہو گئی عروہ رسول ﷺ کی وفات کے ۱۹ سال بعد پیدا ہوئے ۲۹ ہجری میں جیسا کہ التہذیب وغیرہ میں ہے جب اس کی روایت اس کے باپ سے ہو تو وہ مرسل ہوتی ہے تو دادی سے روایت رسول ﷺ کی وفات کے واقعہ میں کیسے حسن ہو گی جو اس کی پیدائش سے ۱۹ سال قبل ہوئی تھی یہ منقطع مرسل روایت ہے۔''رشید رضا'')

یہ مجمع الزوائد کے الفاظ ہیں۔ میں کہتا ہوں اگرچہ اس مرثیہ کی سند حسن ہے مگر اسمیں ممنوعہ وسیلہ کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے اس لیے کہ لفظ۔ رجاء۔ کا معنی توقع اور امید ہوتا ہے۔ مجمع البحار میں ہے اسمیں رجاء کو تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے یہ توقع اور امید کے معنی میں ہے۔ النہایہ میں ہے اسمیں رجاء کا لفظ مکرر بیان ہوا ہے جو امید اور توقع کے معنی میں ہے۔ عربی میں رجوتہ۔ رجوٌ اور رجاء اور جاءۃ مستعمل ہے۔ القاموس میں ہے رجاء۔ یاس کی ضد ہے۔ یعنی مایوسی کی ضد۔ جیسے الرجو۔ الرجاءۃ۔ الرجاوۃ الترجی۔ الارتجاء۔ الترجیتہ۔ الصحاح میں ہے۔ رجاء امید کو کہتے ہیں۔ المصباح المنیر میں ہے رجوتہ کا معنی ہے املتہ یا اردتہ۔ میں نے اس سے امید لگائی یا اس کا ارادہ کیا قرآن میں ہے۔ لا یرجون نکاحاً۔ نکاح کا ارادہ نہیں رکھتے۔ الرجاء مد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے بمعنی امید ہے یعنی واضح رہے کہ رجاء توقع اور امید کے معنی میں مصدر یا اسم مصدر ہے اس کو رسول اللہ ﷺ پر محمول نہیں کرنا چاہیے۔ یہ یا تو مبنی للفاعل ہو گا یا للمفعول۔ مبنی للفاعل کا تو احتمال نہیں ہو سکتا۔ اب رہ گیا دوسرا یعنی مبنی للمفعول جیسا کہ قرآن مجید میں صالح علیہ السلام کے بارے میں اس کی قوم کا قول منقول ہے ''قالوا یا صالح قد کنت فینا مرجوًا قبل ھذا''۔ اے صالح اس (نبوت) سے قبل تم سے ہمیں امید تھی۔ اس آیت کے تحت امام بیضاوی لکھتے ہیں۔ (قوم کے قول کا مطلب یہ تھا کہ) ہم نے تم میں عقل و خرد اور ھدایت کی علامات دیکھی تھیں ہم سمجھتے تھے تم ہمارے سردار اور ہمیں مشورہ دینے والے بنو گے۔ فتح البیان میں اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے اس بات کی امید لگائے ہوئے تھے کہ تم ہمارے سردار بنو گے ہم تمہاری آراء سے مستفید ہوں گے۔ تمہاری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں گے اس لیے کہ ہمیں تم میں عقل و خرد کی علامات نظر آرہی تھیں۔ صالح علیہ السلام ان کے قبیلے کے تھے اور کمزوروں کی مدد کرتے تھے فقیروں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ لیکن یہاں ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایک امید وہ ہے جو صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے یعنی اس میں امید صرف اللہ سے رکھی جاتی ہے جیسے تکلیف دور کرنے کی امید۔ کسی پریشان حال کی دعا قبول کرنے کی امید۔ آسمان سے بارش برسانا، مریض کو شفا دینا، رزق کی کشادگی، اولاد کا دینا، گناہوں کی بخشش وغیرہ ایسے امور ہیں جن کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہے۔ اس طرح کی امید رکھنے والے کی اللہ نے تعریف کی ہے۔ فرمایا۔

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ﴾

(الاسراء:۵۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"یہی وہ لوگ ہیں جو پکارتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں ان میں سے کون زیادہ قریب ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں"۔

اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ دعا امید کے ساتھ کیا کریں، فرماتا ہے:

﴿ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ﴾ (الاعراف:۵۶)

"اس کو ڈر اور امید کے ساتھ پکارو"

رجاء سے مراد طمع ہے اور یہی چیز ہے جس کی ضد یعنی مایوسی سے یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو منع کیا تھا جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے۔

﴿ تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ ﴾ (یوسف:۸۷)

"اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہونا اللہ کی رحمت سے صرف کافر قوم مایوس ہوتی ہے"۔

اسی امید کی وجہ سے اللہ نے زکریا علیہ السلام اور ان کی بیوی کی تعریف کی ہے۔ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ○ ﴾ (الانبیاء:۹۰)

"یہ لوگ بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور ڈر کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے"۔

یہی امید تھی جو ابراھیم علیہ السلام نے اللہ کی ثنا بیان کرتے ہوئے ذکر کی تھی۔

﴿ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـــَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ○ ﴾ (الشعراء:۸۲)

"وہ ذات کہ جس سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری خطا بخش دیگا"۔

یہی امید مومنوں کی صفت کے طور پر اللہ نے ذکر کی ہے:

﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ (السجدہ:۱۶)

"ان کے پہلوان کے بچھونوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اور یہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں"۔

اس امید کی ضد یعنی مایوسی سے اللہ نے منع کیا ہے۔

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ ﴾ (الزمر:۵۳)

"اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا اللہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس چیز کی ضد یعنی مقابل و متضاد اور برعکس چیز سے روکا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس ممنوعہ چیز کی ضد کا حکم دیا جارہا ہے جیسا کہ اصول کی کتب میں تفصیل موجود ہے۔ یہی وہ امید ہے جس کا اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ:

﴿ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ○ ﴾ (الانشرح:۷-۸)

"جب تم فارغ ہو جاؤ تو اٹھ کھڑے ہو اور اپنے رب کی طرف رغبت کرو"۔

اللہ کے رسول ﷺ نے دعا میں اسی امید کو اہمیت دینے کا حکم دیا ہے فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یہ نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے بلکہ عزم کے ساتھ دعا کرے اور بڑی امید اور شوق سے دعا کیا کرے اللہ کے لیے کچھ بھی دینا مشکل نہیں ہے۔(مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ سے دعا کی قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا کیا کرو۔(ترمذی)

علماء کہتے ہیں یہ یقین رکھو کہ اللہ دعا قبول کرتا ہے اس لیے کہ اسمیں سچی امید ہوتی ہے اور معزز ہستی یا ذات اپنے سے امید رکھنے والے کو کبھی نامراد نہیں کرتی۔ یہی مراد ہے اس حدیث قدسی میں جس میں اللہ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے اس گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے۔(متفق علیہ)

علماء کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اسمیں امید اور معافی کی طمع مراد ہے کہ جو شخص اللہ سے معافی کی امید رکھتا ہے اسے مغفرت اور جو عذاب کی امید رکھتا ہے اسے عذاب مل جاتا ہے۔

ایک اور حدیث قدسی میں ہے۔ اے ابن آدم! تو نے مجھے پکارا اور مجھ سے جو امید رکھی تو میں تجھے بخش دوں گا جتنے بھی (تیرے گناہ) ہوں اور میں پرواہ نہیں کروں گا۔(ترمذی)

رسول اللہ ﷺ سے ایک دعا منقول ہے اسمیں بھی یہی امید مراد ہے آپ ﷺ دعا کرتے تھے اے اللہ میں تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں۔ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے مت کر (ابو داؤد)۔ اسی طرح رات سوتے وقت آپ ﷺ دعا کرتے۔ اے اللہ میں تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں۔ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے مت کر (ابو داؤد)

اسی طرح رات سوتے وقت آپ ﷺ دعا کرتے۔ اے اللہ میں نے اپنا نفس تیرے سپرد کیا اور اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کر لیا۔ اپنے امور تیرے حوالے کر دیے۔ اب میں تیری پناہ میں ہوں۔ تجھ سے امید اور تجھ سے ہی خوف ہے۔(متفق علیہ)

ابن ابی شیبہ نے مسور بن مخرمہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ کے تلبیہ (لبیک کہنے) میں اس طرح کے الفاظ بھی ہوتے تھے۔

"لبيك مرغوبا و مرهوبا ذالنعماء والفضل الحسن"

"تیرے لیے حاضر ہوں رغبت اور خوف کے ساتھ اے نعمتوں اور فضل والے"۔

فتح الباری میں بھی اس طرح مذکور ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہر مکلف (مسلمان) کو چاہیے کہ وہ خوف اور امید کے درمیان رہے تاکہ وہ بہت زیادہ امید نہ رکھے کہ مرجئہ میں شمار ہو جائے جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان کی موجودگی میں کوئی چیز (گناہ) نقصان نہیں پہنچاتی۔ اسی طرح خوف میں بھی اتنا نہ ہو کہ خوارج اور معتزلہ میں شمار ہونے لگے جن کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا اگر توبہ کے بغیر مر گیا۔ بلکہ درمیان کا راستہ اپنانا چاہیے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس تشریف لے گئے جو حالت نزع میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تم خود کو کیسے پاتے ہو؟ (یعنی اپنے بارے میں کیا رائے ہے؟) اس نے کہا میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کا خوف بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس موقع پر بندے میں یہ دونوں چیزیں جب جمع ہوتی ہیں تو اللہ اس کو وہی دیتا ہے جس کی بندہ امید رکھتا ہے اور وہ جس چیز سے ڈرتا ہے اس سے بچالیتا ہے (ترمذی)

اس کے رجال ثقہ ہیں سوائے جعفر بن سلیمان الضبعی اور سیار بن حاتم کے۔ جعفر کو ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔ احمد نے کہا۔ لا باس بہ۔ ابن سعد نے کہا ثقہ ہے مگر اسمیں کچھ ضعف ہے۔ امام ذھبی المیزان میں لکھتے ہیں یہ سچا ہے۔ کاشف میں لکھتے ہیں ثقہ ہے۔ ابن حجر نے التقریب میں لکھا ہے صدوق زاہد۔ جبکہ سیار کے بارے میں المیزان میں امام ذھبی نے لکھا ہے۔ صالح الحدیث ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ قواریری سے کسی نے کہا کیا آپ اس کو متہم کرتے ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ حاکم نے کہا ہے کہ سیار اپنے زمانے کا عبادت گذار تھا احمد بن حنبل نے اس سے بہت حدیثیں لی ہیں۔ الکاشف میں اسے صدوق کہا ہے۔ التقریب میں ابن حجر نے اس کو سچا کہا ہے۔ البتہ اس کی اوہام ہیں۔ حدیث اس قابل ہے کہ اس سے دلیل لیجائے امام بخاری رحمہ اللہ نے خوف اور امید پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے دلیل لی ہے جسمیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اللہ نے رحمت جس دن پیدا کی اس دن سو (۱۰۰) رحمتیں پیدا کیں اپنے پاس ننانوے (۹۹) رحمتیں رکیں اور تمام مخلوق کو ایک (فیصد یا حصہ) رحمت دی۔

اگر کافر کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے پاس کتنی رحمت ہے تو وہ جنت سے ناامید نہ ہو گا اور اگر مومن کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے پاس کتنا عذاب ہے تو وہ جہنم سے بے خوف نہ ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے تین دن قبل جو یہ فرمایا تھا کہ کسی آدمی کو بھی موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ وہ رب کے بارے میں اچھی امید رکھتا ہو۔ (مسلم)

یہی مراد اس حدیث میں بھی ہے جو انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اگرچہ وہ سنداً ضعیف ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سفر کا ارادہ کرتے تو کہتے اے اللہ میں تیرے بھروسے پر اٹھتا ہوں (ھندوستان میں طبع شدہ اصل نسخہ میں یہاں لفظ۔ انتشر۔ ہے مگر وہ غلط ہے انتشار کا معنی فراخی، پھیلاؤ اور علیحدہ ہونا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔ فانتشروا (احزاب۔ جمعہ)

ابن الاثیر نے یہاں انتشرت کا معنی ابتداء کا کیا ہے کہ میں سفر کا آغاز کر رہا ہوں (محمد رشید رضا)۔

تیری طرف توجہ کرتا ہوں۔ تجھ سے ہی میں حفاظت کا طالب ہوں۔ تجھ پر ہی میرا بھروسہ اور تجھ سے یہ مجھے امید ہے اے اللہ تو میرے لیے کافی ہو جا اس کام میں جو مجھے درپیش ہو اور جس کی میں کوشش نہیں کر سکتا یا استطاعت نہیں رکھتا اور جس کا تو مجھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے زیادہ علم رکھتا ہے تقویٰ کو میرا توشہ بنادے۔ میرے گناہ معاف کر دے۔ اور میں جہاں بھی جاؤں مجھے خیر نصیب فرما۔
(ابو یعلی)

اس کی سند میں عمرو بن مساور ہے وہ ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد میں بھی اسی طرح ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں وہ منکر احادیث والا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں ضعیف ہے۔ میزان میں بھی یہی ہے۔ امید کی جتنی اقسام بیان ہوئیں یہ سب اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔
کچھ امید کی اقسام ایسی بھی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے حق میں بھی جائز ہیں مگر آپ ﷺ کی زندگی میں ایسے امور کی آپ ﷺ سے امید رکھی جاتی تھی جس کی قدرت انبیاء خصوصاً نبی ﷺ کو تھی جیسے صلہ رحمی کرنا۔ لوگوں کے ساتھ ان کا بوجھ اٹھانا۔ ناداروں کو کما کر دینا۔ مہمان نوازی کرنا حق کی مشکلات میں لوگوں سے تعاون کرنا، مومنوں پر شفقت کرنا، سخاوت و شجاعت، برکت اور بیواؤں اور یتیموں کی ضروریات پوری کرنا اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہ لینا، کبھی کسی کی بنائی یا دی ہوئی چیز میں عیب نہ نکالنا، مریض کی عیادت، جنازہ میں شرکت غلاموں اور کمزوروں کی دعوت قبول کرنا۔ اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنا امت کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینا اور امت کا تزکیہ کرنا۔ لوگوں کو اپنے رب کی طرف حکمت اور موعظۃ حسنہ کے ساتھ دعوت دینا اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا۔ امت کی خیر خواہی کرنا۔ اگر امت میں سے کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس کے لیے استغفار کرنا۔ ان کی ضروریات میں ان کے لیے دعا کرنا۔ انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔ کلمۃ اللہ کو بلند کرنا۔ اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنا۔ شعائر اللہ کی تعظیم کرنا۔ مومنوں کو عزت دینا۔ کافروں کو پست رکھنا وغیرہ۔ البتہ فوت ہونے کے بعد آپ ﷺ سے وہ امید رکھنا جو کتاب و سنت سے ثابت ہے تو وہ بسر و چشم قبول و منظور ہے جیسے قیامت میں شفاعت کرنا۔ اور جو کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہے تو وہ رد کیے جانے کے قابل ہے ہم اسے نہیں مان سکتے۔ ان تفصیلات کے بعد واضح ہو گیا ہو گا کہ مرثیہ میں جو کہا گیا ہے کہ ہم آپ ﷺ کی رحمت و شفقت کی امید رکھتے تھے اس پر لفظ 'کنت بنا براً' دلالت کرتا ہے کہ (یہ ماضی بعید کا صیغہ ہے اور ماضی یعنی زندگی میں اچھا سلوک مراد ہے) اور یہ قول بھی اسمیں ہے کہ "کان بنا براً رحیا نبیا" کہ آپ ﷺ نیکی کرنے والے یا اچھا سلوک کرنے والے شفقت کرنے والے نبی تھے۔ اور اچھا سلوک اور شفقت کی استطاعت و قدرت آپ ﷺ اپنی زندگی میں رکھتے تھے لہذا آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی شفقت اور اچھے سلوک کی امید رکھی جا سکتی تھی۔ اس طرح آپ ﷺ امیدوں کا محور تھے۔
اور اس طرح کی امید کسی سے رکھنا جائز ہے جیسا کہ صالح علیہ السلام کو اس کی قوم نے کہا تھا۔ "یا صالح قد کنت فینا مرجوًا"۔ صالح ہم تم سے اُمیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ تم ہماری امیدوں کا محور تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امید سے مراد امید کا محور ہو اور تمیز مقدر ہو یعنی:

"کنت مرجونا براً ورحمة وامنامن الهرج الاتی بعدك۔۔۔۔۔۔"

کہ آپ ﷺ ہماری امید کا ذریعہ تھے۔ نیکی، رحمت تھے اور آنے والی مصیبتوں سے تحفظ کی امید تھے ابتداء کے اشعار میں امید رسول اللہ ﷺ سے اور آخری اشعار میں امید اللہ سے رکھی جانے کا ذکر ہے، اس کی دلیل یہ الفاظ ہیں: قسم ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجھے نبی ﷺ کی موت نے نہیں رلایا لیکن اس مصیبت اور پریشانی نے رلایا جو آپ ﷺ کے بعد آنے والی ہوگی۔ اور کہا کہ اگر عرش کا رب آپ ﷺ کو ہم میں باقی رکھتا تو ہم آپ ﷺ کی موجودگی سے خوش بخت رہتے مگر اللہ کا فیصلہ اٹل ہے۔ ان آخری اشعار میں کہی گئی بات کی تائید عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ آپ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس وقت میرے دل میں صرف یہی بات تھی کہ اللہ آپ ﷺ کو زندہ کرے گا اور آپ ﷺ لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے (اسلامی حدود نافذ کریں گے) (بخاری)۔ ایک روایت میں ہے کہ (عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ) آپ ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوں گے جب تک اللہ منافقین کو فنا نہ کردے (مسند احمد)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گزر عمر رضی اللہ عنہ پر ہوا جو کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا اور اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک اللہ منافقین کو ختم نہ کردے۔ منافقین نے خوشی کا اظہار کیا تھا اور سر اٹھانا شروع کردیا تھا (ابن ابی شیبہ۔ فتح الباری)

ایک روایت میں ہے (عمر رضی اللہ عنہ نے کہا) کہ میں امید رکھتا تھا کہ لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے (طبرانی فی الریاض)

ایک روایت میں ہے کہ میں امید رکھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں اس وقت تک موجود رہیں گے کہ ہمارے لیے انتظام کر جائیں گے (الابانہ میں ابو نصر نے روایت کیا ہے اور)۔ المواہب میں بھی اسی طرح ہے۔

آخری روایت بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کتاب الاحکام باب الاستخلاف میں ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ میں امید رکھتا تھا کہ رسول ﷺ ہمارے لیے انتظام کریں گے مراد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال آخر میں ہوگا۔

یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفیہ بنت عبد المطلب کی طرح عمر رضی اللہ عنہ بھی نبی ﷺ کی بقا کی امید رکھتے تھے بلکہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی عمر رضی اللہ عنہ کی طرح کی امید رکھتے تھے۔ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں اس حدیث سے ابو بکر کی سمجھداری اور اکثرت علم کا اندازہ ہوتا ہے عباس رضی اللہ عنہ اور مغیرہ نے بھی ان کی موافقت کی تھی جیسا کہ ابن سعد میں ہے اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے بھی جیسا کہ مغازی میں ابو الاسود نے عروہ سے روایت کیا ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی تھی۔

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۝﴾ (الزمر:۳۰)

جبکہ دیگر لوگوں کی توجہ اس آیت کی طرف نہیں تھی اکثر صحابہ اس کے خلاف (رائے رکھتے) تھے۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے اللہ کی قسم (ایسا لگتا تھا کہ) یہ آیت نازل ہی نہیں ہوئی ہے جب تک ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تلاوت نہ کردی۔ اس کے بعد لوگوں نے اسے اپنالیا پھر تو جس نے بھی سنی وہ اسے تلاوت کرنے لگا۔

خلاصہ کلام یہ کہ صفیہ کے مرثیہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ زندگی کے ہر کام میں امید ہیں بلکہ اس کام میں ہیں جس کی قدرت رکھتے ہیں۔ جبکہ انتقال کے بعد اس کام میں امید ہیں جو کتاب وسنت سے ثابت ہے (یعنی قیامت میں شفاعت) اس مرثیہ میں اس توسل کی دلیل نہیں ہے جسے مانعین وسیلہ منع کرتے ہیں کہ اسمیں توسل ممنوعہ کے جواز کی دلیل ہے تو وہ ثابت

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مرثیہ میں لفظ 'کنت رجاءنا' تھا جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔ اسے شیخ دحلان نے تبدیل کر کے۔ انت۔ بنا دیا تاکہ یہ مقید بالحیات امید نہ رہے بلکہ مطلق بن جائے زندگی میں اور فوت ہونے کے بعد بھی مصنف نے وہی کام کیا ہے جس کی مذمت قرآن میں بایں الفاظ کی گئی ہے۔

﴿فبدل الذين ظلموا قولاً غير الذى قيل لهم﴾ (الاعراف: 162)

وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون﴾ (الشعرا: 227)

تبدیل کر دیا ظالموں نے وہ قول جو ان سے کہا گیا تھا اور عنقریب جان لیں گے ظالم کہ وہ کس طرف پلٹائے جاتے ہیں اس مرثیہ سے مصنف نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد وسیلہ لینے کا جو استدلال کیا ہے اس کا ہم کئی وجوہ سے جواب دیتے ہیں۔

1 اس میں ۔یا۔ ندب کے لیے ہے نداء کے لیے نہیں ہے جیسا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قول میں 'یا ابتاہ ۔ اجاب ربا دعاہ ۔ یا ابتاہ من جنته الفردوس ماواہ ۔ یا ابتاہ الى جبريل ننعاہ' (بخاری) اور جیسا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قول میں ہے 'بابی انت وامی یا نبی اللہ ۔ لا یجمع اللہ علیك موتتین' (بخاری)

مسند احمد میں یزید بن بابنوس کی روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (ابو بکر رضی اللہ عنہ) (آپ ﷺ کی میت کے پاس) سر کی طرف سے آئے آپ ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا وانبیاہ۔ پھر آپ ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا واصفیاہ۔ پھر آپ ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا واخلیلاہ۔ المواھب میں بھی اسی طرح ہے۔ اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کا وہ قول بھی ہے جب عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو علی رضی اللہ عنہ نے ان کی چارپائی کے پاس آ کر کہا تھا اللہ آپ پر رحم کرے مجھے امید ہے کہ اللہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں (محمد ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ) ساتھ کر دیے گا میں اکثر رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا رہتا تھا کہ آپ ﷺ فرماتے تھے میں تھا ابو بکر تھا اور عمر تھا میں نے ایسا کیا ابو بکر نے کیا عمر نے کیا۔ میں گیا ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما میرے ساتھ گئے، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ آپ کو ان دونوں کا ساتھ نصیب فرمائے گا۔ (بخاری، یہی بات ارتاء میں بھی ہے)

2 اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یا نداء کے لیے ہے تو نداء سے مراد کبھی منادی نہیں ہوتا جیسا کہ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے حدیث کے الفاظ ہیں:

"ان العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول الا ما يرضى ربنا وانا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون۔۔۔۔۔"

آنکھ آنسو بہا رہی ہے اور دل مغموم ہے اور ہم اسی پر راضی ہیں جو ہمارے رب کی مرضی ہے۔ اے ابراہیم ہم تیری جدائی میں غمزدہ ہیں۔ اس میں خطاب (اپنے بیٹے ابراہیم کے بجائے) کسی اور سے تھا یہ باتیں آپ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کو مخاطب کر کے کہی تھیں حالانکہ اس وقت ابراہیم ان باتوں کو سمجھ نہیں سکتے تھے ایک تو اس وجہ سے کہ وہ بہت کمسن تھے دوسری وجہ یہ کہ وہ جانکنی کے عالم میں تھے یہاں خطاب سے مراد حاضرین تھے اور آپ ﷺ اشارۃً ان کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ یہ باتیں ان میں سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہیں جن کی نبی ﷺ نے پہلے ممانعت فرمائی ہے۔

اسی طرح کا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر پر روانہ ہوتے تو فرماتے۔

"یا ارض ربی و ربك الله اعوذ بالله من شرك و من شر ما فيك و شر ما خلق فيك و من شر ما يدب عليك"

(ابو داؤد)

"اے زمین میرا رب اور تیرا رب ایک ہے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، تیرے شر سے اور جو کچھ تجھ میں ہے اس کے شر سے اور جو کچھ تجھ میں پیدا ہوا ہے اس کے شر سے اور جو کچھ تجھ پر چل رہا ہے اس کے شر سے"۔

اسی طرح خطاب کا استعمال قتادہ سے مروی روایت میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب چاند دیکھتے تو دعا پڑھتے ھلال خیر و رشد تین مرتبہ اور پھر کہتے "آمنت بالذی خلقك"۔ (ابو داؤد)

اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں بھی ہے کہ جب کوئی بندہ کسی مصیبت زدہ کو دیکھے تو کہے۔

"الحمد لله الذی عافانی مما ابتلاك به" (ترمذی، بزار، طبرانی، اسنادہ حسن، مجمع الزوائد)

اسی طرح طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ چاند دیکھ کر کہتے۔

"اللهم اهله بالامن والایمان والسلامة والاسلام التوفيق لما تحب وترضى ربی و ربك الله"

(ترمذی، حسن غریب)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ چاند دیکھ کر دعا پڑھتے تھے۔

"اللهم اهله علينا۔۔۔۔۔۔ ربنا و ربك الله" (طبرانی)

اس کی روایت میں عثمان بن ابراہیم الحاطبی ہے وہ ضعیف ہے، بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

انس بن مالک سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ جب چاند دیکھتے تو دعا پڑھتے۔

"ھلال خیر و رشد آمنت بالذی خلقك" (طبرانی)

اس سند میں احمد بن عیسی اللخمی ہے جسے میں نہیں جانتا بقیہ رجال ثقہ ہیں، مجمع الزوائد میں بھی اسی طرح ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"اطيبك من بلد واحبك الى ولولا ان قومی اخرجونی منك ما سكنت غيرك" (ترمذی)

"تجھ سے زیادہ عمدہ اور مجھے پسند شہر اور کوئی نہیں ہے۔ اگر میری قوم مجھے یہاں سے نہ نکالتی تو میں تیرے علاوہ کسی اور جگہ نہ رہتا"۔

اسی طرح کا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے جب انہوں نے حجر اسود کو مخاطب کر کے کہا تھا میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے۔۔۔۔ (متفق علیہ)

3 اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مراد منادی ہی ہے تو پھر ندا مجازی ہے جیسا کہ آسمان، پہاڑ، زمین، ٹیلوں، گھروں، راستوں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قبروں کو منادی بنایا جاتا ہے۔

جبکہ مانعین نداء حقیقی سے منع کرتے ہیں۔

4 اگر نداء کا ثبوت حاصل بھی ہو جائے تو شیخ دحلان کا مطلب پھر بھی ثابت نہ ہو گا اس لیے کہ اختلاف تو اس نداء میں ہے جو پکارنے اور دعا کے لیے ہو کہ اس طرح کہا جائے اے اللہ کے رسول ﷺ میری فلاں پریشانی دور کر دیں۔ یا مریض کو شفا دیں۔ یا اس طرح کہے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ سے دعا کریں کہ مریض کو شفا مل جائے یا پریشانی دور ہو جائے۔ مانعین پہلی صورت کو شرک اور دوسری کو بدعت کہتے ہیں جبکہ جائز کہنے والے دونوں کو جائز کہتے ہیں جبکہ مرثیہ میں کسی قسم کی دعا یا طلب نہیں ہے۔

شیخ دحلان: ابن حجر نے اپنی کتاب۔ الخیرات الحسان فی مناقب الامام ابی حنیفہ النعمان۔ کی پچیسویں فصل میں لکھا ہے کہ امام شافعی جب بغداد میں ہوتے تھے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا وسیلہ لیتے تھے۔۔۔۔ امام غزالی کا وسیلہ اللہ کی طرف لینا چاہیے۔

شیخ بشیر نے فرمایا:

1 یہ امور جن کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں ان تک سند کے ساتھ ثابت بھی کرنا چاہیے ورنہ ان کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔ تبعید الشیطان میں لکھا ہے کہ امام شافعی کی طرف یہ بات منسوب کرنا کہ وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی قبر کے پاس دعا کرتے تھے واضح جھوٹ ہے۔

2 ان لوگوں کے اقوال۔ افعال اور تقریرات حجت نہیں ہیں۔

شیخ دحلان: علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب۔ الصواعق المحرقۃ لاخوان الضلال والزندقۃ میں لکھا ہے امام شافعی رحمہ اللہ اہلبیت کا وسیلہ لیتے تھے ان کے اشعار ہیں جن کا مفہوم ہے۔ آل نبی میرا ذریعہ ہیں اور وہ اس (اللہ) کی طرف میرا وسیلہ ہیں میں ان کی وجہ سے امید رکھتا ہوں کہ کل (قیامت میں) مجھے میرا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

شیخ بشیر: اس پر تین وجوہ سے بات ہو سکتی ہے۔

1 دو باتیں تو ہم پہلے والے قول کے جواب میں کہہ چکے ہیں۔

2 یہاں مضاف مقدر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ:

"ان حب آل النبی و تعظیمھم واتباعھم وشفاعتھم والصلاۃ علیھم ذالیعتی ووسیلتی"

آل نبی ﷺ کی محبت اور تعظیم ان کی اتباع اور شفاعت ان پر درود میرا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اے اللہ ہم نبی ﷺ کا وسیلہ لیتے تھے اور اب نبی ﷺ کے چچا کا وسیلہ لیکر آئے ہیں۔ معنیٰ یہ ہے کہ ہم نبی ﷺ کی دعا کا وسیلہ لیتے تھے۔

شیخ دحلان: علامہ سید طاہر بن محمد بن ہاشم باعلوی اپنی کتاب مجمع الاحباب فی ترجمۃ الامام ابی عیسی الترمذی صاحب السنن۔ میں لکھتے ہیں کہ اس نے خواب میں دیکھا۔۔۔۔ اور پھر امام ترمذی صبح کی سنتوں کے بعد روزانہ یہی کہتے تھے اور اپنے اصحاب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے بھی یہی کہتے اور انہیں رغبت دلاتے تھے ایسا کرنے اور اس کی پابندی کرنے کی۔

شیخ بشیر: اس کا جواب تین طرح سے ہو سکتا ہے۔ دو تو پہلے قول کے جواب میں بیان ہوئے اور تیسری بات یہ ہے کہ شریعت میں خواب حجت نہیں ہے۔

شیخ دحلان: سلف و خلف میں سے کسی نے بھی وسیلے کا انکار نہیں کیا ہے یہاں تک کہ یہ منع کرنے والے لوگ آ گئے۔

شیخ بشیر: یہ واضح جھوٹ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کسی کے لیے لائق نہیں کہ اللہ کو اللہ کے (واسطے) کے علاوہ (کسی اور واسطے سے) پکارے۔ اور فرمایا میں " بحق فلاں یا بحق انبیاء ك وسلك و بحق البیت الحرام "کو ناپسند کرتا ہوں۔ صاحبین کا بھی یہی قول ہے۔ حنابلہ کے ہاں بھی صحیح قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔

شیخ دحلان: امام نووی نے۔ الاذکار۔ میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ فجر کی دو رکعتوں کے بعد یہ دعا پڑھی جائے۔

"اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل و محمد ﷺ اجرنی من النار"

"اے جبریل، میکائیل، اسرافیل اور محمد کے رب مجھے آگ سے پناہ دے"۔

شیخ بشیر: اس میں مندرجہ ذیل نقائص ہیں۔

1 اس قسم کے وسیلے کا ہم انکار نہیں کرتے یہ شرعی لحاظ سے جائز وسیلے کی اقسام میں سے پانچویں قسم ہے یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے فرماتی ہیں رسول ﷺ جب رات کو جاگتے تو نماز کی ابتداء اس طرح کرتے۔

"اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل۔۔۔۔" (مسلم، نسائی، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجه)

یہ صحیح حدیث ہے لہٰذا اس کو چھوڑ کر اس حدیث کی طرف نہیں جانا چاہیے جس میں کلام ہے۔

2 اس روایت میں واضح تحریف ہے جو اذکار کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ الاذکار کی عبارت اس طرح ہے۔

"ہم نے ابن السنی کی کتاب میں ابی الملیح سے روایت کیا ہے جس کا نام عامر بن اسامہ ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے اس کے قریب دو رکعت فجر کی سنتیں پڑھیں پھر دعا پڑھی"۔

"اللھم رب جبریل و اسرافیل و میکائیل و محمد ﷺ النبی اعوذبك من النار"

تین مرتبہ کہا۔

اس میں یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ لوگ ایسا کہا کریں اس میں آپ ﷺ کے فعل کا ذکر ہے اسمیں اجرنی من النار بھی نہیں ہے بلکہ اعوذبک من النار ہے۔ اسمیں اسرافیل کا ذکر میکائیل سے پہلے ہے۔

3 حصن حصین اور مجمع الزوائد وغیرہ میں یہ حدیث ہے مگر کسی میں یہ نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے حکم دیا ہے یا لفظ 'اجرنی من النار' یہاں ہم ان کتابوں کی عبارتیں نقل کرتے ہیں تاکہ مصنف کے پیش کردہ جھوٹ کا اندازہ ہو سکے۔

محمد بن محمد الجزری الشافعی حصن حصین میں لکھتے ہیں نبی ﷺ بیٹھے حالت میں دعا پڑھتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"رب جبریل و مکائیل و اسرافیل و محمد اعوذبک من النار" (طبرانی فی الکبیر)

تین مرتبہ

اس کی سند میں عباد بن سعید ہے جس کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں عباد بن سعید عن مبشر لاشیٔ۔ میں کہتا ہوں اس کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔

نزل الابرار میں ہے اسامہ بن عمیر سے روایت ہے اس نے نبی ﷺ کے ساتھ فجر کی رکعتیں پڑھیں اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے قریب دو ہلکی رکعتیں پڑھیں پھر دعا کی۔

"اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل و محمد اعوذبک من النار" (ابن السنی، حاکم)

مگر حاکم نے بیٹھنے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ اسے طبرانی نے الکبیر میں بھی روایت کیا ہے۔)

4 اگرچہ اس حدیث کو حاکم نے صحیح کہا ہے مگر ابن حجر کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حسن ہے۔ اسکی تخریج کے بعد حافظ ابن حجر کہتے ہیں اخرجہ الطبرانی فی الافراد۔ اور کہا کہ اس پر مبشر نے تفرد کیا ہے جسے ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ابوالملیح کا نام عامر ہے یہ صحیح رجال میں سے ہے۔ عباد بن سعید جو کہ مبشر سے روایت کرتا ہے میں اسمیں جرح یا تعدیل نہیں دیکھتا۔ البتہ ابن حبان نے عباد بن سعید کو ثقات میں ذکر کیا ہے مگر ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی جس سے اسکی تمیز کی جاسکے۔ حاکم نے اس کو مستدرک میں دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں مجھے اس حدیث کا شاہد عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ملا ہے مگر ضعیف سند کے ساتھ ہے اسمیں متروک راوی ہے اور ایک راوی ایسا ہے جس میں کلام ہے۔ اگر ابوالملیح مذکورہ ابن اسامہ ہے تو اس کی سند میں اختلاف ہے اور اگر کوئی اور ہے تو یہ مجہول ہے ابن علان نے شرح الاذکار میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ لیکن اس میں بھی چند باتیں قابل وضاحت ہیں مثلاً۔

1 ابوالملیح اگر ابن اسامہ ہے تو اس کی سند میں اختلاف ہے لہٰذا یہ مضطرب ہے۔ اور اگر ابن اسامہ نہیں بلکہ کوئی اور ہے تو پھر وہ مجہول ہے۔ دونوں صورتوں میں حدیث ضعیف ہے۔

2 اس کی سند میں مبشر ہے اگر یہ ابن عبید الحمصی ہے تو وہ بہت واہی ہے جیسا کہ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے بقیہ نے روایت لی ہے یہ منکر احادیث والا تھا۔ حافظ ابن حجر التقریب میں کہتے ہیں مبشر بن عبید الحمصی ابو حفص کوفی الاصل متروک ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس کو وضاع کہا ہے۔ التہذیب میں ہے امام احمد نے کہا ہے کہ یہ احادیث وضع کرتا تھا۔ دار قطنی نے متروک کہا ہے۔ بعض ثقہ نے اس طرح نقل کیا ہے۔ الکاشف میں ہے مبشر بن عبید الحمصی قتادہ اور زید بن اسلم اور زہری سے روایت کرتے ہیں اور محدثین نے اس کو ترک کیا ہے۔ اور اگر یہ کوئی اور اہے تو اس کا تعین اور اس کی ثقاہت ثابت کرنا ضروری ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

3 اسمیں عباد بن سعید ہے امام زہری المیزان میں کہتے ہیں عباد بن سعید بصری مبشر سے روایت کرتا ہے۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر اور الھیثمی نے یہ بات کہی ہے۔ لیکن یہ توثیق امام ذھبی کے قول کے معارض نہیں ہے جس میں اس نے کہا ہے کہ۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ابن حبان غیر معروف راویوں سے روایات لینے میں مشہور ہے۔

ابن عبد الھادی۔ الصارم المنکی۔ میں لکھتے ہیں یہ بات مشہور ہے کہ ابن حبان نے جو کتاب ثقات کے نام جمع کرنے کے لیے لکھی ہے اسمیں بہت بڑی تعداد ان مجہول راویوں کی ہے جسے نہ وہ خود جانتا ہے نہ کوئی اور جانتا ہے۔ اس بات کو ابن حبان نے اس کتاب میں متعدد مقامات پر صراحت سے بیان کیا ہے۔ طبقہ ثالثہ میں لکھتے ہیں سھیل شداد بن ھادی سے اور اس سے ابو یعقوب روایت کرتے ہیں مگر میں اس (سھیل) اور اس کے باپ کو نہیں جانتا۔ مگر اسی آدمی کو اس نے ثقات میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ اسی طرح لکھتے ہیں حنظلہ مراسیل روایت کرتا ہے۔ میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔ ابن المبارک ابراھیم بن حنظلہ عن ابیہ سے روایت کرتے ہیں ایک اور جگہ لکھتے ہیں حسن ابو عبد اللہ مراسیل روایت کرتا ہے اس سے ایوب النجار نے روایت کیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے کس کا بیٹا ہے۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں جمیل شیخ ہیں ابو الملیح بن اسامہ سے روایت کرتے ہیں اور اس سے عبد اللہ بن عون روایت کرتا ہے میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے اس کا باپ کون ہے۔ ابن حبان نے اس کتاب میں اس طرح کے بہت سے لوگوں کا تذکرہ کیا ہے اس کتاب میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ یہ ایک شخص کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس کی جرح نہیں جانتے اگر چہ وہ راوی مجہول ہو اس کی حالت معلوم نہ ہو۔ لہٰذا اس بات کو ذھن میں رکھنا ضروری ہے کہ ابن حبان کا اپنی کتاب میں کسی کا ذکر کرنا توثیق کا ادنیٰ درجہ ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ یہ حدیث ایک اور سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے پھر کہتے۔

(اے جبریل، میکائیل، اسرافیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب میں آگ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔)

پھر نماز کے لیے نکلتے تھے (ابو یعلی) اس کی سند میں عبید اللہ بن ابی حمید ہے جو متروک ہے مجمع الزوائد میں بھی یہی لکھا ہے۔ المیزان میں امام ذھبی لکھتے ہیں عبید اللہ بن ابی حمید ابو الخطاب ابو الملیح ھذلی سے روایت کرتے ہیں اسے ابن المثنی نے ضعیف کہا ہے ۔ امام بخاری نے منکر احادیث والا کہا ہے، نسائی کہتے ہیں متروک ہے، احمد کہتے ہیں محدثین نے اس کی حدیث چھوڑ دی ہے۔ دحیم کہتے ہیں ضعیف ہے، بخاری کہتے ہیں یہ ابو الملیح سے عجیب احادیث روایت کرتا ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے پھر دعا کرتے تھے۔

(اے جبریل، میکائیل، اسرافیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب میں آگ سے تیری پناہ چاہتا ہوں)

پھر نماز کے لیے نکلتے تھے۔ نسائی نے اس کو روایت کیا ہے مگر اسمیں فجر کی رکعتوں کا ذکر نہیں ہے۔

اسے ابو یعلی نے اپنے شیخ سفیان بن وکیع سے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے جیسا کہ مجمع الزوائد میں بھی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ذہبی رحمہ اللہ المیزان میں لکھتے ہیں سفیان بن وکیع بن الجراح ابو محمد الرؤاسی کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ محدثین کچھ باتوں کی وجہ سے اس کے بارے میں کلام کرتے تھے۔ ابو زرعہ کہتے ہیں یہ متھم بالکذب تھا۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں میرے باپ نے مجھ سے کہا کہ اس کے کاتب تبدیل کر دو اس نے احادیث میں خرابی پیدا کر دی ہے۔ اور کہا کہ صرف اپنی اصل (احادیث میں سے) بیان کیا کرو۔ میں نے کہا صحیح ہے ایسا ہی کروں گا۔ پھر وہ اسی طرح رہا محدثین بیان کرتا رہا اور ایسی احادیث بیان کیں جو اس پر داخل کر دی گئی تھیں۔ ابو احمد نے اس کی پانچ احادیث بیان کی ہیں جو سند کے لحاظ سے منکر ہیں متن کے لحاظ سے نہیں ہیں پھر کہا ہے کہ اس کی بہت سی احادیث ہیں مگر اس کی خرابی یہ تھی کہ یہ محدثین سناتا تھا اس کا کاتب اس کو حدیثیں سناتا تھا جو موقوف ہوتی تھیں یہ ان کو مرفوع بنالیتا تھا۔ ابن حبان کہتے ہیں یہ قابل شیخ تھا سچا تھا۔ یہ اپنے کاتب کی وجہ سے خراب ہوا کہ وہ اس کی احادیث میں حدیثیں داخل کرتا تھا۔ اس کو اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی مگر اس نے رجوع نہیں کیا۔ ابن خزیمہ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے ہمیں حدیث بتائی جس کا ذکر ہم نہیں کرتے۔ یہ وہی قسم ہے جس کے بارے میں ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ اگر آسمان سے گر جائے اور پرندے اسے اچک لیں یہ اس سے بہتر ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولیں۔ لیکن ان لوگوں نے اس کو بگاڑ دیا ابن خزیمہ اس سے نہیں لیتے تھے مگر تحقیق اور چھان بین کے بعد میں کہتا ہوں اسنے اپنے باپ، جریر اور عبد السلام بن حرب سے روایت کیا ہے اور اس سے ابو عروبہ ابن صاعد اور بہت سے لوگوں نے، ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے۔ نسائی نے بھی یہی روایت اپنی کتاب میں ذکر کی ہے مگر فجر کی رکعتوں کے قید کے بغیر جیسا کہ ھیثمی نے کہا ہے۔ نسائی کی کتاب الاستعاذہ میں یہ حدیث اس طرح مذکور ہے۔

"اخبرنا احمد بن حفص قال حدثنی ابی قال حدثنی ابراھیم عن سفیان بن سعید عن ابی حسان عن جسرۃ عن عائشہ رضی اللہ عنہا انھا قالت قال رسول اللہ ﷺ اللھم رب جبریل .... من حر النار و عذاب القبر"

اس میں فجر کی رکعات کی کوئی قید نہیں ہے نہ ہی محمد کا لفظ ہے اس میں حر اور عذاب القبر کا اضافہ ہے۔ سند میں سوائے جسرہ بنت دجاجہ کے بقیہ تمام راوی ثقہ ہیں۔ امام بیہقی کہتے ہیں یہ محل نظر ہے۔ ابن حبان نے ابو العباس البنانی کے نقل کردہ کے بارے میں کہا ہے کہ اس (جسرہ) کے پاس عجیب احادیث ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں عندھا عجائب۔ امام احمد اس کے شاگرد فلیت العامری کے بارے میں کہتے ہیں میں اسمیں حرج نہیں سمجھتا۔ احمد العجلی کہتے ہیں جسرہ ثقہ تابعیہ ہے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کے پاس عجیب احادیث ہیں یہ جرح کی صراحت نہیں ہے۔ میزان میں بھی یہی ہے۔ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں۔ مقبولۃ من الثالثہ۔ الخلاصہ میں لکھتے ہیں العجلی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ ذہبی رحمہ اللہ الکاشف میں لکھتے ہیں راجح بات یہ ہے کہ یہ ثقہ ہے۔ لیکن اس روایت میں سفیان ثوری ہے اور وہ مدلس ہے اور یہ روایت اس نے معنعن روایت کی ہے اسلیے قبول نہیں کی جا سکتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حدیث کی کوئی بھی سند اعتراض سے خالی نہیں ہے اس مسئلے میں بہتر یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا جائے جس میں وہ فرماتی ہیں نبی ﷺ رات کو جب کھڑے ہوتے اور نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اللھم رب جبریل ۔۔۔۔۔۔"

اس لیے کہ یہ حدیث مسلم صحیح ابن حبان، سنن النسائی الصغریٰ یعنی المجتبیٰ میں ہے جس کے بارے میں امام نسائی نے کہا ہے اس کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ اسی کو ابو یعلی النیسابوری، ابو احمد بن عدی، ابو الحسن الدار قطنی، ابو عبد اللہ الحاکم، ابن مندہ عبد الغنی بن سعید، ابو یعلی الخلیلی، ابو علی بن السکن اور ابو بکر الخطیب وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ سعد بن علی الریحانی کہتے ہیں ابو عبد الرحمن (امام نسائی) کی رجال کے لیے شرطیں بخاری و مسلم سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے ابو داؤد نے اس پر سکوت کیا ہے۔ اس کی سند کے رجال سب کے سب ثقہ ہیں صحیحین کے رجال میں سے ہیں۔ سوائے عکرمہ بن عمار کے وہ صرف مسلم کے رجال میں سے ہے اور اس میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر التقریب میں لکھتے ہیں عکرمہ بن عمار العجلی الیمامی اصل میں بصرہ کے ہیں۔ صدوق ہے مگر غلطیاں کرتا ہے۔ اس کی یحییٰ بن کثیر سے روایت میں اضطراب ہے۔ اس کی کوئی کتاب نہیں تھی۔ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں عکرمہ بن عمار الحنفی الیمامی ہرماس، طاؤس اور دیگر لوگوں سے روایت لیتا ہے۔ اور اس سے روایت کرنے والے شعبہ، یحییٰ القطان، عبد الرزاق اور دیگر بہت سے لوگ ہیں یہ ثقہ ہے البتہ یحییٰ بن کثیر سے روایت میں مضطرب ہیں۔ یہ مستجاب الدعوات تھا۔

الخلاصہ میں ہے عکرمہ بن عمار الحنفی العجلی ابو عمار الیمامی امام ہیں۔ ہرماس بن زیاد پھر عطاء، طاؤس، شعبہ، سفیان، یحییٰ القطان، ابن المبارک، ابن مہدی اور دیگر لوگوں سے روایت لیتے ہیں۔ ابن معین اور العجلی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ اور یحییٰ بن کثیر سے روایت میں بخاری، نسائی اور احمد نے کلام کیا ہے۔ اور امام احمد نے اس کی ایاس بن سلمہ سے روایت میں بھی کلام کیا ہے۔ امام ذہبی المیزان میں لکھتے ہیں۔ عکرمہ بن عمار ابو عمار العجلی الیمامی۔ ہرماس بن زیاد سے روایت کرتے ہیں۔ اس کی طاؤس، سالم، عطاء اور یحییٰ بن ابی کثیر سے بھی روایتیں ہیں اس سے یحییٰ القطان، ابن مہدی، ابو الولید اور دیگر بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں۔ ابو حاتم نے ابن معین سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں یہ امی تھا حافظ تھا۔ ابو حاتم کہتے ہیں سچا ہے کبھی کبھی وہم کرتا ہے یعقوب بن ابی شیبہ کہتے ہیں بہت سے لوگوں نے یحییٰ بن معین سے سنا کہ وہ اس کو ثقہ کہتے تھے۔ عاصم بن علی کہتے ہیں یہ مستجاب الدعوات تھا۔ یحییٰ القطان کہتے ہیں یحییٰ بن ابی کثیر سے اس کی روایات ضعیف ہوتی ہیں۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں ضعیف الحدیث ہے۔ اس کی حدیث ایاس بن سلمہ سے صالح ہوتی ہیں، حاکم کہتے ہیں۔ اکثر مسلمان اس سے استشہاد کرتے ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں اس کی کوئی کتاب نہیں تھی اس لیے اس کی احادیث یحییٰ سے مضطرب ہوئیں۔ احمد کہتے ہیں یحییٰ سے اسکی احادیث ضعیف ہیں صحیح نہیں ہیں محمد بن عثمان کہتے ہیں میں نے علی کو کہتے سنا کہ عکرمہ بن عام ہمارے اصحاب کے نزدیک ثقہ تھا۔ ترمذی اپنی جامع میں کہتے ہیں کبھی کبھی عکرمہ یحییٰ کی حدیث میں وہم کرتا ہے۔ مذکورہ اقوال سے ثابت ہوا کہ محدثین کی آراء عکرمہ کے بارے میں مختلف ہیں کچھ نے تو اسے مطلق ثقہ کہا ہے جیسے مسلم، ابن حبان، ترمذی، ابو داؤد، ابن معین، العجلی، ابو حاتم اور علی بن عبد اللہ بن المدینی رحمہم اللہ۔ کچھ ایسے ہیں جو اس کو یحییٰ بن ابی کثیر کی روایات کے علاوہ دیگر روایات میں ثقہ کہتے ہیں جیسے حافظ ابن حجر، ذہبی، بخاری، یحییٰ القطان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور احمد، اور نسائی رحمہم اللہ کا اس کی روایات کو اپنی کتاب المجتبیٰ میں روایت کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ان کے نزدیک مطلق ثقہ ہے جبکہ الخلاصہ کی عبارت اس کے برعکس ہے۔

اسی باب میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی حدیث مروی ہے کہتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ ﷺ مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیں جو میں اپنے لیے کرتی رہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو۔

"اللھم رب النبی محمد اغفرلی ذنبی و اذھب غیظ قلبی و اجرنی من مضلات الفتن ما احییتنا"

"اے نبی محمد ﷺ کے رب میرے گناہ بخشدے میرے دل کا غصہ ختم کردے اور جب تک ہم زندہ ہیں ہمیں فتنوں کی گمراہی سے پناہ دے"۔

ترمذی میں اسکا بعض حصہ ہے۔ اس کو احمد نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مجمع الزوائد میں بھی یہی ہے

شیخ دحلان: علامہ ابن علان، شرح الاذکار، میں لکھتے ہیں ان (جبریل میکائیل محمد وغیرہ) کو اس لیے دعا میں خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے تاکہ ان کا وسیلہ لیا جائے۔ ورنہ اللہ تو تمام مخلوق کا رب ہے۔

شیخ بشیر: شرح الاذکار میں یہ عبارت نہیں ہے یہ شیخ دحلان کے بنائی ہوئی عبارت ہے ہم یہاں اذکار کی عبارت بعینہ نقل کر رہے ہیں، لکھتے ہیں۔

(ان کو خصوصی طور پر ذکر کیا ہے اگرچہ اللہ ہر چیز کا رب ہے۔ مگر ان کے خصوصی ذکر کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید و سنت میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ معمولی اور حقیر اشیاء کے بجائے عظیم المرتبت اشیاء کی طرف اضافت کی گئی ہے مثلاً۔

"رب السموات، رب الارض، رب العرش الکریم، رب الملائکۃ، رب المشارقین و رب المغربین وغیرہ"

دراصل یہ اللہ کی عظمت، قدرت اور اس کی بادشاہت کے دلائل کے طور پر ذکر کیے جاتے ہیں جو اشیاء چھوٹی یا حقیر سمجھی جاتی ہیں ان کی طرف اضافت نہیں کی جاتی مثلاً یوں نہیں کہا گیا۔

"رب الحشرات، خالق القردۃ والخنازیر وغیرہ"

البتہ جب خالق کل شیئ یا خالق مخلوقات کہا جائے تو اسمیں یہ اشیاء خود ہی شامل ہو جاتی ہیں ان کا علیحدہ سے اضافت کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا۔

امام قرطبی فرماتے ہیں ملائکہ کو خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا گیا کہ ان کی عزت افزائی مقصود تھی کہ ان کے ذریعے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ اللہ نے ان کو اس مقصد کے لیے لگا دیا ہے۔

الحرز میں کہتے ہیں ان کی فضلیت کے مراتب ان کے ذکر کی ترتیب کے مطابق ہیں۔ ابن الجزری مفتاح الحصن میں لکھتے ہیں ان کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا اور رب العرش العظیم وغیرہ جو کہا گیا ہے یہ اللہ کی عظمت کے دلائل کے لیے ہے ورنہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دل کی زندگی ھدایت کی وجہ سے ہے (کہ جس دل میں ہدایت ہے وہی زندہ شمار ہوتا ہے) اور یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تینوں فرشتے زندگی پر مقرر ہیں جبریل وحی پر جو کہ دل کی زندگی کا ذریعہ ہے، میکائیل بارش پر مقرر ہے جو کہ بدنی زندگی کے لیے ضروری ہے اور اسرافیل صور پر مقرر ہے جو کہ دوبارہ ارواح کو اجسام میں لوٹانے اور لوگوں کی (قیامت میں) زندگی کا سبب ہے۔
لہٰذا ان ارواح عظیمہ جو کہ زندگی پر مقرر شدہ ہیں ان کی ربوبیت کے توسل کا حصول حاجات میں بہت بڑا اثر ہے۔

یہ ہے مکمل عبارت الاذکار کی اس میں ان کے توسل کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ آخری جملہ میں توسل کا ذکر ہے مگر وہ ان ارواح عظیمہ کی ربوبیت کا ہے یعنی اللہ کی صفت ربوبیت کا توسل ہے اور اللہ کی صفات کا وسیلہ تو بالاتفاق جائز ہے۔
دوسری بات یہ ہے کہ خصوصی طور پر کسی کا ذکر کرنا توسل پر دلالت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝﴾ (التوبہ:۱۲۹)

"اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا رب ہے"۔

دوسری جگہ ہے۔

﴿لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝﴾ (المؤمنون:۱۱۶)

"کوئی معبود نہیں مگر وہی۔ وہ عرش کریم کا رب ہے"۔

﴿سُبْحَٰنَ رَبِّ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝﴾ (الزخرف:۸۲)

"پاک ہے آسمانوں زمینوں اور عرش کا رب ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں"۔

اور فرماتا ہے۔

﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنزَلَ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ﴾ (الاسراء:۱۰۲)

"تو جانتا ہے کہ انہیں آسمانوں اور زمینوں کے رب نے نازل کیا ہے بہت دلائل ہیں"۔

مزید فرماتا ہے۔

﴿وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ (الکہف:۱۴)

"اور ہم نے ان کو دلوں کے مضبوط کیا جب وہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ہمارا رب آسمانوں زمینوں کا رب ہے۔)
فرماتا ہے"۔

﴿رَّبُّ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ﴾ (مریم:۶۵)

"آسمانوں زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کا رب اس کی عبادت کر اور صبر کر"۔

فرمان ہے:

﴿قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ۝﴾ (طہ:۷۰)

"انہوں نے کہا ہم ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لائے ہیں"۔

فرمان ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (الزمر:۴۶)

”کہدو اے اللہ آسمانوں زمینوں کے رب“۔

فرماتا ہے:

﴿ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ○ ﴾ (النجم:۴۹)

”اور وہ شعریٰ کا مالک ہے“۔

(شعری ایک ستارے کا نام ہے جو گرمی میں طلوع ہوتا ہے جسکی پوجا کی جاتی تھی۔(مترجم)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ○ ﴾ (الرحمٰن:۱۷)

”مشرقین اور مغربین کا رب ہے“۔

فرماتا ہے:

﴿ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ ﴾ (المعارج:۴۰)

”مشارق اور مغارب کا رب ہے“۔

فرمان ہے:

﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ○ ﴾ (المزمل:۹)

”مشرق اور مغرب کا رب ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اسی کو کارساز بناؤ“۔

فرماتا ہے:

﴿ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ○ ﴾ (الذاریات:۲۳)

”آسمان وزمین کے رب کی قسم یہ حق ہے اسی طرح جس طرح تم بولتے ہو“۔

فرمان ہے:

﴿ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ○ ﴾ (النباء:۳۷)

”آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے رحمان ہے یہ اس سے بات کرنے کا اختیار نہیں رکھیں گے“۔

فرماتا ہے:

﴿ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ○ ﴾ (القریش:۳)

”انہیں چاہیے کہ اس گھر (کعبہ) کے رب کی عبادت کریں“۔(قریش)

فرمان ہے:

﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ ﴾ (الفلق:۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"کہدو میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی"۔ (الفلق)

اور فرماتا ہے:

﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ ﴾ (الناس:۱)

"میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی"۔ (الناس)

اسی طرح احادیث میں بھی متعدد بار ایسی تخصیص کا ذکر ہے مثلاً۔

1 ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ تکلیف کے وقت دعا کرتے تھے:

"اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ بڑا ہے بردبار ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا رب ہے۔ آسمانوں زمینوں اور عرش کریم کا رب ہے"۔ (بخاری، مسلم)

2 ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز کے لیے اٹھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

"اے اللہ تیری تعریف ہے تو آسمانوں زمینوں کا نور ہے۔ تیری ہی تعریف ہے تو آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کا رب ہے"۔ (مسلم)

3 ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم (سونے کے لیے) اپنے بستروں پر جائیں تو یہ دعا پڑھا کریں۔

"اے اللہ آسمانوں، زمینوں اور عرش عظیم کے رب، ہمارے رب اور ہر چیز کے رب، بیج اور دانہ کو پھاڑنے والے، توراۃ، انجیل اور فرقان کو نازل کرنے والے۔۔۔۔"۔ (مسلم، ترمذی، حدیث صحیح)

4 ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی۔ مجھے ایسی دعا بتائیں کہ میں صبح شام پڑھتا رہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا پڑھو۔

"اے اللہ غیب اور حاضر کے رب، آسمانوں زمینوں کے رب، ہر چیز کے رب اور مالک۔۔۔۔"۔

(ترمذی، ابوداؤد، دارمی، ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

5 بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں خالد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ مجھے رات کو نیند نہیں آتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم اپنے بستر پر آؤ تو یہ دعا پڑھا کرو۔

"اے اللہ سات آسمانوں کے رب اور جن کو انہوں نے ڈھانپ رکھا ہے۔ اے زمینوں کے رب اور جو کچھ انہوں نے بوجھ اٹھا رکھا ہے۔ اے شیاطین کے رب اور جو انہوں نے گمراہ کیا ہے"۔ (ترمذی، اسنادہ لیس بالقوی)

6 ابولبابہ بن عبد المنذر سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ جب کسی بستی میں داخل ہوتے تو پہلے یہ دعا پڑھتے۔

"اے ساتوں آسمانوں کے رب اور جو کچھ انہوں نے بوجھ اٹھا رکھا ہے۔ ہواؤں کے رب اور جو کچھ وہ اڑاتی ہیں۔ شیاطین کے رب اور جو وہ گمراہ کرتے ہیں میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بستی کے خیر کا اور جو کچھ اس میں ہے اس کے خیر کا۔ اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس کے شر سے اور جو کچھ اسمیں ہے اس کے شر سے"۔ (طبرانی فی الاوسط، اسنادہ حسن)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

7 ابو مغیث بن عمرو سے روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ خیبر (پر حملہ کیلئے) تشریف لے گئے تو میں بھی ساتھ تھا آپ ﷺ نے فرمایا رک جاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے دعا پڑھی۔

"اے ساتوں آسمانوں کے رب اور جو کچھ انہوں نے ڈھانپ رکھا ہے۔ اور زمینوں کے رب اور جو کچھ انہوں نے اٹھار کھا ہے اور شیاطین کے رب اور جو انہوں نے گمراہ کیا ہے اور ہواؤں کے رب اور جو کچھ انہوں نے اڑایا ہے میں تجھ سے اس بستی کا خیر مانگتا ہوں اور جو کچھ اسمیں ہے اسکا خیر مانگتا ہوں اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس کے شر سے اس کے باشندوں کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے"۔

اللہ کا نام لیکر آگے بڑھو۔ آپ ﷺ ہر بستی میں داخل ہونے سے پہلے یہی دعا پڑھا کرتے تھے۔ (طبرانی) اسمیں ایک راوی ہے جس کا نام نہیں لیا البتہ بقیہ رجال ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد میں بھی اس طرح ہے)

8 قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے تو دعا پڑھتے۔

"اے اللہ آسمانوں کے رب۔۔۔"۔ (طبرانی)

رجاله رجال الصحيح۔ البتہ قتادہ نے ابن مسعود کو نہیں پایا۔ مجمع الزوائد میں بھی یہی ہے۔ یہ جو آیات اور احادیث ہم نے ذکر کی ہیں ان میں سے بعض ایسی ہیں جن میں دعا کا ذکر نہیں ہے کہ ان سے وسیلہ لیا جاسکے اور بعض میں دعا کا ذکر ہے لیکن جن اشیاء کی طرف رب کی اضافت کی گئی ہے تو کوئی بھی عقل مند مسلمان ان کا وسیلہ نہیں لے سکتا جیسے۔ صبح، ہوائیں، شیطان۔ لہٰذا اس حدیث میں بھی مراد ذکر سے وسیلہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ کی عظمت اور اس کی قدرت وملکیت کے دلائل کے طور پر ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ علماء نے کہا کہ ان (میکائیل، جبرائیل وغیرہ) کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا ہے اگر چہ اللہ تمام مخلوق کا رب ہے۔ جیسا کہ قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ یہ خصوصی ذکر اس لیے ہے کہ عموماً ہر بڑی اور عظیم المرتبت چیز کی طرف نسبت کی جاتی ہے حقیر اور معمولی چیزوں کی طرف نہیں کی جاتی، اللہ کے لیے کہا جاتا ہے:

"رب السموات و رب العرش الكريم و رب الملائكة و الروح رب المشرقين و رب المغربين، رب الناس، ملك الناس، فاطر السموات والارض، جاعل الملائكة رسلا"

یہ سب اور اس جیسی اور صفات اللہ کی عظمت، بزرگی اور قدرت وملکیت کی دلیل کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں۔ ایسے موقع پر حقیر اور معمولی اشیاء کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ ایسا نہیں کہا جاتا رب الحشرات۔ خالق القردة والخنازیر وغیرہ یہی طریقہ افراد کے بارے میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ 'خالق المخلوقات و خالق کل شیئ' کہا جاتا ہے ایسے میں یہ عموم میں داخل ہے۔۔

ابن علان نے بھی الاذکار میں یہی وجہ لکھی ہے۔ اب شیخ دحلان نے کس طرح ابن علان کی طرف وہ بات منسوب کر دی ہے جو اس نے کبھی نہیں کہی نہ یہ تخصیص کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ یہ صرف دین میں خیانت ہے۔ (جو دحلان نے کی ہے)

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ امام نوی نے جو کہا ہے کہ ایسے مواقع پر حقیر اور معمولی اشیاء کی طرف اضافت یا ان کا ذکر نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا جاتا تو یہ عمومی طور پر نہیں ہے اس لیے کہ ایک حدیث میں اس طرح بھی آیا ہے۔ 'ورب الشیاطین وما اضللت' شیاطین کی خباثت اور ان کے گمراہ کرنے کے عمل کی حقارت اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ ان کی تخلیق یا ان کے افعال معمولی اور حقیر ہیں کہ ان کے شر کی وجہ سے ان کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ بلکہ وہ تو دنیا کے بڑے شر میں سے ہے کہ انسان کے پاس اس کے شر سے بچنے کی کوئی طاقت ہی نہیں سوائے خالق سے پناہ مانگنے کے۔ لہٰذا ان شیاطین کی طرف رب کی نسبت بھی اللہ کی عظمت وقدرت کے دلائل میں سے ہے۔" محمد رشید رضا")

شیخ دحلان: جس طرح اللہ نے کھانا پینا سیرابی اور سیر ہونے کا سبب بنایا ہے ان کا اپنا اثر نہیں ہے اصل موثر اللہ ہی کی ذات ہے اور اطاعت کو نیک بختی اور سعادت کا سبب بنایا ہے۔ اسی طرح وہ پسندیدہ لوگ جنھیں اللہ نے بڑا مرتبہ عنایت فرمایا ہے اور ان کی تعظیم کا حکم دیا ہے ان کا وسیلہ بھی حاجات پورا کرنے کا سبب ہے۔

شیخ بشیر: اس پر ہم دو طرح سے گفتگو کریں گے۔

1 یہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ کھانا پینا سیر اور سیراب ہونے کا سبب ہونا عقل اور نقل سے معلوم اور ثابت ہو چکا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اطاعت سعادت اور درجات کے حصول کا سبب ہے۔ جبکہ پسندیدہ اور عظیم المرتبت لوگوں کا وسیلہ حاجات پورا کرنے کے سبب ہونے پر نقل یا عقل سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

2 بات وسیلہ کے مشروع ہونے یا نہ ہونے کی ہے اس کے سبب ہونے یا نہ ہونے کی نہیں ہے اور یہ دونوں امور باہم متلازم نہیں ہیں اس لیے کہ دنیا میں بہت سے اسباب ہیں مگر وہ آخرت میں عذاب اور سزا وار ہوں گے۔

شیخ دحلان: جمہور اور سواد اعظم کی پیروی کرنی چاہیے۔

شیخ یہ کئی وجوہ کی بنا پر محل نظر ہے۔ شیخ بشیر نے جن تین وجوہ کی بنا پر شیخ دحلان کی بات رد کی ہے وہ وجوہ خود محل نظر ہیں اس لیے کہ احادیث صحیحہ سے جماعت کی اتباع کا حکم ثابت ہے اور یہ احادیث مشہور و معروف ہیں البتہ ان احادیث میں مذکور جماعت سے مراد صحابہ کی جماعت ہے اور سواد اعظم سے مراد رسول اللہ ﷺ سے اخذ شدہ دین کی اتباع کرتی ہو اس کو چھوڑ کر جو اپنے خصوصی اجتہاد کی بنیاد پر سواد اعظم سے علیحدہ ہو گیا ہو جبکہ موجودہ دور کے جمہور اور سواد اعظم جو شیخ دحلان نے مراد لیا ہے تو اس جمہور اور سواد اعظم میں تو بدعات اور منکرات پھیل گئی ہیں ان کی کثرت اور جمہور ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ جمہور سے مراد تبعین سلف کی جماعت ہے۔ شیخ بشیر نے جو پہلی وجہ بیان کی ہے تو اس کا اطلاق یا اعتراض ان صحیح احادیث پر نہیں ہوتا جن میں جماعت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور نہ ہی یہ ان احادیث کے منافی ہے جن میں اس بات کی دلیل ہے کہ جمہور صحابہ حق پر تھے دین پر تھے۔ اگر آپ ﷺ کی وفات کے وقت ان میں سے کسی سے بھول یا اضطراب کا اظہار ہوا ہے تو عوارض بشریہ میں سے ہے عقائد اور سنن عملیہ المتبعہ میں سے نہیں ہے۔ اور یہ بشری عارضہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے دور بھی ہو گیا تھا جب انہوں نے قرآن کی آیت سنا کر ان کو سمجھایا تھا۔ اعتبار اعمال کا ہوتا ہے۔ اور اعمال کے اختتام کا ہوتا ہے آغاز کا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس بڑی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آزمائش میں صحابہ کرام عملی لحاظ سے ہدایت پر تھے۔

دوسری وجہ جو شیخ بشیر نے بیان کی ہے تو اسمیں بھی مصنف نے آیات سے استدلال کرنے میں غلطی کی ہے جن میں مومنوں کے قلت رشد کی بات کی گئی ہے جبکہ یہ آیات ان کے بارے میں نہیں ہیں۔

تیسری وجہ کا موضوع ہے بعض مجتھدین کا بعض اجتہادی مسائل میں جمہور کی مخالفت کرنا۔ اب اگر کوئی شخص اجتہاد کا اہل ہے تو وہ ان مسائل میں اپنے اجتہاد پر عمل کرے اور جس کے پاس علم نہ ہو اور وہ دیکھتا ہے کہ جمہور مسلمان اس طرح کر رہے ہیں اور ایک شخص ان کی مخالفت کر رہا ہے اور اس (لاعلم) شخص کے پاس ترجیح دینے کی صلاحیت نہ ہو تو یہ جمہور کی اتباع کرے ("محمد رشید رضا")

1 اکثریت بعض دفعہ غلطی کر جاتی ہے۔ فتح الباری میں ابن حجر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ باہر آئے تو عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا عمر بیٹھ جاؤ۔ عمر نے بیٹھنے سے انکار کر دیا لوگ ابو بکر کی طرف متوجہ ہو گئے اور عمر کو چھوڑ دیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے وہ نہیں مرتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور محمد تو صرف ایک رسول ہیں بے شک ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں"۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایسا لگا کہ لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے جب تک کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تلاوت نہ کر دی۔ پھر سب لوگوں نے یہ آیت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے حاصل کر لی پھر جو بھی اس کو سنتا وہ اس کی تلاوت کرتا۔۔۔۔۔

اور اکثر صحابہ اس کے خلاف تھے (اس حدیث کے تحت ابن حجر لکھتے ہیں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم، تعداد کے لوگ اجتہاد میں صحیح ہوتے ہیں اور اکثریت غلطی کر جاتی ہے لہٰذا اکثریت ترجیح کی وجہ نہیں ہے۔ خاصکر جب معلوم ہو کہ ان میں سے بعض نے بعض کی تقلید اختیار کی ہے۔ لہٰذا جمہور کے عمومی اتباع کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

2 لوگوں میں ہدایت اور خیر کم جبکہ شر اور گمراہی زیادہ ہے اس پر مندرجہ ذیل آیات دلالت کرتی ہیں۔

1 ﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝﴾ (الاعراف:۱۶)

"ابلیس نے کہا چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا اب میں تیرے سیدھے راستے میں بیٹھوں گا پھر ان کے پاس آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے آؤں گا تو ان میں سے اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا"۔

2 ﴿قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝﴾ (الاسراء:۶۲)

"مجھے بتلاؤ یہی ہے وہ جس کو تو نے مجھ پر عزت دی ہے اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دی تو میں اس کی اولاد کو گمراہ کروں گا مگر کم"۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان دونوں آیتوں میں اللہ نے شیطان کا قول نقل کیا ہے یہ بات ابلیس نے گمان کے طور پر کی تھی مگر یہی ہوا جیسا کہ اللہ فرماتا ہے۔

3 ﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (السبا:٢٠)

"ابلیس نے ان پر اپنا گمان صحیح ثابت کر دیا یہ اس کے پیروی میں لگ گئے سوائے مومنوں کے ایک گروہ کے"۔

4 ﴿ وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ﴾ (الانعام:١١٦)

"اگر تم اکثریت کی اتباع کرو گے تو وہ تمہیں سیدھے راستے سے بھٹکا دیں گے"۔

5 ﴿ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ﴾ (ص:٢٤)

"بہت سے شراکت دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے اور یہ بہت کم ہیں"۔

6 ﴿ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴾ (السبا:١٣)

"میرے بہت کم شکر گزار ہیں"۔

7 ﴿ قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ﴾ (المائدہ:١٠٠)

"کہدو خبیث اور طیب برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ تمہیں خبیث کی کثرت پسند آئے"۔

اس میں اشارہ ہے قلت خیر اور کثرت شر کی طرف۔

8 ﴿ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ﴾ (یونس:٩٢)

"بہت سے لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں"۔

9 ﴿ وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ﴾ (یوسف:١٠٣)

"اکثر لوگ شکر نہیں کرتے"۔

10 ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴾ (یوسف:١٠٦)

"اکثر لوگ فاسق ہیں"۔

11 ﴿ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴾ (النمل:٦٢)

"تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو"۔

12 ﴿ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴾ (الاعراف:١٠)

"تم بہت کم شکر کرتے ہو"۔

13 ﴿ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ (ھود:١٧)

"اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے"۔

14 ﴿ ﴾ (فرقان:)

"ہم نے ان میں پھیر پھیر کر بیان کیا مگر اکثر لوگوں نے انکار کیا مگر کفر کا"۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

15 ﴿ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (شعراء:۸)

"ان کی اکثریت مومن نہیں ہے"۔

اسی سورہ شعراء میں یہ بات نوح علیہ السلام، ھود، صالح، لوط اور شعیب علیہ السلام کے قصوں کے بارے بار بار دہرائی گئی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ سابقہ امتوں میں بھی ہدایت کم اور گمراہی زیادہ تھی۔

16 ﴿ ﴾ (الزخرف:)

"لیکن اکثر لوگ حق کو ناپسند کرتے ہیں"۔

17 ﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ○ ﴾ (الحدید:۲۶)

"ہم نے نوح علیہ السلام اور ابراھیم علیہ السلام کو بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب دی ان میں سے کچھ ہدایت یافتہ اور اکثر فاسق تھے"۔

ان آیات کو مدنظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے رشد بنی آدم میں عموماً اور مومنوں میں خصوصاً کم رہی ہے۔ جیسا کہ سابقہ آیات سے معلوم ہوا۔ مومنوں میں خصوصاً رشد کی کمی پر دلالت کرنے والی آیات مندرجہ ذیل ہیں۔

1 ﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ ﴾ (سبا:۲۰)

"ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا انہوں نے اس کی پیروی اختیار کی سوائے مومنوں کے ایک گروہ کے"۔

2 اور ان میں اکثر ایمان نہیں لاتے مگر وہ مشرک ہیں۔ اب جمہور کی عموماً اتباع کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟

3 تیسری وجہ: بہت سے ائمہ نے بہت سارے مسائل میں جمہور کی مخالفت کی ہے۔ جیسے ابن ابی لیلیٰ، اور اصم انہوں نے ہر قسم کے پانی کو طھارت کے لیے جائز کہا ہے یہاں تک کہ درختوں سے نچوڑا ہوا پانی بھی، جبکہ جمہور اس کے خلاف ہیں وہ صرف ماء مطلق کے قائل ہیں اور جس طرح کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جمہور کی مخالفت کی ہے۔ کہ نجاست صرف پانی سے زائل ہو سکتی ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر مائع چیز سے ہو سکتی ہے سوائے تیل کے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے جمہور کی مخالفت کی ہے اور سورج سے گرم شدہ پانی سے طھارت لینے کو مکروہ کہا ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے گرم پانی سے طھارت حاصل کرنے کو مکروہ کہا ہے۔ امام مالک نے جمہور کی مخالفت کی ہے اور ماء مستعمل کو مطہر کہا ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار مثالیں ہیں تو کیا یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان ائمہ نے بھی اس واجب کو ترک کر لیا تھا؟

شیخ دحلان: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرسول مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ○ ﴾ (النساء:۱۱۵)

"جس نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اس کے بعد کہ حق اس کے سامنے واضح ہو گیا اور مومنوں کے راستے کے بجائے کسی اور راستے کی پیروی کی ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں داخل کر دیں گے وہ بہت برا ٹھکانہ ہے"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ بشیر: اجماع کے قائل لوگ اس آیت سے اجماع کے حجیت ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ اگر یہ استدلال صحیح ثابت ہو تا ہے تو پھر یہ آیت اس اجماع کی اتباع کو وجب ثابت کرے گی جس پر امت کا اجماع ہے جمہور کی اتباع ثابت نہیں ہو گی۔ لہٰذا یہ دلیل نہیں بن سکتی۔ جبکہ اس کو ثابت کرنا بھی مشکل ہے۔

شیخ دحلان: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ سواد اعظم کو لازم پکڑو بے شک ریوڑ سے جدا ہونے والی بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔

شیخ بشیر: یہ حدیث ان الفاظ سے تو میں نہیں جانتا البتہ سنن ابن ماجہ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کو لازم پکڑو۔ اس کی سند میں معان بن رفاعہ ہے اور وہ لین الحدیث کثیر الارسال ہے۔ اسی طرح اس کی سند میں ابو خلف الاعمی بھی ہے جو کہ متروک ہے اسے یحییٰ بن معین نے کذاب کہا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بہت ہی ضعیف ہے احکام شرعیہ میں اس سے دلیل نہیں لی جا سکتی اگر اس کو صحیح یا ثابت بھی مان لیا جائے تو سواد اعظم میں پھر دو قول ہیں:

1 تمام لوگ اور ان میں سے اکثر ایسے کہ جو سلطان کی اطاعت اور صحیح منہج پر ہوں۔ نہایہ اور مجمع البحار میں یہی لکھا ہے۔

اسی کو ابن عباس کی روایت میں جماعت کہا گیا ہے رسول ﷺ نے فرمایا:

"جس نے امیر کو ناپسندیدہ کام کرتے دیکھ لیا تو اس پر صبر کرے اس لیے کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت الگ ہوا اور مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔ (بخاری، مسلم)

حذیفہ کی طویل روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جماعۃ المسلمین اور ان کے امام کو لازم پکڑو، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر نہ جماعت ہو اور نہ امام؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جاؤ"۔ (بخاری، مسلم)

اس بارے میں بہت احادیث ہیں جو صحاح وغیرہ میں ثابت ہیں لہٰذا سواد اعظم کی اتباع سے مراد امام اور جماعت کی اتباع ہے جو سلطان کی اطاعت پر متفق اور مجتمع ہوں۔ اس کی مزید تائید نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ نے اس منبر پر بیٹھ کر فرمایا جو قلیل کا شکر ادا نہیں کرتا وہ کثیر کا بھی نہیں کر سکتا اور جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اللہ کی نعمت کا اظہار شکر اور اس کو ترک کرنا اس کی ناشکری ہے۔ جماعت رحمت اور فرقہ عذاب ہے ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے کہا تم سواد اعظم کو لازم پکڑو ایک آدمی نے پوچھا سواد اعظم کیا ہے؟ تو ابو امامہ نے آیت پڑھی:

﴿ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ ﴾ (نور: ۵۴)

"اگر تم منہ موڑو گے تو رسول اللہ ﷺ پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو ان کے ذمہ ہے اور تم پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو تمہارے ذمہ ہے"۔ (بزار، طبرانی، عبداللہ بن احمد)

اس کے رجال ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سعید بن جمہان سے روایت ہے کہتے ہیں میری ملاقات عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے ہوئی وہ نابینا تھے اس نے پوچھا کون ہو؟ میں نے سعید بن جمہان۔ اس نے کہا تمہارے والد نے کیا کر دیا؟ میں نے کہا اس کو ازارقہ نے قتل کر دیا (ازارقہ خارجیوں کا بہت زیادہ متعصب فرقہ تھا۔ مترجم) اس نے کہا اکیلے ازارقہ نے یا تمام خوارج نے؟ میں نے کہا تمام خوارج نے، میں نے کہا سلطان لوگوں پر ظلم کر رہا ہے ان کے ساتھ اور تمہارے ساتھ یہی کچھ کر رہا ہے اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور زور سے دبایا اور کہا کہ اے ابن جمہان تم سواد اعظم کو لازم پکڑو۔ اگر سلطان تمہاری بات سنتا ہے تو وہ اپنے گھر میں ہے اس کی مدد کرو جو کچھ تم جانتے ہو اور اگر وہ تم سے قبول کرے ورنہ اسے رہنے دو تم اس سے زیادہ نہیں جانتے۔

ابن ماجہ نے اس کا کچھ حصہ روایت کیا ہے۔ احمد اور طبرانی نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، مجمع ازوائد میں بھی اسی طرح ہے یہ مسلمان پر واجب ہے ان امور میں بھی جنھیں وہ پسند کرتا ہے اور ان میں بھی جنھیں ناپسند کرتا ہے۔ جب تک کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ سواد اعظم اس معنی میں اس قابل نہیں ہے کہ اس سے شرعی مسئلہ ثابت کیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سواد اعظم صحابہ کی جماعت تھی جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔ فرماتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے میری امت پر بھی ایسا وقت یا حالت آئے گی جیسے بنی اسرائیل پر آئی تھی۔۔۔۔۔ اسی حدیث میں ہے کہ پوچھا گیا وہ کون سی جماعت یا گروہ ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا (جو اس طریقے پر چلے گا) جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ (ترمذی، حدیث حسن غریب مفسر)

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے سوال ہوا اللہ کے رسول ﷺ وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ جماعت ہو گی۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ سب کے سب جہنم میں ہوں گے سوائے ایک کے اور وہ جماعت ہو گی۔ (ابن ماجہ)

احادیث ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ سواد اعظم جماعت ہے اور صحابہ کی جماعت ہے۔ شاید یہی معنی اسحاق بن راھویہ نے بتایا ہے جب ان سے سوال ہوا کہ علیکم بالسواد الاعظم کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ محمد بن اسلم اور اس کے متبعین، محمد بن اسلم اور اس کے متبعین کو سواد اعظم صحابہ کی مشابہت کی بنا پر کہا گیا کہ یہ لوگ بھی سنت کو مضبوطی سے تھامنے والے تھے۔

اسی وجہ سے امام شافعی نے کہا ہے کہ جب میں کسی صاحب حدیث کو دیکھ لوں تو گویا میں نے صحابی کو دیکھ لیا تلبیس ابلیس میں بھی ایسا ہی ہے۔ اسی لیے سفیان ثوری کہتے تھے سواد اعظم سے مراد وہ ہے جو اہل سنت والجماعت ہو اگرچہ ایک ہی آدمی ہو امام شعرانی کی المیزان میں بھی ایسا ہی ہے۔

ملا سعد الرومی "مجالس الابرار" میں لکھتے ہیں تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم دین میں نئے ایجاد کردہ امور سے اجتناب کرو اگرچہ اس پر جمہور نے اتفاق ہی کیوں نہ کیا ہو۔ صحابہ کرام کے بعد کسی قسم کے اتفاق سے دھوکہ مت کھانا بلکہ تم کو صحابہ کے اعمال و احوال کو تلاش کرنا چاہیے اس لیے کہ سب سے زیادہ عالم اور اللہ کے قریب وہ لوگ ہیں جو صحابہ کرام کے ساتھ زیادہ مشابہت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھتے ہوں، ان کے طریقے اور راستے کو اچھی طرح جانتے ہوں اس لیے کہ دین انہی صحابہ سے لیا گیا ہے اور صاحب شریعت ﷺ سے شریعت لینے کی بنیاد یہی صحابہ ہیں حدیث میں آتا ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو تم سواد اعظم کو لازم پکڑو۔ اس سے مراد ہے حق کے ساتھ منسلک رہنا اس کی اتباع کرنا اگرچہ اس کو اپنانے والے کم ہی ہوں اور مخالفت کرنے والے زیادہ ہوں اس لیے کہ حق وہ ہے جس پر پہلی جماعت قائم تھی اور وہ صحابہ تھے ان کے بعد باطل کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

فضیل بن عیاض نے کہا ہے۔ ھدایت کا راستہ لازم پکڑو اس پر چلنے والوں کی قلت نقصان دہ نہیں ہے۔ گمراہی کے راستے سے اجتناب کرو اور اس پر چلنے والوں کی کثرت سے دھوکہ مت کھاؤ۔ سلف میں سے کسی نے کہا ہے جب تم شریعت کی موافقت کر لو اور حقیقت دیکھ لو تو پرواہ مت کرو اگرچہ تمہاری رائے تمام مخلوق کے مخالف ہو۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم ایسے دور میں ہو کہ تم میں بہتر وہ شخص ہے جو امور میں آگے بڑھنے والا جلدی کرنے والا ہو۔ ایک دور ایسا آئے گا تمہارے بعد کہ اسمیں بہتر آدمی وہ ہو گا جو ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہو اس لیے کہ شبہات زیادہ ہوں گے۔

امام غزالی کہتے ہیں جو شخص اس دور میں تحقیق نہیں کرتا اور جمہور کی موافقت کرتا ہے ان امور میں جن میں وہ ہیں اور اس میں دخل دیتا ہے جس میں جمہور دخل دیتے ہیں تو یہ بھی ہلاک ہو جائے گا جس طرح جمہور ہلاک ہوں گے دین کی اصل بنیاد اور ستون کثرت عبادت، کثرت تلاوت اور بھوک کے ذریعے مجاہدہ نہیں بلکہ آفات سے اور ان تباہیوں سے بچنا ہے جو اس پر بدعات و خرافات کی صورت میں آئیں گی یہ بدعات اتنی زیادہ ہو گئی ہیں اور اتنی پھیل گئی ہیں گویا کہ یہی دین کے شعائر یا فرائض ہیں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں سچا صاحب بصیرت کبھی بھی رفقاء کی قلت سے نہیں گھبراتا اور نہ ساتھیوں کے نہ ہونے سے گھبراتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کا دل پہلے گروہ رفیق ہے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے اور یہ لوگ بہترین رفیق ہیں۔ کسی بندے کا اپنی طلب کے طریق میں متفرد ہونا اس کی طلب کی صداقت کی دلیل ہے اسحاق بن راھویہ سے ایک مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا انہوں نے جواب دیدیا۔ کسی نے کہا کہ آپکے بھائی احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا میں نہیں سمجھتا تھا کہ اس مسئلہ میں کوئی میری موافقت کرتا ہو گا۔

آدمی کے سامنے جب صحیح بات آجائے تو پھر اس کو عدم موافقت سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ اس لیے کہ حق جب واضح ہو کر سامنے آتا ہے تو پھر اس پر دلالت کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی دل حق کو اس طرح دیکھ لیتا ہے جس طرح آنکھ سورج کو دیکھتی ہے اب اس بات کی گواہی کی کیا ضرورت ہوتی ہے کہ سورج نکلا ہوا ہے اور اس پر کسی کے موافقت کی ضرورت رہ جاتی ہے۔

ابو شامہ عبدالرحمٰن بن اسماعیل نے اپنی کتاب الحوادث والبدع میں کیا خوب بات لکھی ہے کہ جہاں جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم آیا ہے اس سے مراد حق کو لازم پکڑنا اور اس کی اتباع کرنا ہے۔ اگرچہ اس کو اپنانے والے کم اور مخالفت کرنے والے زیادہ ہوں۔ اس لیے کہ حق وہ ہے جس پر پہلی جماعت یعنی رسول اللہ ﷺ کے دور میں صحابہ کرام کی جماعت قائم تھی ان کے بعد اہل باطل کی کثرت کو نہیں دیکھا جائے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عمرو بن میمون الاودی کہتے ہیں میں یمن میں معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا اور اس وقت تک ان سے الگ نہ ہوا جب تک وہ اس دنیا سے نہ چلے گئے اور شام میں ہم نے انہیں سپرد خاک کر دیا۔ پھر ان کے بعد میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا ان کو فرماتے سنا کہ جماعت کو لازم پکڑو بے شک اللہ کا ہاتھ (تائید) جماعت کے ساتھ ہے۔ پھر میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تم پر ایسے حکمران مسلط ہو جائیں گے جو نمازوں میں تاخیر کیا کریں گے تم لوگ وقت پر نماز ادا کیا کرو کہ یہ وقت پر فرض ہے اور ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرو وہ تمہارے لیے نفل ہو گی۔ عمرو کہتے ہیں میں نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں نہیں سمجھا کہ آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے پوچھا کونسی بات نہیں سمجھے؟ میں نے کہا آپ ہمیں جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم کرتے ہیں اس کی رغبت دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ نماز اکیلے پڑھا کرو یہ وقت پر فرض ہے۔ اور جماعت کے ساتھ پڑھو وہ نفل ہو گی؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا عمرو میں تو تمہیں اس شہر کا سب سے زیادہ سمجھدار آدمی خیال کرتا تھا۔ کیا تم جانتے ہو جماعت کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا جمہور لوگ جو جماعت سے علیحدہ ہو گئے جماعت وہ ہے جو حق پر قائم ہو اگر چہ تم اکیلے ہی ہو۔ نعیم بن حماد کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ جب جماعت بگڑ جائے تو اس طریقے کو لازم پکڑو جس پر فساد سے قبل جماعت قائم تھی اگر چہ تم اکیلے ہی (اس پر کاربند و قائم رہنے والے ہو) تو اس وقت تم ہی جماعت ہو گے۔ حسن کہتے ہیں اللہ کی قسم سنت غلو کرنے والوں اور جمے رہنے والوں کے درمیان ہے تم اس (سنت) پر صبر واستقامت بر قرار رکھو اللہ تم پر رحم کرے گا۔ ماضی میں اہل سنت قلیل تعداد میں ہی رہے ہیں اور آئندہ بھی قلیل ہوں گے (یہ وہ لوگ ہیں) جو سرکشوں کے ساتھ سرکشی میں شامل نہ ہوں گے اور نہ اہل بدعت کے ساتھ ان کی بدعات میں ساتھ دیں گے۔ اور سنت پر صبر کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اپنے رب سے ملاقات کر لیں تم بھی اسی طرح رہو۔ محمد بن اسلم طوسی اپنے دور میں متبعین سنت کے متفقہ امام تھے یہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بھی سنت معلوم ہوئی یا پہنچی میں نے اس پر عمل کر لیا میری خواہش ہے کہ میں سواری پر بیت اللہ کا طواف کروں مگر اس کا موقع یا طاقت نہیں (سواری پر طواف سنت ہے اسی لیے) اپنے دور کے ایک عالم سے پوچھا گیا سواد اعظم کیا ہے جس کا احادیث میں ذکر آتا ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو تم سواد اعظم کو لازم پکڑو تو اس عالم نے جواب دیا کہ محمد بن اسلم طوسی سواد اعظم ہے ابن حجر مکی جن کا فتویٰ مانا جاتا تھا فرماتے ہیں اگر تم کہو کہ یہ تیسرا قول اکثریت کی طرف منسوب ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ اقلیت بجائے اکثریت کے زیادہ غلطیوں کے قریب ہوتی ہے؟ میں کہوں گا کہ فتوی اسی بات پر متعین کیا جاتا ہے جس پر اکثریت ہوتی ہے جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ اکثریت نے وہی طریقہ اختیار کر لیا ہے جو وہاں موجود تھا اور اس نے واضح دلائل کی طرف توجہ نہیں دی ہے تو ایسی صورت میں اس پہلی اور دوسری پر عمل کرنا یا اسے اپنانا واجب ہو گا جس پر اقلیت قائم ہے اس لیے کہ وہ ائمہ محققین ہیں ان کے دلائل واضح ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ جماعت لوگوں کی کثرت کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ جس کے پاس حق ہو جماعت وہ ہے اگر چہ ایک ہی شخص ہو۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ابو الدرداء واثلہ بن اسقع اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں ایک مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو ہم دین کے ایک مسئلے میں جھگڑ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا شدید غصہ آیا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیا تھا پھر ہمیں جھڑک دیا اور فرمایا رک جاؤ اے امت محمد ﷺ تم سے پہلے لوگ انہی جھگڑوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انمیں خیر کم ہے۔ جھگڑا چھوڑ دو مومن جھگڑا نہیں کرتا۔ جھگڑنا چھوڑ دو جھگڑے کا نقصان ہوتا ہے۔ جھگڑا چھوڑ دو یہ گناہ ہی کافی ہے کہ تم ہمیشہ جھگڑتے رہو۔ جھگڑا چھوڑ دو میں قیامت کے دن جھگڑنے والوں کی سفارش نہیں کروں گا۔ جھگڑا چھوڑ دو میں قیامت میں تین قسم کے گھروں کا ذمہ دار ہوں۔ اس کے باغیچے (ریاض) کا۔ اس کے وسط اور اس کے اعلیٰ کا۔ اور یہ اس کے لیے ہے جو جھگڑا ترک کر دے حالانکہ وہ سچا ہے۔ جھگڑا چھوڑ دو اللہ نے بت پرستی کے بعد جس پہلی چیز سے مجھے منع کیا ہے وہ جھگڑا ہے۔ بنی اسرائیل اکہتر اور نصاری بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے سب کے سب گمراہی پر تھے سوائے سواد اعظم کے لوگوں نے پوچھا اللہ کے رسول ﷺ سواد اعظم کیا ہے۔ فرمایا (وہ لوگ جو اس راستے پر چلیں گے) جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں جو اللہ کے دین میں جھگڑا نہ کرے اور کسی موحد کو کسی گناہ پر جو کہ بخش دیا گیا ہے کافر قرار نہ دے۔ پھر فرمایا اسلام کا غربت کی حالت میں آغاز ہوا اور پھر لوٹ کر اسی حالت میں آئے گا۔ لوگوں نے سوال کیا اللہ کے رسول ﷺ غرباء کون ہیں؟ فرمایا جو ان امور کی اصلاح کریں گے جنھیں لوگوں نے بگاڑ دیا ہو اور اللہ کے دین میں جھگڑا نہیں کریں گے۔ اور اہل توحید کو کسی گناہ پر کافر قرار نہیں دیں گے (طبرانی فی الکبیر) اس کی سند میں کثیر بن مروان ہے اور وہ بہت ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد میں بھی اسی طرح ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ کسی اہل قبلہ کو کافر قرار نہ دیتا ہو۔ اسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے اسمیں کثیر بن مروان ہے جسے یحییٰ اور دار قطنی نے کذاب کہا ہے۔ میزان میں ہے کہ محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے یہ ابراہیم بن ابی عبلہ وغیرہ سے روایت کرتا ہے۔ یحییٰ اور دار قطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے یحییٰ نے ایک جگہ اس کو جھوٹا کہا ہے۔ الفسوی کہتے ہیں اس کی حدیث کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث بہت ہی ضعیف ہے لہٰذا اس سے دلیل لینا صحیح نہیں ہے؟

جواب: یہ اس حدیث سے زیادہ ضعیف نہیں ہے جس میں سواد اعظم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ جب شیخ دحلان نے اس حدیث سے جمہور کی اتباع کے لزوم پر استدلال کیا ہے تو اس حدیث سے سواد اعظم کی تعین پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سواد اعظم کی اتباع کا حکم اس موقع پر ہے جب صحابہ کے آپس میں اختلاف ہو اس وقت صحابہ کے سواد اعظم کی اتباع کا حکم ہے کہ اکثر صحابہ کی ایک رائے ہو اور چند کی دوسری ہو اس کی دلیل اختلاف اور سواد اعظم کے الفاظ ہیں۔ اس لیے کہ سواد لوگوں کے عام جھے کو کہا جاتا ہے جیسا کہ القاموس وغیرہ میں ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ جس بات پر صحابہ کا اجماع ہو اس کی اتباع واجب ہے۔ اور اگر ان میں اختلاف ہو اور کثرت کا معلوم نہ ہو کہ کس طرف ہے تو یہ حدیث اس کی اتباع پر دلالت نہیں کرتی اور یہ سب بھی تب ہے جب (یہ کثرت) آیت یا صحیح مرفوع یا حسن حدیث سے معارض نہ ہو۔ اور دونوں کا نسخ ثابت نہ ہو۔ اور اگر کوئی آیت یا حدیث اس (اجماع صحابہ) کے خلاف موجود ہو گی تو اس اجماع صحابہ یا اکثریت کی رائے قابل توجہ نہیں ہو گی بالفرض اگر ایسا مان لیا جائے (کہ اکثر صحابہ یا اجماع صحابہ آیت یا حدیث کے خلاف ہو سکتی ہے، حالانکہ ایسا ممکن نہیں) خلاصہ کلام یہ کہ اصل مقصود اتباع اور لزوم حق ہے جیسا کہ ملا سعد رومی نے مجالس الابرار میں لکھا ہے۔ کثیر یا قلیل کی اتباع مقصود نہیں ہے۔۔۔ ہمیں صحابہ کرام میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے کثیر تعداد کی اتباع کا حکم اس مسئلہ میں دیا گیا ہے جس میں صحابہ نے باہم اختلاف کیا ہو۔ ایسی صورت میں صحابہ کی اکثریت کی اتباع اس لیے ہوگی کہ یہ اکثریت حق کی علامت ہوگی کہ یہ حق ہے جسے اکثر صحابہ نے اپنایا ہے کہ صحابہ خیر امت تھے اور (شریعت کے) محافظ تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میرے صحابہ چلے جائیں گے (دنیا سے) تو لوگوں کے پاس وہ چیز آجائے گی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے یعنی بدعات و خرافات اور شر کا آنا اور خیر کا چلے جانا صحابہ کرام اپنی طرف سے کوئی بدعت نہیں کرتے تھے ہر معاملے میں آپ ﷺ کی سنت اپناتے تھے آپ ﷺ کے احکام کی پیروی کرتے تھے اور اگر نص صریح نہ ہوتی تو علامت واشارہ کے تقاضا کے مطابق عمل کرتے تھے۔

علامت کے تقاضا کے مطابق عمل تب ہوتا ہے جب صریح نص نہ ہو مگر جب صحیح صریح نص علامت یا اشارہ کے معارض پائی جائے تو پھر نص پر عمل ہوگا اشارہ پر نہیں۔ یہی حق ہے جب اللہ کا حکم آجاتا ہے تو پھر عقل کی بات باطل ہو جاتی ہے۔ حق کے علاوہ تو سب گمراہی ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ دین میں بدعت ایجاد کرنا جس طرح ہمارے لیے جائز نہیں ہے اسی طرح صحابہ کے لیے بھی جائز نہیں تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ کا حکم عام ہے کہ جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز کا اضافہ کیا جو اس میں سے نہیں تھی وہ رد کی جائے گی۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اگر بالفرض صحابہ میں سے بھی کوئی بدعت کرتا تو وہ سنت کا حصہ ہوتی اور بدعت کے زمرے سے خارج ہوتی اس لیے کہ صحیح حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر ہوں گا تم میں سے کچھ لوگ آئیں گے مگر پھر فرشتے میرے اور ان کے درمیان حائل ہو جائیں گے۔ میں کہوں گا اے اللہ یہ میرے صحابہ ہیں۔ کہا جائے گا آپ ﷺ نہیں جانتے آپ کے بعد انہوں نے کیا بدعات کی تھیں۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں کہوں گا دور لیجاؤ دور لے جاؤ اس کو جس نے میرے بعد (دین میں) تبدیلی کی تھی (بخاری)

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اگر بعض اوقات میں کوئی معاصیت سرزد ہو گئی ہو تو ہم اہلسنت والجماعت کسی کو معصوم نہیں سمجھتے سوائے انبیاء کرام کے چاہے کوئی بھی ہو۔ البتہ یہ ہمیں معلوم ہے کہ صحابہ کی اکثریت اور عمومی صحابہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اپناتے تھے اور آپ ﷺ کے احکام کی اتباع کرتے تھے اور جو شخص دین میں کوئی بدعت کرتا اس پر شدید رد عمل ظاہر کرتے تھے۔ یا ایسا عمل کرتا جو آپ ﷺ نے نہ کیا ہوتا تو اس پر شدید اعتراض کرتے اسے رد کرتے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں مذکورہ لوگوں کی حالت کے ہم جس پر محمول کرسکتے ہیں اس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ لوگ جو اسلام سے مرتد ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے براءت کا اعلان کیا اور ان کو دور کرنے کا کہا۔ اور اگر یہ ایسے لوگ ہوتے کہ مرتد نہ ہوتے لیکن معصیت کبیرہ کا ارتکاب کیا جسکا تعلق بدنی اعمال سے تھا یا بدعت جو اعتقاد قلبی ہے؟ تو اس کا جواب بعض نے یہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے اعراض کرلیں گے ان کی شفاعت نہیں کریں گے اللہ کے حکم کی اتباع کرتے ہوئے۔ اور وہ لوگ گناہوں کی سزاء بھگت لیں گے اور جب عام اہل کبائر کی سفارش رسول ﷺ کریں گے ان میں یہ لوگ بھی شامل ہوں گے اور دیگر موحدین کے ساتھ جہنم سے نکل آئیں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: نبی علیہ السلام نے فرمایا جس شخص نے اسلام کی بالشت بھر بھی مخالفت کی اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔

شیخ بشیر: یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ترمذی نے ابواب الامثال میں حارث الاشعری رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث کے دوران ذکر کیے ہیں اور کہا کہ یہ صحیح غریب ہے محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ حارث الاشعری کو آپ ﷺ کی صحبت حاصل ہے اور انکی اسکے علاوہ بھی مرویات ہیں۔

حافظ نے فتح میں کہا ہے "جو اجماع سے بالشت بھر علیحدہ ہوا گویا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔ اس کو ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان نے بیان کیا اور اسکو صحیح قرار دیا جس کو حارث اشعری نے اپنی طویل حدیث کے دوران ذکر کیا ہے۔ بزار، طبرانی نے الاوسط میں ابن عباس سے روایت کیا ہے اسکی سند میں خلید بن دعلج ہے جس کے بارے میں مقال ہے اس نے عنقہ کی جگہ 'داسہ' کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ انتھی

مجمع الزوائد میں ابی سالم مطور سے مروی ہے وہ ایک صحابی سے جو ان کے خیال میں ابومالک اشعری تھے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ سننے اور اطاعت کرنے کا، جماعت بندی، ھجرت، جہاد فی سبیل اللہ کا جو جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا اس نے اسلام کا پٹہ اپنے سر سے اتار دیا امام احمد کہتے ہیں کہ اس کے رجال ثقہ ہیں اور صحیح ہیں سوائے علی بن اسحاق السلمی کے وہ ثقہ ہیں طبرانی نے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے مگر انہوں نے یوں کہا ہے کہ جو جماعت سے ایک کمان کے برابر بھی جدا ہوا اسکی نماز اور روزے قبول نہیں ہوں گے اور یہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ میں کہتا ہوں امام ترمذی اور ابن حبان و ابن خزیمہ نے جو اسکی تصحیح کی ہے اسمیں اعتراض ہے کیونکہ اسکی سند میں یحیٰی بن کثیر ہیں جو کہ مدلس ہیں اور انہوں نے عنعنہ سے روایت کیا ہے اور یہ اس نے زید بن سلام سے روایت کی ہے جبکہ ان کا زید بن سلام سے روایت منقطع ہے اس لیے کہ یہ اس کی کتاب سے نقل کی ہے یحیٰی بن قطان کہتے ہیں کہ یہ یحیٰی بن کثیر کی مرسل روایات میں سے ہے اسی طرح میزان میں ہے۔ اسی طرح ابوداؤد نے قتل الخوارج کے باب میں ابوذر سے روایت کی ہے اسکی سند میں خالد بن وھبان ہیں جنکے بارے میں امام ذھبی نے میزان میں کہا ہے کہ خالد بن وھبان ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے میں مجہول ہیں۔

اس باب میں اور بھی بہت ساری روایات ہیں جو سب کی سب ضعیف ہیں۔ جن میں ایک ابوذر کی روایت بھی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہم سے خطاب کیا اور کہا میرے بعد سلطان ہوگا اسکو ذلیل نہ کرنا جس نے اسکو ذلیل کیا اس نے اسلام کا پٹہ اتار دیا۔ اسکو احمد نے روایت کیا اسمیں ایک راوی ہے جسکا انہوں نے نام نہیں لیا جبکہ بقیہ راوی ثقہ ہیں۔ ایک روایت معاذ بن جبل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جو جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا جان بوجھ کر اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔ اسکو طبرانی نے روایت کیا اسمیں عمرو بن واقد ہے جو کہ متروک ہے۔ ایک ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں عمرو بن رویبہ ہے جو کہ متروک ہے۔ ایک ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ بالشت کا اشارہ کرتے ہوئے فرمارہے تھے کہ جو مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نکال دیا اسکو طبرانی نے روایت کیا ہے اس روایت میں حسین بن قیس ہیں جو کہ ضعیف ہیں ایک روایت سعد بن جنادہ کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جس نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی وہ اپنے چہرے کے بل جہنم میں گیا اسکو طبرانی نے روایت کیا ہے اسمیں (راویوں کی) ایک ایسی جماعت ہے جسکو میں نہیں جانتا۔

ایک حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جو جماعت سے علیحدہ ہوا اور امارت کو کمزور کرنا چاہا وہ اللہ سے ناراضگی کے حال میں ملاقات کریگا۔ اسکو احمد نے روایت کیا اس کے رجال ثقہ ہیں۔

ایک روایت صلہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جو جماعت سے بالشت بھر جدا ہوا وہ اسلام سے جدا ہو گیا۔ اسکو بزار نے روایت کیا اسمیں محمد بن عبید اللہ العزرمی ہے جو کہ ضعیف راوی ہے۔ ایک روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جو جماعت سے جدائی اختیار کریگا ایک بالشت کے برابر اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا اسکو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اسمیں خلید بن دعلج ضعیف راوی ہے۔ یہ تمام روایات الہیثمی نے مجمع الزوائد میں بیان کی ہیں۔ یہ یاد رہے کہ جماعت سے جدا ہونے کی وعید میں بہت سی صحیح احادیث بھی مروی ہیں شاید صاحب کتاب (دحلان) ان تک رسائی حاصل نہیں کر سکے ورنہ صحیح روایات کو چھوڑنے کی اسکے علاوہ کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے اعلیٰ درجہ کی صحیح روایات چھوڑ کر کم درجہ کی روایات بیان کی ہیں یہ سب سے بڑی دلیل ہے اس بات پر کہ اسکی فن حدیث میں مہارت انتہائی کم ہے ان صحیح ترین روایات میں سے ایک ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو حاکم وقت کے خلاف خروج کرتا ہے ایک بالشت برابر بھی وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے جو جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا اور وہ اسی حال میں فوت ہو گیا تو اسکی موت جاہلیت کی موت کہلائی گی۔ اسکو بخاری مسلم دارمی نے روایت کیا ہے۔ ایک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو اطاعت سے نکلا اور جماعت سے علیحدگی اختیار کی اور فوت ہو گیا تو اسکی موت جاھلیت کی موت ہو گی اسکو مسلم، نسائی نے روایت کیا ہے۔ ایک ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو ایک ہاتھ برابر اطاعت سے علیحدہ ہوا وہ قیامت کے دن اللہ سے ملاقات کریگا اسکے پاس کوئی حجت نہیں ہو گی اور جو اس حال میں فوت ہوا کہ اسکی گردن میں بیعت نہیں تھی تو اسکی موت جاھلیت کی موت ہو گی۔ مگر ان روایات میں اور دیگر ان روایات میں جہاں جماعت سے علیحدگی پر وعید وارد ہوئی ہے کہیں وہ مطلب ثابت نہیں ہوا جو صاحب کتاب ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جمہور کی اطاعت لازم ہے کیونکہ روایات میں جماعت سے مراد لوگوں کی ایک بڑی تعداد کا سلطان کی اطاعت پر جمع ہونا ہے اور اسکی تائید دیگر ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں "سلطان" یا اس جیسے الفاظ وارد ہوئے ہیں چونکہ یہ الفاظ صحیح ترین روایات میں وارد ہوئے ہیں مگر صاحب کتاب نے صرف ان ضعیف روایات کو بیان کیا جن میں جماعت کا لفظ آیا ہے اور جماعت سے اس نے جمہور مراد لیکر جمہور کی اطاعت لازم ہونا ثابت کیا ہے ان کا یہ موقف صحیح روایات سے ثابت ہونا بہت مشکل تھا اس سے انکی دیانت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

شیخ دحلان: علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب (تلبس ابلیس) میں سواد اعظم سے علیحدگی کی مذمت میں بہت ساری روایات بیان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔

شیخ بشیر: اس سے مؤلف کی دیانت کا کئی طرح اندازہ ہوتا ہے۔

1 ابن جوزی نے مفارقت جماعت کے بارے میں احادیث ذکر کی ہیں جبکہ مؤلف نے ان کو کسی اور بات پر محمول کر دیا حالانکہ جب ابن جوزی کی مراد متعین ہوگئی تو دوسری مراد لینا جائز نہیں ہے اور پھر مؤلف نے ابن جوزی کی وہ بات تو ذکر ہی نہیں کی جو انہوں نے اہل سنت والجماعت کی قلت کے بارے میں بیان کی ہے چونکہ یہ بات مؤلف کے دعویٰ کے خلاف تھی اس لیے اسکو بیان کرنے سے گریز کیا ہے چنانچہ ابن جوزی اپنی کتاب کے باب اول میں فرماتے ہیں۔یوسف بن اسباط کہتے ہیں کہ سفیان نے کہا ہمیں یوسف نے بتایا کہ جب آپکو مشرق میں کسی کے بارے میں پتہ چلے کہ وہ صاحب سنت کا عالم ہو تو اسکو سلام پہنچاؤ کیونکہ اہل سنت کم ہو گئے ہیں۔

2 اسی طرح وہ سفیان ثوری سے بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا اہلسنت کے بارے میں خیر کی نصیحت حاصل کرو کیونکہ یہ اجنبی لوگ ہوتے ہیں۔ابو بکر بن عیاش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسلام میں سنت سب سے زیادہ معزز ہے باقی تمام ادیان کے مقابلے میں۔باب ثانی میں فرماتے ہیں عبداللہ بن محیریز سے مروی ہے کہ دین کے جانے کی یہ صورت ہو گی کہ ایک ایک سنت چلی جائے گی جس طرح رسی کا چلتے ہوئے ایک ایک بل جلتا ہے۔چنانچہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ اہل سنت کم ہو جائیں گے تو پھر زمانے میں جمہور کی اطاعت کو واجب قرار دینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

مؤلف کی بد دیانتی کی دوسری صورت۔

صاحب کتاب نے ابن الجوزی رحمہ اللہ سے وہ بات نقل نہیں کی جو سوادا عظم کی تعیین پر دلالت کرتی ہے اسمیں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پر عنقریب ایسی ہی حالت آئے گی جو بنی اسرائیل پر آئی تھی یہاں تک کہ اگر ان بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص علانیہ اپنی ماں سے بدکاری کا مرتکب ہوا ہے تو میری امت میں بھی ایسا ہو گا جو اس طرح کرے گا۔بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی سب کے سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے۔سوال ہوا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون سا گروہ ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جو اس راہ پر چلے) جس پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔(ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے) اس حدیث میں اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ جماعت سے مراد صحابہ کی جماعت ہے جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے اور ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ان سے نقل کیا ہے۔اسی میں ابو العالیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں تم پر وہی (طریقہ) لازم ہے جس پر افتراق سے پہلے یہ کاربند تھے۔عاصم کہتے ہیں میں نے یہ بات حسن کے سامنے کہی تو اس نے کہا انہوں (ابو العالیہ) نے تمہاری خیر خواہی کی ہے اور اللہ کی قسم سچی خیرخواہی کی ہے۔اوزاعی سے مروی ہے کہتے ہیں خود کو سنت پر قائم رکھو اور وہیں ٹھہرے رہو جہاں (صحابہ) کی جماعت ٹھہری ہے۔اور وہی کہو جو انہوں نے کہا ہے۔اور اس سے رک جاؤ جس سے وہ رک گئے تھے سلف صالحین کے راستے پر چلتے رہو تمہارے لیے بھی وہی صحیح ہے جو ان کے لیے تھا۔اب جب مراد کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعین ہو گیا (کہ سواد اعظم سے مراد صحابہ کی جماعت ہے) تو ہر دور کے جمہور کی اتباع کی بات کرنا واضح طور پر غلط ثابت ہوا۔

3 اس نے باب ثانی میں ابن الجوزی کے کلام کا حصہ چھوڑ دیا ہے جس میں صراحت کے ساتھ مراد بیان ہوا ہے۔ ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ اگر کوئی سوال کرے کہ آپ نے سنت کی مدح اور بدعت کی مزمت کرلی مگر یہ تو بتائیں کہ سنت کیا ہے اور بدعت کیا ہے؟ اس لیے کہ ہمارے دور میں تو ہر بدعتی خود کو اہل سنت کہتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ۔ سنت لغت میں راستے کو کہتے ہیں اور یہ بات بغیر کسی شک شبہے کے کہی جا سکتی ہے کہ اہل نقل واثر جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر چل رہے ہیں وہی اہل سنت ہیں اس لیے کہ وہی وہ راستہ ہے جس میں کوئی بدعت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ یہ جتنی بدعات ہیں یہ بعد میں پیدا ہوئی ہیں۔ مزید لکھتے ہیں ہماری مذکورہ وضاحت سے یہ ثابت ہو گیا کہ اہل سنت وہ ہیں جو (سنت کی) اتباع کرتے ہیں اور اہل بدعت وہ ہیں جو ایسے کاموں کی اتباع کرتے ہیں جو پہلے (صحابہ اور رسول اللہ ﷺ کے دور میں) نہیں تھے اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے۔ مزید لکھا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے اور وہ اس حق پر ہوں گے۔ **(بخاری، مسلم)**

ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ حق پر رہیگا ان کو رسوا کرنے والا ضرر نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے مصنف کہتے ہیں کہ اس روایت کو بیان کرنے میں مسلم منفرد ہیں اس کی ایک حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور قرۃ نے بھی روایت کی ہے ترمذی سے مروی ہے کہ محمد بن اسماعیل فرماتے ہیں کہ علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اصحاب الحدیث ہیں۔

4 چوتھی مثال: ابن الجوزی نے اپنی کتاب مذکور میں بدعت اور بدعتیوں کی مذمت میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں جن میں چند یہ روایات ہیں۔

پہلی روایت: عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے دین میں نئی بات ایجاد کی جو دین سے تعلق نہ رکھتی ہو تو وہ مردود ہے۔

دوسری روایت: عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی علیہ السلام سے آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

تیسری روایت: عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہو کر بڑا بلیغ وعظ فرمانے لگے جس سے آنکھیں بہنے لگیں اور دل لرز اٹھے ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ گویا یہ الوداعی وعظ ہے آپ ہم سے کیا وعدہ لیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں (اگرچہ تمہارا امیر) ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ مقرر ہو جائے کیونکہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا تم پر میری اور خلفاء راشدین کی سنت کی اطاعت واجب ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس بات کو مضبوطی سے تھام لو اور دین میں نئے ایجاد کردہ امور سے بچتے رہو کیونکہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے۔

چوتھی روایت: ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا میں تمہارا حوض پر استقبال کروں گا کچھ لوگ تم میں سے میرے پاس لائے جائیں گے پھر ان کے درمیان رکاوٹ حائل ہو جائے گی میں کہوں گا اے میرے رب یہ میرے صحابہ ہیں پس کہا جائے گا آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ ﷺ کے بعد کتنی نئی چیزیں ایجاد کر دی تھیں صاحب کتاب نے یہ سب روایات اس لئے ترک کر دیں کیونکہ یہ ان کے اس توسل کے نظریہ کو باطل قرار دے رہی ہیں جو کہ آپ ﷺ اور صحابہ کے بعد ایجاد ہوا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ

"اللهم انی اسئلك بحق محمد"

"اے اللہ میں تجھ سے محمد ﷺ کے حق کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں"۔

یہ کلمات اور وسیلے کا یہ عقیدہ بدعت ہے۔ یہ بات ہر شخص کے علم میں رہنی چاہیے کہ صحابہ کے زمانے میں بدعت کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ ان کے زمانہ میں خالص سنت تھی اس پر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث واضح طور پر دلالت کر رہی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ میری امت کے امین ہیں جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت میں وہ چیز آ جائے گی جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے۔ (مسلم)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے مجھ سے پہلے جس امت میں بھی نبی مبعوث فرمایا اس امت میں اسکے حواری (مددگار) اور صحابہ بھی ہوتے تھے جو ان انبیاء کی سنتوں کو لیکر ان کی اقتدا کرتے تھے پھر ان کے بعد نااھل لوگ پیدا ہو جاتے اور وہ باتیں کرتے تھے لیکن ان پر علم نہیں رکھتے تھے اور وہ ان کاموں کو کرتے جنکا انہیں حکم نہیں دیا گیا ہوتا تھا جو ان کے خلاف اپنے ہاتھ سے جہاد کرتا وہ مومن کہلاتا جو زبان سے جہاد کرتا وہ بھی مومن اور جو دل سے جہاد کرتا وہ بھی مومن شمار ہوتا اور اسکے علاوہ شخص میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہوتا تھا۔ (مسلم)

اسی طرح عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے یہی بات ثابت ہوتی ہے جو کہ ابھی بیان ہوئی ہے۔

"بدعت اور اھل بدعت کی مذمت میں روایات اور سنت کو اختیار کرنے کا حکم"۔

اسی طرح عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس طرح طریقے پر میں اور صحابہ ہیں اس پر چلنے والے حق پر ہیں۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص پاک رزق کھاتا ہے اور سنت پر عمل کرتا ہے اور لوگ اس کی زبان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں وہ جنت میں داخل ہو گا تو ایک شخص نے کہا کہ اس قسم کے لوگ تو آج بہت ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے بعد کے زمانوں میں بھی اس طرح کے لوگ ہوں گے۔ (ترمذی)

اسی بناء پر آپ ﷺ نے ان لوگوں کا بھلائی پر ہونا ثابت کیا ہے چنانچہ فرمایا خیر امتی قرنی میری سب سے بہتر امت میر۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زمانے کے لوگ ہیں اسی وجہ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی کا طریقہ اپنانا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ فوت شدہ لوگوں کی سنت اپنائے کیونکہ زندہ لوگوں پر فتنہ سے حفاظت کی ضمانت نہیں ہے اور فوت شدہ سے مراد اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ یہ اس امت کے سب سے افضل ترین لوگ ہیں۔ سب سے زیادہ دلوں کے نیک، علم میں سب سے زیادہ گہرائی رکھنے والے، تکلف میں سب سے کم اللہ نے انہیں اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے اور اپنے دین کو قائم کرنے کیلئے چنا تھا۔ لہٰذا انکی اس فضیلت کا اعتراف کرو اور ان کے نقش قدم پر چلو اور جتنا ممکن ہو ان کے اخلاق و کردار کو اپنانے کی کوشش کرو کیونکہ یہ لوگ صحیح ہدایت پر ہیں۔ (رواہ رزین۔ مشکوۃ)

الھیثمی مجمع الزوائد میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی بھی اپنے دین کے معاملے میں کسی شخص کی تقلید نہ کرے کیونکہ اگر وہ جس کی یہ تقلید کر رہا ہے مومن تھا تو یہ بھی مومن ہوگا اگر وہ کافر ہوگا تو یہ بھی کافر ہوگا اگر تمہیں کسی کی اقتداء کرنی ہے تو فوت شدہ (صحابہ کرام) کی کرو کیونکہ زندہ آدمی پر فتنہ کا خوف رہتا ہے۔

(طبرانی فی الکبیر رجالہ صحیح)

اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے تمام بندوں کے دلوں کو دیکھا ان میں سب سے بہترین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا پس آپ کو رسالت دیکر مبعوث فرمایا پھر بندوں کے دلوں کو دیکھا ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بہترین پایا تو انہیں اپنے دین کے مددگار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزراء بنا دیا لہٰذا جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کو مسلمان برا سمجھتے ہیں وہ اللہ کے ہاں بھی برا ہے۔ شمس الدین الخاوی نے مقاصد حسنہ میں اسکو ذکر کیا ہے۔

امام احمد نے بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو ذکر کیا ہے اسی طرح البزار، الطیالسی، الطبرانی نے اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات ذکر کرتے ہوئے یہ قول بیان کیا ہے بیھقی میں عقیدہ کے بیان میں یہ قول دوسری طرح مروی ہے ابن نجیم الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں کہ العلائی نے فرمایا اس کی اصل مرفوعاً صحیح یا ضعیف سند سے بھی مجھے نہ ملی۔ بلکہ تلاش بسیار کے بعد مجھے پتہ چلا کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے امام احمد نے اپنی مسند میں بیان فرمایا۔ امام الحموی اپنی حواشی میں بیان کرتے ہیں کہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں جو روایت بیان کی ہے وہ حسن درجہ کی ہے امام احمد نے اس کو کتاب السنہ میں بیان کیا ہے بعض لوگوں کو یہ وہم ہو گیا کہ یہ روایت امام احمد نے مسند میں بیان کی ہے۔ جن میں العلائی بھی شامل ہیں انہیں بھی یہ وہم ہوا ہے۔۔ الھیثمی مجمع الزوائد میں بیان کرتے ہیں کہ اسکو امام احمد، البزار، الطبرانی نے الکبیر میں بیان کیا اور اسکے رجال ثقہ ہیں۔ الدارمی نے عمر بن یحییٰ سے بیان کیا وہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے سنا جو اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ہم ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ گھر سے نماز کیلئے نکلے ہم آپ کے ساتھ مسجد کی طرف چل پڑے ہمارے پاس ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کیا تمہارے پاس ابو عبدالرحمٰن (ابن مسعود) آئے ہم نے کہا نہیں تو وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گئے یہاں تک کہ ابو عبدالرحمٰن آ گئے تو ہم ان کے پاس اٹھ کر چلے گئے تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اے ابو عبدالرحمٰن میں نے ابھی مسجد میں ایک ایسا کام دیکھا ہے جس کو میں منکر سمجھتا ہوں اور الحمدللہ میری نیت بھلائی کی ہے تو ابو عبدالرحمٰن نے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پوچھا کیا دیکھا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا تم بھی دیکھ لوگے تو انہوں نے کہا میں نے مسجد میں لوگوں کو حلقہ بنا کر بیٹھا ہوا دیکھا اور وہ نماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں ہر حلقہ میں ایک شخص لوگوں کو کہتا ہے کہ سو مرتبہ تکبیر کہو لوگوں کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں پس لوگ سو مرتبہ اللہ اکبر کہتے پھر وہ کہتا لا الہ الا اللہ کہو چنانچہ وہ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کہتے پھر وہ کہتا سو مرتبہ سبحان اللہ کہو تو وہ سبحان اللہ کہتے تو ابو عبدالرحمٰن نے کہا تم نے ان کو کیا کہا؟ تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ان کو کچھ نہیں کہا میں آپ کی رائے کا منتظر تھا تو ابو عبدالرحمٰن نے کہا تم نے ان کو یہ کیوں نہیں کہا کہ تم اپنی برائیاں شمار کرو۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ اللہ تمہاری نیکیاں ضائع نہیں کرے گا۔ پھر ابو عبدالرحمٰن اٹھکر چلے ہم بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوئے اور ان حلقے والوں کے پاس آئے اور کہا یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا اے ابو عبدالرحمٰن یہ کنکریاں ہیں اس پر ہم تکبیر، تہلیل، تسبیح کی گنتی شمار کرتے ہیں تو انہوں نے کہا اس کو سیئات میں شمار کرو میں ضامن ہوں تمہاری نیکیوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا افسوس اس امت محمد پر کتنی جلدی تم ہلاکت کی طرف بڑھ رہے ہو ابھی تو تمہارے نبی کے صحابہ کی بڑی تعداد موجود ہے۔ اور آپ ﷺ کے کفن کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے۔ آپ کے برتن بھی ابھی نہیں ٹوٹے۔ قسم ہے اس ذات کی کیا تم محمد ﷺ کے دین سے زیادہ ہدایت یافتہ دین پر ہو یا ضلالت کا دروازہ کھول رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا واللہ اے ابو عبدالرحمٰن ہمارا ارادہ خیر کا تھا۔ تو آپ نے جواب دیا کتنے ہی خیر کا ارادہ کرنے والے خیر کو حاصل نہیں کرتے۔ ہمیں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک قوم جو قرآن پڑھے گی مگر وہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا اللہ کی قسم مجھے نہیں علم کہ تمہاری اکثریت بھی ان لوگوں میں سے ہے یا نہیں؟ پھر یہ وہاں سے چلے گئے عمرو بن سلمہ کہتے ہیں کہ ان حلقہ بنانے والوں میں سے اکثر ہم پر یوم نہروان کو خوارج کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف طعن و تشنیع کر رہے تھے۔

الہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا عمرو بن مسلمہ سے روایت ہے کہ ہم ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ آ گئے اور انہوں نے کہا ابو عبدالرحمٰن باہر آؤ چنانچہ وہ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) باہر آئے اور کہا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس وقت کیسے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اللہ قسم میں نے ایسا کام دیکھا ہے جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے اور اس بات نے حیر ان کر دیا کہ یہ خیر کا معاملہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک قوم مسجد میں بیٹھی ہوئی ہے ایک شخص کہتا ہے سبحان اللہ کہو اتنی مرتبہ الحمد للہ اتنی مرتبہ کہو یہ سنکر ابن مسعود رضی اللہ عنہ چل پڑے ہم بھی ان کے ہمراہ روانہ ہوئے چنانچہ ان لوگوں کے پاس آ گئے اور انہوں نے کہا کس بناء پر تم اتنی جلدی گمراہ ہو گئے؟ جبکہ نبی ﷺ کے صحابہ ابھی زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی ازواج بھی ابھی موجود ہیں اور آپ ﷺ کے کپڑے اور عمارتیں بھی ابھی تک تبدیل نہیں ہوئی ہیں۔ اپنی برائیاں شمار کیا کرو میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری اچھائیاں اللہ شمار کرے گا (تم کو گنتی کرنے کی ضرورت نہیں، اللہ نے اس کا انتظام کر دیا ہے)۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر

اس روایت میں مجلد بن سعید ہیں جنکو امام نسائی نے ثقہ قرار دیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے اور احمد بن حنبل، یحییٰ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

ابو البختری سے روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ ایک قوم مغرب اور عشاء کے درمیان بیٹھ کر یہ کچھ کہتے ہیں۔ تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا جب وہ لوگ بیٹھ کر پڑھ رہے ہوں تو مجھے آکر بتا دینا۔ چنانچہ جب وہ پڑھنے بیٹھے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے آپ نے چادر اوڑھ رکھی تھی یہ لوگ تسبیح پڑھنے میں مصروف تھے۔ چنانچہ یہ ان کے پاس آکر بیٹھ گئے اور منہ سے چادر اٹھا کر کہا میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہوں۔ لوگ خاموش ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا تم بدعت کا ارتکاب کر رہے ہو یا ہم اصحاب محمد گمراہ ہیں؟ تو عمرو بن عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابن مسعود رضی اللہ عنہ استغفر اللہ واتوب الیہ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم دیا کہ سب منتشر ہو جائیں راوی کہتے ہیں ایک مرتبہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی مسجد میں دو حلقے دیکھے۔ تو یہ ان کے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور کہا تم میں سے پہلے کون بیٹھا تھا؟ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم پہلے سے بیٹھے ہیں تو آپ نے دوسروں کو کہا اٹھو اوران کے ساتھ جا کر بیٹھو چنانچہ ان کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا۔ رواہ طبرانی فی الکبیر

اس روایت میں عطاء ابن السائب ہیں جو کہ اگرچہ ثقہ ہیں مگر انہوں نے روایت میں الفاظ خلط ملط کر دیئے کیونکہ طبرانی کے بعض دیگر صحیح طرق میں یوں بیان ہوا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ منہ ڈھانپے ہوئے آئے اور کہا جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے، جو نہیں جانتا وہ جان لے میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہوں۔ کیا تم محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ ھدایت یافتہ ہو یا تم گمراہی سے جڑ چکے ہو؟ ایک روایت میں ہے جو کہ عطاء ابن السائب سے مروی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تم نے ان لوگوں کی اتباع کی تو وہ تم سے سبقت لے جا چکے ہیں اور اگر تم نے دائیں بائیں کے طریقوں کی طرف توجہ کی تو دور کی گمراہی میں بھٹک جاؤ گے۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا اے قراء کی جماعت سیدھے سیدھے چلو۔ تحقیق تم بہت دور کی سبقت حاصل کر چکے ہو۔ اگر تم نے دائیں بائیں توجہ کی تو دور کی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک روایت ہے کہ ہر وہ عبادت جو محمد ﷺ نے اور صحابہ نے نہیں کی تم بھی نہ کرو کیونکہ پہلے لوگوں نے دوسروں کیلئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اے قراء کی جماعت تم دیگر راستوں سے بچتے رہو اور اپنے سے پہلے لوگوں کے راستے پر چلتے رہو۔ (ابوداؤد)

ہم نے جتنی احادیث ذکر کی ہیں اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ صحابہ کا دور خالص سنت کا دور تھا گویا اس زمانے میں بدعت نہ ہونے کے برابر تھی اگرچہ میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ اس زمانے میں بدعت بالکل نہیں تھی کیونکہ صحیح حدیث میں وارد ہے میں تمہارا حوض کوثر پر استقبال کرونگا کچھ لوگ تم میں سے پیش کئے جائیں گے حتی کہ جب میں ان کو پلانے کی خواہش کرونگا تو مجھے روک دیا جائے گا میں کہوں گا اے میرے رب میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں تو وہ فرمائیگا آپ ﷺ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کچھ دین میں داخل کر دیا یہ حدیث سب سے واضح دلیل ہے کہ نبی علیہ السلام کے بعد کچھ صحابہ نے دین میں نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔ صحابہ کا زمانہ ختم ہونے کے بعد امت میں وہ لوگ آ گئے جنکی بعد ان سے امت کو ڈرایا گیا تھا چنانچہ انہوں نے جو بھی بدعت ایجاد کی اس جیسی کوئی سنت اٹھالی گئی مگر تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں بدعات بہت زیادہ نہیں پھیلی تھیں لیکن تبع تابعین کے بعد حالات بہت بدل گئے تھے چنانچہ اس زمانہ میں بدعات کا غلبہ ہو گیا اور سنت اجنبی ہو گئی تھی چنانچہ لوگوں نے بدعت کو سنت اور سنت کو بدعت سمجھ لیا تھا لہٰذا مستقبل میں بھی سنت اجنبی ہی رہے گی سوائے مہدی اور عیسٰی علیہ السلام کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نزول ثانی کے وقت میں باقی تمام زمانوں میں یہی حال رہے گا یہاں تک کہ قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔ اس بات پر وہ احادیث وآثار دلالت کرتے ہیں جسکو ہم ابھی ذکر کررہے ہیں۔

پہلی روایت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہتر میری امت میں میرے زمانے کے لوگ ہے پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے۔ عمران کہتے ہیں میں نہیں جانتا کہ آپ ﷺ نے اپنے زمانے کے بعد دو زمانے ذکر کئے ۔۔۔ ن۔ پھر آپ ﷺ نے کہا بے شک تمہارے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو گواہی دیگی مگر ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی وہ خیانت کریں گے انہیں امانت دار نہیں سمجھا جائے گا وہ نذر مانیں گے مگر اسکو پورا نہیں کرینگے اور ان میں موٹاپا ظاہر ھو جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

دوسری اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ صالح لوگ چلے جائیں گے۔ پہلے والے لوگ بہتر لوگ ہیں اس کے بعد جو لوگ رہ جائیں انکی مثال گندم یا جو کے بھوسے جیسی ہے اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہ ہوگی۔ (بخاری)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کا ایک شاھد فزاریہ کی سند سے ملا ہے جو کہ عمر کی بیوی ہے کہ اس میں یہ الفاظ ہیں تم میں اچھے لوگ چلے جائیں گے حتیٰ کہ تم میں صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں جو کھجور کے چھلکے کی طرح ہوں گے۔ وہ اس طرح ایک دوسرے کی طرف کھنچتے جائیں گے جیسے بکرا بکری کی طرف جاتا ہے اسکو ابو سعید بن یونس نے تاریخ مصر میں بیان کیا ہے بعیدہ کہتے ہیں کہ ابھی جو فزاریہ کی روایت مذکور ہوئی ہے اسکے آخر میں یہ بھی منقول ہے کہ انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔ ابن حجر نے فرمایا کہ ابن بطال کہتے ہیں اسمیں یہ ہے کہ آخر زمانے میں اہل خیر حضرات ختم ہو جائیں گے صرف شر پسند لوگ باقی رہ جائیں گے اور انہوں نے اس بات پر مختلف روایات سے استدلال کیا ہے۔ جس میں پہلی روایت انس رضی اللہ عنہ کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا قیامت کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا اور جہالت بڑھ جائے گی شراب پی جائے گی زنا عام ہو جائے گا۔ (بخاری)

دوسری عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی علم اچانک نہیں اٹھائیگا بلکہ علماء اٹھ جائیں گے حتی کہ کوئی عالم باقی نہیں رہیگا لوگ جہلاء کو اپنا بڑا بنالینگے لوگ ان سے مسئلے پوچھیں گے وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (رواہ البخاری)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس سے جمہور نے یہ استدلال کیا ہے کہ آخر زمانہ مجتہد سے خالی ہو جائے گا۔ اللہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔

تیسری حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا عنقریب وہ دور آئے گا کہ جس میں علم کم ہو جائے گا بخیلی پھیل جائے گا فتنے عام ہو جائیں گے ہرج کثرت سے ہو جائے گا، صحابہ نے کہا وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا قتل، قتل۔ (بخاری)

چوتھی روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنا، تم پر وہ پہلے سے زیادہ برا ...

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حتیٰ کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرلو گے۔(بخاری)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ ان ہی الفاظ سے طبرانی نے جید سند سے ایک روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوف بیان کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ "نہیں ہو گا کوئی سال مگر اسکے بعد والا سال اس سے بدتر وہ گا" ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے طبرانی میں صحیح سند سے یوں مروی ہے کہ "کل گزشتہ آج سے بہتر ہو گا اور آج آئندہ کل سے بہتر ہو گا اسی طرح باقی ایام حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلقا یہ کہنا مشکل ہے کہ ہر زمانہ ماقبل زمانہ سے برا ہو گا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز کا زمانہ انتہائی خیر کا زمانہ ہے جبکہ اس سے قبل حجاج کا زمانہ تھا جبکہ حجاج کے زمانے میں شر تھا اور ان کے زمانے میں شر ختم اور خیر پھیل گیا تھا چنانچہ حسن بصری نے کہا کہ اس سے مراد ہے کہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ آنے والا زمانہ پہلے زمانہ سے بدتر ہوتا ہے چنانچہ ان سے عمر بن عبد العزیز کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ حجاج کے بعد آئے تھے آپ نے جواب دیا لوگوں کے لیے تسلی کا ذریعہ ضروری ہے۔

بعض علماء نے یہ بھی جواب دیا ہے کہ اس سے مراد مجموعی زمانہ ہے کیونکہ حجاج کے دور میں بہت سے صحابہ زندہ تھے۔ جبکہ عمر بن عبد العزیز کے زمانے میں وہ دنیا سے رخصت ہو گئے اور جس زمانہ میں صحابہ موجود ہوں وہ اس زمانے سے بہتر ہے جسمیں صحابہ نہ ہوں کیونکہ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ یہ روایت صحیحین میں موجود ہے اسی طرح آپ نے فرمایا میرے صحابہ میری امت کے امین ہیں جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت میں وہ لوگ آجائیں گے جن سے تمہیں ڈرایا جارہا ہے۔(مسلم)

پھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس بات پر تصریح ثابت ہے کہ یہ لوگ اولیٰ ہیں کہ انکی اتباع کی جائے۔ زید بن وھب سے روایت ہے کہ میں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ تم پر جو زمانہ آئے گا وہ پہلے سے برا ہو گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہوجائے گی میری مراد یہ نہیں کہ اس سے مراد زندگی کی تنگی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر آنے والے زمانے میں علم کم ہوجائے گا جب علماء چلے جائیں گے تو لوگ برابر ہو جائیں گے وہ نہ معروف کا حکم دینگے اور نہ منکرات سے منع کریں گے۔ اسی وجہ سے لوگ ہلاک ھونگے۔ فتح الباری میں مزید فرماتے ہیں یہ بات بھی حل کرنی مشکل ہوگئی کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا زمانہ بھی دجال کے زمانے کے بعد ہو گا تو اسکا جواب کرمانی نے یوں دیا کہ اس سے مراد عیسیٰ کے بعد کا زمانہ ہے یا اس سے مراد وہ جس زمانہ ہے میں امراء ہوں گے ورنہ یہ بات دین سے معلوم ہو چکی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ شر سے محفوظ زمانہ ہو گا۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب زمانوں میں بڑی علامات وجود میں آئیں گی مثلاً دجال اور اس کے بعد کا زمانہ اور فضیلت کے زمانے سے مراد حجاج کے زمانے کے بعد کا زمانہ مراد ہے۔ رہا عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ اسکا علیحدہ سے حکم ہے۔ فتح الباری میں مزید فرمایا کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں یہ استدلال کیا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کی روایت عمومی نہیں ہے بلکہ دیگر روایات میں یہ موجود ہے کہ مہدی کے زمانہ میں زمین عدل سے بھر جائے گی حالانکہ اس سے پہلے زمین ظلم سے بھری ہوئی ہو گی پھر ابن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ایسی ملی ہے جو حدیث کی سب سے صحیح تفسیر کرتی ہے وہ دارمی کی روایت ہے۔ جو کہ انہوں نے حسن سند سے بیان کی ہے کہ عبداللہ فرماتے ہیں کہ نہیں آئیگا سال مگر وہ پچھلے سال سے برا ہو گا میں اس سے سال مراد نہیں لے رہا۔ میں کہتاہوں کہ پوری حدیث یوں ہے کہ ہر آنے والا سال پچھلے سے زیادہ سرسبز و شاداب ہو گا مگر آنے والا امیر سابق سے بہتر نہیں ہو گا مگر تمہارے علماء، بہتر لوگ تمہارے فقہاء چلے جائیں گے اور تم ان کا جانشین نہیں پاؤ گے اور ایسی قوم آجائے گی جو معاملات کو اپنی رائے اور قیاس سے چلائے گی۔

انہی میں سے ایک حدیث وہ بھی ہے جو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو حدیثیں بتائیں ان میں سے ایک کو تو میں دیکھ چکا مگر دوسری کا انتظار کر رہاہوں پہلی یہ کہ امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں نازل ہوئی تھی پھر انہوں نے قرآن اور سنت سے معلوم بھی کر لیا۔ آپ ﷺ نے ہمیں اس امانت کے اٹھائے جانے کی خبر دی فرمایا آدمی سو جائے گا اس کے دل سے امانت داری نکال دی جائے گی اس کا صرف چھوٹا سا نشان رہ جائے گا۔ پھر سوئے گا تو امانت نکال دی جائے گی اور اسکا نشان ایک آبلہ کی طرح رہ جائے گا جیسے تمہارے پاؤں پر کوئی انگارہ لڑھکا دے اور وہ چھالا ڈال دے تم دیکھتے ہو کہ ایک ابھار ہے مگر اس کے اندر کچھ نہیں ہے۔ لوگوں کی حالت یہ ہوگی کہ وہ بیعت کریں گے ایک دوسرے کی مگر کوئی بھی امانت ادا نہیں کرے گا (ایسے حالات میں تعجب سے) کہا جائے گا کہ فلاں قبیلے میں ایک آدمی امانت دار ہے اور کہا جائے گا فلاں آدمی کتنا عقلمند اور سمجھدار ہے۔ حالانکہ اس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان نہ ہو گا۔ (متفق علیہ)

ایک حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی کی ہے فرماتے ہیں۔ لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھتے تھے میں شر کے بارے میں سوالات کرتا تھا۔ اس ڈر سے کہ کہیں یہ شر مجھ تک پہنچ نہ جائے۔ میں نے پوچھا اللہ کے رسول ﷺ ہم جاہلیت میں تھے اور شر میں تھے۔ پھر اللہ نے ہمیں یہ خیر (دین اسلام) دیا کیا اس خیر کے بعد شر ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! میں نے پوچھا اس شر کے بعد خیر ہو گا؟ فرمایا ہاں! اسمیں کھوٹ ہو گا۔ میں نے پوچھا کیا کھوٹ ہو گا؟ فرمایا ایسے لوگ ہوں گے جو میری سنت (طریقے) کے بجائے اور طریقے اپنائیں گے۔ میری (لائی ہوئی) ہدایت کے بجائے کوئی اور ہدایت اختیار کریں گے ان میں سے کچھ کو تم پہچانو گے اور کچھ کو نہیں پہچانو گے۔ میں نے پوچھا کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہو گا؟ فرمایا ہاں۔ جہنم کے دروازوں پر کھڑے داعی ہوں گے جو ان کی دعوت قبول کرے گا وہ اس کو جہنم میں ڈال دیں گے۔ میں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ ان کی صفات بیان کر دیجیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ہماری ہی قوم کے ہوں گے ہماری ہی زبان بولیں گے۔ میں نے کہا ان حالات میں آپ ﷺ کا ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا جماعت مسلمین اور ان کے امام کو لازم پکڑو۔ میں نے کہا اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت اور امام نہ ہو تو؟ فرمایا ان تمام فرقوں سے الگ ہو جاؤ اگرچہ تمہیں کسی درخت کی جڑ کے ساتھ کیوں نہ چمٹ کر رہنا پڑے یہاں تک کہ تمہیں موت آجائے (یا درخت کی جڑیں نہ چبانی پڑ جائیں)۔ (متفق علیہ)

انہی میں سے ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا فتنوں کے آنے سے قبل اعمال کی طرف جلدی جاؤ وہ فتنے ایسے آئیں گے جیسے اندھیری رات آتی ہے۔ آدمی صبح مومن شام کو کافر ہو گا اور شام کو کافر ...

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مومن ہو گا۔ اپنا دین دنیاوی مفاد کے لیے بیچ گا۔ (مسلم)

انہی میں سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ان لوگوں کی پیروی کرو گے جو تم سے پہلے تھے باشت بہ بالشت ہاتھ بہ ہاتھ یہاں تک کہ اگر وہ گوکے بل میں داخل ہوئے تو تم بھی داخل ہو گے۔ ہم نے پوچھا اللہ کے رسول یہود و نصاریٰ؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو اور کون؟ (متفق علیہ)

ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے محمد ﷺ نے فرمایا اسلام غربت کی حالت میں شروع ہوا تھا اور اسی حالت میں واپس چلا جائے گا خوش نصیب ہیں غرباء۔ (مسلم)

غرباء کی تفسیر کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف بن زید بن ملحہ عن ابیہ عن جدہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین سمٹ کر حجاز میں آجائے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں واپس آجاتا ہے۔ حجاز میں دین اس طرح بندھا ہوا ہو گا جیسے پہاڑ کی چوٹی پر رسیاں۔ دین غربت کی حالت میں شروع ہوا تھا اور اسی حال میں واپس آجائے گا غربا کے لیے خوشخبری ہے یا خوش نصیبی ہے (غرباء وہ ہیں) جو ان کی اصلاح کریں گے جنہیں لوگوں نے بگاڑ دیا ہو میرے بعد میری سنتوں کو۔

(ترمذی، ھذا حدیث حسن)

میرا خیال ہے کہ اس حدیث کو حسن کہنا محل نظر ہے اس لیے کہ یہ روایت کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف المزنی عن ابیہ عن جدہ ہے اور اس کثیر کو امام شافعی اور ابو داؤد نے کذاب کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں اس کا اپنے باپ سے روایت کرنے کا ایک موضوع نسخہ ہے۔ ترمذی نے اس سے ایک اور روایت لی ہے۔ الصلح جائز بین المسلمین اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اسی لیے علماء ترمذی کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے، المیزان میں بھی اسی طرح ہے۔

ایک اور حدیث میں بھی غرباء کی تفسیر آئی ہے جو ابو الدرداء، ابو امامہ، واثلہ بن اسقع اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک طویل حدیث ہے جسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے۔ ہم اس کو پہلے سواد اعظم کی تعریف میں ذکر کر چکے ہیں۔ اسمیں کثیر بن مروان ہے وہ بھی متھم بالکذب ہے۔ غرباء کی تعریف عبد اللہ سے مروی روایت میں بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام غربت کی حالت میں شروع ہوا تھا اور اسی حالت میں واپس چلا جائے گا غرباء کے لیے خوشی اور نصیبی ہے۔ کسی نے کہا غرباء کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا قبائل سے دور ہوں گے (ابن ماجہ، دارمی)

اس کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے سفیان بن وکیع کے اس کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ ابن خزیمہ نے کہا ہے کہ اگر میں آسمان سے گر جاؤں اور پرندے (گدھ) مجھے اچک لیں یہ مجھے زیادہ پسند ہے بنسبت اس کے کہ میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولوں۔ اس کو ترمذی نے حسن کہا ہے النہایہ میں ہے کہ غرباء خوش نصیب ہیں۔ کسی نے پوچھا اللہ کے رسول ﷺ غرباء کون ہیں؟ فرمایا قبائل سے دور (یعنی قبائل اور خاندانوں میں ان کی قدر نہیں ہوتی یا یہ کہ دین کی خاطر اپنے قبیلہ اور رشتہ داروں سے دور ہوتے ہیں)

انہی احادیث میں سے ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری امت کے فساد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے وقت میری سنت کو تھام لیا۔ اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے۔ مشکاۃ میں بھی اسی طرح ہے مگر مخرج کا ذکر نہیں ہے کہ کہاں سے یہ حدیث لی گئی ہے۔ مجمع الزوائد میں بھی اسی طرح ہے۔ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امت کے بگاڑ یا فساد کے وقت میری سنت کو اپنانے والے کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (طبرانی فی الاوسط) اس کی سند میں محمد بن صالح العدوی ہے جس کے حالات زندگی میں نے نہیں دیکھے۔ بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

ان احادیث میں سے ایک حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ایسے دور میں ہو کہ اگر اس دور میں کوئی شخص دسواں حصہ احکامات کا ترک کرے گا تو وہ ہلاک ہو گا۔ پھر ایک وقت آئے گا کہ اگر کوئی شخص دسویں حصہ پر عمل کرے گا تو نجات پائے گا۔ (ترمذی)

انہیں میں سے ایک حدیث ابوثعلبہ سے روایت ہے آیت

"علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم"

کی تفسیر کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے سامنے صبر کے دن آنے والے ہیں جس نے ان میں صبر کیا اس نے انگارہ تھام لیا۔ اس وقت ایک عمل کرنے والے کا اجر (آج کے عمل کرنے والوں کے) پچاس آدمیوں کے عمل کے برابر ہو گا۔ سوال ہوا اللہ کے رسول ﷺ ان میں سے پچاس آدمیوں کے برابر؟ فرمایا تم میں سے پچاس کے برابر۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ایک حدیث انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ اس وقت اپنے دین پر صبر کرنا ایسا ہو گا جیسے ہاتھ میں انگارہ تھامنا۔ (ترمذی، حدیث غریب اسناداً)

ایک حدیث عبدالرحمٰن بن العلاء الحضرمی کی ہے کہتے ہیں مجھے اس شخص نے حدیث بتائی جس نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی آپ ﷺ نے فرمایا: اس امت کے آخر میں ایسی قوم آئے گی جس کا اجر اول میں موجود لوگوں کے برابر ہو گا وہ امر بالمعروف نہی عن المنکر کریں گے اور اہل فتن سے قتال کریں گے۔ (بیہقی فی دلائل النبوۃ)

اسی طرح ایک حدیث عبداللہ بن الدیلمی رضی اللہ سے مروی ہے کہتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس دین کے خاتمے کا آغاز سنتوں کے ترک سے ہو گا دین رفتہ رفتہ سنتوں کے جانے سے ختم ہو گا جیسے رسی کی لڑیاں ایک ایک کر کے کمزور ہوتی جاتی ہیں۔ (دارمی)

اسی طرح ایک روایت شقیق سے بھی مروی ہے کہتے ہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم پر ایسا فتنہ آئے گا کہ (وہ مسلسل رہے گا) اسمیں بڑی عمر والا کمزور اور چھوٹی عمر والا بڑا ہو جائے گا۔ اور لوگ اس فتنہ کو سنت بنالیں گے جب وہ تبدیل ہو گا تو لوگ کہیں گے سنت تبدیل ہو گئی۔ لوگوں نے سوال کیا یہ کب ہو گا؟ فرمایا جب تم میں قراء زیادہ اور فقہاء کم ہوں گے۔ حکمران زیادہ اور امانت دار کم ہوں گے اور دنیا آخرت کے عمل سے کمائی جائے گی۔ (یعنی دنیا کے لیے آخرت خراب کی جائے گی)۔ (دارمی)

ایک اور حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا تم پر جو بھی سال آئے گا وہ پہلے والے سے بدتر ہو گا میر امطلب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے کہ ایک سال دوسرے سال کی بنسبت زیادہ سرسبز شادابی والا ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ ایک حکمران دوسرے سے بہتر ہوتا ہے بلکہ تمہارے علماء اور فقہاء چلے جائیں گے اور تمہیں ان کا جانشین نہیں ملے گا اور ایسے لوگ آئیں گے جو اپنی رائے پر قیاس کریں گے۔ (دارمی)

ایک حدیث حسن سے مروی ہے اللہ کی قسم تمہارا طریقہ یا سنت غلو کرنے والے اور جامد رہنے والے کے درمیان ہے اسی پر ثابت قدم رہو اللہ تم پر رحم کرے۔ گزرے دور میں اہل سنت کم ہی تھے اور آئندہ بھی کم ہی ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دیگر لوگوں کے ساتھ نہ تو بدعات میں شریک ہوں گے نہ ہی دین میں کمی کرنے یا اپنی مرضی پر چلنے والوں کے ساتھ ہوں گے۔ یہ سنت پر عمل پیرا رہیں گے۔ یہاں تک کہ اپنے رب سے ملاقات کر لیں۔ اسی طرح تم لوگ رہو اگر اللہ چاہے۔ (دارمی)

اسی طرح اک حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہتے ہیں مجھ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم حاصل کرو اور لوگوں کو علم سکھاؤ۔ قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ میں تو جانے والا ہوں اور علم بھی عنقریب چلا جائے گا اور فتنے ظاہر ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ دو افراد کا باہم اختلاف ہو گا تو انہیں کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو ان کے درمیان فیصلہ کر سکے۔ (دارمی)

ایک روایت زیاد بن لبید کی ہے کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز کا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ اس وقت ہو گا جب علم چلا جائے گا میں نے پوچھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم علم کیسے چلا جائے گا جبکہ ہم قرآن پڑھ رہے ہیں اور اپنے بچوں کو پڑھا رہے ہیں اور ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھاتے رہیں گے قیامت تک (یہ سلسلہ جاری رہے گا)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیاد میں تمہیں مدینہ کے سمجھدار ترین لوگوں میں سے سمجھتا تھا کیا یہ یہود و نصاری توراۃ اور انجیل نہیں پڑھتے مگر ان میں جو کچھ ہے اس پر عمل نہیں کرتے (احمد، ابن ماجہ)

ترمذی نے بھی زیاد سے اسی طرح حدیث روایت کی ہے اور دارمی نے ابوامامہ سے بھی یہ روایت کی ہے۔ مشکاۃ میں بھی یہی ہے۔

دارمی نے یہ حدیث ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے کہتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا اب علم اٹھائے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے لوگوں سے علم اٹھا لیا جائے گا وہ اس علم میں سے کسی بھی حصہ پر قدرت نہیں رکھیں گے۔ زیاد بن لبید انصاری نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم علم کیسے اٹھا لیا جائے گا جبکہ ہم نے قرآن پڑھ لیا ہے؟ اور اللہ کی قسم ہم اسے پڑھتے رہیں گے اور اپنی عورتوں اور بچوں کو پڑھاتے رہیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زیاد تیری ماں تجھے گم پائے۔

احمد اور طبرانی نے اس کو ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور طبرانی نے اس کو ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور طبرانی کی سند زیادہ صحیح ہے۔ اسی باب کی ایک روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے بزار نے روایت کیا ہے اس کی سند میں سعید بن سنان ہے۔ عوف بن مالک سے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عبداللہ بن صالح ہے۔ اور وحشی بن حرب سے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے اس کی سند حسن ہے۔ صفوان بن عسال سے طبرانی نے روایت کیا ہے الکبیر میں اور اس کی سند

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں مسلمہ بن علی الخشنی ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد میں بھی اس طرح ہے۔ اسی طرح کی حدیث حزام بن حکیم بن حزام عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم ایسے دور میں ہو کہ جس میں فقہاء زیادہ اور خطباء کم ہیں۔ جواب دینے والے زیادہ سوال کرنے والے کم ہیں اسمیں عمل علم سے بہتر ہے۔ عنقریب ایسا دور آئے گا کہ اسمیں فقیہ کم اور خطباء زیادہ ہوں گے۔ سوال کرنے والے زیادہ جواب دینے والے (علماء) کم ہوں گے۔ اسمیں علم عمل سے بہتر ہو گا۔ **(طبرانی فی الکبیر)**

اس کی سند میں عثمان بن عبدالرحمان الطرائقی ہے جو کہ ثقہ ہے مگر اس کے بارے کہا جاتا ہے کہ یہ ضعیف راویوں سے روایتیں لیتا ہے۔ مگر یہ روایت اس نے صدقہ بن خالد سے لی ہے اور وہ صحیح ہے۔

ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تم ایسے دور میں ہو کہ علماء زیادہ اور خطباء کم ہیں اس دور میں جو شخص جو کچھ علم رکھتا ہے اگر اس کا دسواں حصہ چھوڑ دے گا تو وہ گمراہ ہو گا لوگوں پر عنقریب ایسا دور آئے گا کہ علماء کم اور خطباء زیادہ ہوں گے۔ اس دور میں جو علم کا دسواں حصہ تھام لے گا وہ نجات پالے گا (احمد، اس کی سند میں ایک آدمی ہے جس کا نام ذکر نہیں کیا گیا)

حزام بن حکیم عن عمہ عن رسول اللہ روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تم ایسے دور میں ہو کہ جس میں فقیہ زیادہ اور خطبا کم ہیں۔ جواب دینے والے (علماء) زیادہ اور سوال کرنے والے کم ہیں اسمیں عمل علم سے بہتر ہے۔ عنقریب ایسا دور آنے والا ہے کہ اسمیں خطباء زیادہ اور فقیہ کم ہوں گے اسمیں علم عمل سے بہتر ہو گا۔ **(طبرانی فی الکبیر)**

اس کی سند میں صدقہ بن عبداللہ السمین ہے جو منکر احادیث والا ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد میں بھی اسی طرح ہے۔

ایک حدیث حذیفہ بن الیمان کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم پر ایک دور آنے والا ہے کہ اس میں تین چیزیں سب سے زیادہ عزیز ہوں گی۔

1 حلال پیسہ

2 ایسا بھائی جس کے ساتھ آدمی رہ سکے یا مانوس ہو سکے

3 سنت جس پر عمل کر سکے۔ **(طبرانی فی الاوسط)**

اسمیں روح بن صلاح ہے۔ جسے ابن عدی نے ضعیف کہا ہے۔ حاکم نے کہا کہ یہ ثقہ مامون ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں (مجمع الزوائد میں بھی اسی طرح ہے)

ایک حدیث علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا دور آجائے کہ اس میں اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اور قرآن صرف رسم رہ جائے گا مسجدیں آباد مگر ہدایت سے خالی ہوں گی اس دور علماء روئے زمین کے بدترین لوگ ہوں گے انہیں میں سے فتنے شروع ہوں گے اور انہی کی طرف لوٹیں گے (بیہقی فی شعب الایمان، مشکاۃ میں بھی اسی طرح ہے)

ایک حدیث حذیفہ بن الیمان کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام اس طرح مٹ جائے گا جس طرح کپڑے سے نشان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈھل کر ختم ہو جاتا ہے یہاں تک کہ روزہ، نماز، صدقہ کو کوئی نہیں جانے گا۔ ایک رات میں اللہ کی کتاب چلی جائے گی دنیا میں اس کی ایک آیت باقی نہ رہے گی۔ لوگوں کے گروہ باقی رہیں گے اور بوڑھے آدمی اور عورتیں کہا کریں گی کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا تھا کہ وہ لا الہ الا اللہ کہتے تھے تو ہم بھی کہتے ہیں۔ صلہ نے پوچھا کہ ان کو لا الہ الا اللہ کوئی فائدہ نہیں دے گا؟ جبکہ وہ نماز، روزہ، قربانی اور صدقہ نہیں جانتے ہوں گے؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ صلہ نے پھر یہ بات کہی اس طرح تین مرتبہ ہوا پھر حذیفہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا (یہ کلمہ لا الہ الا اللہ) ان کو جہنم سے نجات دلائے گا تین مرتبہ یہ کہا (ابن ماجہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)

ایک حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا قریب ہے کہ قومیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں جسطرح کھانے والے پلیٹ پر ٹوٹ پڑتے ہیں (یعنی ایک دوسرے کو تمہارے خلاف دعوت دیکر تمہیں نوالہ سمجھ کر حملہ آور ہوں گی) کسی نے پوچھا کیا اس وقت ہم کم ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم زیادہ ہوگے لیکن تم اس طرح کوڑے کی طرح ہوگے جیسے سیلاب کا کچرا یا جھاگ ہوتی ہے۔ اللہ دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت اور رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا کسی نے پوچھا اللہ کے رسول ﷺ کمزوری کیا؟ فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔ (ابو داؤد، بیہقی فی دلائل النبوۃ۔ مشکاۃ)

ایک حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرما رہے تھے بدترین لوگ وہ ہوں گے جنہیں قیامت پالے گی اور وہ زندہ ہوں گے۔ (بخاری)

ایک حدیث انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک زمین پر اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ ہو۔ (مسلم)

ایک حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔ (مسلم)

ابوہریرہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک دوس قبیلہ کی عورتیں ذوالخلصہ کا طواف نہ کرلیں۔ ذوالخلصہ دوس قبیلے کا بت تھا جس کی وہ جاہلیت میں عبادت کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

اسی طرح ایک حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرما رہے تھے رات اور دن نہیں جائیں گے (یعنی رات دن کا سلسلہ ختم نہ ہوگا) جب تک کہ لات اور عزیٰ کی عبادت نہ کی جائے۔ میں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ (الصف:۹)

"اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو ہدایت اور دین حق دیکر مبعوث فرمایا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ مشرک ناپسند کریں"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو میں سمجھی کہ یہ مکمل کرنے والی ہے یا ایسا ہو کر رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ہو گا جب تک اللہ چاہے گا پھر اللہ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا اور ہر وہ شخص ہلاک ہو جائے گا جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہو گا اور ایسے لوگ باقی رہ جائیں گے جن میں کوئی خیر نہ ہو گا وہ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔ (مسلم)

ایک حدیث نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی ہے جو دجال، عیسیٰ اور یاجوج ماجوج کے بیان میں ہے اسمیں ہے کہ جب اللہ پاکیزہ ہوا بھیجے گا تو وہ ہر مومن مسلم کی روح قبض کرلے گی اور برے لوگ رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح ایک دوسرے پر حملے کریں گے ان پر قیامت قائم ہو گی۔

سوال: ان احادیث میں اور اس حدیث میں کیا تطبیق ہو گی جس میں کہا گیا ہے کہ ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی؟

جواب: تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس حدیث میں قیامت کا ذکر ہے تو اس سے مراد ہے پاکیزہ ہوا کی آمد کا وقت جب ہر مومن کی روح قبض کرلی جائے گی تو صرف بدترین لوگ رہ جائیں گے اور ان پر اچانک قیامت حملہ کر دے گی۔ فتح الباری میں بھی اسی طرح ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سنت صحابہ کرام کے دور میں غالب تھی اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس دور کو مطلقاً خیر قرار دیا ہے اس کے بعد سنت کا غلبہ ختم ہو گیا البتہ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بدعت غالب نہیں آئی تھی اسی لیے ان دونوں ادوار کے خیر کو اضافتہً خیر قرار دیا ہے جب تیسرا دور گذر گیا تو پھر سنت غریب (اجنبی) بن گئی اور اس پر عمل کرنے والے غرباء بن گئے اور یہ غربت یہ اجنبی پن اس کا بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی سوائے امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کے ادوار کے۔ لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم کے جمہور کے علاوہ کسی جمہور کی اتباع جائز نہیں ہے۔ جو احادیث اور آثار ہم نے پہلے نقل کرلی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی غربت کا معنی یہ نہیں ہے کہ مسلمان کم ہوں گے اس لیے کہ ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی روایت جو پہلے گزر چکی ہے میں ہے کہ تم اس وقت زیادہ ہو گے۔ غربت کا معنی یہ ہے کہ نیک اور صالح لوگ ایک ایک کر کے چلے جائیں گے اور سیلاب کے کچرے اور جو کے بھوسے کی طرح کے لوگ رہ جائیں گے اسلام کی سنتیں، شعبے، شرائع جیسے نماز، روزہ، صدقہ، عبادات وغیرہ رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں گی صرف لا الہ الا اللہ کا کلمہ رہ جائے گا پھر جب اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہوا بھیجے گا تو ہر وہ شخص فوت ہو جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو گا اور ایسے لوگ رہ جائیں گے جن میں کوئی بھلائی نہیں ہو گی تو ان پر قیامت قائم ہو گی۔

یہاں جو لفظ سنت استعمال ہوا ہے یہ فرض، مندوب اور سنت سب کو شامل ہے جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ سنت دو طرح کی ہے ایک سنت فرض میں اور ایک غیر فرض میں۔ جو سنت فرض میں ہے اس کی بنیاد کتاب اللہ (قرآن) میں ہے اس کو اپنانا ہدایت اور اس کو ترک کرنا گمراہی ہے اور جس سنت کی بنیاد قرآن میں نہیں ہے اس کو اپنانا فضیلت ہے اور اس کو ترک کرنا گناہ نہیں ہے۔ طبرانی نے اس کو الاوسط میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو ابو سلمہ رضی اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عنہ سے صرف عیسیٰ بن واقد نے روایت کیا ہے اس پر عبد اللہ بن الرومی نے تفرد کیا ہے اس راوی کے حالات زندگی میں نے نہیں دیکھے۔ مجمع الزوائد میں بھی اسی طرح ہے۔

سنت کا فرائض اور غیر فرائض پر مشتمل ہونا مشہور ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے یعنی میرے فرض یا سنت طریقے سے اعراض کیا عملاً یا عقیدتاً تو وہ میرے قریب نہیں ہے یا بغیر اعتقاد کے اعراض کیا۔ مجمع البحار میں اسی طرح ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں سنت سے مراد طریقہ اور راستہ ہے وہ سنت مراد نہیں ہے جو فرض کے مقابلے پر ہوتا ہے حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے پھر قرآن سے سیکھو اور پھر سنت سے سیکھو۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں سنتوں سے مراد وہ ہے جو انہوں نے نبی ﷺ سے حاصل کیا چاہے واجب ہو یا مندوب ہو۔

شیخ وحلان: ان میں سے حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہے جس میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے جابیہ (مقام) پر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں فرمایا (جو جنت کے درمیان میں رہنے کا خواہش مند ہو تو وہ جماعت کے ساتھ چمٹ کر رہے کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور رہتا ہے)

شیخ بشیر: اس میں کئی باتیں محل نظر ہیں۔

1 تلبیس ابلیس میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس کو یہ پسند ہو کہ وہ جنت کے درمیان میں رہے تو وہ جماعت کے ساتھ چمٹ کر رہے کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے وہ بہت دور ہوتا ہے۔

اس روایت میں جابیہ مقام پر خطبہ دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ یہ الفاظ ہیں کہ:

"من اراد بحبوحة الجنة ـــ بلکہ من سرہ ان یسکن بحبوحة الجنة"

کے الفاظ ہیں۔

2 عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ والی یہ روایت امام ھیثمی نے مجمع الزوائد میں ذکر کی ہے جسکے الفاظ یوں ہیں۔

"عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ احفظونی فی اصحابی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ـ ثم یظھر الکذب حتی یشھد الرجل قبل ان یتستشھد ـــ"

"عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اپنے ساتھیوں میں محفوظ سمجھو پھر ان لوگوں میں جو ان کے بعد ہوں گے پھر ان میں جن کے بعد ہوں گے پھر جھوٹ غالب ہو جائے گا یہاں تک کہ آدمی گواہی طلب کئے بغیر وہ گواہی دیگا۔ اور آدمی قسم کا مطالبہ کئے بغیر قسم کھائیگا۔ اور آدمی جھوٹی قسموں میں لگا رہیگا۔ سو جس کو یہ پسند ہو کہ وہ جنت کے درمیان میں رہے تو وہ جماعت کے ساتھ جڑا رہے۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت کے اوپر ہوتا ہے۔ اور شیطان تنہا شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور دو افراد سے شیطان دور رہتا ہے۔ اور کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہا نہ ہو کیونکہ ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ اور جسے اپنی برائی غمزدہ کرے اور اسکی نیکی اسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوش کردے تو وہ مومن ہے"۔

اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اسکی سند میں ابراھیم بن عبداللہ بن خالد المصیصی متروک روای ہے۔

امام ذہبی میزان الاعتدال میں کہتے ہیں۔ ابراھیم بن عبداللہ بن خالد عبداللہ بن قیس اور ابراھیم المصیصی اور وہ وکیع سے روایت بیان کرتے ہیں۔ یہ متروک راویوں میں سے ایک ہے۔

امام ابن حبان کہتے ہیں کہ ابراھیم بن عبداللہ بن خالد حدیث چوری کرتا ہے اور ثقہ راویوں سے وہ روایات بیان کرتا ہے جو انکی روایات نہیں ہوتیں میں کہتا ہوں یہ بہت جھوٹا آدمی ہے۔

امام حاکم کہتے ہیں اس راوی کی احادیث من گھڑت ہیں۔ (انتھی ملخصاً)

3 یہ حدیث مسانید عمر (مرویات عمر) رضی اللہ عنہ میں سے نہ کہ مسانید (مرویات) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھا میں سے اس بات کی دلیل ترمذی والی روایت ہے۔ جس کے الفاظ یوں ہیں۔

"حدثنا احمد بن منیع، حدثنا النضر بن اسماعیل ابو المغیرة عن محمد بن سوقة عن عبداللہ بن دینار عن ابن عمر قال: خطبنا عمر بالجابیة فقال: یا ایھاالناس انی قمت فیکم کمقام رسول اللہ ﷺ فینا فقال: اوصیکم باصحابی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ ثم یفشوا الکذب حتی یحلف الرجل ولا یستحلف۔ ویشھد الشاھد ولا یستشھد۔ الا لا یخلون رجل بأمرءة الا کان ثالثھما الشیطان علیکم بالجماعة وایاکم والفرقة۔ فان الشیطان مع الواحد۔ وھو من الاثنین ابعد۔ من اراد بحبوحة الجنة فلیزم الجماعة من سرتہ حسنتہ وساءتہ سیئتہ فذالکم المؤمن"

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں جابیہ مقام پر تقریر کرکے فرمایا: لوگو میں تمہارے درمیان ایسا کھڑا ہوں جیسے رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے اور فرمایا تھا: کہ میں تمہیں اپنے صحابہ کے متعلق وصیت کرتا ہوں۔ پھر ان لوگوں کے متعلق جو ان کے بعد ہونگے پھر ان کے متعلق جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر جھوٹ عام ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ آدمی بغیر قسم کے مطالبہ کے قسم کھائیگا۔ اور گواہی دینے والا بغیر گواہی کے مطالبہ کے گواہی دیگا خبردار کوئی مرد کسی (غیر محرم) عورت کے ساتھ تنہانہ ہو مگر ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ جو جنت کے درمیان رہنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ جماعت کے ساتھ جڑا رہے۔ جسے اپنی نیکی خوش کردے اور اپنی برائی اسے غم زدہ کردے تو وہ مومن ہے"۔

اس سند سے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور ابن المبارک نے بھی محمد بن سوقہ سے روایت کیا ہے۔ (عمر رضی اللہ عنہ سے وہ نبی علیہ السلام سے) کئی واسطوں سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت اسی طرح تلبیس ابلیس میں نقل کی ہے۔ بلکہ ابن جوزی نے اس باب میں سب سے پہلے یہی حدیث ذکر کی ہے۔ لیکن شیخ دحلان کتنا بے خبر ہے کہ اس نے وہ روایت تو نقل کرلی جس میں متروک، کذاب راوی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور جسے ترمذی نے صحیح کہا ہے اسے نقل نہیں کی۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شیخ دحلان صحیح اور ضعیف میں کوئی تمیز نہیں کرتا۔

4 ترمذی کی روایت کی سند میں نضر بن اسماعیل ابو المغیرۃ راوی ضعیف ہے۔ امام ذھبی میزان الاعتدال میں کہتے ہیں کہ امام یحیٰی نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ کوئی چیز نہیں۔ نسائی نے اور ابو زرعہ نے کہا ہے یہ قوی نہیں۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ اسکی غلطیاں یہاں تک بڑھ گئیں کہ وہ چھوڑنے کا قابل ہوا۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ میں امید رکھتا ہوں کہ یہ گذارہ لائق ہے۔ عجلی کہتے ہیں یہ ثقہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے تقریب التھذیب میں لکھا ہے کہ یہ قوی نہیں۔ مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نضر بن اسماعیل کی متابعت مبارک نے کی ہے جیسا کہ امام ترمذی نے ذکر کیا ہے پس حدیث صحیح یا حسن کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔

یہ روایت عامر بن ربیعۃ رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی گئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

”قال رسول الله ﷺ: من مات وليس له طاعة مات ميتة جاهلية، وان خلعها من بعد عقد هافي عنقه لقى الله تبارك و تعالىٰ ليست له حجة۔۔۔۔۔۔۔۔۔“

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ایسی حالت میں مرا کہ وہ اطاعت نہیں کرتا تھا (امیر کی فرمانبرداری نہیں کرتا تھا) تو وہ جاھلیت کی موت مرگیا۔ اور جس نے اپنے گردن میں امیر کی اطاعت کی گرہ ڈال کر پھر اسے اتار پھینکا تو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے جب ملیگا اسکی کوئی دلیل نہیں ہوگی۔ (اور فرمایا) خبردار کوئی مرد کسی (غیر محرم) عورت کے ساتھ تنہا نہ ہو کیونکہ ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ جسے اپنی برائی غمزدہ کردے اور اپنی نیکی اسے خوش کردے تو وہ مومن ہے“۔

اسے احمد، ابو یعلی، بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں الفاظ یوں ہیں۔

”بعد عقده اياها في عنقه“

”اپنی گردن میں بیعت کا گرہ ڈالنے کے بعد جس نے اسے اتارا۔۔۔“۔

اسکی سند میں عاصم بن عبید اللہ راوی ضعیف جیسے مجمع الزوائد میں ہے۔

5 عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث شیخ دحلان کے دعویٰ (کہ جمہور کی تابعداری ضروری ہے) کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ جماعت کے لفظ میں کئی معنوں کا احتمال ہے۔

1 نماز کی جماعت۔ جیسے کہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرمارہے تھے۔ کسی بھی بستی یا شہر میں تین آدمی ہوں اور ان میں نماز قائم نہیں ہوتی ہو تو ان پر شیطان غالب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم جماعت کے ساتھ رہو۔ کیونکہ بھیڑیا ریوڑ سے دور رہنے والی بکری کو کھاتا ہے۔ سائب کہتا ہے۔ اس میں جماعت سے مراد نماز کی جماعت ہے۔ (اسے نسائی اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے)

جماعت کے باقی معانی ان عبارتوں سے ظاہر ہوجائیں گے جو ہم نقل کر رہے ہیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب الفتن میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لکھتے ہیں کہ امام طبری نے کہا ہے۔ کہ حدیث میں لفظ (علیکم بالجماعة) میں صیغہ امر (علیکم) اور لفظ (الجماعته) میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ امر وجوب کیلئے اور الجماعۃ سے مراد جمہور (اکثریت) ہیں۔ پھر اسکی تائید میں امام طبرانی نے محمد بن سیرین کے واسطے سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے اس وقت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو شخص پوچھتا کہ ہم کیا کریں؟ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہی جواب دیتے کہ جماعت کے ساتھ جڑے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرتا۔

بعض کہتے ہیں کہ جماعت سے مراد صرف صحابہ کرام ہیں۔ بعض دیگر کہتے ہیں کہ جماعت سے مراد اہل العلم ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل علم کو اپنی مخلوق پر حجت بنایا ہے اور لوگ دین کے معاملے میں ان اہل علم کی پیروی کرتے ہیں۔

امام طبرانی کہتے ہیں۔ کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد ان لوگوں کی جماعت سے مل کر رہنا ہے جو مسلمانوں کے اتفاق سے مقرر کردہ امیر کی تابعداری کرنے والے ہیں۔ اور جو اس امیر کے ساتھ کی ہوئی بیعت کو توڑ دے تو وہ جماعت سے خارج ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں جماعت سے مراد ہر زمانے میں اھل الحل والعقد (امیر مقرر کرنے اور معزول کرنے والے اہل شوری) ہیں۔

کرمانی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں جماعت سے مل کر رہنے کا جو حکم ہے اس سے مراد یہ ہے کہ مکلف شخص (عاقل / بالغ / مسلم۔۔۔) اسی کی پیروی کرے جس پر مجتہدین متفق ہوں اور اہل علم سے یہی مجتہدین مراد ہیں اور جس آیت سے امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے اسی آیت سے اصولیوں نے اجماع کی حجیت کی دلیل ہے۔

قسطلانی کتاب الفتن میں لکھتے ہیں کہ شارع نے جس جماعت کے ساتھ مل کر رہنے کا حکم دیا ہے۔ وہ علماء کی جماعت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مخلوق پر حجت بنایا ہے۔ اور انہی کی طرف عام لوگ اپنے دینی معاملات میں رجوع کرتے ہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان (کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کریگا) میں یہی لوگ (علماء) مراد ہیں۔

بعض دیگر کہتے ہیں کہ الجماعۃ سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی وہ جماعت ہے۔ جو دین پر قائم رہیں اور اسکی ستونوں کو مضبوط کیا اور اسکی کیلوں جمادیں۔

اور بعض دیگر کہتے ہیں کہ اس سے مراد تمام مسلمان ہیں جب وہ سب کسی بات پر متفق ہوں تو تمام اہل اسلام کیلئے ان کی تابعداری ضروری ہے۔ اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی اس بات کا مخالف ہو تو وہ سب متفق نہیں کہلائیں گے۔

بہر تقدیر اس سے شیخ دحلان اور ان کے ہم فکر لوگوں کا دعویٰ (کہ جمہور "اکثریت" کی تابعداری ضروری ہے) ثابت نہیں ہوتا۔ اس سے پہلے معنی کے مطابق نماز میں جماعت کی پیروی کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسرے معنی کے مطابق اس سے تمام مسلمان جس بات پر متفق ہوں اسکی تابعداری کا لازم ہونا ثابت ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور تیسرے معنی کے مطابق اس سے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی جماعت کی تابعداری کالازم ہوناثابت ہے۔

اور چوتھے معنی کے مطابق اس سے اہل علم یعنی مجتہدین کی تابعداری کالازم ہوناثابت ہوتاہے۔

اور پانچویں معنی کے مطابق جس امیر کے منتخب کرنے پر امت متفق ہو اس سے اس امیر کی جماعت کی پیروی کالازم ہوناثابت ہوتاہے۔ جو ہر زمانے میں اھل الحل والعقد ہیں اور اس پانچویں معنی کی تائید عامر رضی اللہ عنہ والی گزشتہ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اگرچہ سنداً یہ حدیث ضعیف ہے لیکن ضعیف حدیث سے بھی تائید حاصل کی جاسکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شیخ دحلان کی مذکورہ حدیث سے اکثریت کی تابعداری کاواجب ہوناثابت نہیں ہوتا۔

شیخ دحلان: عرفجہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسکی دلیل ہے۔ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرمارہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتاہے۔ اور شیطان ان کے ساتھ ہوتاہے جو جماعت کی مخالفت کرتے ہے۔

شیخ بشیر: اس حدیث کو امام نسائی نے ان الفاظ سے روایت کیاہے عرفجہ بن شریح الاشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً میرے جس کو تم جماعت سے الگ (علیحدہ) ہوتے ہوئے دیکھو۔ یا امت محمد ﷺ میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھو تو اسے قتل کرو وہ کوئی بھی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتاہے۔ اور شیطان اس کے ساتھ ہوتاہے جو جماعت سے الگ ہوجائے۔ میں کہتاہوں اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اور مجمع الزوائد میں ہے کہ عرفجہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کاہاتھ جماعت کے اوپر ہے اور شیطان جماعت کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ ہوتاہے۔

اسے طبرانی نے روایت کیاہے اور اسکے راوی ثقہ ہیں۔ لیکن اس حدیث میں جماعت سے وہ لوگ مراد ہیں جو مسلمانوں کے منتخب کردہ امیر کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ اس بات کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیاہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرمارہے تھے جب تم ایک آدمی کی امارت پر متفق ہو اور کوئی آکر تمہاری امارت کو ختم کرناچاہے یاتمہاری جماعت کو توڑناچاہے تو اسے قتل کردو۔

شیخ دحلان: ایک دلیل اسامہ بن شریک والی حدیث ہے جس میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کاہاتھ جماعت پر ہوتاہے اور جو کوئی جماعت سے الگ ہوجائے اسے شیطان اچک کرلے جاتاہے جیسا کہ بھیڑیا بکریوں سے الگ رہنے والی بکری کو اچک کرلے جاتاہے۔

شیخ بشیر: میں کہتاہوں کہ میں نے تلبیس ابلیس میں یہ حدیث تلاش کی اس میں (الشاۃ) کی جگہ (الشاذ) کالفظ ہے۔ اور مجمع الزوائد میں ہے کہ اسامہ بن شریک نے کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل کاہاتھ جماعت کے اوپر ہے اور جب کوئی تم میں سے جماعت سے الگ (علیحدہ) ہوجائے اسے شیطان ایسا اچک کرلے جاتاہے جیسا بھیڑیا ریوڑ سے الگ بکری کو اچک کرلے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے۔

اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اسکی سند میں عبد الاعلی بن ابی المساور راوی ضعیف ہے۔

امام ذھبی کہتے ہیں۔ عبد اللہ بن ابی المساور الکوفی الجرار لفاخوری شعبی سے روایت کرتے ہیں۔ جبارۃ بن المفلس نے اس سے ملاقات کی ہے۔ محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

امام یحییٰ اور امام ابوداؤد کہتے ہیں یہ کسی کام کا نہیں ہے۔

امام ابن نمیر اور امام نسائی کہتے ہیں یہ متروک ہے۔

امام الدار قطنی کہتے ہیں یہ ضعیف ہے۔

لہٰذا یہ حدیث اس قابل نہیں کہ اس سے دلیل لی جائے باوجود اس کے کہ شیخ دحلان کا دعویٰ اس سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ لفظ (الجماعة) میں نماز کی جماعت کا بھی احتمال ہے جیسا کہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے۔

اسی طرح صحابہ کی جماعت کا احتمال بھی ہے اور اہل الحل والعقد کی جماعت یعنی ان کے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کرنے والی جماعت کا احتمال بھی اس میں موجود ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے اسامہ بن شریک سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص نکل کر میری امت میں اختلاف پیدا کرتا ہے تو اسکی گردن اڑادو۔ یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں جماعت سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے اتفاقی طور پر منتخب کردہ امیر کی اطاعت کرتے ہیں۔ پس اکثریت کی تابعداری کا لازم ہونا اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے؟

شیخ دحلان: ایک دلیل معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک شیطان انسان کیلئے بھیڑیا ہے۔ جیسے بکریوں کیلئے بھیڑیا ہوتا ہے جو ریوڑ سے دور تنہا رہنے والی بکری کو پکڑ تا ہے۔ لہٰذا تم الگ گروہوں میں رہنے سے بچ کر عام جماعت کے ساتھ اور مسجد کے ساتھ رہو۔

شیخ بشیر: شیخ دحلان نے یہاں پر عبد اللہ رضی اللہ عنہ والی حدیث نقل نہیں کی جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک لکیر کھینچی پھر فرمایا یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے۔ پھر اسکے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں اور فرمایا ان راستوں میں سے ہر راستے پر شیطان موجود ہے جو ان راستوں کی طرف دعوت دیتا ہے۔ پھر نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

﴿ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ ﴾ (الانعام:۱۵۳)

"یقیناً یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو اور راستوں کی پیروی نہ کرو"۔

جبکہ یہ حدیث (تلبیس ابلیس) میں موجود ہے اور اسکی سند بھی صحیح ہے اسے امام احمد، امام نسائی، امام الدارمی، امام حاکم، امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن حمید، امام بزار، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم، امام ابو الشیخ، امام ابن مردویہ، امام ابو جعفر الرازی، امام ورقاء، امام عمرو بن ابی قبیس، امام یزید بن ھارون، امام مسدد اور امام ابن جریر رحمھم اللہ اجمعین نے روایت کیا ہے۔ جیسے تفسیر ابن کثیر اور فتح البیان وغیرہ میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کے بعض راوی صحیح کتب کے راوی ہیں۔ جیسے دارمی، احمد اور نسائی۔

شاید شیخ دحلان نے یہ صحیح حدیث درمیان میں سے اس لئے حذف کر دی ہے کہ یہ مبتدعین کی جڑ کٹ رہی ہے اور متبعین سنت کے مسلک کو تقویت دے رہی ہے۔

اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی جو حدیث شیخ دحلان نے ذکر کی ہے اسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

امام ھیثمی مجمع الزوائد میں لکھتے ہیں کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ شیطان انسان کیلئے بھیڑیا ہے جیسا بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے جو ریوڑ سے الگ (دور) رہنے والی بکری کو لے جاتا ہے۔ تم الگ الگ گروہوں سے بچ کر عام لوگوں کی جماعت اور مسجد سے جڑے رہو۔

اسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے احمد کے راوی ثقہ ہیں مگر اس میں علاء بن زیاد راوی ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں سنی۔ میں کہتا ہوں خلاصہ تہذیب الکمال میں ہے کہ علاء بن زیاد بن مطر البصری نے معاذ رضی اللہ عنہ سے مرسلا روایت بیان کی ہے یعنی خود معاذ رضی اللہ عنہ سے اسکا سماع ثابت نہیں لیکن معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔

امام ذہبی الکاشف میں لکھتے ہیں۔ علاء بن زیاد اور ابو نصر عدوی کی مرسل روایات ہیں۔

لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے قابل حجت نہیں۔ جبکہ اس میں بھی (الجماعة) کے لفظ میں کئی احتمالات ہیں (نماز کی جماعت بھی اس سے مراد ہو سکتی ہے۔ اھل الحل والعقد کی جماعت اور صحابہ کی جماعت بھی اس سے مراد ہو سکتی ہے۔ پس اس حدیث میں ہر اکثریت (ہر قسم جمہور) کی تابعداری کے لازم ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

شیخ دحلان: ایک اور دلیل ابو ذر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جس میں انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ دو افراد ایک فرد سے بہتر ہیں۔ اور تین دو سے بہتر ہیں اور چار تین سے بہتر ہیں۔ پس تم جماعت کے ساتھ رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ میری امت کو ہرگز گمراہی پر اکٹھا نہیں کریگا۔

شیخ بشیر: اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اس کی سند میں البختری بن عبید راوی ہے جو کہ ضعیف اور متروک ہے اس کے متعلق کلام پہلے گزر چکا ہے۔

(جماعت کے ساتھ ملکر رہنے کے متعلق کچھ اور احادیث جو مصنف نے پیش کی ہیں)

شیخ بشیر: اس باب میں کچھ اور احادیث ہیں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ انہیں یہاں ذکر کیا جائے اور ان کے متعلق انصاف کی بات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی جائے۔

1 ان میں سے ایک۔ ابو بصرہ الغفاری رضی اللہ عنہ (صحابی رسول اللہ ﷺ) والی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے چار باتوں کی استدعا کی۔ تو اس نے مجھے تین باتیں دیدیں (قبول کیں) اور ایک کو منع کیا (رد کر دیا) میں نے اللہ سے یہ دعا کی کہ یا اللہ میری پوری امت ایک ساتھ کفر نہ کرے۔ تو اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ پھر میں نے اللہ سے یہ دعا کی کہ یا اللہ پچھلی امتوں کیطرح میری امت پر (ایک بار) عذاب نازل نہ کرنا۔ تو اللہ نے میری یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ پھر میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ یا اللہ میری امت پر کوئی باہر کا دشمن غالب نہ کرنا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی قبول فرمائی۔ اور میں نے یہ دعا کی کہ یا اللہ میری امت کو آپس میں نہ لڑانا۔ تو اللہ نے یہ دعا قبول نہیں کی۔ اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے اس کی سند میں ایک آدمی ایسا ہے جسکا نام نہیں لیا گیا ہے۔ (مجہول ہے) جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔

2 ان میں سے ایک روایت ابو ہریرۃ رضی اللہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی امت کیلئے چار چیزوں کا سوال کیا جن سے اللہ تعالیٰ نے مجھے تین چیزیں دیدیں اور ایک منع کر دی میں نے ایک یہ دعا کی تھی کہ میری امت ساری ایک ساتھ کفر نہ کرے تو یہ دعا قبول کی گئی۔

دوسری میں نے یہ مانگی تھی کہ پچھلی امتوں کی طرح میری امت کو (ایک ساتھ) عذاب سے ہلاک نہ کرنا تو میری یہ دعا بھی قبول کی گئی۔

تیسری میں نے مانگی کہ میری امت پر باہر کا کوئی دشمن غالب نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا بھی قبول کر لی۔

چوتھی میں نے اللہ سے یہ مانگی کہ میری امت کی آپس میں جنگ نہ ہو تو یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔

اسے امام ابن مردویہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن ابی حاتم نے بھی اسی طرح کی ایک روایت نقل کی ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

دیگر روایات میں جو لفظ (الضلالۃ) مذکور ہے یہ روایت اسکی وضاحت کر رہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس بات پر امت کا اجماع ہو وہ کفر نہیں ہو گا۔

ان روایات میں سے ایک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ والی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے کو ترو تازہ (خوش و خرم) رکھے جس نے میری بات سن لی پھر اسے آگے پہنچایا بہت سے فقہ (سمجھ) کی بات اٹھا کر منتقل کرنے والے ہوتے ہیں جو کہ خود غیر فقیہ (استنباط کرنے والے نہیں) ہوتے اور بہت سے علم کی بات اٹھا کر اپنے سے زیادہ سمجھ رکھنے والے کو منتقل کرتے ہیں۔ علی بن محمد نے اس روایت میں یہ بات بھی روایت کی ہے کہ تین چیزیں ہیں جن پر مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا۔

1 عمل میں اللہ تعالیٰ کیلئے اخلاص۔

2 مسلمانوں کے امراء کی خیر خواہی۔

3 اور انکی جماعت سے جڑا رہنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اسکی سند میں لیث ابن ابی سلیم راوی ضعیف ہے۔
دار قطنی نے بھی اسے روایت کیا ہے جسکے الفاظ یہ ہیں۔ ہمیں عصمہ بن الفضل نے حرمی بن عمارہ سے بیان کیا انہوں نے شعبہ سے انہوں نے عمرو بن سلیمان سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابان بن عثمان سے انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دوپہر کے وقت مروان بن الحکم کے ہاں سے نکلے تو میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ زید بن ثابت اس وقت مروان کے پاس سے صرف اسلئے نکلے ہوں گے کہ مروان نے ان سے کچھ پوچھا ہو گا۔ تو میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ میں نے ان سے پوچھا تو کہنے لگے کہ مروان نے مجھ سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا جو میں نے نبی علیہ الصلاۃ السلام سے سنی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ رکھے (خوش وخرم) رکھے جس نے ھم سے کوئی حدیث سنی پھر اسے یاد کیا اور ان لوگوں تک اسے پہنچایا جو اس سے زیادہ سمجھ رکھنے والے ہوں۔ بہت سے علم (سمجھ) کی بات اٹھانے والے ایسے ہوتے ہیں جو خود اس سے مسائل نہیں نکال سکتے مگر ایسے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ سمجھ رکھنے والے (اس علم سے مسائل واحکام نکالنے والے) ہوتے ہیں۔ اور مسلمان کا دل تین باتوں پر یقین رکھے تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ عثمان بن ابان کہتے ہیں کہ میں نے زید بن ثابت سے کہا کہ وہ کونسی باتیں ہیں؟ انہوں نے کہا۔ عمل میں اخلاص، حکمرانوں کیلئے خیر خواہی، اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مل کر رہنا کیونکہ انکی دعائیں ان کے ارد گرد حصار کئے ہوئے ہوتی ہیں۔ جس کی نیت میں آخرت کا حصول ہو اللہ تعالیٰ اسکے دل میں بے حاجتی پیدا کر دیگا اور اس کے لئے اس کے بکھرے کام جمع کر دیگا اور اس کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آئے گی۔ اور جس کا اصل مقصد صرف دنیا کا حصول ہو اللہ تعالیٰ اسکے تمام کام بکھیر دیگا اور اس کے دونوں آنکھوں کے درمیاں فقروفاقہ رکھ دیگا اور دنیا اس کو وہی ملی گی جو اس کے لئے لکھی گئی ہے۔ ابن عثمان کہتے ہیں میں نے زید بن. ثابت سے صلاۃ الوسطیٰ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا اس سے مراد ظہر کی نماز ہے میں کہتا ہوں۔ اسکے تمام راوی ثقہ ہیں۔

2 ان میں سے ایک جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جسے دارمی نے دو سندوں سے نقل کیا ہے جسکے الفاظ یہ ہیں۔
ہمیں سلیمان بن داوٗد الزہرانی نے بیان کیا انہوں نے اسماعیل (بن جعفر) سے انہوں نے عمرو بن ابی عمرو سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن الحویرث سے انہوں نے محمد بن جبیر بن مطعم انہوں نے اپنے والد جبیر بن مطعم سے نقل کیا کہ وہ حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن کے خطبہ میں موجود تھے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اے لوگو شاید کہ آج کے بعد اس مقام پر میں آپکے ساتھ نہ مل سکوں۔ پس اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو میری بات سن کر اسے محفوظ کرے بہت سے سمجھ کی بات اٹھانے والے ایسے ہوتے ہیں جو اس بات سے کچھ استنباط نہیں کر سکتے مگر وہ اس بات کو ایسے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو اس پہچانے والے سے زیادہ سمجھ رکھتے ہیں۔

اور فرمایا۔ تمہارا مال، تمہارا خون، ایک دوسرے پر ایسے حرام ہیں جیسے اس شہر میں اس مہینے میں آج کے دن کی حرمت ہے اور جان لو کہ دل تین باتوں میں خیانت نہیں کرتے ایک اللہ تعالیٰ کیلئے عمل میں اخلاص، حکمرانوں کے لئے خیر خواھی اور مسلمانوں کی جماعت سے ملکر رہنے میں کیونکہ مسلمانوں کی دعاء ان کے ارد گرد حصار بنی ہوتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمیں احمد ابن خالد نے خبر دی ہے انہوں نے محمد (ابن اسحاق) سے انہوں نے زہری سے انہوں نے محمد بن جبیر ابن مطعم سے انہوں نے اپنے والد جبیر بن مطعم سے نقل کیا ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام منیٰ کے خیف مقام پر کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگے تو فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے کو ترو تازہ (خوش وخرم) رکھے جو میری بات سن کہ یاد کرے پھر اسے ان لوگوں تک پہنچا دیئے ہیں جو پہنچانے والوں سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔

تین چیزوں میں ایمان والے کا دل خیانت نہیں کرتا:

1 عمل میں اللہ کیلئے اخلاص

2 (مسلمان) امیر کی فرمانبرداری

3 اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ملکر رہنا کیونکہ مسلمانوں کی دعائیں اس کو اپنے حصار میں رکھتی ہیں۔

پہلی سند کے تمام راوی بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔ سوائے عبدالرحمٰن بن الحویرث کے اسکی حالات زندگی مجھے تقریب التھذیب خلاصہ تھذیب الکمال، میزان الاعتدال اور الکاشف میں سے کسی میں نہیں ملے۔

اور دوسری سند کے راوی بھی سب ثقہ ہیں صرف محمد بن اسحاق مدلس ہے اور انہوں نے (عن) کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے۔

امام ھیثمی مجمع الزوائد میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کی ایک اور سند بھی ہے صالح بن کیسان سے وہ زہری سے اسکے سب راویوں کو ثقہ کہا گیا ہے۔

4 ان میں سے ایک حدیث ابو الدرداء رضی اللہ عنہ والی بھی ہے۔ جسے دارمی نے یحییٰ بن موسیٰ سے انہوں نے عمرو بن محمد القرشی سے انہوں نے اسرائیل سے انہوں عبدالرحمٰن بن زبید الھامی سے انہوں نے ابو العجلان سے انہوں نے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ اس شخص کو ترو تازہ (خوش وخرم) رکھے جو ہم سے کوئی حدیث (بات) سنے پھر اسے آگے اسی طرح پہنچائے جیسے اس نے سنی ہے پھر بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو حدیث (بات) پہنچائی جائے وہ خود سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتے ہیں۔۔ تین چیزیں ہیں جن پر مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا۔

1 عمل میں اللہ تعالیٰ کیلئے اخلاص

2 ہر مسلمان کیلئے خیر خواہی کا جذبہ رکھنا

3 اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ملکر رہنا کیونکہ انکی دعائیں ان کے اردگرد رہتی ہیں۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ سوائے عبدالرحمٰن بن زبید بن الحارث الیامی الکوفی کے اس کے متعلق امام بخاری (رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے اور کہا گیا ہے کہ اس میں نکارت (منکر ہونا) یحییٰ بن عقبہ کی طرف سے ہے جو ان سے روایت کرنے والا ہے۔ امام بخاری سے ایسا ہی نقل کیا گیا ہے جیسا کہ میزان الاعتدال میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جس حدیث کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

متعلق ہماری بحث چل رہی ہے اس میں عبد الرحمٰن بن زبید بن الحارث الیامی الکوفی سے روایت کرنے والا اسرائیل ہے۔ جس کی حدیث میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

مجمع الزاوئد میں ہے کہ اس کو طبرانی نے معجمہ الکبیر میں روایت کیا اور اس کا مدار عبد الرحمٰن بن زبید پر ہے وہ منکر الحدیث ہے جیسا کہ بخاری نے کہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس جرح کا جواب چند سطر پہلے آپ جان چکے ہیں۔

5 ان میں سے ایک ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ (خوش وخرم) رکھے جس نے میری بات سن کر محفوظ کر لی پھر بہت سے علم اور سمجھ کی بات اٹھا کر منتقل کرنے والے خود اس سے مسائل واحکام نہیں نکال سکتے۔ تین چیزیں ایسی ہیں جن پر مومن کا دل خیانت (کوتاہی) نہیں کرتا۔

1 اللہ تعالیٰ کے لئے عمل میں اخلاص

2 مسلمانوں کے حکمران وامراء کیلئے خیر خواہی اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا ان کی دعا ان کے ارد گرد حصار بنی ہوئی ہے۔ اسے امام بزار نے روایت کیا ہے اور اسکے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ صرف سلیمان بن سیف کا استاد سعید بن مزیع کا ذکر میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ اگر یہ سعید بن الربیع ہو تو وہ صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہے کیونکہ امام بخاری نے (سلیمان بن سیف اور سعید بن ربیع) دونوں سے روایت لی ہے۔ واللہ اعلم (اسی طرح مجمع الزوائد میں ہے)

6 ان میں سے ایک معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ رکھے جو میری بات سن کر اس میں کچھ اضافہ نہ کرے کیونکہ بہت سے لوگ علم کی بات اٹھا کر ایسے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو پہنچانے والوں سے زیادہ سمجھ رکھنے اور یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ تین چیزوں پر مومن کا دل خیانت اور کوتاہی نہیں کرتا۔

1 اللہ کیلئے عمل میں اخلاص

2 اپنے امراء کے لئے خیر خواہی

3 اور مسلمانوں کی جماعت کو تھامے رکھنا۔ کیونکہ انکی دعائیں ان کے ارد گرد حصار ہوتی ہیں اسے طبرانی نے معجم الکبیر اور معجم الاوسط میں نقل کیا لیکن معجم الاوسط کے الفاظ میں (رب حامل فقه) کی جگہ (رب حامل كلمته) کا لفظ ہے جسکا معنی ہے (بہت سے بات اٹھانے والے) اس کی سند میں عمرو بن واقد راوی جھوٹا قرار دیا گیا اور منکر الحدیث ہے۔ جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں عمرو بن واقد الدمشقی یونس بن میسرہ وغیرہ سے روایت نقل کرتا ہے اور اس سے یحیٰی الوحاظی اور هشام بن عمار روایات نقل کرتے ہیں ابو مسہر نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ کسی کام کا نہیں ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اسکے ضعیف ہونے کے باوجود بھی اسکی حدیثیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لکھی جا سکتی ہیں۔ دار قطنی کہتے ہیں یہ متروک ہے اور فسوی نے دحلیم سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ عمرو بن واقد سے ھمارے شیوخ روایت بیان نہیں کرتے تھے اور کہتے ہیں اسکو جھوٹا قرار دیا اور کہا کہ تباہ و برباد ہے۔

7 ان میں سے ایک حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ والی ہے کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں کہا اللہ تعالیٰ اس آدمی کو تر و تازہ رکھے جس نے میری بات کو منتقل کرنے والے خود اتنے سمجھدار نہیں ہوتے (کہ اس سے مسائل نکال سکیں) اور بہت سے لوگ سمجھ کی بات ایسے لوگوں تک منتقل کر دیتے ہیں جو منتقل کرنے والوں سے زیادہ سمجھ رکھتے ہیں۔ تین باتیں ہیں جن پر مومن کا دل خیانت نہیں کرتا۔

1 اللہ تعالیٰ کیلئے عمل کرنے میں اخلاص

2 اپنے حکمران و امراء کیلئے خیر خواہی

3 اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنا۔ کیونکہ انکی دعائیں اسکے ارد گرد رہتی ہیں۔

اسے طبرانی نے معجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اسکی سند میں عیسیٰ الخیاط راوی ہے جو کہ متروک ہے جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔

امام ذھبی اس کے متعلق کہتے ہیں کہ عیسی بن ابی عیسیٰ المدنی الحناط، الخیاط، الخباط یہ تینوں پیشے اس نے کئے ہیں (خوشبوں بنانا، درزی کا کام، اور بکریا چرانا) انس بن مالک اور شعبی سے روایت بیان کرتے ہیں اور اس سے وکیع، عبید اللہ بن موسیٰ اور ابن ابی فدیک اور دیگر ایک جماعت نے روایت بیان کی ہے۔ امام فلاس اور امام نسائی کہتے ہیں وہ متروک ہے۔ امام ابن سعد کہتے ہیں کہ عیسی بن ابی عیسی کہتے ہیں کہ میں حناط بھی ہوں، خیاط بھی ہوں اور خباط بھی ہوں تینوں پیشے میں نے کئے ہیں۔

امام احمد کہتے ہیں یہ کسی چیز کے برابر نہیں۔

8 ان احادیث میں سے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ والی وہ حدیث بھی ہے جو انہوں نے اپنے والد (بشیر رضی اللہ عنہ) سے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو میری بات سن کر اسے یاد کر لے تو بہت سے سمجھ کی بات منتقل کرنے والے خود سمجھ نہیں رکھتے (مسائل استنباط کرنے کی قدرت نہیں رکھتے) اور بات ایسے لوگوں تک منتقل کر دیتے ہیں جو منتقل کرنے ولالوں سے زیادہ سمجھ رکھتے ہیں (استنباط کی قدرت زیادہ رکھتے) تین چیزیں ہیں بقی حدیث پچھلی حدیثوں کی طرح ہے۔ اس کو امام طبرانی نے معجم الکبیر میں روایت کیا اور اس کی سند میں محمد بن کبیر الکوفی ہے جسے امام بخاری وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ اور امام ابن معین نے اسکو (گزارہ لائق قرار دیا ہے) جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔ اما ذھبی کہتے ہیں امام احمد نے فرمایا کہ ہم نے محمد بن کبیر کی حدیثوں کو پھاڑ دیا ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ یہ کوفی ہے اور منکر الحدیث ہے۔ امام ابن المدینی کہتے ہیں کہ ہم نے اس سے عجیب احادیث لکھی ہیں میں نے اسکی بیان کی ہوئی حدیثوں پر لکیر کھینچی ہے۔ اور امام ابن معین نے اسکو چلایا ہے۔ عباس نے ان (ابن معین) سے نقل کیا ہے کہ یہ شخص شیعی (شیعہ) ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی حدیثوں میں ضعف (کمزوری) واضح ہے۔

9 ان احادیث میں سے ایک حدیث ابو قرصافہ جندرہ بن خیشنہ کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تازہ رکھے جو میری بات سن کر اچھی طرح محفوظ کر لے پھر بہت سے علم کی بات ایسے لوگوں کو منتقل کر دیتے ہیں جو منتقل کرنے والوں سے زیادہ علم رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اور تین چیزوں پر (مومن کا) دل خیانت اور کوتاہی نہیں کرتا۔

1 اللہ تعالیٰ کیلئے عمل کرنے میں اخلاص۔

2 اپنے حکمرانوں کیلئے خیر خواہی کا جذبہ رکھنا۔

3 اور (مسلمانوں کی) جماعت کے ساتھ مل کر رہنا۔

راوی کہتا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی کہ ابو قرصافہ کے ایک بیٹے کو رومیوں نے گرفتار کر لیا تو ابو قرصافہ ہر نماز کے وقت عسقلان کے کی دیوار سے اس کو آواز دیتا (یافلان۔ الصلاۃ) (فلاں بیٹے نماز، نماز) تو بیٹا اپنے والد کی بات کو مان (کر نماز پڑھتا) جبکہ دونوں کے درمیان سمندر کی چوڑائی کا فاصلہ ہوتا تھا۔

اسے طبرانی نے معجم الاوسط اور معجم الصغیر میں روایت کیا ہے اسکی سند کے راویوں میں سے کسی کا کوئی تذکرہ مجھے نہیں ملا۔

10 ان احادیث میں سے ایک جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ رکھے۔۔۔۔۔۔ پچھلی روایات کیطرح الفاظ ہیں

اس کو طبرانی نے معجم الاوسط میں نقل کیا ہے اور اس کی سند میں محمد بن موسی البربری ہے جسکے بارے میں امام دار قطنی کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔

11 ان احادیث میں سے ایک انس بن مالک رضی اللہ عنہ والی روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مسجد الخیف میں وعظ و نصیحت فرمائی جس میں فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ رکھے۔۔۔۔۔ اس حدیث کا مفہوم بھی پچھلی روایات کی طرح ہے اسے طبرانی نے معجم الاوسط میں روایت کیا ہے اور اسکی سند میں عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم راوی ضعیف ہے جیسے کہ مجمع الزوائد میں ہے۔

مشورے سے فیصلہ کرنے کے متعلق احادیث و آثار:

1 عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اللہ کے رسول ﷺ آپ یہ بتائیں کہ اگر ہمیں ایسا کوئی معاملہ پیش آئے جس کے بارے میں قرآن کی کوئی آیت بھی نہ ہو اور آپ کی سنت میں بھی اس کے متعلق کچھ نہ گزرا ہو تو ہم کیا کریں؟

آپ ﷺ نے فرمایا۔ تم اس میں عبادت کرنے والے مومنوں کے مشورے سے فیصلہ کرو اور کسی ایک شخص کی رائے سے اس میں فیصلہ نہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پھر پوری حدیث بیان کی۔

اسے طبرانی نے معجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔ اسکی سند میں عبداللہ بن کیسان ہے جسکے بارے میں امام بخاری نے فرمایا ہے یہ منکر الحدیث ہے جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔ امام ذہبی میزان میں کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے امام ابو حاتم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے کہا یہ ضعیف ہے اور امام نسائی نے کہا کہ قوی نہیں۔

2 علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا۔ اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ اگر ہمیں کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس کے بارے میں (شریعت کا) کوئی حکم یا منع نہ ہو تو اس کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا اس میں فقہا اور عابدین سے مشورہ لو۔ اور اس میں کسی کی انفرادی رائے پر مت چلو۔ اسے طبرانی نے معجم الاوسط میں روایت کیا ہے اور اسکے راویوں کی توثیق کی گئی ہے صحیح البخاری کے رواۃ ہیں جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔

3 ابو سلمہ الحمصی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسے معاملے کے متعلق پوچھا گیا جو پیش آئے اور قرآن وسنت میں اس کے متعلق کوئی حکم موجود نہ ہو تو نبی علیہ السلام نے فرمایا ایسے پیش آنے والے مسئلے کے بارے میں مسلمانوں میں سے عبادت گذار غور فکر کر کے (حکم صادر کردیں) اسے امام دارمی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں مگر اس کہ سند میں انقطاع ہے۔ اس مسئلے میں کچھ آثار بھی منقول ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

1 عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھتے ہیں تو وہ چیز اللہ کے نزد بھی اچھی ہوتی ہے۔ اور جسے مسلمان برا سمجھتے ہیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہوتی ہے۔

اس اثر کو امام احمد، بزار اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کی ہے۔ اسکے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ جیسا کہ مجمع ازوائد میں ہے۔ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

2 مسیب بن رافع رضی اللہ عنہ کا اثر ہے۔ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام وتابعین کو جب کوئی مسئلہ پیش آتا جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کچھ منقول نہ ہوتا تو اسکے لئے وہ جمع ہو کر ایک فیصلے پر اتفاق کرتے۔ جس پر وہ متفق ہو جاتے پس وہی حق ہوتا۔ اسے دارمی نے روایت کیا ہے اور اسکی سند کے تمام راوی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ مگر ھیثم بہت تدلیس کرنے والا ہے البتہ اسکی متابعت یزید نے کہ ہے۔ امام دارمی فرماتے ہیں۔ ہمیں عبداللہ نے خبر دی ہے انہوں نے کہا ہمیں یزید نے العوام سے یہ روایت بیان کی ہے۔

3 میمون بن مہران کہتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاں کوئی فیصلہ لایا جاتا تو وہ پہلے اسکا حل کتاب اللہ میں تلاش کرتے اگر اس میں کچھ حل پاتے تو اسی پر فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ میں یا سنت رسول اللہ ﷺ میں اس کے متعلق کچھ تلاش کرنے کے بعد نہ پاتے تو نکل کر مسلمانوں سے پوچھتے کہ میرے پاس اس طرح کا مسئلہ لایا گیا ہے تم میں سے کسی کو یہ علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلے میں کوئی فیصلے کیا ہے؟ پھر بعض اوقات لوگ ان کے پاس آکر کہہ دیتے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلے میں اس طرح کا فیصلہ کیا ہے اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے کہ تمام تعریفوں کا لائق صرف وہ اللہ ہے جس نے ہم میں ایسے لوگ رکھے ہیں جو ہمارے نبی کی سنتوں کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔ اور اگر اس میں کافی تلاش کے بعد بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کی سنت میں سے کچھ نہ ملتا تو عمر رسیدہ لوگوں اور پسندیدہ اشخاص کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے پھر جب انکی رائے کسی بات پر متفق ہو جاتی تو اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فیصلہ صادر فرماتے۔

اسے بھی دارمی نے روایت کیا ہے اور اسکے تمام راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔

4 عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک اور اثر ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم پر ایک ایسا زمانہ آیا تھا جس میں ہم فیصلہ نہیں کرتے تھے اور نہ ہم اس لائق تھے کہ ہم فیصلہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے تقدیر میں لکھا تھا اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے جو تم دیکھ رہے ہو۔ پس آج کے بعد جس کے ہاں کوئی مسئلہ پیش آئے وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کتاب پر فیصلہ کرے۔ اور اگر اس مسئلہ کے متعلق کتاب اللہ میں کچھ نہ ملے تو سنت رسول اللہ ﷺ پر فیصلہ کرے اور اگر ایسا کوئی مسئلہ پیش آئے جس کے متعلق اللہ کی کتاب میں بھی کچھ فیصلہ نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے متعلق کوئی فیصلہ صادر نہ کیا ہو تو پھر اس میں صالحین کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کرے۔ اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں یا میں اس میں اپنی رائے چلاتا ہوں۔ کیونکہ حرام اور حلال بالکل واضح ہیں اور دونوں کے درمیان کچھ مشکوک چیزیں ہیں۔ تو تم وہی لو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے اور اسے چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے۔ اسے امام الدارمی نے روایت کیا ہے اور اسکی سند میں حریث بن ظہیر ہے جسکے متعلق امام ذھبی نے میزان میں لکھا ہے کہ یہ غیر معروف (مجہول) ہے دوسرا اس میں سفیان بھی ہے جو کہ مدلس ہے اور عن کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔ لیکن حدیث کی متابعت عبدالرحمن بن یزید نے کی ہے اور سفیان کی متابعت شعبہ، ابو عوانۃ اور جریر نے کی ہے امام الدارمی اپنی مسند میں فرماتے ہیں۔ ہمیں یحییٰ بن حماد نے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی انہوں نے سلیمان سے انہوں نے عمارۃ بن عمیر سے انہوں نے حریث بن ظہیر سے عمارۃ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حریث نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا یقیناً ہم پر ایک وہ وقت آیا تھا کہ ہم سے کوئی مسئلہ نہیں پوچھا جاتا تھا اور نہ ہم اس لائق تھے۔ لیکن اللہ کا کرنا تھا کہ اب معاملہ وہاں پہنچا جو تم دیکھ رہے ہو۔ پس اگر تم سے کسی مسئلہ کے متعلق پوچھا جائے۔ تو اللہ کی کتاب میں اسکا حل تلاش کرو۔ اگر اس میں بھی نہ ملے تو پھر مسلمانوں نے جس بات پر اجماع و اتفاق کیا ہو اس پر فیصلہ کرو۔ اور اگر مسلمانوں کے اجماع میں بھی اس کا حل نہ ملے تو اس میں اپنی عقل سے اجتہاد کرو اور یہ نہ کہو کہ میں ڈرتا ہوں اور میں گھبراتا ہوں۔ کیونکہ حلال و حرام دونوں بالکل واضح ہیں۔ اور ان کے درمیان کچھ چیزیں مشکوک ہیں۔ پس جو چیز تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور جو تمہیں شک میں نہیں ڈالتی اس لے لو۔

ہمیں یحییٰ بن حماد نے ابو عوانہ سے انہوں نے سلیمان سے انہوں نے عمارۃ ابن عمیر سے انہوں نے عبدالرحمن بن یزید انہوں نے عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے اسی طرح روایت بیان کی ہے۔ اور ہمیں عبداللہ بن محمد نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں جریر نے حدیث بیان کی انہوں نے اعمش سے انہوں نے قاسم بن عبدالرحمن سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت بیان کی ہے۔

امام نسائی المجتبیٰ (سنن النسائی الصغریٰ) میں فرماتے ہیں ہمیں محمد بن العلاء نے خبر دی وہ کہتے ہیں ہمیں ابو معاویہ نے اعمش سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے عمارہ (ابن عمیر) اور عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے ایک دن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر بہت سے سوالات کئے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم پر ایک وقت وہ آیا تھا جب ہم کسی کے درمیان فیصلہ نہیں کرتے تھے اور نہ ہم اس لائق تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا تھا کہ ہم اس مقام پر پہنچ گئے تم دیکھ رہے ہو۔ پس جس کو آج کے بعد کوئی فیصلہ پیش آئے تو اس میں کتاب اللہ پر فیصلہ کرلے۔ اگر معاملہ ایسا ہو کہ کتاب اللہ میں اس کے متعلق کچھ نہ ہو تو اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ نے جیسا فیصلہ کیا ہو ویسا ہی فیصلہ کردے۔ اگر اس مسئلے میں رسول اللہ ﷺ سے بھی کوئی فیصلہ منقول نہ ہو تو صالحین اور نیک لوگوں نے اس مسئلے میں جو فیصلہ کیا ہو اسی پر فیصلہ کرلے۔ اگر وہ معاملہ ایسا ہو کہ اس میں کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور صالحین کا کوئی فیصلہ منقول نہ ہو تو اپنی رائے سے اس میں اجتہاد کرلے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں اور مجھے خوف لگتا ہے۔ کیونکہ حلال اور حرام بالکل واضح ہیں اور ان کے درمیان میں کچھ چیزیں مشکوک ہیں۔ تو جو چیز تمہیں شک میں ڈالتی ہے اسے چھوڑ دو اور وہی لو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔ ابو عبدالرحمٰن (امام نسائی) فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام نسائی نے حریث بن ظہیر کے واسطے سے بھی روایت کیا ہے۔

5 ان میں سے ایک وہ روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شریح کو لکھا کہ اگر تمہارے پاس کوئی فیصلہ ایسا آئے جس کا حل کتاب اللہ میں ہو تو اس پر فیصلہ کرو۔ اور تمہیں لوگ اس سے نہ پھیریں۔ اگر فیصلہ ایسا ہو کہ کتاب اللہ میں اس کا کوئی حل نہ ملے تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا حل تلاش کرکے اس پر فیصلہ کرو اور اگر ایسا کوئی فیصلہ آئے جس کا حل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ملے تو صحابہ کرام کا اجماع دیکھ لو جس پر ان کا اجماع ہو اس پر فیصلہ کرو اور اگر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی صحابی کے قول میں سے اسکا کوئی حل نہ ملے تو تمہیں اختیار ہے کہ تم اجتہاد کرکے اپنی رائے پر فیصلہ کرو یا فیصلہ کرنے سے پیچھے ہٹو (فیصلہ نہ کرو) اور فیصلہ کرنے سے پیچھے ہٹنے میں تمہارے لئے بہتر سمجھتا ہوں۔

اسے دارمی نے روایت کیا اور اس کے سب راویوں کو ثقہ کہا گیا ہے۔

امام نسائی نے بھی اس کو روایت کیا ہے جس کے الفاظ یوں ہیں ہمیں محمد بن بشار نے بتایا کہا کہ ہمیں ابو عامر نے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے سیبانی سے انہوں نے شعبی سے انہوں نے کہا شریح نے عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں ان سے پوچھ رہے تھے تو عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ تم کتاب اللہ پر فیصلہ کرلو۔ اگر کتاب اللہ میں فیصلہ نہ ملے تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فیصلہ کرو۔ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ملے تو صالحین اور نیک لوگوں نے جس طرح فیصلہ کیا ہے اسی پر فیصلہ کرو۔ اگر کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور صالحین سے کچھ فیصلہ منقول نہ ہو تو پھر تم چاہو تو فیصلہ کرلو اور اگر چاہو تو فیصلہ کرنے سے پیچھے ہٹ جاؤ۔ اور فیصلہ کرنے سے پیچھے ہٹ کر فیصلہ نہ کرنا میں تمہارے لئے بہتر سمجھتا ہوں والسلام علیکم (انتہی)

لیکن ان مذکورہ بالا تمام روایات میں ہمارے مخالفین کے مطلوب (جمہور کی تابعداری کے ساتھ چمٹ جانے پر) کوئی روایت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلالت نہیں کرتی۔ اس لیے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ جس پر امت متفق ہو وہ کفر نہیں ہو گا۔ جیسے کہ ابو ہریرۃ کی روایت میں ہے جسے ابن مردویہ نے روایت کیا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جماعت اھل الحل والعقد مراد ہو یا فقھاء اور صالحین کا جس پر اتفاق ہو یعنی اھل السنتہ والجماعتہ کے فقھاء اسکی تابعداری مراد ہو۔ (بہر حال ہر قسم کی اکثریت کی تابعداری کا وجوب اس سے ثابت نہیں ہوتا ہے)

شیخ دحلان: ان منکرین زیارۃ اور منکرین توسل (وسیلۃ) کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سے سفارش طلب نہیں کرنی چاہیے۔

شیخ بشیر: میں کہتا ہوں کہ پہلے لفظ شفاعت (سفارش) کی تحقیق ہونی چاہیے کہ شفاعت ہے کیا؟

امام ابن الاثیر اپنی کتاب (النہایتہ فی غریب الحدیث) میں لکھتے ہیں کہ حدیث میں شفاعت کا لفظ بار بار استعمال ہوا ہے جو کہ دنیاوی معاملات سے بھی تعلق رکھتا ہے اور آخرت کے معاملات سے بھی۔ شفاعت جرائم اور گناہوں سے درگزر کرنے کا مطالبہ کرنا ہے۔

کہا جاتا ہے: شفع ، یشفع ، شفاعة فهو شافع وشفیع اور مُشَفِع اس کو کہا جاتا ہے جو شفاعت قبول کرنے والا ہو۔ اور مُشَفَع اس کو کہا جاتا ہے جس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

مجمع البحار میں ہے کہ شفاعت کا لفظ احادیث میں بار بار آیا ہے۔ اور اسکا تعلق دنیا سے بھی ہے اور آخرت سے بھی۔ باقی الفاظ ابن الاثیر کے الفاظ کی طرح ہیں۔

بیضاوی کہتے ہیں۔ شفاعت شفع سے ماخوذ ہے گویا کہ جس کی سفارش کی جاتی ہے وہ اکیلا تھا تو سفارش کرنے والے نے اپنے آپکو اس کے ساتھ ملا کر جوڑا یا ساتھی بن گیا۔ فتح البیان میں ہے کہ شفاعت شفع سے ماخوذ ہے جو جوڑے (دو) کے معنے میں ہے۔ کہا جاتا ہے استشفعتہ یعنی میں نے مطالبہ کیا کہ میری شفاعت کرے جسکا مطلب ہے کہ اپنا مقام مرتبہ میرے ساتھ ملا کر جس کو سفارش کی جاتی ہے اس سے میرے لئے نفع حاصل کرو۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ استشفاع، شفاعت طلب کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ادنیٰ شخص اپنے آپکو اعلیٰ شخص کے ساتھ ملا کر اپنے مقصد میں اس سے تعاون لے۔

جب شفاعت کا مطلب آپ سمجھ گئے تو جان لیں کہ نبی کریم ﷺ کا ایمان والوں کیلیے سفارش کرنا دنیا اور آخرت دونوں میں ثابت ہے دنیا کی سفارش کے متعلق اللہ تعالیٰ کا سورۃ النساء میں ارشاد ہے۔

(اگر یہ لوگ جب اپنے اوپر ظلم کرتے تو آپ کے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے اور آپ بھی ان کے لئے بخشش طلب کرتے تو یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا پاتے)

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کی رہنمائی فرماتا ہے کہ جن سے کوئی غلطی اور گناہ سرزد ہو جائے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور اللہ تعالیٰ سے خود بھی اپنے لئے معافی مانگ لیں اور رسول اللہ ﷺ سے بھی اپنے لئے بخشش کی دعاء کروائیں۔ پس جب یہ لوگ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ انکی توبہ قبول فرمائے گا اور ان پر رحم کریگا اور ان کی بخشش کر دیگا۔

ابن عبدالھادی صارم المنکی میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت تھی کہ ان میں سے اگر کسی سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو جاتا جس سے توبہ کرنا لازم آتا۔ تو وہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس جا کر کہتے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اس طرح کا کام سرزد ہوا ہے آپ میرے لئے اللہ سے معافی مانگ لیں۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تبوک سے واپس مدینہ پہنچے تو منافقین نے آکر نبی علیہ السلام کے سامنے بہانے اور اپنے اعذار پیش کئے اور قسمیں کھائیں تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے اعذار قبول کر لئے۔ اور ان کا اندرونی معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔ اور ان کے کے ساتھ بیعت کر لی۔ اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگ لی۔ ایسے لوگوں کی تعداد اسی (۸۰) سے اوپر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ال عمران میں بھی فرمایا۔

(اور ان سے درگزر کیجئے اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگ لیں اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں)

سورۃ محمد میں فرمایا:

﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴾ (محمد:۱۹)

"پس جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں اپنی کوتاہیوں اور مومن مرد و عورتوں کی کوتاھیوں کی اللہ سے بخشش طلب کرو"۔

سورۃ الممتحنہ میں فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الممتحنہ:۱۲)

"اے نبی جب آپکے پاس ایمان والی عورتیں آجائیں اس بات پر آپ سے بیعت کرنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی۔ چوری نہیں کریں گی۔ زنا نہیں کریں گی۔ ایسا بہتان نہیں لائیں گی جو ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بنایا ہو معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی ــــــــــ تو ان سے بیعت لو۔ اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے"۔

سورۃ التوبہ میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "ان کے مال میں سے صدقہ (زکاۃ) لو جس کے ذریعے سے آپ ان کو ظاہری و باطنی طور پر پاک کرتے ہو اور ان کیلئے دعاء کرو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یقیناً آپ کی دعاء ان کے لئے سکون واطمینان کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر آواز کو سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے"۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ سورۃ توبہ کی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ (وصل علیھم) کا معنی ہے کہ ان کے لئے دعاء کریں۔ اور ان کے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ لیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے۔ عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جو لوگ صدقہ لیکر آتے تو آپ ﷺ ان کے لئے دعاء کیا کرتے۔ میرے والد بھی نبی علیہ السلام کے پاس صدقہ لیکر آگئے تو آپ نے فرمایا۔ یا اللہ ال ابی اوفی (ابو اوفی کے اھل وعیال) پر رحمتیں نازل فرما۔

فتح البیان میں ہے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (اس آیت میں وصل علیھم) کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے ان گناہوں کی بخشش مانگ لیں جو ان سے سرزد ہوئے۔ یقیناً آپ کی دعا ان کے لیے باعث رحمت ہے۔ جیسا کے سیوطی نے اپنی کتاب (الاکلیل) میں نقل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ان منافقوں میں سے اگر کوئی مر جائے تو آپ کبھی بھی اس کی نماز جنازہ ادا نہ کریں۔ اور نہ اسکی قبر پر دعا کیلئے کھڑے ہوں۔ اسلئے کہ انہوں نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر کفر کیا اور نافرمانی کی حالت میں مر گئے۔

سیوطی نے اپنی کتاب الاکلیل میں فرمایا ہے کہ اس آیت سے کافر کی نماز جنازہ ادا کرنے اور اسکی قبر پر کھڑے ہونے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ کہ اسکا دفن کرنا جائز ہے اور اس کے مخالف مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کی نماز جنازہ اور دفن کر کے اس کی قبر پر کھڑا ہونا اور اس کیلئے بخشش کی دعا کرنا واجب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبی اور ایمان والوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کیلئے بخشش کی دعاء کریں اگر چہ وہ ان کے رشتہ دار کیوں نہ ہوں۔ اس کے بعد کہ ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہیں۔ اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ ایمان والوں کیلئے بخشش کی دعا کرنی چاہیے۔ اور ان میں سے وہ دعا بھی ہے جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو نبی علیہ السلام نے ان الفاظ سے دعا کی۔ اے اللہ ابو سلمہ کو بخشش دے۔ اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اسکا مرتبہ بلند کر دے۔ اور اسکے پسماندگان میں اسکی جگہ تو نگہبانی کر اور اسکو بخشش دے۔ اے رب العالمین اور اسکی قبر کو کشادہ کر دے۔ اور اس میں اسکے لئے روشنی کر دے۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

اور رسول اللہ ﷺ کا اپنے ایک صحابی کی نماز جنازہ میں دعا کرنا۔ کہ اے اللہ اسے بخش دے۔ اور اس پر رحم کر اور اس کو معاف کر دے۔ اور اس سے درگزر کر دے۔ اور اس کی مہمان نوازی اچھی کر دے۔ اور اس کی قبر کو کشادہ کر دے۔ اور اسے پانی، برف، اور اولوں سے دھولے۔ اور اسے گناہوں سے ایسا پاک کر دے جیسا تو نے سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا ہے۔ اور اس کے دنیا کے گھر کے بدلے میں اچھا گھر دے۔ اس کے گھر والوں کے بدلے میں اچھے گھر والے دے اور اس کی بیوی کے بدلے اس کو اچھی بیوی دے۔ اور اسے جنت میں داخل کر دے اور قبر کے عذاب سے اور دنیا کے عذاب سے اسکو بچا۔ یہ دعاء بھی اسی قسم کے ہے (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

اسی وجہ سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ قبریں ان قبروں والوں پر اندھیروں سے بھری ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ میری دعا کی وجہ سے ان کے لئے انکی قبریں روشن کر دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا۔ جو مسلمان فوت ہو جائے اور اسکی نماز جنازہ میں چالیس ایسے لوگ کھڑے ہوں جو اللہ کیساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتے۔ تو اللہ اس شخص کے بارے میں انکی سفارش کو قبول کرتا ہے (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

اور اسی طرح فرمایا کہ جس میت کی نماز جنازہ مسلمانوں کی ایک جماعت جن کی تعداد ایک سو تک پہنچتی ہو۔ پڑھ لیں اور سب اس میت کی بخشش کی سفارش کریں۔ تو انکی سفارش اسکے حق میں قبول کی جاتی ہے (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

اور اسی میں سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی وہ دعا بھی ہے جب آپ ﷺ کسی کی نماز جنازہ میں پڑھتے تھے۔ تو کہتے یا اللہ ہمارے زندہ اور مردہ کو، حاضر و غائب، چھوٹے اور بڑے، مرد اور عورت کو بخش دے۔ اے اللہ ہم میں سے تو جسے زندہ رکھتا ہے اسے اسلام پر زندہ رکھ۔ اور جسے فوت کرتا ہے اسے ایمان پر فوت کر دے۔ اے اللہ ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ رکھنا اور نہ ہمیں اسکے بعد فتنے میں مبتلا کرنا۔ (اسے احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)

اس قسم کی دعا نبی علیہ السلام نے ایک جنازے پر پڑھی۔ کہ اے اللہ بے شک فلان فلان کا بیٹا تیرے حوالے ہے اور تیری پناہ کی رسی میں ہے۔ پس اسے قبر کے فتنے (عذاب) اور آگ کے فتنے (عذاب) سے بچا۔ اور تو وفا کرنے والا اور حق والا ہے۔ اس کو بخش دے اور اس پر رحم کر دے یقینا تو بہت بخشنے اور انتہائی رحم کرنے والا ہے۔ (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)

اور وہ دعا بھی اسی قسم کی ہے جو نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے ایک جنازے پر نقل کی گئی کہ اے اللہ تو اس میت کا رب ہے۔ اور تو نے ہی اسے پیدا کیا ہے اور تو نے ہی اسے اسلام کیطرف ھدایت دی ہے۔ اور تو نے ہی اسکی روح کو قبض کیا ہے۔ اور تو ہی اسکے راز اور ظاہر کو خوب جانتا ہے۔ ہم اس کے سفارشی بن کر آئے ہیں پس اسکو بخش دے۔ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

اس قسم کی دعاؤں میں سے وہ بھی ہے جو نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی میت کے دفن کرنے سے فارغ ہو جاتے تو اسکی قبر پر کھڑے ہو کر کہتے کہ اپنے (اس) بھائی کیلئے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اس سے ابھی سوالات کئے جائیں گے (اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے)

اس قسم کی وہ دعائیں بھی ہیں جو نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے قبروں کی زیارت کے وقت منقول ہیں۔ کیونکہ وہ سب بخشش کی سفارش میں سے ہیں۔

اس قسم کی وہ دعائیں بھی ہیں جو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے بعض صحابہ کیلئے اللہ سے مانگی ہیں۔ جیسے انس رضی اللہ عنہ کیلئے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی دعا ہے۔ کہ اے اللہ اسکے مال اور اولاد میں اضافہ کر اور اسکی زندگی لمبی کر اور اسکو بخش دے (جسے بخاری نے ادب المفرد میں روایت کیا ہے جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے)

ان میں سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا عبید ابی عامر کیلئے دعاء کرنا ہے۔ جس کے الفاظ ہیں۔ اے اللہ عبید ابی عامر کو بخش دے۔ روایت بیان کرنے والا کہتا ہے میں نے نبی علیہ السلام کے بغلوں کی سفیدی دیکھی اور آپ فرمارہے تھے۔ یا اللہ اس کو قیامت کے دن اپنی مخلوق میں بہت سے لوگوں سے بلند کر دے (اسے بخاری نے نقل کیا ہے)

ان میں سے رسول اللہ ﷺ کی عباس رضی اللہ عنہ اور انکی اولاد کیلئے دعا کرنا بھی ہے۔ جسکے الفاظ ہیں کہ۔ اے اللہ [illegible]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بخش دے اور اسکی اولاد کو ظاہری اور باطنی ایسی بخشش دے جو کسی گناہ کو نہ چھوڑے۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے)

اسی طرح ان میں سے وہ روایت بھی ہے جو جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے لئے نبی علیہ السلام نے پچیس مرتبہ بخشش کی دعا کی ہے (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے)

ان ہی میں سے غفار قبیلے کیلئے نبی علیہ السلام کا دعا کرنا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس قبیلے کو بخش دے۔ (بخاری)

اور ان میں سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان کہ۔ (یا اللہ زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔ پس تو مہاجرین اور انصار کو بخش دے) بھی ہے۔ (بخاری)

اور اس قسم کی سفارش پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ابو جری جابر بن سلیم سے کہا تھا کہ میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ جب تم اسے تکلیف کے وقت پکارو تو وہ تجھ سے تکلیف دور کر دے۔ اور اگر تجھے قحط سالی پہنچے پھر اسے پکارے تو وہ تیرے لئے زمین سے (غلہ جات) اگائے۔ اور جب تو کسی بیابان اور صحرا میں ہو۔ اور تیری سواری تجھ سے گم ہو جائے پھر اسے پکارے تو وہ تجھے تیری سواری لوٹا دیگا۔

یہ ایک لمبی حدیث ہے۔ جسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اس شفاعت میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا بسر رضی اللہ عنہ کیلئے دعا کرنا بھی ہے جب اس نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی سواری کی لگام پکڑ کر کہا کہ اے اللہ کے رسول ہمارے لئے دعاء کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ یا اللہ ان کے لئے ان کے رزق میں برکت کر دے۔ اور ان کو بخش دے اور ان پر رحم کر دے۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

اسی سفارش کی ایک قسم میں سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا لوگوں کیلئے بارش کی دعا کرنا بھی ہے۔ جیسے کہ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک آدمی آیا نبی علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تو ہم پر ایک جمعے سے لیکر دوسرے جمعے تک بارش ہوئی۔ پھر وہ آدمی نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھر گر گئے، راستے ٹوٹ گئے اور مویشی ہلاک ہوگئے، تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا۔ اے اللہ تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر ٹیلوں پر، وادیوں کے درمیان میں اور درختوں کے اگنے والی جگہوں پر بارش برسا دے۔ تو بارش مدینے کے اوپر سے اٹھ گئی جیسے کپڑا اٹھتا ہے۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے)

اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریش نے اسلام لانے میں دیر کر دی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے بد دعا کی جس کے نتیجے میں ان پر قحط سالی آگئی۔ یہاں تک اس قحط سالی میں بھوک سے ہلاک ہونے لگے۔ اور مردار اور ہڈیاں کھانے لگے۔ پھر ابو سفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا۔ اے محمد آپ تو ہمیں آکر صلہ رحمی کا حکم دے رہے تھے۔ اور ابھی آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے۔ تو آپ اللہ سے دعاء کریں۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝﴾ (الدخان:۱۰)

"اس دن کا انتظار کر و جب آسمان کھلا ہوا دھواں بن جائے گا"۔

اسے بخاری نے ابواب الاستقاء میں روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس روایت کے مذکورہ الفاظ میں یہ بات ذکر نہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کیلئے دعا کی لیکن آگے (سورۃ ص) کی تفسیر میں یہ بات ان الفاظ میں مذکور ہے کہ ان سے یہ عذاب (قحط سالی) ہٹ گیا تو وہ لوگ پھر کفر کی طرف لوٹ گئے۔ اور سورۃ الدخان کی تفسیر میں ایک اور سند سے یہ ذکر ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے لئے بارش کی دعاء مانگی تو ان پر بارش ہوگئی۔ اور اس جیسا اسباط کی معلق روایت میں بھی مذکور ہے۔

اس قسم کی سفارش دوسرے انبیاء کیلئے بھی ثابت ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیتوں میں مذکور ہے۔

1 اللہ تعالیٰ نے سورۃ یوسف میں فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا۔ اے ہمارے ابا جان ہمارے کے لئے ہمارے گناہوں کی بخشش مانگ لیں یقینا ہم سے غلطی ہوگئی تھی۔ اس (یعقوب علیہ السلام) نے کہا کہ میں جلد ہی تمہارے لئے اپنے رب سے بخشش کی دعا مانگونگا۔ یقیناوہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

2 سورۃ ابراہیم میں ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی دعا ذکر کر کے فرمایا۔ اے ہمارے رب مجھے اور میرے والدین کو اور ایمان والوں کو اس دن بخش دے جب حساب قائم ہوگا۔

3 سورۃ مومن میں فرمایا کہ جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں یا اس کے ارد گرد ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی پاکی اس کے حمد (تعریف) کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان لوگوں کیلئے بخشش کی دعاء کرتے ہیں جو ایمان لائے۔ کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز سے زیادہ وسیع ہے۔ تو ان لوگوں کو بخش دے جو ایمان لائے اور انہوں نے تیرے راستے کی پیروی کی۔ اور تو ان کو جہنم کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے رب ان کو ہمیشہ رہنے والی ان جنتوں میں داخل کردے جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اور ان کو بھی جو نیک ہوں ان کے ماں باپ اور انکے جوڑوں اور انکی اولاد میں سے بے شک تو ہر چیز پر غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔ اور ان کو برائیوں سے بچا تو نے جنہیں برائیوں سے بچایا تو یقینا تو نے ان پر رحم کیا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

سورۃ الشوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝﴾ (الشوریٰ:۵)

"قریب ہے کہ ان کے اوپر سے آسمان پھٹ جائیں اور فرشتے اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں اس کی تعریف کے ساتھ اور جو لوگ زمین میں ہیں ان کے لئے بخشش مانگتے ہیں خبردار یقینا اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے"۔

بلکہ اس سفارش کی تو عام ایمان والوں کو بھی اجازت دی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ لوگ جو ان مہاجرین وانصار کے بعد آئے کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے۔ اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزرے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کیلئے کینہ نہ رکھ اے ہمارے رب بے شک تو بہت شفقت کرنے والا انتہائی رحم کرنے والا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام سے سنا آپ فرمارہے تھے۔ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کیلئے بخشش کی دعاء کرے اللہ تعالیٰ اسکے لئے ہر مومن اور مومنہ کے بدلے نیکی لکھ دیگا۔ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اسکی سند اچھی ہے۔ جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔ اس باب میں ابوہریرہ ام سلمہ اور ابوالدرداء (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی روایات بھی ہیں۔ لیکن ان کی روایات میں ضعف ہے۔ البتہ تائید (واستشھاد) کیلئے کام دیتی ہیں۔

تو اس قسم کی شفاعت کا مطالبہ رسول اللہ ﷺ سے کرنا بغیر کسی شک وشبہے کے جائز ہے، کہ ایک آدمی نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی زندگی میں آپ کے پاس آکر آپ سے شفاعت کا مطالبہ کرے نہ کہ آپ کی غیر موجودگی میں آپ کو پکارے اس کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

(اگر یہ لوگ اپنے اوپر ظلم کرنے کے بعد آپ کے پاس آکر اللہ سے بخشش کی دعا مانگتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے اللہ سے بخشش کیا دعاء کرتے تو یقیناً یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور بخشنے والا پاتے)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے بھائیوں نے کہا۔ اے ہمارے اباجان ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی بخشش کا مطالبہ کریں"۔

اسی طرح ارشاد فرمایا:

"اور جب منافقوں سے کہا جائے کہ آؤ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ اللہ سے بخشش مانگ لے۔ تو وہ اپنے سر پھیر لیتے"۔

اسی طرح صحابہ کرام کا نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے کہنا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے لئے دعاء کیجئے اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ کہنا کہ تابعین میں سب سے بہتر ایک شخص ہے جسکو اویس کہا جاتا ہے اسکی صرف والدہ (زندہ) ہوگی اور اسکو سفیدی (برص کی بیماری) لگی ہوگی اس سے درخواست کرو کہ وہ تمہارے لئے بخشش کی دعاء کرے۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

پس جب اس قسم کی شفاعت کسی غیر نبی سے (نیک اور صالح شخص سے) کروائی جاسکتی ہے تو نبی ﷺ اس کے زیادہ لائق ہیں کہ آپ سے اس طرح سفارش کروائی جائے۔

دوسری قسم کی سفارش نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا عالم برزخ میں سفارش کرنا ہے:

اس باب میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو گھومنے پھرنے والے ہیں مجھے میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے تم باتیں کرتے ہو تو تمہیں ان کا جواب مل جاتا ہے۔ اور میری وفات بھی بہتر ہے تمہارے لئے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں پس جب میں اچھا عمل دیکھتا ہوں تو اس پر اللہ کی تعریف کرتا ہوں اور اگر برا عمل دیکھتا ہوں تو میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں۔ (اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اسکے تمام راوی صحیح بخاری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے راوی ہیں جیسے کہ مجمع الزوائد میں ہے)

قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث جو بزار میں سند جید کے ساتھ مرفوعاً نقل ہے اس میں ہے کہ میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ پس جب میں کسی اچھے عمل کو دیکھتا ہوں تو میں اس پر اللہ کی تعریف کرتا ہوں۔ اور اگر کوئی برا عمل دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کرتا ہوں (قسطلانی کی بات مکمل ہوگئی)

لیکن یہ بات مخفی نہیں ہونی چاہئے کہ کسی حدیث کی سند کے راویوں کا صحیح بخاری کے راوی ہونا اسکی سند کا جید ہونا اس حدیث کی صحت کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ اس میں انقطاع، شذوذ اور کوئی علت بھی ہوسکتی ہے۔

تقی الدین السبکی اپنی کتاب شفاء الاسقام میں لکھتے ہیں کہ بکر بن عبداللہ المزنی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم بات کرتے ہو تو تمہارے ساتھ بات کی جاتی ہے (میں تمہیں تمہارے مسائل بیان کرتا ہوں) پس جب فوت ہو جاؤں تو میرا فوت ہونا تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے تو اگر میں کوئی اچھا عمل دیکھوں گا تو اللہ کی تعریف کرونگا اور اگر اسکے علاوہ (برا عمل) دیکھونگا تو تمہارے لئے اللہ سے معافی مانگونگا۔

ابن عبدالھادی (الصارم المنکی) میں کہتے ہیں: یہ حدیث مرسل ہے قاضی اسماعیل بن اسحاق نے اسے کتاب (فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ) میں نقل کیا ہے اور ہم اسکی عبارت پہلے نقل کر چکے ہیں۔ اگر بالفرض اسکو ثابت مان لیا جائے تو بھی اس میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے (فوت ہونے کے بعد برزخ میں) شفاعت طلب کرنا ثابت نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ۔ اس طرح کی شفاعت نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر کے پاس طلب کرنا یا اس سے دور طلب کرنا بدعت ہے۔ کتاب اللہ اور سنت مطہرہ میں سے اس پر کوئی شرعی دلیل دلالت نہیں کرتی۔

اور جو روایت نقل کی گئی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت لوگ قحط میں مبتلا ہوئے تو بلال ابن الحارث رضی اللہ عنہ آگئے۔۔۔۔۔۔۔ (آخر تک)

اسی طرح وہ روایت جو نقل کی گئی ہے کہ ایک آدمی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے کسی کام سے آیا تھا ان کے دور خلافت میں تو عثمان رضی اللہ عنہ اسکی طرف توجہ نہیں دیتے اور نہ اسکی طرف دیکھتے تھے تو اس نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اس بات کی شکایت کی۔۔۔۔۔۔ الحدیث

اسی طرح جو عتبی سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ کہتا ہے میں نبی علیہ السلام کی قبر کے پاس بیٹھا تھا اس دوران ایک دیہاتی آیا اس نے کہا: السلام علیکم یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔۔ الخ

تو ان سب حکایات کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔

تیسری قسم کی شفاعت قیامت والے دن کی شفاعت ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی میں اس شفاعت کا مطالبہ کرنا اس حدیث سے ثابت ہے جو انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے مطالبہ کیا کہ قیامت کے دن میری سفارش کریں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری سفارش کرونگا۔ میں نے کہا کہ میں پھر آپ کو کہاں تلاش کروں؟ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا پہلے مجھے پل صراط کے پاس تلاش کرو۔ میں نے کہا اگر میں آپکو وہاں نہ پاؤں تو پھر؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر مجھے میزان کے پاس تلاش کرو۔ میں نے کہا کہ اگر آپ مجھے میزان کے پاس بھی نہ ملے؟ فرمایا: پھر مجھے حوض (کوثر) کے پاس تلاش کرو۔ کیونکہ ان تین جگہوں میں سے کسی ایک پر میں ضرور ملوں گا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ اس حدیث کی سند غریب ہے ہم صرف اسی سند سے اسکو جانتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں سوائے حرب بن میمون ابو الخطاب کے۔ اس کے متعلق محدثین کے اقوال مختلف ہیں۔ امام ذھبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ بصری ثقہ اور سچا ہے۔ ابو زرعہ کہتے ہیں کہ یہ کمزور ہے۔ یحیٰی بن معین نے کہا: یہ نیک ہے۔ علی بن المدینی وغیرہ نے بھی اسکو ثقہ قرار دیا ہے۔ اور امام بخاری نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ اور اسکے بعد جس حرب کا ذکر کیا ہے وہ حرب صاحب الاغیمۃ (جھتوں والا) ہے۔ امام بخاری اور امام ابن عدی نے حرب صاحب الاغیمۃ کو حرب ابی الخطاب کے ساتھ خلط ملط (گڈمڈ) کر دیا ہے۔ اور دونوں کو ایک شمار کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں۔ عبد الغنی ابن سعید کہتے ہیں کہ یہ دونوں راوی ان میں سے ہیں جن کے بارے میں امام بخاری کو وہم ہوا ہے (غلطی ہوئی) مجھے اس سے امام دار قطنی نے آگاہ کیا۔ (انتھی)

مولف کہتے ہیں کہ مسلم کے راویوں میں سے ہیں۔

معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنھما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (سفر میں) جب کسی جگہ (آرام کرنے کیلئے) اترتے تو آپ کے ساتھ مہاجرین قریب ہو کر اتر جاتے۔ ہم ایک دفعہ (آرام کرنے کیلئے) اترے تو رسول اللہ ﷺ بھی سو گئے اور ہم بھی۔

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں اور معاذ رضی اللہ عنہ ہم دونوں رات کو جاگ اٹھے تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھنا چاہا لیکن آپ ہمیں نظر نہ آئے ہم دونوں نبی کریم ﷺ کو تلاش کرنے نکلے تو ہم نے ایک آواز سنی جیسے چکی کی آواز ہوتی ہے۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ سامنے آگئے جب آپ نے آکر ہمیں دیکھا تو فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ ہم نے کہا کہ ہم بیدار ہو گئے تو ہم نے آپ کو تلاش کیا آپ ہمیں اس جگہ نظر نہ آئے جس جگہ آپ پہلے موجود تھے۔ تو ہم گھبرا گئے کہ کہیں آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو۔ پھر ہم نے آپکو تلاش کرنا شروع کیا۔

نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: میرے پاس خواب میں ایک شخص آیا۔ اس نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو میری آدھی امت جنت میں داخل ہو یا مجھے شفاعت کی اجازت ملے۔ تو میں نے اپنی امت کیلئے شفاعت کو نے کو ہی ترجیح دی۔

ہم دونوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ ہم آپ سے اپنے مسلمان ہونے کے ناطے اور آپکے صحابی ہونے کے ناطے سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ہمیں بھی اپنی شفاعت میں داخل کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس سب لوگ جمع ہو گئے اور سب نے اسی طرح کہا جو ہم نے کہا تھا۔ اور لوگ اور بڑھ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی شفاعت ہر اس شخص کیلئے رکھ دیتا ہوں جو اس حال میں مرے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو۔ اسے احمد نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے بھی اس طرح کی حدیث روایت کی ہے مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ اللہ سے دعاء کیجئے کہ اللہ ہمیں بھی آپ کی شفاعت میں شامل کر دے۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: کہ تم اور جو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز شریک کئے بغیر مر جائے وہ سب میری شفاعت میں داخل ہیں۔ اسکے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں سوائے عاصم بن ابی النجود کے اسکی توثیق بھی کی گئی ہے لیکن اس میں ضعف ہے۔

اس حدیث کو امام بزار نے مختصراً روایت کی ہے لیکن اسکے راوی ابو الملیح اور ابو بردہ نے معاذ بن جبل کا زمانہ نہیں پایا۔ جیسا مجمع الزوائد میں ہے۔

اس باب میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے۔ جسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور طبرانی کی ایک سند کے راوی ثقہ ہیں۔

مصعب الاسلمی سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک لڑکا چل کر نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس گیا تو کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ سے ایک درخواست کرتا ہوں۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: وہ کیا درخواست ہے؟ لڑکا کہنے لگا کہ میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے بھی ان میں شامل کر دیں۔ جن کی آپ قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا تمہیں کس نے یہ حکم دیا ہے؟ اور کس نے یہ بتلایا ہے؟ اور تمہاری راہنمائی تمہیں کس نے کی ہے؟

اس لڑکے نے کہا کہ مجھے کسی نے حکم نہیں دیا بس میرے دل میں خود یہ بات آئی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم ان میں سے ہو جن کی میں قیامت کے دن شفاعت کرونگا۔ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اسکے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

یہ روایت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ جسے طبرانی نے کئی سندوں سے نقل کیا ہے۔ جن میں سے بعض سندوں کے راوی ثقہ ہیں۔

اسی طرح یہ ابی بن کعب صاحب الحریر سے بھی مروی ہے جسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے۔ اسکی سند میں علی بن قرۃ بن حبیب ہے جسے میں (ھیثمی) نہیں جانتا اسکے باقی راوی ثقہ ہیں (یہ سب روایتیں مجمع الزوائد میں مذکور ہیں)

نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے قیامت کے دن شفاعت کروانا دیگر صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے۔ صحیحین وغیرہ میں موجود ہیں۔ ان میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جن مومنوں کو قیامت کے دن روکا جائے گا یہاں تک کہ اس سے وہ فکر مند و (پریشان) ہو جائیں گے پھر (ایک دوسرے سے) کہیں گے: اگر اپنے رب سے کسی کی سفارش کروادیں تو وہ ہمیں اس جگہ سے راحت (اور نجات) دیدے (یہ اچھا ہو گا) تو (سب) آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس چلے جائیں گے ان سے کہیں گے کہ آپ آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ کو اللہ نے اپنی جنت میں بسایا، اور آپکو اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا، آپ کو ہر چیز کے نام سکھائے۔ تو آپ ہمارے لئے اپنے رب کے ہاں سفارش کریں تا کہ وہ ہمیں اس جگہ کی پریشانی سے راحت میں کر دے۔۔۔۔۔۔ (یہ طویل حدیث ہے اس میں ہے کہ) پھر میرے (محمد ﷺ) کے پاس آئیں گے۔ تو میں اپنے رب کے در میں اجازت مانگوں گا۔ مجھے اجازت مل جائے گی پھر جب میں اپنے رب کو دیکھونگا تو میں سجدہ میں گر پڑونگا۔ جب تک اللہ چاہے گا مجھے اسی حالت میں چھوڑ دیگا۔ پھر فرمائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اٹھاؤ اور بات کر تیری بات سنی جائے گی، سفارش کرو تیری سفارش قبول کی جائے گی، مانگو تجھے دیا جائے گا۔۔۔۔۔ (الحدیث) (متفق علیہ)

لیکن شفاعت کا مطالبہ نبی علیہ السلام سے آپ ﷺ کی وفات کے بعد اور قیامت کے دن سے پہلے آپکے قبر کے پاس یا آپ کی قبر سے دور سے کرنا بدعت ہے۔ اور اس بدعت کی ایجاد کی ہمیں آخر ضرورت کیا ہے؟ اور اسکا سبب کیا ہے؟ جبکہ صحیح احادیث میں ایسے اذکار اور ایسے اعمال کا ذکر آیا ہے۔ جو قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے مستحق کے ہونے کے اسباب ہیں۔ جیسے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں: جس نے آذان سن کر یہ دعا پڑھی۔

"اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمۃ آت محمد الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ"

اسکے لئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہو گئی (اسے بخاری اور اہل سنن نے روایت کیا)

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت جو کہ:

"باب طلب الشفاعۃ من اللہ تعالیٰ لا من الرسول ﷺ"

"اللہ سے شفاعت طلب کرنا نبی ﷺ سے نہیں"۔

اس باب میں مروی ہے اسکے الفاظ یوں ہیں کہ نبی علیہ السلام جب اذان سنتے تو یہ دعا پڑھتے:

"اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمہ، صل علی عبدك ورسولك، واجعلنا فی شفاعتہ یوم القیامۃ"

"اے اس پکار (آذان) کے رب اور اس قائم ہونے والی نماز کے رب، رحمتیں نازل فرما اپنے بندے اور رسول پر اور ہمیں انکی شفاعت والوں میں شامل کر دے قیامت کے دن"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو اذان کے وقت یہ دعا پڑھ لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکو میری شفاعت میں شامل کر دیگا"۔

اسے طبرانی نے اپنی معجم الاوسط میں روایت کیا ہے۔ اسکی سند میں صدقہ بن عبد اللہ السمین ہے۔ جسے احمد، بخاری اور مسلم وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ اور دحیم، ابو حاتم اور احمد بن صالح المصری نے اسے ثقہ کہا ہے۔ جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔

اسی طرح عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث میں اللہ تعالیٰ سے شفاعت کا مطالبہ مذکور ہے۔ جسکا ترجمہ یہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص اذان سن کر یہ دعاء پڑھے"۔

"اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده و رسوله، اللهم صل على محمد و بلغه درجة الوسيلة عندك، واجعلنا في شفاعته يوم القيامة"

"میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے (اسکا کوئی شریک نہیں) اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں۔ اے اللہ محمد پر رحمتیں نازل فرما اور انہیں وسیلہ کے مقام پر پہنچا جو تیرے ہاں ہے۔ اور ہمیں قیامت کے دن ان کی شفاعت میں شامل کر دے"۔

تو یہ دعاء پڑھنے والے کیلئے میری شفاعت لازم ہو گئی۔ اسے طبرانی نے معجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔ اسکی سند میں اسحاق بن عبداللہ بن کیسان راوی کو حاکم نے لین (کمزور) کہا ہے۔ اور ابن حبان نے اسے ضعیف کہا ہے۔ باقی راوی ثقہ ہیں۔ جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔

یہ دونوں حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان پر عمل کرنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

خلاصہء کلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے شفاعت کا مطالبہ کرنا آپ ﷺ کی زندگی میں بلا شک و شبہ ثابت ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ سے قیامت کے دن شفاعت کروانا بھی ثابت ہے۔ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن جس شفاعت کا انکار کیا جاتا ہے وہ ہے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے آپ ﷺ کی وفات کے بعد اور قیامت کے دن سے پہلے شفاعت کا مطالبہ کرنا۔ تو اس قسم کی شفاعت کا مطالبہ کرنا آپ ﷺ سے قرآن و سنت میں کہیں بھی ثابت نہیں ہے۔

لہٰذا ہر قسم شفاعت کا انکار شفاعت کے انکار کرنے والوں کی طرف منسوب کرنا جیسے صاحب کتاب (شیخ دحلان) نے کیا ہے۔ یہ دھوکہ دینے اور خلط ملط کرنے سے خالی نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة اصحاب الجحيم) میں فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کیطرف وسیلہ (قربت) پیش کرنا اور اسکی طرف متوجہ ہو کر اپنے نیک اعمال کے وسیلے سے اس سے سوال کرنا جن اعمال کا اللہ نے حکم دیا ہے جیسے تین آدمی غار میں ٹھہرے تھے۔ ان پر جب مصیبت نازل ہوئی تو انہوں نے اپنے نیک اعمال کے وسیلے سے اللہ سے دعاء مانگی۔ اسی طرح انبیاء اور نیک لوگوں کا کسی کیلئے دعاء کرنا یا کسی کیلئے سفارش کرنا، تو اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ یہ اسی وسیلہ میں سے ہے جسکا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اسکی طرف قربت کا وسیلہ تلاش کرو) ایک اور جگہ فرمایا: (یہ وہ ہیں جو دعاء کرتے ہیں اور اپنے رب کی طرف قربت چاہتے ہیں کہ کون سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہے؟ اور اسکی رحمت کی امید رکھتے ہیں اسکے عذاب سے ڈرتے ہیں)

تو اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ عمل کرنا جو اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ اور سبب بنے۔ وہ عبادت کی شکل میں ہو اور اللہ کی اطاعت اور اسکے اوامر کی تعمیل کی شکل میں ہو یا اس سے سوال اور اسکی پناہ کا مطالبہ ہو اسکی طرف رغبت رکھتے ہوئے اسکے منافع (فوائد) حاصل کرنے کیلئے یا مصائب و نقصانات سے بچنے کیلئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنا یا تو بطور عبادت ہے۔ جس پر بندے کو آخرت میں اجر و ثواب مل جاتا ہے۔ اور دنیا میں بھی اس کو بعض اوقات اسکا بدلہ مل جاتا ہے۔ اور یا کسی حاجت کا مطالبہ اور سوال کے طور پر ہے۔ اس قسم کی دعا اگر اللہ کی پسند کی کسی چیز مانگنے پر مشتمل ہو تو اس پر بھی اجر مل جاتا ہے۔ ورنہ صرف وہ حاجت حاصل ہو جاتی ہے جسکا مطالبہ اور سوال کیا گیا ہو۔ اور بعض دفعہ دعا اور سوال بندے کے دین کے نقصان کا ذریعہ ہوتا ہے تو اس پر اس کو سزا دی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ کے حقوق کو ضائع کر کے اس کی حدوں سے گزر جاتا ہے (اور حدوں سے گزرنے والے کو اللہ پسند نہیں کرتا)"۔

پس اللہ تعالیٰ نے جس وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے وہ عام ہے۔ اسکی عبادت اور اس سے دعا کرنے میں وسیلہ تلاش کرنا سب کو شامل ہے۔

پس نیک اعمال جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کا وسیلہ لینا یا انبیاء اور صالحین سے دعا کروانا (انکی زندگی میں) یا ان کی شفاعت یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اللہ کے ساتھ شریک بنانا نہیں ہے۔ اور قیامت کے دن لوگوں کا نبی اکرم ﷺ کو بطور سفارشی اللہ کے سامنے پیش کرنا کہ ہمارے لئے اللہ کے ہاں سفارش کریں۔ یہ بھی اسی قسم کی (جائز) شفاعت میں سے ہے۔ جیسے کہ صحابہ کرام دنیا میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے دعا کرواتے تھے۔ بارش کی دیگر دعائیں۔

اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ اے اللہ اس سے پہلے جب ہم پر خشک سالی ہوتی تو ہم تیرے نبی کو وسیلہ بنا کر تجھ سے بارش مانگتے تو، تو ہم پر بارش برساتا اور ابھی ہم اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ بنا کر تجھ سے (ان کی دعا کے ذریعے اور ان کی شفاعت کے ذریعے اور ان کے سوال کے ذریعے) بارش مانگتے ہیں۔

اس قول کا یہ مقصد نہیں کہ ہم تجھے ان (نبی کے چچا) کی قسم دیکر سوال کرتے ہیں یا اس طرح کے دیگر الفاظ جو لوگ کسی صالح کے فوت ہونے کے بعد یا انکی غیر موجودگی میں کرتے ہیں۔ جیسا یہ کہنا کہ میں تجھ سے فلاں کی جاہ و مرتبہ کے ذریعے سوال کرتا ہوں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہاں انبیاء اور صالحین (اولیاء) کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔ اس بارے میں ایک منگھڑت روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اس سے میرے مقام کے وسیلے سے سوال کرو۔ کیونکہ میرا مقام اللہ کے ہاں بہت بڑا ہے۔ لیکن اگر یہ وہ وسیلہ ہوتا جو صحابہ کرام لیا کرتے تھے جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان ہوا۔ تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے فوت ہونے کے بعد بھی نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے۔ اور نبی ﷺ کا وسیلہ چھوڑ کر عباس رضی اللہ عنہ سے دعا نہ کرواتے۔ باوجود اس کے صحابہ کرام کو بھی معلوم تھا کہ نبی ﷺ کے وسیلے سے سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کو نبی ﷺ کی قسم کا واسطہ دینا۔ عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے زیادہ مقام و مرتبے والا ہے۔ تو ان کا ایسا نہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ صرف زندوں کا وسیلہ پکڑتے تھے (ان سے دعا کرواتے تھے) مردوں سے نہیں۔ اور زندوں سے دعا کروانا یا اپنی سفارش کروانا یہ جائز اور ممکن ہے۔ لیکن مردے سے نہ وسفارش کروائی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس سے اپنے لئے دعا کروائی جاسکتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور جو نابینا شخص والی حدیث ہے اس میں بھی صرف یہی بات ہے کہ اس نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے اپنے لئے دعا کروائی کہ آپ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری نظر لوٹا دے۔ تو نبی علیہ السلام نے اس کو دعا سکھائی جس میں اسکو یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے آپ یہ دعا کریں کہ اللہ تمہارے بارے میں اپنے نبی کی سفارش کو قبول کرے۔

تو اس سے پس یہی ثابت ہو رہا ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کے حق میں (اپنی زندگی) میں سفارش کی اور اسکو یہ حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کی قبولیت کا سوال کرو۔

اور اس نابینا کا یہ کہنا کہ:

"اسئلك التوجه اليك بنبيك محمد نبي الرحمة"

"میں تجھ سے محمد ﷺ جو رحمت والے نبی ہیں کے ذریعے اپنی طرف متوجہ کرنے کا سوال کرتا ہوں"۔

تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ میں آپ ﷺ کی دعا اور آپ کی شفاعت کے ذریعے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ جیسے عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ یا اللہ ہم تیرے نبی کے ذریعے تیری قربت حاصل کر کے تجھ سے سوال کرتے تھے۔ تو دونوں حدیثوں میں لفظ (توجہ) اور (توسل) کا معنی ایک ہی ہے۔۔ دونوں میں اللہ سے یہی مطالبہ کیا گیا ہے کہ اپنے نبی کی سفارش ہمارے بارے میں قبول فرما۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا یوں کہنا کہ میں تجھ سے اللہ اور قرابت داری کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں یا قرآن کریم کی سورۃ النساء کی آیت کی وہ قراۃ جس میں (تساءلون به والارحام) یعنی تم اللہ کے نام پر سوال کرتے ہو اور قرابت داری کے نام پر۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس رشتہ داری کیوجہ سے تم سوال کرتے ہو یا میں تم سے رشتہ داری کیوجہ سے سوال کرتا ہوں۔ کیونکہ رشتہ داری تعلق رکھنے کو لازم کر دیتی ہے۔ اور انسان سے تقاضا کرتی ہے کہ اپنے قرابت داروں سے تعلق جوڑ کر رکھے۔

پس کسی شخص کا صلہ رحمی کے نام پر سوال کرنا دراصل دوسرے شخص کو صلہ رحمی کا واسطہ دیکر اس سے حقوق قرابت کی ادآئےگی یاد دلانا ہے۔ یہ صلہ رحمی کی قسم یا اس چیز کا وسیلہ نہیں جو مطلوب کا مقتضی نہ ہو بلکہ یہ وسیلہ مطلوب کا مقتضی ہے۔ جیسا کہ انبیاء سے دعاء کروانا۔ یا انکی اطاعت کرنا یا ان پر درود بھیجنا مطلوب کا مقتضی ہے۔ یعنی دعاء کی قبولیت کا تقاضا کرنے والے اعمال ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ مزید لکھتے ہیں:

"انبیا اور صالحین کا وسیلہ لینا دو طرح کا ہے۔ یا تو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کیساتھ وسیلہ لیا جاسکتا ہے۔ یعنی ان (انبیاء کی اطاعت کر کے اللہ سے دعا کی قبولیت کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ اور یا ان (انبیاء و صالحین) سے دعا کروائی جاسکتی ہے۔ اور ان سے ان کی زندگی میں شفاعت کروائی جاسکتی ہے)"۔

پس ان کی اطاعت کئے بغیر ان سے دعا کی امید رکھنا اور شفاعت کی امید رکھنا کسی شخص کیلئے فائدہ مند نہیں۔ اگرچہ ان کا مقام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ کے ہاں بہت ہی بلند کیوں نہ ہو۔ مسائل میں ہی بعض دیگر مقامات پر تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب سلف صالحین نے یہ مسئلہ کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے کسی مخلوق کا واسطہ دیکر دعا کی جائے اسکو رد کر دیا ہے تو جو مردہ مخلوقات کا واسطہ دیکر اللہ سے کسی حاجت کی پوری کرنے یا دیگر کسی مطالبے کا سوال کرے۔ جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں۔ یا کسی میت کی قبر کے پاس یا اسکی غیر موجودگی میں تو اسکو رد کیوں نہیں کرتے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ اس مسئلے میں لوگ تین فرقوں میں تقسیم ہوئے ہیں۔ ایک زیادتی کرنے والا گروہ۔ دوسرا کوتاہی کرنا والا گروہ۔ اور تیسرا میانہ روی اختیار کرنے والا معتدل گروہ ہے۔ مشرکین اور انکی موافقت کرنے والے اہل کتاب کے بدعتی جیسے نصاریٰ ہیں اور اس امت کے بدعتی جنہوں نے اللہ کی مخلوق کیلئے وہ شفاعت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے نفی کی ہے۔

خوارج اور معتزلہ نے قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کی اپنی امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کیلئے شفاعت کرنے کا انکار کیا ہے۔ بلکہ بدعتیوں کہ ایک گروہ نے کسی انسان کو کسی کی دعا کی شفاعت سے کوئی فائدہ پہنچنے کی ایسی نفی کی ہے جیسے کہ انہوں نے کسی انسان کو دوسرے کے صدقے یا روزہ رکھنے سے کوئی فائدہ پہنچنے کی نفی اور انکار کیا ہے۔ وہ شفاعت کے انکار کیلئے اس آیت سے دلیل لیتے ہیں:

﴿ مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ﴾ (البقرہ:۲۵۴)

"اس دن سے پہلے پہلے (صدقہ کرو) جس دن خرید و فروخت دوستی اور شفاعت نہیں ہوگی"۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے:

﴿ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ﴾ (غافر:۱۸)

"ظالموں کیلئے کوئی سرگرم دوست یا کوئی سفارشی نہیں ہوگا جسکی بات مانی جائے"۔

اس طرح کی دیگر آیتوں سے۔ جبکہ جو اس امت کے پہلے گزرے ہوئے نیک لوگ اور ائمہ کرام ہیں۔ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ تو انہوں نے اس شفاعت کو ثابت مانا ہے۔ جو نبی علیہ السلام سے صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ قیامت کے دن اپنی امت کے بڑے گناہ کرنے والوں کی شفاعت کریں گے اس طرح رسول اللہ ﷺ کی اور شفاعتیں یا آپ ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء ملائکہ کی شفاعت جو سنت صحیحہ سے ثابت ہیں اس کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ توحید کا عقیدہ رکھنے والا کوئی بھی جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیگا۔

اور اهل السنہ والجماعہ اس بات کے بھی قائل ہیں جو سنت (احادیث) سے ثابت ہے کہ ایک انسان کو دوسرے کی دعا اور شفاعت سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اسکی طرف سے صدقہ کرنے بلکہ علماء کے اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق اسکی طرف سے روزہ رکھنے سے بھی اسکو فائدہ پہنچتا ہے۔ جیسے کہ صریح اور صحیح آحادیث سے یہ ثابت ہے۔

(لیکن یہ صرف آدمی کی اولاد کی طرف سے اپنے والدین کیلئے روزہ رکھنے یا صدقہ کرنے کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ عمل وان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیس للانسان الاما سعی والی آیت سے معارض نہیں ہے اس لیے کہ اولاد بھی والدین کے کسب میں سے ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے۔

"اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کا اتباع کیا ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیں گے"

اور حدیث بھی ہے کہ آدمی جب مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے مگر تین اعمال جاری رہتے ہیں جن میں سے ایک نیک اولاد ہے جو مرنے والے کے لیے دعا کرتی ہے۔ (مسلم)

اسکی مزید تفصیل ہم نے اپنی تفسیر (المنار) سورۃ انعام کی آخر بیان کی ہے ("محمد رشید رضا")

علمائے سلف نے کہا ہے کہ شفاعت کرنے والا اللہ تعالیٰ سے ہی مطالبہ اور سوال کرتا ہے اور اللہ کے ہاں شفاعت کرنے کا فائدہ اسکی اجازت سے ہی ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"کون ہے جو اس کے ہاں اسکی اجازت کے بغیر شفاعت کرے"۔

اور فرمایا:

"وہ (فرشتے) شفاعت نہیں کرتے مگر ان کے لئے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو"۔

ایک اور مقام پر فرمایا۔

"اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جنکی شفاعت کچھ دفع نہیں کر سکتی مگر یہ کہ اللہ جس کے لئے اجازت دے اور جس سے راضی ہو جائے"۔

صحیح مسلم میں ہے کہ قیامت کے دن آدم علیہ الصلاۃ والسلام اور دیگر اولوالعزم رسل (نوح، ابراھیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام) سے شفاعت کے مطالبہ کئے جانے کے بعد جب آپ ﷺ سے شفاعت کا مطالبہ کیا جائے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت میں اللہ کے پاس جگہ سجدہ میں گر جاؤنگا اور اپنے رب کی وہ تعریفیں بیان کرونگا جو اس وقت مجھے سکھائی جائیں گی جو ابھی مجھے صحیح یاد نہیں ہیں۔

تو مجھے کہا جائے گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اٹھا کر بات کریں آپ کی بات سنی جائے گی۔ اور مانگ لیں تمہیں دیا جائے گا۔ اور شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہو گی۔ تو میں کہونگا اے میرے رب میری امت کو بچا میری امت کو بچا۔ میرے لئے لوگوں کی ایک خاص حد مقرر کی جائیگی جنہیں میں جنت میں داخل کراؤنگا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"آپ ان سے کہئے کہ پکارو ان کو جنہیں تم اللہ کے علاوہ (معبود) سمجھتے ہو۔ وہ تم پر سے کوئی تکلیف ہٹانے کا اختیار رکھتے ہیں نہ اسے دوسری طرف پھیرنے کا۔ وہ تو ایسے لوگ تھے جو (خود) اللہ کو پکارتے اور اس کی قربت حاصل کرنا چاہتے تھے کہ کون ان میں سے اللہ کے ہاں زیادہ قربت والا ہے۔ اور اسکی رحمت کی امید رکھتے تھے اور اسکے عذاب سے ڈرتے تھے۔ بے شک تیرے رب کا عذاب اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے"۔

سلف صالحین کی ایک جماعت نے کہا کہ کچھ لوگ عزیر کچھ مسیح علیہم السلام، کچھ فرشتوں کو پکارا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ آیت نازل فرمائی جس میں یہ واضح کر دیا کہ جنہیں تم پکارتے ہو یہ تو خود اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسکی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اسکے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ کہتے ہیں:

"اے اللہ کے رسول ﷺ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے مستفیذ ہونے والے خوش نصیب کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: میں یہی گمان رکھتا تھا کہ تیرے علاوہ مجھ سے یہ بات کوئی اور نہیں پوچھے گا۔ کیونکہ تم حدیثوں پر بہت حرص رکھتے ہو۔ میری شفاعت کے ذریعے قیامت میں خوش نصیب ہونے والا ہر وہ شخص ہوگا جو خالص اللہ کی رضا کی خاطر **لا الہ الا اللہ** پڑھے۔ آدمی اللہ کیلئے جتنی زیادہ اخلاص والا ہوگا وہ اتنا زیادہ شفاعت کا حقدار ہوگا۔ اور جس نے اپنا دل کسی مخلوق کے ساتھ جوڑ کر اس سے امید رکھی یا اس سے خوف رکھا تو یہ سب سے زیادہ میری شفاعت سے دور ہوگا"۔

پس مخلوق کے ہاں مخلوق کی شفاعت، شفاعت کرنے والے کے شفاعت کئے جانے والے کے ساتھ تعاون کے ذریعے ہوتی ہے۔ اور جس کے ہاں سفارش ہوتی ہے اس سے اجازت بھی نہیں مانگی جاتی بلکہ وہ یا تو جس کو سفارش کرتا ہے وہ اس سفارش کرنے والے کا محتاج ہوتا ہے یا وہ اس سفارش کرنے والے سے ڈرتا ہے۔ تو وہ مجبور ہوتا ہے کہ اسکی سفارش قبول کرے۔ اور اللہ تعالیٰ تو تمام عالم سے (بڑا) بے پرواہ ہے وہ اکیلا ہی تمام مخلوق کا نظام چلاتا ہے۔ تو اس کے ہاں کوئی بھی اسکی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکتا۔ وہ سفارش کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور اسے پھر قبول بھی فرماتا ہے۔ جیسا کہ وہ دعا کرنے والے کے دل میں کوئی دعا ڈال دیتا ہے پھر اسے قبول بھی کرتا ہے۔

تو اختیار سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اور جب بندہ اس کی مخلوق میں سے اپنے لئے سفارشی تلاش کرتا ہے۔ تو کبھی اللہ اس سفارش کرنے والے کی سفارش پسند نہیں کرتا۔ اور اگر اس کی سفارش کو پسند بھی کرے۔ تو پھر کبھی اللہ اسکو اجازت نہیں دیتا۔ اور جب اجازت نہ دے۔ تو کوئی سفارش کیسے کریگا؟ (اسلئے سفارش کی امید رکھنی چاہئے لیکن وہ بھی اسی شرعی طریقے کے مطابق جس کی شریعت نے اجازت دی ہے جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے) مترجم

ابن عبد الھادی اپنی کتاب (الصارم المنکی) میں کہتے ہیں۔

اسی طرح قبروں والوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ شیطان نے کبھی یہ امید نہیں رکھی تھی کہ وہ اس شرک میں لوگوں کو واقع کر دیگا۔ صحابہ کرام کے زمانے میں کسی نبی کی قبر نہیں تھی جس کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کیا جاتا۔ یا اس کے پاس جا کر دعا کی جاتی۔ یا اس سے برکت اور شفاعت کی امید رکھی جاتی۔ بلکہ تمام مخلوق سے افضل اور بہتر محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین کی قبر ان لوگو (صحابہ کرام) کے ہاں مدینہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں موجود تھی۔ لیکن کوئی شخص دعا مانگنے یا برکت کے حصول یا شفاعت کی امید سے اس کا قصد نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احسان کے ساتھ پیروی کرنے والے (تابعین) اور ان کے بعد ائمہ مسلمین نے بھی کسی نبی کی قبر کا سفر دعا کروانے کیلئے یا کسی حاجت طلب کرنے یا برکت کے حصول کیلئے نہیں کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سلف صالحین علماء نے جو اختلاف کیا ہے۔ وہ تو اس بارے میں ہے۔ کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر نبی علیہ الصلاۃ والسلام کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے تو بعض علماء نے صرف نبی علیہ السلام پر درود پڑھنے کیلئے کھڑے ہونے کی اجازت دی ہے۔ اور آپ ﷺ کیلئے اللہ سے دعاء مانگنے کیلئے آپ کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع کیا ہے۔

اور بعض نے درود پڑھنے کیلئے قبر پر کھڑے ہونے کی بھی اجازت دی اور نبی علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کیلئے قبر نبوی ﷺ کے پاس کھڑے ہونے کی بھی اجازت دی ہے۔ اور بعض علماء نے نہ دعا کیلئے کھڑے ہونے کی اجازت دی ہے۔ اور نہ درود پڑھنے کیلئے بلکہ دونوں سے منع کیا ہے۔ اور نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو پکارنا یا آپ سے بخشش کی دعا اور شفاعت طلب کرنا ائمہ مسلمین میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہیں۔ نہ ائمہ اربعہ سے اور نہ کسی اور امام سے۔ اسی طرح ابن عبد الھادی الصارم المنکی میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔ کہ ان (مالکیہ) میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے فوت ہونے کے بعد آپ ﷺ سے بخشش کی دعا کا مطالبہ یا کسی اور چیز کا مطالبہ مستحب ہے۔ بلکہ امام مالک سے جو قول منقول ہے یا اور آئمہ مالکیہ سے تو وہ اسکی مخالفت میں ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: کہ لوگوں پر جب عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط پڑا تو عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کروائی۔

صحیح بخاری میں ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے بارش مانگی فرمایا: اے اللہ یقیناً ہم پر پہلے جب قحط پڑتا تو ہم تیرے نبی کو وسیلہ بنا کر تجھ سے دعا مانگتے تو تو ہم پر بارش برسا دیتا۔ اب ہم تیرے نبی کے چچا کو وسیلہ بنا کر تجھ سے بارش مانگتے ہیں۔ انس کہتے ہیں کہ ان پر بارش نازل ہو گئی۔ تو عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ دیگر صحابہ و تابعین نے عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے بارش مانگی۔ جیسے صحابہ کرام نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی زندگی میں آپ ﷺ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے بارش مانگتے تھے۔ اور نبی علیہ السلام کے زمانے میں صحابہ کرام اللہ تعالیٰ سے نبی ﷺ کی دعا کے ذریعے بارش مانگتے تھے اور آپ رسول اللہ ﷺ ان کیلئے دعا کرتے تھے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ دعا کرتے تھے۔ جیسے امام اور مقتدی ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اسکی مخلوق کی قسم یا واسطہ دیکر اس سے سوال نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ آپس میں ان کیلئے یہ جائز نہیں کہ ایک دوسرے کو اللہ کی مخلوق کی قسم دیں۔

اور جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو انہوں نے عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء کو وسیلہ بنا کر اللہ سے بارش طلب کی۔ اسی وجہ سے فقہاء کہتے ہیں کہ نیک اور دین دار لوگوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرنا مستحب ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ یہ دیندار اور نیک لوگ نبی علیہ السلام کے خاندان میں سے ہوں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن الاسود الجرشی کی دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ ہم یزید بن الاسود کے ذریعے سے تجھ سے بارش مانگتے ہیں۔ اے یزید (بن الاسود) اپنے دونوں ہاتھ اٹھاؤ۔ تو یزید بن اسود نے دونوں اٹھا کر دعا کی یہاں تک کہ ان پر بارش نازل ہونے لگی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی نبی ﷺ یا کسی اور کی قبر کے پاس جا کر یا اس نبی یا قبر والے کا وسیلہ لیکر اللہ سے

www.KitaboSunnat.com

بارش نہیں مانگتا تھا۔

اسی طرح ابن عبد الھادی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: جان لو کہ شارح کا یہ کہنا درست ہے کہ مردے سے کوئی فائدہ حاصل کرنا(یہ نظریہ) بدعت ہے۔اور یہی شریعت میں جائز اور ناجائز زیارت کے درمیان فرق کا راز ہے۔

کیونکہ جس زیارت کو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز قرار دیا ہے۔اسکا مقصد میت کو نفع پہنچانا اور اس پر احسان کرنا ہے۔اور یہ کہ اس کی قبر پر اسی طرح دعا و استغفار اور رحمت کی دعائیں کرے جس طرح اس کے جنازے پر کی جاتی ہیں۔اسلئے کہ اس میت کے اعمال تو منقطع (بند) ہوگئے۔اور وہ زندوں کیطرف سے جو اعمال میت کو پہنچ سکتے ہیں ان کا محتاج ہو گیا۔اسی وجہ سے اس کی زیارت کے وقت وہ دعاء پڑھی جاتی ہے جو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی امت کو سکھائی کہ وہ قبروں کی زیارت کے وقت یہ دعاء پڑھیں (اگرچہ یہ قبروں والے اولیاء اللہ اور اللہ کے برگزیدہ بندے ہی کیوں نہ ہوں)

"السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء الله بکم لاحقون یرحم الله المستقدمین منا و المستاخرین نسال الله لنا ولکم العافیة، اللهم لا تحرمنا اجرهم ولا تفتنا بعدهم، واغفر لنا ولهم"

"اے ان گھروں (قبروں) والو تم سے جو مومن اور مسلمان ہیں ان پر سلام ہو اور اگر اللہ چاہے تو ہم تم سے ملنے والے (فوت ہونے والے) ہیں اللہ ہم میں سے آگے جانے والے اور پیچھے رہنے والوں پر رحم کر ہم اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔اے اللہ ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ رکھنا اور ان کے بعد ہمیں فتنے میں نہ ڈالنا اور ان کو بخش دے"۔

تو یہ ان دعاؤں کی ایک قسم ہے جو میت کی نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہیں۔یہ دعا میت کے وسیلے سے یا میت کے ہاں مانگی جانے والی نہیں ہے۔

پس تین ہی مقامات ہیں۔اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے امت کیلئے جو مشروع قرار دیا ہے وہ میت کی نماز جنازہ میں اسکے لئے دعاء ہے یا اسکی قبر کی زیارۃ کے وقت۔لیکن اس کے وسیلے سے یا اس کی قبر کے (قرب) کی نیت نہیں۔یہی اللہ کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت ہے جس پر فیصلہ کیا جاتا ہے اور اس سے مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔اس کے علاوہ کسی فیصلے کیطرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے چاہے کوئی بھی ہو۔

اور زیارت کرنے والے کو قبر کی زیارت سے جو فائدہ ملتا ہے۔وہ میت سے نہیں۔بلکہ اس کے اپنے عمل سے ملتا ہے۔اور وہ عمل اسکی قبر کی زیارت اور میت کیلئے دعا اور رحمت کا سوال اور اسکے ساتھ بھلائی ہے۔جیسا کہ کوئی دنیا میں کسی سے بھلائی کرنے سے فائدہ لیتا ہے۔اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ میت کے مرنے کے بعد اسکا وہ عمل منقطع (بند) ہو جاتا ہے جس سے وہ اپنے آپکو فائدہ پہنچاتا تھا۔اس کے صرف ان اعمال کا فائدہ اسکو اسکے مرنے کے بعد پہنچتا رہیگا جو اس کی زندگی میں جاری رہنے والے اجر و ثواب کا باعث بنے تھے۔جیسے صدقہ جاریہ ہے، علم سکھانا ہے۔اور نیک اولاد کی دعا ہے۔پس جب میت کے اپنے کئے ہوئے نیک اعمال اسکے مرنے کے بعد بند ہو جاتے ہیں اور ان کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔تو مرنے کے بعد اس کے زندگی کے نیک اعمال دوسرے کیلئے کیسے باقی رہ سکتے ہیں؟ جبکہ وہ تو دوسرے نے کئے ہی نہیں۔تو اس کے اعمال سے زندہ لوگوں کو فائدہ پہنچنا تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باطل ہی ہے۔

اور جس نے میت (کی قبر) کی زیارت کو فقیر آدمی کی کسی غنی اور مالدار آدمی کی زیارت کے مشابہ قرار دیا ہے۔ تا کہ اس سے کچھ فائدہ اور خیر مل جائے۔ تو یہ تو بہت باطل اور حقیقت کے بر خلاف بات ہے۔ اور شریعت کے بھی بر عکس ہے۔ کیونکہ اگر میت کی قبر کی زیارت کا مقصد یہ ہو تا کہ اس میت سے کوئی فائدہ حاصل کیا جا سکے۔ تو میت کے سامنے عاجزی دکھانا اور اس سے مانگنا جائز ہو تا لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کی اس عقیدہ توحید کے کھلی مخالفت ہے۔ جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی ہے۔ اس کو صرف بدعت کہنا کافی نہیں بلکہ یہ تو شرک کا دروازہ کھولنا اور اس تک اسکے کسی مقرب کا وسیلہ پکڑنا ہے۔ جو کہ بت پرستی کی اصل بنیاد ہی یہی ہے۔

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝﴾ (نوح:۲۳)

"اور انہوں (نوح علیہ السلام کی قوم) نے (ایک دوسرے سے) کہا کہ اپنے معبودوں کو مت چھوڑو۔ نہ ود کو چھوڑنا۔ نہ سواع کو نہ یغوث کو۔ نہ یعوق کو۔ اور نہ نسر کو"۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

"کہ یہ لوگ ان کی قوم کے نیک اور صالحین تھے۔ جب یہ فوت ہوئے تو اس قوم کے لوگوں نے انکی قبروں کے پاس بیٹھنا شروع کر دیا پھر ان کے مجسمے بنائے۔ جب کچھ عرصہ گزرا تو پھر ان کو پوجنا شروع کر دیا۔ تو مردوں سے فائدہ لینے کے نظریے نے ان کو بت پرستی پر لگا دیا"۔

ابن عبد الہادی مزید لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کوئی اپنے اختلافی مسائل کے حل تلاش کرنے کیلئے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر پر آپ ﷺ سے پوچھنے کیلئے نہیں گیا۔ نہ خلفائے راشدین نہ کوئی اور صحابی، باوجود اسکے کہ وہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے خاص تابعدار تھے۔ حتیٰ کہ فاطمہ رضی اللہ عنھا بنت الرّسُول ﷺ بھی کسی مسئلے کے حل کیلئے اپنے محترم والد نبی اکرم ﷺ کی قبر پر نہیں گئیں، شیطان کو ان سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ بارش مانگنے کیلئے یا مدد طلب کرنے کیلئے یا کوئی مسئلہ حل کرنے کیلئے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر پر جانے کا شیطانی وسوسہ مان لیں گے۔

نہ ہی شیطان کو صحابہ کرام کے بعد قرون ثلاثۃ (خیر القرون) سے یہ امید تھی۔ یہ گمراہیاں تو ان میں پیدا ہوئیں جن کو توحید و سنت کا بہت کم علم حاصل تھا۔ تو شیطان نے ان کو گمراہ کر دیا۔ جیسے نصاریٰ کو ان کی کم علمی کی وجہ سے کئی باتوں میں گمراہ کر دیا تھا۔

اسی ابن عبد الہادی نے اسی کتاب (الصارم المنکی) میں لکھا ہے کہ: نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی امت کو یہ حکم نہیں دیا ہے کہ جب کسی کو کوئی حاجت ہو تو وہ کسی نبی یا کسی اور نیک انسان کی قبر پر جا کر وہاں نماز پڑھے اور دعا کرے۔ یا صرف دعا مانگے یا اس قبر والے سے اپنی حاجت مانگے۔ یا اس قبر والے سے یہ التجا کرے کہ وہ اللہ کے سامنے اس کے حاجت پیش کرے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جانتے تھے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو اس طرح کی کسی چیز کا حکم نہیں دیا اور نہ انہیں یہ حکم دیا کہ نبی کی قبر کو یا آپ کے حجرے کو نماز یا دعا کیلئے خاص کر دیں نہ نبی کیلئے دعا مانگنے کے ساتھ نہ اپنے لئے بلکہ آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے تو ان کو اس بات سے منع کیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے گھر (قبر) کو عید (میلہ لگانے کی جگہ) بنائیں۔ آپ ﷺ نے کبھی ایسا نہیں کہا جیسا کہ بعض جاہل پیر و مرشد اور صوفی کہتے ہیں کہ جب تمہاری کوئی حاجت ھو تو میری قبر پر آؤ بلکہ آپ نے تو اس سے بھی بڑی سختی سے منع کیا کہ آپ ﷺ کی قبر یا کسی اور کی قبر کو مسجد یا (سجدہ کرنے کی جگہ) بنایا جائے جس میں اللہ کیلئے نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ تاکہ شرک کا راستہ بند ہو۔

اسی کتاب میں ابن عبد الھادی نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ تھا کہ ان میں سے جس سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو جاتا جس سے توبہ کرنا لازم ہوتا تو وہ آکر نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے کہتا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نے اس طرح کا کام کیا ہے۔ آپ میرے لئے اللہ سے معافی مانگ لیں۔ یہ صحابہ کرام اور منافقوں کے درمیان ایک فرق تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنے پاس بلالیا اور صحابہ کرام کے درمیان میں سے آپ اپنے عزت واکرام والے گھر کی طرف منتقل ہوئے۔ تو اس کے بعد صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر پر آکر یہ نہیں کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے اس طرح کا کام کیا ہے۔ آپ میرے لیے اللہ سے معافی مانگ لیں۔ اور جس نے صحابہ کرام میں سے کسی کی طرف ایسی بات منسوب کی ہے تو اس نے واضح جھوٹ اور بہتان باندھا ہے۔ ابن عبد الھادی نے ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک سے بھی کبھی یہ ثابت نہیں کہ وہ نبی علیہ السلام کی قبر کے پاس بخشش کی دعا کروانے کیلئے یا شکوہ کرنے یا کچھ مانگنے آیا ہو۔

حافظ ابن القیم اپنی کتاب اغاثۃ اللھفان میں لکھتے ہیں:

> "رسول اللہ ﷺ نے جو قبروں کی زیارت کو جائز اور مشروع قرار دیا ہے۔ وہ دراصل آخرت کی یاد اور اس قبر والے میت کیساتھ احسان ہے کہ اس کیلئے دعا اور رحمت کا سوال اور اللہ سے اس کے لئے بخشش کی دعا اور عافیت کا سوال کیا جاتا ہے۔ تو اس صورت میں جو قبر کی زیارت کرنے والا ہے وہ اپنے ساتھ بھی احسان کر رہا ہے اور میت کے ساتھ بھی۔ لیکن ان مشرکوں نے یہ معاملہ الٹ کر دیا انہوں نے قبروں کی زیارت کا مقصد یہ بنا دیا کہ میت کو اللہ کا شریک کر دیا اور اپنی حاجات اس میت سے مانگنے لگے۔ تو اس طرح انہوں نے اپنے ساتھ برائی کی اور میت کے ساتھ بھی برا کیا۔ اسی طرح اسی کتاب (اغاثۃ اللھفان) میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ اھل بدعت اور اھل الشرک نے وہ بات بدل ڈالی جو ان سے کہی گئی تھی، انہوں میت کیلئے اللہ سے دعا کرنے کو اپنے لئے میت سے دعا کرنے سے بدل ڈالا۔ اور میت کیلئے اللہ کے ہاں سفارش کرنے کو اپنے لئے میت سے سفارش طلب کرنے سے بدل دیا۔ اور وہ زیارت جو آخرت کی یاد کیلئے تھی اور میت سے احسان کرنے (اسکے لئے دعا کرنے) کیلئے تھی۔ اس کو میت سے مانگنے اور اللہ تعالیٰ کو اس میت کی قسم دینے میں بدل دیا"۔

مردوں کو پکارنا یا انکی قبروں کے پاس اللہ سے دعا کرنا اسی طرح مردوں سے اپنے لئے شفاعت کا مطالبہ کرنا کیسے جائز اور نیک عمل ہو سکتا ہے؟ جبکہ خیر القرون کے لوگ (صحابہ، تابعین، اتباع تابعین) جن کی فضلیت زبان نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔ پر عمل پیرا نہیں تھے، تو بعد میں آنے والے لوگ اس طرح کرنے سے کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں؟ وہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ اور وہ کچھ کرتے ہیں جن کے کرنے کا حکم نہیں ہوا۔ اسی طرح ابن القیم مزید فرماتے ہیں: اگر قبروں کے پاس دعا کرنا اور قبروں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے برکت حاصل کرنا کوئی فضیلت والا کام ہوتا۔ تو مہاجرین اور انصار (صحابہ کرام) اس قبر (قبر نبوی ﷺ) پر ایک جھنڈا نصب کرتے اور اس پر آکے دعائیں کرتے۔ کیونکہ وہ ہر خیر کی طرف سبقت کرنے والے تھے۔ اسی طرح ان کے زمانے میں مختلف شہروں میں کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبریں موجود تھیں۔ لیکن انہوں نے کسی صحابی کی قبر پر جاکر فریاد نہیں کی۔ نہ ان میں سے کسی کی قبر سے دعا مانگی۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کیلئے کسی صحابی کی قبر پر گئے۔ نہ ان کی قبروں پر جاکر شفاعت کا مطالبہ کیا۔ اگر ان میں سے کوئی ایسا کرتا تو ضرور وہ ان سے نقل ہوتا (لیکن ان میں سے کسی سے ایسا کوئی عمل منقول نہیں ہے) تو کیا یہ اچھے کام ہو سکتے ہیں جن کے کرنے سے خیر دن القرون محروم ہوگئے اور ان کو ایسے کاموں کا علم نہ ہو سکا؟ اور بعد والوں کو اس کا علم ہوا اور وہ ان کو ایسے کاموں کی توفیق نصیب ہوئی؟ یا ان (خیر القرون) کو ان اعمال کے اچھا ہونے کا علم تھا۔ لیکن وہ اچھے اعمال کا شوق نہیں رکھتے تھے؟ حالانکہ وہ (خیر القرون) تو سب سے زیادہ نیکی کے حریص تھے۔ اور خیر کے کام کے متلاشی تھے ان (صحابہ و تابعین) کا مذکورہ بالا اعمال میں سے کوئی عمل نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس طرح کے اعمال شریعت کے منافی ہیں۔ ہر انسان دعا کرنے کا محتاج ہے خاص کر جب کوئی بڑا حادثہ یا مصیبت آجائے تو ان (صحابہ و تابعین) پر بڑے بڑے حادثات اور مصیبتیں آنے کے باوجود اس طرح کے اعمال نہ کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مذکورہ سارے اعمال شریعت کے خلاف ہیں۔ الشیخ محمد بن عبد الوھاب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (الرد علی اھل مکۃ) میں لکھتے ہیں کہ جب ہم جنازہ پڑھ رہے ہوتے ہیں تو ہم میت کیلئے اللہ سے دعا مانگتے ہیں۔ اس میت سے اپنے لئے نہیں مانگتے۔ اور اس میت کی سفارش اللہ کے ہاں کرتے ہیں۔ اس میت سے اپنے لئے سفارش نہیں کرواتے۔ تو اس کو دفن کرنے کے بعد زیادہ لائق ہے۔ ہم اس کیلئے دعا کریں نہ کہ اس سے دعا مانگنا شروع کر دیں۔ لیکن مشرکین نے وہ قول بدل دیا جو ان سے کہا گیا تھا۔ انہوں نے میت کیلئے دعا کرنے کو بدل کر میت سے دعا مانگنا شروع کر دی۔ اور میت کیلئے سفارش کرنے کے بجائے میت سے اپنی سفارش کرواتے ہیں۔

اس کتاب میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔ کہ تابعین کے ہاں تمام شہروں میں بہت سے صحابہ کرام کی قبریں موجود تھیں۔ لیکن ان میں سے نہ کسی نے قبر کے ہاں اللہ سے فریاد کی ہے۔ نہ دعا کی۔ اور نہ اس قبر والے کے وسیلے سے بارش مانگی۔ اور نہ اس کے وسیلے سے مدد مانگی۔ اور نہ صحابہ کرام میں سے کسی نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی قبر پر یا کسی اور نبی کی قبر پر جاکے فریاد کی ہے۔ اور نہ انہوں نے دعا کیلئے یا نماز کیلئے کسی نبی کی قبر پر جانے کا ارادہ کیا ہے۔

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب ہی کے ایک مختصر رسالہ میں ہے کہ ہم اولیاء اللہ کے کرامات اور ان کے احترام کے منکر نہیں ہیں۔ بلکہ ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ جب تک وہ شریعت کے راستے اور اللہ کے مقرر کردہ قوانین کے پیروی کرتے رہیں تو وہ ہدایت پر تھے۔ لیکن وہ اس لائق نہیں کہ ان کی پوجا (عبادت) کی جائے۔ نہ ان کی زندگی میں وہ عبادت کی کسی قسم کے مستحق تھے نہ مرنے کے بعد۔ اور ہم اس بات کے قائل ہیں کہ اولیاء اللہ بلکہ ہر مسلمان جب تک زندہ ہو ان سے دعا کروائی جا سکتی ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ مسلمان کی دعا اپنے (مسلمان) بھائی کے حق میں قبول کی جاتی ہے۔

(احمد، مسلم، ابن ماجہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے عمر اور علی رضی اللہ عنہما سے کہا تھا کہ اپنے لئے اویس قرنی سے بخشش کی دعا کروا دو۔ تو انہوں نے اویس سے دعا کروائی۔ اور ہم قیامت کے دن نبی ﷺ کی شفاعت کرنے کے بھی قائل ہیں۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے ہی اس سفارش (شفاعت) کا سوال کرتے ہیں۔ جو اس کا مالک (اختیار رکھنے والا) اور جسے چاہے اس اسکی اجازت دینے والا ہے۔ اور موحدین ہی اس سفارش کی سعادت حاصل کرنے والے ہیں۔ (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ہمارے بارے میں قیامت کے دن ہمارے نبی کی سفارش کو قبول فرما۔ یا یہ کہ اے اللہ ہمارے بارے میں صالح بندوں یا اپنے فرشتوں کی سفارش کو قبول فرما۔ یا ایسے دوسرے الفاظ جن میں اللہ تعالیٰ سے ہی التجا کی جاتی ہو۔

البتہ یوں نہیں کہا جا سکتا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا اے اللہ کے ولی میں تجھ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں۔ یا میری پریشانیوں میں میری مدد کر دیں۔ یا میرے دشمن کے مقابلے میں میرا ساتھ دیں۔ یا اس طرح دیگر چیزوں کا مطالبہ کرنا جن پر صرف اللہ ہی قادر ہے۔ اور اگر کوئی ان چیزوں میں سے کوئی چیز کسی صالح انسان یا کسی نبی اور ولی سے برزخ کے ایام (ان کے دنیا سے جانے کے بعد) مانگ لے۔ تو یہ شرک کی قسموں میں سے ہو گا۔ کیونکہ اس کے جواز کے بارے میں نہ کتاب وسنت سے دلیل ہے اور نہ سلف الصالحین نے اسکی کوئی تعلیم و ترغیب دی ہے۔ بلکہ کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اجماع کے مطابق مذکورہ طریقہ سے سوال کرنا شرک اکبر میں سے ہے۔ جس کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے جنگیں لڑی ہیں۔

شیخ دحلان نے کہا: یہ لوگ (رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ سے شفاعت کا مطالبہ کرنے سے منع کرنے والے) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (البقرہ:۲۵۵)

"اور کون ہے جو اللہ کے ھاں سفارش کرے مگر اس کی اجازت سے"۔

اور اس فرمان سے:

﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ﴾ (الانبیاء:۲۸)

"اور سفارش نہیں کر سکتے مگر ان کیلئے جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا ہو"۔

سوال: دلیل لیتے ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے شفاعت کا مطالبہ کرنے والا یہ نہیں جانتا کہ نبی ﷺ کو اجازت ملی ہے کہ اس بندے کی شفاعت کریں۔ تو وہ جانتا ہے کہ یہ بندہ ان میں سے ہے جنہیں اللہ نے پسند کیا ہے تو شفاعت کیسے طلب کرتا ہے؟

شیخ بشیر: میں کہتا ہوں کہ نبی علیہ الصلاۃ کی وفات کے بعد آپ سے شفاعت کا مطالبہ کرنے سے منع کرنے والوں کی دلیل یہی مذکورہ آیتیں ہیں۔ لیکن ان (منع کرنے والوں) میں سے کسی کو میں نے نہیں دیکھا کہ انہوں یہ باتیں ذکر کی ہوں جو شیخ دحلان نے اپنے رسالے میں ذکر کی ہیں۔ یہ ان کی اپنی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔

شیخ دحلان: ان لوگوں (مانعین طلب شفاعت بعد وفات النبی ﷺ) کا یہ استدلال مردود ہے ان صحیح اور صریح احادیث سے جن میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو تمام اھل ایمان کیلئے شفاعت کی اجازت ملنے کا ذکر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ بشیر: اگر شیخ دحلان کا مطلب یہ ہو کہ ان صحیح احادیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ قیامت کے دن نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو ایمان والوں کی شفاعت کی اجازت ملے گی۔ تو اس کا انکار اھل السنتہ والجماعتہ میں سے کوئی نہیں کرتا۔ لیکن اگر ان کا مطلب یہ ہو کہ صحیح احادیث میں یہ صراحت ہے کہ ابھی سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو قیامت کے دن مومنوں کی سفارش کی اجازت ملی ہے تو بات درست نہیں۔ صحیح حدیثوں کا ہونا تو دور کی بات ہے۔ اس دعوے کی تائید کیلئے ایک صحیح حدیث تو کجا ضعیف حدیث بھی نہیں ہے۔

شیخ دحلان: کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام آذان کے بعد دعائے وسیلہ پڑھنے والوں کیلئے اور امت کے گناہگاروں کیلئے شفاعت کریں گے۔

شیخ بشیر: ان احادیث سے تو صرف شفاعت کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ ابھی سے نبی علیہ السلام کو اس کی اجازت ملی ہے یا نہیں ملی۔

شیخ دحلان: اس تمام تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ شفاعت نبی علیہ الصلاۃ والسلام کیلئے ثابت ہے۔ اور آپ کو اس کی اجازت ہر اس شخص کیلئے ملی ہے جو ایمان کی حالت میں فوت ہو جائے۔

شیخ بشیر: میں کہتا ہوں کہ قیامت کے دن نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا اہل ایمان کیلئے شفاعت کرنا اور اسکی اجازت کا آپ ﷺ کو ملنا تو تسلیم شدہ مسئلہ ہے اہل السنت والجماعت میں کوئی اس کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن قیامت کے دن ہونے والی شفاعت کی اجازت کا ابھی سے مل جانا اس کا ثبوت تسلیم شدہ نہیں ہے۔

شیخ دحلان: شفاعت کا مطالبہ کرنے والا گویا کہ اللہ کی طرف نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو بطور وسیلہ پیش کرتا ہے کہ میرے ایمان کو مرتے دم تک محفوظ رکھ تاکہ میں نبی علیہ السلام کی شفاعت کا اہل بن جاؤں۔

شیخ بشیر: اس طرح کی شفاعت مانگنے کی شکل یہ ہوگی کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے بعد کوئی آپ کی قبر کے پاس یا اس سے دور یہ کہے کہ (اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے شفاعت کریں یا کہے کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں آپ کی شفاعت کا سوال کرتا ہوں) تو اس کے جواز میں پہلے ہی اختلاف ہے۔ لیکن اس طرح کے الفاظ وسیلہ پکڑنے پر کسی طرح بھی دلالت نہیں کرتے (نہ دلالت مطابقی تضمنی اور نہ التزامی) اور اس طرح کہنے والے کا مقصد اگر صرف وسیلہ پکڑنا ہو جیسے کہ شیخ دحلان کا خیال ہے تو اس کو پھر یوں کہنا ہے کہ (اے اللہ محمد ﷺ پر رحمتیں نازل فرما اور ہمیں آپ ﷺ کی شفاعت میں قیامت کے دن شامل کردے۔ یا اس طرح کے دیگر الفاظ۔ بہر حال جو تاویل صاحب کتاب (دحلان) نے بیان کی ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

www.kitabosunnat.com

شیخ دحلان: زیارت اور توسل کے منکرین یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ میت کو اور جمادات (بے جان) کو آواز دینا منع ہے اور کہتے ہیں کہ ایسا کرنا (میت اور بے جان کو آواز دینا) کفر اور شرک ہے اور غیر اللہ کی عبادت ہے۔

شیخ بشیر: میں کہتا ہوں کہ میت اور جمادات (بے جان) اور اسی طرح غائب کو آواز دینے سے جو منع کرتے ہیں ...

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شرطوں پر منع کرتے ہیں۔

1 یہ کہ آواز حقیقی پکار ہو مجازی نہ ہو۔ (اس سے سننے کی امید ہو)

2 یہ کہ اس پکارے جانے والے سے ایسے کام کی امید رکھی جائے جس کے کرنے پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہو۔ جیسے کوئی نفع حاصل کرنا یا کوئی تکلیف ہٹانا۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ اے میرے آقا میرے بیمار کو شفا دے۔ اور مجھے اولاد دیدے۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح کی پکار دعا ہی ہے۔ اور دعا عبادت ہے۔ تو اس کے کفر اور شرک ہونے میں مسلمان کیسے شک کر سکتا ہے؟ اور اسکے غیر اللہ کی عبادت ہونے میں کیا شک ہے؟ اور اگر اس پکار سے مقصد یہ ہو کہ جس میت یا جماد یا غائب کو پکارا جاتا ہو در حقیقت اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں دعاء کرنے کا مطالبہ کرنا ہو کہ پکارنے والوں کیلئے وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ تو اس صورت میں میت کو اس کی قبر سے دور سے پکارنے یا غائب کو پکارنے سے اس میت یا اس غائب کے علم غیب جاننے کا عقیدہ اپنانا پڑیگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو عالم الغیب ماننا بھی شرک اور کفر ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ایسا کرنا دین کے اندر نئے ایجاد کئے گئے کاموں میں سے بھی ہے۔ پس اس نیت سے میت یا بے جان کو آوازیں دینا (ان کو پکارنا) اگر کفر و شرک نہ بھی ہو تو کم از کم بدعت، بے وقوفی اور حماقت تو ضرور ہے۔ اور اگر میت یا بے جان کو پکارنے میں نہ کسی نفع حاصل کرنے کی نیت ہو نہ کسی تکلیف ہٹانے کی اور نہ اس سے اللہ کے ہاں دعا کروانا مقصود ہو تو میت اور بے جان کو ایسی حقیقی آواز دینا اور انہیں حقیقت میں پکارنا پاگل پن اور بے وقوفی ہے۔ اور اگر مجازی پکار ہو یعنی صرف خیالی اور فرضی پکار ہو تو اس سے کوئی منع نہیں کرتا۔

شیخ دحلان: ہماری طرف سے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ندا (پکار) کو دعا بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُم بَعْضًا﴾ (النور:٦٣)

"اور رسول اللہ ﷺ کی پکار کو آپس میں ایک دوسرے کی پکار کی طرح مت سمجھو۔"

لیکن پکار کو عبادت نہیں کہا جاتا۔ لہٰذا ہر پکار عبادت نہیں ہے اگر ہر دعا اور ہر پکار عبادت ہوتی تو مردوں اور زندوں سب کو پکارنا اس میں شامل ہوتا۔ اور سب کو پکارنا مطلق طور پر منع ہوتا۔ چاہے مردوں کو پکارنا ہو یا زندوں کو، جانداروں کو پکارنا ہو یا بے جان چیزوں کو، جبکہ ایسا نہیں ہے۔

شیخ بشیر: آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ ندا بغیر اللہ (اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارنے) سے منع کرنے والے مطلق (ہر قسم کی) پکار سے منع نہیں کرتے بلکہ اس پکار سے منع کرتے ہیں جس میں پکارے جانے والے سے ایسے کاموں کی امید رکھی جاتی ہو جن پر اللہ کے علاوہ کوئی اور قادر نہ ہو۔ کوئی نفع حاصل کرنا یا تکلیف کو دور کرنا ہو۔ تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ عبادت ہے اور اسکے عبادت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر قسم کی پکار منع ہے۔ جس سے یہ معنی لیا جائے کہ کسی زندہ شخص کو اس کام کیلئے پکارنا جو اس کی قدرت اور طاقت میں ہو یہ جائز نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: ندا (پکار) تو اس صورت میں عبادت ہے جب پکارے جانے والے کو الٰہ سمجھا جائے یا اس کے عبادت کے مستحق ہونے کا عقیدہ رکھا جائے۔ تو اس کی طرف لوگ رغبت اور شوق لے کے آتے ہیں اور اس کے سامنے جھکتے ہیں۔

شیخ بشیر: اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کسی کو حقیقی پکار کے ساتھ پکارتا ہے اس پکارے جانے والے سے ایسے کام کی امید وابستہ کرتا ہے جو کام اللہ کے علاوہ کسی اور کی قدرت میں نہ ہو مثلاً (کوئی نفع حاصل کرنا یا کوئی تکلیف ہٹانا) تو اس کا درحقیقت یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ پکارا جانے والا عبادت کے لائق ہے۔

پکارنے کی دو قسمیں ہیں:

1 عبادت کے طور پر پکارنا۔

2 عادت کے طور پر پکارنا۔

عادتاً پکارنا وہ ہے کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو ان کاموں کے لیے پکارتے ہیں (استدعا اور درخواست کرتے ہیں) جن کی وہ قدرت رکھتے ہیں اور یہ قدرت ان اسباب کو حاصل کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے جو اللہ نے انسانوں کے تابع کیے ہیں۔

جبکہ عبادت کے طور پر پکارنا وہ ہے جو اسباب سے ماوراء ہو اور ان امور میں ہو جن کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہے۔

لغت میں الٰہ اس کو کہا جاتا ہے جسے اس دعا کے ساتھ پکارا جائے جو عبادت کا مغز ہے۔ اب یہ دعا کی جائے یا عبادت کے دیگر وہ امور جو تقرب کا ذریعہ ہیں مثلاً نذر، تعظیم، قولی یا عملی تو ان سب کے کرنے کا باعث وہ عقیدہ ہے جو کسی غیر موجود کی قدرت کا رکھا جاتا ہے کہ وہ نفع پہنچانے یا ضرر رفع کرنے پر قادر ہے اور یہ قدرت اسباب کی محتاج نہیں ہے۔ اور نہ اللہ کی طرف سے تاثیر کی اس میں ضرورت ہے۔

قریش کی اپنے معبودوں کے لیے عبادت یہ دوسری قسم والی تھی یعنی ان کو پکارا جاتا تھا کہ وہ اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کریں اور ان کو اللہ کے قریب مرتبہ میں کر دیں۔ جیسا کہ قرآن کے نصوص سے واضح ہے۔ شیخ دحلان جیسے لوگ جو شرک (کو جائز کرنے کے لیے) تاویلات کرتے ہیں۔ وہ عبادت اور الوہیت کے معنی سے لاعلم ہیں۔ یہ اس بات میں فرق نہیں کر پاتے کہ کسی مخلوق کو دعا یا نذر کے ذریعے یا پکارنے کے ذریعے الٰہ بنایا جائے یا اس کا نام الٰہ رکھا جائے چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ شرک وہ ہے کہ کسی مخلوق کو الٰہ کہا جائے۔ اور اگر کسی کو دعا وغیرہ کے ذریعے پکارا گیا مگر اس کو (زبان سے) الٰہ نہیں کہا گیا تو اس فعل کا مرتکب مشرک نہیں ہوگا۔ اور اگر عبادت کا نام وسیلہ رکھ دیا گیا تو یہ عبادت نہیں کہلائے گی۔ جبکہ عرب کے ہاں ان معانی کو ان کے ناموں سے ہی پہچانا جاتا ہے اس لیے کہ ان کہ لغت ہی ان کے لیے (اس معاملے) طریقہ اور سلیقہ وضع کرتی ہے۔ یہ تفصلات ہم نے اپنی تفسیر المنار میں جابجا بیان کی ہیں۔ (محمد رشید رضا)

اگر اسکا یہ عقیدہ نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی اسکو نہ پکارتا۔ اور یہی پکارنا دعا ہے۔ جو عبادت کی اقسام میں سے ہے۔ کوئی ایسا قول یا فعل جو عبادات میں سے شمار ہوتا ہو۔ مطلق طور ایسے قول یا فعل کا کرنا عبادت ہے۔ چاہے جس کیلئے وہ یہ قول یا فعل کر رہا ہے اس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الوہیت کا عقیدہ ہو یا نہ ہو۔ اور جو اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے اس کی وضاحت اسکے ذمے ہے۔

شیخ دحلان: جو شرک میں واقع کرنے والی ندا (پکار) ہے اس میں غیر اللہ کی الوہیت کا عقیدہ ہوتا ہے۔ یا غیر اللہ کے ہاتھ میں اثر رکھنے کا عقیدہ ہوتا ہے۔

شیخ بشیر: اس کا جواب دو طرح کا ہے۔

پہلا جواب یہ ہے: جس مسئلے میں ہماری بات چل رہی ہے اس میں غیر اللہ کی الوھیت کا عقیدہ اور غیر اللہ کو عبادت کا لائق سمجھنا ثابت اور موجود ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بات مسلمہ نہیں ہے کہ (کوئی فعل یا کوئی قول یا کوئی عقیدہ جو کہ عبادات میں سے ہو اس کا ارتکاب اس وقت تک شرک نہیں جب تک اس کے ساتھ غیر اللہ کو الٰہ نہ مانا جائے)

بلکہ ہر وہ فعل یا قول یا عقیدہ جو عبادات میں سے شمار ہو جیسے دعا ہے، ذبح ہے، نذر ماننا ہے، خوف اور امید ہے، جھکنا، اور توکل ہے ان سب کا ارتکاب انسان کو شرک میں واقع کرتا ہے۔ چاہے غیر اللہ کی الوہیت کا عقیدہ ہو یا نہ ہو (کیونکہ ان اعمال کا اللہ کے علاوہ کسی اور کیلئے بجالانا ہی اسکو الوھیت کا درجہ دینا ہے)

شیخ دحلان: بہت سی احادیث میں مردوں اور بے جان چیزوں کو پکارنا ثابت ہے۔

شیخ بشیر: احادیث میں مردوں یا بے جان چیزوں کو حقیقی طور پر پکارنا (جس میں پکارے جانے والے سے ایسی چیز کا مطالبہ کیا گیا ہو جس پر اللہ کے علاوہ کوئی اور قادر ہی نہ ہو) کہیں بھی ثابت نہیں اور جو اسکا دعویٰ کرتا ہے وہ ثبوت پیش کرے۔

شیخ دحلان: ندا بغیر اللہ کے منکرین کا یہ کہنا کہ ہر پکار دعا ہے اور ہر دعا عبادت ہے۔ یہ قول مطلق طور پر اپنے عموم کے ساتھ درست نہیں ہے۔

شیخ بشیر: اس کلیے کا مطلق طور پر اور عموم کے ساتھ مانعین ندا بغیر اللہ کی طرف نسبت کرنا پرانا جھوٹ اور بہت بڑا بہتان ہے۔

شیخ دحلان: اگر بات ایسی ہوتی تو زندہ اور مردہ دونوں کو پکارنا جائز نہ ہوتا۔ کیونکہ اس بات میں دونوں (زندہ اور مردہ) برابر ہیں کہ کسی چیز میں تاثیر دونوں نہیں رکھتے۔

www.kitabosunnat.com

شیخ بشیر: اس قول میں دو کوتاہیاں ہیں۔

پہلی یہ ہے کہ مردے کو پکارنے سے منع کرنے سے زندہ کی پکار کی ممانعت لازم آتی ہے۔ یہ تب ہوتا جب مذکورہ بالا کلیہ اپنے عموم کیساتھ درست ہوتا۔ لیکن پہلے گزر گیا کہ وہ تو سر تا سر جھوٹ ہے۔

دوسری بات ہے کہ مؤلف (دحلان) کا مردہ کو پکارنے کی ممانعت کے ساتھ زندہ کو پکارنے کی ممانعت کو لازم و ملزوم قرار دینا کہ یہ دونوں تاثیر نہ رکھنے میں برابر ہیں۔ یہ لزوم درست نہیں۔ اگر بالفرض مذکورہ بالا قاعدہ کلیۃ کو تسلیم بھی کیا جائے تب بھی مردوں کو پکارنے سے ممانعت سے زندوں کو پکارنے کی ممانعت لازم نہیں آتی جو کہ بالکل واضح ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: اگر کوئی یہ کہے کہ زندہ کو پکارنا اور اس سے کسی چیز کا سوال اور مطالبہ کرنا اس لئے جائز ہے کہ وہ اس پر قادر ہوتا ہے۔ اور میت یا غیر جاندار تو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔ تو ہم اس سے یہ کہیں گے تمہارا یہ عقیدہ رکھنا کہ زندہ بعض چیزوں کے کرنے پر قادر ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بندہ اپنے اختیاری اعمال کو خود پیدا کرتا ہے۔ اور یہ عقیدہ فاسد اور برباد ہے۔ (میت کل کسی کام میں تاثیر نہیں ہوتی۔ جبکہ زندہ لوگوں کی تاثیر مطلقاً ثابت ہے جیسے اشاعرہ کی اصطلاح میں کسب کہا جاتا ہے۔ اس تاثیر یا کسب کی بنا پر ہی شریعت نے اعمال کی نسبت انسان کی طرف کی ہے اور ان اعمال پر دنیا و آخرت میں جزاء و سزاء مرتب ہوتی ہے۔ بہر حال جب میت کی ذاتی تاثیر نہیں ہے نہ اللہ کے ارادہ میں اس کی تاثیر ہے نہ اس کو پکارنا عادی اسباب میں سے ہے تو پھر یہ پکارنے والے اس میت کو کیوں پکارتے ہیں؟ اور اس سے وہ چیزیں کیوں مانگتے ہیں جن کے بارے میں شریعت نے صرف اللہ سے مانگنے کی ہدایت کی ہے کسی اور سے مانگنے کی اجازات نہ اللہ نے دی ہے۔ نہ اسوہ حسنہ سے اس کا ثبوت نہ صحابہ ہے نہ ائمہ شرع سے۔ (محمد رشید رضا)

آگے چل کر لکھتا ہے: مردہ اور زندہ اور بے جان سب اس بات میں ایک جیسے ہیں جبکہ نہ ان کے اختیار میں کسی چیز کی پیدائش کا اختیار ہے اور نہ کسی چیز میں وہ اثر ڈال سکتے ہیں بلکہ مؤثر (اثر پیدا کرنے والا) ہر چیز میں ایک اللہ تعالیٰ ہے۔

شیخ بشیر: آپکا یہ کہنا کہ زندہ بھی کسی چیز پر قادر نہیں ہے۔ اس سے یہ عقیدہ لازم آتا ہے کہ بندہ مجبور محض ہے۔ اسکا کچھ بھی اختیار نہیں۔ یہ فاسد عقیدہ اور باطل مذہب ہے (جو فرقہ جبریہ کا عقیدہ ہے) دوسری بات یہ ہے کہ زندہ انسان کو کسی چیز پر قادر ماننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس کام کا خالق بھی ہے۔ کیونکہ قدرت اور پیدائش میں فرق واضح ہے۔ جو ادنیٰ سی عقل اور سمجھ رکھنے والے سے بھی مخفی نہیں۔ اس مسئلے کی مزید تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

شیخ دحلان: بہت ساری احادیث میں مردوں اور بے جان چیزوں کو پکارنا ثابت ہے۔ ان کی الوھیت کے عقیدے یا ان کے ہاتھ میں تاثیر کے عقیدے کے بغیر۔

جن میں سے ایک نابینا شخص والی حدیث ہے جو پہلے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی روایت سے گزر چکی ہے اس میں ہے کہ یا محمد ﷺ میں تجھے تیرے رب کیطرف متوجہ کر رہا ہوں (تجھے اللہ کے سامنے سفارشی کے طور پر پیش کر رہا ہوں) اور یہ بات بھی پہلے گزری ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دعا کے یہ الفاظ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے فوت ہونے کے بعد بھی استعمال کئے ہیں۔

شیخ بشیر: پہلی بات یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اسکی سند میں عیسی بن ابی عیسیٰ ماھان ابو جعفر الرازی التمیمی ہے۔ جسے احمد، نسائی، ابو حاتم، فلاس، ابن حبان اور ابو زرعہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جیسے پہلے امام ذھبی کی عبارت میں واضح کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ یہ ندا مجازی (مجازی پکار) ہے۔ اس سے صرف پکارے جانے والے کو اپنے دل میں حاضر [illegible] ہے تو اس دل میں حاضر سمجھے جانے والے کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ جیسا نمازی اپنی نماز میں کہتا ہے: السلام علیک ایہا النبی اور [illegible]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

برکاتہ (جیسے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں لکھا ہے)

تیسری بات یہ ہے کہ اس نابینا شخص نے تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے انکی زندگی میں اور انکی موجودگی میں اپنے لئے دعا کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ جبکہ دعا کروانا تو ہر مسلمان سے اسکی زندگی میں ثابت اور جائز ہے۔ تو سید المرسلین اور سید الشافعین سے دعا کروانا انکی زندگی میں کیوں جائز نہ ہوگا؟ اور جو طبرانی کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی اپنی کسی حاجت سے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آتا تھا اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اسکی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے تھے۔ نہ اسکی طرف دیکھتے تھے۔ تو اس آدمی نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اسکا شکوہ کیا۔۔۔۔۔۔۔

اس روایت سے اگرچہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دعا کے مذکورہ بالا الفاظ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے وفات کے بعد بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن اس کی سند میں روح بن صلاح راوی ہے جسے ابن عدی نے ضعیف قرار دیا ہے جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔

شیخ دحلان: بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ والی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے اس میں ہے کہ ایک آدمی نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آکر کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کیلئے بارش کی دعا کریں۔۔۔۔۔۔ تو اس میں بھی نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے آپ کی وفات کے بعد خطاب کے صیغے سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ اپنی امت کیلئے بارش مانگ لیں۔

شیخ بشیر: یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اس حدیث کو سیف بن عمرو الضبی نے اپنی کتاب الفتوح میں روایت کیا ہے اور وہ انتہائی ضعیف ہے یہاں تک کہ امام ابن حبان کہتے ہیں کہ اس کو زندیق کہا گیا ہے۔

شیخ دحلان: قبروں کی زیارت والی روایات بھی اس مسئلے کی دلیل ہیں۔ جن میں سے بہت سی روایات میں پکار اور خطاب کا صیغہ ذکر ہے۔ جیسا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کہا کرتے تھے:

"السلام علیکم یا اھل القبور۔ السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین، وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔۔۔"

تو ان سب میں پکار اور خطاب کے الفاظ ہیں۔ اس طرح کی احادیث بہت ہیں۔ جن کو ذکر کر کے بحث کو لمبا کرنے کی ضرورت نہیں۔

شیخ بشیر: زیارت قبور کی روایات میں اگرچہ پکار کے الفاظ ہیں۔ لیکن مردوں سے کسی چیز کا مطالبہ ان میں نہیں ہے۔ جبکہ ہمارا موضوع بحث وہ پکار ہے جس میں پکارے جانے والے سے اس چیز کا مطالبہ ہو جس پر وہ قادر نہ ہو

شیخ دحلان: یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ سلف اور خلف اصحاب مذاہب اربعہ میں سے زیارت کرنے والے کیلئے یہ مستحب سمجھتے ہیں کہ قبر نبوی شریف کے سامنے ہو کر یہ کہے: اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ کے پاس اپنے گناہوں کی معافی مانگنے آیا ہوں۔ آپ کو اپنے رب کے ہاں سفارشی بنا رہا ہوں۔

شیخ بشیر: اس بات میں جو کچھ نقل کیا جاتا ہے سب کی بنیاد عتبی کے قول پر ہے۔ لیکن عتبی قابل حجت نہیں۔ اور اگر بالفرض اسے ثقہ اور قابل اعتماد بھی مانا جائے تو بھی اصحاب مذاہب اربعہ کے خلف و سلف کا کسی عمل کو مستحب قرار دینا کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حجت شرعی نہیں ہے (جب تک اس پر قرآن وسنت سے کوئی دلیل نہ ہو)

یعنی اہل مذاہب سے کوئی بات صحیح سند سے منقول ہو بھی جائے تو وہ حجۃ نہیں ہو گی اس لیے کہ وہ مقلد ہیں جبکہ ان کے مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حجت مجتہدین کا اجماع ہے۔ مقلدین کی بات یا فعل نہ حجت ہے نہ اس کا کوئی اعتبار ہے۔ جب تک کہ قرآن وسنت سے کوئی نص نہ ہو اس لیے کہ یہ مسائل اجتہادی نہیں ہیں۔ (محمد رشید رضا)

شیخ دحلان: خطاب کا صیغہ (پکار کا لفظ) کی ایک شکل اس تشہد میں بھی آیا ہے جسے ہر مسلمان اپنی ہر نماز میں پڑھتا ہے کہ:

"السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبركاته"

"اے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں ہوں"۔

شیخ بشیر: اس تشہد میں ندا (پکار) حقیقی نہیں اور نہ اس میں کسی چیز کا کوئی مطالبہ ہے۔ لہذا یہ وہ ندا (پکار) نہیں جس میں ہماری بحث چل رہی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اقتضاء الصراط المستقیم میں فرماتے ہیں کہ یا محمد ﷺ یا یا نبی اللہ ﷺ یا اس طرح کے دیگر الفاظ پکار کے ان الفاظ مجازی پکار ہے جس کا مطلب پکارے جانے والے کو اپنے دل میں حاضر کرنا ہوتا ہے تو دل میں جسے حاضر تصور کیا جاتا ہے اسے مخاطب کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ نمازی کہتا ہے:

"السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبركاته"

"تجھ پر سلام ہو اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں ہوں اے نبی ﷺ"۔

اس طرح کا مجازی خطاب انسانوں کی اصطلاح میں عام ہے اگرچہ مخاطب سن نہیں سکتا۔

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر سوال کیا جائے (السلام علیک ایہا النبی) میں غائب کا صیغہ چھوڑ کر خطاب کا صیغہ کیوں استعمال ہوا اس کی کیا حکمت ہے؟ جبکہ اس سے پہلے الفاظ غائب کے صیغے سے ذکر ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کیلئے تحیات (عبادات کا تحفہ) پیش کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کیلئے سلام کا تحفہ پیدا ہوتا۔ اور یہ سب ایک صیغہ (صیغہ غائب) کے ساتھ ہوتا۔ اس کا جواب علامہ طیبی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ ہم بعینہ ان الفاظ کی پیروی کرتے ہیں جو اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو سکھائے ہیں۔ یعنی نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ میں ہم تبدیلی نہیں کر سکتے۔

اس کا ایک جواب اہل العرفان (زہد والوں) کی اصطلاح میں یہ ہے کہ نمازی جب رب کے دربار کا دروازہ التحیات کیساتھ کھٹ کھٹاتے ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں جانے کی اجازت مل جاتی ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ سے ان کی سرگوشی ہو جاتی ہے تو انکی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ پھر ان کے تصور میں یہ بات آجاتی ہے اللہ سے مناجات (سرگوشی) کا یہ اعزاز اور یہ سعادت ہمیں نبی الرحمت ﷺ کی پیروی کی برکت سے حاصل ہوئی۔ تو فوراً ان کے دل میں خیال آتا ہے ہمارے حبیب نبی مکرم ﷺ اللہ کے دربار میں حاضر اور ہمارے تصور کی دنیا میں ہمارے سامنے ہیں تو ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ" (فتح الباری)

جبکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں اس حدیث میں یہ بھی ذکر ہے کہ نبی علیہ السلام کے زمانے میں (السلام علیک ایھا النبی) پڑھا جاتا لیکن جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام فوت ہوئے تو صحابہ کرام مخاطب کا صیغہ چھوڑ کر غائب کا صیغہ (السلام علی النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ) پڑھا کرتے تھے۔

صحیح بخاری کی باب الاستیئذان میں ہے۔ ابو معمر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد والی مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد نقل کرتے ہیں کہ یہ الفاظ ہم تب پڑتے تھے جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام ہمارے درمیان موجود تھے پھر جب آپ ﷺ فوت ہوئے تو ہم (السلام علی النبی) کہا کرتے تھے۔ صحیح بخاری کی روایت (السلام علی النبی) سے پہلے یعنی کا لفظ آیا ہے جبکہ صحیح ابی وانہ مسند السراج، جوزقی ابونعیم الاصبھانی اور بیہقی نے کئی سندوں سے یہ روایت نقل کی ہے تمام سندیں امام بخاری کے استاد ابو نعیم سے جاملتی ہیں جن میں یعنی کا لفظ ذکر نہیں اسی طرح ابو بکر ابن ابی شیبہ نے بھی ابو نعیم سے نقل کیا ہے۔

علامہ سبکی اپنی کتاب شرح المنہاج میں ابو عوانہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحابہ سے صحیح ثابت ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی علیہ السلام پر تشہد میں سلام پڑھتے وقت خطاب کا لفظ ذکر کرنا ضروری نہیں۔ پس یوں کہا جائے (السلام علی النبی)

میں کہتا ہوں یہ روایت بلاشبہ صحیح ثابت ہے اور اس کا ایک قوی متابع بھی میں نے پایا ہے۔ امام عبدالرزاق کا ابن جریج سے وہ عطاء سے نقل کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی زندگی میں تشہد میں (السلام علیک ایہا النبی) پڑھا کرتے تھے پھر جب آپ (علیہ الصلاۃ والسلام) فوت ہوئے تو پھر صحابہ کرام (السلام علی النبی) پڑھا کرتے تھے (اسکی سند عطا تک بالکل صحیح ہے)

محمد الزرقانی مؤطا امام مالک کی شرح میں لکھتے ہیں کہ فروع (فقہ) کی کتابوں میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے فوت ہونے کے بعد بھی (السلام علیک) ہی کہنا چاہیے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے حکم اور آپ کی تعلیم کی پیروی کرنے کی وجہ سے۔

تو معلوم ہوا کہ نماز میں دوران تشہد (السلام علیک ایہا النبی) خطاب حقیقی نہیں بلکہ اتباع الفاظ نبوی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ کہنا کہ ہم نبی علیہ الصلاہ والسلام کی وفات کے بعد السلام علی النبی کہا کرتے تھے اس میں (ہم) سے مراد سب صحابہ کرام نہیں کیونکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر پر لوگوں کو تشہد سکھاتے تھے جس میں یہ الفاظ پڑھتے تھے۔ (السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) دیکھیے مؤطا امام مالک۔ شرح معانی الآثار للطحاوی۔ اور مؤطا محمد بن حسن الشیبانی۔

اسی طرح طحاوی نے شرح معانی الآثار میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ لوگوں کو منبر پر تشہد کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جیسا کہ تم اپنے بچوں کو قرآن کی تعلیم دیتے ہو اور اس میں بھی یہی الفاظ (السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) پڑھا کرتے تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دو طرح روایت نقل ہے مؤطا امام مالک کی روایت میں (السلام علی النبی) کا لفظ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جبکہ مؤطا امام محمد اور شرح معانی الآثار میں خطاب کے صیغے کے ساتھ (السلام علیک ایھا النبی) کے الفاظ ہیں۔

اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی دو طرح کی روایات نقل ہیں۔ صحیح البخاری کی کتاب الاستئذان میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام فوت ہوئے تو اسکے بعد ہم السلام علی النبی پڑھتے تھے۔ جبکہ محمد بن حسن الشیبانی اپنی مؤطا میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کے الفاظ نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں کوئی کمی یا بیشی کو ناپسند کرتے تھے۔ اسی طرح طحاوی نے عبدالرحمٰن بن یزید سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود تشہد میں ایک واؤ کے اضافے پر ہمارا مواخذہ کرتے تھے۔ اور مسیب بن رافع سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سے سنا وہ تشہد میں کہہ رہا تھا (بسم اللہ التحیات للہ۔۔۔۔) تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کہا کہ کیا تم کھانا کھا رہے ہو؟

اور ابراھیم سے نقل کیا ہے کہ ربیع بن خثیم کی علقمہ سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگا کہ میں چاھتا ہوں کہ تشھد میں (ومغفرتہ) کا لفظ بڑھاؤں۔ علقمہ نے کہا کہ اسی پر اکتفاء کرو جو ہمیں (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے سکھایا ہے۔ طحاوی نے ہی اسحاق سے نقل کیا کہتے ہیں کہ میں نے اسود بن یزید کے پاس جاکر ان سے کہا کہ ابو الاحوص نے نماز کے تشھد میں (مبارکات) کا لفظ بڑھایا ہے۔ اسود نے کہا کہ جاؤ ابو الاحوص سے کہو کہ اسود تمہیں منع کر رہا ہے اور تم سے کہہ رہا ہے کہ علقمہ بن قیس نے یہ تشھد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس طرح سیکھا ہے جیسا کوئی قرآن کریم کی سورت سیکھتا ہے ایک ایک لفظ کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کیساتھ گن کر سنایا۔ (ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار للطحاوی) اسی طرح سعید بن منصور نے ابوعبید بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے وہ اپنے والد عبداللہ بن مسعود سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ہمیں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے تشھد اس طرح سکھایا ہے (پھر تشہد کے الفاظ پڑھ لئے) تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم اس وقت (السلام علیک ایہا النبی) کہتے تھے جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام زندہ تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہم نے تو ایسا ہی سیکھا ہے اور ایسا ہی سکھائینگے۔ (فتح الباری)

حافظ ابن حجر اس کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ابو معمر کی روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ ابو عبیدہ کی اپنے والد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے حدیث سننا ثابت نہیں ہے اور اسکے ساتھ ساتھ ابو عبیدہ تک پہنچنے والی سند بھی ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں: اگرچہ ابو عبیدہ والی روایت کمزور ہے لیکن تائید کیلئے کافی ہے۔

مجمع الزوائد میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی علیہ الصلاۃ والسلام جب تشہد پڑھتے تو ہم اسے ایسا یاد کرتے تھے جیسا کہ ہم قرآن کریم کے حروف یاد کرتے تھے واؤ۔ الف وغیرہ (ایک ایک حرف کا خیال رکھتے تھے)

جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام اپنے بائیں کولہے پر بیٹھ جاتے (تو یہ تشہد پڑھتے تھے) طبرانی نے یہ روایت اپنی معجم الکبیر میں اسی طرح روایت کی ہے اور مسند بزار میں اسود بن یزید سے منقول ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں نماز کا تشہد سکھایا کرتے تو الف اور واؤ کی کمی بیشی پر ہمارا ماخذہ کرتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طبرانی کی سند میں زہیر بن مروان الرقاشی ہے جسکے حال احوال میں نے نہیں پائے کہ کسی نے ذکر کئے ہوں اور بزار کی سند کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس بارے میں مختلف روایات منقول ہیں۔ طحاوی عطاء بن ابی رباح سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا وہ اسی طرح تشہد پڑھ رہے تھے جس طرح عبداللہ بن زبیر پڑھتے تھے۔ (عبداللہ بن زبیر کی روایت پہلے گزر گئی کہ وہ منبر پر تشہد سکھاتے تھے تو اس میں (السلام علیک ایھا النبی) کہتے تھے۔ اور سعید بن منصور کی روایت فتح الباری کے حوالے سے چند سطور پہلے گزر گئی کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم السلام علیک ایھا النبی اس وقت کہتے تھے جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام زندہ تھے۔

اس پوری تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے بعد سب تشہد میں مخاطب کا صیغہ چھوڑنے پر متفق نہیں تھے۔

اور مرفوع روایات سب میں مخاطب کا لفظ (السلام علیک ایھا النبی) ہے بلکہ بعض روایات میں اسی طرح الفاظ پڑھنے کا حکم آیا ہے اور ایسے الفاظ آئے ہیں جن سے اس حکم کی تاکید ہوتی ہے۔

صحیح البخاری میں ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو وہ یہ کہے (التحیات للہ۔۔۔۔) اسی طرح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، طحاوی اور محمد بن حسن الشیبانی رحمہم اللہ نے اپنی موطا میں بھی یہ روایت نقل کی ہے اور صحیح بخاری وغیرہ کی ایک روایت میں ہے کہ تم یہ نہ کہو کہ اللہ تعالیٰ پر سلام ہو کیونکہ اللہ خود سلام (سلامتی دینے والا) ہے۔ بلکہ کہو (التحیات للہ۔۔۔۔۔) ایک اور روایت میں ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھے تشہد سکھایا (جیسا کہ ہمیں قرآن کی کوئی سورت سکھایا کرتے تھے) اور میری ہتیلی نبی علیہ السلام کی دو ہتیلیوں کے درمیان تھی۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام ہمیں تشہد ایسا سکھایا کرتے تھے جیسا کہ ہمیں قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔ ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی یہ روایت اسی طرح نقل کی ہے۔

صحیح مسلم میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جب (نمازی) قعدے (تشہد بیٹھنے کی حالت) میں ہو تو اسکو پہلے یہ کہنا چاہے (التحیات للہ۔۔۔۔۔) ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی اسی طرح یہ حدیث روایت کی ہے۔ صحیح بخاری میں عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہتے ہیں: کہ کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو مجھے کہنے لگے کہ میں آپ کو ایک تحفہ نہ دوں؟ وہ یہ ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ السلام ہم پر (اپنے گھر سے) نکل آئے تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے ہمیں یہ تو سکھایا ہے کہ ہم آپ پر سلام کیسے پڑھیں؟ اب ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟۔۔۔۔۔ یہ تفصیلی حدیث جسے بخاری کے علاوہ مسلم اور ابوداؤد نے روایت کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سعد بن عبادہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو بشیر بن سعد نے کہا: کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے تو ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟۔۔۔۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا "سلام اسی طرح ہے جیسا کہ تم جان چکے ہو۔

(مسلم، دارمی)

طحاوی کی روایت میں ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے تشہد نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے ایک ایک لفظ کر کے لیا (سیکھا) ہے۔ امام نسائی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں ہم نہیں جانتے تھے کہ دو رکعت (کے بعد بیٹھنے کی حالت میں) ہم کیا پڑھیں؟ بس صرف ہم تسبیح، تکبیر پڑھتے اور اپنے رب کی تعریف بیان کرتے تھے۔ پھر محمد ﷺ نے (ہمیں) خیر کی ابتداء اور انتہاء سکھائی اور ہمیں یہ بھی فرمایا کہ جب تم دو رکعت پڑھ کر بیٹھو تو یہ کہو (التحیات للہ۔۔۔۔۔۔) الخ۔

نسائی کی ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ ہم نماز میں کیا پڑھیں؟ تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ہمیں جوامع الکلم (جامع کلمات) سکھائے اور ہمیں یہ بتایا کہ تم (التحیات للہ۔۔۔۔) پڑھا کرو۔۔۔۔ اس روایت کے آخر میں ہے کہ عبید اللہ زید سے روایت کرتے۔ وہ حماد سے وہ ابراھیم سے وہ علقمہ سے انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ ہمیں (التحیات کے) یہ کلمات ایسے سکھایا کرتے تھے جیسا کہ ہمیں قرآن کریم سکھایا کرتے تھے۔ طحاوی اور ابوداؤد نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ جس میں یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (اور دیگر صحابہ کرام) کو رسول اللہ ﷺ نے یہ کلمات سکھائے تھے۔ بلکہ ایک روایت میں یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کلمات سکھایا کرتے تھے لیکن باقی کلمات ہمیں تشہد کی طرح (زیادہ تاکید) کیساتھ نہیں سکھائے۔

صحیح مسلم میں حطان بن عبداللہ الرقاشی کی روایت ہے۔ کہ میں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی جب قعدہ (تشہد) بیٹھنے کا وقت آیا تو ایک آدمی نے کہا۔

"اقرت الصلاۃ بالبر والزکاۃ"

"نماز نیکی کرنے اور زکاۃ ادا کرنے کے ساتھ ملائی گئی ہے"۔

حطان بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز پوری کرلی تو لوگوں کیطرف منہ پھر کر کہنے لگے کہ تم میں سے یہ الفاظ کہنے والا کون ہے؟ تو لوگ سب خاموش ہو گئے۔ ابوموسیٰ اشعری نے پھر پوچھا کہ یہ الفاظ کہنے والا کون تھا۔ لوگ خاموش رہے تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: حطان شاید تم نے یہ الفاظ پڑھے ہوں۔ میں نے کہا کہ میں نے تو یہ الفاظ نہیں پڑھے لیکن میں گھبرا گیا کہ آپ یہ میرے سر تھوپینگے۔

قوم میں سے ایک آدمی نے کہا کہ یہ الفاظ میں نے پڑھے ہیں۔ لیکن میں نے خیر کا ہی ارادہ کیا تھا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تم نماز میں کیا پڑھو گے؟ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وعظ فرمایا اور ہمیں ہمارا طریقہ [illegible]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نماز کی تعلیم دی۔۔۔۔۔۔۔۔(اس حدیث کے آخر میں ہے کہ) جب آدمی قعدہ میں بیٹھے تو سب سے پہلے یہ پڑھے۔

التحیات للہ۔۔۔۔۔۔۔۔ باقی الفاظ پہلے گزر چکے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تشہد کے الفاظ توقیفی ہیں (جیسے اللہ نے نازل کئے ہیں یا جیسے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے بتلائے ہیں ویسے ہی ہیں)

ان میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور جن صحابہ کرام سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے بعد مخاطب کا صیغہ (السلام علیک) کہنا چھوڑ دیا تھا: تو ان کا عمل ان صحیح مرفوع احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پس بات وہی جو زرقانی نے کہی ہے۔ لہذا مخاطب کا صیغہ استعمال کرنے کی کوئی توجیہ ہونی چاہیے۔

چنانچہ اس کی کئی توجیہات ہیں:

1 پہلی توجیہ وہ جو ملا علی القاری نے مرقاۃ شرح مشکات میں ذکر کی ہے۔ کہ ابن الملک نے کہا: یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو معراج کروائی گئی تو آپ ﷺ نے اللہ کی تعریف بیان کی (التحیات للہ۔۔۔۔۔۔۔۔) کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے کہا (السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا (السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین) جبریل کہنے لگے (اشھد ان لاالہ الا اللہ۔۔۔۔۔۔) اس روایت سے خطاب کے صیغے کا سبب معلوم ہوتا ہے کہ اس معراج میں پڑھے جانے والے الفاظ کی حکایت (نقل) ہے۔ جسے مسلمان اپنی نماز کے آخر میں پڑھتا ہے۔ اور نماز مومن کیلئے معراج کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس روایت کیطرف قسطلانی نے بھی اشارہ کیا ہے۔ تشہد کی تشریح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ (السلام) سے مراد بری چیزوں سے محفوظ اور یا وہ سلام مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات اپنے نبی پر بھیجا ہے (مسک الختام، شرح بلوغ المرام) (فارسی) میں ہے جسکا خلاصہ یہ ہے (کہ تشہد میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر سلام پڑھنا مخاطب کے صیغے کے ساتھ اس لیے ہے کہ اس پورے کلام کو اپنے اصل پر برقرار رکھا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات اپنے نبی کو مخاطب کر کے سلام کہا تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی امت کو تعلیم دیتے وقت وہی اصل الفاظ برقرار رکھے تاکہ وہی (معراج والی) حالت یاد رہے۔ اس واقعے کی پوری تفصیل اور تشہد کے الفاظ کی تشریح کتاب (الاحداد) میں ہے۔ اسی طرح ردالمختار میں ہے۔)

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کی سند سے مجھے واقفیت نہیں ہے اگر یہ ثابت ہو تو یہ بڑی اچھی توجیہ ہے۔

اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے (جیسا کہ "الاحداد" میں ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے (بیوہ کی عدت کے بارے میں) فرمایا:

"انما ھی اربعۃ اشھر وعشرا"

"اربعۃ/اور عشرا" کو منصوب پڑھا قرآن کریم کے الفاظ کو ہو بہو نقل کرتے ہوئے ایسا کیا۔ اسے بخاری نے نقل کیا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تشہد میں بھی معراج کی رات اللہ تعالیٰ کے مخاطب کے لفظ کے ساتھ سلام کہنے کو حکایتاً مخاطب کے صیغے سے پڑھا جاتا ہے۔

اسی طرح سبیعہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں حاملہ بیوہ کی عدت کے بارے میں بھی قرآن کریم کے الفاظ کو ہی نقل کر کے "اربعۃ اشہر وعشرا" منصوب پڑھا گیا ہے۔ ابو السنابل کا قول بھی اسی طرح ہے۔

"لعلك تريدين النكاح قبل ان يمر عليك اربعة اشهر وعشرا"

قرآن کے الفاظ کو حکایت کرتے ہوئے منصوب پڑھا گیا ہے۔ (اسے نسائی نے روایت کیا ہے)

ان الفاظ کو حکایت ذکر کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے والے کی مراد ان الفاظ کا معنی نہیں ہوتا بلکہ صرف حکایت کے طور پر الفاظ ذکر کرتا ہے۔ لہٰذا اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو (المجتبیٰ) یا دیگر کتب فقہ میں ہے۔

تو تشہد کے الفاظ کو اگرچہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ کی حکایت (نقل) کے طور پر پڑھا جاتا ہے۔ لیکن اس سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر اپنی طرف سے سلام کہنا مراد ہوتا ہے۔ گویا کہ تشہد پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کیلئے (التحیات) پیش کرتا ہے۔ پھر اللہ پر اور اپنے نفس اور اللہ اولیاء اور نیک لوگوں پر سلام پڑھتا ہے۔ صرف اللہ کی طرف سے کہے جانے والے الفاظ کا ذکر کرنا اسکا مقصود نہیں ہوتا۔ (المجتبیٰ)

مذکورہ بالا عبارت سے آپکو یہ بات معلوم ہوئی ہوگی کہ انشاء اور اخبار سے مراد یہاں علم البیان کے اصطلاح کا انشاء واخبار نہیں بلکہ انشاء سے مراد یہ ہے کہ کہنے والا جو الفاظ کہتا ہے وہی ان الفاظ کا قائل ہے خواہ وہ یہ الفاظ کسی اور سے نقل کر رہا ہو یا اسکے اپنے الفاظ ہوں۔ اور اخبار سے مراد صرف کسی کا قول نقل کرنا ہے۔ باوجود اسکے فقہاء کی اس بات پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ پس اگر سلام کے الفاظ نقل کیئے اور اپنی طرف سے سلام کے الفاظ کہنا مقصود نہ ہو تو اس میں کیا حرج ہے؟ کیونکہ سلام کے بارے میں نقل کرنا سلام ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی کی تعریف کے الفاظ کو نقل کرنا۔ تعریف ہوتی ہے۔ بلکہ یہ زیادہ کامل اور پورا سلام ہے۔ کیونکہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ گویا کہنے والا اعتراف کر رہا ہے کہ میں نبی علیہ السلام پر سلام کہنے کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ جیسا سلام نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی شان کے ساتھ لائق اور مناسب ہے اسلئے میں اسی سلام پر اکتفا کرتا ہوں جو سلام اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پر کہا ہے۔

(یہ اور اسکے بعد آنے والے جملے تکلف ہے۔ درست بات وہی ہے جو فقہاء نے کہی ہے۔ کہ ہمیں اللہ کی طرف سے نبی پر سلام اور دورد کہنے کا حکم ہوا ہے۔ اور الفاظ بھی ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے بتلائے ہیں۔ لہٰذا انہی الفاظ کے ساتھ ہمیں سلام اور درود پڑھنا چاہئے جو الفاظ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے بتلائے ہیں۔ اور اخبار وانشاء کا مسئلہ جو مصنف نے بیان کیا ہے، یہ درست نہیں کیونکہ کسی کا قول نقل کرنا یہ خود کہنے کی طرح نہیں۔ (محمد رشید رضا)

اور یہ بات معروف ہے کہ اللہ کی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کے شکر کا حق ادا کرنے سے عجز اور اپنی بے بسی کا اقرار کرنا شکر کرنا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درجہ ہے اسی طرح نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر سلام کہنے کے حق ادا کرنے سے اپنی عجز اور بے بسی کا اعتراف کرنا بھی سلام کہنے کا اعلی درجہ ہے تو تشھد کے الفاظ کہنے سے اللہ رب العزۃ کے اس فرمان:

(اے ایمان والو تم نبی پر درود پڑھو اور ان پر مکمل طریقے سے سلام کہو)

پر عمل ہو جاتا۔ چاہے یہ حکایت کے طور پڑھا جائے یا اپنی طرف سے (درود و سلام بھیجنے کے طور پر) پڑھائے۔ اور اس تشھد کو پڑھنا اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل کرنا کیوں نہیں ہو گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ تشھد ان الفاظ سے اپنے نبی کو سکھایا ہے اور نبی نے اپنی امت کو اس کی تعلیم دی؟

2 (تشھد میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر سلام خطاب (مخاطب) کے صیغے سے پڑھنے کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے خطاب کے صیغے سے تشھد میں سلام اپنے صحابہ کرام کو سکھایا پھر بعد میں یہ اپنے اصل (نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے بتلائے ہوئے طریقے) پر برقرار رہا شریعت میں اس کی کئی مثالیں ہیں۔

جیسا رمل (طواف میں کندھے ہلا کر تیز چلنا) ہے جو کہ شروع صحابہ کرام کیلئے تھا جن کے بارے میں مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ: ان لوگوں کو یثرب (مدینہ) کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو رمل (کندھے ہلائے ہوئے تیز چلنے) کا حکم دیا۔ تاکہ مشرکین کو وہ کمزور نظر نہ آئیں بلکہ طاقتور نظر آئیں۔

اسی وجہ سے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے (بعد میں) کہا تھا کہ ہمیں رمل سے کیا ہے۔ یہ تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ہمیں اس وقت حکم دیا تھا جب مشرکوں کو ہماری طاقت اور تندرستی دکھانا مقصود تھا۔ لیکن اب تو مشرکین نہیں ہیں انہیں تو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔ پھر آخر میں کہنے لگے کہ یہ رمل ایک ایسا کام ہے جو نبی علیہ السلام نے کیا ہے لہذا ہم اسے چھوڑنا نہیں چاہتے۔

اسی طرح رمی الجمار (شیطان کو کنکریاں مارنا) یہ دراصل ابراھیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس جگہ شیطان کو مارا تھا جب شیطان نے ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کرنے کے معاملے میں بہکانے کی کوشش کی تھی۔

امام احمد نے اپنی کتاب (مسند احمد) میں اپنی سند سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ: جب ابراھیم علیہ الصلاۃ والسلام کو عبادات حج کا حکم دیا گیا تو شیطان ان کو سعی کے وقت سامنے آیا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اس پر غالب ہو گئے تو جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام ابراھیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کو جمرۃ العقبۃ کے پاس لے گئے وہاں پر شیطان پھر سامنے آیا ابراھیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریوں سے مارا تو وہ چلا گیا۔ پھر جمرۃ الوسطی کے پاس سامنے آیا تو وہاں بھی ابراھیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اسے سات کنکریاں مار کر بھگا دیا۔ پھر ابراھیم الصلاۃ والسلام نے اپنے اسماعیل کو پیشانی کے بل لٹایا اسماعیل علیہ السلام سفید قمیص پہنے ہوئے تھے تو اپنے باپ سے کہنے لگے کہ ابا میرا کوئی اور کپڑا نہیں جسے آپ میرے لئے کفن بنا دے لہذا اس قمیص کو ہی اتار لیں۔ تاکہ یہ میرا کفن بن سکے۔

ابراھیم علیہ الصلاۃ والسلام قمیص اتارنے کی کوشش کر رہے تھے کہ پیچھے سے ایک آواز آئی (اے ابراھیم یقیناً آپ نے خواب سچا دکھایا) پیچھے دیکھا تو سینگوں والا ایک سفید دونبہ کھڑا تھا (تفسیر ابن کثیر، معالم التنزیل)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور ابو الطفیل نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ابراھیم علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں نقل کیا ہے۔ کہ جب انہیں اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تو شیطان اس نشانی کے پاس سامنے آیا جو ابراھیم علیہ الصلاۃ والسلام سے مقابلہ کرنے لگا۔ ابراھیم علیہ السلام اس پر غالب ہوئے۔ پھر جمرۃ عقبہ کے پاس جاکر شیطان سامنے آیا تو ابراھیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریوں سے مار بھگایا۔ پھر جمرۃ کبری کے مقام پر ابراھیم علیہ السلام نے شیطان کو پایا تو اسے پھر سات کنکریوں سے مار بھگایا۔ پھر ابراھیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حطیم کی طرف چلے گئے جسکا اللہ نے ذکر کیا (فلما اسلما وتله للجبين)

اسی طرح سفر میں نماز کا قصر کرنا ہے۔ ابتدا میں یہ خوف کیوجہ سے مشروع ہوا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(اور جب تم زمین میں سفر کرتے ہو تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں اگر تم نماز کا قصر (کم) کرو جب تمہیں یہ خوف ہو کہ (دشمن) کافر تمہیں تکلیف پہنچائینگے)

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یعلیٰ سے نقل کیا ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: قرآن میں تو اللہ تعالیٰ نے قصر کی اجازت اس وقت دی ہے (جب دشمن کا خوف ہو) تو اب تو امن ہے کوئی خوف نہیں؟

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بھی اس (آیت میں خوف کے ذکر کیوجہ) سے تعجب کرتا تھا۔ پھر میں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا: یہ اللہ کیطرف سے تم پر صدقہ ہے اسے قبول کرو۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ یہ (قصر) ان چیزوں میں سے ہے جنکا حکم کسی سبب کی بنا پر ہوا پھر وہ حکم سبب کے ختم ہونے کے بعد بھی باقی رہا۔ جیسا کہ طواف کے وقت رمل (کندھے ھلاتے ہوئے تیز چلنا) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا جواب اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

امام سراج نے اسماعیل بن ابی خالد سے انہوں نے ابو حنظلہ حذا (جسکا نام معلوم نہیں صرف کنیت اور لقب سے معروف ہیں) سے نقل کیا ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سفر کی نماز کے متعلق پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو (قصر کی اجازت کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ) عربی خط یعنی اگر تمہیں خوف ہو۔ اور ہم تو امن میں ہیں؟ تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہنے لگے: کہ یہ (امن کے سفر میں بھی قصر کرنا) نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت (طریقہ) ہے۔ اس سے مذکورہ بالا قول کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔

علامہ طیبی اس توجیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہتے ہیں: کہ ہم بعینہ انہی الفاظ کی پیروی کرتے ہیں جو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے پاس موجود صحابہ کرام کو سکھائے ہیں۔

3. تیسری توجیہ وہ ہے جو علامہ طیبی نے ذکر کی ہے۔ کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ کہا جائے کہ یہ اہل زھد کے طرز پر ہے کہ نمازی ــــــــ) پوری عبارت پہلے گزر چکی ہے۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں خطاب اور نداء کا صیغہ بطور مجاز استعمال ہوا ہے۔ اور شاید کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مراد بھی یہی ہے۔ جہاں انہوں نے فرمایا ہے: یہ خطاب کا صیغہ اور اس جیسے اور ندا کے الفاظ اس لئے استعمال کئے جاتے ہیں کہ پکارے جانے والے کو دل میں حاضر تصور کیا جاتا ہے۔ [illegible] دل کے تصور میں حاضر ہوتا ہے۔ اسے مخاطب کے صیغے سے پکارا جاتا ہے (اگرچہ حقیقت میں وہ حاضر اور موجود [illegible]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ الاسلام کی یہ عبارت پہلے گزر چکی ہے۔

4 چوتھی توجیہ یہ ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام ایمان والوں کا نصب العین اور عبادت کرنے والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں ہر حال اور ہر وقت میں۔ خاص کر عبادت کے اوقات میں۔ تو اس حالت میں دل کا روشن ہونا اور دل کا کھل جانا زیادہ اور پختہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ مسک الختام میں ہے۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو عذاب قبر کے متعلق صحیح حدیث آئی ہے۔ کہ جب میت کو قبر میں رکھا جائے اور اس کے ساتھی اس سے واپس پلٹ آئیں تو وہ انکی جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آکر اسے بٹھا دیتے ہیں۔ پھر اس سے کہتے ہیں کہ تم اس آدمی (محمد ﷺ) کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ (بخاری نے اسے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے)

قسطلانی کہتے ہیں۔ ان الفاظ سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں سوال اس لئے ہوا کہ سوال کرنے والے کے الفاظ میں تعظیم کا اشارہ محسوس کر کے جواب دینے والا جواب نہ سیکھ سکے۔ اور اس عبارت میں اسم اشارہ حاضر کیلئے استعمال ہوا (ہٰذا) اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام میت کو دکھائے جاتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ثابت ہو جائے تو یہ مومن کیلئے بہت بڑی خوشخبری ہے۔ لیکن اس کے بارے میں ہمیں کوئی صحیح حدیث معلوم نہیں ہے۔ اس قول کے قائل صرف حاضر کیلئے اسم اشارہ (ھذا) کو دیکھ کر ہی یہ کہتے ہیں کہ یہ صرف حاضر کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس میں یہ بھی ممکن ہے کہ یہ (ہٰذا) اشارہ مجازی ہو یعنی جو ذھن میں موجود ہوتا ہے اس کیطرف اشارہ ہو۔ اس توجیہ میں بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ صیغہ خطاب یہاں پر حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے۔

5 پانچویں توجیہ وہ ہے جو بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ اس میں مخاطب (حاضر) کا لفظ اس لئے استعمال ہوا ہے کہ بندہ اللہ کیلئے جب نماز پڑھتا ہے تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام ان کے رگ وریشہ میں (روحانی طور پر) موجود ہوتے ہیں۔ تو نمازی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے (روحانی طور پر) حاضر ہونے سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ تا کہ نبی کریم ﷺ کے قرب کے نور سے اور آپ کی پہچان کی روشنی سے نمازی روشناس ہو۔ (مسک الختام)

شیخ بشیر: اس توجیہ کی کوئی دلیل نہیں ہے نہ قرآن میں اور نہ سنت میں بلکہ یہ توجیہ باطل ہے قابل التفات نہیں ہے۔

(مصنف علیہ الرحمتہ نے اچھا کیا کہ یہ باطل قول رد کر دیا جو وحدۃ الوجود اور غلو والوں کے کلام میں سے لیا گیا ہے۔ اس کے باطل ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ یہ اللہ ورسول ﷺ پر بغیر علم کی بات ہے۔) (رشید رضا)

اس مسئلے کی تحقیق کیلئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام خود بھی وہی تشہد پڑھا کرتے تھے جو آپ ﷺ نے اپنی امت کو سکھایا ہے جس میں یہ بھی پڑھتے تھے (السلام علیک ایہا النبی ورحمتہ اللہ وبرکاتہ) امام طحاوی نے محمد بن حمید ابو قرۃ سے انہوں نے سعید بن ابی مرج سے انہوں نے ابن لھیعہ سے انہوں نے حارث بن یزید سے انہوں نے اسلم مؤذن سے انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام جو تشہد پڑھتے تھے وہ یہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ و باللہ خیر الاسماء ، التحیات الطیبات الصلوات للہ ، اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك و اشھد ان محمد اعبدہ و رسولہ ، ارسلہ بالحق بشیرا و نذیرا ، وان الساعۃ آتیۃ لاریب فیھا ، السلام علیك ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ ، السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین ، اللھم اغفرلی واھدنی۔

(اسکی سند ضعیف ہے ابن لھیعہ کا حافظہ خراب ہوا تھا۔۔۔۔۔۔(مترجم)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی بائیں سرین پر نماز میں بیٹھ جاتے تو تشہد پڑھتے تھے اور ہم نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے تشہد کے حروف ایسے یاد کرتے تھے جیسا کہ ہم قرآن کے حروف یاد کرتے تھے۔ واؤ، الف وغیرہ ایک ایک کر کے یاد کرتے تھے۔ (طبرانی نے معجم الکبیر اس طرح روایت کیا ہے۔)

مجمع الزوائد میں ہی ہے: ابو الورد کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنھما کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام تشہد اس طرح پڑھتے تھے۔

"بسم اللہ و باللہ خیر الاسماء التحیات الطیبات الصلوات للہ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ واشھد ان محمد ا عبدہ و رسولہ ارسلہ بالحق بشیرا ونذیرا ، وان الساعۃ آتیۃ لاریب فیھا السلام علیك ایھا النبی الکریم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ اللھم اغفرلی واھدنی" (رواہ الطبرانی)

مسند بزار، معجم الکبیر للطبرانی اور معجم الاوسط للطبرانی میں یہ الفاظ بھی ہیں (وحدہ لاشریك لہ ۔۔۔) اور اس کے آخر میں ہے کہ یہ تشہد دو رکعتوں کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ (اسکی سند کا دار مدار ابن لھیعتہ پر ہے اور وہ ضعیف ہے)

اسی طرح مجمع الزوائد میں بھی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے نماز کے درمیان میں اور نماز کے آخر میں بھی تشہد سکھایا۔ پس جب آپ ﷺ نماز کے درمیان میں اور نماز کے آخر میں اپنے بائیں کولہے پر بیٹھ جاتے تو یہ پڑھتے۔

"التحیات للہ والصلوات والطیبات ، السلام علیك ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین ، اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ"

پھر جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام نماز کے درمیان میں ہوتے تو تشہد سے فارغ ہونے کے بعد اٹھ جاتے اور اگر نماز کے آخر میں ہوتے تو تشہد کے بعد دعا کرتے جو اللہ چاہتا پھر سلام پھیرتے۔ میں کہتا ہوں: یہ روایت صحیح بخاری میں بھی اس سے کچھ اختصار کیساتھ موجود ہے۔ احمد نے اسے روایت کیا ہے۔ اور اسکے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ ایک اور سند سے بھی امام احمد نے اسے روایت کیا ہے۔ جس میں (اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد ا عبدہ و رسولہ) کے بعد یہ فرمایا کہ جب تم نے یہ پڑھ لیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا تم نے یہ کام کر لیا۔ تو تم نے اپنی نماز پوری کر لی پھر اگر تم چاہو تو کھڑے ہو جاؤ اور اگر چاہو تو بیٹھے رہو۔ اسے طبرانی نے معجم الاوسط میں روایت کر کے بیان کیا ہے کہ یہ اضافہ (جب تم یہ پڑھ کر فارغ ہو جاؤ۔۔۔) یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اسی طرح کے الفاظ طبرانی میں بھی ہیں۔ مسند احمد کی روایت کے روایوں کی توثیق کی گئی ہے۔

ان روایات میں سے بعض اگرچہ ضعیف ہیں لیکن تائید کیلئے کافی ہیں (المواھب) اور اسکی شرح (سید محمد الزرقانی کی) میں تشہد کے الفاظ ذکر کرنے کے بعد امام نووی سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ان الفاظ کو نقل کرنے میں ایک بہترین فائدہ ہے وہ یہ کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام بھی تشہد کے الفاظ اسی طرح پڑھتے تھے جو الفاظ ہمیں پڑھنے کا حکم ہے۔ اس کی تقویت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام ان تمام اعمال و اقوال پر مامور ہیں جن کا حکم آپ ﷺ کی امت کو ہوا ہے۔ مگر جن اعمال و اقوال کی فرضیت سے نبی علیہ السلام کو مستثنیٰ قرار دینے کی کوئی دلیل موجود ہو۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف امت کو نبی علیہ السلام پر سلام کہنے کا حکم ہوا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝﴾ (الاحزاب:۵۶)

"اے ایمان والو نبی ﷺ پر درود بھیجو اور سلام کہو سلام"۔

اس آیت میں سلام کا حکم اجمالاً ہے اور نبی علیہ السلام کا فرمان اسکی تفصیل ہے کہ (جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو وہ التحیات للہ ۔۔۔۔۔ پڑھ لے) یا یہ کہ (التحیات للہ۔۔۔۔۔۔ پڑھا کرو) (صحیح بخاری) (عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ) پوری امت کو سلام کہنے کا حکم ہے اور کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس حکم سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو مستثنیٰ کر دے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام بھی سلام پڑھنے پر مامور ہیں اور آپ (تشہد میں) سلام انہی الفاظ سے پڑھتے تھے جو آپ ﷺ نے اپنی امت کو سکھائے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ تشہد عام ہے حاضر، غائب نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں موجود اور ان کے بعد آنے والے سب کیلئے انہی الفاظ سے تشہد پڑھنے کا حکم ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ فرمان کہ (جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو) یا آپ کا یہ فرمان کہ (التحیات پڑھو) پوری امت کو خطاب ہے۔ اس میں اس وقت موجود یا غیر موجود اس وقت تک پیدا ہونے والے یا اسکے بعد قیامت تک پیدا ہونے والے سب اس میں داخل ہیں۔ جس طرح کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے باقی خطابات جو وضو، نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ کے متعلق ہیں۔ پوری امت کیلئے ہیں۔

اسی طرح کوئی اور دلیل بھی نہیں آئی جس میں یہ ہو کہ یہ تشہد نبی علیہ السلام کے زمانہ میں موجود لوگوں کیلئے ہے۔ اور اس کے بعد آنے والوں یا نبی علیہ السلام سے دور رہنے والوں کیلئے کوئی اور تشہد ہے۔

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو مذکورہ بالا احتمالات میں سے آخری چار احتمالات کا باطل ہونا بھی سمجھ میں آیا ہو گا۔ تو نتیجہ ظاہر ہے۔ اسکی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تشہد میں خطاب کے صیغے سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر سلام پڑھنے کی وجہ یا تو پہلے والا احتمال ہے (یعنی: معراج والی رات اللہ تعالیٰ نے جس لفظ سے سلام کہا ہے اسی کو نقل کرنا) اگر اس کے بارے میں نقل کی گئی روایت صحیح ثابت ہو جائے، ثابت نہ ہو تو اس لفظ خطاب سے سلام کہنے کی وجہ ان مسائل میں سے ہے جنکا علم ہمیں نہیں دیا گیا۔ تو ہمیں اس میں بحث نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ اس کا معاملہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"اور اس کے پیچھے نہ پڑو جسکا تمہیں علم نہ ہو بے شک کان، آنکھ اور دل سب کے بارے میں پوچھا جائے گا" (اسراء)

چنانچہ اس صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تشہد میں لفظ خطاب کے ساتھ سلام۔ عقل و قیاس سے بالاتر ہے بس جس طرح آیا ہے اسی طرح اس پر عمل کرنا چاہیے۔ تو اس سے عام اوقات میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو مخاطب کرنا یا آپ ﷺ کو پکارنا ثابت نہیں ہو سکتا۔

شیخ دحلان: بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے قحط والے سال ایک بکری ذبح کر دی جسکو زمادہ کہا جاتا تھا۔ اس نے بکری کو لاغر حالت میں پایا تو اس نے وامحمداہ وا محمداہ کہنا شروع کر دیا۔۔۔۔

شیخ بشیر: اس میں دو باتیں ہیں۔

1 پہلی بات تو یہ ہے کہ اس اثر کا صحیح ہونا دلیل کا محتاج ہے ورنہ اس کے بغیر یہ قابل توجہ نہیں ہے۔

2 دوسری بات یہ ہے کہ یہ نداء (پکار) نہیں بلکہ یہ ترس اور غم کا اظہار ہے۔ جیسا کہ اس کی وضاحت اپنے خاص بحث میں ہوتی ہے کہ (وا) منادی پر داخل نہیں ہوتا بلکہ مندوب (جس پر غم کا اظہار کر کے اسے یاد کیا جائے) اس کیلئے (وا) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ بعض لوگ لفظ (وا) کو منادی پر بھی داخل کرتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ وہ بھی اس لفظ کو منادی حکمی پر استعمال کرتے ہیں نہ کہ منادی حقیقی پر۔ اور ہماری بحث تو منادی حقیقی کے بارے میں ہے۔

شیخ دحلان: یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مسیلمہ کذاب سے لڑ رہے تھے تو ان کا کوڈ (نعرہ) تھا۔ (وامحمداہ، وامحمداہ)

شیخ بشیر: اس کے دو جواب ہیں۔

پہلا جواب تو یہ ہے کہ اس اثر کو ثابت کہنا بے دلیل ہے۔ جب تک اس کو (حوالہ اور سند کیساتھ) ثابت نہیں کیا جاتا یہ قابل قبول نہیں ہو گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ میدان جنگ میں اس طرح کا کوڈ استعمال کرنا حقیقی پکار نہیں ہے۔ بلکہ ایک دوسرے کو متنبہ کرنے کیلئے ایک تنبیہ ہے۔ اور ہماری بحث اس میں نہیں بلکہ ہم تو اس پکار کی مخالفت کرتے ہیں جس میں پکارے جانے والے غائب، فوت شدہ سے (یا موجود سے اس کے وسائل واسباب سے بالاتر) کسی چیز کا مطالبہ کیا جائے۔ اور اس پکارے جانے والے سے سننے اور اس کی قبول کرنے کی امید بھی وابستہ ہو۔ جبکہ میدان جنگ میں مذکورہ بالا کوڈ اس مقصد کیلئے نہیں ہوتا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: قاضی عیاض کی کتاب (الشفاء) میں ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا تو ان سے کہا گیا کہ اپنی سب سے محبوب شخصیت کو یاد کر لو۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا۔ وا محمداہ۔ تو ان کا پاؤں کا سن پن ختم ہو گیا۔

شیخ بشیر: اس کا جواب کئی طرح کا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ قاضی عیاض کی کتاب (الشفاء) کی عبارت اس طرح ہے کہ (نقل کی گئی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا۔ تو ان سے کہا گیا کہ اپنی سب سے زیادہ محبوب شخصیت کو یاد کرلو تو پاؤں کا سن ہونا ختم ہو جائے گا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے چیخ کر کہا (یا محمداہ) تو ان کا پاؤں کھل گیا۔

اس چھوٹی سی عبارت میں مصنف (شیخ دحلان) نے کئی غلطیاں کی ہیں لفظ (حدرت) کی جگہ (خدلت) لکھا (مرۃ) کا لفظ بڑھایا، (یزل عنك) کا لفظ چھوڑ دیا (صاح) کی جگہ (قال) ذکر کیا، (یا محمداہ) کی جگہ (وا محمداہ) لکھا اور (فانتشرت) کی جگہ (فانطلقت) لکھا۔

شاید کہ پہلی غلطی (خدرت) کی جگہ (خدلت) لکھنا یہ کاتب کی غلطی۔ ہو اس اثر کے الفاظ (کتاب الاذکار میں) یوں ہیں:

ھیثم بن حنش کہتے ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھے تو ان کا پاؤں سن ہوا، ایک آدمی نے ان سے کہا کہ تم اپنی سب سے پسندیدہ شخصیت کو یاد کرلو، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یا محمد ﷺ تو گویا کہ ان کا پاؤں بندھی ہوئی رسی سے کھل گیا۔

نہایہ میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ان کا پاؤں سن ہوا تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاؤں کو کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ اس کے پٹھے جم گئے ہیں۔ تو ان سے کہا گیا کہ آپ سب سے زیادہ محبوب انسان کو یاد کرلیں۔ عبداللہ بن عمر نے کہا: یا محمد تو پھر اپنا پاؤں بچھایا (پھیلایا)

اسے ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں روایت کیا ہے۔ حصن الحصین، اور (مناھل الصفافی تخریج احادیث الشفاء) میں بھی اسی طرح ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کی سند کا ثبوت اور اسکی دلیل چاہیے ورنہ یہ قابل توجہ نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس میں ندا (پکار) حقیقی نہیں جس میں پکارے جانے والے کی سننے اور قبول کرنے کی امید بھی ہو۔ بلکہ یہ تو بطور یاداشت اور مجازی پکار ہے۔

شیخ دحلان: بہت سی احادیث میں بے جان چیزوں کو پکارنا اور انہیں مخاطب کرنا آیا ہے۔ جن میں سے ایک حدیث ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام جب کسی علاقے میں پڑاؤ ڈالتے تو یوں دعا کرتے۔

"یا ارض ربی و ربك اللہ"

"اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس میں بے جان چیز کو مخاطب کر کے پکارا گیا ہے۔ لیکن نہ یہ کفر ہے نہ شرک۔ کیونکہ اس میں غیر اللہ کی الوھیت کا عقیدہ نہیں ہے نہ غیر اللہ کو عبادت کا مستحق ٹھہرانے کا عقیدہ ہے۔ اور نہ ہی غیر اللہ کی تاثیر کا نظریہ۔

شیخ بشیر: یہ خطاب اور ندا (پکار) حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے۔ اور اس قسم کی پکار کی کچھ وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔ اس حدیث کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔ (ان شاء اللہ)

شیخ دحلان: فقہاء نے آداب سفر میں یہ بات ذکر کی ہے کہ اگر کسی مسافر کی سواری کسی علاقے میں بھاگ جائے۔ اور وہاں پر اس کے تعاون کیلئے کوئی انسان نہ ہو تو وہ یہ کہے کہ: اے اللہ کے بندو میری مدد کرو یا یہ کہے کہ: میری فریاد سنو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھ رہے۔

فقہاء نے اس مسئلے کیلئے اس روایت سے دلیل لی ہے جسے ابن السنی نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی سواری کسی صحراء میں بھاگ جائے تو وہ یہ آواز لگائے:

"یاعباد اللہ احبسوا"

"اے اللہ کے بندو اسے روکو"۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہوتے ہیں جو اس کی آواز سنتے ہیں۔

تو اس میں غیر اللہ کی پکار بھی ہے اور ان سے نفع کا مطالبہ بھی ہے۔

شیخ بشیر: یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام ھیثمی مجمع الزوائد میں یوں لکھتے ہیں: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی سواری کسی صحراء میں بھاگ جائے تو وہ بلند آواز سے یہ کہے (یا عباد اللہ احبسوا) اے اللہ کے بندو اسے روکو۔ (یاعباد اللہ احبسوا) اے اللہ کے بندو اسے روکو۔ کیونکہ اسے روکنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ وہاں موجود ہوتا ہے۔ اسے ابو یعلیٰ اور طبرانی نے روایت کی ہے۔ اسکی سند میں معروف بن حسان راوی ضعیف ہے۔ امام ذھبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں: معروف بن حسان ابو معاذ السمرقندی عمر بن ذر سے روایت کرنے والے کے متعلق امام ابن عدی نے کہا ہے کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ اور اس نے عمر بن ذر سے ایک لمبا نسخہ (لکھا ہوا نوٹ) نقل کیا ہے جو کہ مکمل طور پر غیر محفوظ ہے۔ قاسم بن حنبل السرخسی کہتے ہیں کہ ہمیں اسحاق بن اسماعیل السمرقندی نے بتایا کہ معروف بن حسان نے ابن ابی ذئب سے انہوں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا۔ کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جس نے کوئی درخت کی دیکھ بال کی اس کو رات کے قیام کرنے اور دن کو روزہ رکھنے والے اور پوری زندگی جہاد کرنے والے کا اجر ملے گا۔

اور اگر یہ سند صحیح ثابت بھی مان لی جائے تو اس میں زندوں کو پکارنے کا ذکر اور ان سے ایسے کام کا مطالبہ ہے جو انکی طاقت میں ہے۔ تو ایسی پکار کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ دحلان صاحب نے یہ حدیث بے جان چیز (کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پکارنے کے جواز کے باب میں ذکر کی ہے جبکہ اس میں جن بندوں کو پکارنے کا ذکر ہے وہ تو بے جان نہیں بلکہ جاندار ہیں۔

شیخ دحلان: ایک اور حدیث (جسے طبرانی نے روایت کیا ہے) میں ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایسی جگہ راستہ بھول جائے یا اسکو مدد کی ضرورت ہو۔ جہاں پر کوئی انسان نہ ہو تو وہ کہے کہ: (اے اللہ کے بندو میری مدد کرو) ایک اور روایت میں ہے کہ (میری فریاد سنو) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو۔ علامہ ابن حجر (ایضاح المناسک کے حاشیہ میں) لکھتے ہیں کہ اس کا راوی کہتا ہے کہ تجربہ شدہ ہے۔

شیخ بشیر: مجمع الزوائد میں علامہ ھیثمی نے یہ روایت مکمل الفاظ کے ساتھ نقل کر کے لکھا ہے کہ: اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے بعض راویوں میں ضعف ہونے کے باوجود اسکے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ مگر زید بن علی نے عتبہ بن غزوان کا زمانہ نہیں پایا۔

لہٰذا حدیث انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ پس شیخ دحلان کا اسے صحیح کہنا جیسا کہ پہلے گزرا کوئی قابل التفات نہیں۔ اور بالفرض اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس میں زندہ لوگوں کو پکارنے کا ذکر ہے۔ اور ان سے ان کی قدرت کے ماتحت چیزوں کا مطالبہ ہے اور اس کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔

اور اس حدیث کو بے جان چیزوں کو پکارنے کے باب میں لانا دحلان صاحب کی بے عقلی کی واضح دلیل ہے۔

اس مسئلے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی مجمع الزوائد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زمین میں حفاظت کرنے والے فرشتوں کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائک ہیں۔ جو درخت سے گرنے والے پتے کو بھی نوٹ کرتے ہیں۔ پس جب تم میں سے کسی کو کسی صحراء میں کچھ تکلیف پہنچے تو وہ بلند آواز سے کہے کہ:

"اے اللہ کے بندو میری مدد کرو"۔

ھیثمی لکھتے ہیں کہ اسے بزار نے روایت کیا ہے۔ اور اسکے راوی ثقہ ہیں۔ میں کہتا ہوں: کہ راویوں کا ثقہ ہونا حدیث کی صحیح یا حسن ہونے کا تقاضہ نہیں کرتا۔ کیونکہ اس میں انقطاع اور شاذ ہونا بھی ممکن ہے۔ اور اگر بالفرض اس حدیث کو ثابت بھی مانا جائے تو بھی اس سے صرف زندوں کو انکی استطاعت کے تحت چیزوں میں مدد مانگی جاتی ہے۔ اور اس کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔

شیخ دحلان: ابو داؤد وغیرہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر دوران سفر رات آجاتی تو آپ ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے: اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ میں تیرے شر اور تیرے اندر جو کچھ ہے سب کی شر سے جو اللہ نے تیرے اندر پیدا کی ہیں اور جو تجھ پر چلتی پھرتی چیزیں ہیں ان کے شر سے میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیر اور سیاہ سانپ سے اور عام سانپ اور بچھو سے۔ اور اس علاقے میں رہنے والے اور باپ اور اسکی اولاد (کی شر) سے۔

شیخ بشیر: امام نووی نے کتاب الاذکار میں اسی طرح لکھا ہے۔ کہ روایت ابو داؤد وغیرہ نے روایت کی ہے۔ صاحب مشکاۃ نے بھی اسے ابو داؤد کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور حصن الحصین میں اسکے لئے (د، س، مس) کا اشارہ دیا گیا ہے۔ جسکا مطلب ہے۔ کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے ابوداؤد، نسائی نے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔

نزل الابرار میں لکھا ہوا ہے کہ اسے ابوداؤد، ترمذی اور حاکم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حاکم نے کہا کہ یہ صحیح سند والی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ: میں نے سنن ابی داؤد، سنن النسائی اور جامع الترمذی میں اس کو تلاش کیا صرف ابو داؤد میں ہی مجھے یہ روایت ملی جس کے الفاظ یوں ہیں: ہمیں عمرو بن عثمان نے بتایا وہ کہتے ہیں: ہمیں بقیہ نے خبر دی انہوں نے کہا: مجھے صفوان نے بتلایا کہ مجھے شریح بن عبید نے زبیر بن ولید سے انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ: جب رسول اللہ ﷺ سفر پر ہوتے تورات شروع ہوتے وقت یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

"یا ارض ربی و ربك الله اعوذ بالله من شرك۔۔۔۔۔"

"اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے میں تیرے شر سے اور جو کچھ تیرے اندر ہے اس کی شر سے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھ میں پیدا کیا ہے اس کی شر سے اور جو تجھ پر چلنے پھرنے والی مخلوق ہے اس کی شر سے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اور میں شیر، کالے سانپ اور عام سانپ اور بچھو سے اور اس علاقے کے رہنے والے (جنات وغیرہ) کے باپ اور اولاد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں"۔

اس سند میں زبیر بن ولید مجہول ہے۔ اس سے صرف شریح بن عبید نے روایت لی ہے۔ جیسا کہ میزان میں ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ زبیر بن ولید کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں مقبول لکھا ہے۔ لیکن یہ بات آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ ابن حبان کی توثیق کی کوئی اہمیت نہیں اور مقبول کہنا تعدیل کا سب سے کمتر درجہ ہے تو ایسے راوی کی روایت صرف بطور استشہاد (اعتبار) لکھی جاسکتی ہے لیکن بطور دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔

شیخ وحلان: امام ترمذی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اور امام الدارمی نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب چاند دیکھتے تو یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے: (میرا رب اور تیرا رب اللہ ہے) تو اس میں بے جان چیز سے خطاب ہے۔

شیخ بشیر: حصن الحصین میں اس حدیث کے ساتھ (ت، حب، می) کا اشارہ لگایا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اسے ترمذی، ابن حبان اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ صاحب مشکاۃ نے بھی اسے طلحہ بن عبید اللہ کی سند سے ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں نے ترمذی کی طرف رجوع کیا تو اس میں اس حدیث کو امام ترمذی نے ان الفاظ سے نقل کیا ہے کہ (ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو عامر العقدی نے خبر دی ان کو سلیمان بن سفیان المدینی نے کہا کہ ہمیں بلال بن یحییٰ بن طلحہ بن عبید اللہ نے اپنے والد (یحییٰ) سے انہوں نے (بلال کے) دادا طلحہ بن عبید اللہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

"اللهم اهله علينا بالامن۔۔۔۔"

"اے اللہ یہ چاند ہم پر برکت، ایمان، سلامتی اور اسلام کیساتھ طلوع فرما۔ (اے چاند) میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے"۔

یہ حدیث حسن غریب ہے (یہاں تک ترمذی کی عبارت ہے)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام الدارمی کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ ہمیں سعید بن سلیمان نے عبدالرحمٰن بن عثمان بن ابراہیم سے بیان کیا وہ کہتے ہیں: ہمیں میرے والد نے اپنے والد اور اپنے چچا سے نقل کیا انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ چاند دیکھتے تو یہ پڑھا کرتے تھے:

"اللہ اکبر، اللھم اھلہ علینا۔۔۔۔"

"اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ اس چاند کو ہم پر امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ اور ہمارا رب جس کام سے راضی ہوتا ہے اور جسے وہ پسند کرتا ہے اسکی توفیق کے ساتھ طلوع فرما۔ اے چاند ہمارا اور تمہارا رب اللہ ہے"۔

ہمیں محمد بن یزید الرفاعی اور اسحاق بن ابراہیم العقدی نے خبر دی وہ کہتے ہیں ہم سے سلیمان بن سفیان المدینی نے بیان کیا انہوں نے بلال بن یحییٰ بن طلحہ سے انہوں نے اپنے والد طلحہ سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ جب چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

"اللھم اھلہ۔۔۔۔۔۔"

"اے اللہ یہ چاند ہم پر امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع فرما۔ میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ (یہاں تک دارمی کی عبارت ہے) اس پوری تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ امام ترمذی نے یہ حدیث طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی سند سے نقل کی نہ کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے اور امام الدارمی نے اسے پہلے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا پھر طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے"۔

تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترمذی کی طرف منسوب کرنا اور طلحہ بن عبیداللہ کی روایت ترمذی کی طرف منسوب نہ کرنا۔ اور صرف طلحہ بن عبیداللہ کی روایت کو دارمی کی طرف منسوب کرنا جیسا کہ دحلان صاحب نے کیا ہے۔ یہ بڑی واضح غلطی ہے اور اس شخص کے علم حدیث میں کم علمی کی دلیل ہے۔

پھر طلحہ بن عبیداللہ کی مذکورہ روایت کو ترمذی نے حسن کہا ہے لیکن ان کا اس کو حسن کہنا محل نظر ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں سلیمان بن سفیان المدینی ہے۔ امام ذہبی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن معین نے کہا۔ یہ کوئی شے نہیں۔ ایک اور جگہ کہا ہے کہ ثقہ نہیں ہے۔ امام نسائی نے بھی یہ کہا ہے۔ ابو حاتم اور دار قطنی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ پھر اس کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ اسی طرح اس کی سند میں بلال بن یحییٰ ہے۔ جس کے متعلق حافظ ابن حجر نے تقریب میں لکھا ہے کہ یہ کمزور ہے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ضعیف ہے کیونکہ اسکی سند میں عثمان بن ابراہیم الحاطبی ہے جس کے بارے میں ذہبی نے میزان میں لکھا ہے: کہ اس کی روایتیں منکر ہوتی ہیں ابو حاتم نے کہا کہ یہ اپنے والد سے منکر روایات بیان کرتا تھا۔ اسی طرح اس کی سند میں عبدالرحمٰن عثمان الحاطبی بھی ہے۔ جس کے متعلق ذہبی میزان میں لکھتے ہیں۔ کہ اسے ابو حاتم الرازی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں کہتا ہوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا روایت کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ جیسا کہ مجمع الزوائد میں اس حدیث کے مکمل الفاظ ذکر کرنے کے بعد ھیثمی نے لکھا ہے کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند میں عثمان بن ابراہیم الحاطبی ہے جس میں ضعف ہے۔ باقی راوی ثقہ ہیں۔

اس مسئلے میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت مروی ہے۔ جس میں چاند کو مخاطب کر کے نبی علیہ السلام نے دعا پڑھی ہے۔ لیکن وہ روایت بھی ضعیف ہے۔

مجمع الزوائد میں ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

"هلال خير ورشد آمنت بالذي خلقك فعدلك"

"خیر اور خوش بختی کا چاند (ہو) میں اس اللہ پر ایمان لایا ہوں جس نے تجھے پیدا کیا اور برابر کر دیا ہے"۔

اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں احمد بن عیدی اللخمی راوی ہے اسکے علاوہ سب راوی ثقہ ہیں۔

سنن ابی داؤد میں موسیٰ بن اسماعیل کی سند سے ہے وہ قتادہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب چاند دیکھتے تو کہا کرتے تھے کہ: خیر اور نیک بختی کا چاند۔ تین دفعہ کہتے پھر یہ دعاء پڑھتے۔

"الحمد لله الذي ذهب بشهر كذا وجاء بشهر كذا"

"تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو اس مہینے کو لے گیا اور اس مہینے کو لے آیا"۔ (مجمع الزوائد)

میں کہتا ہوں: یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ یہ مرسل ہے۔ اور ابو داؤد کے بعض نسخوں میں یہ بھی ہے کہ امام ابو داؤد نے فرمایا: اس باب میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح، سند والی حدیث ثابت نہیں ہے۔ بالفرض اگر مذکورہ حدیث صحیح ثابت بھی ہو تو اس میں خطاب مجازی ہے۔ یعنی چاند کو سنانا مقصود نہیں بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے ہی خطاب ہے۔

شیخ دحلان: یہ بھی ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو وہ آکر نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے حجرے مین داخل ہوئے۔ اور آپ ﷺ کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر اس پر جھک گئے اسے بوسہ دیا پھر روئے اور کہنے لگے: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ زندگی میں پاکیزہ اور خوش بودار تھے۔ اور فوت ہونے کے بعد بھی، اے محمد ﷺ ہمیں اپنے رب کے ہاں یاد کرنا اور ہماری فکر کرنا۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا ماتھا چوم کر کہا: اے اللہ کے چنے ہوئے پھر تیسری بار آپ کا ماتھا چوم کر کہا: ہائے دوست تو اس میں نبی علیہ السلام کو وفات کے بعد پکارا گیا اور آپ ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے۔

شیخ بشیر: یہ بات واضح رہے کہ:

"بابي انت۔۔۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ زندہ اور فوت ہونے کے بعد دونوں صورتوں میں پاک ہیں اور اللہ کی قسم آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی بھی دو دفعہ موت کا ذائقہ نہیں چکائیگا"۔

یہ الفاظ امام بخاری نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی طویل حدیث میں نقل کئے ہیں۔ جو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مناقب (فضائل) کے بارے میں ہے۔ اور اس میں خطاب کا لفظ بھی ہے۔ لیکن یہ خطاب مجازی ہے یہ اس طرح کا خطاب ہے جس طرح عرب لوگ کسی پر اپنا غم ظاہر کرتے تو اس کی خوبیاں گنتے جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: عمر رضی اللہ عنہ کا جسد خاکی چار پائی پر رکھا گیا تو لوگ آکر ان کیلئے دعا کرتے تھے۔ اور انکی تعریف کرتے تھے، میں بھی ان کے ساتھ تھا تو اچانک ایک آدمی نے آکر میرا کندھا پکڑا جب میں نے دیکھا تو وہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب تھے۔ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کیلئے اللہ سے رحم کی دعا کی اور کہنے لگے کہ: آپ نے اپنے پیچھے کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑا جس کے بارے میں مجھے پسند ہو کہ میں اس کے عمل جیسے عمل کے ساتھ اللہ سے ملوں۔ اللہ کی قسم میں یہی امید رکھتا ہوں کہ آپؓ کو اللہ تعالیٰ آپکے دو ساتھیوں (نبی علیہ الصلاۃ والسلام اور ابو بکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ملائے گا، کیونکہ میں نے بہت دفعہ رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرمایا کرتے تھے میں چلا گیا اور ابو بکر و عمر، میں داخل ہوا، ابو بکر اور عمر میں نکلا، ابو بکر اور عمر۔۔۔

اور جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے میرے والد رب نے جب پکارا تو رب کی پکار پر لبیک کہا، ہائے میرے والد جسکا ٹھکانا جنت الفردوس ہے، ہائے میرے والد ہم جبریل کو انکی موت کی خبر دیتے ہیں۔ (رواہ البخاری)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح الفاظ میت کی تعریف میں ذکر کرنا اس وقت منع نہیں جب میت ان تعریفات اور صفات کا مالک ہو۔ البتہ اگر ظاہری اوصاف اس میں ہوں لیکن حقیقت میں وہ ان صفات کا مالک نہ ہو تو وہ اوصاف میت کیلئے ذکر کرنا منع ہے۔

اس مفہوم کی تائید ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) کیونکہ کسی کے فوت ہونے کے بعد اس پر اپنے ماں باپ کو قربان کرنے کا تصور نہیں کیا جاتا۔ پس جب ماں باپ کو قربان کرنے کا لفظ بطور مجاز ذکر ہو تو اسی طرح خطاب کا صیغہ بھی بطور مجاز ہے۔

اور اس خطاب کے صیغے کے ساتھ (وانبیاہ، واصفیاہ، واخلیلاہ) میں وا کا لفظ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ یہ ندا حقیقی نہیں، کیونکہ لفظ ،وا، پکار اور ندا کیلئے استعمال نہیں ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث میں خطاب کا صیغہ اور ندا اس خطاب اور ندا کی طرح ہو جو قبروں کی زیارت کے متعلق وارد احادیث میں مذکور ہے۔ اسکی جو توجیہ بیان کی گئی ہے اس کی بھی وہی توجیہ ہو سکتی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اس حدیث میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ (اے محمد ﷺ) ہمیں اپنے رب کے ہاں یاد کرنا اور ہماری فکر کرتے رہنا۔ تو ظاہری طور پر تو یہ اشکال ہے۔ کیونکہ اس میں میت کو پکارنا بھی ہے۔ اور اس سے مطالبہ بھی ہے۔ جو کہ ہمارے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نزدیک جائز نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ الفاظ کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہے۔ مجھے اس کی کوئی روایت نہیں ملی جو صحیح یا حسن سند کے ساتھ مروی ہو اور علت سے خالی ہو جس میں یہ الفاظ مذکور ہوں۔ اسے صرف المواہب کے مصنف نے ذکر کیا ہے۔ اور وہ بھی بغیر سند کے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

(ابن المنیر نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو لوگوں کی عقل حیران رہ گئی بعض لوگ تو دیوانے ہو گئے اور بعض بیٹھ گئے جو کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ بعض گونگے ہو گئے جو بات نہیں کر سکتے تھے۔ اور بعض بیمار ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو دیوانے ہو گئے تھے، عثمان رضی اللہ عنہ ان میں سے تھے جو گونگے ہو گئے تھے۔ آتے جاتے تھے۔ لیکن کچھ بول نہیں سکتے تھے۔ اور علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو بیٹھ گئے تھے کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ اور عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بیمار ہو کر غم کی وجہ سے فوت ہو گئے۔ ان میں سب سے مضبوط ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ آئے تو ان کی آنکھیں مسلسل آنسوں بہا رہی تھیں اور لمبے لمبے ٹھنڈے سانس لے رہے تھے دکھ کی وجہ سے ان کا گلہ رندھ گیا تھا۔ وہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے حجرے میں داخل ہو کر آپ ﷺ پر جھک گئے اور آپ کے چہرے سے پردہ ہٹایا پھر فرمانے لگے کہ آپ زندگی میں بھی پاک تھے اور مرنے کے بعد بھی۔ اور آپ کی موت سے وہ سلسلہ ختم ہوا جو آپ سے پہلے کسی نبی کی موت سے وہ سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا۔ آپ تعریفات سے بھی بلند ہیں اور رونے سے بھی بڑے ہیں (آپ کی صفات بیان کرنے کا اور آپ پر رونے کا حق ادا نہیں ہو سکتا) اگر آپ کی موت اختیاری ہوتی تو ہم اپنی جانیں دیکر آپ کو بچانے کی کوشش کر لیتے۔ اے محمد ﷺ ہمیں آپ اپنے رب کے ہاں یاد رکھنا اور ہماری فکر میں رہنا)

المواہب کے مصنف نے اسی طرح بغیر سند کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ اور اس کے شارح علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی نے بھی اس کی سند کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ نہ اس کی طرف کوئی اشارہ کیا ہے۔

اس کے ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت نہ ہونے کی ایک دلیل بھی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی امت کو اپنے نبی کو نام کے ساتھ مخاطب کر کے پکارنے سے منع کیا ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(رسول ﷺ کو اس طرح مت پکارو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو)

یعنی جیسا ایک دوسرے کا نام لیکر تم پکارتے ہو اور آواز اٹھاتے ہو۔ نبی کو اس طرح نام لیکر مت پکارو۔ بلکہ یہ کہو کہ اے اللہ کے رسول ﷺ، یا یہ کہو اے اللہ کے نبی ﷺ، عزت اور عاجزی کیساتھ اور پست آواز کیساتھ اللہ کے نبی کو آواز دیا کرو۔ (آپ ﷺ زندگی میں) تو اس آیت کے باوجود یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پوری امت میں سب سے افضل شخص نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد، یا محمد کہہ کر نبی کو پکارے؟

اسی وجہ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کو مخاطب کر کے "یا نبی اللہ" (اے اللہ کے نبی) کہا جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئے پھر فرمایا: اے اللہ کے نبی

www.KitaboSunnat.com

ہوں، اللہ آپ پر دو موت اکھٹی نہیں کریگا۔ جو موت آپ کیلئے لکھی گئی تھی وہ آپ کو آگئی۔۔۔۔۔

بعض محققین نے کتاب (جلاء الغمۃ) کے رد میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ اسی حدیث میں ہی ایسی چیزیں موجود ہیں جو اس کو رد کرتی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ، اے اللہ ہماری طرف سے ان کو (نبی علیہ الصلاۃ والسلام) پہنچا دے۔ جب اللہ سے یہ سوال کر رہے ہیں کہ اس نبی کو ہماری طرف سے یہ پہنچا دے تو بعد میں نبی کو خود مخاطب کر کے یہ کہنا کہ اے محمد ﷺ ہمیں اپنے رب کے ہاں یاد کرلیں۔ یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

کیا نبی علیہ السلام کو مخاطب کر کے یہ کہنا اور ابتداء میں اللہ سے یہ سوال کرنا کہ ہماری بات نبی کو پہنچا دیں۔ ایک دوسرے کی خلاف باتیں نہیں؟

ابو بکر رضی اللہ عنہ تو دور کی بات ان سے کم عقل والے انسان کی طرف اس طرح کی بات منسوب کرنا کسی عقلمند کا کام نہیں ہو سکتا۔ صحیح حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ شہداء نے اللہ تعالیٰ سے کہا: ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ بتادے کہ ہم اپنے رب سے مل گئے وہ ہم سے راضی ہوا اور اس نے ہمیں بھی راضی کر دیا۔ لیکن کسی صحابی رسول اللہ ﷺ نے ان شہداء میں سے کسی شہید کے پاس جا کر یہ نہیں کہا کہ ہماری بات اللہ تعالیٰ کو پہنچا دو۔

صحابہ کی عظمت شان اور فقاہت کی گہرائی اس سے بالاتر ہے کہ وہ اس طرح کریں۔ تو جب کسی عام صحابی رسول کیلئے ایسا کرنا ممکن نہیں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ایسا کام کس طرح سرزد ہو سکتا ہے؟

پس حدیث میں اس بات کی وضاحت آئی کہ اللہ ان شہیدوں کی بات جو اللہ کے ہاں پہنچ چکے ہیں اپنے نبی ﷺ کو پہنچا رہا ہے اور وہ شہداء خود اپنی بات نہیں پہنچا سکتے تو اس معاملے کو کیسے الٹا کیا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ سے مطالبہ کیا جائے کہ ہماری بات اللہ کو پہنچا دیں؟

یہ جواب تو اس وقت ہو گا جب اس حدیث کی سند صحیح ثابت ہو۔ لیکن اس کی تو سند ہی صحیح نہیں۔ ابن السکن فرماتے ہیں: سیف بن عمر ضعیف ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں یہ روایت سیف بن عمر نے اپنے والد عمرو بن تمام سے روایت کی ہے انہوں نے قعقاع بن عمرو سے نقل کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حاضر ہوا۔۔۔۔۔ سیف بن عمر متروک ہے لہذا یہ حدیث باطل ہے۔ اور اگر بالفرض یہ الفاظ ثابت بھی ہوں۔ تو یہ بعید نہیں کہ اس میں ندا اور طلب دونوں حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہو۔ جیسا کہ کوئی محب اپنے محبوب کو دل میں حاضر کر کے اس سے خطاب کرتا ہے اور اس سے کچھ مطالبہ کرتا ہے۔ اس میں صرف ایک لذت حاصل کرنا اور اپنے دل کو تسلی دینا مقصود ہوتا ہے نہ کہ حقیقی معنی، یا خطاب کسی اور سے ہوتا ہے لیکن نام محبوب کا لیا جاتا ہے۔ تو اس میں گویا خطاب اللہ تعالیٰ سے ہے اور اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ لیکن نبی کا نام لیکر ان سے مطالبہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہمارا سفارشی اور اللہ کے ہاں ہمارا تذکرہ کرنے والا بنادے۔ یہ دونوں احتمالات اگرچہ کچھ بعد سے خالی نہیں ہیں۔ لیکن ان احتمالات سے زیادہ بعید نہیں جو دحلان صاحب نے مشرکین کے کلام کو صحیح قرار دینے کیلئے بیان کئے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: جب عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وضاحت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی موت کا یقین کر لیا تو رو رو کر کہنے لگے: (اے اللہ کے رسول ﷺ) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کھجور کے ایک تنے پر لوگوں کو وعظ و خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، جب لوگ بڑھ گئے تو آپ نے اس تنے کو چھوڑ کر ممبر بنوایا۔ تاکہ آپ اپنی بات لوگوں کو سنا سکیں۔ تو وہ تنا آپ کی جدائی پر چیخ چیخ کر رو دیا یہاں تک کہ آپ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ خاموش ہوا۔ تو آپ کی امت آپ کی جدائی پر رونے کی زیادہ حقدار ہے۔۔۔۔۔ عمر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ میں کئی دفعہ نبی ﷺ کو فوت ہونے کے بعد پکارا گیا ہے۔ اور بہت سے ائمہ حدیث نے اسے نقل کیا ہے۔ قاضی نے اسے الشفاء میں، قسطلانی نے المواھب میں، غزالی نے الاء حیاء میں، اور ابن الحاج نے المدخل میں بھی ذکر کیا ہے۔

شیخ بشیر: قسطلانی نے المواھب میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ روایت ابو العباس القصار نے بردہ بوصیری کی شرح اور میں الرشاطی سے اپنی کتاب (اقتباس الانوار والتماس الازھار) میں نقل کی ہے۔ ابن الحاج نے اس کو (المدخل) میں بھی ذکر کیا ہے اور قاضی عیاض نے الشفاء میں اسے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس نے اسکا کچھ حصہ ذکر کیا ہے۔

پس جو اسے بطور دلیل پیش کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی سند اور اس کے راویوں کی توثیق ذکر کر دے۔ اور یہ (ثابت کرے) کہ حدیث کی صحیح یا حسن ہونے میں جو رکاوٹ کے اسباب اور علتیں ہیں ان سے روایت پاک ہے۔ لیکن اس کی سند اور اسے صحیح ثابت کرنا ناممکن ہے۔ جبکہ اس طرح کا مرثیہ یعنی میت پر غم کا اور حزن کا اظہار مباح ہے۔ جیسا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اقوال میں پہلے ذکر ہوا۔ تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو پکارا نہیں جا رہا بلکہ یہ غم کا اظہار ہے۔

شیخ دحلان: مذکورہ بالا دلائل سے اور اس طرح کی دیگر دلائل سے ان لوگوں کی بات باطل اور غلط ثابت ہو رہی ہے جو مطلق پکار کے منکر اور مانع ہیں۔

شیخ بشیر: مردہ اور غائب لوگوں کو پکارنے سے منع کرنے والے مطلق (ہر قسم کی پکار) سے منع نہیں کرتے۔ بلکہ اس پکار سے منع کرتے ہیں جس میں حقیقی طور پر کسی مردے یا غائب کو پکارا جائے اور اس سے ایسے مطالبات کئے جائیں جن کی تکمیل پر اللہ کے علاوہ کوئی قادر نہیں ہوتا۔

شیخ دحلان: امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی بیٹی فاطمہ نے کہا:

"یا ابتاہ۔۔۔"

(اے میرے ابا جان)

اس حدیث سے بھی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کو پکارنا ثابت ہو رہا ہے۔

شیخ بشیر: یہ پکار نہیں بلکہ میت پر اپنے غم کا اظہار ہے۔ کیونکہ ایک تو وفات رسول اللہ ﷺ کے وقت فاطمہ رضی اللہ عنہانے ایسا کہا تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور وقت یہ کہنا فاطمہ رضی اللہ عنہا یا کسی اور صحابی سے ثابت نہیں۔ پھر اس پر۔۔۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نعی کا لفظ بھی آیا ہے (الی جبریل ننعاہ) نعی میت کی موت کی خبر کو کہا جاتا ہے۔
دوسری بات یہ کہ اس کے آخر میں آواز کھینچنے کیلئے (الف) کا اضافہ بھی اظہار غم کیلئے ہے۔ تو اس کو پکار کہنا جہالت کی بہت واضح دلیل ہے۔

شیخ وحلان: رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا نے بھی رسول اللہ ﷺ کے بہت سے مرثیے (فوت ہونے کے بعد تعریفی اشعار) کہتے ہیں۔ کہے جن میں رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کی وفات کے بعد پکارنے کی دلیل ہے۔

شیخ بشیر: اس (شعر) کو پکار کہنا اس شخص کی غلط فہمی کی بڑی واضح دلیل ہے۔ کیونکہ اس کا بطور مرثیہ کہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ صرف اپنے غم کا اظہار ہے پکار نہیں۔ میت کو پکارنے کی ایک دلیل میت کو دفنانے کے بعد اس کو تلقین کرنا ہے۔ جسے بہت سے فقہاء نے ذکر کیا ہے اور اس کیلئے طبرانی کی اس حدیث سے دلیل لی ہے جو امام طبرانی نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرکے بہت سے شواہد کیساتھ اسکو تقویت دی ہے تو تلقین میں میت کو مخاطب کیا جاتا ہے اور اسے پکارا جاتا ہے۔ لہذا مردوں کی پکار سے منع کرنے والے ہر قسم کی پکار سے کیسے روکتے ہیں؟

شیخ بشیر: تلقین والی حدیث کو ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ذکر کیا کہ سعید بن عبد اللہ الاودی کہتے ہیں: میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ان کے آخری لمحات میں حاضر ہوا انہوں نے فرمایا: جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ اسی طرح کرو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ: جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے اور تم اس کی قبر پر مٹی ہموار کر دو تو پھر تم میں سے کوئی شخص اس کے سر کی طرف کھڑا ہو کر یہ کہے: اے فلان فلانی کے بیٹے، وہ سنتا ہے لیکن جواب نہیں دے سکتا ہے پھر کہے فلان بن فلان میت سیدھا بیٹھ جاتا ہے پھر کہے یا فلان بن فلانہ، میت کہتا ہے: اللہ آپ پر رحم فرمائے میری راہنمائی کرو۔ لیکن تم اس کی بات نہیں سنتے ہو۔ پھر یہ کہے کہ جس عقیدے کے ساتھ تم دنیا سے چلے گئے وہ یاد کر لو۔ اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ تم اس پر راضی تھے کہ اللہ ہمارا رب ہے محمد ﷺ ہمارے نبی ہیں اور قرآن ہمارا راہنما ہے۔ پھر منکر اور نکیر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں ہمیں یہاں سے لے چلو ہم ایسے شخص کے پاس نہیں بیٹھتے جسے اپنی دلیل سکھائی گئی۔ تو اللہ تعالیٰ منکر اور نکیر کو خود اس بندے کی طرف سے جواب دیتا ہے۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے ایک آدمی نے پوچھا کہ اگر اس میت کی والدہ کا نام ہمیں معلوم نہ ہو تو ہم کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو حوا کی طرف منسوب کرکے یہ کہو کہ اے فلان حوا کے بیٹے۔ اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں میں نہیں پہچان سکا۔ (مجمع الزوائد)

حافظ ابن القیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ قبر کے پاس پڑھنے کیلئے نہیں بیٹھتے تھے۔ اور نہ ہی میت کو تلقین کرتے تھے۔ جیسا کہ آج کل لوگ کرتے ہیں۔ اور اس بارے میں طبرانی کی المعجم الکبیر والی روایت بھی ہے جس میں ہے کہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی فوت ہو جائے اور اس کی قبر پر تم مٹی ہموار کر دو تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تم میں سے کوئی شخص اسکی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے: اے فلاں فلانی کا بیٹا: وہ قبر والا اسکی آواز تو سنتا ہے لیکن جواب نہیں دے پاتا۔ پھر کہے: اے فلاں فلانی کا بیٹا تو میت کہتا ہے۔ اللہ تم پر رحم کرے میری رہنمائی کرو۔ لیکن تمہیں اسکی (میت کی) ان باتوں کا شعور نہیں ہوتا۔ پھر اس سے یہ کہے کہ وہ عقیدہ یاد کرلو جس پر تم دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے شریک نہ ہونے کی گواہی اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں۔ اور اس بات کو بھی یاد کرلو کہ تم اللہ کے اپنے رب ہونے پر، اسلام دین ہونے پر، محمد ﷺ نبی ہونے پر اور قرآن کے امام اور راہنما ہونے پر راضی تھے۔

منکر اور نکیر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں کہ ہمیں یہاں سے لے چلو ہم ایسے شخص کے پاس نہیں بیٹھتے جسے اپنی حجت (جواب) کے بارے میں تلقین کی گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ خود اس میت کی طرف سے حجت (جواب) دیتا ہے۔

ایک آدمی نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے پوچھا کہ اگر اس میت کی والدہ کا نام معلوم نہ ہو تو؟ نبی ﷺ نے فرمایا اسکو اپنی ماں حوا (علیہا السلام) کی طرف منسوب کر کے اے فلان حوا کے بیٹے کہہ دے۔ تو اس حدیث کا مرفوع ہونا (رسول اللہ ﷺ سے منقول ہونا) صحیح ثابت نہیں۔ البتہ امام اثرم کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ (امام احمد) سے اس تلقین کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا میں نے کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔ صرف شام والوں کو میں نے دیکھا جب ابو المغیرہ فوت ہوئے تو ایک آدمی نے آکر یہ تلقین کی اور ابو المغیرۃ اس کے بارے میں ابو بکر بن ابی مریم سے نقل کرتے تھے کہ وہ لوگ (شام والے) ایسا کرتے تھے۔

ابن عیاش بھی اس بارے میں ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ (یعنی، اسماعیل بن عیاش کی مذکورہ روایت جو انہوں نے ابو امامہ سے نقل کی ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے) سعید بن منصور نے اپنی سنن میں راشد بن سعد، ضمرۃ بن حبیب اور حکم بن عمیر سے نقل کیا کہ جب میت کی قبر کی مٹی برابر کر دی جاتی اور اس سے لوگ واپس پلٹ جاتے تو وہ مستحب (اچھا) سمجھتے تھے کہ میت کی قبر کے پاس یہ کہا جائے: اے فلاں لا الہ الا اللہ پڑھ لو اشھد ان لا الہ الا اللہ پڑھ لو۔ تین دفعہ یہ کہا جائے۔ اور یہ کہے کہ میرا رب اللہ ہے میرا دین اسلام ہے اور میرا نبی محمد ﷺ ہے۔ پھر قبر سے واپس لوٹ جائے۔ حافظ ابن حجر تلقین الجبر میں لکھتے ہیں: اس کی سند بہتر ہے اسے ضیاء المقدسی نے اپنے احکام میں قوی قرار دیا ہے۔ اسکی سند میں سعید الازدی بھی ہے جس کے نام کے سامنے ابو حاتم نے جگہ خالی چھوڑی ہے (کچھ جرح یا تعدیل کے الفاظ ذکر نہیں کئے) ھیثمی نے اس روایت کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ اس کی سند میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے متعلق مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔

اسکی سند میں عاصم بن عبید اللہ بھی ہے جو کہ ضعیف ہے۔

امام اثرم کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ لوگ جو میت کو دفنانے کے بعد اس کے سرہانے کھڑے ہو کر (یا فلان ابن فلانہ۔۔۔) کہتے ہیں یہ کیا ہے؟ امام احمد نے فرمایا: میں نے کسی کو یہ کرتے نہیں دیکھا سوائے شام والوں کے کہ جب ابو المغیرہ فوت ہوئے تو انہوں نے ایسا کیا تھا۔ اس بارے میں ابو بکر بن ابی مریم سے نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کے بارے میں کہا کہ وہ ایسا کرتے تھے۔ اور اسماعیل ابن عیاش اسے روایت کرتا تھا (ابو امامہ والی حدیث) (دیکھئے نیل المرام از ...)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

السلام شرح بلوغ المرام) (المنار) میں ہے کہ علم حدیث کی معرفت رکھنے والے اس (تلقین والی) حدیث کے من گھڑت (موضوع) ہونے میں شک نہیں کرتے۔

ابن القیم نے اپنی کتاب (الروح) میں لکھاہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ائمہ تحقیق کی باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ ضعیف حدیث ہے اور اس پر عمل کرنا بدعت ہے۔ لہٰذا زیادہ لوگوں کے یہ کام کرنے سے دھوکہ نہ کھایا جائے۔ نزل الابرار میں ہے کہ اہل علم کی ایک بڑی جماعت نے اس تلقین کو بدعت قرار دیکر اسے رد کر دیاہے۔ دیکھئے الھدی النبوی وغیرہ جیسے راقم کی (تمار التنکیت) ہے۔(نزل الابرار)

میں کہتاہوں کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ اس کی سند میں بہت سے مجہول راوی ہیں جیساکہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہاہے۔ اسکی سند میں عاصم بن عبید اللہ بن عمر بن الخطاب العدوی بھی ہے۔ جیساکہ حافظ نے تلقین میں کہاہے ۔میزان میں ذہبی لکھتے ہیں کہ اپنے والد اور عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ اور دیگر بہت سے لوگوں سے روایت کرتا ہے۔ اور اس سے شعیب اور مالک روایت بیان کرتے ہیں۔ پھر امام مالک نے اسے ضعیف قرار دیا۔ امام یحیٰی کہتے ہیں کہ ضعیف ہے۔ اس سے حجت نہیں لی جاتی۔ ابن حبان کہتے ہیں بہت سی غلطیاں کرتا ہے۔ اس لئے چھوڑ دیا گیاہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ ابن عیینہ نے کہا: بڑے شیوخ عاصم بن عبید اللہ کی روایت سے بچتے تھے، نسائی نے کہا: یہ ضعیف راوی ہے۔ امام نوی نے اپنی کتاب الاذکار میں بھی اسکے ضعیف ہونے کی صراحت کی ہے۔ اور دیگر ائمہ نے اپنی اپنی کتابوں میں اسے ضعیف کہاہے۔

لیکن جس نے اس تلقین والی حدیث کو قوی قرار دیاہے وہ شام والوں کا عمل اس کے ساتھ ملا کر اسے تقویت دیتے ہیں۔ اب ہم شام والوں کے عمل والی روایت کی طرف آتے ہیں تو اس بارے میں مندرجہ ذیل روایتیں ہیں۔

1 ابو المغیرہ الحمصی ابو بکرۃ بن ابی مریم سے نقل کرتے ہیں کہ شام کے لوگ تلقین کیا کرتے تھے۔

لیکن یہ روایت ضعیف ہے اس لئے کہ اس سند میں ابو بکر بن عبد اللہ بن ابی مریم الغسانی ہے الحمصی ہے امام ذہبی کہتے ہیں: یہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ عبادت گزار لوگوں میں سے تھے۔ راشد بن سعد، خالد بن معدان سے اس نے روایتیں بیان کی ہے اور اس سے بقیہ، ابو الیمان، اور دیگر کچھ لوگوں نے روایت لی ہے۔ اسے امام احمد وغیرہ نے ضعیف قرار دیا۔ اس کی غلطیوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے۔ جبکہ پہلے علم کا ایک خزانہ تھا۔ ابن حبان کہتے ہیں اس کا حافظہ خراب ہے جب متفرد ہو تو قابل حجت نہیں۔

ابو داوٗد کہتے ہیں: ابو بکر بن ابی مریم کے زیور چوری ہوگئے تو (اس غم سے) اپنا حافظہ کھو بیٹھے۔ امام احمد سے میں نے سنا کہتے تھے یہ کچھ بھی نہیں خلاصہ اور اس کے حاشیہ میں ہے کہ ابو عبد اللہ الحافظ نے اسے ضعیف کہاہے۔ اسی طرح ابن حجر کہتے ہیں: یہ ضعیف، اسکا گھر لٹ گیا تو اختلاط کا شکار ہوا۔ تقریب التھذیب۔

2 راشد بن سعد حمزہ بن حبیب اور حکیم بن عمیر کی روایت جسے سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ذکر کیاہے کہ: جب میت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر اسکی قبر برابر کر دی جاتی اور لوگ اس سے واپس پلٹ آتے تو لوگ یہ مستحب سمجھتے تھے کہ۔۔۔۔

اس روایت کا ایک راوی راشد بن سعد اگرچہ ثقہ ہے لیکن ارسال بہت کرتا تھا (بغیر سند کی روایتیں بیان کرتا تھا) اور حکیم بن عمیر الحمصی سچا ہے لیکن اسے وہم ہوتا تھا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا ہے۔

اس کے علاوہ جن تابعین کی طرف یہ روایت منسوب کی گئی ہے ان تک اس کی سند معلوم نہیں تو بغیر سند کے اس پر کیسے اعتماد کیا جائے۔لہذا جو اس سے دلیل لیتے ہیں وہ پہلے اس کی سند پیش کریں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پہلے تو اہل شام کا عمل ثابت نہیں اور اگر بالفرض اسے ثابت بھی مان لیا جائے تو ان کے عمل سے ضعیف حدیث صحیح قابل حجت نہیں بنتی اور جو یہ دعویٰ کرتا ہے اس کا ثبوت اس کے ذمے ہے اور بعض شامیوں کا عمل کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

بالفرض اگر تلقین والے مذکورہ حدیث صحیح ثابت بھی ہو تو اس میں میت سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی قادر نہ ہو اس میں تو صرف میت کو آواز دینا اور اس کی راہنمائی ذکر ہے۔پھر یہ قیاس کے بھی خلاف ہے۔تو اس پر کسی اور چیز کو قیاس کرنا بھی جائز نہیں۔

www.kitabosunnat.com

شیخ دحلان: مردوں کو پکارنے کی ایک دلیل وہ مشہور حدیث ہے جسے بخاری اور اصحاب السنن نے روایت کیا ہے۔کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش کے مقتولین کو میدان بدر کے ایک کنویں میں پھینکنے کے بعد ان کو آواز دی۔

شیخ بشیر: اسکے کئی جوابات ہیں۔

1 اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی کی بات سنانے کیلئے زندہ کر دیا تھا بطور معجزہ اور خلاف عادت۔اسکی دلیل صحیح بخاری کی کتاب المغازی والی روایت ہے۔جس میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میدان بدر کے کنویں کے کنارے پر کھڑے ہو کر کہنے لگے (کیا تم نے وہ وعدہ سچا پایا جو تمہارے رب نے کیا تھا؟) پھر (صحابہ کرام سے) فرمایا کہ یہ لوگ (مشرکین) ابھی میری باتوں کو اچھی طرح سے سن رہے ہیں۔

اس روایت میں (الآن) (ابھی) کا لفظ اسکی واضح دلیل ہے اور ما اقول (جو میں کہہ رہا ہوں) تخصیص کی واضح دلیل ہے کہ عادت کے خلاف صرف میری باتوں کو یہ سن رہے ہیں۔قتادہ کہتے ہیں: انہیں اللہ تعالیٰ نے زندہ کر کے اپنے نبی کی بات سنوادی ان کو ڈانٹنے اور ان کو ذلیل کرنے اور غصہ اور افسوس دلانے کیلئے اور ان کے پچھتاوے کیلئے۔(صحیح بخاری)

مسند احمد کے الفاظ ہے کہ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انکو ڈانٹنے اور ذلیل کرنے کیلئے انہیں زندہ کر کے پیغمبر کی بات سنوادی (اسکے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے)

امام سہیلی کہتے ہیں کہ اسی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اللہ کے رسول ﷺ آپ ایسے لوگوں سے بات کر رہے ہیں جو مردہ ہیں؟ آپ ﷺ نے ان کو جواب دیا کہ یہ اس وقت میری باتوں کو اچھی طرح سن رہے ہیں۔۔۔۔

صحابہ کرام کا یہ سوال اسکی واضح دلیل ہے کہ یہ خلاف عادت واقعہ ہے۔(فتح الباری)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب یہ خلاف عادت واقعہ ہے تو اس طرح تو بہت سے خلاف عادت واقعات ہیں اور خلاف عادت واقعے سے کسی موافق عادت مسئلے کیلئے دلیل لینا صحیح نہیں۔ لہذا اس خلاف عادت واقعے سے بھی میت کو پکارنے کیلئے دلیل لینا صحیح نہیں ہے۔

2 اس پکار میں مردوں سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں ہے جس پر اللہ کے علاوہ کوئی قادر نہ ہو بلکہ یہ تو ان کو ڈانٹنے اور ان کو ذلیل کرنے کیلئے ان کو آواز دی گئی ہے۔ لہٰذا اگر یہ خلاف عادت نہ بھی ہو تو اس سے صرف کفر پر مرنے والوں کی قبروں پر جا کر اس طرح کے کہنے کا جواز مل سکتا ہے جس طرح نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے مشرکین کے مقتول لوگوں سے کہا۔ اور انکی تذلیل و تحقیر اور ان کو ڈانٹنے کیلئے کیا۔ لہذا اس میں کوئی اختلاف نہیں اصل اختلاف تو انبیاء یا صالحین کو ان کے موت کے بعد بطور تعظیم اور احترام، عاجزی اور انکساری کیساتھ کسی ایسی چیز کے مطالبے کے بارے میں ہے جس کے کرنے پر صرف اللہ قادر ہو۔ اور اس حدیث میں اسکی کوئی دلیل نہیں ملتی۔

3 مردوں کو پکارنا اس حدیث میں خلاف القیاس ہے لہذا خلاف القیاس واقعے پر کسی مسئلے کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اور اس طرح کی ڈانٹ پچھلے انبیاء کے ان کار کرنے والوں کی ہلاکت کے بعد ان کے انبیاء کی طرف سے بھی ثابت ہے جیسے کہ صالح علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

(صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے (منہ) پھیرا اور کہا: اے میری قوم یقیناً میں نے اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم خیر ہوں کو پسند نہیں کرتے۔ (سورۃ اعراف)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ: یہ صالح علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنی قوم کو ڈانٹنا اور ملامت کرنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی نافرمانی اور ان پر سرکشی کرنے اور حق اور ہدایت سے اعراض کرنے کیوجہ سے ھلاک کر دیا تو صالح علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی ہلاکت کے بعد ان سے یہ کہا تو لوگ اسے سن رہے تھے۔

اسی طرح شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(شعیب نے ان سے منہ پھیرا اور کہا: اے میری قوم بے شک میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی پس میں کافر قوم پر کیسے غم کا اظہار کروں۔ (سورۃ اعراف)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت میں لکھا ہے کہ شعیب علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم کی ہلاکت اور اللہ کے عذاب کی لپیٹ میں آنے کے بعد ان کو ڈانٹنے اور ملامت کرنے کے طور پر کہا: اے میری قوم میں نے تمہیں تمہارے رب کے پیغامات پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ شیخ دحلان نے مذکورہ بالا حدیث صرف بخاری اور اصحاب السنن کی طرف سے منسوب کی ہے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ امام مسلم نے اس حدیث کو یوں نقل کیا ہے۔

انس بن مالک کہتے ہیں: ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے۔ ہم نے چاند دیکھنے کی کوشش کی میری نظر تیز تھی تو میں نے چاند دیکھ لیا لیکن میرے علاوہ کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں نے دیکھا ہے۔ میں عمر سے کہتا تھا کہ کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ نہیں دیکھ رہے؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے؟ عمر کا جواب نہیں میں ہوتا تھا۔
رسول اللہ ﷺ ان کے پاس جاکر کہنے لگے: اے فلاں فلاں کے بیٹے اے فلان فلان کے بیٹے۔ کیا تم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کیا ہوا وعدہ پورا پایا؟ میں نے تو میرے ساتھ کیا ہوا اپنے رب کا کیا ہوا وعدہ پورا پالیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ آپ کیسے ایسے جسموں سے بات کرتے ہیں جن میں روح ہی نہیں ہے؟ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: میری ان باتوں کو تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے بس وہ مجھے جواب نہیں دے سکتے۔
مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے مقتولین کے پاس تین دن کے بعد آکر آواز دی: اے ابو جھل بن ہشام، اے امیہ بن خلف، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ کیا تم نے اپنے رب کا کیا ہوا وعدہ پالیا؟ میں نے تو اپنے رب کا کیا ہوا وعدہ سچا پالیا۔
عمر رضی اللہ عنہ نے جب نبی علیہ السلام کی یہ بات سنی تو کہنے لگے: اللہ کے رسول ﷺ یہ لوگ ان باتوں کو کیسے سنیں گے یا کیسے جواب دینگے؟ جبکہ یہ تو مردے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میری ان باتوں کو ان مردوں سے زیادہ نہیں سنتے ہو۔ لیکن یہ جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں حکم دیا تو انہیں کھینچ کر بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا۔
اسی طرح صحیح مسلم کی کتاب الجنائز میں ہے: ہشام اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تذکرہ ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ میت پر اسکے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے اسے قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا: کیا ابن عمر نے یہ تو نہیں کہا کہ میت کو اسکی غلطیوں اور اس کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے جبکہ اس وقت اس کے اہل خانہ اس پر روتے ہیں۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسا رسول اللہ ﷺ بدر کے کنویں پر کھڑے ہوئے جس کنویں میں مشرکین مکہ کی لاشیں پڑی تھی۔ تو کہنے لگے کہ یہ میری بات سن رہے ہیں اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ابھی میری ان باتوں کو حق سمجھتے ہیں جو میں ان کی زندگی میں ان سے کہا کرتا تھا اور ان کو نہیں مانتے تھے۔
پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت تلاوت کی۔
(بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ان کو جو قبروں میں ہیں۔ یعنی جب انہوں نے اپنا ٹھکانا جہنم کی آگ میں بنا دیا تو آپ کی بات وہ نہیں سنتے)
اسی طرح دحلان صاحب نے اس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سارے اصحاب السنن (ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی) نے یہ روایت نقل کی ہے جبکہ میں نے اس کے پانے کی امید کی تمام جگہیں ڈھونڈ لیں بہت محنت اور تلاش کے بعد مجھے صرف سنن النسائی میں یہ روایت ملی۔
علامہ قسطلانی نے بھی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام بخاری نے اسے کتاب المغازی میں، تنہا کتاب الجنائز میں اور اسی طرح نسائی نے روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس روایت کو ابوداؤد نے، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ یہ دحلان کی کم علمی کو تاہ نظری اور غلطی پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔

شیخ دحلان: اور بڑے بڑے ائمہ، علماء کرام اور اولیاء عظام سے مردوں کو پکارنے اور ان سے مخاطب کے صیغے سے بات کرنے کے بارے میں جو آثار منقول ہیں۔ ان سب کو لکھنے اور نقل کرنے میں بڑی عمریں گزر سکتی ہیں ان پر زمانے اور صدیاں بیت گئیں اور ان کا انکار کوئی نہیں کر سکا۔

شیخ بشیر: جمادات اور مردوں کو حقیقی طور پر پکارنا جس میں ان سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ ہو جس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور قادر نہیں۔ کسی صحیح اثر سے ثابت نہیں اور جو اس کا دعویٰ کرتا ہے ثبوت اسکے ذمے ہے۔ اور رہا مطلق طور پر ندا (پکارنا) تو اس کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔

شیخ دحلان: کسی مسلمان کو ایسی بات پر کافر قرار دینا کیسے جائز ہو سکتا جس کی کوئی دلیل ہی نہ ہو۔

شیخ بشیر: مردوں یا بے جان چیزوں کو حقیقی طور پر پکارنا یعنی ان سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ کرنا جس کے کرنے پر اللہ کے علاوہ کوئی قادر نہ ہو۔ اسے ہم کفر قرار دیتے ہیں اور اسکے جواز کی دلیل تو دور کی بات ہے البتہ اسکے کفر ہونے کے واضح دلائل موجود ہیں۔

شیخ دحلان: جبکہ صحیح حدیث میں ہے کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی سے کہا: اے کافر۔ تو ان دونوں میں سے کوئی ایک کافر ہو گا۔ جسے کافر کہا گیا ہے اگر وہ کافر ہو تو ٹھیک ہے ورنہ یہی کفر کا لفظ کہنے والے پر لوٹتا ہے۔

شیخ بشیر: جو مردوں اور بے جان چیزوں کو حقیقی طور پر پکارتا ہے اور ان سے ایسے مطالبات کرتا ہے جن کے پورا کرنے پر اللہ کے علاوہ کوئی اور قادر نہیں ہوتا تو ایسا شخص اسلام سے نکل جاتا ہے اور اسے کافر کہنے والا اس حدیث کے زد میں نہیں آتا۔

شیخ دحلان: پس قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے کسی کو بھی اسلام سے خارج کرنے والے کسی واضح عمل کے بغیر کافر نہیں کہا جا سکتا۔

شیخ بشیر: اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت اسلام سے خارج کرنے والا واضح عمل ہے۔ اور مذکورہ بالا پکار بلاشک وشبہ غیر اللہ کی عبادت ہے تو اس کے مرتکب کو کافر کیوں نہیں کہا جا سکتا؟

شیخ دحلان: شیخ محمد بن سلیمان الکردی المدنی (جو فقہ شافعی کی کتاب مختصر کے حاشیہ کے مصنف ہیں) کا ایک رسالہ میں نے دیکھا جس میں انہوں نے محمد بن عبدالوہاب کو مخاطب کر کے لکھا ہے (یاد رہے کہ محمد بن عبدالوہاب ان کے شاگردوں میں سے ہیں مدینہ منورہ میں ان سے پڑھا ہے) اے محمد بن عبدالوہاب اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی، میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ایمان والوں کے بارے میں اپنی زبان قابو میں رکھو۔ اور اگر کسی شخص کے بارے میں تم یہ سنو کہ وہ اللہ کے علاوہ پکارے جانے والوں سے نفع و نقصان کی امید رکھتا ہے تو اسے حق بات سمجھا دو، اور دلائل سے اسکو بتا دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے۔ اگر وہ پھر بھی اپنے اس نظریئے کو چھوڑنے سے انکار کرتا ہے تو خاص اسی کو کافر کہو اس ایک کی وجہ سے سارے مسلمانوں کو کافر کہنے کا حق نہیں بنتا اور آپ سواد اعظم (مسلمانوں کی اکثریت) سے الگ ایک راستہ پر گامزن ہیں، اور جو مسلمانوں کی اکثریت سے علیحدہ کوئی راستہ اختیار کرتا ہے اس کو کفر کی طرف منسوب کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس نے مسلمانوں کے راستے سے الگ راستہ اپنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (جو رسول ﷺ کی مخالف کرے اور مسلمانوں کے راستے کے علاوہ کسی راستے کی پیروی کرے تو جس طرف وہ پھرنا چاہتا ہے ہم اسے پھیر دینگے اور اسے جہنم میں داخل کر دینگے اور جہنم بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ اور بھیڑیا بھی بکریوں میں سے اسی کو کھاتا ہے جو دوسری بکریوں سے تنہا رہتی ہے) یہ رسالہ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کے ابتدائی ایام میں لکھا گیا تھا۔

شیخ بشیر: شیخ محمد بن عبد الوہاب نے ایمان والوں میں سے کسی کو کافر نہیں کہا بلکہ انہوں نے قبروں کے پجاریوں کو خالص اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی اور ان کو انبیا اور صالحین کو اس طرح پکارنے سے منع کیا جس پکار میں انبیاء وصالحین سے ان حاجات کے پورا ہونے کا مطالبہ کیا جاتا ہو جن کے پورا کرنے پر اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے، یا غم اور پریشانی دور کرنے کا مطالبہ ہو۔

اور شیخ محمد بن عبد الوہاب نے ان کے سامنے یہ وضاحت کی کہ اس طرح پکار اور پوجنا اس بڑے شرک میں سے ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو کافر قرار دیا ہے۔

اور شیخ کے ہاں اگر کوئی شخص انبیاء اور صالحین (جن کی لوگ پوجا کرتے تھے) رب العالمین کے ساتھ پکارتے تو شیخ انہیں اس پر منع کرتے اور حق بات کی راہنمائی کرتے اور اس کام سے ڈرا دیتے تھے۔ تو لوگ ان کو یہ کہتے کہ اگر ان بزرگوں اور صالحین کو پکارنا شرک وکفر ہے تو ہم کافر اور مشرک ہی سہی، تو ان لوگوں نے خود ہی اپنے کافر ہونے کا اقرار کیا۔

ابن جوزی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں مزید فرماتے ہیں شیخ نے سویدی بغدادی کے نام اپنے خط میں لکھا تھا۔ آپ نے یہ جو کہا ہے کہ میں اپنے پیروکاروں کے علاوہ باقی تمام لوگوں کو کافر سمجھتا ہوں اور ان کے نکاحوں کو بھی غلط سمجھتا ہوں، تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ یہ باتیں کوئی عقل مند آدمی کر سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص کسی کو کافر یا مسلم یا عقل مند یا دیوانہ قرار دے سکتا ہے؟ البتہ میں اس شخص کو کافر کہتا ہوں جو انبیاء کا دین پہچان اور جان لیتا ہے اور اس کے بعد اس دین کو برا بھلا کہتا ہے اور لوگوں کو اس دین سے روکتا ہے۔ دین سے عداوت رکھتا ہے میں ایسے شخص کو کافر سمجھتا ہوں جبکہ الحمد للہ امت کی اکثریت ایسی نہیں ہے۔

اپنے خط میں لکھتے ہیں ہم پر مندرجہ ذیل الزامات لگائے جاتے ہیں:

۱۔ ہم تمام لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں۔

۲۔ جو دین کا اظہار کرے اس کے لیے ہم واجب قرار دیتے ہیں کہ وہ ہماری طرف ہجرت کرے۔

۳۔ جو کفر نہ کرے اور قتال نہ کرے ہم اس کو بھی کافر سمجھتے ہیں۔

اس طرح کے بہت سے الزامات ہم پر لگائے گئے ہیں۔ یہ سب جھوٹ اور بہتان ہے۔ اس کے ذریعے لوگوں کو دین کی طرف آنے سے روکنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہم تو ان بت پرستوں کو بھی کافر نہیں کہتے جو عبد القادر جیلانی، احمد البدوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مزاروں پر بت پرستی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ ان کو اپنے عمل کے بارے میں معلومات نہیں نہ ان کو کسی نے بتایا ہے (کہ یہ غلط کر رہے ہیں) تو ہم ان کو کیسے کافر قرار دے سکتے ہیں جو شرک نہیں کرتے۔ صرف اس بات پر (کافر قرار دیں؟) کہ وہ ہماری طرف ہجرت نہیں کرتے یا کسی کی تکفیر نہیں کرتے؟

جب شیخ نے قبروں اور مزاروں کی پوجا کرنے والوں کو اس وجہ سے کافر قرار نہیں کہ ان کو کسی نے ان کے اس عمل کے بارے میں بتایا نہیں ان پر حجت قائم نہیں کی تو شیخ حرمین کو کیسے دارالکفر قرار دے سکتے ہیں؟

یہ جو ہم نے شیخ کی عبارتیں نقل کیں ان سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ مؤلف (دحلان) نے شیخ محمد بن سلیمان الکردسی المدنی سے جو کچھ نقل کیا ہے اس کے بارے میں ہم چند باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

۱۔ ان سے مطالبہ کیا جائے گا کہ جو کچھ آپ نے نقل کیا ہے وہ صحیح ہے؟ اس لیے کہ ان کے نقل کرنے کا اعتبار ختم ہو گیا؟

۲۔ یہ دعویٰ محتاج دلیل ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب شیخ سلیمان کے شاگرد ہیں۔

۳۔ یہ بات معلوم نہیں ہو سکی ہے کہ شیخ سلیمان اہل علم اور دیانت دار ہیں یا نہیں؟ تا کہ ان کی بات پر یقین کیا جا سکے یا نہیں۔

۴۔ اگر یہ تینوں مذکورہ باتیں ثابت ہو جائیں تو پھر شیخ سلیمان کی نصیحت جو انہوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کو کی تھیں اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے لوگوں میں شیخ کے بارے میں مشہور باتوں (الزامات) کو سن کر یہ نصیحت کی ہو گی۔ لوگوں میں غلط طور پر مشہور ہو گیا تھا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب سواد اعظم کو کافر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بلا تحقیق پھیلا دی گئی تھی۔

۵۔ اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ شیخ دحلان نے شیخ سلیمان کا جو قول نقل کیا ہے یہ نقل صحیح ہے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے اساتذہ حق پر تھے اس لیے کہ اساتذہ کی مطلق اتباع کوئی قابل تعریف بات تو نہیں ہے۔

۶۔ سابقہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے سواد اعظم کو کافر قرار نہیں دیا اور جس کو کافر قرار دیا تو وہ بھی خوارج کی طرح گناہ کبیرہ کی بنا پر نہیں بلکہ غیر اللہ کو پکارنے اور غیر اللہ سے وہ کچھ مانگنے پر کہ جس کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہے، اور غیر اللہ کو پکارنا عبادت ہے اس کے عبادت ہونے میں کسی بھی دیانت دار عالم نے شک نہیں کیا ہے۔ اور غیر اللہ کی عبادت بلا شبہ کفر ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی شیخ نے ایسا کرنے والے کو اس وقت تک کافر قرار نہیں دیا جب تک اس کو صحیح مسئلہ نہ بتایا جائے اور اس کے اس عمل کی قباحت سے آگاہ نہ کر دیا جائے۔

(۷) معلوم ہوا کہ اس تکفیر میں شیخ رحمہ اللہ متفرد نہیں ہیں بلکہ اہل سنت والجماعت کے تمام اہل علم ان کے ساتھ اس فتویٰ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شریک ہیں۔ ہمارے علم میں ایسا کوئی عالم نہیں جس نے اس تکفیر کی مخالفت کی ہو۔ ان علماء میں تقی الدین امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن قیم جوزی رحمہ اللہ، ابن عقیل، فتاویٰ بزاریہ کے مصنف، صنع اللہ حلبی، المقریز الشافعی، محمد بن حسین النعمی الزبیدی، محمد بن اسماعیل الصنعانی، محمد بن علی الشوکانی، صاحب الاقناع، ابن حجر مکی، صاحب نہر الفائق، امام البکری الشافعی، حافظ عماد الدین ابن کثیر، مصنف الصارم المسلول، شیخ حمد ناصر، علامہ امام حسن بن خالد، شیخ علامہ محمد بن الحفظی وغیرہ۔

۷۔ شیخ محمد بن سلیمان کا قول ہے کہ: اگر آپ کسی ایسے آدمی کے بارے میں سنیں جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ کے علاوہ جس کو پکارا جا رہا ہے اس میں فریاد سننے کی تاثیر ہے اور اس (عقیدہ) کو وہ صحیح سمجھتا ہو (تو اس کی تکفیر کی جائے گی)۔ حالانکہ کفر کا مدار اس اعتقاد پر نہیں ہے۔ کہ غیر اللہ میں تاثیر مانی جاتی ہو بلکہ صرف یہ بات کافی ہے کہ کوئی شخص غیر اللہ کو پکار کر ایسے امور طلب کرتا ہو جس کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہے تو یہ پکار ہی کفر ہے یہ بات پہلے متعدد بار بیان ہو چکی ہے۔

۸۔ شیخ سلیمان کا شیخ محمد بن عبد الوہاب سے یہ کہنا کہ آپ کے لیے لائق نہیں ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کو کافر قرار دیں جبکہ آپ اس اکثریت کے مقابلے پر خود اقلیت میں ہیں۔ لہٰذا اکثریت کے بجائے اقلیت کو کافر قرار دینا زیادہ مناسب ہے۔ شیخ سلیمان کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو سواد اعظم کا معنی معلوم نہیں ہے۔ سواد اعظم سے مراد وہ اکثریت نہیں ہے جو مسلمان ہونے کی دعوے دار ہے، بلکہ اس سے مراد ہے حق پر قائم رہنے والے اگرچہ تعداد میں کم ہوں۔ اس کی مکمل تفصیل و تحقیق پہلے گذر چکی ہے۔ حدیث بدأ الاسلام غریباً میں غرباء سے مراد کون ہیں؟ علامہ امام حسن بن خالد اپنی کتاب "منفعة القلوب فی اخلاص توحید علام الغیوب" میں لکھتے ہیں مسلمان اکثریت (سواد اعظم) صرف اہل حق ہی ہیں اگرچہ کم ہوں۔

"فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ أَنْجَيْنَا" (ہود:۱۱۶)

"تو جو امتیں تم سے پہلے گذر چکی ہیں ان میں ایسے ہوش مند کیوں نہ ہوئے جو ملک میں خرابی کرنے سے روکتے، ہاں (ایسے) تھوڑے سے (تھے) جن کو ہم نے مخلصی بخشی"۔

اس آیت میں جن لوگوں کی صفات بیان کی گئی ہیں موجودہ دور میں غرباء سے یہی لوگ مراد ہیں۔ انہی کی طرف اللہ کے رسول ﷺ نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

"بدء الاسلام غریبا وسیعود غریباً کما بدء فطوبی للغرباء"

"اسلام اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا تھا اور دوبارہ اسی غربت کی حالت میں چلا جائے گا۔ غرباء کے لیے خوش نصیبی ہے۔ کسی نے پوچھا اللہ کے رسول ﷺ غرباء کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو لوگوں کے بگاڑے ہوئے (دین) کی اصلاح کرتے ہیں"۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: غرباء خوش نصیب ہیں (خوشی ہے غرباء کے لیے) کسی نے سوال کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ غرباء کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: زیادہ تعداد کے برے لوگوں میں کم تعداد کے صالح لوگ ہوں گے ان میں نافرمانی کرنے والے ان کے اطاعت کرنے والوں سے زیادہ ہوں گے۔

دیگر لوگوں کی اکثریت کی بنسبت مسلمان قلیل تعداد میں ہیں، اور یہ غرباء ہیں۔ پھر عام مسلمانوں کی بنسبت اہل ایمان قلیل تعداد میں ہیں تو یہ غرباء بھی ہیں۔ پھر مؤمنین میں سے اہل علم کی تعداد کم ہے تو یہ غرباء ہیں۔

اہل بدعت اور خواہش پرستوں کی بنسبت اہل سنت کم تعداد میں ہیں تو یہ غرباء ہیں۔ پھر ان میں دعوت کا کام کرنے والے اور اس کے لیے مشکلات برداشت کرنے والوں کی تعداد کم ہے تو یہ غرباء ہیں۔ لیکن یہ (اکثریت کی) مخالفت کرنے والے ہی اہل اللہ اور اہل حق ہیں۔

چنانچہ یہ غرباء بمعنی اجنبی کے غرباء نہیں ہیں بلکہ اکثریت کی بنسبت غرباء (اجنبی) ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وان تطع اکثر من فی الارض یضلوك عن سبیل الله"

"اگر آپ نے زمین میں (رہنے والوں کی) اکثریت کی اطاعت کی تو یہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے"۔

یہاں جن کو غرباء کہا گیا ہے ان سے مراد ہے کہ یہ اللہ اور اس کی طرف سفر کرنے والے ہیں (اجنبی، مسافر، غریب ایک ہی معنی ہیں) ان کی غربت اجنبیت والی غربت ہے۔

اگرچہ حقیقت میں یہ اجنبی نہیں بلکہ معروف لوگ ہیں، غرباء کی متعدد اقسام بنتی ہیں ان میں سے ایک وہ طبقہ ہے جو اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے لیے دیگر لوگوں سے الگ ہو کر گویا اجنبی (غرباء) بن جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی ستائش اللہ کے رسول ﷺ نے کی ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو دین میں لے کر آیا تھا وہ بھی آغاز میں اجنبیت (غربت) کی حالت میں تھا اور ایک وقت آئے گا کہ یہ پھر غربت کی حالت میں آجائے گا اور اس کے ماننے والے بھی غرباء بن جائیں گے۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا میں مومن اجنبی (غریب) کی طرح رہتا ہے، وہ دنیا کی ذلت سے گھبراتا نہیں اور اس کی عزت کے پیچھے نہیں جاتا۔ لوگوں کی حالت کچھ اور ہوتی ہے اور اس کی کچھ اور۔ جن غرباء کی تعریف و توصیف اللہ کے رسول ﷺ نے کی ہے ان کی ایک صفت یہ ہے کہ یہ اس وقت سنتوں کو تھامے رکھتے ہیں جب لوگ ان سنتوں سے اعراض کرتے ہیں اور یہ غرباء ان بدعات کو ترک کرتے ہیں جو لوگوں نے ایجاد کی ہوتی ہیں۔ اگرچہ وہ ان بدعتیوں کے نزدیک کتنا ہی نیکی کے کام کیوں نہ شمار ہوتے ہوں۔ اور یہ لوگ (غرباء) خالص توحید کو اپناتے ہیں اور توحید کو خالص کرتے ہیں اگرچہ لوگوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ لگے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف خود کو کبھی منسوب نہیں کرتے نہ مسلک کے طور پر نہ گروہ کے طور پر۔ بلکہ یہ غرباء ایک اللہ کی عبادت اور صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہیں۔ یہ لوگ حق کے انگارے کو تھامے رکھتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کے درمیان ان کی اس اجنبیت کی بنا پر انہیں سواد اعظم سے علیحدہ شمار کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ قبائل سے علیحدہ ہو چکے ہوں گے۔ بعض محققین نے جلاء الغمہ پر اسی طرح رد کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: خلاصہ کلام یہ ہے کہ وسیلہ اور زیارت کے منکرین نے حد سے تجاوز کیا ہے اور انہوں نے امت کی اکثریت کو کافر قرار دے دیا ہے۔ ان کا مال اور ان کا خون جائز قرار دیا ہے اور امت کی اکثریت کو رسول اللہ ﷺ کے دور کے مشرکین کے مشابہ قرار دے دیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جو لوگ محمد ﷺ یا دیگر انبیاء، اولیاء اور صالحین کا وسیلہ لیتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کرتے ہیں اور آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ یا رسول ہم آپ سے شفاعت طلب کرتے ہیں تو یہ سب کام کرنے والے مشرک ہیں۔

شیخ بشیر: زیارت اور وسیلہ کے مانعین کبھی بھی حد سے آگے نہیں بڑھے۔ انہوں نے صرف ان کو کافر قرار دیا ہے جو کفر کا ارتکاب کرتے ہیں (اور کفر کا ارتکاب یہ ہے کہ) غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں یعنی فوت شدہ لوگوں کو پکارتے ہیں، ان ایسے امور کا سوال کرتے ہیں جن کی قدرت اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ ان کے لیے ذبیحہ کرتے ہیں۔ نذر مانتے ہیں ان پر توکل کرتے ہیں (اور یہ کفر کا فتویٰ بھی تب لگاتے ہیں) جب ان کو صحیح دین بتایا جائے اور ان کے غلط کاموں پر ان کو متنبہ کیا جائے۔ یہ صرف اس بات پر کافر قرار نہیں دیتے کہ وہ زیارت کرتے ہیں یا انبیاء، اولیاء اور صلحاء کا وسیلہ لیتے ہیں یہ ان پر جھوٹا الزام اور بہتان ہے۔ یہ جو لوگ وسیلہ لیتے اور زیارت کرتے ہیں یہ شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ دونوں کام غیر اللہ کی عبادت پر مشتمل ہیں۔ مثلاً دعا، ذبح اور نذر۔

البتہ اس طرح کا وسیلہ کہ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان آپ ﷺ کی تصدیق کرنے، آپ ﷺ کی شریعت کی اطاعت کرنے آپ ﷺ کے امر و نہی کو اپنانے، آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی دعا کا وسیلہ یا اللہ کو اس طرح پکارے کہ اللہ کو صالحین کا رب قرار دے کر دعا کرے۔ یا آپ ﷺ پر درود کا وسیلہ تو اس طرح کے وسیلہ سے کوئی منع نہیں کرتا اور نہ ہی شرعی زیارت سے کوئی منع کرتا ہے۔

جبکہ ان الفاظ سے وسیلہ لیا جائے کہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بحق فلاں یا باقاعدہ سواریاں تیار کر کے صرف قبر نبی ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کیا جائے تو ان دونوں باتوں میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ محققین علماء اس سے منع کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں کا ثابت نہیں ہے۔ یہ بدعت ہیں البتہ ان امور کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیتے۔ البتہ شفاعت طلب کرنے اور صرف پکار پر بھی کسی کو کافر نہیں کہتے۔ البتہ اگر یہ دونوں کام اس طرح کیے جائیں کہ ان میں غیر اللہ کی عبادت شامل ہو جائے تو پھر اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

شیخ دحلان: ان لوگوں نے مشرکین کے بارے میں نازل شدہ آیات مومنوں پر چسپاں کر دی ہیں، مثلاً

۱۔ فلا تدعوا مع اللہ احداً
"اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو"

۲۔ "وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً"

"اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے علاوہ ان کو پکارتا ہے جو اس کی پکار کو قیامت تک قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں۔ اور جب لوگوں کو (قیامت میں) جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہوں گے"۔

ان آیات میں لفظ دعا کو ان لوگوں نے پکار پر محمول کیا اور پھر ان آیات کو موحدین، مؤمنوں پر چسپاں کیا۔

شیخ بشیر: اس کے جواب میں ہم چند باتیں ذکر کریں گے۔

یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ یہ جو آیتیں مؤلف نے یہاں ذکر کی ہیں یہ سب مشرکین کے بارے میں ہیں۔ اس لیے کہ (وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا) میں جناب محمد ﷺ اور مومنوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے عبادت کے کاموں میں اس کو اکیلا تسلیم کریں اس کے ساتھ کسی کو نہ پکاریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں جیسا کہ قتادہ نے آیت (وان المساجد للہ۔۔۔۔) کے ضمن میں کہا ہے یہود و نصاریٰ جب اپنی عبادت گاہوں میں داخل ہوتے تھے تو اللہ کے ساتھ شرک کرتے تھے تو اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اللہ کو ایک مانیں۔

فتح البیان میں لکھا ہے مجاہد کہتے ہیں یہود و نصاریٰ جب اپنی عبادت گاہوں میں داخل ہوتے تھے تو اللہ ساتھ کے شرک کرتے تھے۔ اللہ نے اپنے نبی ﷺ اور مومنوں کو حکم دیا کہ جب بھی مساجد میں داخل ہوں تو اپنی پکار اور دعائیں صرف اللہ کے لیے خالص کریں۔ ان میں بت یا کسی اور چیز کو شریک نہ کریں۔ یہود و نصاریٰ کا اپنی عبادت گاہوں میں شرک کرنا اور اس بارے میں آیت نازل ہونا اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ یہ ممانعت مومنوں کے لیے نہ ہو۔

اسی طرح آیت:

(فلا تدعوا مع اللہ الھا آخر۔۔۔۔)

"اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکارو ورنہ عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جاؤ گے"۔

اس آیت میں خطاب جناب محمد ﷺ کو ہے، جیسا کہ فتح البیان میں لکھا ہے، جب اللہ نے قرآن مجید کے بارے میں یہ بات ثابت کر دی کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے تو پھر اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ ایک اکیلے اللہ کو پکاریں، فرمایا:

(فلا تدع مع اللہ۔۔۔۔ المعذبین)

یعنی جس کام کی طرف یہ (کفار) آپ کو دعوت دے رہے ہیں اگر وہ کام آپ نے کر لیا تو اس کے وبال کے مستحق قرار دیے جائیں گے۔ اس میں آپ ﷺ کو مخاطب کیا گیا حالانکہ آپ ﷺ اس طرح کے کاموں سے پاک تھے، معصوم تھے۔ مگر اپنے بندوں کو توحید کی طرف متوجہ کرنے اور شرک سے محفوظ رکھنے کے لیے اس طرح کا خطاب کیا گیا گویا کہ مفہوم یہ بنا کہ: اے محمد ﷺ! میرے نزدیک آپ کی عزت و تکریم اور مقام و مرتبہ بہت زیادہ ہے اس کے باوجود بھی اگر آپ نے کسی اور کو معبود بنایا تو اس کا وبال آپ پر آئے گا تو پھر کسی اور کی کیا حیثیت ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس آیت کو لکھنے میں بھی مؤلف (دحلان) نے غلطی کی ہے اور ف کی جگہ واو لکھا ہے۔ اسی طرح کا خطاب آپ ﷺ کو دیگر آیات میں بھی کیا گیا ہے مگر انہیں مؤلف نے ذکر نہیں کیا۔ مثلاً سورہ یونس میں ارشاد ہے:

(ولا تدع من دون اللہ۔۔۔۔۔۔ من الظالمین)

"اللہ کے علاوہ اس کو نہ پکارو جو فائدہ دے سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہوں گے"۔

سورہ قصص میں آیت ہے:

(وادع الی ربك ولا تکونن۔۔۔۔۔۔۔)

"اپنے رب کی طرف بلایئے اور مشرکین میں سے مت ہونا۔ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارنا صرف وہی ایک معبود ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں"۔

سورہ نساء میں آیت ہے:

(قل اندعوا من دون اللہ مالا ینفعنا۔۔۔ الی الھدی)

"کہہ دیجیے (اے محمد ﷺ!) کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر اس کو پکاریں جو ہمیں فائدہ دیتا ہے اور نہ نقصان اور اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہے۔ اس شخص کی طرح جسے شیاطین نے زمین میں بہکا دیا ہو وہ سرگرداں ہو اور اس کے ساتھ اسے سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہوں کہ ہماری طرف آجاؤ"۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ آیات اس پر مکمل دلالت کرتی ہیں کہ غیر اللہ کو پکارنا منع ہے، چاہے یہ آیات مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہوں یا کسی اور کے بارے میں۔ اس لیے کہ ان میں حکم جناب محمد ﷺ اور مؤمنین کو دیا گیا ہے۔

ہم نے آیات خاص وعام تمام مومنوں پر محمول نہیں کیں بلکہ ہم نے صرف ان پر محمول کی ہیں جو رغبت اور خوف کی بنا پر غیر اللہ کو پکارتے ہیں اور ان سے وہ چیزیں مانگتے ہیں جن کی قدرت صرف اللہ کے پاس اور اس غیر اللہ کے لیے ذبح کرتے ہیں۔ نذر مانتے ہیں تو ایسے لوگ یقینی مشرک ہیں اور یہ بات ہم پہلے دلائل سے ثابت کر چکے ہیں۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بعض آیات مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں تو ان کے الفاظ عام ہیں۔ مثلاً:

(من یدعو من دون اللہ والذین یدعون من دونہ وغیرہ)

یہ بات بھی ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوصاً سبب کا نہیں۔ اگر آیات کو ان اسباب کے ساتھ خاص کر دیا جائے جن کی وجہ سے نازل ہوئی ہیں تو اسلامی احکام کا بہت سا حصہ باطل قرار پائے گا۔

شیخ دحلان: ان کی بات باطل ہے اس لیے آیات میں جہاں دعا کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد عبادت ہے مگر ان لوگوں نے اس میں التباس پیدا کر کے خلق خدا کو الجھن میں ڈال دیا ہے۔ اور اس دعا کو پکار کے معنی میں لیا ہے۔ اس کا باطل ہونا ہم نے سابقہ دلائل کی بنیاد پر ثابت کر دیا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ بشیر: دعا اصل میں پکار اور طلب کے معنی میں ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں ہے۔ اس کو حقیقتاً عبادت قرار دینا شریعت اور لغت دونوں سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ مجازاً اس کا اطلاق عبادت پر ہوا ہے۔ لغت کی کسی بھی کتاب میں دعا عبادت کے معنی میں مستعمل نہیں ہے اور نہ ہی فصحائے جاہلیت کے کسی نظم یا نثر میں اس طرح مستعمل ہے۔ ہم ذیل میں کتب لغت کی عبارتیں نقل کر رہے ہیں تاکہ اس لفظ کا حقیقی معنی سامنے آجائے۔

۱۔ جوہری الصحاح میں لکھتے ہیں: "دعوت فلانا۔۔۔" میں نے فلاں کو پکارا، بلایا۔ اس کے لیے اللہ سے دعا کی، الدعوۃ۔ ایک بار بلانا، دعا مفرد ہے۔ ادعیہ اس کی جمع ہے۔

۲۔ قاموس میں ہے دعا اللہ کی طرف رغبت کرنا، دعاہ، دعاء، دعویٰ۔۔۔ نبی ﷺ کو داعی اللہ، یعنی اللہ کی طرف بلانے والا کہا جاتا ہے۔ مؤذن کو بھی داعی کہتے ہیں۔۔۔۔

۳۔ فیومی مصباح المنیر میں لکھتے ہیں دعوت اللہ کا معنی ہے میں نے اللہ کو پکارا، دعوت زیدا کا معنی ہے میں نے زید کو آواز دی۔۔۔۔۔

خلاصہ یہ کہ لغت کی کسی کتاب میں دعا عبادت کے معنی میں نہیں ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ دعا عبادت کے لیے بھی مستعمل ہے۔ ان کی عبارت اس طرح ہے۔ دعا کا معنی ہے طلب، "دعاء الی الشیئ" کا معنی ہے کسی کام پر کسی کو آمادہ کرنا۔ دعوت فلانا کا معنی ہے میں نے اس سے کچھ مانگا۔ دعوتہ کا معنی ہے میں اس سے فریاد کی۔ کسی چیز کی اہمیت کے لیے بھی استعمال ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے "لیس لہ دعوۃ فی الدنیا والآخرۃ"۔

راغب کہتے ہیں دعا کا معنی پکار ہے۔ راغب نے یہ بھی کہا ہے کہ دعا کا اطلاق عبادت پر کرنا ممکن ہے۔

شیخ ابو القاسم القشیری شرح الاسماء الحسنی میں کہتے ہیں لفظ دعا قرآن میں متعدد طرق سے مستعمل ہے۔ ان میں سے ایک عبادت بھی ہے۔ (ولا تدع من دون اللہ۔۔۔) فریاد بھی ہے (وادعوا شھداء کم) مانگنا بھی ہے۔ (ادعونی استجب لکم) قول بھی ہے۔ (دعواھم فیھا سبحانک اللھم) پکار بھی ہے۔ (یوم یدعوکم) ثناء بھی ہے۔ (قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن)۔

"ادعونی استجب لکم" کے تحت عسقلانی لکھتے ہیں یہ آیت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ دعا کو تفویض پر ترجیح دینی چاہیے۔ جبکہ کچھ لوگ کہتے ہیں دعا کو ترک کرنا اور قضاء (تقدیر) کے حوالے کرنا بہتر ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ دعا سے مراد عبادت ہے اس لیے کہ آیت کے آخر میں (یستکبرون عن عبادتی) ہے۔

نعمان بن بشیر کی حدیث (الدعا ھو العبادۃ) سے بھی انہوں نے دلیل لی ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ دعا بڑی عبادات میں سے ہے۔ اس کی تائید ترمذی کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ الدعا مخ العبادۃ

قسطلانی ارشاد الساری میں لکھتے ہیں "دعوت اللہ" کا معنی ہے میں نے اللہ سے سوال کیا، مانگا۔ قرآن کی بہت سی آیات میں دعا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی عبادت مستعمل ہے۔
ان باتوں کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دعا سے عبادت مراد لینا ظاہر کو ترک کرنا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ علامہ تقی الدین السبکی
کہتے ہیں (ادعونی استجب لکم) میں دعا کو اس کے ظاہر پر محمول کریں اور عبادتی سے مراد دعا ہے۔
اب میں آپ کے سامنے شیخ رحمہ اللہ کی حالات زندگی میں سے کچھ ذکر کرتا ہوں تاکہ میرا دعویٰ واضح ہو جائے۔

(شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کے حالات زندگی کا خلاصہ اور انکی دعوت توحید)

الشیخ حسین بن غنام الاحسائی اپنی کتاب (روضۃ الافکار و الافہام، المرتاد حال الامام و تعداد غزوات ذوی الاسلام)
میں لکھتے ہیں: شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب کا سلسلہ نسب کچھ یوں ہے۔
محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان بن علی بن محمد بن احمد بن راشد بن برید بن محمد بن برید بن مشرف۔ ۱۱۱۵ھ (گیارہ سو پندرہ)
ہجری کو علاقہ نجد کے عیینہ شہر میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بچپن میں قرآن کی تعلیم حاصل کر لی اکثر اوقات بچوں کے کھیل کود
سے الگ رہتے تھے اور لڑکوں کی بے ہودہ اور فضول کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ دس سال کی عمر مکمل
ہونے سے پہلے پہلے قرآن مکمل یاد کر لیا، بہت زود فہم، تیز ذہن، ہوشیار، فصیح زبان اور عقلمند تھے۔
اپنے والد سے علم پڑھنا شروع کیا اور خوب محنت کر کے اپنے ہی شہر عیینہ میں اپنی مراد (علم) کا کافی حصہ پالیا اور اپنے شہر سے
باہر نکلنے اور بہت سے شہروں کا سفر کرنے سے پہلے ہی انہوں نے اپنے مقصد کو حاصل کر کے خود راست پر چلنے اور دوسروں کو اسکی
طرف راہنمائی کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے والد گرامی اس پر بڑے خوش ہوئے اور اس کا اظہار بھی کرتے تھے اور اپنے
صاحبزادے (محمد) سے بڑی شخصیت اور باصلاحیت انسان بننے کی امید رکھتے تھے جیسا کہ محمد بن عبد الوہاب کے بھائی سلیمان بن
عبد الوہاب بیان کرتے ہیں کہ محمد بن عبد الوہاب کی سمجھداری اور بلوغ تک پہنچنے سے پہلے علم اور فہم کی پختگی پر والد محترم بہت
خوشی کا اظہار کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنے بیٹے سے دین کے احکام سیکھے ہیں۔
ان کے والد نے اپنے بعض بھائیوں کے کہنے پر ایک خط لکھا جس میں محمد بن عبد الوہاب کی بڑی تعریف اور بڑی شان ذکر کی
اور لکھا تھا کہ یہ زبردست فہم کا مالک ہے۔ اگر ایک سال مکمل پابندی کے ساتھ پڑھائی پر توجہ مرکوز رکھے تو یادداشت اور حفظ کا
ایک نمونہ بن جائے گا۔ اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ بارہ سال کی عمر مکمل ہونے سے پہلے بلوغ کو پہنچا ہے اور میں نے اسے امام
بننے اور جماعت کروانے کا اہل سمجھا تو نماز پڑھانے کیلئے اسے آگے کیا۔ کیونکہ یہ احکام و مسائل کا علم رکھتا ہے۔ اور بلوغ کے بعد
اسی سال میں نے اسکی شادی کر دی۔ اس کے ساتھ تعاون کر کے بیت اللہ کی طرف روانہ
پھر اس نے مجھ سے بیت اللہ کے حج کیلئے جانے کی اجازت مانگی تو میں نے ... اچھے طریقے سے ادا کر لئے۔ پھر مدینۃ الرسول
کر دیا۔ پس اس نے حج کر کے اسلام کا ایک رکن پورا کر لیا اور مناسک حج حاصل کر کے واپس آیا۔
طرف جانے کا قصد کیا تو وہاں جا کر دو مہینے رہا۔ پھر زیارت بیت اللہ اور مناسک حج کی سعادت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے والد سے مذہب امام احمد کی فقہ پڑھنا شروع کی اور اس میں قابل ستائش مقام پر فائز ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تیز حافظے کے ساتھ لکھنے میں بھی مہارت سے نوازا تھا۔ وہ ایک مجلس میں بڑی خوشخطی کے ساتھ کئی کاپیاں لکھ لیتے تھے بغیر کسی تھکاوٹ کے جس سے ان کے ساتھی حیران رہ جاتے تھے۔

اسکے بعد علم حاصل کرنے کیلئے اپنے شہر کے آس پاس دیگر کئی شہروں کا سفر کیا اور بڑے بڑے علماء سے محنت کے ساتھ علم کے چراغ کو روشن کیا اور عمل میں پختگی حاصل کر لی۔ اپنے علمی پیاس کو بجھانے کی غرض سے کئی دفعہ حجاز، بصرہ اور احساء کے علاقوں کے سفر کیے اور وہاں کے بڑے بڑے علماء سے علم حاصل کیا۔ جن میں سے ایک بہت بڑے عالم الشیخ عبد اللہ بن ابراہیم النجدی المدنی ہیں جنہوں نے شیخ محمد بن الوہاب کو دو سندوں کے ساتھ روایت حدیث کا اجازہ دیا۔ شیخ نے اپنے اس استاد سے سب سے پہلے جو حدیث سنی ہے وہ حدیث ہے جو (المسلسل بالا ولیته) کے نام سے مشہور ہے۔ (یہ تھا شیخ کے والد کا خط) مزید لکھتے ہیں کہ: محمد بن عبد الوہاب نے بہت سے لوگوں سے شہر بصرہ میں علم حدیث اور علم فقہ پڑھا۔ اور بصرہ میں ہی علم نحو بڑی پختگی کے ساتھ پڑھا اس دوران لغت اور حدیث کا بہت سا ذخیرہ لکھ کر جمع کیا۔ اور محمد (بن عبد الوہاب) ہدایت اور سیدھی راہ پر بہت سختی سے کاربند رہتے ہیں۔ اکثر اوقات بصرہ میں دوران تعلیم لوگوں کو توحید کی طرف بلاتے تھے۔ لوگوں میں انکی توحید کے معاملے میں پختگی بہت مشہور ہوگئی تھی۔ توحید کے مسئلے میں انہوں نے لوگوں کی راہنمائی کی توحید کا راستہ اور اس کے مسائل لوگوں کو سکھائے، شیخ رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ پکارنا صرف اللہ کو چاہیے اسکے علاوہ کسی اور کو (مافوق الاسباب کاموں میں تعاون اور مدد کیلئے) پکارنا کفر اور شرک ہے۔ شیخ کے سامنے اگر کوئی اللہ کے علاوہ پکارے جانے والوں کا تذکرہ کرتا اور ان نیک و صالح ہستیوں کی کرامات بیان کرتا تو شیخ ایسا کرنے والوں کو سمجھا دیتے کہ اولیاء اور صالحین سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی پیروی کی جائے اور ان کے نقش قدم پر چلا جائے اور ان کے علم کی روشنی سے روشنی حاصل کی جائے۔ نہ کہ انہیں اللہ کے حقوق دیے جائیں اور ان کے مجسموں کی پوجا کی جائے۔ ایک دفعہ شیخ کی مجلس میں ایسا واقعہ پیش آیا بھی جب ایک آدمی نے اللہ کے علاوہ (کسی صالح) کو پکارا تو شیخ نے اسکو منع کیا اور اسکی غلطیوں اور خرابیوں کی نشاندہی کی۔ تو اس شیخ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس کو یہ بات بڑی عجیب لگی اور کہنے لگا اگر ان (محمد بن عبد الوہاب) کی بات درست ہو تو اس وقت کے لوگ تو سب تباہ ہیں۔

محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرے پاس بصرہ کے رہنے والے شرک میں مبتلا بعض لوگ آتے اور اپنے شبہات اور اعتراضات میرے سامنے پیش کرتے تھے۔ جب میں ان کے سامنے یہ بات کہہ دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کیلئے عبادت کی کوئی بھی قسم بجالانا جائز نہیں تو وہ لوگ میرے سامنے لاجواب ہو جاتے انکی زبان سے ایک بات بھی نہ نکلتی۔ بصرہ کے سفر سے جب محمد بن عبد الوہاب واپس لوٹے تو ان کے والد محترم نے شہر عیینہ کی رہائش چھوڑ کر شہر حریملا میں رہائش اختیار کر لی اور وہاں پر توحید کا پرچم بلند کیا اور لوگوں کو اسکی طرف دعوت دینا شروع کر دی وہ لوگوں کو غیر اللہ کو پکارنے سے منع کرتے رہے اور اس کی وضاحت کرتے رہے، حق راستے سے منحرف ہونے والوں کی حق کی طرف راہنمائی کرتے اور ان کو اچھے انداز سے سمجھاتے رہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۔لوگوں کو شرک، باطل عقائد اور فساد سے منع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مقام بلند کر دیا۔ اور وہ ایک قائد بن کر سامنے آئے۔ اور محنت کر کے اپنی ذمہ داری نبھائی اور حق کی تعلیم میں اور ہر عام وخاص کو سمجھانے میں اسلام کے نشر واشاعت اور سنت نبوی کیلئے راستہ ہموار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

لوگوں کے دلوں پر شرک (جو سب سے بڑا گناہ ہے) کا جو زنگ چھا گیا تھا اسے صاف کیا۔ اور اندھیروں میں پڑے ہوئے گناہوں کی نشاندہی کر دی شکوک وشبہات اور خلط ملط کا خاتمہ کر دیا اور لوگ جس جرم میں مبتلا تھے اسکی سزا اور انجام سے ڈرایا۔ خیانت اور دھوکہ جیسے جرا سے دور رہے۔ اور علماء سوء کے طریقے سے بچتے ہوئے اپنے علم کا حق ادا کر دیا۔ جبکہ اس زمانے کے علماء سوء تو عام طور پر حق چھپانے کے جرم میں مبتلا تھے جس کی مذمت قرآن میں موجود ہے۔

ترجمہ ”بے شک وہ لوگ جو اللہ کی نازل کردہ واضح آیتوں اور ہدایت کی باتوں کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے انہیں لوگوں کیلئے کتاب میں بیان کیا ہے۔ ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور سارے لعنت کہنے والے بھی لعنت کرتے ہیں“۔

اس وعید سے بڑھ کر کوئی اور وعید ہو سکتی ہے؟ اور اس ڈرانے سے بڑھ کر کوئی اور ڈرانے کی بات ہو سکتی ہے؟ نہیں لعنت سے بڑھ کر اور کونسی وعید ہو گی؟ پس اللہ تعالیٰ ان کو (محمد بن عبدالوہاب) ہر قسم کے فوائد سے نوازے کتنے زبردست عالم، توحید کے داعی اور اس پر ثابت قدم، اللہ کے دین کا خیر خواہ او اس پر کاربند، سنت نبوی ﷺ کو زندہ کرنے والا اور سلف کے وہ نشانات جن میں سے چند ایک کے علاوہ سب مٹا دیئے گئے انہیں تازہ کرنے والے، شیعی بدعات، مجوسی تخریب کاری اور شرکیہ نظریات کا خاتمہ کرنے والا تھا۔ لوگوں نے جن اچھے اعمال کو میلہ اور رسم میں بدل دیا تھا اور انہی رسومات میں اکثر لوگ مبتلا تھے۔ اور اکثر اس شرک کے محافظ اور حمایتی اور اس کا دفاع کرنے والے تھے۔ ایسے دور میں یہ امام میدان میں آیا جس کی راہنمائی سے حق کھل کر سامنے آیا اور اس کے واضح دلائل سے باطل اپنے دلائل سمیت اندھیروں میں گم ہو گیا۔ ایسے امام جنہوں نے کھلے عام لوگوں کو خاص اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔ اور شرک وظلمت کارد کیا۔ اور اللہ کے علاوہ کسی نبی، ولی، یا کسی ظالم وحاکم کو پکارنے کو باطل قرار دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پرواہ نہ کی، یہاں تک کہ اپنے رب کی طرف سے انہیں بہت زیادہ عزت واحترام نصیب ہوا۔

چند اہم باتیں

1 شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے جب دعوت وتوحید کا کام شروع کیا اس زمانے میں لوگوں کے دلوں میں نافرمانیوں اور گناہوں کی محبت رچی بسی تھی۔ اور ہر انسان اپنی بری خواہشات اور خرافات کی پیروی میں مصروف تھا۔ تو اس وقت شیخ نے ان پر اپنی زبان تو نہیں کھولی اور کفر کے فتوے ان پر نہیں لگائے۔ بلکہ اس معاملے میں بہت توقف کیا اور ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ لوگ ان سے دشمنی کرنے پر اتر آئے اور ان کو ان کے ساتھیوں سمیت کافر کہنے لگے۔ لیکن اس ... اور کفر کے جھوٹے فتوؤں پر وہ لوگ شیخ رحمہ اللہ کے خلاف کوئی دلیل پیش نہ کر سکے۔ بغیر دلیل کے شیخ کو برا بھلا ...

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے تھے۔ لیکن شیخ رحمہ اللہ نے پھر بھی ان میں سے کسی کے خون بہانے کی اجازت نہ دی اور نہ ان گمراہ لوگوں پر کفر کے فتوے لگائے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے پہل کر کے شیخ کو اور ان کے ساتھیوں کو کافر قرار دیکر ان کو قتل کرنے کا حکم صادر کیا۔

لیکن ان کی یہ ساری کوشش اور شیخ کا اس پر صبر کرنا دراصل شیخ کی نیک نامی اور کامیابی کا سبب بنا اور تقدیر کا فیصلہ شیخ کے حق میں آیا۔ جس سے ان کے دشمن ذلیل ورسوا ہو کر رہ گئے (یہ ان کی کرتوتوں کا بدلہ تھا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے)

یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوئی اور بڑے پختہ ذریعے سے منقول ہے کہ شیخ رحمہ اللہ کے مخالفین نے خود اپنے آپکو ضد وعناد کی وجہ سے اور شیخ رحمہ اللہ کی مخالفت کی وجہ سے کافروں کی صف میں شامل کر دیا تھا۔ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ: اگر قبر والوں سے مدد مانگنا اور انہیں پکارنا اور ان سے امیدیں لگانا شرک وکفر ہے تو بے شک ہم کافر گمراہ ہی سہی۔ بہت سے سمجھدار اور کئی کم عقل لوگوں نے اس زمانے میں یہ کہا تھا۔ اور اپنے کفر وگمراہی کا خود اقرار کیا تھا۔

(شیخ رحمہ اللہ پر مخالفین کے 12 (بارہ) الزمات اور شیخ کی طرف سے ان کا جواب):

شیخ نے عبداللہ بن سحیم کو ایک خط لکھا تھا جس میں لکھا تھا کہ جن مسائل کی وجہ سے آپ نے مجھے برا بھلا کہا ہے ان میں سے بعض باتیں تو مجھ پر تہمت اور الزام ہیں۔

1 ان میں سے ایک یہ کہ میرے بارے میں یہ کہا ہے کہ میں مذاہب کی تمام کتابوں کو باطل اور غلط قرار دیتا ہوں۔

2 دوسرا یہ کہ میں چھٹی ۶ھ صدی سے لوگوں کو گمراہ سمجھتا ہوں۔

3 تیسرا یہ کہ میں مجتہد ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔

4 چوتھا یہ کہ میں تقلید سے بالکل باہر ہوں۔

5 پانچواں یہ کہ میں کہتا ہوں کہ علماء کا اختلاف عذاب ہے۔

6 چھٹا یہ کہ میں صالحین کا وسیلہ پکڑنے والوں کو کافر کہتا ہوں۔

7 ساتواں یہ کہ میں نے بوصیری کو اس وجہ سے کافر کہا ہے کہ اس نے یا اکرم الخلق (اے تمام مخلوق سے زیادہ کرم وسخا کرنے والے) کہا ہے۔

8 آٹھواں یہ کہ میں کہتا ہوں: اگر نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا حجرہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں اس کو گرا دیتا۔

9 نواں یہ کہ اگر میں کعبہ پر اختیار رکھتا تو میں اسکے پرنالے بدل کر لکڑی کے بنا دیتا۔

10 دسواں یہ کہ میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر کی زیارت کا منکر ہوں۔

11 گیارہواں یہ کہ میں والدین وغیرہ کی قبر کی زیارت کا منکر ہوں۔

12 بارہواں یہ کہ میں غیر اللہ کی قسم کھانے والوں کو مشرک سمجھتا ہوں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو یہ کل بارہ مسائل ہیں جن کے بارے میں میرا جواب ایک ہے۔ وہ یہ کہ میں کہتا ہوں (سبحانك هذا بهتان عظيم) (یا اللہ تو ہر قسم کی نقص وعیب سے پاک ہے، یہ تو بہت بڑی تہمت ہے۔) لیکن اس سے پہلے محمد ﷺ پر بھی تہمت لگائی گئی تھی کہ وہ عیسیٰ ابن مریم علیہما الصلاۃ والسلام کو برا کہتے ہیں اور نیک لوگوں (بزرگوں) کو گالیاں دیتے ہیں۔ (ان کے دل ایک دوسرے ملتے جلتے ہیں) (وہ نبی ﷺ پر تہمت لگاتے تھے تو یہ لوگ نبی ﷺ کی شریعت اور عقیدہ توحید کی طرف دعوت دینے والوں پر تہمت لگاتے ہیں)

انہوں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر یہ تہمت بھی لگائی تھی کہ یہ کہتے ہیں کہ ملائکہ، عیسیٰ اور عزیر علیہم الصلاۃ والسلام جہنم میں ہوں گے۔ اس تہمت کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"بے شک وہ لوگ جنکے لیے ہماری طرف سے اچھا فیصلہ ہوا ہے وہ اس (جہنم) سے دور رکھے جائیں گے"۔

(شیخ پر یہ الزام تھا کہ وہ اپنے مخالفین کو کافر کہتے ہیں اس پر شیخ کا جواب):

شیخ رحمہ اللہ نے اس خط میں مزید لکھا ہے کہ ان بارہ مسائل کے ساتھ ایک میری طرف یہ بات بھی منسوب کر دی گئی ہے کہ میں شمسان اور اسکی اولاد کو اور اس جیسے دیگر لوگوں کو کافر سمجھتا ہوں۔ اور انہیں طاغوت کا نام دیتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت کی بجائے اپنی عبادت کی طرف بلاتے ہیں جو کہ لات اور عزیٰ کی عبادت سے بھی بڑی عبادت ہے۔ لیکن میری اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے۔ کیونکہ لات اور عزیٰ کی عبادت تو لوگ صرف آسودگی اور پرامن حالت میں کرتے تھے۔ سختی اور پریشانی میں صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ جبکہ ان لوگوں کی عبادت تو سمندر اور خشکیوں کی سخت ترین مصیبتوں میں بھی کی جاتی ہے۔

شیخ حسین غنام اپنی کتاب روضۃ الافکار میں کہتے ہیں کہ شیخ کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کی بڑی غلطیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہر اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو ان کی باتوں میں ان کے ساتھ موافقت نہیں کرتا۔ اور جو ان کا ساتھ دیتا ہے اسے موحد قرار دیتا ہے چاہے وہ فاسق اور سیاہ کاریوں نہ ہو۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شیخ اپنی توحید کیطرف دعوت دیتے تھے نہ کہ اللہ کی توحید کی طرف۔ شیخ حسین کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانتا ہے اور تاج شمسان، ادریس، قریوہ اور مغربی وغیرہ کی عبادت کرنے جیسے شرک اور اہل شرک سے برات اور بائیکاٹ کرتا ہے اسے محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ موحد کہتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی توحید ماننے اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں ان کے ساتھ موافقت نہیں کرتا بلکہ وہ مخلوق کی بندگی کرنے پر قائم ہو اور اللہ تعالیٰ کے اس دین کو برا کہتا ہو جس کی طرف شیخ دعوت دیتے تھے تو ایسے شخص کو شیخ رحمہ اللہ قطعاً کافر کہتے تھے۔ جبکہ شیخ محمد بن عبد الوہاب پر اعتراض کرنے والا یہ سحیم اور اس جیسے دوسرے لوگ اللہ کی عبادت میں شرک کرنے کو شرک نہیں مانتے بلکہ شرک صرف اس کو سمجھتے ہیں کہ انسان کسی مخلوق کو اللہ کے ساتھ دنیا کی تدبیر، اختیار زندہ کرنے موت دینے، نفع اور نقصان دینے برابر کر دے اور کسی مخلوق کو اللہ کیلئے وسیلہ بنانا اسے پکارنا اور اس پر توکل کرنا اور اپنی حاجتوں کو پورا کرنے اور مصیبتیں دور کرنے میں اس مخلوق سے مانگنا اور اس سے اللہ کی قربت کی نیت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی شفاعت کرنے کا اقرار...

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سارے اعمال ان مشرکوں کے ہاں سب سے اعلیٰ قسم کی نیکی اور عبادت شمار ہوتی ہے۔ اور جو اس کا انکار کرے یا اسے غلط کہے اسکو یہ لوگ کافر اور بدعتی اور خارجی قرار دیتے ہیں اور اس کو بے وقوف اور جاہل کہتے ہیں۔ شیخ حسین بن غنام مزید لکھتے ہیں کہ شیخ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اپنے نظریے کے موافق لوگوں کو موحد قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ فاسق اور بدکار کیوں نہ ہوں۔ اسکی مراد یہ ہے کہ جو شیخ رحمہ اللہ کے ساتھ عقیدہ توحید، اور خالص اللہ کی بندگی کرنے میں موافق ہوتا اور اپنے شرک اور صالحین و بزرگوں کو پکارنے سے توبہ کرتا اور لا الہ الا اللہ کے مقصد کو سمجھ لیتا ہے کہ اس میں غیر اللہ کی عبادت کی نفی اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اثبات ہے تو اسے شیخ رحمہ اللہ موحد کہتے اگرچہ وہ فاسق یا خطاکار ہو۔

تو شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی یہ بات درست اور سچ ہے۔ کیونکہ جب انسان توحید کو پہچان لے اور یہ اقرار کر لے کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور عبادت کا حقدار نہیں۔ اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، دل کی سچائی کے ساتھ اقرار کر لے اور اس کلمے کے مضمون و مفہوم پر کاربند رہے۔ تو وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اہل السنہ والجماعۃ کے دیگر تمام علماء کے نزدیک موحد اور ایمان والا ہے۔ اگرچہ وہ فاسق و خطاکار ہو۔ اس لئے کہ جب انسان اسلام میں داخل ہوا اور اس پر اسلام کا حکم لگ گیا۔ تو اس کو اسکے کبائر گناہ جیسے، چوری، زنا اور نشہ آور چیزوں کا استعمال اور ناجائز طریقے سے لوگوں کا مال لینا۔ یہ سارے گناہ اس کو اسلام سے نہیں نکالتے صرف اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہونے والی وحی کا جاننے کے بعد اور اس پر حجت قائم ہونے کے بعد اس کا انکار کرنا اسے اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

(اللہ اور اسکے بندوں کے درمیان واسطے اور وسیلے مقرر کرنا کفر ہے لیکن اسکی کچھ شرائط ہیں):

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے سلیمان بن سحیم کو خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ: دوسری بات یعنی جو شخص اللہ کیلئے مخلوق میں سے کسی کی ذات کا وسیلہ بناتا ہے وہ کافر ہے۔ اور جسے وسیلہ بنایا گیا ہے اسے کافر نہیں کہا جاسکتا۔ تو اس بات کو میری طرف منسوب کرنے میں بھی آپ نے اپنی جہالت اور تلبیس سے کام لیا ہے۔ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ عیسیٰ، عزیر، علی بن ابی طالب، زید بن الخطاب وغیرہ جیسے صالحین کو جو لوگوں نے اللہ کے درمیان وسیلہ بنایا اس سے ان صالحین کو کوئی نقصان ہو گا۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو اس سے پاک ہیں۔ (ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ) (کوئی نفس دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائیگا)

اور ان طاغوتیوں ـــــ (خرج کے علاقے والوں) کو ہم ان کے کفریہ اعمال کی وجہ سے کافر کہتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے آباء واجداد کو اللہ کیلئے وسیلہ بناتے ہیں، لوگوں کو کفر کی طرف بلاتے ہیں۔ دین محمد ﷺ کو لوگوں کے سامنے ناپسندیدہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور عارض والوں کو اس بات پر کافر سمجھتے ہیں۔ جو کہ وہ کہتے ہیں اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت جائز نہیں۔ اس کے علاوہ بھی ان کے کفریہ اعمال ہیں۔ تو ان کا کافر ہونا ایک واضح مسئلہ ہے۔ اس کی مزید وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن تم ایک جاہل، مشرک اور اللہ کے دین کو ناپسند کرنے والے شخص ہو۔ ان جاہل لوگوں کو مخمصے میں رکھنا چاہتے ہو جو دین اسلام کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور شرک کو اور اپنے اباء واجداد کے غلط دین کو پسند کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ حق جاننا چاہتے اور حق کی پیروی کرنے کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارادہ رکھتے تو وہ سمجھ لیتے کہ تمہاری باتیں انتہائی بے کار اور فاسد ہیں۔

(کسی مسلمان کو گناہ کیوجہ سے کافر نہ کہنا):

تیسرا مسئلہ جس میں تم نے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے کہ۔ اہل علم کسی مسلمان کو گناہ کی وجہ سے کافر کہنا جائز نہیں سمجھتے۔ یہ بات درست ہے لیکن یہ وہ مسئلہ نہیں جو ہمارے زیر بحث ہے، بلکہ خوارج نے مسلمانوں کو، زنا، چوری، قتل، اور دیگر بڑے گناہوں کی وجہ سے کافر قرار دیا جبکہ اھل السنہ علماء نے کہا کہ شرک کے علاوہ کسی بڑے گناہ سے کوئی مسلمان کافر نہیں ٹھہرتا۔

اور ہم نے بھی طاغوتوں اور ان کے متبعین کو کافر کہا ہے وہ صرف شرک کی وجہ سے کہا ہے۔ لیکن تم تمام لوگوں سے بڑھ کر جاہل آدمی ہو تمہارا خیال یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھے اور اسلام کا دعویٰ کرے وہ مسلمان ہے۔ اسے کسی طرح بھی کافر نہ کہا جائے۔ جب تمہارا یہ عقیدہ ہے تو منافقین جو روزہ رکھتے نماز پڑھتے تھے۔ کبھی جہاد کرتے تھے۔ ان کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ: منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

اور ان خوارج کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کے متعلق نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ: اگر میں ان کو پاؤں تو ان کو عادیوں کی طرح قتل کرونگا اور فرمایا کہ: انہیں جہاں پاؤ قتل کرو۔ کیا وہ قبلہ کی طرف منہ کرنے والے نہیں؟ اور ان کے متعلق آپ کہتے ہیں جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں الوہیت کا عقیدہ رکھا تھا۔ جیسا کہ بہت سے لوگوں نے شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ وغیرہ کے بارے میں الوہیت کا عقیدہ رکھا ہے۔ ان کے لئے علی رضی اللہ عنہ نے آگ جلائی اور ان کو اس آگ میں جلا ڈالا۔ اور تمام صحابہ کرام ان کے قتل پر متفق تھے۔ صرف عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آگ سے جلانے کی مخالفت کی تھی۔ اور کہا تھا کہ انہیں تلوار سے قتل کیا جائے۔

کیا وہ لوگ قبلہ کی طرف منہ کرنے والے نہیں تھے؟ یا تم شریعے کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ سمجھتے ہو؟

کیا تمہیں وہ معلوم نہیں جب ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے مانعین زکاۃ کے خلاف قتال کیا پھر جب مانعین زکاۃ اپنے عمل سے توبہ کرنے لگے تو ابو بکر نے ان سے کہا کہ تمہاری توبہ اس وقت تک ہم نہیں مانتے جب تک تم اقرار نہ کرو کہ ہمارے مقتولین جنتی ہیں اور تمہارے (مانعین زکاۃ کے) مقتولین جہنمی ہیں؟

شیخ رحمہ اللہ نے عبد الرحمٰن بن عبد اللہ کیطرف لکھے جانے والے خط میں یہ بھی لکھا کہ آپ کا یہ کہنا کہ میں اپنے پیروکاروں کے سوا سب لوگوں کو کافر کہتا ہوں اور ان کے نکاحوں کو غلط سمجھتا ہوں۔ تعجب ہے اس پر یہ تو کسی عقل مند انسان کی عقل میں نہ آنے والی بات ہے۔ بلکہ یہ بات تو نہ کوئی کافر کہتا ہے نہ مسلمان اور نہ کوئی عقلمند یہ بات کر سکتا ہے نہ کوئی پاگل۔

شیخ نے اس کے جواب میں مزید لکھا ہے کہ ہمارے بارے میں یہ تہمت اور جھوٹ کہا گیا ہے۔ جیسا یہ کہنا کہ ہم تمام لوگوں کو کافر کہتے ہیں اور اپنی طرف ہجرت کرنے کو اس شخص کیلئے واجب سمجھتے ہیں جو اپنا دین کو ظاہر کر سکتا ہے۔ اور جو ہمارے مخالفین... کافر نہیں کہتا اور نہ ان سے لڑتا ہے ہم اسے بھی کافر کہتے ہیں۔ اور اس جیسے دیگر بہت سے جھوٹ ہیں جو لوگوں کو اللہ اور رسول... حق دین سے پھیرنے اور انہیں روکنے کیلئے ہمارے بارے میں گھڑا گیا ہے۔ اور جب ہم عبد القادر جیلانی، احمد البدوی...

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قبروں پر بنائے گئے بتوں کی پوجا کرنے والوں کو ان کی جہالت والا علم اور ان پر حجت قائم نہ ہونے کیوجہ سے کافر نہیں کہتے۔ تو ہم ان لوگوں کو جو کہ شرک تو نہیں کرتے لیکن ہماری طرف ہجرت نہیں کرتے یا ہمارے مخالفین کو کافر نہیں کہتے ان کو کیسے ہم کافر کہہ سکتے ہیں؟ (سبحانك هذا بهتان عظيم)

شیخ رحمہ اللہ نے مکہ والوں سے مناظرہ کرنے کے بعد ان کو خط لکھا کہ: ہمارا عقید اور دین یہ ہے کہ جو نبی یا ولی یا ان کے علاوہ کسی اور کو پکارے اور ان سے اپنی حاجات پوری کرنے یا تکلیف ہٹانے کا مطالبہ کرے تو یہ عمل بڑا شرک ہے۔ جس کیوجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کو کافر قرار دیا ہے جنہوں نے اللہ کے اولیاء کو اپنا سفارشی بنایا تھا ان کے وسیلے سے اللہ سے نفع حاصل کرنے اور تکلیف سے بچنے کا عقیدہ رکھتے تھے: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ "اور یہ لوگ اللہ کے علاوہ ان کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو تکلیف دے سکتے ہیں نہ نفع۔ اور کہتے ہیں: یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں"۔

پس جس نے انبیا یا دیگر جیسے ابن عباس، المحجوب، یا ابو طالب وغیرہ کو بعد وفات اللہ کیلئے اپنا وسیلہ بنایا، ان پر توکل کیا اور ان سے نفع حاصل کرنے کا سوال کیا۔ کہ ہم ان سے مانگتے ہیں اور یہ اللہ سے مانگتے ہیں۔ جیسے کہ بادشاہوں کے ہاں وسیلے پیش کئے جاتے ہیں جو اپنی قربت کی وجہ سے لوگوں کے مسائل بادشاہوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور لوگ ان کے سامنے اپنے مسائل پیش کرتے ہیں۔ لوگ ایسے سفارشیوں کو محترم سمجھتے ہوئے ان کو بادشاہ کے زیادہ قریب جانتے ہوئے ان سے درخواست کرتے ہیں۔ تو جو لوگ اللہ تعالیٰ کیلئے ایسے سفارشی بناتے ہیں۔ اور ان سے اس طرح سوال کرتے ہیں تو ایسے لوگ کافر، مشرک ہیں اور ان کا خون اور مال حلال ہے۔

شیخ رحمہ اللہ کے بیٹے عبداللہ بن محمد شیخ کی ایک کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔ ہم موحدین کے گروہ پر جب اللہ تعالیٰ نے یہ احسان کیا کہ ہم دوپہر کے وقت مکہ مکرمہ داخل ہوئے ہفتے کا دن تھا محرم الحرام کی آٹھ تاریخ تھی ۱۲۱۸ ہجری میں جب مکہ کے سرداروں علماء اور عوام نے لشکر کے امیر سعود رحمہ اللہ سے امن کا مطالبہ کیا اس کے بعد۔ جبکہ وہ لوگ سب اپنے امیروں اور مکہ کے حاکم کے ساتھ اس بات پر متفق ہوئے تھے کہ ہم امام سعود کے خلاف یا لڑینگے یا مکہ میں ہی رہیں گے تاکہ انہیں ہم بیت اللہ سے روک سکیں۔ لیکن جب موحدین کا لشکر داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں رعب و دہشت ڈالدیا اور وہ ایک ایک کرکے بکھر گئے، ہر ایک نے پیچھے پلٹنے کو غنیمت سمجھ رہا تھا۔ اس وقت موحدوں کے امیر نے حرم میں موجود لوگوں کیلئے امان کا اعلان کیا۔ اور ہم تلبیہ پڑھتے ہوئے پر امن طریقے سے مکہ میں داخل ہوئے۔ بعض اپنے سر منڈوائے ہوئے تھے اور بعض نے بال چھوٹے کروائے تھے۔ مخلوق میں سے کسی کا خوف ہمارے دلوں میں نہیں تھا۔ صرف اپنے رب کا خوف لئے ہوئے تھے۔ اور لشکر جب حرم کے حدود میں داخل ہوا کثرت کے باوجود بھی بڑے منظم اور مھذب طریقے سے جارہا تھا۔ نہ کسی درخت کو کاٹا۔ نہ شکار کے جانوروں کو بھگایا۔ اور نہ کوئی خون بہایا قربانی کے علاوہ یا جو جانور اللہ نے ہمارے لئے حلال ٹھہرایا شریعت کے مطابق اس کے خون بہانے کے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب ہمارا عمرہ مکمل ہوا تو اگلے دن (اتوار) کے چاشت کے وقت ہم نے لوگوں کو جمع کیا اور ہمارے امیر (سعود) نے علماء کے سامنے ہمارا وہ مطالبہ پیش کر دیا جس کی وجہ سے ہم ان سے لڑ رہے تھے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی خالص توحید ہے۔ اور ان کو یہ سمجھایا کہ ہمارا اور آپ کا اختلاف صرف دو باتوں میں ہے۔

(ایک) توحید خالص اور عبادت کی تمام قسموں کو جاننا اور یہ کہ دعا اور پکار بھی عبادت ہے۔ اور اس شرک کی وضاحت جس کی وجہ سے ہمارے نبی ﷺ نے لوگوں سے لڑائی کی اور اپنی زندگی کا کافی عرصہ لوگوں کو اسی توحید کو اپنانے اور شرک چھوڑنے کی دعوت دیتے رہے۔ (اسلام کے باقی چار ارکان کے فرض ہونے سے پہلے۔)

(دوسری بات) نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ جس کا صرف اس زمانے میں نام باقی تھا۔ اس کا اثر اور طریق کار ختم ہوا تھا۔ تو لوگوں نے رضاکارانہ طور پر ہمارے ساتھ اتفاق کر لیا۔ اجمالاً اور تفصیلاً ہماری دعوت کو قبول کیا۔ اور امیر شیخ سعود سے کتاب وسنت کی پیروی پر بیعت کر لی، امیر نے ان کی بیعت قبول کر لی اور ان سب سے درگزر کر لیا۔ تو اس طرح کسی کو معمولی سے تکلیف بھی نہیں پہنچی۔ اور امیر ان کے ساتھ انتہائی شفقت سے پیش آئے۔ خاص کر ان کے علما کے ساتھ۔ ان کو اجتماعی اور انفرادی طور ہمارے نظریے (عقیدہ توحید) کے دلائل سمجھایا کرتے تھے۔ اور ان سے خیر خواہی کا مطالبہ کرتے تھے۔ اور دلائل میں مذاکرہ بھی کرتے تھے۔ اور ہم نے ان کو یہ بھی سمجھایا کہ اگر آپ کسی مسئلے کی دلیل قرآن، سنت یا آثار سلف صالحین جیسے خلفاء راشدین جن کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے کہ تم پر میری سنت اور میرے خلفاء جو ہدایت یافتہ ہیں میرے بعد ان کی سنت اور طریقہ کی پیروی لازم ہے۔ یا ائمہ اربعہ مجتہدین اور جنہوں ان سے علم لیا تیسری صدی کے آخر تک جن کے متعلق نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ: تم میں سے بہترین میری صدی کے لوگ ہیں پھر جو ان کے بعد ہیں پھر جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔۔۔۔۔۔ تو ہم اس دلیل کی پیروی کریں گے اور یہ بھی ہم نے سمجھایا کہ ہم حق کے ساتھ ہیں۔ حق جسکے پاس ہو ہم ان کے ساتھ ہیں۔ اور ہم واضح دلیل کی پیروی کرتے ہیں۔ کسی سابقہ بزرگ کی اس اختلاف کی پرواہ نہیں کرتے جو دلیل کے بغیر ہو۔

تو مکہ والوں نے ہماری باتوں کو برا نہ جانا انہوں نے مخالفت کی۔ پھر ہم نے مردوں سے اپنی حاجتیں مانگنے کے مسئلے میں ان کو سمجھانے پر بہت زور دیا۔ کہ اگر اس مسئلے میں ان کا کوئی شبہ رہ گیا ہو تو وہ دور ہو سکے۔ ان میں سے بعض ایک یا دو شبے ذکر کئے تو ہم نے کتاب وسنت کے واضح دلائل سے ان شبہوں کا جواب دیا۔ یہاں تک کہ وہ سب قائل ہو گئے۔ اور کسی کا کوئی شبہ نہیں رہا۔ نہ ہماری باتوں میں اور نہ اس میں جس کیلئے ہم لڑ رہے تھے۔ اسکی حقانیت اور سچائی میں کسی کو کوئی شک رہا۔ انہوں نے ہمارے مطالبے کے بغیر قسمیں کھائیں کہ ہم آپ کی دعوت سے بالکل مطمئن ہیں۔ اور ہمارا کوئی شبہ باقی نہیں رہا بلکہ ہمارے سینے کھل گئے کہ یا رسول اللہ، یا ابن عباس، یا عبدالقادر وغیرہ کہنا یا مخلوق میں سے کسی اور کو پکارنا اور ان سے اپنی مصیبت ہٹانے یا فائدہ اور خیر پہنچانے کا مطالبہ کرنا جیسا کہ دشمن پر غلبہ دینا، برے حالات سے بچانا، وغیرہ تو اس طرح پکارنے والا مشرک ہے۔ شرک اکبر کا مرتکب ہے۔ جس کا خون رائیگاں اور اس کا مال حلال ہے۔ اگرچہ اسکا عقیدہ یہ ہو کہ اصل تصرف کرنے والا اختیار رکھنے والا ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن وہ اللہ کی مخلوق کو اللہ کیلئے سفارشی بنا کر اسے پکارتا ہے۔ اور اسکے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس پکارے جانے والے سفارشی کی وجہ سے اسکی مرادیں پوری کر دے۔ اور آخرت یا برزخ میں وہ سفارشی اسکے کام آئیں، اور یہ کہ نیک لوگوں کی قبروں پر گنبد وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ یہ اس زمانے کے بت ہیں۔ ان مزاروں کے پاس مرادیں پانے کی نیت سے لوگ آتے ہیں۔ اور ان مزاروں پر عاجزی دکھاتے ہیں۔ اور ان مزاروں کے اندر دفن لوگوں کو اپنی مصیبتوں میں پکارتے ہیں۔ جیسے کہ جاہلیت اولیٰ میں مشرکین کیا کرتے تھے۔ (یہ سب شرک و کفر ہے)

مکہ مکرمہ کے ان لوگوں میں سے احناف کے مفتی شیخ عبدالملک القلیعی، مالکیہ کے مفتی حسین المغربی اور عقیل بن یحییٰ العلوی بھی تھے پھر ہم نے تمام قبروں پر بنے ہوئے گنبد اور عمارتیں مسمار کر دیں تو اللہ کی توفیق سے اس پاک سرزمین پر ایک طاغوت بھی باقی نہ رہا جسکی پوجا کی جاتی ہو (والحمد لله على ذالك) پھر ٹیکس اور دیگر رسومات کو ختم کر دیا گیا۔ اور تمباکو پینے کے آلات (حقہ وغیرہ) کو توڑ دیا گیا اور اسکی حرمت کا اعلان ہو گیا۔ چرسیوں اور دیگر جرائم پیشہ لوگوں کے اڈے جلا دئے گئے، اور باجماعت نماز کی پابندی کا اعلان ہوا اور یہ کہ الگ الگ جماعتیں نہیں ہوں گی بلکہ ایک جگہ میں ایک ہی امام کے پیچھے سب لوگ نماز پڑھیں گے اور ان کا امام ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد ہوگا۔

اس وقت لوگوں میں اتفاق پیدا ہوا اور خالص اللہ کی بندگی شروع ہوئی اور آپس میں محبت پیدا ہوئی اور پریشانی دور ہوئی اور ان پر امیر مقرر کر دیا گیا اور معاملہ بغیر کسی خونریزی اور بغیر کسی کی بے عزتی اور بغیر مشقت کے پورا ہوا۔ (والحمدللہ رب العالمین)۔ پھر شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے لکھے ہوئے رسائل ان کو دئے گئے جو توحید کے موضوع میں واضح دلائل پر مشتمل تھے۔ اور ان میں محکم آیتوں اور متواتر احادیث کے دلائل سے مسئلہ توحید کی وضاحت ہوئی ہے۔ جس سے دلی اطمینان ہوتا ہے۔ اس میں سے عوام کیلئے ایک رسالہ مختصر کر دیا گیا جو انکی مجلسوں میں تقسیم کیا جاتا تھا اور انکی محفلوں میں پڑھا جاتا تھا اور علماء ان کو اس کے معانی و مفہوم سمجھا دیتے تھے۔ تاکہ وہ توحید کو اچھی طرح جان لیں اور اس کی مضبوط کڑے کو تھامے رکھیں اور ان پر شرک بھی واضح ہو جائے تاکہ اس سے نفرت کرتے ہوئے دلائل پر قائم ہوں اور پرامن ہوں۔

پھر شیخ کے بیٹے نے وہ رسالہ اپنے اس پیش لفظ میں نقل کیا ہے جس میں یہ بھی ہے کہ: جب آپ یہ مسئلہ سمجھ گئے تو یہ بھی جان لیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں جو مشرکین تھے وہ اس زمانے کے مشرکین سے کم شرک کرنے والے تھے۔ کیونکہ وہ تو سختی میں خاص اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے۔ اور راحت میں شرک کرتے تھے۔ اور ہمارے زمانے کے مشرکین سختیوں میں بھی اور راحتوں میں اپنے مشائخ اور بزرگوں کو پکارتے ہیں۔ مکہ کے جو علماء اس وقت موجود تھے ان میں سے ایک حسین بن محمد بن الحسین الابریقی الحضرمی الحیانی تھے۔ جو کہ اکثر ہمارے پاس آتے اور شیخ سعود اور ان کے خاص ساتھیوں کے ساتھ جو اہل علم تھے مل بیٹھتے اور شفاعت کے مسائل پر اعتراضات اور سوالات کرتے۔ بغیر کسی جھجک اور شرمانے کے۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی شیخ سعود نے سوالات اور اعتراض کرنے پر کسی کو کچھ تکلیف یا سزا نہیں دی تھی۔ حالانکہ یہ وہ مسئلہ تھا جس کیلئے شیخ نے تلوار اٹھائی تھی (لیکن مقصد لوگوں کو سمجھانا تھا نہ کہ قتل کرنا) ہم نے اس عالم (حسین بن محمد بن الحسین) کو بات سمجھا دی کہ عقائد میں ہمارا

www.KitaboSunnat.com

وہی منہج ہے جو اہل السنت والجماعت کا منہج ہے۔ اور مذہب وطریقہ ہمارا وہی ہے جو سلف صالحین کو مذہب تھا۔ کیونکہ وہی زیادہ محفوظ محکم اور علم والا مذہب ہے۔ اس کے برعکس جو خلف کے راستے کو زیادہ محکم ومضبوط سمجھتے ہیں۔

اس رسالے میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ: ہمارے خلاف لوگوں کو غلط باتیں بتائی جاتی ہیں اور حق چھپانے کیلئے جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ کہ ہم قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے ہیں۔ احادیث میں سے کسی استاد سے کوئی پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور یہ کہ ہم ہمارے نبی محمد ﷺ کا درجہ کم کرتے ہیں۔ کہ وہ تو اپنی قبر میں بوسیدہ ہڈی ہیں اور ہماری لاٹھی ہمیں آپ ﷺ سے زیادہ فائدہ دے سکتی ہے (العیاذ باللہ) اور یہ کہ آپ نہ کسی کی سفارش کر سکتے ہیں نہ آپ کی قبر کی زیارت کی فضیلت ہے۔ اور یہ کہ آپ ﷺ لا الہ الا اللہ کا معنیٰ اُس وقت تک نہیں جانتے تھے۔ جب تک یہ آیت نازل نہ ہوئی (فاعلم انه لا اله الا الله) یعنی (جان او کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں) اور یہ کہ ہم علماء کی باتوں پر یقین نہیں رکھتے، اہل مذاہب کی کتابیں ضائع کرتے ہیں کیونکہ ان میں حق اور باطل دونوں ہیں۔ اور یہ کہ ہم فرقہ مجسمہ (اللہ کیلئے جسم ثابت کرنے والے) ہیں اور یہ کہ چھٹی صدی کے بعد اپنے نظریات والوں کے علاوہ ہم سب کو مطلقاً کافر سمجھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم کسی کی بیعت اس وقت تک نہیں قبول کرتے جب تک وہ یہ تسلیم نہ کرلے کہ ابھی تک میں مشرک تھا، اور میرے ماں باپ شرک پر مرے ہیں۔ اور یہ کہ ہم نبی پر درود پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور عام قبروں کی زیارت (جو شرعاً جائز ہے) اس کو ہم حرام قرار دیتے ہیں۔ اور یہ کہ ہمارے دین کو اپنانے والے کے سارے سابقہ کھاتے ختم ہو جاتے ہیں یہاں تک، کہ اسکے قرضے بھی ختم ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ ہم اہل بیت رضوان علیہم کا کوئی حق نہیں جانتے اور یہ کہ ہم بوڑھے کو اسکی جوان بیوی سے الگ کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ بغیر کسی وجہ کے تاکہ ہمارے کسی جوان سے اسکی شادی ہو جائے۔ یہ اور اس طرح کی دیگر باتیں سب خرافات اور جھوٹ ہیں۔ جب بھی ہم سے ان باتوں کے بارے پوچھا گیا ہے ہمارا جواب یہی رہا کہ (سبحانك هذا بهتان عظيم) جس نے یہ باتیں ہماری طرف منسوب کی ہیں اس نے ہم پر جھوٹ بولا اور الزام تراشی کی اور جس نے ہماری حالت کو دیکھا ہے یا ہماری مجلسوں میں حاضر ہوا اور ہمارے بارے میں تحقیق کی وہ اچھی طرح سمجھ گیا کہ یہ ساری باتیں ہم پر الزام تراشی اور قطعی جھوٹ ہیں۔ جو کہ دین کے دشمنوں اور شیطان کے بھائیوں نے لوگوں کو خالص توحید سے متنفر کرنے کیلئے گھڑی ہیں۔

ہم تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو کبیرہ گناہوں مثلاً: ناحق مسلمان کا قتل، زنا، سود، شراب پینا وغیرہ کا مرتکب ہو جائے تو، بھی دائرہ اسلام سے نہیں نکلتا اور نہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیگا اس شرط پر کہ اگر عبادت کی تمام قسموں میں اللہ کی خالص توحید پر قائم ہو۔

اس رسالے میں یہ بھی لکھا ہے کہ: کوئی حق قبول کرنے سے انکار کرنے والا یہ کہے کہ تمہارا یہ کہنا کہ جس نے (یا رسول اللہ میں آپ سے شفاعت کا مطالبہ کرتا ہوں) کہا تو مشرک ہے اسکا خون ضائع ہے۔ جبکہ امت کی اکثریت خاص کر متاخرین تو اس طرح کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے معتبر علماء نے اسے جائز بلکہ مستحب قرار دیا ہے۔ اور اسکی مخالفت کرنے والوں کے خلاف میدان میں اترے ہیں تو کیا یہ سب مشرک ہو گئے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک موقف و نظریہ کے لوازمات مذہب نہیں کہلاتے جیسا کہ ہم اللہ کیلئے جہت (طرف) ثابت مانتے ہیں اس لیے کہ حدیث میں واضح ہے۔ لیکن اس سے ہمارا مجسمہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا جو علماء یا دیگر لوگ دنیا سے چلے گئے ان کے بارے میں تو ہم یہی کہتے ہیں کہ (تلك امة قد خلت) (یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی ہے)۔ اور ہم تو اس کو کافر قرار دیتے ہیں جسکو ہماری دعوت پہنچ گئی ہو اس پر حجت واضح ہو چکی ہو اور ایسی حالت میں مرا ہو کہ اس پر حجت قائم ہو گئی ہو۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی ضد و عناد اور تکبر پر قائم ہو۔ جیسا کہ ہم جن سے لڑ رہے ہیں انکی عام حالت ہے کہ وہ شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں واجبات کی ادائیگی سے پیچھے رہتے ہیں۔ اور بڑے بڑے گناہوں کا سر عام ارتکاب کر رہے ہیں۔ اور بہت کم ایسے ہیں جو اس طرح تو نہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی مدد اور ساتھ دینے کیوجہ سے ہم ان کے خلاف بھی لڑتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے لڑنے میں بھی حکمت ہوتی ہے۔ البتہ جو گزر چکے ہیں ان کی طرف سے ہم یہ معذرت کرتے ہیں کہ وہ انسان تھے ان سے غلطی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ معصوم عن الخطاء نہیں تھے۔ لیکن وہ معذور تھے۔ اور جس نے توحید کے مقابلے میں شرکیہ شفاعت کی تائید کیلئے لڑائی کی اور مقابلے کا راستہ اختیار کیا تو وہ غلطی کر جانا کوئی نا ممکن نہیں بلکہ جو ان سے بہت بہتر تھے ان سے بھی بعض غلطیاں ہوئیں جیسے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مہر کے ایک مسئلے میں غلطی ہوئی جب ایک عورت نے ان کو صحیح مسئلہ بتلایا تو انہوں نے اپنی بات سے رجوع کر لیا یہ اور اس طرح دیگر واقعات ان کی سیرت میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ بلکہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی موجودگی میں صحابہ کرام کی ایک جماعت سے غلطی ہوئی جب انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے (ذات انواط) کی طرح کوئی درگاہ بنادیں۔۔۔۔ تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی بات رد کر دی۔ اگر آپ یہ کہتے کہ یہ تو ان کے متعلق ہے جو غفلت سے اور بے خبری سے غلطی کر گئے۔ لیکن جب انہیں تنبیہ کی گئی تو وہ سمجھ گئے۔ لیکن جو لوگ اپنی ان غلطیوں کیلئے دلائل جمع کرتے رہے اور آئمہ مقتدیٰ کی باتوں کا مطالعہ کرتے رہے اس کے باوجود وہ مرتے دم تک اس غلطی پر قائم رہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

میں کہتا ہوں: ایسے لوگ بھی معذور سمجھے جاسکتے ہیں، ان کو ہم کافر نہیں کہہ سکتے اگرچہ وہ اپنی غلطی پر آخر تک قائم رہے ہوں، کیونکہ ان کو اس زمانے میں کسی نے انکی غلطی واضح نہیں کہ بلکہ اس زمانے کے اکثر مؤلفین ائمہ حدیث کے کلام کو چھوڑ چکے تھے اگر علماء سنت کا کوئی قول کسی کو معلوم بھی ہوا تو اسے پڑھے بغیر اس سے منہ موڑا ہے۔ بلکہ ان کے اکثر اکابر اپنے چھوٹوں کو کتب ائمہ حدیث پڑھنے سے منع کرتے تھے۔ اور اس دور کے حکمرانوں کا مذہب ہی لوگوں میں رائج تھا۔ لہٰذا اکثر لوگ اسی کو حق سمجھتے تھے (الا ماشاء اللہ) تو ان پر بھی حجت قائم نہیں ہوئی تھی۔

جیسا کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں نے علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ماننے سے ان.کار کیا اور اختلاف اور لڑائی تک بات پہنچ گئی وہ اس مسئلے میں خطاء پر تھے۔ اور آخری دم تک س پر قائم رہے۔ لیکن ان کو سلف میں سے کسی نے کافر یا فاسق نہیں کہا بلکہ ان کو اجتہاد کے اجر کے مستحق قرار دیا گیا۔ جیسا کہ اہل السنہ کے ہاں یہ معروف ہے۔ تو ہم بھی اس شخص کو کافر نہیں کہہ سکتے جسکی دینداری، تقویٰ، پرہیز گاری مشہور ہو اور اسکی سیرت اچھی ہو اور امت کی خیر خواہی میں اس نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوئی کسر نہ چھوڑی ہو، اپنی زندگی علوم نافعہ کی تدریس و تالیف میں صرف کی ہو۔ اگر چہ اس میں یا دیگر مسائل میں وہ غلطی پر ہو۔ جیسا کہ ابن حجرا لھیثمی ہیں۔ ہم انکی کتاب (الدر المنظم) سے ان کا کلام جانتے ہیں انکی علمیت کا ہم انکار نہیں کرتے اس وجہ سے ہم انکی کتابوں کے پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں جیسے اربعین کی شرح، الزواجر وغیرہ ہیں اور ان کے نقل کردہ کلام پر اعتماد کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے علماء میں سے ہیں۔ یہ ہم اس شخص کے متعلق کہتے ہیں جو صحیح عقل اور علم کا مالک ہو، انصاف پر چلنے والا ہو، تعصب اور تشدد سے خالی ہو، بات کو تولتا ہو بات کرنے والے کو نہیں دیکھتا ہو جبکہ وہ شخص کہ جو اپنی پسند اور عادت کا پیرو کار نہ ہو، چاہے اسکی پسند حق ہو یا باطل، ان لوگوں کو مقلد ہو اور پیروکار ہو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ وہ کہتے تھے: (ہم نے اپنے آباؤ واجداد کو ایک خاص طریقے پر پایا ہے ہم ان ہی کے نقش قدم پر چلیں گے) اور جس کی عادت یہ ہو کہ وہ حق کو بندوں کی وجہ سے جانتا ہو نہ کہ بندوں کو حق کی وجہ سے۔ تو اس جیسے لوگوں سے ہم تلوار سے ہی بات کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنا رویہ درست کرلے۔ توحید کے لشکر کی اللہ کی طرف سے مدد کی جاتی ہے (اور جو ظالم لوگ ہیں وہ عنقریب اپنا انجام جان لیں گے) اللہ کا لشکر غالب ہو کر رہتا ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے۔

"ایمان والوں کی مدد ہم پر لازم ہے اور آخری انجام پرہیزگاروں کا ہے"۔

شیخ عبداللطیف بن شیخ عبدالرحمٰن بن حسن نے اپنی کتاب (مصباح الظلام) میں کشف الغمہ کے مصنف عثمان بن منصور کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: میں نے بعض ہم عصر لوگوں کی ایک کتاب دیکھی جس میں ہمارے شیخ کی کتاب اصول الدین کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اولیاء وصالحین کی بندگی کرنے والوں کو گمراہ نہ کہنے پر زور دیا گیا ہے۔ اور غلو کرنے والے شیعہ اور مشرکین جنہوں نے اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے درجے تک پہنچادیا ہے اس کتاب میں ان کی طرف داری کی گئی ہے۔ جس میں اکثر یہی شبہ پیش کیا گیا ہے کہ وہ بھی محمد ﷺ کی امت میں سے ہیں اور وہ کلمہ پڑھتے ہیں نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں۔

جبکہ اس کتاب کا مصنف وہ بھول گیا ہے جو اسلام کی حفاظت میں آنے کے معاہدے ہیں، جن پر سب متفق ہیں اور اکابر وخواص کی تصریحات اس پر موجود ہیں کہ: (لا الٰہ الا اللہ) پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کو سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا بھی لازم اور ضروری ہے۔ شرط ہے۔ اور جو اس کے مطابق عمل نہیں کرتا ہے اس پر مرتد ہونے کا حکم لگتا ہے۔ اس کا نام (جلاء الغمة عن تکفیر هذه الامة) رکھا گیا جس امت سے اسکی مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اہل بیت کی بندگی شروع رکھی ہے۔ اور ان کے بارے میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ اور صالحین کی بندگی کرتے ہیں۔ اور انہیں پکارتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں اور انہیں اپنے اور اپنے اللہ کے درمیان وسیلہ سمجھتے ہوئے انہیں پکارتے اور ان پر توکل کرتے ہیں۔ یہی اسکی مراد ہے۔ لیکن اس کتاب کے مصنف نے ان کو جان بوجھ کر امت کے نام سے یاد کیا تاکہ نادان اور ناسمجھ لوگوں کی حمایت حاصل کرے اور حق کو باطل سے ملائے۔ اللہ تعالیٰ اسکو اور اس جیسے دیگر الزام تراشی کرنے والوں کو کیئے ہوئے وعدے کے مطابق سزا دیگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ہے ان کو عنقریب اپنے رب کا غضب اور دنیا کی زندگی میں رسوائی کا سامنا کرنا پڑیگا اور اسی طرح ہم جھوٹ گھڑنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں) لہٰذا ہر جھوٹ گھڑنے والے کو اپنے جرم کی سزا اسکے جرم کے برابر ملتی ہے اور میں نے خود اس آدمی کو دنیا میں خوار و ذلیل ہوتے دیکھا جو کہ بالکل واضح تھا ہر سمجھنے والا اسے سمجھ سکتا تھا۔

فصل

اعتراض کرنے والے نے لکھا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے نجد والوں کو بلکہ پورے جزیرۃ العرب کو آزمائشوں میں مطلع کر دیا کہ ان میں ایک ایسا شخص نکلا جس نے قابل اعتماد علماء سے علم حاصل نہیں کیا ہمارے قابل اعتماد مشائخ و بزرگوں سے یہ بات منقول ہے کہ اس شخص نے پوری امت کو کافر قرار دینے کی کوشش کی۔ ہر عام اور خاص کو کافر کہا۔ اور سب نے اس کے خلاف اسوجہ سے لڑائی لڑی سیوائے ان کے جنہوں نے اس کی بات کی موافقت کی تھی۔ کیونکہ اس کو کچھ ساتھی انکی جہالت کی وجہ سے مل گئی تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: جو اس وقت کے لوگوں کی حالت سے معمولی سے بھی آگاہی رکھتا ہو اور ان کے متعلق کچھ سن رکھا ہو اور انکی تاریخ جانتا ہو تو وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ کی دعوت قبول کرنے والے اور ان کے ساتھ آکر ملنے والے نجد اور جزیرۃ العرب کے لوگ انتہائی جہالت و گمراہی فقر فاقوں کے شکار تھے۔ جس کے بارے میں کسی عاقل کو کوئی شک نہیں اور نہ کچھ آگاہی رکھنے والے کو اس میں کوئی اختلاف ہے کہ وہ لوگ دین کے بارے میں بالکل جہالت میں تھے، صالحین کو پکارتے تھے، درختوں پتھروں اور غاروں پر عقیدہ رکھتے تھے۔ اولیاء کی قبروں کا طواف کرتے تھے اور ان سے خیر اور مدد کی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے، ان میں وحدۃ الوجود اور حلول، کے کفریہ عقائد بھی موجود تھے اور صوفیوں کی جہالت بھی موجود تھی جس کو وہ لوگ ایمان کا حصہ اور پیغمبر کا طریقہ خیال کرتے تھے۔ نماز چھوڑنا، زکوٰۃ روکنا اور منشیات کا استعمال تو ان میں عام سی بات تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ کی دعوت سے شرک کا نام و نشان اور اسکے درگاہوں کو مٹایا، اور ان کے ذریعے اللہ نے کفر و شرک کے مراکز ڈھادیئے، طاغوتوں اور ملحدوں کو سرنگوں کیا اور ان پر غالب آئے۔ دیہاتیوں اور بستیوں کے رہنے والوں پر محمد ﷺ کی لائی ہوئی توحید اور ہدایت کو نافذ کر دیا، اور جو جاہل و ظالم ان کے ساتھ اس توحید اور ہدایت کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہوا اسے کافر قرار دیا۔ نماز قائم کرنے، زکاۃ دینے، برائی اور منشیات چھوڑنے کا حکم دیا۔ اور دین میں بدعت گھڑنے سے منع کیا اور دین کے اصولی و فروعی مسائل میں سلف صالحین (صحابہ کرام) کی پیروی کا حکم دیا۔

یہاں تک کہ اللہ کے دین کو غالب کر دیا۔ اور اس کا برسرعام اعلان کر دیا، اپنی دعوت کے ذریعے شریعت کا راستہ اور منہج واضح کر دیا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کمیٹیاں قائم کر دیں شرعی حدود نافذ کیئے، دینی تعزیرات جاری کیں، جہاد کا پرچم بلند کیا، اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کیلئے مشرکوں اور مفسدون کے خلاف لڑائی کی۔ یہاں تک ان کی دعوت پھیل گئی اور اللہ، اسکے رسول، اسکی کتاب، عام مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کیلئے خیر خواہی کا مظاہرہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے بکھرے

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئے دلوں کو بھی جوڑ دیا، دشمنیاں محبتوں میں بدل دیں اور سب اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، جن کو اس کے بدلے ایسی مدد، عزت اور کامیابی سے نوازا کہ اس طرح کی عزت و کامیابی ان صحراؤں اور چٹانوں کے رہنے والوں میں سے کسی اور کے لئے نہیں دیکھی گئی۔ اللہ نے احساء اور قطیب کے علاقے ان کے ہاتھوں فتح کئے اور ایک طرف عمان سے مصر کی چوٹیوں تک اور دوسری طرف یمن سے عراق اور شام تک کی عرب سرزمین کو انہوں نے فتح کر کے امن کا گہوارہ بنایا اور وہاں کی عرب قوم نے ان کی حکمرانی تسلیم کر لی اور زکاۃ کی ادائیگی شروع کر دی پھر نجد کو اللہ نے ایسی برکتوں سے نوازا کہ پوری دنیا سے لوگ دین اور دنیا دونوں کو حاصل کرنے کے لئے اس کا رخ کرتے نظر آتے ہیں۔ اور اس کو اپنی عزت و نصرت، بلندی اور ترقی پر فخر ہے۔ یمن کے صنعاء کے ایک بہت بڑے عالم اور شیخ نے اشعار میں ان کی تعریف کی ہے جن کا ترجمہ ہے۔

رک جا اور ایسے عالم کے بارے میں پوچھو
جن سے ہدایت سے بھٹکے ہوئے لوگ ہدایت لیتے ہیں
جنکا نام محمد ہے اور احمد (ﷺ) کی سنت کا پیرو کار ہے
پس کیا خوب راہنما اور کیا خوب پیروی کرنے والا ہے
جب اسکا طریقہ مجھے معلوم ہوا مجھے بڑی خوشی ہوئی
میں تو پہلے صرف اپنے آپکو ہی اس راستے پر سمجھ رہا تھا

علاقہ احساء کے ایک عالم کے اشعار کا ترجمہ ہے۔

"ان کے (محمد بن عبد الوہاب کے) ذریعے اللہ نے ایسے وقت میں ھدایت کا مقام بلند کیا جب گمراہی اپنی بلندی اور ترقی پر تھی۔ مجد نے اپنے فخر کا دامن ان کے لیے پھیلایا اور اس لائق بھی ہے"۔

یہ ان دو علماء کے کچھ اشعار ہم نے پیش کیے اگر ہم سب کو ذکر کریں گے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ ان دونوں کے علاوہ بہت سے علماء و مشائخ اور دیگر لوگوں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علم، فضیلت اور ہدایت کی گواہی دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔ (ترجمہ)

(آپ کہہ دیجئے، کیا تم نے کبھی غور کیا ہے اگر یہ (قرآن) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم نے اس پر کفر کیا، جبکہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے بھی اس جیسی گواہی دی ہے وہ تو ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا؟ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس امت کے ابتدائی دور کا کیا خوب تذکرہ فرمایا ہے کہتے ہیں: مسلمانوں نے جب (لا الہ الا اللہ) پڑھا تو مشرکین نے اس کو اجنبی جانا اور یہ ان پر بھاری گذرا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلمہ کا انکار کیا وہ مگر اس کلمے کو جو جاری رکھے گا اور اس کی مدد کریگا اور اسے اسکے دشمنوں پر غالب کریگا۔ یہ ایسا کلمہ ہے جو اس کی بنیاد پر لڑتا ہے کامیاب ہو جاتا ہے۔ جو اسکے لیے مقابلہ کرتا ہے اسکی مدد کی جاتی ہے۔ اس جزیرہ کے مسلمان جس کو سوار چند راتوں میں گھوم سکتا ہے۔ اس کلمہ کو جانتے ہیں اور باقی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دنیا میں سوار ہزاروں لوگوں پر گھوم کر دیکھیے تو اکثر اس کلمہ کا معنی و مقصود نہیں جانتے اور نہ اسکا اقرار کرتے ہیں۔

جب کہ مذکورہ اعتراض کرنے والا (عثمان بن منصور) اس اسلامی حکومت کے سائے کی نیچے رہا اور قضا کی ذمہ داری اٹھائی اور اس دین کی طرف اپنی نسبت کرنے کیوجہ سے اور شیخ کی محبت کے دعوے کی وجہ سے اسکو عزت و مقام ملا اور یہ کہ شیخ کی بعض کتابوں کی شرح اس نے لکھی۔ لیکن اس کے باوجود یہ شیخ کی دشمنی پر اور ان کو گالی دینے پر اتر آیا۔ اور جو حق دین شیخ لیکر آئے تھے یا وہ ہدایت اور حق دین جسے شیخ رحمتہ اللہ نے نافذ کیا تھا۔ اس کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(اور یہ لوگ روکتے ہیں اس (حق سے) اور خود بھی دور رہتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو ہی ہلاک کرتے ہیں۔ لیکن اسکا شعور نہیں رکھتے)

ایک شاعر کہتے ہے۔

ترجمہ:۔

سورج کی روشنی کو نابینا لوگوں کے نہ دیکھنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ جو حقائق ہم نے پیش کئے اس کا وھی انکار کر سکتا ہے جو ضدی اور متکبر ہو، اسکا خیال یہ ہو کہ بزرگوں کو پکارنا، انکی عبادت (پوجا) کرنا ان پر توکل کرنا اور انہیں اپنے اور اپنے رب کے درمیان وسیلہ بنانا یہ دین ہے اور یہی کتابوں کے نزول اور رسولوں کی بعثت کا مقصد اور یہی اسلام ہے۔ اس کے ماننے والے امت محمدیہ اور اس کے نہ ماننے والا اور اسے گمراہی کہنے والا دین سے نکلنے والا باغی ہے۔ جیسا کہ اس آدمی اور اس کے ایک اور ساتھی ابن سند کا خیال ہے جس نے مصری لشکروں کے درعیہ پر چڑھائی کرتے وقت اپنے اشعار میں کہا تھا کہ:

ترجمہ:۔

”یقیناً اس کی آشوب زدہ آنکھیں دین کیلئے کھل گئیں“۔

پھر اپنے اشعار میں مسلمانوں کو برا کہنا شروع کیا ان کو گمراہ کہا اور ان کی کمزوری پر خوشی کا اظہار کیا۔ اور بزرگوں کی پوجا کرنے والوں اور انہیں پکارنے والوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کو برابر کرنے والوں کی تعریف کی، جسکا جواب ایک ماہر ادیب (احمد بن مشرف) نے اپنے اشعار میں دیا اور مصری لشکروں کا حال اور ان کے مشہور کردار لواطت، شرک، زنا، شراب نوشی اور نماز کے ضیاع جیسے بداعمالیوں سے پردہ اٹھایا جن کا ایک شعر یہ ہے۔

ع:۔

فان کان هذا عندك الرشد والهدى

لقد فتحت للدين اعينه الرمد

”اگر رشد و ہدایت تم اسی کو سمجھتے ہو تو تم نے اپنی بیمار آنکھوں سے دین کو دیکھا ہے“۔

خلاصہ یہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں وہی کر سکتا ہے جو عناد رکھنے متکبر ہو۔ الزام تراشی اور جھوٹ سے پرہیز نہ کرتا ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۱) شیخ محمد بن عبد الوہاب پر کیا جانے والا اعتراض کہ انہوں نے قابل اعتبار علماء سے علم حاصل نہیں کیا؟

جواب:۔ اس اعتراض کرنے والے کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے، یہ اس کی اندرونی خباثت اور نیت کی خرابی کا نتیجہ ہے۔ اور یہ شخص ایسا ہی ہے نہ اسکے منہ کی کوئی لگام ہے۔ نہ جھوٹ اور الزام تراشی سے پرہیز کرتا ہے، جیسا چاہتا ہے بولتا ہے اور اہل علم پر اپنی بڑھائی ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ شیخ رحمہ اللہ کا علم کے حصول کے لئے سفر اور بڑے مشائخ علماء کے پاس جانا اور ان سے علم حاصل کرنا بہت معروف ہے جیسا کہ شیخ کی تاریخ بیان کرنے والے شیخ حسین بن غنام الاحسائی نے لکھا ہے اور پوری تفصیل سے اسکا تذکرہ کیا ہے کہ۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ حرمین کے مشائخ اور محدثین سے ملے ان سے علم حاصل کیا اور ان میں سے بعض نے شیخ کو حدیث بیان کرنے کی اجازت بھی دی۔ اسی طرح بصرہ کا سفر کیا وہاں کے اہل علم سے علم حاصل کیا، مناظرے کئے اور احساء بھی گئے جو کہ اس وقت علماء کا مرکز تھا تو وہاں کے شیوخ سے علم حاصل کیا عقائد اور ایمان کے متعلق لوگوں کے نظریات کی تحقیق کی، اپنے والد اور نجد کے دیگر فقہاء سے علم حاصل کیا اور ان کے ہاں علم اور قابلیت میں اپنی کم عمری میں ہی شہرت حاصل کرلی۔

اور اس طرح علماء شیخ سے احادیث سنتے، انہیں روایت کرتے اور ان سے مسائل اخذ کرتے تھے۔ اور یہی ان کا محدثین کے پاس جانے اور سفر کرنے کا مقصد ہوا کرتا تھا، کسی فقہی مسلک کی کتابوں کو پڑھنا اس دور کے علماء میں رائج نہیں تھا، امام شافعی نے مدینہ کا سفر کیا موطا امام مالک کو وہاں کے علماء سے پڑھا اور سنا تو فتوے دینا شروع کئے، اور جب کوفہ کی محمد بن الحسن الشیبانی کی مسجد میں داخل ہو کر لوگوں کو نماز میں اطمینان نہ کرتے ہوئے دیکھا تو ان پر اعتراض کیا جب کہ انہوں نے امام مالک یا کسی اور سے کسی مسلک کی رائے اور فقہ کی کتاب نہیں پڑھی تھی۔ اس طرح کے اور بھی بہت اہل علم اور مفتی حضرات گزرے ہیں۔ اور اس معترض کا یہ کہنا کہ یہ بات ہمارے بڑے بڑے قابل اعتماد مشائخ اور بزرگوں سے منقول ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ: ہر نظریے والا شخص اپنے بزرگوں اور مشائخ کے بارے میں یہی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ قابل اعتماد تھے۔ قدریہ، شیعہ، جہمیہ، معتزلہ اور قبر پرست غلو کرنے والے سب یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مشائخ اور بزرگ قابل اعتماد ہیں۔ ان سے علم لیا جاتا ہے۔ اور اہل السنۃ والجماعۃ اور اہل الحدیث کو وہ لوگ حشویۃ، مجسمۃ، ناصبہ، مجبرۃ، جیسے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اور قبر پرست اہل توحید کو انبیاء وصالحین کے گستاخ کہتے ہیں۔ اور ہر فرقہ کے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ہمارے ہی بزرگ قابل اعتماد علماء ہیں۔ لیکن اگر صرف دعویٰ کرنے سے کچھ ملتا تو لوگ ایک دوسرے کے خون اور مال کے دعوے کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور اہل کتاب نے کہا کہ جنت میں وہی داخل ہو سکتا ہے۔ جو یہودی یا عیسائی ہو، یہ انکی بے دلیل باتیں ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو"۔

جب یہ واضح ہوا تو یہ جان لو کہ اس شخص کے وہ مشائخ جن کی اس نے تعریف کی ہے۔ اور انہیں قابل اعتماد کہا ہے۔ وہ بہت بڑے سرکش اور ضدی تھے۔ اور شیخ رحمہ اللہ کے مخالفین کے سردار تھے۔ جیسا کہ ابن سند، ابن سلو اور ان جیسے دیگر اس شخص کے مشائخ میں سے معروف ہیں جنکی گالیاں اور بدزبانی اس باب میں بہت ذکر ہوئی ہیں۔ اور اللہ اور اسکے حقوق کی پہچان سے ان کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نابلد ہونا مشہور ہے۔

(۲) شیخ پر الزام لگانا کہ وہ اپنے ہم نظریہ لوگوں کے علاوہ پوری امت کو کافر کہتے تھے:

اس معترض کا یہ کہنا کہ "شیخ اپنے ماننے والوں کے علاوہ سب امت کو کافر کہتے تھے" یہ انتہائی جھوٹ اور غلط گوئی پر مبنی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ پچھلے انبیاء کی باتوں میں سے جو باتیں لوگوں نے پائی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ: جب تم میں حیا نہ رہے تو تم جو چاہو کرو۔

اس الزام کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے نبی ﷺ کی بعثت سے لیکر قیامت تک کے تمام امت کو کافر قرار دیا سوائے اپنے نظریات کی موافقت کرنے والوں کے۔

کوئی صاحب عقل انسان جس کو شیخ کے حالات سے تھوڑی سی آگاہی ہو وہ سوچ سکتا ہے، ایسا تو قدریہ، جبریہ، جہمیۃ، رافضہ اور خوارج جیسے مبتدع بھی نہیں کرتے کہ اپنی مخالفت کرنے والی امت کو کافر کہہ دیں۔ بلکہ ان کے اقوال میں بھی کچھ تفصیلات اور شرائط موجود ہیں جو اہل علم خوب جانتے ہیں۔

جبکہ شیخ رحمہ اللہ کا کوئی قول بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس میں انہوں نے پوری امت کو کافر کہا ہو یا اہل سنت والجماعۃ سے تفرد اختیار کیا ہو ان کے تو اس مسئلے (توحید اسماء وصفات اور توحید فی العمل والعبادات) میں جو دعوت ہے اس پر تمام مسلمان متفق ہیں۔ اسکی مخالفت تو وہی کرتا ہے جو مسلمانوں کے راستے سے الگ ہو گیا ہو اور ان کے منہج سے ہٹ گیا ہو۔ جیسے جہمیۃ، معتزلہ اور غلو کرنے والے قبر پرست۔ شیخ کی دعوت تو وہی دعوت ہے جس پر انبیاء اور آسمانی کتابیں سب متفق ہیں۔ جس کو ہر وہ شخص جانتا ہے جو انبیاء کے لائے ہوئے دین کا علم رکھتا ہو۔ اور شیخ رحمہ اللہ تو اسی بنیاد پر ان لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں جن پر حجت قائم ہو گئی ہو۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس کی مخالفت کریں اور اسے نہ مانیں تو ایسے لوگوں کو کافر کہنے میں شیخ بالکل صحیح راستے پر ہیں اہل السنۃ والجماعۃ کی پیروی کرنے والے ہیں مبتدع نہیں ہیں۔

کیونکہ اللہ کی کتاب، رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام و تابعین اور اہل علم کا فتویٰ اس بارے میں معروف و مشہور ہے کہ جو اللہ کے ساتھ کسی کو برابر کر دے اور اسکے ساتھ شریک ٹھہرائے۔ اور یہ کہ شرک کی دو قسمیں ہیں اکبر اور اصغر تو جو شرک اکبر کرنے والا ہے وہ پوری امت کے نزدیک کافر ہے۔ اس کے کفر میں یا تو عنادی اور ضدی شک کرتا ہے۔ یا جو اپنے دین اور انبیاء کے لائے ہوئے طریقے سے کچھ واقفیت نہ رکھتا ہو۔ اور اس مسئلے پر کئی اہل علم نے خاص کتابیں لکھی ہیں۔ اور اس پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے کہ یہ ضروریات دین میں سے ہے۔ مثلاً کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن القیم، ابن عقیل، صاحب فتاویٰ البزازیۃ، صنع اللہ الحلبی، المقریزی الشافعی، محمد بن الحسین النعمی الزبیدی، محمد بن اسماعیل الصفائی، محمد بن علی الشوکانی اور دیگر اہل ہیں۔

(۳) شیخ پر یہ الزام لگانا کہ انہوں نے اسلامی ممالک کو دارالکفر قرار دیا ہے:

اس معترض کا شیخ کے بارے میں یہ کہنا کہ: (انہوں نے تمام اسلامی ممالک کو اصل کافر قرار دیا ہے) یہ بھی جھوٹ اور تہمت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جو نہ شیخ نے نہ کسی اور نے کہا ہے۔ بلکہ کسی عام مسلمان نے بھی یہ نہیں کہا۔ تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے ملک جہاں بھی ہوں دارالاسلام ہیں۔ البتہ ان لوگوں کے ملک جو انبیاء، صالحین اور قبروں کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کو اللہ کا شریک ٹھراتے ہیں اور ان کو اختیار اور تصرف کے مالک سمجھتے ہیں جیسے کہ غلو کرنے والے قبر پرست تو ان کے کفر و شرک اور گمراہ ہونے کے بارے میں علماء نے بات کی ہے۔ ان کے بارے میں علماء کرام کی متفقہ بات یہ ہے کہ کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد جس نے ایسا کیا اور اس پر حجت قائم ہو گئی تو اس پر مرتد اور کافر کا حکم لگایا جاتا ہے۔ لیکن اصلی کافر اس کو بھی نہیں کہا جاتا۔ صرف محمد بن اسماعیل نے اپنے رسالہ (تجرید التوحید جس کا نام تطہیر الاعتقاد بھی ہے) میں ان کے اصلی کافر ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ ان لوگوں نے کلمۂ شہادت کے تقاضوں کو نہیں پہچانا جس کی وجہ سے یہ اس کلمہ کو پڑھنے سے اسلام میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے۔ لیکن ہمارے شیخ (محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ) ان سے اس بات میں موافقت نہیں کرتے۔ اس کے باوجود اس اعتراض کرنے والے نے جھوٹ سے گریز نہیں کیا حالانکہ جھوٹ اور تہمت لگانا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ مردار جانور کا گوشت کھانا حرام ہے۔

شیخ نے کبھی کسی مسلم ملک کو دارالکفر نہیں کہا۔ انہوں نے صرف یہ کہا کہ اولیاء و صالحین کو پکارنا، انکی پوجا کرنا، ان سے مدد مانگنا، ان سے فریاد کرنا، ان کے نام پر ذبح اور نذر نیاز، ان پر توکل کرنا اور اپنی مشکلات اور حاجات میں انہیں اللہ کیلئے وسیلہ بنانا، یہ مشرکین کا دین اور گمراہ جاہلیت والوں کا کام ہے۔ جو اہل کتاب یا امی لوگ تھے۔ تو اس اعتراض کرنے والے نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ سارے ممالک کفر کے ممالک ہیں۔ لیکن یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کیونکہ کسی نظریے سے کوئی نتیجہ نکالنا اس نظریئے والے کا مذہب اور نظریہ نہیں ہوتا۔ لہذا اپنی تصحیح کرنی چاہیے۔ اس معترض کا یہ کہنا کہ امت کی تکفیر کی وجہ یہ ہے کہ شیخ نے امت میں بعض بدعات اور نئے اعمال دیکھے جو کہ امت میں ہمیشہ پائے جاتے ہیں کبھی کم کبھی زیادہ مگر علماء نے ان امور کو تکفیر کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے زمرے میں آتے ہیں تکفیر سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ معترض نے شیخ پر اعتراج کیا کہ شیخ نے ایسے کاموں اور بدعات پر مسلمانوں کو کافر قرار دیا ہے جو امت میں ہمیشہ رہتے ہیں مگر ان پر کسی نے مسلمانوں کو کافر قرار نہیں دیا۔ تو معترض نے صحابہ کرام کے طرز عمل کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے مختلف کے مرتدوں کو کافر قرار دیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو کافر کہا جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو سے کام لیا۔ اس طرح صحابہ نے جادوگروں کو کافر اور واجب القتل قرار دیا۔ اسی طرح صحابہ کے بعد علماء نے قدریہ کو، جہمیہ کو کافر کہا۔ اور جعد بن درہم، جہم بن صفوان اور اس کے ہم خیالوں کو واجب القتل قرار دیا۔ ہر دور میں علماء اور فقہاء کچھ اعمال کی وجہ سے مسلمانوں پر کفر کے فتوے لگاتے رہے ہیں۔ تو معترض کا یہ کہنا غلط ہے کہ مسلمانوں کو کسی عمل پر کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس بارے میں تو حدیث بھی ہے کہ جس نے دین تبدیل کر دیا (مرتد ہوا) اسے قتل کر دو۔ (احمد، بخاری)

بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ کافروں کو کافر کہنا اور ان سے جہاد کرنا ایسا رکن ہے جس کے بغیر اسلام پورا نہیں ہوتا۔ ان علماء کے راستے پر ائمہ اربعہ متبدعین اور ان کے پیروکار ہر زمانے اور ہر شہر میں قائم ہیں۔ اور انہوں نے بدعات گھڑنے والے کئی گروہوں کو کافر قرار دیا جیسا قرامطہ، باطنیتہ اور عبیدیین کو جو کہ مصر کے حکمران ہیں اور ان کے خلاف لڑائی کی۔ باوجود اسکے کہ وہ مساجد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی تعمیر کرتے، نماز پڑھتے، آذان کہتے اور اہل بیت کی مدد کا دعویٰ کرتے تھے۔ ابن الجوزی نے ایک کتاب بھی لکھی جسکا نام (النصر علی مصر) رکھا ہے جس میں انہوں ان لوگوں کا مرتد قرار دینا اور ان سے لڑنے کو واجب کہنے کا ذکر کیا ہے۔ فقہاء نے اپنی الگ الگ کتابوں میں ایک مستقل باب باندھا جس میں ان اہل بدعت کا حکم بیان کیا ہے۔ جو مرتد ہو گئے اور اسے اکثر نے (باب الردۃ) کا نام دیا ہے۔ اور اس مرتد کی وضاحت کی ہے جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہوتا ہے۔ اور ایسی چیزوں کا ان فقہاء نے ذکر کیا ہے جن سے کسی کلمہ گو پر کفر کا حکم لگتا ہے جو ہمارے زیر بحث مسئلے سے بہت کم تر ہیں۔ لیکن اس کے کرنے والوں پر نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور اپنے آپکو مسلم شمار کرنے کے باوجود کافر کہا ہے۔

معترض کا یہ کہنا کہ ”امت کو کافر کہنے سے نبی علیہ السلام نے سخت ڈرایا ہے“

ہم کہتے ہیں اگر آپ کی مراد یہ ہو کہ ایسے شخص کو کافر کہنے سے ڈرایا ہے۔ جس سے مرتد ہونے والا کوئی کام سرزد ہو جائے اور اس پر حجت قائم ہو گئی ہو اور اس کے باوجود بھی وہ توبہ نہیں کرتا بلکہ اس کفریہ کام پر قائم ہے تو یہ مراد لینا عناد اور ضد پر مبنی اور دین کے لوازم کا انکار ہے اور ایسے شخص کو قرآنی آیات، نبوی احادیث، اجماع سلف صالحین اور ہر زمانے میں امت کے عمل کے مطالعے پر مجبور کرنا چاہئے۔ اور اگر اس سے مراد یہ ہو کہ عام امت کو کافر کہنے سے ڈرایا اور منع کیا ہے۔ تو عام امت کو کسی نے کافر نہیں کہا بلکہ خوارج سے بھی ہم نے عام امت کو کافر کہنا نہیں سنا، کیا کوئی ایسا شخص جسکی عقل ہو اور وہ امت میں موجود علم، ایمان اور دینداری سے باخبر ہو۔ وہ ایسی بات کر سکتا ہے؟

ہاں امت کے بعض لوگوں کو کافر کہنا (جن پر حجت قائم ہو گئی اور پھر اپنے کفر پر قائم ہوں) اس کی کہیں ممانعت نہیں ہے جیسا کہ بنو حنیفہ (اہل یمامہ) اور دیگر مرتدین جو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یا قدریہ اور غلو کرنے والے رافضہ اور خوارج جو علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھے۔ اور اس کے بعد بھی ہر زمانے میں اس طرح حالت رہی۔ اگر یہ (تکفیر الکفار والمرتدین) نہ ہوتا تو جہاد اور مرتدین کے احکام و مسائل دین میں باقی نہ رہتے۔

اس کتاب میں شیخ کے متعلق اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ نے السویدی البغدادی کے نام پر لکھے جانے والے اپنے خط میں لکھا تھا: کہ آپ نے جو یہ کہا ہے کہ میں اپنے پیروکاروں کے علاوہ سب لوگوں کو کافر کہتا ہوں۔ اور ان کے نکاحوں کو باطل قرار دیتا ہوں۔ یہ بڑی تعجب کی بات ہے۔ کسی عاقل کے دل میں یہ بات کیسے آتی ہے؟ یہ تو کوئی مسلم یا کافر اور صاحب عقل بلکہ پاگل بھی نہیں کہتا۔

میں تو اسی کو کافر، سمجھتا ہوں جو انبیاء کے دین کو سمجھنے کے بعد اسے برا کہے۔ اس سے لوگوں کو منع کرے۔ اور اس سے دشمنی رکھے۔ الحمد للہ اکثر امتی ایسے نہیں ہیں۔ شیخ نے شریف کے نام اپنے خط میں لکھا ہے کہ: جو جھوٹ اور بہتان ہے جیسا کہ یہ کہنا کہ ہم عموماً لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ اور ہماری طرف ہجرۃ کرنے کو ہر اس شخص پر فرض سمجھتے ہیں جو اپنے دین کو ظاہر کرنے پر قادر ہو اور جو ہمارے مخالفین کو کافر نہیں کہتا، ان سے نہیں لڑتا ان کو بھی ہم کافر کہتے ہیں۔ اس جیسے اور بھی بہت سے جھوٹے الزامات ہیں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اسکا ہم یہی جواب دیتے ہیں کہ: یہ وہ جھوٹ اور بہتان ہے جسکے ذریعے یہ جھوٹ بولنے والے لوگوں کو اللہ کے دین سے روکتے ہیں جب عبد القادر جیلانی کی قبر پر بنے ہوئے بت یا احمد البدوی کی قبر پر بنے ہوئے بت یا دیگر ان جیسے بتوں کی پوجا کرنے والے جاہلوں کو ان کی جہالت اور ان کو کوئی سمجھانے والا نہ ملنے کی وجہ سے ان کو ہم کافر نہیں کہتے تو جو اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتے بس ہماری طرف ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے ان کو ہم کیسے کافر کہہ سکتے ہیں؟ یا جو ان کو کافر نہ کہنے والے اور ان سے نہ لڑنے والے ہیں ان کو ہم کیسے کافر کہہ سکتے ہیں؟ (سبحانك هذا بهتان عظيم)

جب شیخ رحمہ اللہ قبروں پر بنے ہوئے بتوں کی پوجا کرنے والوں کو ان پر حجت قائم نہ ہونے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔ تو وہ حرمین کو کیسے دار الکفر کہہ سکتے ہیں؟

جب یہ ساری تفصیل آپ سمجھ گئے تو یہ جان لیں کہ شیخ کے بارے میں شیخ دحلان نے جو باتیں شیخ سلیمان الکردی المدنی سے نقل کی ہیں ان کا جواب مندرجہ ذیل صورتوں میں دیا جا سکتا ہے۔

1 ان باتوں کا صحیح ثبوت چاہئے کیونکہ اس کی نقل کردہ باتوں پر کوئی اعتماد نہیں۔

2 محمد بن عبد الوہاب کو مذکورہ شیخ کا شاگرد کہنا دلیل کا محتاج ہے۔

3 شیخ کردی کے حال سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کوئی دیندار اور قابل اعتماد ہے۔

4 اگر یہ ثابت بھی ہو کہ مذکورہ شیخ دیندار اور قابل اعتماد تھے اور محمد بن عبد الوہاب ان کے شاگرد تھے۔ پھر بھی یہ احتمال باقی ہے کہ اس نے شیخ محمد بن عبد الوہاب کے بارے میں جو باتیں کی ہیں اور انہیں جو نصیحت کی ہے وہ ان باتوں پر اعتماد کرنے کی وجہ سے جو شیخ رحمہ اللہ کے دشمنوں نے مشہور کر دی تھیں کہ شیخ سواد اعظم (اکثر مسلمانوں) کو کافر کہتے ہیں یہ باتیں تحقیق پر مبنی نہیں ہیں۔

5 اور اگر یہ ساری باتیں ثابت بھی ہو جائیں تو اس کی کیا دلیل ہے کہ شیخ کے استاد الکردی ہی حق پر ہیں؟ اور اساتذہ کی مطلق طور پر پیروی کوئی قابل تعریف عمل نہیں ہے۔

6 گذشتہ صفحات میں یہ ثابت ہو چکا کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے مسلمانوں کی اکثریت کو کافر نہیں کہا اور جنہیں کافر کہا ہے۔ وہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے نہیں۔ جیسے کہ خوارج کا مذہب ہے۔ بلکہ انہوں غیر اللہ کو پکارنے پر اور غیر اللہ سے اس چیز کے مانگنے پر جس پر اللہ کے علاوہ کوئی اور قادر نہیں اس پر کافر کہا۔ اور اس کے بارے میں کسی علم اور دین والے کا کوئی شک نہیں کہ یہ غیر اللہ کی عبادت ہے۔

اور غیر اللہ کی عبادت بلاشک وشبہ کفر ہے۔ اس کے باوجود شیخ نے ان کو بھی اس وقت تک کافر نہیں کہا جب تک ان کو حق بات نہ بتلائی اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ شیخ اس تکفیر میں منفرد نہیں۔ بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ایک بڑی جماعت نے ان کی موافقت کی ہے۔ جن میں سے ابن تیمیہ، ابن القیم، ابن عقیل صاحب فتاوی بزازیہ، صنع اللہ الحلبی، المقریزی الشافعی، محمد بن حسین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

النعمی الزبیدی، ابن حجر المکی، صاحب النہر الفائق، امام البکری الشافعی حافظ ابن کثیر، صاحب الصارم المنکی، شیخ احمد ناصر، علامہ حسن بن خالد اور الشیخ علامہ محمد بن الحفظی وغیرہ ہیں۔ جب کہ مخالفت کسی سے ثابت نہیں ہے۔

7 شیخ محمد بن سلیمان الکردی کی مذکورہ عبارت میں یہ کہنا کہ اگر آپ کسی شخص کے بارے میں سن لو کہ وہ غیر اللہ (جسے وہ پکارتا ہے) میں تاثیر کا عقیدہ رکھتا ہے تو اسے صحیح بات سمجھادو۔

اس معلوم ہوتا ہے کہ کفر اس عقیدے پر موقوف نہیں بلکہ خالی غیر اللہ کو ایسے انداز میں پکارنا کہ اس سے مافوق الاسباب چیز کا مطالبہ کیا جائے یہ بھی کفر ہے جیسے کہ پہلے گزر گیا۔

8 مذکورہ شیخ کا یہ کہنا کہ آپ کو سواد اعظم کی تکفیر کا کوئی حق نہیں۔ جب آپ خود شاذ اور الگ ہو سواد اعظم سے۔ جو شاذ و ذکر نے والا لے اس کو کافر کہنا زیادہ مناسب ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ شیخ کو سواد اعظم کا معنی بھی معلوم نہیں۔ کیونکہ اس کا معنی جمہور اسلام کے دعویدار نہیں۔ بلکہ حق والے لوگ ہیں۔ اگرچہ وہ کم ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے کہ تفصیل سے پہلے گزر گیا ہے۔

توحید ربوبیت اور توحید الوہیت:

شیخ دحلان: ان لوگوں نے توحید کی دو اقسام قرار دیدی ہیں۔ توحید ربوبیت اور توحید الوہیت تو یہ بھی ان کا باطل عقیدہ ہے۔ کیونکہ توحید ربوبیت ہی توحید الوہیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿ الست بربکم ﴾

"کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟"۔

جبکہ

﴿ الست بالھکم نہیں کہا ﴾

"کیا میں تمہارا الٰہ نہیں ہوں؟"۔

تو اللہ نے توحید ربوبیت کے اقرار پر اکتفا کیا ہے۔ کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ جس نے توحید ربوبیت کا اقرار کر لیا اس نے توحید الوہیت کا خود بخود اقرار کر لیا۔ کیونکہ رب اور الٰہ دونوں علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ جو رب ہے وہی بعینہ الٰہ ہے۔

شیخ بشیر: اس میں شک شبہ نہیں ہے کہ ہمیں اس عقیدہ کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے کہ اللہ وحدہ لا شرک ہمارا رب ہے اسکے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس بات کا پختہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہمارا معبود ہے۔ اس کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں۔ اور ہم صرف اس اللہ کی عبادت کریں۔ جو پہلا حکم دیا گیا ہے اسکو توحید ربوبیت کہتے اور دوسرے حکم کو توحید الوہیت کہتے ہیں اسی طرح پہلے حکم میں اگر کوئی شرک کرتا ہے تو اسکو شرک فی الربوبیت کہتے ہیں۔ اور دوسرے حکم میں شرک کرنے کو شرک فی الالوہیت کہتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(ب) پہلے حکم کے بارے میں بہت ساری آیات بطور دلیل موجود ہیں چند پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا:

﴿ الم تر الی الذی حاج ابراھیم ﴾

"کیا آپ ﷺ نے وہ شخص نہیں دیکھا جو ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا (حالانکہ) اسی اللہ نے اسکو اقتدار دیا تھا (جبکہ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا تھا) تو ابراہیم علیہ السلام نے اسکو کہا میرا رب زندہ کرتا اور مارتا ہے تو اس نے کہا میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال (یہ سنکر) کافر ہکا بکا رہ گیا"۔

سورت آل عمران میں فرمایا:

﴿ ورسولا الی بنی اسرائیل انی قد جئتکم ﴾

"اور رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا ہے یہ کہ میں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لیکر آیا ہوں"۔

فرماتا ہے

﴿ ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ ﴾

"بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے اسی کی عبادت کرو"۔

اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ قل یاھل الکتاب ﴾

"اے اہل کتاب تم ایسے کلمہ کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو کچھ بھی شریک نہ کریں اور ہم ایک دوسرے کو اللہ مقابلے میں رب نہ قرار دے"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ ولا یامرکم ان تتخذوا ﴾

"اور وہ تمہیں یہ حکم نہیں دیتا کہ تم فرشتوں اور انبیاء کو رب قرار دیدو۔ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دیگا جبکہ تم مسلمان ہو چکے"۔

سورۃ مائدہ میں فرمایا:

﴿ وقال المسیح الخ ﴾

"اور مسیح علیہ السلام نے کہا اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا رب ہے"۔

سورت انعام میں فرمایا:

﴿ ثم الذین کفروا بربھم یعدلون ﴾

"پھر کفار (شرکاء) کو اپنے رب کے برابر سمجھتے ہیں"۔

دوسری جگہ فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ فلما جن علیه اللیل الخ ﴾

"جب رات چھا گئی تو انہوں نے ستارہ دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ جب وہ غائب ہو گیا۔ تو کہا میں غائب ہونے والے کو پسند نہیں کرتا"۔

﴿ انی وجهت وجهی الخ ﴾

"میں اپنی تمام توجہات کا مرکز اس کو سمجھتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ایک طرف ہو کر۔ اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں"۔

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ بدیع السموٰت الخ ﴾

"آسمانوں زمینوں کا پیدا کرنے والا۔ اسکی کس طرح اولاد ہو سکتی ہے؟ اور کس طرح بیوی ہو سکتی ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ یہ وہ اللہ ہے جو تمہارا رب ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر چیز کا خالق ہے اسی کی عبادت کرو"۔

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ قل غیر الله ابغی ربا ﴾

"کہہ دیجئے کیا میں غیر اللہ کو رب بنانا چاہتا ہوں حالانکہ وہ اللہ ہر چیز کا رب ہے"۔

سورہ اعراف میں فرمایا:

﴿ ان ربکم الله الذی خلق السمٰوٰت ﴾

"بے شک تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا"۔

سورۃ توبہ میں فرمایا:

﴿ اتخذوا احبارهم ورهبانهم الخ ﴾

"انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے مقابلہ میں رب بنالیا"۔

اور فرمایا:

﴿ الست بربکم ﴾

"کیا میں تمہارا رب نہیں؟"

سورۃ یونس میں فرمایا:

﴿ ان ربکم الله الذی ﴾

"بے شک تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا چھ دن میں"۔

اور فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ ذٰلکم اللہ ربکم فاعبدوہ ﴾

"یہ وہ اللہ ہے جو تمہارا رب ہے اسی کی عبادت کرو"۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:

﴿ قل من یرزقکم من السماء الخ ﴾

"کون وہ ذات ہے جو آسمان اور زمین سے تمہیں رزق عطا فرماتا ہے؟ یا کون ہے جو سماعت وبصارت کا مالک ہے؟ کون مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے؟ کون ہے جو تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے تو یہ کہیں گے اللہ ہی کرتا ہے تو کہدیجئے پھر تم (غلط باتوں سے) کیوں نہیں بچتے ہو۔ پس یہ وہ اللہ ہے جو تمہارا حقیقی رب ہے پس حق سے بعد گمراہی ہے پھر تم کیوں تبدیل ہو جاتے ہو"۔

سورہ یوسف میں فرمایا:

﴿ ارباب متفرقون خیر ام اللہ ﴾

"کیا بہت سارے رب بہتر ہیں یا وہ اللہ جو اکیلا زبردست ہے"۔

سورہ رعد میں فرمایا:

﴿ قل من رب السمٰوٰت والارض قل اللہ ﴾

"کہدیجئے آسمانوں اور زمین کا کون رب ہے کہدیجئے اللہ"۔

﴿ قل ھو ربی لا الہ الا ھو ﴾

"کہدیجئے وہ اللہ ہی میرا رب ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں"۔

سورۃ الکہف میں فرمایا:

﴿ لکنا ھو اللہ الخ ﴾

"مگر وہ اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا"۔

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ یقول یلیتنی لم اشرك بربی احدًا ﴾

"کہے گا کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا"۔

سورت مریم میں فرمایا:

﴿ وما کان ربك نسیا ﴾

"تمہارا رب بھولنے والا نہیں ہے وہ جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اسی کی عبادت کو اور اسکی عبادت ہمیشہ کرتے رہو"۔

سورۃ طٰہ میں فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿قال ربنا الذی الخ﴾

"کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو خلقت بخشی اور رہنمائی کی"۔

سورۃ الانبیاء میں فرمایا:

﴿قال بل ربکم رب السمٰوٰت الخ﴾

"کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ جس نے ان سب کو پیدا کیا۔ اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں"۔

سورۃ الحج میں فرمایا:

﴿الذین اخرجوا من دیارھم الخ﴾

"وہ لوگ جو ناحق صرف اس وجہ سے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے"۔

سورۃ الصافات میں فرمایا:

﴿ان الھکم لواحد الخ﴾

"بے شک تمہارا معبود اکیلا ہے۔ جو آسمانوں اور زمینوں اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا رب ہے۔ اور مشرقوں کا بھی وہی رب ہے"۔

سورۃ ص میں ارشاد ہے:

"اللہ اکیلے زبردست کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے (وہی) غالب مغفرت کرنے والا ہے"۔

سورۃ الزمر میں اللہ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"یہ اللہ جو تمہارا رب ہے وہی (ہر چیز کا) مالک ہے۔ اسکے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر تم کیوں پھر جاتے ہو"۔

سورہ مومن میں ہے:

"آل فرعون میں سے ایک مومن جس نے اپنا ایمان چھپا رکھا تھا۔ کہا کہ کیا تم اس آدمی کو قتل کروگے جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس واضح دلائل لایا ہے"۔

اور ارشاد ہے:

"یہ اللہ تمہارا رب ہے۔ بابرکت ہے۔ اللہ جو تمام عالم کا رب ہے۔ نہیں ہے اس کے سوا کوئی معبود اس کیلئے دین کو خالص کر کے اسی کو پکارو تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام عالم کا رب ہے"۔

سورۃ حم سجدہ میں ارشاد ہے:

"کہدیجئے کیا تم اس ذات کا انکار کروگے جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو یہ رب العالمین ہے"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورۃ الشوریٰ میں ارشاد ہے:

"یہ اللہ ہے جو میرا رب ہے۔ جس پر میں نے بھروسہ کیا۔ اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں"۔

میں نہیں سمجھتا کہ آپ مفہوم رب اور مفہوم الٰہ کے علیحدہ علیحدہ ہونے پر شک میں مبتلا ہیں اگرچہ نفس الامر میں ان دونوں کا مصداق ایک ہی ہے اور مخلصین مسلمانوں کا عقیدہ بھی یہی ہے تو یہ اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ توحید کی دونوں قسموں کے مفہوم میں بھی تغایر ہو۔ گمراہ لوگوں میں یہ ممکن ہے کوئی توحید ربوبیت کا اقراری ہو مگر توحید الوہیت کا منکر ہو اور اسی طرح کوئی توحید الوہیت میں شرک کرتا ہو مگر توحید ربوبیت میں نہ کرتا ہو اگرچہ یہ نفس الامر میں باطل ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ الرازق، مالك السمیع والابصار، الحی والمیت، ومدبر الامر، رب السمٰوت السبع ورب العرش الکریم، ومن بیدہ ملکوت کل شیء، والخالق ومسخر الشمس والقمر ومنزل الماء من السماء اور لاالٰہ کا مصداق ایک ہی ہے۔

اس کے باوجود مشرکین عرب اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ رازق مالک السمیع والابصار وہ اللہ ہی ہے مگر توحید الوھیت اور عبادت میں شرک کرتے تھے

اس بات کی دلیل سورۃ یونس میں ہے ارشاد ہے۔

ترجمہ:

"کہدیجئے کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو سماعت اور بصارت کا مالک ہے؟ کون زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ کون تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے تو یقیناً یہ کہینگے اللہ تو کہدیجئے تم کیوں تقویٰ اختیار نہیں کرتے یہ اللہ ہے جو تم سب کا حقیقی رب ہے پس حق کے بعد گمراہی ہے تم کیوں پھیر دیئے جاتے ہو"۔

سورۃ مومنون میں ارشاد ہے:

ترجمہ:

"کہدیجئے زمین اور اس میں جو کچھ ہے کس کی ملکیت ہے اگر تم جانتے ہو یقیناً یہ کہیں گے کہ اللہ کی (ملکیت) ہے کہدیجئے تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے۔ کہدیجئے ساتوں آسمانوں کا رب کون ہے؟ عرش عظیم کا رب کون ہے؟ یقیناً یہ کہیں گے اللہ کہدیجئے تم تقویٰ کیوں نہیں اختیار کرتے۔ کہدیجئے کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت ہے؟ وہ پناہ دیتا ہے اسکے خلاف کسی کو پناہ نہیں دیجاتی اگر تم جانتے ہو یقیناً وہ کہیں گے اللہ کہدیجئے تم پر کیوں جادو کر دیا جاتا ہے"۔

سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے:

ترجمہ:

"اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ اور (کس نے) چاند اور سورج کو مسخر کس نے کیا تو یہ کہیں گے اللہ نے کیوں پھیر دیئے جاتے ہیں"۔

فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ:

"اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں کس نے آسمان سے پانی اتارا اور زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کیا تو کہیں گے اللہ نے کہدیجئے تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔ مگر ان کی اکثریت نہیں جانتی"۔

سورۃ لقمان میں ارشاد ہے:

ترجمہ:

"اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ کہیں گے اللہ نے۔ کہدیجئے تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں مگر ان کی اکثریت نہیں جانتی"۔

سورۃ الزمر میں ارشاد ہے:

ترجمہ:

"اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ جواب دینگے اللہ نے"۔

سورۃ الزخرف میں ارشاد ہے:

ترجمہ:

"اگر ان سے آپ ﷺ پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ کہیں گے ان کو غالب جاننے والے نے پیدا کیا ہے"۔

اسی طرح ارشاد ہے:

ترجمہ:

"اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے اللہ نے تو یہ کیوں پھیر دیئے جاتے ہیں"۔

اسی طرح یہ قبر کے پجاری جن میں اسلام کا صرف نام باقی رہ گیا ہے وہ اس توحید کا تو اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا رازق، محی، ممیت، خالق، موثر، مدبر اور رب وہ اللہ ہے مگر اسکے ساتھ ساتھ غیر اللہ۔ مثلاً مردوں کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں ان کے نام پر ذبح کرتے ہیں ان کیلئے نذریں مانتے ہیں ان کے نام پر اپنے بال منڈواتے ہیں اپنے مال میں سے ان کے نام کا حصہ نکالتے ہیں۔

حقیقت میں الرب اور الالہ کا ایک ہی مصداق اس بات کا ہرگز تقاضہ نہیں کرتا کہ توحید الربوبیت اور توحید الالوھیت کا بھی ایک ہی مفہوم ہے۔ مشرکین اور اس امت کے لوگوں کے الالہٰ اور الرب کا مصداق ایک ہی ہونا کا یہ ہرگز مقصد نہیں توحید ربوبیت اور توحید الوھیت میں فرق نہ کیا جائے۔

کیا یہ بات تمہاری عقل میں نہیں آتی کہ لفظ توحید الربوبیت اور توحید الالوہیت دونوں مرکب اضافی ہیں اور ان دونوں میں مضاف الیہ بھی کلی ہے۔

اس لیے کہ ربوبیہ اور الوھیہ دونوں مصدری معنیٰ کو ادا کرتے ہیں جو الرب اور لالہٰ سے لیے گئے ہیں اور وہ دونوں کلی ہیں اس لئے کہ الرب کا معنی ہے وہ مالک، سردار، متصرف، اصلاح کرنے والا، تدبیر کرنے والا پرورش کرنے والا، کمی کو دور کرنے والا، قائم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہنے والا۔ معبود، اور جتنے معانی ذکر کئے گئے ہیں سب کلی ہیں۔

الالہ بھی کلی ہے کیونکہ اس کا معنی ہے معبود چاہے حقیقی ہو یا باطل یہ بھی ایک کل معنی ہے تو اس سے حاصل کردہ لفظ بھی کلی ہوگا لہذا معلوم ہوا الالوہیت بھی کل ہے۔

پس توحید الربوبیت یہ عقیدہ ہے کہ رب ایک ہے قطع نظر اس بات سے کہ الرب بعینہ الالہٰ ہے یا کوئی اور۔

اور توحید الوہیت یہ ہے کہ عقیدہ رکھا جائے کہ الالہٰ اکیلا ہے قطع نظر اس بات سے کہ الالہٰ بعینہ وہی الرب ہے یا نہیں۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اب ہم مزید یہ کہیں گے کہ ممکن ہے کسی مادہ میں توحید ربوبیت تو موجود ہو مگر توحید الوہیت موجود نہ ہو جیسا کہ کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ الرب تو اکیلا ہے مگر وہ الالہٰ کے اکیلا ہونے کا عقیدہ نہ رکھتا ہو بلکہ وہ بہت سارے آلھہ کا عقیدہ رکھتا ہو اور یہ بھی ممکن کہ کسی جگہ توحید الوہیت تو موجود ہو مگر توحید ربوبیت موجود نہ ہو مثلاً ایک شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ عبادت کا مستحق تو اکیلا ہے مگر وہ رب کے اکیلا ہونے کا عقیدہ نہ رکھتا ہو بلکہ وہ کہتا ہو کہ کئی سارے متفرق رب ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں ایک ہی مادہ میں جمع ہو جائیں جیسا کہ کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ الرب اور الالہٰ ایک یہی ہے پس ثابت ہوا کہ توحید الربوبیت کا مفہوم توحید الالوہیت سے جدا ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ توحید ربوبیت کے ساتھ توحید الوہیت مستلزم ہے کیونکہ رب اور الہ کا مصداق ایک اللہ ہی ہے کوئی اور نہیں مگر یہ دونوں حیثیتیں (توحید ربوبیہ اور توحید الوہیہ) چونکہ براہین عقلی و نقلی سے ثابت ہیں لہذا یہ ایک ممتاز چیز ہے۔

توحید کی دونوں اقسام کی بحث سے قطع نظر ہمارا نقطہ نظر اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ توحید الوہیت کا انکار توحید ربوبیت کا انکار

تو ثابت نہیں کرتا کیونکہ جو لوگ قبر کے پجاری ہیں ان کے مشرک ثابت کرنے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ جب وہ غیر اللہ کو رغبت رہبت خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور ان سے وہ مانگتے جو اللہ کے علاوہ کسی اور کی قدرت میں نہیں ہے اور غیر اللہ کیلئے نحر کرتے ہیں نذر مانتے ہیں ان کیلئے طواف کرتے ہیں ان کے نام پر سر منڈھواتے ہیں اور ان کے نام پر اپنے مال میں سے حصہ نکالتے ہیں اور دیگر عبادات ان کے کیلئے کرتے ہیں تو گویا انہوں نے غیر اللہ کی عبادت کرلی اور انہیں اللہ کے مقابلہ میں الہٰ بنالیا۔

اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ قبروں کی عبادت کرنے والے یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ فوت شدہ انبیاء علیہ السلام اور صالحین ارباب ہیں اور نہ ہی وہ ان کیلئے رب یا الہ کا لفظ بولتے ہیں تو یہ کیسے مشرک ہوگئے؟

تو ان کیلئے میرا جواب یہ ہے کہ اس اعتراض میں اشراک فی الالوھیہ والعبادۃ کے معنی کو مد نظر نہیں رکھا گیا اس لئے کہ شرک فی العبادۃ کا معنی ہی یہی ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کرنا مثلاً پکارنا، ذبح کرنا، نذر ماننا، طواف کرنا وغیرہ قطع نظر اس بات سے کہ وہ اس کو الہٰ یا رب سمجھتا ہے یا نہیں۔

اس بات پر قرآن مجید کی بہت سی آیات دال ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ:

"اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا"۔ الخ

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

ترجمہ:

"کہدیجئے اے اہل کتاب آجاؤ ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو کچھ بھی شریک نہ کر لیا"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:

"اور ان لوگوں کو نہیں حکم دیا گیا مگر یہ کہ وہ ایک الٰہ کی عبادت کریں نہیں ہے اسکے سوا کوئی معبود وہ پاک ہے اور بلند ہے ان (تمام سے) جو یہ شریک ٹھہراتے ہیں"۔

اور اللہ کا فرمان ہے:

ترجمہ:

"وہ ان لوگوں کی اللہ کے مقابلہ میں عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع اور یہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے نزدیک کہدیجئے تم اللہ کو کیا وہ بات بتارہے ہو جو وہ نہیں جانتا آسمانوں میں اور زمینوں میں پاک ہے بلند ہے اس سے جو یہ شرک کرتے ہیں"۔

اور اللہ کو فرمان ہے:

ترجمہ:

"پس جو اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اعمال صالح کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے"۔

اور ارشاد ہے:

ترجمہ:

"اور کہا مسیح علیہ السلام نے اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اس لئے کہ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اسکا ٹھکانہ جہنم ہے"۔

اور اللہ کا فرمان ہے:

ترجمہ:

"کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے بلند ہے اللہ اس سے جو یہ شرک کرتے ہیں"۔

اور اللہ کا فرمان ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ:

"پس جب وہ سوار ہوتے ہیں کشتی میں تو اللہ کیلئے دین کو خالص کر کے پکارتے ہیں پس جب وہ انہیں نجات دیدیتا ہے خشکی کی طرف تو وہ شرک کرنے لگ جاتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:

"البتہ آپ ﷺ کی طرف وحی کی گئی اور آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کی طرف کہ بالفرض آپ نے بھی شرک کیا تو آپکے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ ﷺ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے بلکہ آپ ﷺ اللہ کی عبادت کریں اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں"۔

اور اللہ کو فرمان ہے:

ترجمہ:

"کہدیجئے میں اپنے رب کو ہی پکارتا ہوں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا"۔

مؤلف نے جو توحید الوہیت اور توحید ربوبیت کے ایک ہونے کے لیے استدلال (الست بربکم قالوا بلی) سے کیا ہے اللہ تعالی نے (الست بالھکم) نہیں کہا تو یہ استدلال غلط ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ نے توحید الوھیہ کا تذکرہ ہی نہیں کیا تو یہ توحید ربوبیہ اور توحید الوہیہ کے ایک ہونے پر کیسے دلیل بن سکتی ہے؟ کیونکہ اللہ کا یہ طریقہ ہے کہ کبھی کوئی حکم ایک آیت میں ذکر ہوا دوسرا حکم ذکر نہیں ہوا۔

اس آیت میں اگرچہ توحید الوہیت کا ذکر نہیں ہے مگر جو آیات اوپر ہم نے ذکر کر دی ہیں ان میں اسکا تذکرہ موجود ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ چونکہ اللہ نے ایک پر اکتفا کیا لہٰذا یہ دلیل ہے اس بات پر کہ دونوں ایک ہی ہیں بلکہ یہاں کئی احتمالات ہیں۔

1 توحید ربوبیہ کا اقرار اس لحاظ سے کہ یہ قضیہ بدیہیہ ہے یعنی غیر رب عبادت کا مستحق نہیں ہو سکتا تو یہ تقاضہ کرتا ہے توحید الوہیت کے اقرار کا مگر یہ وہی سمجھ سکتے ہے جس کے پاس عقل سلیم اور فہم مستقیم ہو۔

یہ اقرار مذکور ان کے خلاف حجت ہے جیسا کہ اللہ کے مشرکین کے اس عقیدہ کو بطور حجت پیش کیا کہ وہ رازق، لک الابصار و السمع، محی و ممیت، مدبر الامر زمینوں آسمانوں کی ہر چیز کا مالک، ساتوں آسمانوں اور عرش عظم کا رب، ہر چیز کا مالک، آسمانوں زمینوں کا خالق، چاند سورج کا مسخر کرنے والا آسمان سے پانی برسانے والا اللہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ تو الوہیت میں بھی انہیں توحید کا اقرار کرنا چاہیے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے آیت:

﴿قل من یرزقکم من السماء والارض امن یملک السمع والابصار﴾ کے تحت کہا ہے کہ اللہ نے مشرکین کے توحید ربوبیت کے اعتراف کو توحید الوہیت کے اعتراف کیلئے بطور حجت بیان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا ہے۔

اور کہا ہے (افلا تتقون) یعنی تم اس بات سے کیوں نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی اپنی جہالت اور اپنی رائے سے عبادت کرتے ہو۔

اسی طرح (فذٰلکم الحق) کے بعد فرمایا یعنی اس بات کا تو تم لوگوں نے اعتراف کر لیا کہ ان سب کاموں کا کرنے والا تمہارا رب اور حقیقی الٰہ ہے جو اس بات کا مستحق ہے کہ اسے عبادت میں اکیلا سمجھا جائے فماذا بعد الحق الا الضلال یعنی اللہ کے سوا تمام معبود باطل ہیں (فانی تصرفون) یعنی تم اللہ کی عبادت چھوڑ کر غیر کی عبادت کی طرف کس طرح پھر جاتے ہو جبکہ تم جانتے ہو کہ اللہ ہی وہ رب ہے جس نے ہر چیز پیدا کی ہے اور ہر چیز میں تصرف اسی کا چلتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول کے تحت فرمایا:

﴿قل لمن الارض ومن فیھا﴾

یعنی اللہ اپنی تخلیق، تصرف اور ملکیت میں اکیلا ہونے اور مستقل ہونے کو ثابت کر رہا ہے تاکہ مخلوق کو یہ سمجھایا جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور عبادت صرف اسی کو لائق ہے اسکا کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ وہ ان مشرکوں کو کہیں جو غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ مگر اللہ کی ربوبیہ کا اقرار بھی کرتے تھے۔ کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے اس کے باوجود انہوں نے اللہ کے ساتھ اسکی الوہیت میں غیر اللہ کو شریک ٹھہرایا باوجود اسکے کہ انہوں نے یہ اعتراف بھی کر لیا تھا کہ جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی کسی چیز کے مالک ہیں بلکہ انہوں نے اقرار کیا کہ وہ انہیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں (مانعبدھم الخ)

اسی طرح فرمایا:

﴿قل لمن الارض ومن فیھا الخ﴾

یعنی کون ان سب چیزوں کا مالک ہے؟ جس نے ان کو اور ان میں موجود ہر چیز حیوانات، نباتات، ثمرات اور تمام مخلوق کو پیدا کیا (ان کنتم تعلمون... فیسقولون اللہ) یعنی وہ اے رسول آپکے سامنے اعتراف کریں گے کہ یہ سب اللہ ہی کیلئے ہیں۔ پس جب یہ بات ہے تو (قل افلا تذکرون) عبادت صرف خالق رازق کی ہونی چاہیے کسی اور کی نہیں۔

﴿قل من رب السمٰوٰت السبع ورب العرش العظیم﴾

یعنی علوی عالم اور اسمیں موجود چیزوں مثلاً روشن ستارے اللہ کی مکمل اطاعت کرنے والے فرشتوں کا کون خالق ہے اور عرش عظیم کا جو مخلوقات کیلئے چھت ہے۔

یا اللہ کے اس فرمان:

www.KitaboSunnat.com

﴿ سیقولون للہ قل افلا تقون ﴾

کا مطلب ہے کہ جب تم یہ اعتراف کرتے ہو کہ وہ آسمانوں اور عرش عظیم کا رب ہے۔ تو اس کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے؟ کہ جب تم اسکی عبادت میں غیر کو شریک کرتے ہو تو وہ اللہ کہیں عذاب نہ بھیج دے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول (سیقولون للہ) کے تحت فرمایا کہ یہ لوگ یقیناً یہ اعتراف کریں گے کہ وہ عظیم سردار جو پناہ دیتا ہے اور اسکے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا وہ صرف اللہ ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے (فانٰی تسحرون) کس کس طرح تمہاری عقلیں غیر کی عبادت پر آمادہ کرتی ہیں تمہارے اعتراف کے باوجود۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے تحت:

﴿ اللہ خیرا ما یشرکون امن خلق السمٰوٰت والارض ﴾

اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جن کو تم شریک کرتے ہو؟ وہ ذات بہتر ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی نازل کیا جس سے ہم نے گھنے باغات اگائے جبکہ تم ان کو نہیں اگا سکتے تھے۔ کیا اس کے باوجود بھی اللہ کے ساتھ کوئی معبود (کے طور پر) شریک ہے بلکہ یہ حق سے اعراض کرنے والی قوم ہے۔

فرمایا اس میں ہمزہ استفہام انکاری ہے مشرکین کی اللہ کے علاوہ مختلف آلھہ کی عبادت کا انکار ہے پھر اللہ نے اس بات کی وضاحت کی کہ وہ اکیلا خالق، رازق ہے اور خود ان تمام امور کو سرانجام دیتا ہے نہ کہ یہ بت اور ان کے شرکاء جیسا کہ مشرکین نے خود اعتراف کیا جس کا ذکر اللہ نے ان الفاظ میں کیا:

﴿ ولئن سالتھم الخ ﴾

”اگر آپ ان سے پوچھیں ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے اللہ نے“۔

یعنی وہ اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ان تمام کا فاعل اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ پھر بھی وہ اللہ کے ساتھ غیر کی عبادت کرتے ہیں۔ باوجود اعتراف کے کہ جو پیدا کرنے اور رزق دینے میں اکیلا ہے۔ وہ اس بات کا مستحق ہے کہ عبادت میں بھی اکیلا سمجھا جائے۔

(ءَ اِلٰه مَّعَ اللّٰهِ) یعنی کیا اب کئی معبودوں کی عبادت کی جائے گی؟ ہر ذی شعور کے سامنے یہ بات واضح ہو گئی جسکا یہ اعتراف کر رہے ہیں کہ وہی اللہ خالق اور رازق ہے۔

اور اللہ کے اس قول (ولئن سالتھم الخ) کے تحت حافظ ابن کثیر نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بات کو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ثابت کرنے کیلئے فرماتا ہے کہ چونکہ مشرکین اللہ کے علاوہ کی عبادت کرتے ہیں ساتھ ساتھ یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ آسمان و زمین سورج، چاند کو پیدا کرنیوالا۔ رات دن کو مسخر کرنیوالا وہ اکیلا اللہ ہے۔ اور وہی اللہ تمام مخلوق کا خالق اور رازق ہے۔ اور ان کی تقدیر بھی اس نے ہی مقرر کی ہے۔ اور اس نے ہی مخلوق میں رزق کی کمی بیشی رکھی ہے۔ کسی کو غنی اور کسی کو فقیر بنایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کون کس چیز کا لائق ہے۔ کون فقیری کا اور کون مالداری کا لائق ہے۔ اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ اللہ تمام اشیاء کے پیدا کرنے میں اور ان کی تدبیر میں اکیلا ہے۔ پس جب بات اس طرح ہے تو عبادت اسکے علاوہ اور کی کیوں کی جائے؟ بھروسہ کسی اور پر کیوں کیا جائے؟ جس طرح وہ اپنی ملکیت میں اکیلا ہے تو عبادت میں بھی اس کو اکیلا ماننا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت سے جگہوں پر توحید ربوبیت کے اعتراف سے مقام الھیۃ کو ثابت کرتا ہے۔

مشرکین اس بات کا اعتراف حج کے تلبیہ میں بھی کیا کرتے تھے وہ کہتے تھے:

"لبیك لا شریك لك الا شریكا هو لك تملكه و ما ملك"

"ہم حاضر ہیں تیرے لئے تیرا کوئی شریک نہیں ماسوا ان شریکوں کے جو تو نے خود مقرر کئے"۔

اور اللہ کے اس فرمان:

﴿ولئن سالتھم من خلق السمٰوٰت والارض لیقولن اللہ قل الحمد للہ﴾

کے تحت ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسمیں اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے اس اعتراف کی خبر دے رہا ہے کہ وہ آسمان و زمین کا خالق اللہ وحدہ لاشریک لہ کو سمجھتے ہیں پھر بھی وہ ان کی عبادت کرتے ہیں جن کے بارے میں ان کا یہ اعتراف بھی ہے کہ ان کا بھی خالق اللہ ہی ہے اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا:

﴿ولئن سالھم من خلق السمٰوٰت والارض بل اکثرھم لا یعلمون﴾

"یعنی تمہارے اعتراف کیوجہ سے تمہارے خلاف حجت قائم ہو چکی ہے کہ تمہاری اکثریت لاعلم ہے"۔

اسی طرح:

﴿یا ایھا الناس اذکروا﴾

کے تحت ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو متنبہ فرمایا ہے اور ان کو اس بات کی ہدایت فرمائی ہے کہ جس ذات کو تم اکیلا خالق رازق سمجھتے ہو۔ اس سے یہ استدلال کرو کہ عبادت میں بھی وہ اکیلا ہے۔ اور اسمیں بتوں وغیرہ کو اسکے ساتھ شریک نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا:

﴿لا الٰہ الا ھو فانی تؤفکون﴾

"اسکے علاوہ کوئی معبود نہیں تم کیوں اس بات سے پھر جاتے ہو"۔

اسی طرح امام ابن کثیر رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (ذالکم اللہ ربکم) کے تحت فرماتے ہیں یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تم کو اور تمہارے آباء واجداد کو بھی پیدا کیا وہی رب ہے ہر چیز اسی کی ملکیت ہے۔ اور تمام اشیاء پر اسکا تصرف واختیار ہے (لا الٰہ الا ھو) یعنی عبادت اس اکیلے لا شریك له کے لیے لائق ہے (فانی تصرفون) پھر بھی تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو تمہاری عقلیں تمہیں کہاں لے جا رہی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ ولئن سالتھم من خلق السّٰمٰوت ولارض ﴾

کے تحت فرماتے ہیں کہ مشرکین اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ تمام اشیاء کا خالق اللہ ہی ہے مگر اسکے باوجود وہ ان چیزوں کی بھی عبادت کرتے تھے جو نفع ونقصان کے بھی مالک نہیں ہیں یعنی بتوں وغیرہ کی۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت جو کہ سورۃ الزخرف میں ہے۔

﴿ ولئن سالتھم من خلق السّٰمٰوت ولارض لیقولن خلقھن العزیز العلیم ﴾

(ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ فرمارہا ہے کہ اے محمد ﷺ اگر آپ ان مشرکین سے اللہ کے بارے میں پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ جواب دیں گے اللہ نے یعنی وہ یہ تو اعتراف کرتے ہیں کہ تمام چیزوں کا خالق اللہ ہے مگر اس کے باوجود بتوں کی عبادت بھی کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے:

﴿ ولئن سالتھم من خلقھم لیقولن اللہ فانّٰی یؤفکون ﴾

کے تحت فرمایا۔ یعنی اے محمد ﷺ اگر آپ ان مشرکوں سے جو اللہ کے علاوہ غیروں کی عبادت کرتے ہیں۔ پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ جواب دینگے اللہ نے۔ یعنی وہ یہ اعتراف تو کرتے ہیں کہ تمام اشیاء کا خالق اللہ ہے۔ اور اس میں اس کا کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ مگر پھر بھی وہ عبادت ان کی کرتے ہیں جو کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ اور کسی چیز پر کچھ قدرت نہیں رکھتے۔ تو یہ لوگ اس معاملہ میں انتہائی جہالت اور ناسمجھی کا مظاہر کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا (فانّٰی تؤ فکون) دوسرا احتمال یہ ہے کہ آیت میں لفظوں میں اختصار ہے مراد یہ ہے کہ (الست بربکم والھکم) اور اسپر دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کی کمر پر ہاتھ پھیرا پھر اللہ نے ان تمام انسانوں کو نکالا جنھیں قیامت تک آنا تھا تو ان سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کریں اور رزق کی ذمہ داری اللہ نے خود لے لی۔ (الحدیث)

اسی طرح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول بھی موجود ہے (واذاخذ ربک من بنی آدم) کے تحت وہ فرماتے ہیں کہ اللہ وانکی اصلی شکلوں میں جمع کیا۔ پھر ان سے بات چیت کی ان لوگوں نے اللہ سے .... بات کی اور اللہ نے ان سے عہد لیا اور ان کو اس پر گواہ بنایا کہ میں تمہارا رب ہوں یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا (بلیٰ) یعنی تو ہی ہمارا رب ہے تو اللہ نے کہا میں تمہارے اس اقرار پر ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم علیہ والسلام کو بھی گواہ بناتا ہوں کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہدو کہ ہمیں اسکا علم نہیں تھا۔ جان لو میرے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میرے سوا کوئی رب نہیں اور تم نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنا ہوگا اور میں تمہاری طرف رسولوں کو بھیجوں گا تاکہ وہ تمہیں میرے عہد کے بارے میں تنبیہ کرتے رہیں۔ اور میں تمہارے لئے اپنی کتابیں نازل کروں گا تو تمام لوگوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک تو ہی ہمارا رب ہے اور تو ہی ہمارا الٰہ ہے تیرے سوا کوئی رب نہیں اور کوئی الٰہ نہیں ہے۔ تو انہوں نے اس دن اللہ کی اطاعت کا وعدہ کیا۔ ان دونوں اقوال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے۔

اور امام ابن کثیر نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ میں نے بنی آدم کو ان کی پشتوں سے نکالا تاکہ وہ گواہی دیں کہ اللہ ہی ان کا رب اور امالک ہے۔ اور وہ ہی الٰہ ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ جیسا کہ اللہ نے انہیں پیدا کیا اسی عہد کی وفا کے لیے۔

تیسرا احتمال آیت میں لفظ رب سے مراد معبود ہے جیسا کہ قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا (الرب المعبود) یعنی رب سے مراد معبود ہے۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ سے "ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا" کی تفسیر میں مروی ہے۔ "لیسجد بعضا بعضا" یعنی انہوں نے رب بنانے سے سجدہ مراد لیا ہے۔

ابن کثیر نے اس لفظ کی تفسیر میں یہی کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں ارشاد فرمایا:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○﴾ (التوبه:۳۱)

تو یہاں ارباب سے مراد معبود ہیں کیونکہ اللہ خود فرمارہے ہیں کہ:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○﴾ (التوبه:۳۱)﴾

اس آیت نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے بھی اس آیت سے یہی مراد لیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ، ترمذی رحمہ اللہ، ابن جریر رحمہ اللہ عدی بن حاتم کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں جب نبی ﷺ کی دعوت پہنچی تو وہ شام چلے گئے۔ کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہوگئے تھے۔ یہ اپنی قوم کے رئیس تھے۔ اور یہ حاتم طائی جو کہ سخاوت میں مشہور تھے۔ ان کے بیٹے تھے۔ یہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آئے ان کے گلے میں چاندی کی صلیب لٹکی ہوئی تھی نبی علیہ السلام قرآن مجید کی ان آیات کی تلاوت فرمارہے تھے۔

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبه:۳۱)

"ان لوگوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنالیا اللہ کے مقابلہ میں"۔

تو عدی کہتے ہیں میں نے فوراً کہا اہل کتاب نے اپنے علماء کی کبھی عبادت نہیں کی۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں مگر انہوں نے حلال چیزوں کو حرام قرار دیا اور حرام کو حلال۔ اہل کتاب نے ان کی بات مان لی یہی انکی عبادت ہے۔

شیخ دحلان: یہ بات واضح ہے کہ جو اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرلیتا ہے تو گویا اس نے الوہیت کا بھی اقرار کرلیا اس لیے کہ رب اور الٰہ علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں بلکہ رب ہی الٰہ ہے۔

شیخ بشیر: دحلان کا مقصد اس عبادت سے اگر یہ ہے کہ رب کا مفہوم بعنیہ وہی مفہوم ہے جو الٰہ کا مفہوم ہے تو اس بات کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بطلان سابقہ بحث میں واضح ہو چکی ہے۔ اگر انکی مراد یہ ہے کہ رب اور الہٰ کا مصداق ایک ہے تو پھر صحیح ہے۔ کیونکہ تمام امت مسلمہ کا یہی عقیدہ ہے۔ مگر سابقہ دور کے مشرکین اور اس امت کے لوگ ان دونوں کے ایک ہی مصداق کو تسلیم نہیں کرتے۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو گویا ان کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ وہ اللہ کی توحید ربوبیت کا اقرار کریں مگر الوہیت کا نہ کریں اور انہوں نے کیا بھی اسی طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

(المؤمنون: ۸۶-۸۷)

"کہدیجئے ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے تو یقیناً وہ کہیں گے اللہ کہئے اور تم کیوں نہیں ڈرتے"۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مشرکین یہ اعتراف کرتے تھے کہ اللہ ہی ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب ہے مگر اسکے باوجود وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔

یہاں دو بحثیں ہیں۔

اول:۔ آیت میں اللہ کیلئے ربوبیت کا ثبوت ہے نہ یہ کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں ہے اس لئے کہ اس میں حروف حصر استعمال نہیں ہیں۔

ثانی:۔ آیت سے اللہ کی ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کیلئے ربوبیت کا ثبوت ہے نہ کہ تمام مخلوق کیلئے ربوبیت اس میں یہ احتمال ہے کہ مشرکین کے عقیدہ کے مطابق آسمانوں اور عرش عظیم کے علاوہ باقی چیزوں کا رب اللہ کے سوا کوئی اور ہو۔

اس احتمال کا جواب یہ ہے کہ مشرکین کا سوال کے جواب میں غیر اللہ کا ذکر نہ کرنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ وہ صرف ربوبیت پر انحصار کرتے تھے۔ اس لئے کہ بیان کے مقام پر سکوت بھی دراصل بیان ہی ہوتا ہے۔ خاص طور پر جبکہ ان کے خلاف تمام حجت ہو رہی ہو اگر ان مشرکین کے نزدیک اللہ کے علاوہ کوئی اور رب ہوتا تو وہ اسے بیان کر دیتے۔

دوسرے احتمال کا جواب یہ ہے کہ مقصود یہ ہے کہ تمام مخلوق کا رب اللہ ہی ہے ذکر میں آسمانوں اور عرش عظیم کا خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اجرام فلکی میں سب سے عظیم یہی دونوں ہیں یہ دلیل ہے اس بات پر کہ رب کا معنیٰ مالک، متصرف ہے۔ اس لیے کہ اللہ اکیلئے کا مالک متصرف ہونا مشرکین کے اقرار سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ترجمہ:

"کہدیجئے تمہیں کون رزق دیتا ہے آسمانوں اور زمینوں سے یا سماعت بصارت کا کون مالک ہے؟ کون مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ نکالتا ہے؟ کون تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے؟ تو یہ کہیں گے اللہ ہی ہے۔ کہدیجئے تم کیوں نہیں ڈرتے؟ پس یہ اللہ ہے جو تمہارا حقیقی رب ہے"۔

اور اللہ فرماتا ہے:

ترجمہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"کہدیجئے زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کی ملکیت ہے؟ تو ہو کہیں گے اللہ کے۔ کہدیجئے تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے؟"۔

مزید فرمایا:

ترجمہ:

"کہدیجئے کس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے؟ وہ پناہ دیتا ہے اسکے خلاف پناہ نہیں دیجاتی۔ تو وہ کہیں گے اللہ ہی کو اختیار حاصل ہے۔ کہدیجئے تم پر کیوں جادو کر دیا جاتا ہے"۔

دوسری جگہ فرمایا:

ترجمہ:

"اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں آسمانوں زمینوں کو کس نے پیدا کیا؟ سورج چاند کو کس نے مسخر کیا؟ تو ہو کہیں گے اللہ نے پھر کیوں پھیر دیئے جاتے ہیں"۔

دوسری جگہ فرمایا:

ترجمہ:

"اگر آپ ان سے پوچھیں آسمان سے پانی کس نے برسایا؟ اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ تو یہ کہیں گے اللہ نے۔ کہدیجئے تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں ان کی اکثریت عقل نہیں رکھتی"۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بہت ساری آیات اس بات پر دال ہیں کہ مشرکین توحید ربوبیت کا اقرار نہیں کرتے تھے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (آل عمران:٦٤)

اسمیں اس بات پر دلیل ہے کہ اہل کتاب کے مشرکین نے اپنے بعض کو رب بنالیا تھا اللہ کے مقابلہ میں اسی طرح دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے:

﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ ﴾ (الانعام:٧٦)

"جب رات چھاگئی تو ستارہ دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔ جب وہ غروب ہو گیا تو کہا میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا (کہ انہیں رب کہوں)"۔

جناب ابراہیم علیہ السلام نے یہی بات تینوں نشانیوں کے بارے میں کہی ان کو سمجھانے اور انکی غلطی کا احساس دلانے کیلئے اس لیے کہ وہ ستاروں کو رب قرار دیتے تھے دوسری جگہ ارشاد ہے۔

﴿ اغیر اللہ ابغی ربا وھو رب کل شیء ﴾

"کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے"۔

یہ نص ہے اس بات پر کہ مشرکین غیر اللہ کو رب قرار دیتے تھے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ ﴾ (یوسف:٣٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اے جیل کے ساتھیوں بہت سارے رب بہتر ہیں یا اکیلا زبردست اللہ بہتر ہے"۔

یوسف علیہ السلام نے ارباب کہا کے اس لئے کہ وہ بھی ارباب کہا کرتے تھے۔مزید فرمایا:

﴿ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۝ ﴾ (النازعات:۲۴)

"کہا کہ میں تمہارا بلند رب ہوں"۔

یہ بھی اس بات پر دلیل ہے کہ فرعون اپنے لئے ربوبیت ثابت کرتا تھا۔

جواب:

میں اس کے مختلف جواب دونگا۔

اول:۔ آیات مذکورہ سے پتہ چلا کہ مشرکوں نے ماسوا فرعون کے غیر اللہ کو رب نہیں کہا۔فرعون نے انا ربکم الاعلی کہا وہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا بلکہ وہ دہریہ اللہ کا منکر تھا کیونکہ اس نے یہ بھی کہا"ومارب العالمین"رب العالمین کیا ہوتا ہے؟

بلکہ بعض لوگوں میں ارباب بنانے کی غلطی تھی یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اس کی ربوبیت کے قائل تھے بلکہ یہاں یہ احتمال ہے کہ ان کا رب قرار دینے کا مطلب تھا کہ وہ ان کے بنائے ہوئے اصول کی اتباع کرتے تھے۔یعنی ان کے حلال کردہ کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتے تھے نہ کہ وہ ان پر لفظ رب کا اطلاق کرتے تھے

علامہ حسن بن خالد منفعت قوت القلوب فی اخلاص توحید علامہ الغیوب میں ارشاد فرماتے ہیں۔یہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کیلئے عبادت کا کچھ حصہ بھی ثابت کیا تو گویا اس نے اسکو الٰہ اور رب قرار دیدیا۔اس لیے کہ جب نبی ﷺ سے بعض نومسلم ساتھیوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے بھی ذات انواط مقرر فرمادیں آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر یہ مطالبہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نبی اسرائیل نے کیا تھا کہ اجعل لنا الھا ہمارے لئے معبود مقرر فرمادیں جیسا کہ ان کے معبود ہیں۔تم پہلے لوگوں کے طریقوں پر سوار ہوگے۔(ابن ابی شیبہ،احمد،ترمذی نسائی)

حالانکہ وہ اس درخت۔ذات انواط کی عبادت نہیں کرتے تھے۔اور نہ ہی وہاں جاکر مانگتے تھے۔بلکہ وہاں صرف اسلحہ لٹکاتے تھے۔مگر پھر بھی اس کو آپ ﷺ معبود بنانے سے تعبیر کیا۔پس اگر کوئی وہاں جاکر دعائیں مانگے اور تکلیف دور ہونے کا سبب جانے تو اس کے بارے میں آپ ﷺ کی کیا رائے ہوتی؟

درخت سے پیدا ہونے والے فتنہ اور شیطان کی وحی سے پیدا شدہ فتنہ میں کیا نسبت ہے اندازہ لگائیں؟

رہا مسئلہ کہ انہوں نے غیر اللہ کو رب بنایا تو انہوں نے تشبیہ دی اللہ سے ربوبیت میں کیونکہ اللہ فرماتا ہے۔

﴿ ولا یامرکم ان تتخذوا الملائكة والنبيين اربابا ﴾

"اور وہ تمہیں حکم نہیں دیتا کہ تم ملائکہ،انبیاء کو رب بناؤ"۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے نبی ﷺ سے آکر کہا کیا آپ ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی بھی اسی طرح عبادت کریں جیسا کہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کی کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے۔ یا ہم غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیں۔ اللہ نے مجھے اس کام کیلئے نہیں بھیجا۔ نہ مجھے اس کا حکم دیا۔ تو اللہ نے یہ آیات نازل کیں:

﴿ ماکان بشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب ﴾

"کسی بشر کو لائق نہیں جسے اللہ نے کتاب، حکومت، نبوت دی ہو اور وہ لوگوں کو کہے تم اللہ کو چھوڑ کر میری بندگی اختیار کرو مگر تم رب والے ہو جاؤ کیونکہ کتاب سے تمہیں اسی بات کی تعلیم دی جاتی ہے یہی تم پڑھتے ہو اور وہ تمہیں اس بات کا حکم نہیں دیتا کہ تم ملائکہ، انبیاء کو رب بنالو کیا وہ تم کو مسلمان بنانے کے بعد کفر کا حکم دیگا؟"۔

پس رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کی قطعی نفی کر دی کہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے اور قرآن نے بھی اس چیز کی نفع کر دی کہ اللہ نے یہ حکم دیا ہو کہ تم، ملائکہ و انبیاء کو رب بناؤ کیونکہ ربوبیت الوہیت کے لوازمات میں سے ہے جو ان میں سے کسی ایک کی نفی کریگا دوسرے کی نفی خود بخود ہو گئی۔ ایک کے ثبوت سے دوسرے کا ثبوت خود بخود ہو گیا اس لئے کہ معبود اس ذات کو کہا جاتا ہے جو نفع و نقصان کا مالک ہو پس جس شخص نے عبادت کسی اور کیلئے ثابت کر دی تو گویا اس کیلئے ربوبیت بھی ثابت کر دی اور جس نے کسی کیلئے ربوبیت ثابت کر دی تو اس کیلئے اسکی عبادت ضروری ہو گئی۔

اسی مسئلہ میں علامہ حسن بن خالد نے مزید فرمایا کہ جب آپکو یہ بات معلوم ہو گئی کہ الرب کا معنی المتصرف، المالک ہے اور الالہ کا معنی المعبود ہے اَلإلاهة والالوهية کا معنی العبادة المعبودیتہ ہے۔ اور عبادت محبت اور عاجزی کا انتہائی درجہ ہے تو یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جس شخص نے غیر اللہ کیلئے عبادت کا کچھ حصہ ثابت کرنے کی کوشش کی یا رب تعالیٰ کے خواص میں سے کچھ ثابت کرنا چاہا تو گویا اس نے اسکو رب اور الٰہ قرار دیدیا اب چاہے وہ اسکو رب یا الٰہ کہے پس الٰہ ہی معبود ہے اور حقیقی معبود صرف اللہ ہی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا ھذا ربی تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے۔ کہ انکی قوم کواکب کو رب کہتی تھی اس لئے کہ اس آیت میں مختلف اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ عبادت انہوں نے اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے کہی تھی کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ابتدائی زمانہ ہے۔ دوسرا قول ہے کہ انہوں نے یہ بات نبوت ملنے کے بعد کہی۔ پھر علماء و مفسرین کا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض نے کہا انہوں نے اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کیلئے یہ بات کہی گویا انہوں نے ان کے نظریات کو ھذا ربی کہہ کر بیان کیا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد ہے اھذا ربی کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر انہوں نے ان کار کر دیا کہ اس جیسا میرا رب نہیں ہو سکتا۔

ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے کہا "انتم تقولون ھذا ربی" کہ تم یہ کہتے ہو کہ یہ میرا رب ہے تو "انتم تقولون" کے الفاظ پوشیدہ رکھے مراد میں موجود تھے۔ بعض نے کہا آیت میں مضاف مقدر ہے اور اصل عبادت یہ تھی ھذ دلیل ربی یہ تو میرے رب کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلائل ہیں۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں مفسرین کا اس مقام میں اختلاف ہے کہ یہ مقام نظر تھا یا مقام مناظرہ یعنی خود دیکھنے کو مقام تھا یا دوسروں کو دکھانے کا۔ ابن جریر علیہ بن ابی طلحہ کی سند ابن عباس سے روایت کی کہ یہ مقام نظر نہیں تھا کیونکہ انہوں نے "لئلم لھدنی ربی" سے استدلال کیا ہے جسکا ترجمہ ہے "اگر مجھے میرے رب نے ہدایت نہ دی ہوتی"۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں یہ بات انہوں نے اس جگہ سے نکلتے وقت کہی تھی جہاں آپ کی پیدائش ہوئی تھی آپ کی والدہ کو آپ علیہ السلام پر نمرود کا خوف لاحق ہوا کیونکہ نمرود کو یہ بتایا گیا تھا کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہو چکا ہے جو اسکی بادشاہت ختم کرنے کا ذریعہ بنے گا جس پر نمرود نے تمام پیدا ہونے والے بچوں کے قتل کا حکم دیدیا تھا جب ابراہیم علیہ السلام کی ولادت قریب ہوئی تو آپ کی والدہ آپکو دوسری جگہ لے گئیں جہاں آپ کی پیدائش ہوئی اور یہاں چھوڑ کر چلی گئیں اور انہوں نے اور بہت سی خرق عادات کا بھی ذکر کیا ہے یہی بات ان کے علاوہ بہت سے سلف سے بھی منقول ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ مقام مناظر تھا اور آپ اپنی قوم کو صحیح بات بتانا چاہتے تھے اور اس چیز کا بطلان کرنا چاہتے تھے جو ان کی قوم میں آچکا تھا۔

انہوں نے اپنے والد کی اس غلطی کو بھی واضح کیا جس کی بنا پر وہ بتوں کی پوجا کرتا تھا جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ بت خالق عظیم کے ہاں انکی سفارش کرتے ہیں اور انکی شکلیں ملائکہ جیسی بنا رکھی تھیں وہ ان کی عبادت اس لیے کرتے تھے تاکہ یہ انکی اللہ کے پاس سفارش کریں اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے انکی ستارہ پرستی کی غلطی پر بھی تنبیہ کی (انتہی)

قلت:۔ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حافظ ابن کثیر کی بات سے یہ واضح ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ قوم باطل چیزوں کی جو عبادت کرتی تھی اسکا بطلات کیا جائے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جن چیزوں کو الہ سمجھ کر عبادت کرتے تھے ان کو رب بھی مانتے تھے۔ مقصد ان کا یہ تھا جب یہ چیزیں جنکی تم عبادت کرتے ہو ربوبیت کے لائق نہیں تو الوھیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔

ابن کثیر میں یہ مروی ہے اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ یہ کہیں، "لا اغیر اللہ النجار با وھو رب کل شیئ" اسمیں غیر اللہ کو رب بنانے کی خواہش کا انکار ہے۔

سابقہ بحث سے یہ بات خوب معلوم ہوگئی کہ کسی چیز کو رب بنانا یہ دلیل نہیں ہو سکتی اس بات پر کہ وہ ربوبیت کا بھی قائل ہے یہ احتمال مد نظر رکھ کر چونکہ اتخاذ الرب کا مطلب ہے صرف "الشیء من العبادۃ الیہ "یعنی جس کچھ عبادت کی جائے یا جو وہ احکامات اسکی اتباع کی جائے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کہدیجئے اے محمد ﷺ ان مشرکین سے جو اللہ کی عبادت میں اور توکل میں شرک کرتے ہیں "اغیر اللہ ابغی ربا" کیا میں بھی اللہ کے سوا کوئی اور رب چاہتا ہوں؟ حالانکہ وہی اللہ ہر چیز کا رب ہے جو میری حفاظت کرتا ہے میرے معاملات کو تدبیر کرتا ہے میں اس ہی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اس ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں اس لئے کہ وہ ہر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چیز کا رب اور مالک ہے اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہر چیز پر اس کا حکم چلتا ہے اس آیت میں خالص عبادت اور توکل کا حکم ہے۔

یہ جو کہا گیا کہ یوسف علیہ السلام نے جو جیل کے ساتھیوں کو کہا:

﴿ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○﴾ (یوسف:۳۹)

"کیا کئی رب بہتر ہیں یا اکیلا اللہ زبردست بہتر ہے"۔

اسمیں اس بات کی تصریح نہیں کہ وہ ارباب کا لفظ بتوں کیلئے بھی استعمال کرتے تھے جس سے توحید ربوبیہ کا انکار ثابت ہو بلکہ یہ احتمال ہے کہ اس سے مقصود یہ ہو کہ وہ جس چیز کی عبادت کرتے تھے اسکا بطلان مراد ہو یہ کہ کر کہ ارباب متفرقہ قطعی طور باطل ہیں جسکا اہل عقل کے نزدیک ان کار ثابت نہیں پس جو چیز ربوبیت کے لائق نہیں ہو االوھیت کے بھی لائق نہیں دلیل اللہ کا قول ہے۔

﴿ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○﴾ (یوسف:۴۰)

"جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہارے اور تمہارے آباء کے خود ساختہ نام ہیں اللہ نے اس بارے میں کوئی مظبوط دلیل نہیں نازل کی حکم دینا صرف اللہ کا کام ہے اس نے حکم دیا کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو یہی قائم رہنے والا دین لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

امام ابن کثیر نے اس کی تفسیر میں فرمایا یوسف علیہ السلام نے دو نوجوانوں کو اللہ کی عبادت دعوت دی اور اللہ کے سوا تمام قسم کے بتوں وغیرہ کو ترک کرنے کو کہا تو پھر یہ کہا "ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار" (انھتی)

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن حکیم کی کسی بھی آیت میں یہ نہیں ہے کہ مشرکین میں کسی نے کہا ہو کہ اللہ کے علاوہ رب ہیں جس سے ہم یہ سمجھیں کہ وہ توحید ربوبیت کے انکاری تھے۔

دوسرا جواب:۔ یہ بھی ممکن ہے آیت مذکورہ میں جو رب آیا ہے اس سے مراد معبود ہو جیسا کہ ہم بیان کر چکے کہ لفظ رب بمعنی معبود استعمال ہوتا ہے۔

تیسرا جواب:۔ اس آیت میں گفتگو مشرکین عرب کے بارے میں ہو رہی ہے اور آیات جتنی پیش کی ہیں وہ سب ان کے علاوہ یعنی اہل کتاب، قوم ابراہیم علیہ السلام و یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہیں تو ان آیات سے یہ استدلال صحیح نہیں کہ مشرکین عرب توحید ربوبیت کے اقراری نہیں تھے شاید آپ علامہ محمد بن اسماعیل الامیر کے اس قول فاسد کو بخوبی سمجھ گئے ہوں گے جب انہوں نے کہا۔

"فان قلت اھل الجاھلیۃ الخ"

"اگر آپ کہیں اہل جاہلیت اپنے بتوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ انہیں اللہ کے قربت کر دیتے ہیں جیسا کہ قبر پرست کہتے ہیں"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (یونس:۱۸)

"یہ ہمارے اللہ کے نزدیک سفارشی ہیں"۔

تو یہ دونوں برابر ہیں تو میں کہتا ہوں دونوں برابر نہیں ہیں اس لئے کہ قبر پرست اللہ کی توحید کو مانتے ہیں وہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہیں اگر آپ ان میں سے کسی کو یہ کہیں کہ آپ یہ کہو فلاں ولی الٰہ ہے ورنہ میں تمہاری گردن کاٹ دونگا تو وہ کبھی نہیں کہے گا بلکہ ان کا عقیدہ جہالت کی بناء پر یہ ہو گیا ہے کہ ولی اللہ کی اطاعت فرمانبرداری سے وہ مقام پا گیا ہے کہ اللہ اسکی سفارش قبول کرتا ہے اور اس سے نفع کی امید کی جاسکتی ہے نہ کہ وہ اس ولی کو الٰہ سمجھتے ہیں بخلاف بت پرستوں کے اس لئے کہ انہوں نے تو لا الٰہ الا اللہ کا انکار کیا اور ان کا خیال تھا کہ بت اللہ کے ساتھ ساتھ الٰہ ہیں اسی بناء پر وہ ان کو الٰہ اور رب قرار دیتے تھے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کہا۔

﴿ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ ﴾ (یوسف:۳۹)

ان کے بتوں کو ارباب کہا کیونکہ وہ بھی انہیں ارباب کہا کرتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام نے بھی "ھذا ربی" کہا تینوں چیزوں کے بارے میں انہیں سمجھانے کیلئے کہ یہ رب نہیں ہیں۔ وہ ملائکہ کو بھی رب کہتے تھے چنانچہ انہوں نے کہا۔

﴿ اجعل الآلهة الها واحدا ﴾

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے کہا:

﴿ مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ ﴾ (الانبیاء:۵۹)

"یہ حال ہمارا الٰہ کا کس نے کر دیا؟"۔

ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

﴿ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝ ﴾ (الصافات:۸٦)

"کیا تم خود ساختہ معبود چاہتے ہو"۔

اب کون یہ کہہ سکتا ہے کہ کفار توحید الوهیہ اور ربوبیت کے اقراری نہیں تھے جیسا کہ بعض لوگوں کو اللہ کے اس قول سے وہم ہوا:

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ (الزخرف:۸۷)

"اگر ان سے آپ ﷺ پوچھیں انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے اللہ نے"۔

﴿ ولئن سالتهم الخ ﴾

"اگر ان سے پوچھیں آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے انہیں غالب جاننے والے (اللہ) نے پیدا کیا ہے۔ کہہ دیجئے تمہیں آسمان وزمین سے کون رزق دیتا ہے تو وہ کہیں گے اللہ"۔

تو یہ توحید الخالقیہ، الرازقیہ وغیرہ کا اقرار ہے نہ کہ انہوں نے توحید ربوبیت کا اقرار کر لیا اس لئے کہ وہ اپنے بتوں کو ارباب

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قرار دیتے تھے۔(انتہی کلامہ)

ان کے قول کے فساد کی وجہ یہ ہے کہ توحید الرازقیہ، الیٰ لقیتہ کا اقرار توحید الربوبیہ کا اقرار ہے جبکہ آپ کو یہ علم ہو چکا ہے کہ رب کا معنی المالک المتصرف بھی ہے سورۃ مومنوں میں اللہ تعالیٰ کے قول:

﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ (المؤمنون:۸۶)

اس بات پر نص ہے کہ وہ توحید الربوبیت کا اقرار کرتے تھے۔ اس میں جو دو بحثیں ہیں اسکا بھی جواب دیا جا چکا ہے۔ اور ان کا یہ کہنا:

﴿یجعلون اوثانهم اربابا﴾

"کہ وہ اپنے بتوں کو ارباب قرار دیتے تھے تو اسکا جواب بھی گزشتہ بحث میں دیدیا گیا ہے مزید اعادہ کی ضرورت ہے"۔

دحلان: یہ ملحدین اور مسلمانوں کو کافر قرار دینے والے یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ صالحین کو چاہنا اور ان کے بارے میں اچھا عقیدہ رکھنا اور ان سے برکت حاصل کرنا شرک اکبر ہے۔

شیخ بشیر: اسکا جواب قرآن عظیم کی یہ آیت ہے۔

"سبحانك هذا بهتان عظیم"

"پاک ہے تو یہ بہت بڑا بہتان ہے"۔

موحدین کتاب وسنت کے متبعین نے کبھی یہ بات نہیں کہی کہ جو صالحین کو چاہتا ہے اور ان کے بارے میں اچھا رکھتا وہ شرک اکبر کا مرتکب ہوتا ہے یہ الزام لگانے والے اللہ کے غضب کے مستحق ہیں۔ اور دنیا و آخرت کی رسوائی کے مستحق ہیں ارشاد ربانی ہے:

﴿ان الذین اتخذوا العجل سینالهم الخ﴾

"جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا عنقریب وہ اپنے رب کے غضب کو پالیں گے اور دنیاوی زندگی میں ذلت بھی اور اسی طرح بدلہ دیتے جھوٹ باندھنے والوں کو"۔

موحدین نے اس بات سے منع کیا ہے کہ لوگ صالحین کی قبروں کی زیارت کیلئے دور دراز سفر نہ کیے جائیں کہاں یہ بات اور کہا ان کا الزام اور موحدین نے اس عمل کو بھی شرک اکبر نہیں کہا بلکہ یہ کہا کہ یہ بدعت مجرمہ ہے۔

دحلان: نبی ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کو کہا تھا کہ وہ اویس قرنی کے پاس جائیں اور ان سے دعائے استغفار کرائیں جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔

شیخ بشیر: صحیح مسلم میں اویس قرنی کی فضیلت میں حدیث عمر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے کے الفاظ مختلف ہیں ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یمن سے تمہارے پاس ایک شخص آئے گا جسکو اویس کہا جائے گا یمن میں وہ اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والدہ کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑے گا اسکے جسم پر سفید دھبے ہوں گے وہ اللہ سے دعا کریگا تو اللہ اسے دور کریگا۔ سوائے دینار یا درہم بھر جگہ کے پس جو اس سے ملے تو اس سے اپنے لیے استغفار کرائے۔

ایک روایت میں یوں ہے میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا میرے تابعین میں سب سے بہتر ایک آدمی ہے جسکا نام اویس ہوگا اسکی ایک والدہ ہوگی اس پر سفیدی کے داغ ہوں گے اسکو حکم دینا کہ وہ تمہارے لئے استغفار کرے۔

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا کہ تمہارے پاس یمن سے اویس بن عامر اہل یمن اسکو برص کی بیماری ہوگی جسے اللہ بعد میں دور کردیگا سوائے ایک درھم جگہ ان کی والدہ بڑی نیک ہونگی اگر وہ قسم کھالیں گے تو اللہ انکی قسم پورا کردیگا اگر تمہیں یہ استطاعت ہو کہ تم ان سے استغفار کرا سکو تو ضرور کرانا راوی کہتے اس نے میرے اور آپ کیلئے استغفار کیا۔

اسمیں یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا ہو کہ وہ قصد کرکے اویس قرنی کے پاس جائیں اگر کسی روایت سے ثابت بھی ہو تو بھی یہ دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دور دراز کے سفر کرنا زندوں کی زیارت کو جانا ثابت ہو جائیکہ مردوں کی زیارت کو جانا جس پر ہم بحث کررہے ہیں۔

صحیح مسلم میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں "ان جاء نا" اگر وہ ہمارے پاس کوئی اہل خیر وصلاح میں سے کوئی آئے اور ہم سے ملاقات کرے اور اس سے کوئی دعا کا مطالبہ کرے تو یہ جائز ہے اسکا کوئی انکار نہیں کرتا۔

دحلان: صالحین کے اثار سے تبرک حاصل کرنا وغیرہ اس میں کوئی شرکیہ بات نہیں اور نہ اسمیں کسی قسم کی حرمت ہے صرف یہ لوگ مسلمانوں میں شکوک وشبہات پھیلاتے اپنے مفادات کو حاصل کرنے کیلیے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

شیخ بشیر: یہ صرف گفتگو کو لمبا کرنے والی بات ہے جسکا کوئی فائدہ نہیں اہل توحید وسنت میں کوئی ایسا نہیں ہے جو آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کا منکر ہو ہم صرف صالحین کی قبروں کی زیارت کے لئے باقاعدہ تیاری کرکے جانے سے منع کرتے ہیں اور مردوں کو پکارنے سے روکتے ہیں اور مذکورہ روایات میں اس کا جواز ہرگز نہیں ہے۔

دحلان: محمد بن عبد الوہاب نے یہ بدعت نکالی وہ مسجد میں خطبہ دیتے ہوئی کہتے تھے کہ جو نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑے گ وہ کافر ہے۔

شیخ بشیر: یہ وہ مسائل ہیں جن کا محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے خود جواب دیدیا ہے۔ اپنے اس خط میں جو انہوں نے عبد اللہ بن سحیم کو لکھا تھا۔ یہ بارہ مسائل ہیں جنکا جواب یہ ہے۔

سبحانك هذا بهتان عظيم

اس سے قبل اس نے محمد ﷺ پر بہتان تراشی کی کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کو برا بھلا کہا کرتے تھے اور انہوں نے یہ الزام بھی عائد کیا کہ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ ملائکہ، عیسیٰ، عزیر علیہم السلام جہنم میں جائیں گے تو اللہ نے یہ آیت:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ان الذين سبقت لهم منا الحسنىٰ منا الخ﴾

"جو لوگ اچھائیوں میں سبقت لے گئے تو وہ اس سے دور ہو گئے"۔

شیخ حسن بن غنام الاحسائی روضۃ الافکار والئد فہام میں فرماتے ہیں دسواں مسئلہ لوگوں کا یہ کہنا کہ استقاء میں صالحین کا وسیلہ لینے میں کوئی حرج نہیں اور احمد کا یہ قول کہ خاص نبی ﷺ کا وسیلہ لیا جاسکتا ہے باوجود یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ مخلوق سے استغاثہ جائز نہیں ہے۔ تو فرق بالکل واضح ہے ہمارا جو نظریہ ہے کہ کلام اس سے تعلق نہیں رکھتا یہ جو بعض علماء نے صالحین کا وسیلہ جائز کہا بعض نے اسکو جانا تو یہ فقہ کے مسائل ہیں اگرچہ ہمارے نزدیک جمہور کا قول ہے کہ یہ مکروہ ہے لیکن کوئی آکر یہ کرتا ہے تو ہم اسکو منع بھی نہیں کرتے کیونکہ اجتہادی مسائل میں ان کار نہیں کیا جاسکتا مگر ہمارا ان کار اس بات سے ہے کہ مخلوق کو پکارا جائے اور یہ بہت بڑی ہے اس سے کہ کوئی شخص اللہ کو پکارے اور اس کے لئے قصد کرے شیخ عبد القادر کی قبر کا اور وہاں جاکر مصیبت اور تکالیف سے نجات کی اللہ سے دعا کرے دونوں میں کتنا فرق ہے ایک شخص اللہ کو پکارتا ہے اور اپنی دعا میں وہ یہ الفاظ استعمال کرتا ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے تیرے انبیاء رسولوں، صالح بندوں کے واسطے سے مانگتا ہوں یا کسی قبر کا رخ کرتا ہے وہاں جاکر صرف اللہ کو پکارتا ہے تو یہ مسئلہ کہاں کا ہے اور جس مسئلہ پر ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ کیا مسئلہ ہے دونوں میں بڑا فرق ہے۔

بعض محققین نے "جلاء الغمہ" کے رد میں کہا ہے کہ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ شیخ رحمہ اللہ نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی کہ اگر کوئی شخص اللہ کو نبیوں، رسولوں اور صالح بندوں کا واسطہ دیکر پکارتا ہے تو وہ مشرکین کے دین میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ مشرک کافر ہے بلکہ ان لوگوں نے عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے شیخ کی طرف اس بات کی نسبت کر دی ہے شیخ نے جس مسئلہ پر بحث کی ہو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے علاوہ کسی صالح بندے یا کسی کو بھی پکارے اور ان معاملات میں جہاں صرف اللہ کی قدرت کے سوا کسی اور کو قدرت حاصل نہ ہو یہ شرک ہے جبکہ ان لوگوں نے اس مسئلہ کو یوں بیان کیا کہ شیخ نے ان لوگوں کو جو اللہ کو انبیاء کے وسیلہ سے پکارتے ہیں مشرک کہا ہے حالانکہ دونوں میں کتنا فرق ہے؟ انہوں نے بات کو خلط ملط کر کے عوام کے سامنے رکھا ہے۔ حالانکہ یہی طریقہ یہود کا تھا کہ وہ بھی کلام میں تحریف کرتے تھے اور یہ بھی کر رہے ہیں شیخ رحمہ اللہ کا موقف واضح ہے ان لوگوں کے بارے میں بھی جو اللہ کے علاوہ کسی اور کو اپنی حاجتوں میں پکارتے ہیں اور وہ سمجھے کہ ان کو وہ قدرتیں حاصل ہیں جو صرف اللہ کو لائق ہیں جیسا کہ کوئی عبد القادر یا احمد بدوی کی یا العبدروس یا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کی عبادت کرے اور اس برے عمل کے باوجود وہ یہ سمجھے کہ وہ شرک نہیں کر رہا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ چونکہ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خالق، رازق یا نافع، ضرر پہنچانے والا نہیں تو یہی کافی ہے میرے مسلمان ہونے کیلئے۔ تو شیخ اس شخص کے اس باطل خیال کو واضح کیا کہ وہ کس قدر خطرناک سوچ کا حامل ہے۔

"تمت كلمته ربك صدقا وعدلا الخ"

"تیرے رب کا کلام سچائی اور عدل کے اعتبار سے مکمل ہے اور اسکے کلام میں تبدیلی ممکن نہیں وہ سمیع علیم ہے"۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رہا یہ مسئلہ کہ اللہ کو انبیاء اور اولیاء کے وسیلے سے پکارنا مثلاً کوئی یوں کہے۔

"اللهم انی اسئلك بحق انبيائك واوليائك الخ"

"اے اللہ میں تجھے پکارتا ہوں تیرے انبیاء اور اولیاء کے وسیلے سے"۔

تو ہماری بحث کا موضوع نہیں ہے اور شیخ نے اسکو کبھی شرک نہیں کہا اور نہ ان کے کلام میں اسکا ذکر ہے اور اسکا حکم اہل علم کے نزدیک معروف ہے۔

اس عمل کی ممانعت پر جمہور کی نص موجود ہے بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے البکری کے رد میں کہا کہ کوئی اس مسئلہ میں جواز کا قائل میرے علم میں نہیں ہے سوائے عبد السلام اور انہوں نے بھی یہ بات بالجزم نہیں کہی بلکہ کہا کہ اگر الاعمیٰ کی روایت ثابت ہو جائے تو جواز ہے حالانکہ اس روایت میں وہ راوی ہیں جو محدثین کے نزدیک غیر معتبر ہیں بالفرض اگر وہ روایت ثابت بھی ہو جائے تو پھر وہی بات کہ ہم اس مسئلہ میں بحث ہی نہیں کر رہے ہماری بحث کسی اور مسئلہ میں۔

"اريها اسهى وتريني القمر"

"میں اسکو ستارہ دیکھا رہا ہوں اور وہ مجھے چاند دکھا رہا ہے"۔

اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لفظ "توسل" عرف میں مشترک لفظ ہے۔ بعض لوگ اسکا اطلاق صالحین اور انہیں پکارنے پر اور انکی اللہ کے ساتھ عبادت پر کرتے ہیں اور قبر پرستوں کے نزدیک یہی مراد ہے جبکہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اہل علم کے نزدیک شرک اکبر، کفر بواح ہے نام کی تبدیلی سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔

اور اللہ قربت حاصل کرنا اعمال صالحہ اور ان اعمال کے ذریعے جو اللہ کی رضا کے مطابق ہیں اور ان شرعی امور کے ذریعے قربت حاصل کرنے کو بھی عرف میں "وسیلہ" کہا جاتا ہے جیسا کہ اہل غار نے نیکی عفت اور امانت کا وسیلہ لیا پس جب اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے کلام میں کہیں یہ لفظ آیگا تو اس سے مراد یہی ہے نا کہ وہ جو مشرک مراد لیتے ہیں۔

قلت میں کہتا ہوں جب آپکے سامنے لفظ "توسل" کی تحقیق اور حکم آگیا اور یہ بھی کہ ان میں سے کونسا جائز و ناجائز ہے اور کونسا شرک اور کونسا شرک نہیں ہے۔ اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

دحلان: محمد بن عبد الوہاب کے بھائی سیلمان بن عبد الوہاب اہل علم تھے اور وہ اپنے بھائی کا خوب رد کیا کرتے تھے اور انہوں نے انکی کسی بھی مسئلہ میں متابعت نہیں کی حتیٰ کہ ایک دن سیلمان نے اپنے بھائی سے کہا اے محمد ارکان اسلام کتنے ہیں تو انہوں نے کہا پانچ تو سیلمان نے کہا مگر آپ نے تو چھ بنا دیئے ہیں چھٹا رکن یہ ہے کہ جو آپ کی اتباع نہیں کرتا آپ اسکو مسلمان نہیں سمجھتے۔

شیخ بشیر: میرا خیال ہے یہ بات شیخ دحلان نے "جلاء الغمه عن تكفير الدمته" نامی کتاب سے لی ہے میں اس کتاب کے اصلی الفاظ نقل کرونگا پھر بعض محققین کے اس بارے میں اقوال نقل کرونگا معترض کہتا ہے کہ اس شخص (یعنی عبد الوہاب) نے اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اطاعت کو وہ اسلام کا چھٹا رکن قرار دیدیا جیسا کہ ان کے بھائی نے جب انکی غلطی پر ٹوکا مگر انہوں نے اسکی بات کو قبول نہیں کیا ان کو انہوں نے خون بہانے اور مال لوٹنے سے روکا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔

بعض محققین نے اسپر رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسکا جواب یہ ہے کہ اہل ایمان کو اس بات کا مکمل علم ہے کہ شیخ اس بات سے بری تھے اور انکی دعوت صرف اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کر لی تھے اور انہوں نے یہ بات صراحت سے کہی کہ جو شخص اسلام کو پہچان گیا اور اسکی اطاعت کر لی تو ہو مسلمان ہے چاہے وہ کسی بھی زمانہ میں اور کسی بھی جگہ میں ہو اور وہ اپنے رسائل میں اسکی گواہی دیا کرتے تھے اور ان کے دشمن بھی یہ گواہی دیا کرتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی اللہ اور اسکی رسول کی دلیل آ جاتی تو وہ اپنے قول کو چھوڑ دیا کرتے تھے اور اپنی غلطی کو تسلیم کرتے اور اس دلیل کو اپنے سر اور آنکھوں پر رکھتے یہ بات بالکل معروف ہے۔ اس قسم کے الزامات شیخ پر وہ لوگ عائد کرتے تھے جن کا یہ طریقہ رہا ہو کہ اہل علم ایمان پر الزامات عائد کر کے اپنے شیطانی عقائد کو رائج کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں بیان کیا کہ کس طرح انہوں نے موسیٰ پر الزامات عائد کیے۔

(تو ہمیں اس طریقے سے ہٹانا چاہتا ہے جس پر ہمارے آباء و اجداد تھے تو زمین میں بڑا بننا چاہتا ہے۔ ہم تجھ پر ایمان نہیں لاتے)

اور کہا۔

(ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو مظبوط دلائل و نشانیاں دیکر فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بھیجا مگر انہوں نے اپنے آپکو بڑا سمجھا اور وہ متکبر قوم تھی انہوں نے کہا کہ ہم اپنے جیسے بشر پر ایمان لائیں جبکہ اسکی قوم ہماری غلام ہے ان دونوں (موسیٰ وہارون) کی تکذیب کر دی اور وہ ہلاک ہو گئے)

اسی طرح اللہ نے قوم نوح علیہ السلام کے بارے میں کہا انہوں نے کہا۔

(یہ تو بشر ہے اور اپنی فضیلت چاہتا ہے اگر اللہ "نبی بنانا" چاہتا تھا تو کسی فرشتہ پر نازل کرتا ہم نے اسکی نظیر اپنے آباء میں نہیں سنی۔

میں نے شیخ محمد بن عبدالوھاب کا ایک خط دیکھا ہے جس سے ہمارے موقف کی تصدیق ہوتی ہے وہ یہ ہے یہ خط محمد عبدالوھاب کی طرف سے بھائی حمد التویجری کی طرف ہے۔ اللہ آپکو ہدایت دے خط ملنے کے بعد اللہ آپکو ہدایت پر گامزن کر دے ہمیں رسالہ مذکورہ دیکھنے کا شرف ملا جبکہ صاحب رسالہ اپنے آپکو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے جبکہ رسالہ میں صفات کا مسئلہ امام احمد رحمہ اللہ کے نظریہ کے خلاف لکھا گیا ہے اور اس میں نظریات باطلہ اور شرکیہ امور کو پیش کیا گیا ہے اور اسی طرح یہ الزام بھی عائد کیا گیا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کہتا ہے کہ جو شخص میری اطاعت سے ان کار کرتا ہے وہ کافر ہے۔ اسکے جواب میں یہ کہتا ہوں

www.KitaboSunnat.com

سبحانك هذا بهتان عظيم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"یہ ایک بڑا بہتان ہے"۔ ہم اللہ کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کیونکہ وہ دلوں کو خوب جانتا ہے کہ جو شخص بھی توحید پر عمل پیرا ہوا اور شرک سے بیزاری کا اعلان کر دیا وہ مسلمان ہے چاہے وہ کسی زمانہ اور کسی بھی جگہ ہو ہم صرف ان لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں جو اللہ کی الوھیت میں دلائل واضح ہونے کے بعد بھی شرک کرتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی کافر سمجھتے ہیں جو شرک کو اچھا کہتے ہیں اور لوگوں میں شبہات باطلہ پیدا کرتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی جو شرک پھیلانے کیلئے تلوار اٹھاتے ہیں اور جو شرک کا انکار کرے اسکے خلاف لڑتے ہیں (انتہیٰ)

اب اس بات کی نسبت ان کے بھائی کی طرف کرنا اگر اللہ کا یہ حکم نہ ہوتا کہ فاسق جب کوئی خبر لائے تو اسکی تحقیق کر لیا کرو تو ہم قبول کر لیتے مگر سلیمان کہنے سے کیا ہوتا ہے کیونکہ سلیمان ایک جاہل اور گمراہ شخص تھا اسکو علم وفنون سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا میں نے اسکا ایک رسالہ خود دیکھا ہے جس میں وہ شیخ رحمہ اللہ پر اعتراضات کرتا ہے تو یہ رسالہ جہالت اور الزامات کا پلندہ ہی ہے اسکے سوا کچھ بھی نہیں نہ علمی دلائل نہ اسمیں کوئی وزن صرف دل کی بھڑاس ہے۔

شیخ سلیمان بن عبدالوہاب کا خط

یہ وہ خط ہے جسمیں سلیمان کا پرانے سابق مذہب سے رجوع ثابت ہے اور توحید ایمان کی طرف رجوع اور سابقہ گمراہی پر ندامت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلیمان بن عبدالوہاب کی طرف سے احمد بن محمد التویجری اور احمد اور محمد بن عثمان بن شبانہ کی طرف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کی تعریفات جس کے سوا کوئی الہٰ نہیں۔ میں یہ یاد کرا رہا ہوں کہ اللہ نے ہم کو دین کی معرفت اور سنت کی معرفت دیکر احسان کیا جس نے ہماری آنکھیں کھول دیں اور گمراہی سے بچایا اور میں تمہیں یہ یاد دلاتا ہوں کہ آپ میرے پاس آئے تھے دین حق سمجھانے کیلئے اور تم اللہ کی وہی تعریفات کر رہے تھے جو حقیقی ہیں کیونکہ آپ ہمیشہ ہر مجلس میں یہی طریقہ اختیار کرتے ہو جو کچھ بھی ہمارے پاس آیا ہے وہ اللہ کی تعریف سے یہ آیا ہے اس خط کے علاوہ اسکے بعد میں نے دو اور خط لکھے میرے بھائیو آپکو تو معلوم ہی ہے کہ ہماری عادت حق کی مخالفت شیطانی راہوں کی اتباع اور ہدایت کے راستوں سے روکنا رہی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اب ہماری عمریں تھوڑی رہ گئیں ہیں گنتی کے چند دن باقی رہ گئے ہیں اور ہمارا اللہ کے ہاں حساب کتاب ہوگا اب ہماری خواہش یہ ہے کہ جب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں تو ہدایت کے کام بنسبت گمراہی کے زیادہ ہوں اور یہ سب صرف اللہ کیلئے ہوں اور کسی کیلئے نہ ہوں شاید اللہ ہماری سابقہ اور موجودہ برائیوں کو مٹا دے یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ کی راہ عظیم جہاد جس سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے وہ ہاتھ، دل، زبان، مال سے جہاد کرنا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور آپکو اس بات کا اجر بھی معلوم ہے کہ اگر اللہ کسی شخص کے ذریعہ ہدایت دیدے اور تم سے مقصود یہ ہے کہ تم اللہ کیلئے کھڑے رہو اور لوگوں کے سامنے حق واضح کرتے رہو اور لوگوں کو انکی گمراہی پر متنبہ کرتے رہو۔ میرے بھائیو اگر ہم میدان میں کھڑے ہو جائیں اور سب لوگ ہمیں بے وقوف قرار دیں تو بھی کافی نہیں ہے کیونکہ آپ لوگ دین کے سردار ہو اور آپ کی قدر و منزلت بڑے بڑے شیوخ سے بھی زیادہ ہے جبکہ ساری عوام آپ کی پیروکار ہے تو تم اسپر اللہ کی تعریف کرو اور کبھی بھی حق و باطل کو خلط ملط نہ کرنا اور امر بالمعرف و نہی عن المنکر بظاہر ناپسندہ لگتا ہے مگر میں اس پر آنے والی تکالیف پر صبر کی تلقین کرتا ہوں جیسا کہ ایک نیک بندے کے بارے میں آتا ہے اس نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اس بات سے زیادہ حق اور کچھ نہیں ہے کہ تم اللہ کی وجہ سے محبت کرو اور اللہ کی وجہ سے بغض رکھو اور اسی لیے کسی کو ولی بناؤ اسی وجہ سے دشمنی رکھو۔ اور اسکی راہ میں بہت سے شیطانی امور آڑے آئیں گے وہ یہ ہوں گے کچھ لوگ تو اسکو دین قرار دیں گے اور شیطان تمہارے دل میں ڈالے گا کہ یہ سچ نہیں ہے جبکہ یہ سب دنیا کیلئے ہونا چاہیے یہ وہ معاملہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ ہی مطلع ہے پس جب کسی میں خیر دیکھو تو اسکو قبول کرو اور اسکو اپنا قریبی بنا لو اللہ کیلئے اور اگر کسی میں شر دیکھو اور یہ دیکھو کہ وہ دین سے دور ہو رہا ہے تو اس سے دشمنی رکھو اور اسکو ناپسند کرو اگر چہ وہ آپکا کتنا ہی محبوب کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ نے ہمیں اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے اور ہمارے لئے اپنی رحمت سے اپنے رسول کو بھیجا جو ہمیں وہی حکم دیتا ہے جس کیلئے ہمیں پیدا کیا گیا ہے اور اسکا طریقہ بھی سمجھاتا ہے اور سب سے عظیم جس سے ہمیں روکا وہ حق اور باطل واضح ہو گیا پس جو اس دین کی اتباع کرے جو رسول اللہ ﷺ لیکر آئے وہ تمہارا بھائی ہے اگر چہ تمہیں اس سے کتنا ہی بغض کیوں نہ ہو اور جو صراط مستقیم سے دور ہو وہ تمہارا دشمن ہے۔ وہ تمہارا بیٹا یا بھائی کیوں نہ ہو۔ یہی بات میں تمہیں یاد کرانا چاہتا ہوں اگر چہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس بات تم مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہو جو میں نے ابتک ذکر کی ہیں لیکن اس کے باوجود تمہارے پاس اسکا کوئی عذر نہیں ہوتا کہ تم وہ بھی جن مسائل پر ہمارے اور تمہارے درمیان مذاکرہ ہوتا رہا اور حق کے ساتھ ہمیشہ کھڑے رہتا کیونکہ اس بڑھ کر کوئی حق نہیں اور اگر تم نے چھوڑ دیا تو اس پر تمہارا کوئی عذر نہیں ہوگا اس لیے کہ آج تمہیں دین اور دنیا دونوں مل چکی ہیں۔ الحمد للہ۔

تمہیں میں اس خوف تکالیف دشمنی کی یاد دلاتا ہوں جو اس راہ میں آپکو جھیلنی پڑیں مگر اللہ نے آپکو دین کی بدولت رفعت عطا فرمائی اور تمہیں سیادت اور قیادت عطا فرمادی یہ سب کچھ دین کی وجہ سے ممکن ہوا۔

ایک مسئلہ کو دیکھو جس میں جہالت میں تھے ہم ان میں اسلامی احکامات جاری کرتے رہے باوجود ہمیں یہ علم تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہ نے اہل ردہ سے قتال کیا اگر چہ وہ اسلام کا نام لیتے تھے اور ان میں بعض اسلامی ارکان پر عمل پیرا بھی تھے مگر ہمیں یہ بھی علم تھا کہ جو شخص قرآن عظیم کے ایک حرف کا انکار کر دے تو وہ کافر ہے اگر چہ کتنا ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو اور وہ شخص بھی کافر ہے جو دین کا مذاق اڑائے اور وہ بھی جو کہی ایسے حکم کا انکار کرے جو امت میں متفقہ حکم ہو اور بدوی میں یہ تمام برائیاں جمع تھی میں مزید کہتا ہوں کہ بدوی کیلئے اسلام کا حکم اس لئے لگایا جاتا تھا کہ اسکی وجہ ہماری تقلید اے میرے بھائیوں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو اگر چہ میں نے بھی کلام بہت طویل کر دیا مگر مجھے یقین ہے کہ تم اس بات پر شکوہ نہیں کروگے میں یہی دعا کرتا ہوں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تمہیں اپنی حفاظت عطا فرمائے اور صراط مستقیم پر گامزن رکھے جو کہ انبیاء وصالحین کا راستہ ہے اور تم یہ بھی دیکھتے ہو کہ لوگ خیر وشر میں تمہاری ہی بات مانتے ہیں اگر تم نے وہی طرز عمل رکھا جو میں نے ذکر کیا ہے تو تمہارے بارے میں کوئی برا لفظ نہیں کہہ سکتا اس لیے کہ تم ھدایت کی علامات ہو اللہ سے میں اپنے اور آپکے لیے ہدایت پر استقامت مانگتا ہوں شیخ اور ان کے رشتہ دار میرے رشتہ دار سب خیریت سے ہیں اور وہ سلام عرض کرتے ہیں۔

وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم اللھم اغفر لکاتبہ ولوالدیہ ولذریتہ ولمن نظر فیہ

ان شیوخ بھی اس خط کا جواب دیا جس کا ذکر کرنا مناسب ہے۔

سلیمان بن عبدالوہاب کے خط کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا سید المرسلین

یہ خط احمد تویجری واحمد بن عثمان اور ان کے بھائی محمد کی طرف سے اس شخص کی جانب لکھا جارہا ہے جس کو اللہ نے اپنے دین کی اتباع کرنے سعادت بخشی اور اللہ نے ان کو اور ہمیں شرک وگمراہی سے بچایا اور باطل وبدعات سے محفوظ رکھا اور خالص اسلام کی سمجھ بخشی اور اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں کتاب وسنت کی اتباع کرنے کی سعادت عطا فرمائی اور بغیر دلیل کسی کی اطاعت سے بچایا اور ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ اللہ ہماری غلطیوں پر ہماری توبہ قبول فرمائے اور ہمارے ایمان میں اضافہ فرمائے ماضی میں ہم خاص طور پر حق اعراض، باطل کا ارتکاب جیسی بری عادات میں مبتلا تھے بلکہ ہم نے باطل کی اپنی جہالت اور تقلید کی بناء پر خوب مدد کی پھر اللہ نے ہمیں ہدایت نصیب کی تو ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ اب ہم حق کی اس سے زیادہ مدد کریں جتنی کہ ہم نے باطل کی مدد کی اور یہی تمنا ہے کہ ہم اور باقی ہمارے بھائی اس وضاحت کو سمجھیں تاکہ کوئی ہمارے ماضی کے کارناموں سے دھوکہ نہ کھائیں اور اب جبکہ اسلام کا نور ہمارے سامنے واضح ہو گیا ہے تو اسکی اتباع کریں واقعی ہم ماضی میں اللہ اور اسکے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ میں مصروف تھے گمراہی کے پیروکار تھے اور ہم لوگوں کو شیطان کی طرف بلاتے تھے اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا کرتے تھے اور لوگوں کو اللہ اور رسول ﷺ کے دین سے روکنے میں مصروف عمل تھے پر شیطان کی اتباع تقلید اور جہالت کی بناء پر کرتے تھے (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) (ربنا ظلمنا الخ) اے اللہ ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ (جیسے تیرے سوا کوئی معاف نہیں کر سکتا) اگر تو نے معاف نہ کیا اور رحم نہ کیا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے (لا الٰہ الا انت الخ) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ظلم کرنے والوں میں سے ہو گیا ہوں۔

لہٰذا اب ہمارے اوپر واجب ہے کہ جب اس نے ہمیں حق کی موافقت عطا کر دی تو ہم اس حق کیلئے اس سے زیادہ کھڑے ہوں جتنا ہم باطل کیلئے کھڑے ہوئے اور ہم لوگوں کے سامنے یہ واضح کر لیا کہ ہم ماضی میں باطل پر تھے اللہ پر بھروسہ کریں کہ وہ ضرور ہماری توبہ کو قبول فرمائے گا اور ہمارے نفس کے شر سے حفاظت عطا فرمائے گا اور ہمیں اسلام کی ہدایت عطا فرمائے گا اور وہ ہمیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حق کی طرف دعوت دینے والا بنانہ کہ جہنم کی طرف دعوت دینے والا اور ہم اللہ کی اس بات پر بھی خوب تعریف کرتے ہیں کہ اس نے آکر زمانہ میں اس شیخ کو ہدایت عطا فرمائی اور انہیں لوگوں کی رہنمائی کرنے والا بنایا ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ آپکے ذریعے مسلمانوں کو خوب فائدہ پہنچائے اور تمام حاسدین اور باغیوں کے شر سے محفوظ رکھے اللہ شیخ رحمہ اللہ کی عمر میں برکت نصیب کرے اور جنت الفردوس ہمارا اور ان کا ٹھکانہ بنائے اور انہوں نے اب جبکہ دین حق کی تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا تو امت کو اس سے فائدہ پہنچائے باوجود اس کے کہ حاسدین، جامدین نے رکاوٹیں پیدا کیں مگر یہ حق کو واضح کرنے والے بن گئے اور اللہ نے ان کے ذریعے شرک کو مٹا دیا ورنہ لوگوں نے تو شرک کی انتہا کر دی تھی انہوں نے کہا لوگو اس دین کی طرف آجاؤ جو دین محمد ﷺ کو دیکر بھیجا گیا تھا اگر واقعی تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو انہوں نے لوگوں کے خلاف کسی قسم کی انتقامی کاروائی نہ کی بلکہ صرف یہی کہا کہ لوگو اللہ کی عبادت کرو اور اسکا حق ادا کرو اس نے تمہیں پیدا کیا جبکہ اللہ نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا ہے جو آسمانوں میں ہے جو زمینوں میں ہے اللہ فرماتا ہے:

ترجمہ: "میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا"۔

دوسری جگہ فرمایا:

ترجمہ: "ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو"۔

اور فرمایا:

ترجمہ: "بے شک مسجدیں اللہ کیلئے ہیں تو تم اللہ کے علاوہ کسی کو نہ پکارو"۔

اور فرمایا:

ترجمہ: "اگر وہ آپ سے جھگڑیں تو آپ انہیں کہیں میں اور میرے متبعین تو صرف اس کی اطاعت کریں گے"۔

ان آیات میں اسلام کی ابتدائی تفسیر اسی عبادت کے قصد سے کی گئی ہے۔ کیونکہ اصل مقصود عبادت ہے کیونکہ جب کوئی شخص غیر اللہ کو پکارتا ہے یا غیر اللہ کی نذر مانتا ہے یا غیر اللہ سے فریاد کرتا ہے یا توکل کرتا ہے یا التجاء کرتا ہے تو یہ بھی عبادت ہی ہے۔ اور یہی شرک اکبر ہے اور ہم اسکی گواہی دیتے ہیں کیونکہ ہم تیس سال اپنے اہل کے ساتھ اسی شرک پر رہے اور جو ہمیں خالص توحید کی دعوت دیتا تو ہم اس سے عداوت رکھا کرتے تھے۔ پس ہم پر آج ضروری ہے کہ اللہ اور اسکے رسول اور کتاب کی مدد کریں۔ اور شرک و اہل شرک سے بیزاری کا اعلان کریں۔ اور ان سے عداوت رکھیں۔ اور نکے خلاف ہاتھ اور زبان سے جہاد کریں۔ تاکہ اللہ ہماری توبہ کو قبول کرلے اور ہم پر اپنی رحمت کر دے۔ اور ہماری غلطیوں پر پردہ ڈال دے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ بدوی جنہیں ہم مسلمان سمجھتے تھے جبکہ نہ تو وہ دین حق کو قبول کرتے ہیں نہ نماز، زکوۃ کے پابند ہیں نہ وراثت کے احکام مانتے ہیں نہ ان کا نکاح صحیح ہے اور وہ اللہ و رسول ﷺ کے احکامات کو تسلیم نہیں کرتے مگر ہم پھر بھی ان کو اپنا بھائی کہتے رہے۔ ہماری یہ رائے بہتان عظیم کے زمرے میں آتی ہے اور اس دین کی مخالفت شمار ہوتی ہے۔

جو دین محمد ﷺ لائے۔ ہم کہتے ہیں کہ اسمیں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ توحید میں یہ ضروری ہے کہ وہ دل، زبان، عمل سے ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر اسمیں سے کوئی ایک چیز بھی کم ہو گئی تو آدمی مسلمان نہیں رہتا۔ اگر کوئی توحید کی معرفت حاصل کرلے اور اسپر عمل نہ کرے تو وہ کافر ہے اور فرعون وابلیس کی طرح ہے اور وہ توحید پر بظاہر تو عمل کرے مگر اسکے مفہوم کو نہ سمجھے اور اس کا دل سے عقیدہ نہ رکھے تو وہ منافق ہے اور کافر سے زیادہ برا ہے۔ (اعاذنا اللہ من ذالک)

چنانچہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم وہ اعمال کریں جن سے ہمارا نفس کھل جائے۔ یہ تبھی ممکن ہے جب ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں۔ عبادت صرف اللہ کا حق ہے۔ اس میں کسی قسم کی شراکت نہیں ہے۔ نہ کسی فرشتے کی نہ کسی نبی رسول کی چہ جائیکہ ان شیطانوں کی ہو۔ اور اللہ کا یہ حق ہے کہ ہم اسی سے حفاظت مانگیں رات، دن پوشیدہ اور ظاہر چیزوں سے ہر جگہ۔ یقینا وہ ہماری توبہ قبول کریگا اور ماضی کی غلطیوں سے درگزر کیا جائے گا۔ اور گمراہیوں کے فتنوں سے محفوظ رکھے گا۔ الحمد للہ کہ حق بالکل واضح ہے اور حق کے بعد گمراہی ہے۔ www.kitabosunnat.com

"ولا حول ولا قوۃ الا باللہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم"

(یہ جو کچھ مذکور ہوا یہ جلاء الغمہ کا وہ جواب تھا جو محققین نے دیا تھا)

محمد بن عبدالوہاب پر بہتان:

شیخ دحلان: ایک شخص نے ایک دن محمد بن عبدالوہاب سے کہا کہ رمضان کی ہر رات اللہ تعالیٰ کتنے لوگوں کو جہنم سے آزادی دیتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہر رات ایک لاکھ افراد کو آزادی دیتا ہے اور آخری رات کو پورے مہینے جتنے افراد کو آزادی دیتا ہے تو اس شخص نے کہا کہ آپکے متبعین کی تعداد تو اسکے عشر عشیر کے برابر بھی نہیں ہے۔ تو باقی کونسے مسلمان ہیں۔ جنہیں وہ آزادی عطا فرماتا ہے جبکہ آپ صرف اپنے متبعین ہی کو مسلمان سمجھتے ہو تو محمد بن عبدالوہاب ہکا بکا رہ گیا۔

شیخ بشیر: اسکے مختلف جواب ہیں۔

اول: فاسق کے قول پر تحقیق کے بغیر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

ثانی: اس بات میں جھوٹ واضح ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نے کہا کہ ہر رات ایک لاکھ افراد کو آزادی دیتا ہے وغیرہ۔ کیونکہ یہ کسی صحیح یا حسن روایت سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ایک ضعیف روایت جسکا ضعیف بھی شدید ہے بلکہ موضوع ہے۔ جبکہ محمد بن عبدالوہاب نقاد اہل الحدیث (ناقد الحدیث جو اسماء الرجال کے فن کا ماہر) یہ کیسے ممکن ہے کہ ان جیسا شخص وہ بات کہے جو ثابت ہی نہیں تو باقی بات کا جواب کیا دیا جائے۔

ایک حدیث میں یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات جہنم سے آزادی عطا فرماتے ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ رمضان کی آخری رات آپ ﷺ امت کی مغفرت کرتا ہے۔ اسمیں اگرچہ کوئی اشکال نہیں ہے مگر ان دو روایتوں پر بھی کلام ہے کیونکہ پہلی روایت کے ذکر کے بعد امام ترمذی نے اپنی جامع میں کہا ہے "حدیث ابی هريرة الخ" کہ ابی ہریرہ کی حدیث جسے ابو بکر بن عیاش نے روایت کی ہے غریب ہے جسے ہم ابو بکر بن عیاش عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرہ کی سند سے صرف ابو بکر رضی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ عنہ کی روایت جانتے ہیں۔

میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: اخبرنا الحسن بن الربیع "یعنی ہم کو حسن بن الربیع نے خبر دی ان کو ابوالاحوص نے اعمش سے ان کو مجاہد نے ان الفاظ کی خبر دی۔

"اذا کان اول لیلۃ من شھر رمضان"

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ میرے نزدیک ابو بکر بن عیاش کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ دوسری روایت کی سند میں شہام بن زیاد ہے جسے امام احمد وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام نسائی نے متروک قرار دیا۔ جبکہ ابن حبان نے کہا کہ یہ ثقات سے موضوعات روایت کرتا ہے۔ امام ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ ثقہ نہیں تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا یہ متکلم فیہ ہے (المیزان)

جواب ثالث: متعین تعداد جو کہ مذکورہ روایت میں واقع ہے تو یہی تعداد ہر زمانہ میں رہی ہے جبکہ شروع اسلام میں مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اس تعداد کو نہیں پہنچی تھی۔ تو کیا یہ تعارض وہاں بھی پیش کیا جائے گا حالانکہ محمد بن عبد الوہاب کے متبعین کی تعداد مذکورہ تعداد سے ایک دور میں کئی گنا زیادہ ہو گئی تھی۔ اگر بالفرض ان کے متبعین کی تعداد کم بھی فرض کر لی جائے تو کیا باقی دنیا میں شیخ سے قبل مسلمان موجود نہیں تھے کہ شیخ کو خاموش ہونا پڑا؟

جواب رابع: یہ بات بالکل باطل ہے کہ اس روایت میں مذکورہ تعداد ہر زمانہ میں موجود رہنی چاہیے کیونکہ قرب قیامت کے موقع پر تمام مومنین کی روح قبض ہو چکی ہو گی تو یہ روایت کس طرح صادق آئے گی۔ یا تو اسکو باطل قرار دینا پڑیگا یا یہ تاویل کرنی پڑیگی کہ اس روایت کا اطلاق صرف اس دور کے لوگوں پر ہے جس دور میں مذکورہ تعداد موجود ہوا گر یہ تاویل شیخ کے متبعین کے زمانہ سے قبل پر ممکن ہو سکتی ہے تو شیخ کے زمانہ پر بھی اس تاویل کا امکان موجود ہے۔

جواب خامس: یہ کہنا کہ شیخ صرف اپنے آپ کو اور اپنے متبعین کو ہی مسلمان سمجھتے تھے یہ شیخ پر واضح بہتان ہے مؤلف نے شیخ کے بارے میں لفظ "فبھت الذی کفر" کہ کر بہت بڑی جرات کا مظاہرہ کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے کسی (مسلمان) بھائی کو کافر کہے تو اس کا الزام اسی کی طرف لوٹ آتا ہے جبکہ شیخ رحمہ اللہ بحمد للہ کفر سے بری تھے تو یہ الزام مؤلف پر پڑ گیا۔

شیخ دحلان: جب محمد بن عبد الوہاب اور ان کے بھائی کے درمیان تنازع طول پکڑ گیا تو ان کے بھائی کو اپنے قتل کا خوف ہوا چنانچہ وہ مدینہ منورہ چلا گیا وہاں جا کر ایک کتاب ان کے رد میں لکھ کر بھیجی مگر وہ پھر بھی باز نہ آئے۔

شیخ بشیر: یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب وہ گمراہ تھے بعد میں انہوں نے اپنے عقائد سے رجوع کر لیا تھا اور توبہ کر کے توحید کا اقرار اور ایمان صحیح کے علمبردار بن گئے تھے۔ اور اپنی غلطیوں پر ندامت کا اظہار کیا۔ جیسا کہ سابقہ خط سے آپ جان چکے ہیں۔

شیخ دحلان: حنابلہ علماء کی ایک بڑی تعداد نے ان کے خلاف کتابیں لکھیں اور ان کو بھیجیں مگر پھر بھی انہوں نے اپنے عقائد سے رجوع نہ کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ بشیر: اس بات کے بہت جوابات ہیں۔

اول: ان کتابوں کے جوابات بہت سے محقق علماء کرام نے دیدیئے تھے۔

جواب ثانی: اگر بہت سے علماء نے ان کے رد میں کتابیں لکھیں تو اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حق پر نہیں تھے اس لیے کہ حق کا معیار کتاب وسنت کی گواہی ہے۔ اور ان کا قول و عمل ان دونوں کے موافق تھا۔ تو پھر سارے صحابہ، تابعین، تبع تابعین میں بھی ایسے تھے جو ایک دوسرے سے مسائل میں اختلاف رکھتے تھے۔ تو جب یہ اختلاف ان کے لیے قابل اعتراض نہیں تو شیخ کے لیے بھی نہیں ہے۔

شیخ دحلان: ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ اگر کوئی ایسا شخص جو سچا دیندار، امانت دار ہو اور آپ اسکی سچائی جانتے ہوں آپکے پاس آکر کہے کہ ایک قوم تمہارے خلاف حملہ کرنے آرہی ہے اور وہ اس پہاڑی کے پیچھے ہے۔ آپ ایک ہزار افراد انہیں دیکھنے کیلئے بھیج دیں۔ وہاں جاکر انہیں پتہ چلے کوئی بھی نہیں ہے۔ آپ ان ہزار کی تصدیق کریں گے یا اس ایک شخص کی؟

توانہوں نے کہا ہزار افراد کی۔ تو اس شخص نے کہا تمام مسلمانوں کے علماء نے آپ کی تکذیب کی ہے۔ اب آپ بتائیں ہم آپ کی تصدیق کریں یا ان علماء کی؟ـــــــــــــــــ تو ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔۔۔

شیخ بشیر: اس کے جواب کئی طرح سے ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ اس واقعہ کی سچائی ثابت ہی نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ کہ ایک ہزار کی تصدیق کی بات جو شیخ کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایک ہزار افراد ایسے ہوئے جو دین دار و امانت دار ہیں اور وہ حق کیلئے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت پر خوف نہیں کھاتے تو یہ جواب ممکن تھا لیکن اگر یہی ہزار افراد جو بیان کئے گئے مگر وہ نہ دیندار نہ سچے اور نہ امانتدار ہوں تو شیخ کا جواب بالکل برعکس ہوتا۔ پتہ چلا یہ واقعہ جھوٹا ہے۔

جواب ثالث: یہ جو علامتیں بیان کی گئی ہیں شیخ پر منطبق ہوتی ہی نہیں۔ کیونکہ شیخ جس نظریہ پر کام کر رہے تھے وہ صرف ایک ایسے شخص کی بات نہیں تھی جو دیندار، سچا، امانتدار ہو بلکہ یہ وہ دعوت تھی رسول کریم ﷺ کی لائی ہوئی دعوت تھی جس نے کبھی اس چیز کی پرواہ نہیں کی کہ یہ دعوت کس کے خلاف ہے اگرچہ ان کی تعداد ہزاروں میں کیوں نہ ہو۔ کیونکہ شیخ نے لوگوں کو اپنی رائے کی طرف بلایا نہ صحابہ میں سے کسی ایک کی طرف نہ تابعین نہ تبع تابعین اور نہ علماء کی رائے کی طرف۔ بلکہ انہوں نے خالص توحید کی دعوت دی جو قرآن مجید کی بہت سی آیات سے صراحت ثابت ہے۔

جواب رابع: سائل نے جو یہ کہا کہ تمام علماء نے آپ کی تکذیب کی ہے یہ صریح جھوٹ ہے کیونکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن قیم رحمہ اللہ، ابن عبد الهادی رحمہ اللہ وغیرہ اہل توحید شیخ کی تصدیق پہلے ہی کر چکے ہیں بلکہ اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ تمام زندہ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فوت شدہ تمام علماء نے شیخ کی تصدیق کی ہے تو یہ دعویٰ صحیح ہو گا اس لیے کہ ان سب نے کہا ہے کہ دعا عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت شرک ہے۔

حاشیہ: حق بات یہ ہے کہ شیخ نے جس توحید کی طرف دعوت دی تھی یہ وہی توحید ہے جس کی طرف اللہ کے رسول ﷺ، آپ ﷺ کے خلفاء، صحابہ کرام اور خیر القرون کے تمام علماء نے دعوت دی۔ پھر اس کے بعد شرک کا دور شروع ہوا اگرچہ اس کا نام شرک نہیں رکھا گیا۔ مگر جب عوام میں یہ شرک پھیل گیا تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وہ پہلے شیخ تھے جو اس کے مقابلے کے لیے سامنے آئے اور اس کے خلاف بہت دلائل پیش کیے۔ اور اس دور میں کسی عالم نے ان کی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ بعض علماء نے تو کہا ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ہمیں اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے جس سے ہم غافل تھے۔ صرف ابن البکری نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے خلاف ایک کتاب لکھی اور اسے جامعہ ازہر اور دیگر علماء کے سامنے پیش کیا کہ وہ اس کتاب کی تائید کریں۔
مگر کسی عالم نے اس کی موافقت نہیں کی۔ اس کتاب میں مزاروں پر جانے کی بدعات تھیں۔ اس بارے میں تقی الدین سبکی نے ان کی مخالفت کی البتہ غیر اللہ کو پکارنے کو انہوں نے جائز قرار نہیں دیا چاہے نبی ﷺ کو پکارا جائے یا کسی اور کو۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے منظر عام پر آنے کے بعد اس مسئلے کو گمراہی پھیلانے والوں نے بہت زیادہ اضافہ کر دیا۔ اس لیے کہ توحید سے لاعلمی عام ہو گئی تھی۔ اور اللہ نے آل سعود کو محمد بن عبدالوہاب کے تابع کر دیا تھا تو انہوں نے اسلام کے لیے عربی حکومت کی بنیاد رکھی اور ترکی حکومت کو پریشان کر دیا۔ چنانچہ اس نے عرب حکومت سے جنگ کی اور اس کے لیے اسلام کو بہانہ بنایا (رشید رضا)

شیخ دحلان: ایک مرتبہ ایک شخص کو کہا وہ دین جو تم لیکر آئے ہو متصل ہے یا منفصل؟ (یعنی مسلسل چلا آرہا ہے یا اسمیں کوئی ایسا زمانہ بھی آیا کہ اس عقیدہ کا حامل دنیا میں کوئی نہ رہا) تو شیخ نے جواب دیا کہ میرے مشائخ اور ان کے مشائخ چھ سو سن تک مشرک تھے میرا تو اس شخص نے کہا تو تمہارا دین تو منفصل ہوا تو پھر تم نے یہ کہاں سے اخذ کیا ہے تو شیخ نے جواب دیا وحی اور الہام کے ذریعے جیسا کہ خضر نے کیا تو اس شخص نے کہا تو پھر یہ آپ تو محصور نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ ہر شخص کیلئے ممکن ہونا چاہیے کہ وہ وحی کا دعویٰ کرے۔

شیخ بشیر: یہ شیخ پر بالکل واضح بہتان ہے شیخ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ تمہارے مشائخ اور میرے مشائخ ۶۰۰ تک مشرک تھے اور یہ کہ میرا دین الہام کی وحی پر مبنی ہے اس واقعہ کا بیان کرنے والا جھوٹا شخص ہے۔

شیخ دحلان: پھر اس نے کہا کہ وسیلہ ایک اجماعی مسئلہ ہے اس کے انکار کی کیا وجہ ہے؟

شیخ بشیر: یہ حکایت خود ساختہ ہے کیونکہ شیخ نے اس خط میں جو انہوں نے عبداللہ بن سیحم کو لکھا اسکا جواب یہ دیا۔

سبحانك هذا بهتان عظيم

"یہ بہتان عظیم ہے"۔

شیخ دحلان: یہ آپ کے خلاف دلیل ہے کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ کا عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعاء استسقاء کرنے کا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

متعدد لوگوں کے سامنے یہ واضح کرنے کیلئے تھا کہ استسقاء میں غیر نبی کا وسیلہ بھی جائز ہے۔

شیخ بشیر: یہ دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ حدیث کے الفاظ اسکا رد کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ اسمیں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ ہم تیرے نبی کے وسیلہ سے استسقاء کرتے تھے۔ اب تیرے نبی کے چچا کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں۔ تو بارش نازل فرمادے (بخاری)

یہ بخاری کے الفاظ ہیں جبکہ اسماعیلی کے نزدیک محمد بن مثنی کی روایت انصاری سے بخاری کی سند سے انس رضی اللہ عنہ سے یوں ہے کہ جب قحط پڑ جاتا نبی علیہ السلام کے زمانہ میں تو لوگ نبی علیہ السلام کے ذریعے استسقاء کرتے۔ تو اس پر اللہ بارش نازل کر دیتا تھا پس جب عمر کی امارت آئی آگے وہی حدیث ہے۔

شیخ دحلان: ہم حدیث عمر رضی اللہ سے دلیل کیوں نہ لیں کہ انہوں نے بارش کی دعا عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے کی جبکہ وہ روایت جس میں آدم علیہ السلام نے نبی ﷺ کا وسیلہ لیا وہ بھی عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔

شیخ بشیر: پہلے آپ یہ جان چکے کہ یہ انتہائی کمزور اور حجت کے قابل نہیں ہے۔

شیخ دحلان: ہکا بکا ہو گیا حیران و پریشان ہو گیا مگر پھر بھی اپنے باطل نظریات پر قائم رہا۔

شیخ بشیر: یہ بھی واضح جھوٹ ہے کیونکہ یہ وسیلہ والی حدیث ضُعیف ہے۔ جبکہ شیخ کو علم ہو گیا کہ یہ ضعیف ہے تو وہ کیسے حیران ہوتے؟

شیخ دحلان: ان کے قبیح عقائد میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے جب لوگوں کو نبی ﷺ کی قبر کی زیارت سے روکا تو بہت سارے لوگ احساء سے نبی علیہ السلام کی قبر کی زیارت کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔

شیخ بشیر: یہ بھی بہتان اور جھوٹ ہے کیونکہ شیخ نے بارہ مسائل نامی کتاب کے جواب میں جس میں ان پر الزام عائد کیا گیا تھا کہ یہ زیارت نبی علیہ السلام کے منکر ہیں کہا کہ (سبحانك هذا بهتان عظيم) اور شیخ نے جو خط عبد اللہ بن سحیم کو لکھا اسمیں بھی یہی کہا ہے۔

شیخ دحلان: انہیں ایک دفعہ یہ اطلاع ملی کہ ایک جماعت کسی دور ملک سے حج اور زیارت کیلئے آرہی ہے۔ اور وہ ان کے متبعین میں سے نہیں ہیں۔

شیخ بشیر: یہ بھی شیخ پر افتراء ہے کیونکہ شیخ خود مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں دو ماہ اقامت پذیر رہے پھر وہ زیارت اور مناسک کی ادائیگی کے بعد واپس آئے۔ (روضۃ الافکار)

شیخ دحلان: شیخ اللہ کے رسول ﷺ پر درود پڑھنے سے روکتے تھے اور دلائل الخیرات نامی کتاب جن میں آپ ﷺ پر درود پڑھنے کے دلائل تھے۔ اس کو آگ میں جلا دیا تھا۔

شیخ بشیر: اس کا شیخ نے خود جواب دیا ہے کہ دلائل الخیرات کی بات اسکا ایک سبب ہے جسکی طرف میں نے اپنی اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نصیحت میں اشارہ کیا ہے جو میں نے اپنے بعض بھائیوں کو لکھی کہ کسی بھی شخص کے دل میں کتاب اللہ سے زیادہ عزت کسی اور کتاب کی نہیں ہونی چاہیے۔ کہ کوئی یہ خیال کرے کہ اس کتاب کا پڑھنا قرآن پڑھنے سے بھی زیادہ نفع بخش ہے۔

1 رہا مسئلہ آگ میں جلوانے اور نبی علیہ السلام پر دورد سے روکنے کا تو یہ بھی ایک بہتان ہے (کذافی روضۃ الافکار)

2 یہ کہنا کہ انہوں نے روض الریاحین نامی کتاب بھی جلوادی اور اسکانام روض الشیاطین رکھ دیا تو یہ بھی بہتان عظیم ہے۔

3 یہ کہنا کہ انہوں نے نبی علیہ السلام پر جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں دورد پڑھنے کو باطل قرار دیدیا تھا اس میں بھی عوام کو توحید سے اور اہل توحید سے نفرت دلانا مقصود ہے۔ جبکہ شیخ رحمہ نے کبھی لوگوں کو درود سے ہرگز نہیں روکا بلکہ اس طریقہ سے منع کیا تھا جس کو لوگوں نے خود رائج کیا تھا جبکہ اس سے تو ان سے قبل ایک بہت بڑی جماعت نے بھی منع کیا۔ اور اس طریقہ کار پر تنقید کی۔ اور کہا کہ اس طریقہ سے اللہ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ بدعت ہے اور سنت سے ثابت نہیں ہے۔

شیخ نے اپنی کتاب میں یہ کہا ہے کہ میری اس کتاب کو پڑھنے والے قاری کو یہ علم ہونا چاہیے کہ جس چیز سے ہم نے روکا ہے وہ عمل ہے جسے لوگ بہت سے شہروں میں کرتے ہیں خاص طور پر حرمین میں یہ کہ تین تین افراد یا اس سے زیادہ مناروں پر چڑھ جاتے اور قرآنی آیات بلند آواز سے پڑھتے او پھر نبی علیہ السلام پر بھی بلند آواز سے درود پڑھتے اور اس میں بہت برا لحن استعمال کرتے جیسا کہ گانے والا گانا گارہا ہو جس سے قرآنی الفاظ اپنے اصلی مخرج سے نکل کر تبدیل ہو جاتے اور اسکا معنی کچھ سے کچھ بن جاتا جبکہ اللہ کی مراد کچھ اور ہوتی اور یہ کچھ اور بنادیتے یقیناً وہ لوگ نقصان اٹھاتے ہیں جو عمل تو کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں حالانکہ ان کا عمل خلاف سنت ہونے کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے۔ شیخ نے اپنے اس خط میں جو انہوں نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ کو لکھا جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے بارے میں جو بھی کچھ بیان کیا جارہا ہے سب بہتان ہے۔ ہم تو صرف توحید کی دعوت دے رہے ہیں شرک سے منع کر رہے ہیں۔

علامہ امام العصر محمد بن اسماعیل الامیر ال یمنی کی حدیث کی مدح میں ایک نظم ہے۔ انہوں نے اس نظم میں دلائل الخیرات کے جلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

(دلائل الخیرات کے نسخے جو جلاتا ہے وہ صحیح کام کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں ایسا غلو بیان کیا گیا ہے۔ جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا اور اس میں دھوکہ بازیاں ہیں۔ لہٰذا اگر تم ہدایت چاہتے ہو تو اس کتاب سے دور رہو۔ اور دنیا کو بھی اس سے دور رکھو۔ یہ ایسی بات ہے جس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ جاہلوں نے اس کتاب کے پڑھنے کو ایسا ضروری قرار دیدیا ہے کہ گویا اس کا پڑھنا حمد باری تعالیٰ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ جب شیخ علامہ ناصر بن حسین المحیش الصنعانی کو ان اشعار کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ایک نظم لکھ کر وجہ پوچھی کہ آپ رحمہ اللہ نے اتنا سخت حکم کیوں لگایا کہ دلائل کو جلایا جائے؟ تو محمد الامیر نے اس کا جواب بھی اشعار میں دیا او رنثر میں اسقدر دلائل دیئے کہ جس سے انسان مکمل مطمئن ہو جاتا ہے۔ یہ سوال جواب یمن میں اور اس کی نواح میں ہر جگہ دستیاب ہیں۔ یہ بات مولانا سید صدیق حسن نے اپنی کتاب ''اتحاف النبلاء'' میں ذکر کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اتباع، اجتہاد، اصول وفروع میں وہابیت کا نظریہ؟

شیخ دحلان: محمد بن عبدالوہاب اپنے متبعین کو کتب فقہ، تفسیر، حدیث پڑھنے سے منع کرتے تھے بلکہ انہوں نے بہت سی کتابیں جلادی تھیں۔ اور انہوں نے اپنے متبعین کو اجازت دیدی تھی کہ وہ قرآن کی تفسیر اپنی سمجھ سے کیا کریں۔

شیخ بشیر: شیخ اس کا جواب اس خط میں دے چکے ہیں جو انہوں نے عبداللہ بن سحیم کو لکھا تھا ان مسائل کے بارے میں جن میں ان پر الزام لگایا تھا کہ انہوں نے کہا ہے کہ میں مذاہب کی کتابوں کو باطل قرار دیتا ہوں، میں اجتہاد کا دعویٰ کرتا ہوں میں تقلید سے خارج ہوں وغیرہ۔

شیخ نے اپنے اس خط میں جو انہوں نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ کو لکھا تھا کہا ہے کہ میں الحمدللہ سنت کی اتباع کرتا ہوں بدعتی نہیں ہوں میرا عقیدہ اور دین وہ ہے جو اللہ نے نازل کیا اور جسے اہل سنت والجماعت نے اور اسکے آئمہ نے اختیار کیا ہے۔ خاص طور پر آئمہ اربعہ نے ان کے متبعین نے میں نے تو لوگوں کے سامنے خالص دین واضح کیا اور انہیں زندہ اور مردہ کو پکارنے سے روکا ہے۔ عبداللہ بن محمد بن عبدلوہاب کہتے ہیں میں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی کتب کو مختصر کیا اس میں یہ ہے کہ ہمارا اصول دین میں وہی مذہب ہے جو اہل سنت کا ہے۔ اور ہمارا طریقہ وہی ہے جو سلف کا ہے۔ اور ہم فروعات میں احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر ہیں اور ان لوگوں کا انکار نہیں کرتے جو آئمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ہاں آئمہ اربعہ کے علاوہ کی جو تقلید کرتا ہے اسکا انکار اس لیے کرتے ہیں کہ ان کا مذہب محفوظ نہیں ہے۔ جیسا کہ فرقہ، رافضہ، زیدیہ، امامیہ ہیں ہم ان کے فاسد مذہب کے کسی طریقہ کا اقرار نہیں کرتے بلکہ ہم انہیں ائمہ اربعہ کی تقلید پر مجبور کرتے ہیں۔ اور ہم اجتہاد مطلق کا اپنے آپکو مستحق نہیں سمجھتے۔ اور ہمارے نزدیک اسکا کوئی دعویٰ کرتا بھی نہیں ہے۔ الا یہ کہ بعض مسائل میں جب کتاب اللہ یا سنت سے صحیح نص واضح مل جائے جو نہ منسوخ ہو نہ وہ مخصص (جس کی تخصیص کسی اور آیت یا حدیث سے ہو رہی ہو) ہو اور نہ ہی وہ کسی اپنے سے زیادہ قوی حکم کے معارض ہو تو کوئی آئمہ اربعہ میں سے کہے تو ہم اسکے قول کو قبول کریں گے اور اپنے مذہب کو چھوڑ دینگے۔ جیسا کہ دادا اور بھائیوں کی وراثت کا مسئلہ۔ ہم وراثت میں دادا کو مقدم سمجھتے ہیں اگر چہ یہ مسئلہ حنابلہ کے خلاف ہے ہم کسی کے مذہب کی تفتیش بھی نہیں کرتے اور نہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ الا یہ کہ جب ہمیں یہ پتہ لگ جائے کہ فلاں واضح نص فلاں امام کے مذہب کے خلاف ہے۔ اور وہ مسئلہ کسی ظاہری شعار کے حصول کا ذریعہ ہو جیسا کہ نماز پڑھانے والا امام۔ تو ہم حنفی مالکی کو نماز میں طمانیت کی حفاظت کا کہتے ہیں۔ اور دو سجدوں کے درمیاں اعتدال کا بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اسکی دلیل بالکل واضح ہے۔ بخلاف کسی اسکے کوئی امام مثلاً شافعی ہے اور وہ نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھتا ہے تو ہم اس پر کسی کو نہ حکم دیتے ہیں نہ منع کرتے ہیں اگر کوئی دلیل کسی دوسری کے مقابلہ میں قوی ہو تو ہم صرف نص کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ اگر چہ وہ ہمارے مذہب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اگر چہ یہ بہت کم ہوا ہے۔ اجتہاد مطلق کا دعویٰ نہ

اس بات میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ بعض مسائل میں اجتہاد کیا جائے اور بعض میں نہ کیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے سے اس بات کا تعارض نہیں ہے جبکہ آئمہ اربعہ نے بعض مسائل میں اپنے مقلدین کو دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کا بھی کہا ہے۔ ہم کتاب اللہ کو سمجھنے کیلئے معتبر مشہور کتب تفاسیر سے مدد لینے کے قائل ہیں مثلاً ابن جریر کی تفسیر جسکا اختصار ابن کثیر شافعی نے کیا ہے۔ اسی طرح بیضاوی، بغوی، خازن، الحداد، جلالین وغیرہ سے بھی مدد حاصل کی جاسکتی ہے حدیث کو سمجھنے کیلئے کتب احادیث کی شروحات سے مدد لی جاسکتی ہے۔ مثلاً بخاری کی شرح قسطلانی و عسقلانی کی اسی طرح نووی کی شرح مسلم اور منوی جامع الصغیر کی وغیرہ خصوصاً صحاح ستہ سے رہنمائی لی جائے گی۔ اسی طرح باقی فنون کیلئے ان کتب سے رہنمائی لی جائیگی جو اصول، فروع، قواعد، سیر، صرف و نحو میں لکھی گئی ہیں۔ اور یہ سب امت کا علم ہے۔ اور ہم ان مؤلفات میں سے سے کسی کو تلف (ضائع) کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ سوائے ان بعض کتابوں کے جو امت کو کفر میں مبتلا کرنے کا سبب بن رہی ہیں۔ جیسا کہ "روض الریاحین" نامی کتاب ہے یا وہ کتب جن سے عقائد میں خلل واقع ہوتا ہے۔ مثلاً منطق علوم جس کو کثیر علماء نے حرام قرار دیا ہے مگر ان کو ہم زیادہ نہیں خریدتے جیسا کہ الدلائل ہے بعض بدوان نے جو اہل طائف کی کتب تلف کرنے کا کہا تو محض انکی جہالت تھی اور شیخ نے ان کو اس پر بہت ڈانٹا تھا۔ اور ہم عورتوں بچوں کے قتل کو جائز نہیں سمجھتے۔ ہمارے خلاف جھوٹا الزام عائد کیا گیا ہے۔ اور حق کو چھپایا گیا ہے۔ اور یہ بات بھی لوگوں کو دھوکہ دینے کیلئے کہی گئی ہے کہ ہم قرآن بھی اپنی رائے سے سمجھتے ہیں۔ اور احادیث سے وہ مفہوم لیتے ہیں جو ہمارے موافق ہو اور شروحات کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ اور شیخ سے ہم اختلاف نہیں کرتے۔ اور یہ بھی ہم پر بہتان ہے کہ ہم نبی ﷺ کے مرتبہ میں یہ کہہ کر کمی کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ اپنی قبر میں بوسیدہ ہو گئے ہیں اور ہم میں سے کوئی آپ ﷺ سے زیادہ نفع بخش ہو۔ آپ کو شفاعت کا حق حاصل نہیں ہے اور یہ بھی الزام ہے کہ ہم آپ ﷺ کی زیارت کو جائز نہیں سمجھتے اور یہ بھی الزام ہے کہ ہم آپ ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اس وقت تک لا الٰہ الا اللہ کا مطلب نہیں آتا تھا جب تک یہ آیت نہیں اتری۔

﴿ فاعلم انه لا اله الا الله ﴾

"اے نبی جان لیجئے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے"۔

باوجود یہ کہ آیت مذکورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور یہ بھی ہم پر بہتان ہے کہ ہم علماء کے اقوال پر اعتماد نہیں کرتے اور ہم اہل مذاہب کی کتابوں کو ضائع کرتے ہیں۔ کہ اس میں حق کے ساتھ باطل بھی ہے۔ اور یہ بھی ہم پر بہتان ہے کہ ہم اللہ کے جسم کے قائل ہیں۔ اور ہم مطلق طور پر ۶۰۰ ھ کے بعد والوں کو کافر سمجھتے ہیں ان لوگوں کے علاوہ جو ہمارے طریقے پر ہوں اور یہ بھی الزام ہے کہ ہم کسی شخص کی بیعت اس وقت تک نہیں لیتے جب تک اس سے یہ اقرار نہ لے لیں کہ وہ پہلے مشرک تھا اور اسکے والدین شرک پر فوت ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ ہم نبی ﷺ پر درود پڑھنے سے روکتے ہیں۔ اور قبروں کی زیارت کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اور یہ کہ جو ہماری اتباع کرتا ہے تو اسکے تمام واجبات ختم ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ قرض بھی۔ یہ سب الزامات ہیں مزید الزام یہ ہے کہ ہم اہل بیت کو حق پر نہیں سمجھتے۔ اور ہم لوگوں کو بغیر برابری کے نکاح پر مجبور کرتے ہیں۔ اور بعض بوڑھوں کو ان کی جوان

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بیویوں سے اس لیے چھڑا دیا تاکہ وہ جوان مردوں سے نکاح کر لیں۔ تو یہ سب الزامات ہیں اور ان سب کا ہمارے پاس جواب صرف یہ ہے "سبحانك هذا بهتان عظيم" پس اگر اس وضاحت کے بعد بھی کوئی ہمارے بارے میں اس قسم کی باتیں نقل کرتا ہے اور ہماری طرف منسوب کرتا ہے تو وہ ہم پر جھوٹ بولتا ہے۔ جو ہماری مجالس میں بیٹھتا ہے اور ہمارے حال کا خود مشاہدہ کر لیتا ہے تو وہ قطعی طور پر جان لیتا ہے کہ یہ سب باتیں جو ہماری طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ جھوٹ ہیں اور ان باتوں کو دین دشمن عناصر نے اور اخوان الشیاطین نے لوگوں کو یقین کامل سے متنفر کرنے کیلئے وضع کیا ہے۔ تاکہ لوگ اللہ وحدہ لاشریک کی خالص عبادت سے دور ہو جائیں۔ اور ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ گناہ مثلاً زنا، قتل، سود، شراب پینا وغیرہ سے انسان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیگا۔ بشرطیکہ وہ تمام عبادات میں موحد فوت ہوا۔

اور ہمارا محمد ﷺ کے بارے میں عقیدہ ہے کہ وہ تمام مخلوقات میں مطلق طور پر افضل ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اور حیات شہداء سے ابلغ تر ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ ان شہداء سے زیادہ افضل ہیں۔ اور آپ ﷺ سلام کرنے والے کا سلام سنتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کی قبر کی زیارت مسنون ہے۔ مگر باقاعدہ تیاری کر کے جانا جائز نہیں۔ البتہ مسجد نبوی ﷺ کی زیارت اور اس میں نماز کیلئے جائز ہے اگر کوئی اس کے ساتھ زیارت کا بھی ارادہ کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ اور کوئی شخص اپنا قیمتی وقت نبی ﷺ پر درود پڑھنے میں لگاتا ہے تو اس نے دونوں جہان کی سعادت حاصل کر لی اور اسکی مراد پوری ہو گئی جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

شیخ دحلان: کبھی کبھی یہ کہتے تھے کہ شریعت تو ایک ہے یہ لوگ کون ہوتے ہیں اس کو چار مذاہب بنانے والے؟

شیخ بشیر: عبداللہ بن محمد عبدالوہاب نے مذکورہ کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے ہمیں نمازوں کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ کہ ہم جماعت سے ادا کریں۔ اور اس میں تفریق نہ کریں یعنی ایک امام کے پیچھے ادا کریں اور وہ امام ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد ہو اور یہ بات پہلے گزر چکی کہ ہم مجبور کرتے ہیں کہ وہ آئمہ اربعہ میں سے کسی کے مقلد ہوں تو اس سے بخوبی معلوم ہو گئی کہ یہ ایک بہتان ہے (کہ ہم ائمہ اربعہ کے منکر ہیں)۔

شیخ دحلان: شیخ محمد بن سلیمان الکردی اور شیخ محمد حیات السندی الحنفی وغیرہ نے ان میں الحاد گمراہی محسوس کر لی تھی اور وہ کہتے تھے کہ عنقریب یہ خود بھی گمراہ ہو جائے گا اور لوگوں کو بھی گمراہ کرے گا۔ اور ایسا ہی ہوا ان کی فراست غلط ثابت نہیں ہوئی۔

شیخ بشیر: یہ نقل کرنا قابل اعتبار نہیں ہے۔

شیخ دحلان: ان کے والد عبدالوہاب صالحین علماء میں شمار ہوتے تھے۔ وہ بھی اپنے بیٹے میں گمراہی محسوس کرتے تھے۔ اور وہ اس کی مذمت کے ساتھ ساتھ لوگوں کو ان سے بچنے کا کہتے تھے۔

شیخ بشیر: یہ بھی صریح جھوٹ ہے کیونکہ ان کے والد تو انکی بہت تعریفیں کرتے تھے۔ جیسا کہ "روضۃ الافکار" کی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عبارت سے جو ہم پہلے بیان کر چکے واضح ہے۔

شیخ دحلان: اسی طرح ان کے بھائی سلیمان بن عبد الوہاب ان کی جاری کردہ بدعات اور گمراہیوں اور غلط عقائد کا انکار کرتے تھے۔ اور اس نے ان کے خلاف ایک کتاب بھی تحریر کی تھی۔

شیخ بشیر: شیخ کے بھائی نے اگرچہ ان کے خلاف پہلے بہت کچھ کہا تھا مگر بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ اور اپنی گمراہی و زیادتی پر افسوس کا اظہار کیا تھا۔ جیسا کہ ان کے اس خط میں واضح ہے۔ جو انہوں نے احمد بن محمد التویجری اور احمد و محمد کو لکھا تھا جسے ہم نے سابقہ صفحات میں درج کر دیا ہے۔

شیخ دحلان: محمد بن عبد الوہاب کی ولادت ۱۱۱۰ھ میں ہوئی تھی۔

شیخ بشیر: یہ بھی بالکل واضح طور پر غلط ہے صحیح تاریخ وہ ہے جو "الروضتہ" میں درج ہے کہ آپ کی پیدائش ۱۱۱۵ھ میں ہوئی۔

شیخ دحلان: جب انہوں نے اس کے اظہار کا ارادہ کیا جو شیطان نے ان کے سامنے مزین کر کے پیش کیا تھا یعنی بدعت و گمراہی۔

شیخ بشیر: یہ بہتان عظیم ہے اس لیے کہ شیخ نے بدعات اور گمراہی کو ختم کرنے کیلئے بڑی عظیم جدوجہد کی اور لوگوں کو خالص توحید کی طرف بلایا اور اتباع سنت کی دعوت دی۔ اور شرک و بدعات سے لوگوں کو روکا۔

شیخ دحلان: وہ لوگوں کو یہ بات باور کراتے تھے کہ تمام لوگ جس طریقہ پر ہیں وہ شرک و گمراہی ہے۔

شیخ بشیر: یہ بھی عمومی طور پر بہتان ہے۔

شیخ دحلان: لوگوں سے کہتے تھے میں تمہیں دین کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ اس آسمان کے نیچے تمام لوگ مشرک ہیں اور جو کسی مشرک کو قتل کریگا اسکے لئے جنت ہے۔

شیخ بشیر: بلاریب یہ بھی افتراء ہے اس لیے کہ جو شیخ کے عقائد سے تھوڑا سا بھی واقفیت رکھتا ہے وہ اس چیز کو جانتا ہے۔

شیخ دحلان: یہ طائف کے ولی بنے ۱۲۱۷ھ میں تو انہوں نے بچوں بوڑھوں آمر مامور سب کو قتل کرایا۔ ان سے کوئی نہ بچ سکا حتی کہ ماؤں کے پیٹ کے اندر کے بچوں کو بھی نہیں چھوڑا، لوگوں کا مال لوٹا، عورتوں کو قیدی بنا لیا اور ۶۰۰ کے بعد کے تمام لوگوں پر کفر کا فتویٰ لگایا، انہوں نے نبی ﷺ کی حرمت کو پامال کیا آپ ﷺ کی بھی تحقیر کی اور آپ ﷺ سے محبت رکھنے والوں کی بھی اور کوئی شخص آکر مرضی یا مجبوری میں آپ کی اتباع اختیار کرنے آتا تو یہ ان سے کلمہ پڑھوایا کرتے تھے۔ اور یہ اقرار کراتے کہ تمہارے والدین کافر فوت ہوئے ہیں۔ اور وہ اس کے سامنے ماضی کے اکابر علماء کے نام لیکر انہیں کافر کہلواتے تھے۔ اگر وہ شخص اس کی گواہی دے دیتا تو اسے قبول کر لیتے اگر انکار کرتا تو قتل کرا دیا کرتے تھے۔ اور یہ واضح طور پر ۶۰۰ کے بعد کے لوگوں کو کافر قرار دیتے تھے۔ یہ کام پہلے محمد بن عبد الوہاب نے کیا پھر اوروں نے اس کی اتباع کی اور اگر کوئی شخص ان کے دین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں داخل ہونے لگتا اور وہ پہلے حج کر چکا ہوتا تو اسکو دوبارہ حج کا حکم دیتے اور کہتے تم نے جو پہلا حج کیا ہے اس وقت تم مشرک تھے تمہارا حج ادا نہیں ہوا۔ اگر کوئی باہر کا شخص انکی اتباع اختیار کرتا اسکو مہاجر کہتے۔ اور اگر انکی قوم اور شہر کا اختیار کرتا اسکو انصار کہتے تھے۔ ان کے حال سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ جیسے محمد بن عبد الوہاب نبوت کا دعوٰی کرنے والے تھے۔ مگر اس بات کو صراحتاً ظاہر نہیں کر سکے۔ اور سب سے پہلے انہوں نے ان لوگوں کے حالات کا مطالعہ شروع کیا جنہوں نے جھوٹی نبوت کا دعوٰی کیا جیسا کہ مسیلمہ کذاب، سجاح، الاسود العنسی، طلیحہ الدسدی وغیرہ۔ اس سے پتہ چلا کہ ان کے دل میں بھی نبوت کا دعوٰی پوشیدہ تھا اگر اس کے اظہار کا مناسب موقع ملتا تو یہ لازمی اظہار کر دیتے یہ اپنے متبعین سے کہا کرتے تھے میں تمہارے پاس دین جدید لیکر آیا ہوں جو کہ ان کے اقوال وافعال سے ظاہر بھی ہوتا ہے۔ اسی بناء پر یہ آئمہ اور علماء کے اقوال پر طعن کرتے تھے۔ انہوں نے ہمارے نبی ﷺ سے صرف قرآن حکیم لیا وہ بھی اپنی مرضی سے اس میں تاویل کرتے تھے۔ وہ صرف لوگوں کو دکھانے کیلئے۔ کہیں لوگ انکی حقیقت کو نہ جان لیں اور یہ کہتے تھے کہ ہم نے جو تاویل کی ہے یہ وہی ہے جو نبی ﷺ اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہ نے کی اور سلف صالحین نے کی ہے۔ اور یہی تفسیر آئمہ مجتہدین کی ہے۔ یہ احادیث نبوی صحابہ وتابعین کے اقوال جو انہوں نے قرآن وسنت سے استنباط کیے تھے۔ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اجماع اور قیاس صحیح کے بھی مخالف تھے۔ اور اس طریقہ کی نسبت امام احمد کی طرف کرتے تھے۔ حالانکہ یہ سب جھوٹ اور دھوکہ تھا۔ امام احمد اس طریقہ سے بری تھے۔

شیخ بشیر: ان تمام اعتراضات کے جواب اگرچہ طویل ہیں مگر مختصر یہ کہ یہ سب جھوٹ ہے۔

شیخ دحلان: ان کے بھائی سلیمان نے بھی ان کے خلاف ایک کتاب لکھی۔

شیخ بشیر: پہلے آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ شیخ سلیمان نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ اس کو دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

شیخ دحلان: انہوں نے مسلمانوں کو ان آیات کو ذریعے کافر قرار دیا جو کفار کے بارے میں اتری تھیں۔ مگر محمد بن عبد الوہاب نے وہ موحدین پر محمول کیں۔

شیخ بشیر: شیخ نے ان لوگوں کو کفر کا مرتکب قرار دیا جو نام تو مسلمان والا استعمال کرتے تھے مگر وہ ان امور کو سرانجام دیا کرتے تھے جو قرآن میں مشرکین کے امور بتائے گئے تھے۔ اور اصول تفسیر کا قاعدہ ہے کہ ہمیشہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ کسی خاص سبب نزول کا۔ یہ مسئلہ غیر اختلافی ہے۔ چنانچہ شیخ نے بھی یہی کیا کہ عموم کا لحاظ کیا ہے۔

شیخ دحلان: امام بخاری روایت کرتے ہیں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خوارج نے وہ آیات جو کفار کے بارے میں اتری تھیں وہ سب مومنین پر منطبق کیں۔

شیخ بشیر: امام طبری نے تہذیب الآثار سے بکیر بن عبد اللہ بن اشج سے انہوں نے نافع سے پوچھا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حروریہ کے بارے میں کیا رائے تھی تو انہوں نے جواب دیا کہ حروریہ ان کے نزدیک مخلوق میں سب سے بدترین لوگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ انہوں نے وہ آیات جو کفار کے بارے میں نازل ہوئیں مومنین پر محمول کر دیں اس روایت کی سند صحیح ہے۔ جبکہ شیخ رحمہ اللہ اس قسم کی غلطی سے محفوظ تھے۔ اور اس کی یہ دلیل ہے کہ انہوں نے کتاب التوحید میں ایک باب یوں قائم کیا ہے کہ اس شخص کا گناہ جس نے قرآن مجید کی خلاف ورزی کی۔ اور حدیث ابی سعید بیان کی جو خوارج کے بارے میں ہے پھر یہ اثر بھی بیان کیا ایسا شخص جو اس فعل کی مذمت کرتا ہو خود کس طرح اس کا ارتکاب کر سکتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ شیخ نے قبروں کی پوجا کرنے والوں پر عموم آیات سے استدلال کرتے ہوئے کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے۔ جبکہ وہ آیات کفار کے بارے میں اتری تھیں یہ ایک ایسی بات ہے جو بالکل صحیح ہے اس لیے کہ قبروں کی عبادت کرنے والے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک بھی مومن نہیں ہیں۔

امت میں منافقین کی شر انگیزیوں کا خدشہ:

شیخ دحلان: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جس کو بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ نے روایت کیا ہے نبی ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت پر ایسے شخص سے سب سے زیادہ ڈرتا ہو جو قرآن کی تاویل کرے گا اور اس کی آیات اصلی جگہ سے اٹھا کر غلط جگہ رکھے گا۔

شیخ بشیر: اس میں کئی طرح سے غلطی ہے۔

1 یہ روایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نہ کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے۔

2 معترض نے جو یہ کہا کہ اسکو بخاری کے علاوہ نے روایت کیا۔ اس سے بظاہر یہ سمجھ آتا ہے کہ بخاری کے علاوہ آئمہ ستہ نے روایت کیا ہے۔ حالانکہ پوری صحاح ستہ میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے۔ یہ واضح تدلیس (دھوکہ) ہے اگر غیر البخاری سے یہ مراد ہے کہ طبرانی نے روایت کیا ہے تو دیانت کا تقاضہ تھا کہ اس پر تصریح کرتے کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور تدلیس سے بچتے۔

3 ان الفاظ کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں سب سے زیادہ اپنی امت کو اس شخص سے خوف دلاتا ہوں جو میرے بعد آئیگا قرآن کی تاویل کرے گا۔ اور اس کی آیات اصلی جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ محمول کریگا۔ وہ خود کو اس کام کے لیے سب سے زیادہ موزوں سمجھے گا۔ اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا مؤلف نے اس روایت کی نقل میں غلطی کر دی۔

4 اس کی سند میں اسماعیل بن قیس انصاری ہے۔ جو متروک الحدیث ہے (کذا فی مجمع الزوائد) امام ذہبی نے میزان میں فرمایا اسماعیل بن قیس بن سعد بن زید بن ثابت انصاری ابو مصعب عن ابی حازم و یحییٰ بن سعد الانصاری امام بخاری اور دار قطنی فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث تھا۔ امام نسائی وغیرہ نے کہا ضعیف تھا۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی عام طور پر مرویات منکر ہوتی ہیں۔

5 یہ روایت محمد بن عبد الوہاب پر صادق نہیں آتی اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس سے مراد محمد بن عبد الوہاب ہیں تو اس پر لازم ہے کہ اسکی وضاحت کرے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس معنی کی دیگر روایات بھی ہیں مثلاً حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا میری امت میں وہ ایک قوم ہوگی جو قرآن کی تفسیر غیر حقیقی کرے گی۔(تفسیر ابن کثیر)

اسی طرح جناب علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت پر مومن اور نہ شرک سے ڈرتا ہوں۔ مومن کا ایمان اس کا محافظ ہے۔ اور مشرک کو اس کا کفر توڑ دیتا ہے۔ مگر میں مناق سے ڈرتا ہوں کیونکہ وہ کہتا تو وہ ہے جس کو تم جانتے ہو مگر عمل وہ کرتا ہے جسے تم نہیں جانتے۔ (طبرانی فی الصغیر والاوسط)

اسی طرح عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا میں سب سے زیادہ اپنے بعد منافق زبان دراز سے ڈرتا ہوں (طبرانی فی الکبیر، والبزار، احمد من حدیث عمر بن خطاب، ترغیب و ترھیب، منذری)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم پر عالم کی گمراہی، منافق کا قرآن کے بارے میں جھگڑنا اور دنیا کے خزانے کھلنے پر بہت ڈرتا ہوں۔ اگرچہ اس میں عبدالحکیم بن منصور ہے جو متروک الحدیث ہے۔

اسی طرح معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ تین چیزوں سے بچو۔ عالم کی گمراہی، منافق کا قرآن سے جدال، اور دنیا۔ جو تمہاری گردن کاٹ دیگی۔ عالم کے پھسلنا سے مراد ہے کہ اگر وہ ہدایت یافتہ بھی ہے تو اسکی تقلید نہ کرو۔ اور اگر وہ گمراہ ہے تو اس سے اپنے اعمال نہ کاٹو۔ منافق کا قرآن سے جدال کیونکہ قرآن تو راستے کے بلند حصے کی طرح ہے بھی اگر تمہارے نزدیک معروف ہو تو لے لو اگر غیر معروف ہو تو قرآن کے جاننے والے کی طرف لوٹا دو۔ دنیا کا گردن کاٹنا یہ ہے کہ اللہ جسکو غنی کرے وہی غنی ہے۔ (طبرانی فی الاوسط)

عمر بن مرہ کا معاذ سے سماع نہیں ہے۔ عبداللہ بن صالح لیث کا کاتب تھا اسے عبدالملک بن شعیب بن لیث نے ثقہ کہا ہے۔

ایک روایت میں یحیٰی ہے جسے احمد اور بہت سے محدثین نے ضعیف کہا ہے۔

عمر ابن عوف رضی اللہ عنہ کی رویات ہے انہوں نے سنا آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت میں تین چیزوں سے ڈرتا ہوں عالم کا گمراہ ہونا، اور اسکی اتباع کرنے والے اور جو ظلم کا فیصلہ کرے۔ (بزار اگرچہ کثیر بن عبداللہ بن عوف متروک ہے مگر ترمذی نے حسن کہا ہے)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہر منافق زبان دراز ہوتا ہے (بزار، احمد، ابو یعلی)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت میں دو چیزوں سے ڈرتا ہوں قرآن اور دودھ، دودھ پر اس لیے کہ اس میں لوگ ملاوٹ کر دیتے ہیں۔ اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں۔ اور نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ اور قرآن پر اس لیے کہ اسکو منافق سیکھ کر ایمان والوں سے جھگڑا کرتے ہیں۔

زیاد بن حدیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم جانتے ہو اسلام کو کیا بات منہدم کر دیتی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عالم کا صحیح راستے سے پھسل جانا، منافق کا کتاب اللہ کے بارے میں جھگڑنا اور گمراہ آئمہ کا فیصلہ کرنا۔ (دارمی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

6 حدیث کی مراد یہ ہے کہ (اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے) ایک شخص ہو گا جو قرآن کی متشابہات تلاش کرتا پھریگا اور اسکی دلیل یہ ہے کہ ابو القاسم نے معجم کبیر میں ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت کی تین خصلتوں پر ڈرتا ہوں مال بہت زیادہ مل جائے گا جس کی بناء پر باہمی حسد بڑھ جایئگا آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں گے اور یہ کہ ان کیلئے کتاب اللہ کھول دی جائے گی اور منافق ہونا چاہیے تھا مگر اصل کتاب میں مومن ہے اس کی تاویل تلاش کرنے لگے گا حالانکہ اس کی تاویل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا راسخ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے اور تیسری خصلت یہ کہ میری امت والے اپنے علم والے کو دیکھیں گے اور اس کو ضائع کر دیں۔ اور اسکی پروا نہیں کریں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اہل زیغ متشابہات کی اتباع کرتے ہیں:

قرآن کے متشابہات کی تاویل کی ممانعت کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے۔

﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ﴾ (آل عمران:٧)

"وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھ پن ہے تو وہ قرآن کے متشابہات کی اتباع کرتے ہیں فتنہ تلاش کرتے ہوئے اور اسکی تاویل کرنے کیلئے جبکہ اسکی تاویل اللہ کی علاوہ کوئی نہیں جانتا"۔

اور سنت صحیحہ سے بھی ثابت ہے عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ ﴾ (آل عمران:٧)

"اللہ وہ ذات ہے جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی اسکی آیات محکم ہیں"۔

"ومایذکر الااولو الالباب" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی علیہ السلام نے فرمایا جب تم دیکھو ان لوگوں کو جو متشابہات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کا نام لیا ہے ان سے بچو۔ (متفق علیہ)

خوارج سب سے پہلے ان میں داخل ہوئے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ حدیث سے مراد یہی لوگ ہیں تو کوئی غلط بات نہ ہو گی۔ جیسا کہ صاحب کتاب نے ان کو ہی مراد لیا ہے۔ کیونکہ اسلام میں سب سے پہلا فتنہ یہی خوارج کا بپا کیا ہوا پھر ان کے مختلف فرقے بنتے گئے اور ان سے یہ قدریہ، معتزلہ، جہمیہ جیسے فرقے نکلے چنانچہ خوارج تمام باطل فرقوں کی بنیاد ہیں۔ اور یہ روایت رہنمائی کرتی ہے حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آپ ﷺ سے سنا کہ میری امت میں ایک قوم آئے گی پھر وہی حدیث ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔

امام احمد نے ابی غالب سے روایت کیا وہ کہتے ہیں میں نے ابو امامہ سے سنا وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قول

﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ ﴾ (آل عمران:٧)

"جن کے دلوں میں ٹیڑھ پن ہے"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو آپ ﷺ نے فرمایا اس سے مراد خوارج ہیں اور یہ آیت:

﴿ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ﴾ (آل عمران:۱۰۶)

''جس دن بہت سارے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سارے چہرے سیاہ ہوں گے''۔

بھی خوارج کے بارے میں ہے ابن مردویہ نے ابو امامہ سے روایت کی۔ (کذافی تفسیر ابن کثیر)

آیت اور حدیث سے مراد خوارج ہی ہیں اور ہر بدعتی کو خوارج سے کچھ نہ کچھ حصہ (بدعت کا) ملا ہے۔ یہاں تک کہ بعد میں آنے والے وہ لوگ بھی جو خود کو اہل سنت کہتے ہیں جن میں دحلان بھی ہے۔ جن میں صاحب کتاب بھی ہے اس لیے کہ یہ بھی آیات صفات اور احادیث صفات کی تاویل کرتے ہیں جب یہ بات سمجھ آگئی تو اب یہ بھی جان لیں کہ یقینی طور پر شیخ (محمد بن عبدالواہاب) اس حدیث کے مصداق نہیں ہیں۔ کیونکہ شیخ تو ان لوگوں پر سخت تنقید کرتے تھے۔ جو متشابہات آیات کی تاویل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

اس بات کی دلیل کہ محمد بن عبدالوہاب سلف کے تابع اور آئمہ اربعہ کے اقراری تھے:

اور یہ اسکے مصداق کس طرح ہو سکتے ہیں جبکہ انہوں نے کتاب التوحید میں یہ باب باندھا ہے کہ ان لوگوں کا کیا حکم ہے جو متشابہ کی اتباع کرتے ہیں اور پھر عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی احادیث بیان کی اور فرمایا جب صبیغ سے سنا کہ وہ ذاریات اور اس جیسے الفاظ کے بارے پوچھ رہا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا قصہ مشہور ہے اور شیخ صاحب نے اس کتاب میں جس میں اہل مکہ کے لیے اختصار کیا فرمایا ہے۔ کہ ہمارا مذہب اصول دین میں وہی ہے جو اہل سنت والجماعت کا ہے۔ اور ہمارا طریقہ وہی ہے جو سلف کا طریقہ تھا کیونکہ یہی طریقہ اغلاط سے سب سے زیادہ محفوظ، سب سے زیادہ علم پر مبنی اور سب سے پختہ ہے۔ بخلاف اہل خلف کے جو یہ کہتے تھے کہ ہم آیات صفات اور احادیث صفات پڑھتے تو ہیں مگر ان کا معنی اللہ کی سپرد کرتے ہیں۔ حالانکہ امام مالک رحمہ اللہ سلف میں سب سے جلیل عالم تھے۔ جب ان سے مسئلہ استواء کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا استواء تو معلوم ہے کیفیت مجہول ہے۔ اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اس بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

شیخ دحلان: سب سے عجیب بات یہ تھی کہ شیخ اپنے عمال (کارکنوں) کو جب خط لکھتے تو کہا کرتے تھے کہ اپنی سمجھ سے اجتہاد کیا کرو۔ اور جو تم اس دین کے مناسب حکم سمجھو۔ لگا دیا کرو۔ حالانکہ وہ سارے انتہائی جاہل تھے۔

شیخ بشیر: یہ بہتان ہے شیخ اپنے اس کتاب میں جس کا اختصار کیا ہے فرمایا ہم فروع میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر ہیں۔ اور ہم کسی بھی ایسے شخص کا انکار نہیں کرتے جو آئمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرتا ہو۔ بخلاف باقی مذاہب کے کیونکہ باقی مذاہب غیر محفوظ تھے جیسا کہ زیدیہ، رافضہ امامی وغیرہ پہلے یہ بات گزر چکی جسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور سمجھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ یہ باتیں محض الزام تراشی پر مبنی تھیں حقیقت سے اسکا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور محض شیخ کو بدنام کرنے کیلئے یہ باتیں گھڑی گئی تھیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: مذاہب اربعہ کے بہت سے علماء نے ان پر رد کیا۔

شیخ بشیر: اہل تحقیق علماء کی بڑی تعداد نے اس رد کا جواب تحریر کیا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب سے سوال اور یہ اس کا جواب نہ دے سکنے کا معاملہ؟

شیخ دحلان: لوگوں نے ان سے بہت سے مسائل کے بارے میں سوال کیا تو اس کا جواب نہ دے سکے۔ کیونکہ انہیں علوم پر مہارت حاصل نہیں تھی۔

شیخ بشیر: اس میں کلام کی گنجائش نہیں ہے کہ شیخ کو علوم دینیہ میں مہارت تامہ حاصل تھی کیونکہ امام الموحدین، رئیس العلماء العاملین، ائمہ محققین کے تاج تھے۔ آپ نے دس سال سے بھی کم عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ آپ انتہائی سمجھ دار، قوی حافظہ کے مالک تھے۔ اپنے والد سے تجوید و قرات اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر علم کے حصول کیلئے مختلف سفر طے کیے۔ طلب علم میں بڑی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا اور کبار علماء سے علم حاصل کیا۔ جیسے عبداللہ بن ابراہیم النجدی ثم المدنی وغیرہ۔ حدیث کی سماعت اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بصرہ گئے۔ وہاں بہت سارے علماء سے علم حاصل کیا۔ اور یہاں نحو میں بھی مہارت حاصل کی چنانچہ آپ نے بہت سی لغت اور حدیث کی کتابیں تحریر کیں۔ شیخ ماہر علماء اور توحید کی دعوت دینے والوں میں شمار ہوتے تھے آپ انتہائی خیر خواہ اور بڑے مجدد عالم تھے (کذا فی الروضۃ للشیخ حسین بن غنام الاحسائی)

حتی کہ ضعاء کے ایک عالم نے ان کے بارے میں کیا خوب کہا۔ (اشعار کے ترجمہ)

ایسے عالم سے مسائل پوچھو جو ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو صحیح منہج سے ہٹ گئے ہوں اس کا نام محمد (بن عبدالوہاب) ہے جو نبی علیہ السلام کی سنت کی دعوت دیتے ہیں کتنا عظیم رہنما اور کتنے عظیم ہیں جو اس سے رہنمائی پاتے ہیں۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی ان کو پا کر کیونکہ وہ ایسا طریقہ لیکر آئے جو مجھے بے حد پسند ہے۔

شیخ کا طلب علم اور اسکے لیے سفر کرنا بڑا معروف ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے حرمین کے شیوخ و محدثین سے بیک وقت بہت سارے علوم پڑھے۔ پھر آپ بصرہ چلے گئے۔ وہاں علوم حدیث کی سماعت کی۔ پھر احساء گئے۔ وہاں کے مشہور شیوخ سے علم حاصل کیا۔ اور اصول الدین وغیرہ کی مباحث میں حصہ لیا اور ایمان و عقائد پر خوب تحقیق کی۔ پھر نجد کے محقق علماء سے علم حاصل کیا۔ حتی کہ یہاں آپ کی شہرت علم اور ذہانت کے طور پر بہت ہوئی جیسا کہ علماء نے (جلاء الغمہ فی تکفیر الامہ) کے رد میں بھی صراحت کی ہے۔ شیخ نے بہت سے موضوعات پر مختلف رسائل و کتب تحریر کی ہیں جو دلیل ہے ان کی مہارت اور تبحر علمی کی ان میں معروف "کتاب التوحید، اصول الایمان واستنباط الاحکام من بعض السور" وغیرہ ہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ شیخ سے سوال پوچھا گیا تو وہ اس کا جواب دینے سے عاجز آ گئے ایسی بات ہے جس پر اعتبار نا ممکن ہے۔

مسائل دینیہ میں غلط سوال کرنے کی ممانعت:

شیخ دحلان: آپ سے جو مسائل پوچھے گئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ "والعادیات ضبحا" میں حقیقت شرعیہ، حقیقت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لغویہ اور حقیقت عرفیہ کتنی بیان ہوئی ہیں وغیرہ مگر شیخ کو اسکا بھی جواب نہیں آیا۔

شیخ بشیر: اس بارے میں کئی طرح سے بات ہو سکتی ہے۔ اول یہ کہ اس واقعہ پر یقین ناممکن ہے۔ دوم یہ کہنا کہ اسکا جواب نہ دے سکے۔ تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ آپ باقی علوم دینیہ مثلاً حدیث تفسیر فقہ کا علم نہیں رکھتے تھے۔ سوم یہ علماء کی اصطلاحات پر مبنی سوال ہے اور اس قسم کے سوالات کرنا جائز نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا شمار غلطیوں میں ہوتا ہے۔ جس سے منع کیا گیا ہے۔ ابو داوٗد میں ہے معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی ﷺ نے غلط سوال کرنے سے منع فرمایا۔ تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مشکل پیدا کرنے کیلئے سوال کرنا حرام ہے کیونکہ دین میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ (طبرانی فی الکبیر)

ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ آئیں گے۔ جو فقہاء کے سامنے اپنی طرف سے بنا کر مشکل سوالات کرینگے۔ یہ میری امت کے بدترین لوگ ہیں۔ (طبرانی)

اسمیں ربیعہ متروک الحدیث ہے (کذا فی مجمع الزوائد) امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ کو مالک نے جھوٹا قرار دیا۔ ابو حاتم نے متروک احمد نے کہا اسکی کوئی اہمیت نہیں۔ بخاری نے متروک الحدیث اور ضعیف کہا۔

یزید بن ربیعہ الرجی الدمشقی کے بارے میں بخاری رحمہ اللہ نے کہا اسکی احادیث منکر ہیں، ابو داؤد وغیرہ نے ضعیف کہا، نسائی نے متروک الحدیث کہا۔ ابو مسہر کہتے ہیں۔ یزید بن ربیعہ فقیہ اور غیر متہم تھے۔ اور ہم اس کا ان کا نہیں کر سکتے کہ انہوں نے الاشعث کو پایا مگر مجھے اس کے سیئی الحفظ ہونے کا خدشہ ہے۔ جوزجانی کہتے ہیں مجھ یہ خدشہ ہے کہ اس کی احادیث موضوع ہیں۔ مگر ابن عدی میں کوئی جرح نہیں تمیم الداری کی روایت اگرچہ ضعیف ہیں مگر مختلف طرق سے مروی ہونے پر قوی ہو جاتی ہیں۔ اور رہی حضرت ثوبان ابن عمر رضی اللہ عنہ والی روایت آپ ﷺ نے فرمایا ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اسکی مثال مسلمان جیسی ہے بتاؤ کونسا ہے۔ (بخاری)

تو یہ اس روایت کے خلاف نہیں جس میں غلط سوال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت اس بات پر دال ہے کہ طلبہ وعلماء کے ذہن کا امتحان لیا جا سکتا ہے۔ جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں اس بات سے منع کیا گی ہے کہ ایسے مشکل سوالات کیے جائیں جس کا کوئی فائدہ نہ ہو یا جو اسلئے کئے گئے ہوں تاکہ سامنے والے کو بے بس کیا جائے۔ (فتح الباری)

مؤلف نے جس سوال کا ذکر کیا ہے وہ بھی اسی طرح کا ہے جسکا قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔

چہارم: نبی ﷺ اور صحابہ واہل بیت اور اہل علم، تابعین، تبع تابعین، خصوصاً ائمہ اربعہ، فقہاء اور آئمہ ستہ (بخاری مسلم وغیرہ) سے اگر اس قسم کے سوالات پوچھے جاتے تو کیا وہ اس کے جواب دینے کی قدرت رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو شیخ کیلئے یہی لوگ اسوہء حسنہ ہیں۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ غلط ہو گا کیونکہ حقیقت شرعیہ، عرفیہ، لغویہ، حقیقت مجاز، مرسل وغیرہ اصطلاحات رسول اللہ ﷺ بھی نہیں جانتے تھے اور صحابہ، تابعین، تبع تابعین ائمہ اربعہ ائمہ ستہ بھی نہیں جانتے تھے اس لیے کہ یہ اصطلاحات رسول اللہ ﷺ، صحابہ، تابعین، فقہاء اور ائمہ ستہ کے دور میں نہیں تھیں۔ یہ بعد میں وضع کی گئی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوارج کے بارے میں احادیث:

شیخ دحلان: خوارج کے بارے میں بہت ساری رایات موجود ہیں جو آپ ﷺ کے نبی ہونے کی علامت ہے۔ کیونکہ یہ اخبار غیب میں سے ہے یہ تمام روایات صحیح ہیں بخاری مسلم وغیرہ میں موجود ہیں۔

شیخ بشیر: محمد بن عبد الوہاب اور آپکے متبعین کو ان احادیث کا مصداق قرار دینا اور یہ کہنا کہ یہ سب روایات صحیح ہیں غلط بات ہے جیسا کہ عنقریب آپکو معلوم ہو جائے گا۔

شیخ دحلان: ان میں ایک روایت ہے "الفتنۃ من ھھنا الخ" فتنہ ادہر سے آئے گا آپ ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔

شیخ بشیر: بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الفتن میں روایت کیا ہے

"ابن عمر عن سالم عن ابیه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ"

(آپ ﷺ منبر کے قریب آئے اور کہا فتنہ ادہر سے ہے۔ جدہر سے قرن الشیطان طلوع ہو گا یا قرن الشمس کہا ایک روایت میں ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے سنا آپ مشرق کی طرف منہ کر کے کہہ رہے تھے فتنہ ادہر سے ہے۔ جہاں شیطان کا سینگ طلوع ہو گا۔ ایک اور روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ ہمارے شام میں برکتیں نازل فرما ہمارے یمن میں برکتیں نازل فرما تو لوگوں نے کہا ہمارے نجد میں بھی آپ ﷺ پھر کہا ہمارے شام میں برکت نازل فرما۔ ہمارے یمن میں برکت نازل فرما۔ لوگوں نے کہا ہمارے نجد میں۔ راوی کہتے ہیں تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا یہاں زلزلے آئیں گے۔ فتنے ہوں گے۔ یہاں سے قرن الشیطان (شیطانی سینگ) طلوع ہو گا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں الفتنۃ من ھھنا دو مرتبہ ہے۔ یونس کی روایت میں تین مرتبہ ہے۔ اسی طرح قرن الشیطان یا قرن الشمس میں راوی کو شک ہے۔ عبد الرزاق کی روایت میں ہے یہ فتنوں کی زمین ہے۔ اور مشرق کی طرف اشارہ کیا یعنی جہاں سے قرن الشیطان طلوع ہو گا۔ ایک اور روایت بھی ہے۔ جو معمر کی ہے۔ وہ بھی یونس جیسی ہے۔ اس میں قرن الشیطان نہیں ہے بلکہ مشرق کے الفاظ ہیں۔

مسلم میں عکرمہ بن عمار سالم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے آپ ﷺ سے سنا آپ مشرق کی جانب اشارہ کر کے فرما رہے تھے۔ فتنہ ادہر سے آئیگا۔ تین مرتبہ کہا۔ جہاں سے قرن الشیطان طلوع ہو گا۔ ایک اور روایت جو حنظلہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ہے اسمیں بے شک فتنہ یہاں سے آئے گا تین مرتبہ ہے جبکہ افضیل بن غزوان کی روایت ہے کہتے ہیں میں نے سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے ہیں۔ اے اہل عراق میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا بے شک فتنہ ادہر سے آئے گا۔ پھر آپ ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا جدہر سے شیطان کے دو سینگ طلوع ہوں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرن الشیطان سے مراد فتنہ جمل اور خوارج اور ترک ہیں:

تنبیہ بشیر: پہلی بات تو یہ جان لو انہوں نے جو روایت پیش کی ہے اس میں لفظ من کا اضافہ مؤلف کی غلطی سے ہوا ہے۔ چونکہ یہ عام طور پر روایات نقل کرنے میں غلطیاں کرتے رہتے ہیں احادیث نقل کرنا اس قسم کے لوگوں کا کام نہیں ہے جبکہ ان روایات میں کسی قسم کا شک نہیں ہے اسی معنی کی اور بھی صحیح احادیث ہیں۔

اہل یمن اور اہل مشرق کے بارے میں احادیث:

جیسا کہ امام بخاری ؒ نے مناقب میں ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اس طرف سے فتنے آئیں گے اور آپ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا اور اکھڑ پن دل کی سختی ان لوگوں میں ہے جو اونٹوں اور گائیوں کے دم کے پاس چلاتے رہتے ہیں یعنی ربیعہ اور مضر کے لوگوں میں۔ مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اصل کفر مشرق میں اور فخر، تکبر گھوڑے اور چلانے والے اونٹ والوں میں ہے سکونت بکریوں والوں میں ہے۔

مسلم کی دوسری روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا ایمان یمن میں ہے۔ کفر مشرق سے آئے گا۔ سکون واطمینان بکریوں والوں میں جبکہ فخر ریاکاری چلانے والے اونٹ والوں میں ہے۔ جہاں سورج طلوع ہوتا ہے (یعنی اہل مشرق)

ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یمن میں اور کفر مشرق کی طرف ہے۔ سکون واطمینان بکریوں والوں اور فخر اور ریا گھوڑے اور اونٹ والوں میں ہے۔

دوسری روایت میں یوں ہے آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس یمن والے آئیں گے وہ نرم دل انتہائی مہربان۔ ایمان یمن میں اور حکم یمن میں۔ اصل کفر مشرق میں۔ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا سخت دل لوگ مشرق میں ہیں۔ ایمان اہل حجاز میں ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اہل مشرق ان دنوں کافر تھے تو آپ ﷺ نے اسی وجہ سے کہا کہ فتنہ یہاں سے آئیگا پس ایسا یہ ہوا جیسا آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ پہلا فتنہ جس نے مسلمانوں میں تفریق پیدا کی وہ مشرق سے پیدا ہوا۔ اسی طرح بہت ساری بدعات کا ظہور مشرق سے ہوا۔

قسطلانی ؒ کہتے ہیں نبی ﷺ نے مشرق کیطرف اشارہ اس لیے کیا کیونکہ وہ اس وقت اہل کفر تھے۔ جمل اور صفین کا واقعہ پھر خوارج کا ظہور ارض نجد میں اور عراق اور مشرق میں ہوا ہے۔

فتنوں کا مدینہ میں مشرق سے پہلے ظاہر ہونا:

اور ان تمام کا سبب عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تھا یہ نبی علیہ السلام کی نبوت پر دلیل تھی کہ آپ ﷺ نے یہ باتیں قبل از وقت بیان کر دیں۔

اور آپ ﷺ نے مزید فرمایا فتنہ کی ابتداء مشرق سے ہوگی۔ اور ادھر سے ہی یاجوج ماجوج، دجال نکلیں گے اور یہاں سے خطرناک بیماری ظاہر ہوگی جو کہ دین میں بربادی کی صورت میں ہوگی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا مشرق کو خاص طور پر فتنوں کی آماجگاہ قرار دینے کی وجہ یہ تھی کہ ان میں شیطان کا تسلط اور کفر بہت زیادہ تھا۔ جیسا کہ حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "راس الکفر" اصل کفر مشرق میں ہے۔ اور آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی یہ تھا۔ جب یہ بات آپ نے کہی تھی۔ اور جب دجال نکلے گا اس وقت بھی ہوگا۔ کیونکہ یہ بڑے فتنوں کی آماجگاہ ہے۔ اور فاسق سرکش جنگجو ترکیوں کے فتنوں کی یہیں پرورش ہوئی۔ صاحب مجمع البحار نے کہا کہ اس بارے میں ایک حدیث ہے کہ شیطان کے دو قرن مشرق سے طلوع ہوں گے۔ یعنی شیطان کی دو کافر جماعتیں مراد ہیں۔ مشرق میں شیطان کا خوب تسلط مراد ہے۔ جو آپ ﷺ کے زمانہ تھا۔ اور جب دجال نکلے گا اس وقت بھی ہوگا۔ اور اس دوران دیگر فتنے ظاہر ہوئے جیسا کہ ترکوں کی سرکشی وغیرہ۔

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ الفاظ حدیث سے وہ سب لوگ جو مشرق میں پیدا ہوئے مراد نہیں ہیں۔ کہ یہ ثابت کیا جائے جو مؤلف شیخ پر ان روایات کو منطبق کر کے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مؤلف نے وجہ استدلال ذکر نہیں کی کہ کس وجہ سے انہوں نے ان روایات کو شیخ پر منطبق کی ہے۔ اگر وہ وجہ ذکر کرتے تو ہم جواب دیتے۔ یہ تو عمومی روایات ہیں جن کا مصداق ہم نے بتا دیا۔ بخاری مسلم کی روایت ہے۔ آپ ﷺ مدینہ آ رہے تھے مدینہ کی ایک گھاٹی نظر آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم وہ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ تو صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا میں فتنے دیکھ رہا ہوں تمہارے گھروں میں اس طرح داخل ہوں گے جیسے بارش۔

ابو دؤاد میں مروی ہے ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا جب ہم نے مدینہ کے گھر عبور کر لئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر تمہاری حالت اس وقت کیا ہوگی جب مدینہ میں بھوک ہوگی۔ تم اپنے بستر سے اٹھو گے مگر مسجد تک بھوک کی شدت سے نہ پہنچ سکو گے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اور اسکے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت عفت اختیار کرنا پھر آپ ﷺ نے کہا: اے ابوذر رضی اللہ عنہ آپ کی حالت اس وقت کیا ہوگی جب مدینہ میں موت ہوگی یہاں تک کہ غلام گھر پہنچے گا تو غلام کے بدلہ قبر خریدی جائے گی۔ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر رضی اللہ عنہ صبر کرنا پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر رضی اللہ عنہ آپ کی حالت کیا ہوگی جب مدینہ میں قتل عام ہوگا اور زیت مقام کے پتھر خون سے رنگین ہو جائیں گے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اپنی قوم کے قبیلہ کے پاس جاؤ۔ میں نے کہا ہتھیار اٹھا کر؟ آپ ﷺ نے فرمایا پھر تو تم ان میں سے ہو جاؤ گے میں نے پوچھا تو پھر کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جب تلوار کی چمک دیکھ لو تو منہ پر کپڑا ڈال دو تا کہ اس (قاتل) پر تمہارا اور اس کا گناہ (قتل کا) آجائے۔ یہ حدیث (ابو ذر والی) امام بغوی نے مصابیح میں ذکر کی ہے اور صاحب مشکاۃ نے اسے ابو داؤد کی طرف منسوب کی ہے مگر ابو داؤد کے کسی نسخہ میں یہ حدیث ان الفاظ سے نہیں ہے۔ اس میں کچھ اور الفاظ سے ہے۔ زیت مدینہ میں ایک مقام کا نام ہے جس کے بارے میں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آیا تھا جب اس نے مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ اور یہ مدینہ کے مغربی سمت میں ہے۔ اپنے خاندان سے ملنے کا مطلب ہے فتنہ سے اجتناب کرو۔ یا مقصد ہے کہ اپنے اس امام سے مل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاؤ جس کی بیعت کی ہے۔ (رشید رضا)

خوارج کے بارے میں روایات:

بخاری میں ابن المسیب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ پہلا فتنہ عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل تھا۔ جبکہ اصحاب بدر میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ دوسرا فتنہ حرہ کا واقعہ تھا جس کی وجہ سے حدیبیہ اور احد والوں میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ پھر تیسرا فتنہ واقع ہوا اور پھر وہ ختم نہیں ہوا۔

یہ روایات اور دیگر جو اس بیان پر مشتمل ہیں۔ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ فتنے مدینہ میں بھی واقع ہوئے اگر فتنوں کا واقع ہونا وہاں کے تمام رہنے والوں کیلئے باعث مذمت تھا تو اہل مدینہ کے بارے میں یہ بات ہرگز نہیں کہی جاسکتی کیونکہ یہ بات کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مکہ اور مدینہ والے اہل شرک و کافر تھے جبکہ ان سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے۔ جبکہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہر بستی اور ہر شہر میں کوئی نہ کوئی فتنہ ضرور رہا ہے۔ تو کیا کوئی مومن یہ جرات کر سکتا ہے کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کی مذمت کرے؟ ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ فلاں شخص میں شرک، بدعت، ظلم کا فتنہ ہے۔ صرف کسی شخص کا کسی ایسے علاقہ میں پیدا ہونا جہاں فتنے ہوں اس بات کی دلیل نہیں کہ ہر شخص کی مذمت کی جائے۔ خاص طور پر جبکہ وہ فتنوں کو مٹا رہا ہو اور سنتوں کو زندہ کر رہا ہو۔ یہ قابل مذمت شخص نہیں بلکہ قابل تعریف ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ اولیٰ وہ شخص ہے جو صاحب تقویٰ ہو خواہ کوئی ہو اور کہیں بھی ہو۔ اس پر دلیل امام احمد رحمہ اللہ کی حدیث جو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جب انہیں آپ ﷺ نے یمن بھیجا تو آپ ﷺ ان کے ساتھ نکلے اور آپ ﷺ نے نصیحتیں شروع کر دیں معاذ رضی اللہ عنہ سواری پر تھے جبکہ آپ ﷺ پیدل چل رہے تھے جب آپ ﷺ نصیحتوں سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ رضی اللہ عنہ شاید اس سال کے بعد تم سے میری دوبارہ ملاقات نہ ہو اور شاید تم میری قبر کے پاس گزرو جو میری مسجد میں ملحق ہو گی تو معاذ رضی اللہ عنہ رو پڑے آپ کی ہچکیاں بندھ گئیں نبی علیہ السلام کی جدائی کی وجہ سے اسکے بعد آپ ﷺ مدینہ کی طرف منہ کر کے کہنے لگے میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل عزت وہ لوگ ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں خواہ جو ہوں اور جہاں ہوں۔

خوارج کے بارے میں احادیث اور انکی علامات:

شیخ دحلان: نبی علیہ السلام کا فرمان ہے مشرق کی طرف سے کچھ لوگ نکلیں گے وہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا۔ دین سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ دین میں واپس نہیں آئیں گے جیسے تیر واپس نہیں آتا انکی علامت گنجا ہونا ہے۔

شیخ بشیر: بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیث روایت کی ہے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا مشرق سے لوگ نکلیں گے قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا۔ دین سے ایسے نکلیں جائیں گے جیسے تیر کمان سے وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واپس نہیں آئیں گے۔ جیسے تیر واپس نہیں آتا۔ کہا گیا ان کی علامت کیا ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا گنجا ہونا۔ مؤلف نے جو روایت بیان کی ہے اس میں ثم یعودون بھی نہیں ہے اور قیل ماسیاھم بھی نہیں ہے۔

مسلم رحمہ اللہ کی روایت ہے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے ایک قوم کا ذکر کیا جو آپ کی امت میں آئے گی ان میں ایک فرقہ پیدا ہوگا اسکی علامت گنجا ہونا ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ مخلوق میں بدترین لوگ ہوں گے۔ حق پر قائم ایک جماعت انہیں قتل کرے گی۔ آپ ﷺ نے انکی مثال یوں بیان کی کہ ایک شخص تیر پھنکتا ہے پھر اسکو دیکھتا ہے تو اسمیں خون کا نشان کہیں نہیں دیکھتا نہ تیر کے ابتدائی حصہ پر اور نہ اوپر والے حصہ پر ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے تھے اے اہل عراق تم نے ان کو قتل کیا۔

ایک اور روایت میں ہے جو سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے روایت کی مشرق سے ایک قوم آئے گی جنکے سر گنجے ہوں گے۔

ابو داؤد کی روایت ابو سعید رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب میری امت میں اختلاف پیدا ہوگا اور ایک فرقہ پیدا ہوگا (جس کے افراد) گفتگو اور اعمال بڑے اچھے کریں گے قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ یہ دنیا کی بدترین مخلوق ہوگی۔ خوشخبری ہے ان لوگوں کیلئے جو ان کو قتل کرے گا۔ یا جنہیں یہ قتل کریں گے۔ یہ لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف دعوت دینگے مگر ان کی دعوت کتاب اللہ کی طرف نہیں ہوگی۔ جو ان سے قتال کرے گا وہ اللہ کے نزدیک بڑا معزز ہے۔ صحابہ نے کہا ان کی کیا علامت ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا بالوں کو مکمل طور پر اچھی طرح مونڈھنا۔ بعض نے کہا کہ پراگندہ بال ہوں گے جب تم انہیں دیکھو تو انہیں ختم کردو۔

نسائی نے شریک بن شہاب سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں چاہتا تھا کہ خوارج کے بارے میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے پوچھوں۔ تو عید کے دن صحابہ کے مجمع میں ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو میں نے پوچھا کیا آپ نے اللہ کے رسول ﷺ سے خوارج کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں میں نے اپنے کانوں سے سنا اپنی آنکھوں سے فرماتے ہوئے دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس کچھ مال آیا اور آپ ﷺ تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے جو آپکے دائیں بائیں لوگ بیٹھے تھے۔ ان کو دیدیا اور جو آپکے پیچھے تھے انہیں کچھ نہیں دیا۔ تو ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا اے محمد ﷺ آپ نے تقسیم میں عدل نہیں کیا۔ کالے رنگ گنجے سر کا تھا اور اس پر دو سفید کپڑے تھے۔ تو آپ ﷺ شدید غصے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے کہا اللہ کی قسم تم میرے بعد کسی کو مجھ سے زیادہ عدل کرنے والا نہیں پاؤ گے۔ پھر فرمایا آخر زمانہ میں ایک قوم آئے گی اس شخص جیسی وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ ان کی علامت یہ ہوگی وہ سر کے گنجے ہونگے۔ وہ آتے رہیں گے ان کا آخری شخص مسیح الدجال کے ساتھ نکلے گا۔ جب تم ان سے ملو تو انہیں قتل کردو کیونکہ یہ بدترین مخلوق ہوں گے۔

ابن ماجہ کی روایت میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے آپ ﷺ نے فرمایا آخر زمانے میں ایک قوم نکلے گی یا یہ کہا کہ اس امت میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا اگر تم سے ملاقات ہو تو ان کو قتل کر دو۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کہا کہ نبی علیہ السلام نے خوارج کی اور بھی علامات بیان کی ہیں۔ معبد بن سیرین کی روایت میں ہے کہ ان کی علامت یہ ہو گی آپ ﷺ نے فرمایا سر گنجا ہونا۔ عاصم بن سمیع کی ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا اے اللہ کے نبی ﷺ کیا اس قوم کی کوئی علامت بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ اپنے سر منڈواتے ہوں گے۔ اور ان میں ایک شخص ہو گا سینہ ابھرا ہوا ہو گا۔ انس رضی اللہ عنہ کی روایت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے یوں ہے وہ ہمارے جیسے ہوں گے۔ ہماری زبان بولتے ہوں گے۔ آپ ﷺ سے پوچھا ان کی علامت کیا ہو گی؟ آپ ﷺ فرمایا گنجا ہونا۔ اخرجہ الطبرانی

یہ وہ روایات ہیں جن کا مجھے علم ہو سکا ہے۔ جس میں گنجا سر ہونا مذکور ہے۔ اس کے علاوہ مؤلف نے جو الفاظ نقل کیے وہ ان میں نہیں ہیں۔ شاید یہ بھی مؤلف کی غلطی اور وہم ہے۔

شیخ دحلان: نبی علیہ السلام کا فرمان ہے میری امت میں اختلاف اور ایک فرقہ پیدا ہو گا ایسی قوم جو گفتگو عمدہ کریں گے اعمال برے کریں گے۔

شیخ بشیر: جیسا کہ سابقہ آپ جان چکے جو حدیث ابو داؤد نے بیان کی ہے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس میں مؤلف نے کئی غلطیاں کی ہیں۔

1 انہوں لفظ "ایمانہم" زیادہ بیان کیا ہے۔

2 لفظ "یعود" یرتد کی جگہ بیان کر دیا۔

3 لفظ "السہم" زیادہ کر دیا۔

4 لفظ "علیٰ" کی جگہ الیٰ زیادہ کر دیا۔

5 انہوں نے "لمن قتلہم او قتلوہ" کہا ہے جبکہ ابو داؤد میں اصل عبارت یوں ہے۔ "لمن قتلہم و قتلوہ" اس کا معنی ہے خوشخبری ہے اس کیلئے جو ان کو قتل کرے گا۔ اور یہ جن کو قتل کریں گے۔ جبکہ لفظ "او" کی وجہ سے حدیث میں شک پیدا ہو گیا کہ آپ ﷺ نے لمن قتلہم جو ان کو قتل کرے گا کہا یا یہ کہا جن کو یہ قتل کر دیں۔

شیخ دحلان: آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب آخری زمانہ میں ایک قوم آئے گی۔ نو عمر بے وقوف، وہ مخلوق میں سب سے بہتر باتیں کریں گے۔

شیخ بشیر: یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے بخاری نے روایت کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا جب میں تمہارے سامنے اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث بیان کروں تو اللہ کی قسم میری لیے جھوٹ بولنے سے بہتر ہے کہ میں آسمان سے گر جاؤں اور جب ہماری اور تمہاری آپس کی گفتگو ہو تو جنگ میں دھوکا دینا جائز ہے۔ میں نے آپ ﷺ سے سنا "آخر زمانے میں ایک قوم نکلے گی جو نو عمر بے وقوف ہوں گے۔ اور وہ مخلوق میں سب اچھی بات کریں گے۔ ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا۔ دین سے وہ ایسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے۔ تو تم انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو۔ اس لیے کہ قیامت کے دن ان کو قتل کرنے والے کو کا اجر دیا جائے گا۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں "آخری زمانہ میں ایک قوم آئے گی نو عمر بڑی عقل لوگوں میں سب سے عمدہ گفتگو کریں گے اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ ان کا ایمان ان کے حلق سے آگے نہیں جاسکے گا۔ تم جہاں ان کو پاؤ قتل کر دو۔ اس لیے ان کو قتل کرنا بھی قیامت کے دن اجر کا باعث ہو گا۔

مسلم کی روایت ہے کہ آخری زمانہ میں ایک قوم آئے گی جو نو عمر لوگوں اور نا سمجھ لوگوں پر مشتمل ہو گی دنیا کی بہترین گفتگو کریں گے قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا۔ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔ اگر تم ان سے ملو تو ان کو قتل کر دو۔ اس لیے کہ ان کا قتل کرنا اللہ کے نزدیک باعث اجر ہے۔ قیامت کے دن۔ ابو اوٗد کے الفاظ یوں ہیں۔ آخر زمانہ ایک قوم آئے گی نو عمر بے عقل دنیا کے سب لوگوں سے بہتر بات کریں گے۔ اسلام سے یسے نکال جائیگے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ ان کا ایمان ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا۔ جہاں بھی پاؤ قتل کر دو۔ اس لیے کہ ان کا قتل کرنا قیامت میں اجر کا باعث ہے۔ نسائی نے یوں بیان کیا کہ آپ ﷺ فرماتے تھے آخر زمانہ میں ایک قوم آئے گی نو عمر بے وقوف۔ لوگوں میں سب سے بہتر بات کریں گے۔ ان کے ایمان ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھیں گے دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ جب تم ان سے ملو تو قتل کر دو۔ کیونکہ انہیں قتل کرنا قیامت میں اجر کا باعث ہے۔

ترمذی میں یوں الفاظ ہیں آخر زمانہ میں ایک قوم آئے گی نو عمر بے سمجھ۔ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

ابن ماجہ کے الفاظ یوں ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا آخری زمانہ میں ایک قوم آئے گی نو عمر بے سمجھ لوگوں پر مشتمل لوگوں میں سے سب سے زیادہ بہتر گفتگو کرنے والے۔ قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا۔ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔ جو ان سے ملے ان کو قتل کر دے ان کا قتل اللہ کے ہاں اجر کا ذریعہ ہے۔

مؤلف نے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ ان تمام روایات سے موافقت نہیں کرتے پہلی روایت بخاری کی ہے اور بخاری کے الفاظ یوں ہیں "سیخرج قوم فی آخر الزمان" مگر مؤلف نے "سخرج فی آخر الزمان قوم" نقل کیے ہیں جبکہ بخاری میں ہے "حداث الاسنان" جبکہ مؤلف نے "احداث الاسنان" کہا ہے۔ بخاری میں "یقولون من خیر قول البریۃ" کے الفاظ ہیں جبکہ مؤلف نے "یقولون قول خیر البریۃ" نقل کیے ہیں مزید انہوں نے "یقرؤن القرآن" کے الفاظ زائد کیے ہیں جبکہ اس روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور "ایمانہم" کے الفاظ حذف کر دیئے ہیں جبکہ اس روایت کے الفاظ یوں ہیں "لا یجاوز ایمانھم حنا جرھم" روایت کے الفاظ یوں ہیں "فاینما لقیتموھم" جبکہ مؤلف نے "فاذا لقیتموھم" کہا جبکہ مؤلف نے "عند اللہ" کے الفاظ زائد ذکر کر دیئے جبکہ روایت کے الفاظ یوں ہیں "لمن قتلھم یوم القیامۃ"

دوسری روایت میں مؤلف نے مختلف الفاظ بیان کر دیئے ہیں کیونکہ روایت کے الفاظ ہیں "یاتی فی آخر الزمان قوم" مؤلف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے کہا "سیخرج فی آخر الزمان قوم" روایت میں "حدثاء الاسنان" کے الفاظ ہیں جبکہ مؤلف نے "حداث الاسنان" کہا روایت میں "یقولون من خیر قول البریة" ہے جبکہ مؤلف نے "یقولون قول خیرالبریة" کہا مؤلف نے "یقرؤن القرآن" کے الفاظ بڑھادیئے کیونکہ اس روایت میں یہ الفاظ موجود ہی نہیں ہیں۔ روایت میں یمرقون من الاسلام کے الفاظ پہلے ہیں اور ایمانھم لایجاوز حنا جرھم بعد میں ہے جبکہ مؤلف نے اس کو برعکس بیان کیا ہے۔ اسی طرح روایت کے الفاظ ہیں۔ یمرقون من الاسلام جبکہ مؤلف نے یمرقون من الدین کہا ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں فافیا لقیتموھم۔ مؤلف نے لکھا ہے فاذالقیتموھم۔ اسی طرح مؤلف نے۔ عنداللہ کا لفظ بھی اضافہ کیا ہے۔ جبکہ روایت میں یہ نہیں ہے۔

ابو داؤد کی روایت بالکل بخاری کے مطابق ہے نسائی کی روایت مؤلف کے برخلاف ہے کیونکہ اسمیں ہے "یخرج قوم فی آخرالزمان" جبکہ مؤلف نے کہا "یخرج فی آخر الزمان" روایت میں "یقولون من خیر قول البریہ" ہے مؤلف نے "یقولون قول خیر البریة" کہا ہے جبکہ یہ الفاظ زائد کہے "یقرؤن القرآن" جبکہ "ایمانھم" حذف کر دیئے روایت یوں ہے "فان قتلھم اجر" مؤلف نے کہا "فان فی قتلھم اجرا" جبکہ "عنداللہ" کے لفظ زائد ہیں۔

ترمذی کی روایت بھی مؤلف کی بیان کردہ روایت کے خلاف ہے کیونکہ ترمذی میں روایت یوں ہے "یخرج فی آخر الزمان" جبکہ مؤلف نے کہا "سیخرج" جبکہ روایت میں ہے "یقرءون القرآن لا یجاوز تراقیھم" یقولون من قول خیر البریہ کے الفاظ سے پہلے ہیں مؤلف نے اسکے برعکس نقل کیا ہے روایت میں "تراقیھم" مؤلف نے "حناجرھم" نقل کیا۔ روایت میں "یقولون من قول خیر البریہ" ہے مؤلف نے "یقولون قول خیرالبریہ" نقل کیا ہے جبکہ "فاذالقیتموھم" کے الفاظ ترمذی میں نہیں ہیں۔

ابن ماجہ کی روایت بھی مؤلف کی روایت کے خلاف ہے کیونکہ روایت میں "یخرج" مؤلف نے کہا "سیخرج" روایت میں "یقولون من خیر قول الناس" ہے جبکہ مؤلف نے "یقولون قول خیر البریہ" کہا ہے روایت میں "تراقیھم" ہے مؤلف نے "حناجرھم" کہا ہے روایت میں ہے "یمرقون من الاسلام" مؤلف نے "یمرقون من الدین" کہا۔ روایت میں ہے "فمن لقیھم فلیقتلھم" مؤلف نے "فاذالقیتوھم فاقتلوھم" نقل کیا ہے روایت میں ہے "فان قتلھم اجر عنداللہ لمن قتلھم" جبکہ مؤلف نے کہا "فان فی قتلھم اجرا لمن قتلھم عنداللہ یوم القیامة"

شیخ دحلان: آپ ﷺ کا قول ہے "میری امت کے لوگ ہوں گے انکی نشانی گنجا ہونا ہے قرآن پڑھیں گے۔ وہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا۔ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے یہ بدترین لوگ ہیں"۔

شیخ بشیر: میں نے پوری صحاح ستہ، سنن دارمی، موطا، مسند بزار میں یہ روایت تلاش کی۔ مگر مجھے یہ روایت ان الفاظ سے کہیں نہیں ملی۔ پس مدعی کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسکی صحت اور تخریج واضح کرے اور پھر اپنے دعویٰ کو ثابت کرے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: آپ ﷺ کا قول ہے "مشرق سے لوگ نکلیں گے قرآن پڑھیں گے وہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ پھر واپس نہیں آتا ایسے یہی واپس نہیں آئیں گے ان کی نشانی گنجا سر ہے"۔

شیخ بشیر: اس کے الفاظ قریب ہیں بخاری کی روایت کے جو کتاب التوحید کے آخر میں بیان کی ہے۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے پہلے گزر گئی ہے لیکن اسکے الفاظ بعینہ وہی نہیں ہیں اس لیے کہ روایت میں ہے کہ "من قبل المشرق" جبکہ مؤلف نے "قبل" کا لفظ ساقط کر دیا جبکہ روایت میں "یقرؤن القرآن" واؤ کے ساتھ مؤلف نے اسکو حذف کر دیا۔ روایت میں ہے "لایعودون فیه" مؤلف نے "ثم" لفظ ذکر نہیں کیا جبکہ روایت میں ہے "قیل ماسیما هم قال" مؤلف نے یہ نہیں ذکر کیا اور یہ حدیث باقی دو احادیث کے قریب جس کو مؤلف نے ذکر کیا ہے مگر اس میں "قیل" کے الفاظ اور "یقرؤن" کا واؤ نہیں ہے۔

مؤلف پر ضروری ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی تخریج کریں دوسری اور چھٹی روایت کی اور دونوں میں جو فرق ہے اس کو بھی واضح کریں اور انکی صحت بھی واضح کریں۔

دیہاتیوں کے بارے میں روایات:

شیخ دحلان: آپ ﷺ کا قول ہے "اصل کفر مشرق کی جانب سے آئیگا فخر تکبر گھوڑے اور اونٹ والوں میں ہے"۔

شیخ بشیر: وہ حدیث جسے بخاری مسلم نے روایت کیا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مکمل حدیث اس طرح ہے اونٹ والوں میں تکبر ہے جبکہ بکریوں والوں میں سکون واطمینان ہے۔

شیخ دحلان: آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "یہاں سے فتنے نکلیں گے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔

شیخ بشیر: یہ روایت بخاری نے بیان کی ہے مناقب میں ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مگر اسمیں ہے "اشار نحو المشرق" جو پہلے گزر چکی ہے۔

شیخ دحلان: آپ ﷺ کا فرمان ہے دلوں کی سختی بد مزاجی مشرق میں ہے ایمان حجاز والوں میں ہے۔

شیخ بشیر: مسلم نے بیان کیا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے جیسا کہ گزر چکا مگر مؤلف نے "بالمشرق" لکھا ہے جبکہ مسلم میں "فی المشرق" ہے جبکہ زوائد مسند بزار میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا دلوں کی سختی، بد مزاجی اہل مشرق میں ہے۔ ایمان یمن میں ہے جبکہ سکون اہل حجاز میں ہے۔

مسلم نے یہی روایت بیان کی ہے سوائے "والسکینة فی اهل الحجاز" سکون اہل حجاز میں ہے کے الفاظ کے علاوہ اس میں ابن ابی الزناد راوی ہے جس میں اختلاف ہے اور باقی رجال صحیح ہیں۔

شیخ دحلان: آپ ﷺ کا قول ہے "اے اللہ ہمارے شام میں برکتیں نازل فرما ہمارے یمن میں برکتیں نازل فرما تو لوگوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے کہا ہمارے نجد میں الخ"

شیخ بشیر: بخاری نے روایت کی ہے استسقاء کے ابواب میں "باب قیل فی الزلازل والآیات" زلزلوں اور قیامت کی نشانیوں کے بارے میں باب۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "اے اللہ ہمارے شام میں برکت نازل فرما اور ہمارے یمن میں برکت نازل فرما تو لوگوں نے کہا ہمارے نجد میں بھی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ ہمارے شام میں برکت نازل فرما اور ہمارے یمن میں برکت نازل فرما تو لوگوں نے کہا ہمارے نجد میں تو آپ ﷺ نے فرمایا وہاں زلزلے اور فتنے آئیں گے اور وہاں شیطانی سینگ طلوع ہو گا"۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت "اللهم بارك لنا فی شامنا" اس میں ہے "قالو اوفی نجدنا قال هناك الزلازل والفتن" ان روایات میں اسی طرح ہے جو ہم تک پہنچی ہیں موقوف کی صورت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی ﷺ کا ذکر نہیں کیا۔ قابسی کہتے ہیں نبی علیہ السلام کا ذکر نسخوں سے ساقط ہو گیا ہے حالانکہ وہ ضروری ہے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جیسا شخص اپنی طرف سے ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

یہی روایت الحسین بن الحسن النصری من آل مالک بن یسار عن عبداللہ بن عون عن نافع سے مروی ہے اور ازہر السمان عن ابن عون نے صراحت کے ساتھ نبی علیہ السلام کا ذکر کیا ہے جیسا کہ کتاب الفتن میں آئے گا وہاں اس پر گفتگو بھی ہو گی۔

کتاب الفتن میں یہ روایت ذکر کی گئی ہے اسکے الفاظ یوں:

"حدثنا علی بن عبداللہ حدثنا ازهر بن سعد عن ابن عون عن نافع ---------- عن ابن عمر قال ذکر النبی

ﷺ الخ"

ترجمہ

"اے اللہ ہمارے شام میں برکت نازل فرما یمن میں برکت نازل فرما تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے نجد میں تو آپ ﷺ نے کہا اے اللہ ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں برکت نازل فرما تو کہا ہمارے نجد میں یا رسول اللہ ﷺ راوی کہتے ہیں شاید تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے کہا وہاں زلزلے فتنے ہوں گے وہاں قرن الشیطان طلوع ہو گا"۔

شام، یمن، نجد و حجاز کے بارے میں احادیث:

حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے اسی طرح کی روایت عن علی بن عبداللہ عن ازہر السمان مروی ہے ترمذی نے بشر بن آدم ابن بنت ازہر حدثنی جدی ازہر بھذٰ السند ان رسول اللہ ﷺ قال۔ اسی جیسی روایت اسماعیلی من روایتہ احمد بن ابراہیم الدورقی عن ازہر۔ اسی طرح عبیداللہ بن عبداللہ بن عون عن ابیہ اسی جیسی روایت استسقاء میں ابن عون کی روایت دوسری طرح گزر چکی ہے جو کہ موقوف ہے میں نے یہاں مختلف سندیں ذکر کر دی ہیں۔

مجمع الزوائد میں کہا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت نازل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا تو ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے مشرق میں تو آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ ہمارے شام میں یمن میں برکت نازل فرما ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اور ہمارے مشرق میں بھی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہاں ایسی جگہ ہے جہاں شیطان کے سینگ طلوع ہو گا اور وہاں کفار کی نو جماعتیں ہونگی اور وہاں تباہ کن بیماری پیدا ہو گی۔

طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اسکے الفاظ وہی ہیں۔ احمد نے کے الفاظ یوں ہیں بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اے اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت نازل فرما (دو مرتبہ) ایک شخص نے کہا ہمارے مشرق میں یا رسول اللہ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہاں ایک ایسی جگہ ہے جہاں شیطان کا سینگ طلوع ہو گا اور شرک کی نو جماعتیں ہونگی۔ احمد کے رجال صحیح ہیں سوائے عبد الرحمن بن عطار وہ ثقہ ہیں اگرچہ ان میں کچھ اختلاف ہے جو مضر نہیں ہے۔

موطا امام مالک رحمہ اللہ میں ہے کہ عمر بن خطاب نے عراق کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو کعب الاحبار نے کہا اے امیر المومنین وہاں نہ جائیں اس لیے کہ وہاں نو جادو گر جماعتیں ہیں اور فاسق جنات ہیں اور وہاں تباہ کن بیماری ہے۔

قرن الشیطان کے مشرق سے نکلنے کی روایات:

شیخ دحلان: آپ ﷺ کا فرمان ہے مشرق سے لوگ نکلیں گے وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا۔ جب ایک قرن الشیطان ختم ہو گا دوسرا پیدا ہو جائے گا حتیٰ کہ آخری قرن الشیطان (شیطانی سینگ) مسیح الدجال کے ساتھ آئیگا۔

شیخ بشیر: ان الفاظ کی روایت مجھے نہیں مل سکی البتہ اسی معنیٰ کی ایک روایت نسائی میں ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے اسی طرح ابن ماجہ نے اسی معنیٰ کی حدیث روایت کی ہے جس کے الفاظ یوں ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک جماعت پیدا ہو گی جو قرآن پڑھے گی مگر قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا جب بھی کوئی قرن الشیطان نکلے گا قطع ہو جائے گا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا جب بھی کوئی قرن نکلے گا تو قطع ہو جائے گا بیس سے زیادہ مرتبہ حتیٰ کہ ان کے آخر میں دجال نکلے گا۔

مجمع الزوائد میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے سنا وہ فرماتے تھے مشرق سے لوگ نکلیں گے قرآن پڑھیں گے وہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا جب بھی کوئی قرن قطع ہو گا دوسرا قرن پیدا ہو جائے گا یہاں تک کہ ان کے باقیوں کے ساتھ دجال ہو گا۔ (طبرانی اسنادہ حسن)

یہ سب روایات صحت کے درجہ کو نہیں پہنچتیں ابو برزہ کی روایت میں شریک بن شہاب مجہول ہے نسائی نے کہا شریک بن شہاب اس بارے میں مشہور نہیں ہے۔ امام ذہبی نے میزان میں کہا شریک بن شہاب ابو برزہ سے معروف نہیں ہے مگر ازرق بن قیس اس سے روایت کرتے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر کا التقریب میں مقبول کہنا صحت کا متقضی نہیں ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت چونکہ اسمیں ہشام بن عمار ہے جو بوڑھا ہو گیا تھا اور تلقین کرتا تھا امام ذہبی فرماتے ہیں صدوق یعنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سچا ہے مگر اسکی کثرت سے روایات منکر ہیں اس نے چار سو روایات بیان کیں جنکی کوئی اصل نہیں ہے اگرچہ ایک جماعت نے اسکی توثیق کی ہے مگر ہم اس کو صحیح تسلیم نہیں کرتے کیونکہ وہ ہمیں متفرد موصول ہوئی ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت اگرچہ حسن ہے جیسا کہ ھیثمی نے کہا چنانچہ کسی حدیث کی سند حسن ہو تو اسکا یہ مقصد نہیں کہ حدیث بھی حسن ہے چہ جائیکہ اسکو صحیح سمجھا جائے بلکہ اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ روایت محدثین کے اصول کے مطابق صرف سند احسن ہے نہ کہ لفظ ومعنی۔

اس بات کی وضاحت کہ مشرق فتنوں کی آماجگاہ ہے:

ہماری یہ ساری گفتگو احادیث کی تخریج سے متعلق تھی اب ہم مؤلف کے اس دعوٰی کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ ان احادیث کے مصداق محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین تھے۔

مشرق کا فتنوں کا مرکز ہونے کا سبب:

حافظ نے فتح الباری میں "راس الکفر نحو المشرق" کے تحت کہا کہ اس میں اشارہ ہے مجوس کے سخت کفر کی طرف اس لیے کہ ایرانی مملکت اور ان کے متبعین عرب مدینہ کی طرف سے مشرق میں پڑتے تھے اور یہ لوگ طاقت وقوت کی وجہ سے انتہائی متکبر تھے یہاں تک کہ ان کے بادشاہ نے آپ ﷺ کا خط پھاڑ دیا تھا اس کا بیان آگے آئیگا تو فتنے مسلسل مشرق سے پھیلتے رہے۔

حافظ نے فتح میں "ھل ترون ما اری" (کیا تم وہ دیکھتے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں) کے تحت لکھا ہے اس بات کیلئے مدینہ کو خاص اس لیے کیا کیونکہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ میں ہوا تھا اس کے بعد فتنے باقی شہروں میں پھیلے اور جنگ صفین وجمل کا سبب بھی قتل عثمان رضی اللہ عنہ تھا اور باقی قتال بھی اسی زمانہ میں ہوئے۔ جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ لوگ آپ کی خلافت اور آپکے امراء پر سخت تنقید کرتے تھے اور اسکی ابتداء بھی عراق سے ہوئی جو کہ مشرق میں واقع ہے لہذا احادیث الباب اور آنے والی حدیث "فتنہ مشرق سے آئیگا" میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

خطابی فرماتے ہیں نجد بھی مشرق کی سمت میں واقع ہے جو شخص مدینہ میں ہو تو اسکا نجد عراق کی بستیاں پڑیں گی اور یہی اہل مدینہ کا مشرق بنتا ہے۔ لغت میں نجد اونچی جگہ کو کہتے ہیں یہ الغور کی ضد ہے جسکا معنی ہے پست جگہ تہامہ سارا غور کہلاتا ہے جبکہ مکہ بھی تہامہ میں شامل ہے تو اس سے پتہ چلا اودی نے جو یہ کہا کہ نجد ایک مخصوص جگہ ہے بالکل غلط ہے بلکہ ہر وہ جگہ جو بلند ہو اسکو نجد اور اسکے مقابلہ میں جو نیچے ہو اسکو الغور کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا (خوارج کے قتل کا باب) اور اس کی اصلی وجہ یہ تھی کہ اہل عراق نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض رشتہ داروں کے کردار وعمل پر اعتراض کر دیا تو ان کی وجہ سے انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ پر تنقید کی اور جن لوگوں نے تنقید کی تھی وہ کثرت تلاوت وعبادت کی وجہ سے قراء کہلاتے تھے۔ مگر وہ قرآن میں تاویلات کرتے اور قرآن کی جو مراد ہوتی اسکو بدل دیتے تھے اپنی رائے لوگوں پر زبردستی مسلط کرتے تھے۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے تو ان لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملکر قتال کیا اور یہ عقیدہ رکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کافر تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا عقیدہ اپنایا اور ان کے خلاف جب لوگوں نے جنگ جمل میں شرکت کی ان سب کو کافر قرار دیا۔ جن کے رئیس طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ تھے بعد میں دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے مکہ چلے گئے وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی سال حج کرنے روانہ ہوئیں انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا بدلہ مانگا جائے چنانچہ یہ بصرہ چلے گئے لوگوں کو عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے پر آمادہ کرتے رہے جب یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہ انکی طرف نکلے اور وہ مشہور جنگ جمل واقع ہوگئی اس معرکہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فتح ملی طلحہ رضی اللہ عنہ اس معرکہ میں قتل کر دیئے گئے اور زبیر رضی اللہ عنہ بھی جب اس واقعہ کے بعد واپس جارہے تھے قتل کر دیئے گئے یہ جماعت تھی جو عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بدلے کا مطالبہ کرتی تھی پھر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی کام کیلئے کمربستہ ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ ان دنوں شام کے امیر اور بنو امیہ کے سردار تھے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا قصاص لینے کے لیے بنو امیہ کی طرف سے ذمہ دار مقرر کیے گئے تھے۔ علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اہل شام سے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت لیں مگر انہوں نے کہا عثمان رضی اللہ عنہ کو ظلماً شہید کر دیا گیا ہے چنانچہ سب سے پہلے ان کا قصاص لیا جائے اور وہ (علی رضی اللہ عنہ) یہ بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہیں پھر اہل شام انکی بیعت کریں گے جبکہ علی رضی اللہ عنہ ان کو کہتے رہے کہ تم بھی باقی لوگوں کی طرح بیعت کر لو اور یہ فیصلہ ان لوگوں کے پاس پیش کر دو جو سب سے زیادہ حق کا فیصلہ کریں مگر جب معاملہ طول اختیار کر گیا تو علی رضی اللہ عنہ اہل شام سے قتال کیلئے عراق تشریف لے گئے۔ جس رات جنگ کا یہ واقعہ پیش آیا اس رات دونوں فریقوں یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ کے درمیان قعقاع رضی اللہ عنہ کے ذریعے مفاہمت ہوگئی تھی اور فریقین کے افراد ایک دوسرے کے ہاں ساتھ رہے۔ جب قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو یقین ہوگیا کہ یہ صلح ہمارے خون اور گردنوں کی بنیاد پر ہوگی (یعنی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر دونوں فریق متفق ہوں گے) تو انہوں نے فتنہ بھڑکا دیا اور دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو کہا کہ فریق مخالف تم پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس طرح ہر فریق نے اپنے دفاع کے لیے ہتھیار اٹھائے اور جنگ بھڑک اٹھی۔ دونوں فریق یہ نہ جان سکے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ جنگ بھڑکائی ہے۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اہل شام کو لیکر ان کے خلاف لڑنے کیلئے نکلے صفین میں ان کا آمنا سامنا ہوا اور ایک مہینہ جنگ ہوتی رہی جب اہل شام کو شکست نظر آنے لگی تو انہوں نے قرآن مجید نیزوں پر اٹھا دیئے اور باآواز بلند کہا ہم تمہیں کتاب اللہ کی طرف بلاتے ہیں اس بات کا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت سے ساتھیوں نے جنگ ترک کر دی چنانچہ اہل شام نے اور اہل عراق نے باہمی مراسلہ کیا کہ ایک حاکم ہماری طرف سے اور دوسرا تمہاری طرف سے مقرر ہو اور ان لوگوں کے پاس اپنا فیصلہ لے جائیں جو اس جنگ میں شریک نہیں ہیں جس کو وہ حق پر سمجھیں گے اسکی اطاعت قبول کر لی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیا مگر اس جماعت نے انکار کر دیا جو قراء کے نام سے مشہور تھے اور جنکی دینداری کی وجہ سے جنگ شروع ہوئی تھی اور انہوں نے اپنے انکار کی دلیل یہ دی کہ اللہ کہتا ہے "کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا اور ان کو کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ ان کا فیصلہ کیا جائے"

ان کے انکار کی وجہ سے ان کو خوارج قرار دیا گیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک معاہدہ لکھا گیا جو یہ تھا:

یہ وہ معاہدہ ہے جس کو فیصلہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے اہل شام نے کہا کہ ان کا اور ان کے والد کا نام لکھو علی رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیا مگر خوارج نے اسکا انکار کر دیا اسکے بعد دونوں فریقین اس شرط پر علیحدہ ہو گئے کہ کچھ دنوں کے بعد وہ فیصلہ کرنے والے آئیں گے اور عراق اور شام کے درمیان کسی جگہ اور دن کا تعین کر لیا اور طے کیا کہ جب تک فیصلہ نہ ہو جائے دونوں لشکر چلے جائیں لہٰذا معاویہ رضی اللہ عنہ شام چلے گئے اور جناب علی رضی اللہ عنہ کوفہ مگر خوارج علی رضی اللہ عنہ سے جدا ہو گئے انکی تعداد آٹھ ہزار تھی بعض نے کہا دس ہزار سے زائد تھے بعض نے چھ ہزار کہا، یہ حروراء نامی جگہ چلے گئے اسی بناء پر ان لوگوں کو حروریہ کہا جاتا ہے ان کے سربراہ کا نام عبداللہ بن الکواء تھا ان کے پاس علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور واپس آجانے پر آمادہ کیا تو ان میں سے اکثر واپس لوٹ آئے علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے انکی اطاعت قبول کر لی یہ کوفہ میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ بھی تھا پھر انہوں نے یہ بات مشہور کرنا شروع کر دی کہ علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ سے رجوع کر لیا ہے اسی لیے یہ واپس آئے ہیں یہ بات علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور اسمیں اسکی تردید کی تو انہوں نے بلند آواز میں یہ کہنا شروع کر دیا "لا حکم الا اللہ" (فیصلہ کرنا صرف اللہ کا حق ہے) تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا "کلمہ حق ارید بہا الباطل" (بات حق ہے مگر اس سے مراد باطل لی گئی ہے) تو علی رضی اللہ عنہ نے ان کو کہا ہم تین سہولتیں دے رہے ہیں۔

1 ہم تم کو مسجد سے نہیں روکیں گے

2 اور مال فئی میں سے تمہارا حصہ ملے گا

3 ہم تم سے اس وقت تک قتال نہیں کرینگے جب تک تم خود فساد نہیں شروع کر دو گے۔

پھر یہ آہستہ آہستہ یہاں سے نکلنا شروع ہو گئے اور مدائن میں جمع ہونا شروع ہو گئے تو انہیں خطوط کے ذریعے علی رضی اللہ عنہ نے بلانے کی کوشش کی مگر انہوں نے انکار کر دیا اور کہا ہم ایک شرط پر واپس آئیں گے کہ پہلے آپ رضی اللہ عنہ یہ تسلیم کریں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر فیصلہ کر کے کفر کا ارتکاب کیا تھا اب توبہ کریں

خوارج کے خروج کا خلاصہ اور علی رضی اللہ عنہ کا ان کو مارنا:

پھر خطوط کا تبادلہ ہوا تو انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے قاصد کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی پھر ان لوگوں نے اجتماعی طور پر یہ طے کیا کہ جو ان کے عقائد تسلیم نہیں کریگا اسکو کافر سمجھا جائے گا اور اسکا خون، مال، اہل مباح سمجھے جائیں گے یہ عقیدہ لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا جن لوگوں نے اس کا انکار کر دیا انہیں قتل کرنا شروع کر دیا ایک مرتبہ عبد اللہ بن خباب بن الارت رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے علی رضی اللہ عنہ نے ان کو ان شہروں کا والی بنایا تھا ان کے ساتھ ایک چھوٹا سا لشکر تھا ان لوگوں نے عبد اللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو یہ بات علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی آپ رضی اللہ عنہ وہ لشکر لیکر نکلے جس کو شام کیلئے تیار کیا تھا تو نہروان میں ان سے جنگ ہوئی ان کے دس کے قریب افراد زندہ بچ سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوارج کے خروج کا خلاصہ:

حافظ نے فتح میں کتاب التوحید میں کہا ہے آپ ﷺ کے اس قول کے تحت "یخرج ناس من قبل المشرق" (مشرق سے کچھ لوگ نکلیں گے) کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ اس سے مراد خوراج ہیں اور یہ بھی کہ ان کی ابتداء کیسے ہوئی اور کیا حالات گزرے اور انکی ابتداء عراق سے ہوئی کیونکہ یہ مکہ کی طرف سے مشرق میں واقع ہے۔

بخاری نے بشیر بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے آپ ﷺ سے خوارج کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا سنا ہے اور عراق کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں سے نکلیں گے۔ ان میں ایک قوم نکلے گی جو قرآن پڑھے گی مگر قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔

مسلم کی روایت ہے کہ مشرق کی جانب اشارہ کیا ایک روایت میں یوں ہے کہ مشرق کی طرف سے ایک قوم آئے گی جن کے سر گنجے ہوں گے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ طبرانی نے اوسط میں سند جید کے ساتھ الفرزدق الشاعر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وابو سعید رضی اللہ عنہ سے سنا اس نے ان سے یہ پوچھا تھا کہ میں اہل مشرق ہوں ایک قوم نے ہمارے خلاف خروج کیا ہوا ہے جبکہ وہ لا الہ الا اللہ پڑھنے والوں کو قتل کرتے ہیں باقی لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے آپ ﷺ سے سنا کہ جو ان کے خلاف قتال کریگا اسکو بھی جنکو یہ قتل کر دیں ان کو بھی شہید جتنا اجر ملے گا۔ مسلم کی ایک روایت میں ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا اے اہل عراق تم نے ان کے خلاف قتال کیا ہے؟

ان روایات سے پتہ چلا کہ خوارج مشرق سے یعنی عراق سے نکلیں گے اور اہل مشرق اور اہل عراق ہی ان کے خلاف قتال کریں گے چنانچہ یہ روایات سارے عراق پر صادق نہیں آتیں بلکہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے ان خوارج کے خلاف قتال کیا اسی طرح نجد سے بھی مراد حدیث عمر رضی اللہ عنہ میں کہ یہاں زلزلے فتنے ہوں گے نجد عراق ہے بعض محققین نے کہا کہ نبی علیہ السلام کا فرمانا کہ نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور یہاں قرن الشیطان طلوع ہوگا تو اس سے مقصود نجد عراق ہے اور شرق المدینہ ہے اور یہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ میں صراحتاً ہے اس پر امام خطابی نے نص کیا ہے کہ آپ ﷺ نے عراق کیلئے دعا نہیں کی بلکہ اسکی مذمت کی ہے۔ طبرانی میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ابلیس عراق میں داخل ہوا وہاں اس نے اپنی حاجت پوری کرلی پھر شام میں داخل ہوا انہوں نے اس کو مسترد کر دیا پھر مصر میں داخل ہوا یہاں اس نے انڈے بچے دیے اور وہ خوب پھیل گئے"۔

اگر کسی شہر کی مذمت اسمیں موجود کفر کی وجہ سے ہو تو اسکا اطلاق سب پر نہیں ہوگا:

کوئی مسلمان عراق کے علماء کی مذمت نہیں کرتا کیونکہ اکابر اہل الحدیث، فقہاء الامت اہل الجرح والتعدیل، اکثر اہل عراق ہیں جیسا کہ امام احمد بن حنبل، جیند بن محمد، حسن بصری، ابن سیرین، ابو حنیفہ، اصحاب ابی حنیفہ، سفیان ثوری واصحابہ، اسحق بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راھویہ، محمد بن اسماعیل، مسلم بن حجاج، ابو داؤد اصحاب سنن، اصحاب الدواوین الاسلامیہ سب کا وطن و سکونت عراق تھا۔ اللیث بن سعد، محمد بن ادریس، اشہب اور ان سے پہلے کے علماء سب عراق اور مصر میں سکونت پذیر تھے اور جملہ اصحاب رسول اللہ ﷺ، تابعین اور ان کے بعد والے یہیں رہائش پذیر تھے جو ان شہروں کے سب کو معیوب کہے گا تو گویا جمہور امت کو معیوب کہے گا یہ تو اللہ کا نظام ہے کہ مختلف شہروں میں حالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں "تلك الایام نداولها بین الناس" (یہ ایام ہیں جن کو ہم لوگوں کے درمیان گردش میں رکھتے ہیں)

کتنے ہی ایسے شہر ہیں جو مسلمانوں نے فتح کیے پہلے وہ فرعونوں مشرکوں، فلاسفہ، بے دین، کفار، مجوس کے ہاتھ میں تھے بلکہ پہلے بعض مقامات پر مشرکین کی قبریں تھیں بعد میں مساجد بنائی گئیں وہ مسجد دنیا کی سب سے بہترین مسجد میں سے ایک ہے یعنی مسجد نبوی ﷺ اور اسمیں افضل الرسل اور مومنین کے سردار ﷺ مدفون ہوئے۔

ہمارے شیخ محمد بن عبد الوہاب پر مسیلمہ کذاب کے علاقے میں پیدا ہونے پر صرف ان لوگوں نے تنقید کی ہے جنہوں نے آئمہ ھدیٰ پر تنقید کی ہے بلکہ انبیاء اور اکابر المومنین تک جرات کی ہے لہٰذا انکی تنقید کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بعض جامعہ ازہر کے لوگوں نے یہاں تک کہدیا کہ مسیلمہ کذاب تمہارے نجد کا بہتر شخص تھا میں نے کہا تمہارے مصر کا فرعون لعین مصر کا بدترین شخص تھا؟ تو وہ خاموش ہو گئے۔ فرعون کا کفر کہاں مسیلمہ کا کذاب کہاں دونوں میں فرق کاش یہ جان لیتے۔

ابن حجر کہتے ہیں یہ اعتراض بالکل باطل ہو گیا کیونکہ پھر تو یہ اعتراض تمام ان مسلمانوں پر آئیگا جو مختلف ممالک میں رہتے ہیں کیونکہ پہلے وہاں مشرکین آباد تھے جبکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اگر ایمان ثریا ستارے میں بھی چلا جائے تو فارس کے لوگ اسکو وہاں سے بھی حاصل کرلیں گے باوجود اسکے کہ اس وقت فارس دنیا کے بدترین ملکوں میں سے ایک تھا کیونکہ وہاں بت پرستی اور آتش پرستی کا بازار گرم تھا۔

ابن حجر نے یہ بھی کہا کہ کسی جگہ رہائش اختیار کرنے پر عیب نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ صحابہ نے مصر اور فارس کے شہروں میں رہائش اختیار کی اور انکی فضیلت پر کوئی اثر نہیں پڑا بلکہ اسمیں اضافہ ہی ہوا۔ اور ان کے ایمان کو کفار مشرکین اپنے لیے مصیبت سمجھتے تھے مگر بعد میں یہی ملک اہل توحید کے بہترین ملک قرار پائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مؤلف نے اس مقام پر جو احادیث ذکر کی ہیں وہ سب خوارج اور حروریہ کے بارے میں ہیں جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے سوائے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں ہے کہ "فتنہ ادھر سے آئیگا" اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں حقیقی کفر مشرق میں ہے" اور ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت جسمیں ہے کہ "فتنے ادھر سے آئیں گے" اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں ہے کہ "سخت دلوں والے بدمزاج لوگ مشرق میں ہیں" اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث "اے اللہ ہمارے شام میں برکت نازل فرما الخ"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض محققین نے کہا ہے کہ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ پر جھوٹ باندھا گیا ہے اور آپ ﷺ نے نجد اور اہل یمامہ کے بارے میں یہ نہیں کہا اور نہ اس سے مراد وہاں کے وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے تھے بلکہ اس سے مراد خوارج، حروریہ ہیں مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی۔ اور علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اہل کوفہ اور بصرہ سے مل کر قتال کیا۔ انہیں میں بنی لشکر اور بنی طی، بن تمیم اور دیگر عرب قبائل تھے جنکی سکونت عراق میں تھی اسمیں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انکی مملکت ماوراء النہر تک تھی اسی بناء پر ان کو اہل النہروان کہا جاتا ہے۔ اور حروراء وہاں ایک شہر تھا اسی نسبت سے ان کو حروریہ کہا گیا ہے۔ حدیث کے بعض الفاظ سے ان خصوصیات کی طرف اشارہ ملتا ہے جیسا کہ بخاری میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ ﷺ سے سنا اور گواہی دیتا ہوں کہ جب ان لوگوں کو علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تو میں ان کے ساتھ تھا ان کے پاس ایک شخص لایا گیا اسکی وہی علامات تھیں جو آپ ﷺ نے بیان فرمائی تھیں۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ ابو سعید نے کہا نکل آئیں گے وہ جب مسلمانوں میں تفریق پیدا ہو گی اور اسکو قتل کرے گی مسلمانوں کی دو جماعتوں میں سے ایک ایسی جماعت جو حق پر ہو گی۔

اس میں کوئی شک نہیں یہ سب باتیں محمد بن عبد الوہاب پر صادق نہیں آتیں۔ نسائی میں جو روایت ہے کہ "وہ مسلسل نکلتے رہیں گے حتی کہ ان کا آخری شخص مسیح الدجال کے ساتھ آئیگا، ابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت "جب بھی کوئی قرن نکلے گا تو کاٹ دیا جائے گا یہاں تک کہ بیس سے زائد نکلیں گے یہاں تک کہ ان کے درمیان دجال نکلے گا۔ تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کے بعد تلاوت کرنے والے اور عبادت گزاروں کو بھی خوارج کہا جائے گا۔ بلکہ خوارج ان لوگوں کو کہا جائے گا جو ان کے طریقہ پر چلیں گے۔ اور ان کے عقائد ان میں بھی پائے جائیں گے۔ ورنہ ان علاقوں میں محدثین، اہل فقہ کی ایک بہت بڑی جماعت آئی مگر ان کے عقائد ان سے مختلف تھے کیونکہ خوارج کے یہ عقائد تھے۔ سب سے پہلے وہ علی رضی اللہ عنہ کے باغی تھے اہل اسلام کو قتل کرنے والے تھے جبکہ بت پرستوں کو چھوڑ دیتے تھے جو ان کے عقائد تسلیم نہیں کرتے تھے اس کو کافر سمجھتے تھے اور ان کے اہل، مال، خون کو مباح سمجھتے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور اہل جمل و صفین کو اور جو بھی اس فیصلہ پر راضی ہوئے کافر سمجھتے تھے۔ اور جو شخص کوئی کبیرہ گناہ کر لیتا اسکو کافر سمجھتے۔ اور کہتے یہ ہمیشہ جہنم میں رہیگا۔ اور جو علی رضی اللہ عنہ کا باغی نہ ہو اور مسلمانوں کے خلاف جنگ نہ لڑتا تو اس کو بھی کافر سمجھتے تھے۔ اگرچہ باقی عقائد ان کے مطابق ہی کیوں نہ ہوں۔ شادی شدہ زانی کیلئے رجم کی سزا کو باطل سمجھتے تھے۔ اور چور کی سزا میں بغل تک ہاتھ کاٹنے کے بھی مخالف تھے۔ اور حائضہ عورت پر بھی نماز کو واجب سمجھتے تھے۔ اور اگر کوئی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قدرت رکھنے کے باوجود عمل نہیں کرتا تو وہ بھی کافر تھا۔ اگر وہ قدرت نہ رکھتا ہو پھر اس کو ترک کرتا اس کو مرتکب کبیرہ گناہ سمجھتے تھے۔ اور ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ گناہ کا حکم وہی تھا جو کافر کا تھا۔ اور باقی معتقدات بھی فاسد تھے اور ان کے اعمال بھی باطل تھے۔ جبکہ یہ اعتقادات و نظریات شیخ کے نظریات سے بالکل مختلف تھے۔ بلکہ شیخ کا مذہب اصول دین میں وہی تھا جو اہل سنت والجماعت کا تھا اور ان کا طریقہ وہی تھا جو سلف کا طریقہ تھا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ سلف سے بھی زیادہ پختہ اور علم پر مبنی تھا اور یہ فروع میں احمد بن حنبل کے مسلک کے پیروکار تھے پس جو ان کے خلاف
باتیں بیان کرتا ہے وہ جھوٹ باندھتا ہے یہ حقیقت ہر اس شخص پر ظاہر ہو جاتی ہے جو انکی کتاب التوحید کا مطالعہ کر لے یا شیخ کی باقی
کتابوں کا مطالعہ کر لے۔

اسی بناء پر سید محمد امین المعروف ابن عابدین شامی الحنفی کا قول فاسد اور غلط ہے جو "انہوں نے ردالمختار علی الدر المختار" میں متن کے اس قول "یکفروں اصحاب نبینا" کہ خوارج ہمارے نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دیتے تھے۔ کے تحت کہا ہے کہ تم نے جان لیا خوارج قرار دینے کیلئے یہ شرط نہیں ہے (یعنی صحابہ کو کافر قرار دینا) بلکہ ماتن نے ان لوگوں کی وضاحت کی ہے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں امام عبدالوہاب کے متبعین میں سے جو نجد سے نکلے اور حرمین پر غلبہ حاصل کیا وہ مذہب حنبلی کے دعویدار تھے اور صرف اپنے آپ کو ہی مسلمان سمجھتے تھے۔ اور جو انکی مخالفت کرتا اس کو مشرک سمجھتے تھے۔ انہوں نے اہل شر کو اور علماء کو قتل کرنا مباح سمجھ لیا تھا حتی کہ اللہ نے ان کی شان و شوکت کو توڑ ڈالا اور ان کے شہروں کو برباد کر دیا اور ان پر مسلمانوں کے لشکر غالب آئے ۱۲۳۳ھ میں یہ سب ہوا۔

اسی طرح نسائی کے حاشیہ جو ہندوستان میں مطبع نظامی سے ۱۲۹۶ھ میں شائع ہوئی اسمیں صفحہ ۱۲۴ پر لکھا ہے کہ جاننا چاہیے جو لوگ محمد بن عبدالوہاب کے دین کو اپناتے ہیں اور اس کا مسلک اختیار کرتے ہیں خواہ وہ فروعات میں یا اصول الدین میں اپنائیں وہ اپنے آپکو وہابیین غیر مقلدین کہلاتے ہیں ان کا خیال ہے کہ آئمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرنا شرک ہے اور جو ان کے مخالف عقیدہ رکھے وہ مشرک ہے وہ اہل سنت کو قتل کرنا اور ان کی عورتوں کو قیدی بنانے کو مباح سمجھتے ہیں اور اسکے علاوہ اور بھی ان کے برے عقائد ہیں جو ہمیں ثقہ لوگوں کے ذریعے پہنچے یہی فرقہ خوارج کا ہے اور اس پر علامہ الشامی نے تصریح کی ہے (ردالمختار) میں اسی طرح نسائی کے صفحہ ۶۳۳ پر ایک اور قول مرقوم ہے کہ ان کا خروج کئی مرتبہ ہوا ہے عینی نے یہ بات ذکر کی ہے۔

شامی نے کہا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے متبعین نے خروج کیا ہے۔ اس قول کے فاسد ہونے کا سبب یہ ہے کہ شیخ اور ان کے متبعین نے کبھی کسی مسلمان کو کافر قرار نہیں دیا اور نہ ہی اہل سنت کے قتل کو مباح سمجھا اور نہ انکی عورتوں کو قیدی بنایا نہ آئمہ کی تقلید کو شرک کہا۔ اور میں نے بہت سارے ایسے اہل علم سے ملاقات کی جو شیخ کے متبعین میں سے تھے میں نے انکی کتب کا مطالعہ کیا تو ان باتوں میں سے کوئی بات مجھے نہیں ملی کیونکہ یہ ایک بہتان اور جھوٹ تھا اور یہ بات بھی علم میں رہنی چاہیے کہ ابن عابدین شامی اور صاحب حاشیہ نے ان کا نام بھی (عبدالوہاب) غلط لیا ہے بلکہ ان کا نام محمد بن عبدالوہاب ہے۔ بلکہ ان کتابوں میں تو اس کے برعکس ہے۔ ان میں لکھا ہے کہ یہ لوگ (محمد بن عبدالوہاب وغیرہ) صرف ان لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں جو باجماع المسلمین کافر ہوں۔ اور اصول میں یہ لوگ جمہور سلف صالحین کے مسلک پر ہیں اور فروع میں امام احمد بن حنبل کے مسلک کے پیروکار ہیں۔ اور یہ کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کا احترام کرتے ہیں ان کے مقلدین میں باہم فرق نہیں کرتے۔ جبکہ ابن عابدین اور اس کے متبعین نے شیخ دحلان کی جھوٹی باتوں کی تصدیق بغیر کسی ثبوت اور دلیل کی کی ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب یا ان کے بیٹے یا پوتے کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ لوگ ان باتوں کی تصدیق صرف اس بنیاد پر کرتے ہیں کہ یہ باتیں ترکی کی سیاسی حکومت نے ابن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عابدین وغیرہ کی تصدیق کے لیے شائع کی ہیں۔ موجودہ دور میں (حکومت ترکی نے) ابن عابدین وغیرہ کی کتب شائع کی ہیں لہٰذا کسی حشوی یا بدعی فرقہ کے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔ ایک مرتبہ میں نے جامعہ ازہر کے شیخ الاکبر شیخ ابوالفضل الجیزاوی جو کہ شیخ الازہر تھے کے سامنے کچھ جید علماء کی موجودگی میں محمد بن عبدالوہاب کی تحریریں پیش کیں تو ان سب نے اعتراف کیا کہ یہ سب کچھ تو جمہور اہلسنت والجماعت کے مذہب کے مطابق ہے۔(رشید رضا)

نوٹ:۔ موجودہ دور کی ترکی حکومت سے مراد رشید رضاء کے دور کی حکومت ہے۔ جب ترکی اور عرب حکومت میں سیاسی چپقلش عروج پر تھی۔(مترجم)

باقی احادیث جو مؤلف نے ذکر کی ہیں اور ان کے ذریعہ شیخ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "اے اللہ ہمارے شام میں برکت نازل فرما ہمارے یمن میں بھی تو ایک آدمی کھڑا ہوا الخ" تو اس میں نجد کا ذکر ہے جسکے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا "وہاں زلزلے اور فتنے آئیں گے اور قرن الشیطان طلوع ہوگا" اور شیخ نجد کے رہنے والے تھے۔

نجد سے مراد عراق ہے:

اس کا جواب یہ ہے کہ نجد سے مراد نجد العراق ہے جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت اسکی طرف اشارہ کرتی ہے اللہ کے نبی نے دعا کی "اے اللہ ہمارے صاع ہمارے مد ہمارے شام اور یمن میں برکت نازل فرما۔ تو ایک شخص کھڑا ہوا اس نے کہا ہمارے عراق میں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہاں قرن الشیطان اور مختلف فتنے کھڑے ہوں گے۔ اور بد مزاجی مشرق میں ہے (رواہ الطبرانی فی الکبیر ورواتہ ثقات) (الترغیب والترھیب غلاری) اور عمر رضی اللہ عنہ نے عراق جانے کا ارادہ کیا جو کعب الاحبار نے منع کیا وہاں نہ جائیں کیونکہ وہاں نو جادوگر جماعتیں (قبائل) ہیں اور فاسق جنات ہیں اور وہاں ہلاک کرنے والی بیماری ہے۔ اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے سنا کہ یمن فتح ہوگا ایک قوم آئے گی جو برا بھلا کہی گی اور اپنے لوگوں پر حملہ آور ہوگی مدینہ ان کیلئے بہتر ہوگا اگر وہ جان لیں۔

شام فتح ہوگا ایک قوم آئے گی جو برا بھلا کہی گی اور اپنے ہی لوگوں پر چڑھ دوڑے گی مدینہ ان کیلئے بہتر ہے اگر وہ جان لیں عراق فتح ہوگا ایک قوم آئے گی جو برا بھلا کہے گی اور اپنے ہی لوگوں سے لڑیگی جبکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ جان لیں (بخاری، مسلم)

یہ باتیں آپ ﷺ نے شام یمن عراق کے بارے میں کہی ہیں نہ کہ نجد والوں کے بارے میں۔ اسی طرح دیگر احادیث میں بھی یہی ہے مثلاً ابن حوالہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا عنقریب معاملہ یہ ہو جائے گا کہ تم سب مختلف لشکر بن جاؤ گے۔ ایک لشکر شام کا ایک یمن کا ایک عراق کا۔ تو ابن حوالہ کہتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے بتائیں بہتر کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو گا یہ بتائیں اگر میں یہ زمانہ پالوں تو آپ ﷺ نے فرمایا "تیرے لیے شام بہتر ہے کیونکہ یہ اللہ کی بہترین زمین اور اللہ کے بندوں میں بہترین بندے ہیں اگر یہ ممکن نہ ہو تو یمن بہتر ہے اور بارش کا پانی پی کر گزارہ کر لینا پس اللہ نے ذمہ داری لی ہے شام اور اہل شام کی"۔ (ابوداؤد، ابن حبان حاکم، الترغیب والترہیب للمنذری)

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ ایک دن کھڑے ہوئے اور کہا اے لوگو قریب ہے کہ تم لشکر بن جاؤ شام کا ایک لشکر عراق کا ایک لشکر، یمن کا ایک لشکر۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب تم لشکر بن جاؤ گے شام کا لشکر، مصر کا ایک لشکر، عراق کا ایک لشکر، یمن کا ایک لشکر، کذفی مسند البزار۔ عراق کی مذمت میں سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی روایت کافی ہے جو بخاری نے روایت کی ہے اس میں ہے میں نے آپ ﷺ سے سنا آپ ﷺ عراق کی طرف ہاتھ کر کے کہتے تھے یہاں سے ایک قوم نکلے گی۔

جبکہ نجد میں مقیم رہنے کا آپ ﷺ کا حکم موجود ہے مسند البزار کی روایت ہے حدثنا محمد بن عبد اللہ بن المفضل الحرانی حدثنا عثمان بن عبد الرحمٰن الحرانی حدثنا عبد الرحمٰن بن ثابت عن ابی العوام عن عبد الملک بن مساحق عن ابن عمر عن النبی ﷺ کہ تم عنقریب لشکروں میں بٹ جاؤ گے۔ تو ایک شخص نے کہا میرے لیے بہتر کیا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے شام بہتر ہے۔ اس لیے کہ اللہ کے نزدیک وہ بہترین جگہ ہے۔ اسمیں اللہ کے بہترین بندے ہیں۔ اگر کوئی اس میں رغبت نہ رکھتا ہو وہ نجد میں اقامت اختیار کرے اس لیے کہ اللہ نے شام اور اہل شام کی مجھ سے ذمہ داری لی ہے۔ بزار کہتے ہیں کہ ہم ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ اس بات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ نجد عرب کی کوئی مخصوص جگہ ہے تو عراق کس طرح مراد ہو سکتا ہے کیونکہ نجد لغت میں ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جو زمین سے بلند ہو اور غور کی ضد ہے غور اس جگہ کو کہتے ہیں جو پست ہو۔ جیسا کہ ابن حجر کے کلام سے واضح ہوتا ہے جو فتح الباری میں ہے اور یہ عراق پر صادق آتا ہے۔ اس کے باوجود کہ عراق کی مذمت میں بہت ساری روایات اور بھی مروی ہیں تو کوئی مسلمان بھی عراق کے علماء کی مذمت میں ایک لفظ نہیں کہتا۔ کیونکہ وہاں اکابر اہل الحدیث اور فقہاء امت اہل الجرح والتعدیل کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا ہوئی ہے۔ اور اصحاب رسول اللہ ﷺ تابعین تبع تابعین کی ایک جماعت عراق میں ہی رہتی تھی بخاری نے روایت کیا کہ علقمہ شام گئے تو مسجد میں تشریف لائے اور دو رکعت پڑھیں اور کہا اے اللہ میرے کوئی بیٹھنے والا بھیج دے تو ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گئے تو انہوں نے کہا تم کون ہو؟ کہا اہل کوفہ سے ہوں تو انہوں نے کہا کیا تم میں وہ صاحب راز نہیں تھا اس راز کو اسکے سوا کوئی نہیں جانتا تھا یعنی حذیفہ رضی اللہ عنہ کیا تم وہ بھی تھا جس کو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی شیطان سے حفاظت عطا فرمائی تھی یعنی عمار رضی اللہ عنہ کیا تم وہ شخص نہیں تھا جو صاحب مسواک اور تکیہ تھا یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کس طرح پڑھتا تھا "واللیل اذا یغشی" "والذکر والانثی" یہ لوگ ان باتوں میں شک کرنے لگے تھے حالانکہ یہ میں نے نبی علیہ السلام سے سنی تھیں۔

جو لوگ صحابہ و تابعین کے حالات کا جائزہ لیتے رہتے ہیں ان پر یہ بات ظاہر ہے۔ میں نے ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت پہلے بیان کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دی ہے جس میں ہے کہ تم نے ان خارجیوں کو قتل کیا اے اہل عراق؟ اس سے پتہ چلا کہ اہل عراق نے خوارج کو قتل کیا تھا تو تمام اہل عراق کی مذمت کس طرح ممکن ہے؟ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حدیث میں مراد نجد العرب ہے تو پورا اہل نجد قابل مذمت کس طرح ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ پورا اہل عراق مذمت کی زد میں نہیں آسکتا۔

اہل نجد کے بعض ان لوگوں کا بیان جنہیں آپ ﷺ نے خوشخبری دی اور تعریف کی:

احادیث صحیحہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ کیا نجد والوں سے اور لشکر نجد بھیجا اور ایک گھوڑے سوار بھی نجد بھیجا وہ ایک شخص کو پکڑ کر لے آئے جس کا نام ثمامہ رضی اللہ عنہ تھا۔ اس کو صحابہ نے مسجد کے ستون سے باندھ دیا۔ جب آپ ﷺ اس کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ تو اس نے کہا میں خیریت سے ہوں اے محمد ﷺ، اگر تم نے مجھے قتل کیا تو بدلہ لینے والے کو قتل کرو گے۔ اگر مجھ پر احسان کرو گے تو احسان کا بدلہ احسان سے دینے والے پر احسان کرو گے۔ اگر تم مال چاہتے ہو تو مجھ سے جو مانگنا چاہتے ہو مانگو آپ ﷺ نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا حال ہے اے ثمامہ رضی اللہ عنہ اس نے کہا اگر تم احسان کرو گے تو احسان فراموش نہیں ہوں۔ تو آپ ﷺ نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اگلے روز آپ ﷺ نے اس سے پھر پوچھا اے ثمامہ رضی اللہ عنہ تمہارا کیا حال ہے تو اس نے کہا میرا وہی جواب ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسکو آزاد کر دو چنانچہ وہ قریب ہی کھجور کے باغ میں چلا گیا وہاں جا کر غسل کیا پھر مسجد واپس آیا اور کہا "اشھدان لاالٰہ الا اللہ واشھدان محمد الرَّسُوْلُ" اے محمد ﷺ اللہ کی قسم پہلے آپکا چہرہ دنیا میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا مگر اب آپکا چہرہ دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ پہلے آپکا دین دنیا میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا مگر اب سب سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ پہلے آپکے شہر سے زیادہ کوئی شہر ناپسندیدہ نہیں تھا مگر اب آپکے شہر سے زیادہ محبوب اور کوئی شہر نہیں ہے آپکے گھڑ سوار نے مجھے پکڑ لیا اب میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں آپکا کیا خیال ہے تو آپ ﷺ نے اس کو کامیابی کی خوشخبری دی اور عمرہ کرانے کا حکم دیا جب یہ مکہ آئے تو کسی کہنے والے نے کہا تو بے دین ہو گیا ہے تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم نہیں میں تو محمد ﷺ کے ساتھ مسلمان ہو گیا ہوں اور اب یمامہ سے ایک دانہ بھی گندم کا نہیں آئے گا جب تک اللہ کے رسول ﷺ اجازت نہ دیدیں۔ (اخرجہ البخاری)

آپ کا قول "فبشرہ" کے بارے میں حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں اس سے مراد دنیا آخرت کی بھلائی کی خوشخبری مراد ہے یا اس سے مراد جنت ہے یا اس سے مراد گناہوں کا مٹنا ہے۔ اگر اہل نجد میں بھلائی کی امید نہ ہوتی تو آپ ﷺ نجد کی طرف غزوہ نہ کرتے کیونکہ غزوہ سے مقصود یہ ہے کہ اہل نجد اسلام قبول کر لیں کیونکہ ثمامہ رضی اللہ عنہ بن اثال کو اسلام سے پہلے دنیا و آخرت کی کامیابی اور جنت کی خوشخبری نہیں ملی۔

بخاری، مسلم میں روایت ہے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے ہیں ایک شخص آپ ﷺ کے پاس اہل نجد میں سے ایک شخص آیا پراگندہ سر تھا ہم اس کی آواز سن رہے تھے مگر یہ سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے قریب ہوا جو اس نے آپ ﷺ سے اسلام کے بارے میں پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا رات دن میں پانچ نمازیں پڑھنا تو اس نے پوچھا کیا اسکے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علاوہ بھی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مگر جو تم بطور نفل ادا کرنا چاہو۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا رمضان کے روزے رکھنا، تو اس نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ روزے فرض ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مگر جو تم اپنی مرضی سے رکھ لو۔ راوی کہتے ہیں پھر آپ ﷺ نے زکوۃ کا ذکر کیا تو اس نے کہا کیا اسکے علاوہ بھی مجھ پر فرض ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مگر جو تم اپنی مرضی سے دیدو وہ آدمی جانے لگا تو یہ کہہ رہا تھا نہ میں اضافہ کرونگا اور نہ کمی کرونگا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کامیاب ہو گیا اگر اس نے سچ کر دکھایا۔

یہ شخص بھی نجد کا رہنے والا تھا اور آپ ﷺ نے حج کیلئے احرام باندھنے کی جگہ اہل نجد کیلئے قرن المنازل مقرر کی تھی جیسا کہ اہل مدینہ کیلئے ذوالحلیفہ اہل شام کیلئے الجحفہ اہل یمن کیلئے یلملم اگر نجد میں خیر ہوتا تو آپ ﷺ ان کے لیے میقات مقرر کرنے کی حاجت نہ تھی چونکہ آپ ﷺ کو علم تھا کہ اہل نجد بھی حج کیلئے آئیں گے جیسے مدینہ، شام اور یمن والے آئیں گے۔

بنو تمیم کی آپ ﷺ کی طرف سے تعریف:

بنو تمیم کی فضیلت حدیث میں وارد ہوئی ہے اور محمد بن عبد الوہاب بھی بنو تمیم تھے۔ اور یہ اہل نجد ہیں۔ امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں بنو تمیم سے محبت کرتا ہوں جب سے آپ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ان کے بارے میں فرمارہے تھے کہ یہ میری امت کے سب سے زیادہ دجال کیلئے سخت لوگ ہوں گے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک مرتبہ بنو تمیم کی طرف سے صدقات آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ میری قوم کے صدقات ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لونڈی تھی جس کا تعلق بنو تمیم سے تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کر دو اس لیے کہ یہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ زوائد مسند البزار میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا آپ ﷺ نے بنو تمیم کا تذکرہ کیا تو کہا یہ بہادر سردار لوگ ہیں انتہائی ثابت قدم، آخر زمانہ میں حق کی مدد کرنے والے اور دجال کیلئے انتہائی سخت قوم واقع ہوگی۔

بزار کہتے ہیں اس روایت میں سلام المدائنی ہیں جو کہ حدیث میں کمزور تھے۔ اسی میں ایک روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں ہے کبھی کبھی آپ ﷺ میرے کندھے پر ہاتھ مارتے اور کہتے بنو تمیم سے محبت کرو۔ بزار کہتے ہیں کہ یہ روایت ہم اسی سند سے جانتے ہیں۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں تو انکی مذمت ثابت ہو رہی ہے وہ اس طرح کہ بنو تمیم کی ایک جماعت آپ ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے بنو تمیم تمہارے لیے خوشخبری ہو تو انہوں نے کہا خوشخبری تو آپ ﷺ نے دیدی اب ہمیں کچھ دیں جس پر آپ کا چہرہ تبدیل ہو گیا پھر یمن والے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے اہل یمن تم خوشخبری قبول کرلو جو بنو تمیم نے قبول نہیں کی تو انہوں نے کہا ہم نے قبول کرلی (بخاری)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ گفتگو بنو تمیم کے سخت مزاج قسم کے لوگوں نے کی تھی جن میں اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ بھی تھے یہ بات ابن الجوزی نے اور فتح الباری میں ابن حجر نے ذکر کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ (الحجرات:۴-۵)

"بے شک وہ لوگ جو آپکو حجرے کے پیچھے سے آوازیں دیتے ہیں ان کے اکثر عقل مند نہیں ہیں اگر وہ صبر کر لیتے آپ ﷺ کے ان کے پاس آنے تک تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ غفور رحیم ہے"۔

اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ آیت اقرع بن حابس التمیمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری تھی اس بارے میں بہت سی روایات ہیں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"حدثنا وهيب حدثنا موسىٰ بن عقبه عن ابي سلمة ابن عبد الرحمٰن عن الاقرع بن حابس انه نادیٰ"

(اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو یا محمد یا محمد کہکر آواز دی ایک روایت میں یا رسول اللہ ﷺ کے الفاظ منقول ہیں تو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میری تعریف زینت ہے اور میری مذمت قبیح ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو اللہ کیلئے لائق ہے ابن جریر نے بیان کیا براء ابن عازب سے "ان الذین ینا دونك" کے تحت کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اس نے کہا اے محمد ﷺ میری تعریف زینت ہے اور میری مذمت ایک عیب ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کو لائق ہے حسن بصری اور قتادہ نے مرسلا اسی طرح روایت کیا ہے۔ حافظ سورۃ الحجرات کی تفسیر میں ابن ابی ملیکہ کی روایت کے تحت کہتے ہیں کہ قریب تھا دو بہترین انسان ہلاک ہو جاتے یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں نے آپ ﷺ کے سامنے آوازیں بلند کر دی تھیں جب ایک بنو تمیم کا وفد آپ ﷺ کے پاس آیا ان میں سے ایک نے اقرع رضی اللہ عنہ بن حابس کی طرف اشارہ کیا۔ دوسرے نے ایک اور شخص کی طرف اشارہ کیا نافع کہتے ہیں میں اسکا نام بھول گیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو کہا تمہارا ارادہ میری مخالفت کرنا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میرا ارادہ تمہاری مخالفت نہیں ہے تو انکی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ نے یہ آیات نازل کر دیں "یاایہا الذین آمنوالاترفعوا اصواتکم" (اے ایمان والو اپنی آوازیں بلند نہ کرو)

وکیع نے یہ الفاظ اضافی بیان کیے کہ "عظیم" تک آیات اتریں۔ ابن جریج کی روایت میں ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (الحجرات:۱)

"اے ایمان والو اللہ اور اسکے رسول سے آگے نہ بڑھو"۔

نازل ہوئیں۔ علماء پر بہت مشکل پڑ گیا کہ کس طرح تعارض کو دور کیا جائے تو ابن عطیہ کہتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ ان آیات کا سبب نزول ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نہیں تھے بلکہ عرب کے بد مزاج ترش کلام کچھ لوگ تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا جو اختلاف ہوا اسکے متعلق "لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ" اتریں مگر اسکے متصل "لاترفعو اصواتکم" ابھی نہیں اتری تھی کہ عمر آہستہ آواز میں اپنا موقف پیش کرنے لگے اور عرب کے اکثر مزاج جن کے بارے میں یہ اتریں تھیں وہ بنو تمیم تھے اور جس شخص کے بارے میں خاص کر کے کہا گیا "ان الذین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ینا دونك من وراء حجرات" تو عبد الرزاق معمر سے وہ قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی علیہ السلام کے پاس آیا اور حجرے کے پیچھے سے آواز دینے لگا کہ میری مدح زینت ہے اور میری مذمت عیب ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو اللہ کو لائق ہے تو یہ آیت اتری۔ میں کہتا ہوں کہ اسمیں کوئی حرج نہیں کہ آیات ان اسباب کے تحت جو ذکر کیے گئے ہیں اتری ہوں اور جبکہ ان روایات کی سندیں صحیح ہیں تو ترجیح کے قانون کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ "ان الذین ینا دونك" کے تحت فرماتے ہیں کہ طبرانی نے مجاہد کی سند سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد بنو تمیم کے دیہاتی ہیں اور ابو اسحاق کی سند سے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا اے محمد ﷺ میری تعریف زینت ہے اور میری مذمت عیب ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو اللہ کو لائق ہے معمر کی سند سے قتادہ سے اس جیسی روایت مروی ہے جو کہ مرسل ہے اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ اللہ نے "ان الذین ینا دونك" آیت نازل فرمادی اور حسن کی سند سے اس جیسی روایت مروی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ (الحجرات:۵)

"اگر وہ آپ ﷺ کے آنے تک صبر کرتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا) کے بارے میں فرماتے ہیں"۔

طبری، لغوی، عاصم نے اپنی کتابوں میں صحابہ کے بارے میں روایت کیا کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ التمیمی کہتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا اے محمد ﷺ ہمارے پاس آجائیں تو یہ آیت اتری "ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اس کا سیاق ابن جریر والی کا ہے ابن مندہ کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ عن ابی سلمہ ان الاقرع مرسل اسی طرح احمد نے دونوں طرح روایت کیا ہے محمد بن اسحاق نے بنو تمیم کے وفد کا قصہ طویل بیان کیا اس میں انقطاع (سند میں) ہے۔ ابی مندہ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حالات بیان کرتے ہوئے موصول سند سے بیان کی ہے۔

ترمذی کہتے ہیں براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝﴾ (الحجرات:۴)

"ان الذین ینادونک من وراء الحجرات"

کے بارے میں کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میری تعریف زینت ہے اور میری مذمت عیب ہے تو نبی ﷺ نے کہا یہ شان تو اللہ کو لائق ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔

عرب سے محبت اور بغض رکھنے اور دھوکہ دینے کے بارے میں روایات:

احادیث میں عرب کی فضیلت میں عموماً بہت ساری روایات آئی ہیں بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بنی آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث کیا گیا تو جس زمانہ میں مجھے بھیجا گیا وہ بہترین زمانہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترمذی نے عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے سب سے بہتر لوگوں میں پیدا کیا پھر ان کو دو فرقوں میں بانٹا تو مجھے ان میں بہتر فرقہ میں پیدا کیا پھر ان کو مختلف قبائل میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین قبیلے میں پیدا کیا پھر ان کے بہت سارے گھر بنائے تو ان میں سب سے بہترین گھر میں پیدا کیا اور سب سے بہترین انسان بنایا۔۔۔۔۔۔یہ حدیث حسن ہے۔

ترمذی نے سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی علیہ السلام نے مجھے فرمایا اے سلمان رضی اللہ عنہ تو مجھ پر غصہ نہ ہونا ورنہ تیرا دین مجھ سے جدا ہو جائے گا میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے غصہ ہونگا جبکہ اللہ نے مجھے آپکے ذریعے ہدایت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرب تجھ پر غصہ کریں گے تو تم مجھ پر غصہ نہ کرنا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عرب کو دھوکہ دیگا تو اسکو میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی اور میری محبت بھی نصیب نہیں ہوگی۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے ہم یہ صرف حصین بن عمر الاحمسی سے وہ مخارق سے جانتے ہیں اور حصین محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔

ترمذی نے بیان کیا محمد بن ابی رزین سے وہ اپنی والدہ سے وہ کہتی ہیں کہ ام حریر پر یہ بات بڑی سخت گزرتی جب کوئی عرب فوت ہو جاتا۔ تو ان سے پوچھا گیا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی عرب فوت ہوتا ہے تو آپ پر یہ بات بڑی سخت گزرتی ہے تو انہوں نے کہا میں نے اپنی مولیٰ سے سنا وہ فرماتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے قریب عرب ہلاک ہوں گے محمد بن ابی رزین کہتے ہیں کہ روایت میں مولیٰ سے مراد طلحہ بن مالک ہیں یہ حدیث غریب ہے اور ہم اس کو سلیمان بن حرب کی سند سے جانتے ہیں۔

مسلم نے ام شریک سے بیان کیا وہ کہتی ہیں میں نے نبی علیہ السلام سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگ دجال کے خوف سے پہاڑوں پر فرار ہو جائیں گے تو ام شریک نے کہا کہ عرب ان ایام میں کہاں ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تھوڑے ہوں گے ترمذی نے بھی یہ روایت بیان کی اور کہا حسن صحیح غریب۔

جزیرۃ العرب کے بارے میں مرویات اور یہ کہ شیطان اپنی عبادت سے مایوس ہو گیا:

مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا کہ نماز پڑھنے والے لوگ جزیرۃ العرب میں اسکی عبادت کرینگے مگر وہ ان کے باہمی اختلافات سے مایوس نہیں ہوا۔

مشکوۃ میں اسی طرح ہے ترمذی نے بغیر فی (جزیرۃ العرب) کے الفاظ نقل کیے بیان کیا ہے اور کہا کہ اس باب میں انس رضی اللہ عنہ، سلیمان بن رضی اللہ عنہ عمرو الاحوص سے بھی مروی ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔ زوائد مسند البزار میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے نبی علیہ السلام کو اپنے سینے سے ملایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے علی رضی اللہ عنہ میں تجھے عرب کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں بزار کہتے ہیں ہم یہ روایت اعلیٰ کی سند سے ہی جانتے ہیں اور ابو المقدام ثابت الحداد ہیں ان سے منصور بن معتمر اور سفیان نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی روایت کیا ہے اسی طرح اس بارے میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا میں نے عرب کیلئے دعا کی ہے کہ اے اللہ ان سے جو تجھ سے اس حال میں ملے کہ وہ میری تصدیق کرتا ہو یقین کے ساتھ تو اسکی مغفرت فرما۔ بزار کہتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ ثابت سے مروان کے علاوہ بھی کسی نے روایت بیان کی ہے۔ اور مروان سے صرف حسن بن بشر نے۔

زوائد مسند البزار میں جزیرۃ العرب کی فضیلت میں ایک روایت یوں ہے عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے اس جزیرہ کو شرک سے محفوظ کر دیا جب تک ان کو نجوم گمراہ نہ کریں۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا کہ اسکی جزیرۃ العرب میں عبادت ہو گی لیکن وہ دیگر گناہوں پر خوش ہے جنکو یہ حقیر سمجھ کر کرتے ہیں۔

بزار کہتے ہیں کہ یہ روایت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے علاوہ سند سے بھی مروی ہے جس کو ابو اسحٰق نے اسی طرح اور ان کے علاوہ اعمش سے اور انہوں نے ابو صالح اور انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے بیان کیا سلیمان بن عمرو بن الاحوص عن ابیہ کہتے ہیں میں نے آپ ﷺ سے سنا وہ فرمارہے تھے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ کونسا دن ہے؟ اسمیں یوں بھی ہے کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہمیشہ کیلئے کہ اسکی تمہارے ان شہروں میں عبادت ہو گی مگر تم اسکی ان اعمال میں اطاعت کرو گے جنکو تم حقیر سمجھو گے اور وہ خوش ہو گا ترمذی کہتے ہیں حدیث حسن صحیح۔

ان روایات سے غیر عرب پر عرب کی فضیلت واضح ہوتی ہے اسی طرح صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر ایمان ثریا ستارہ میں بھی بالفرض چلا جائے تو یہ لوگ اسکو وہاں سے بھی حاصل کر لیں اور اسی طرح فی الواقع ہوا بھی اس لیے کہ بہت سارے فارس کے محدثین نے اور فارس کی جماعت نے ایمان کو پالیا جبکہ وہ نجد سے فضیلت میں کم تھے کیونکہ نجد والے عرب تھے اور فارس والے شر میں نجد سے زیادہ تھے تو پھر جب ان کے بارے میں یہ خیال ہے تو نجد کے بارے میں کیا خیال ہو گا۔

آپ ﷺ کی طرف سے کسی قوم کی تعریف یا مذمت عمومی نہیں ہوتی:

کلام کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی قبیلہ یا جگہ کی کسی حدیث میں تعریف آجائے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ وہاں کے سارے افراد اچھے یا برے ہیں مثلاً قریش، انصار، جہینہ، مزینہ، اسلم، اشجع، غفار، الاسید، الاشعرین، الاذد، الحمیر، کی آپ ﷺ نے تعریف کی ہے اور عصیہ، بنی تمیم، بن اسد، بن عبد اللہ بن غطفان، بنی عامر بن صعصعہ، ربیعہ، مضر، ثقیف، بنی حنیفہ بن امیہ کی آپ ﷺ مذمت بیان کی اور پھر بھی بہت ساری احادیث کے مطابق پہلے قبائل میں برے لوگ بھی پیدا ہوئے اور بہت سارے لوگ دوسرے قبائل میں اچھے بھی پیدا ہوئے باوجود ان کی آپ ﷺ نے مذمت کی ہے اسی طرح یمن والوں کی مدح وارد ہوئی ہے اور مشرق، عراق اور ان کے اہل کی مذمت وارد ہوئی ہے پھر بھی اسود عنسی یمن میں پیدا ہوا اور بہت سارے محدثین مشرق اور عراق میں پیدا ہوئے اور جس شخص کو فن تاریخ ورجال سے تھوڑی سی بھی واقفیت ہے وہ جانتا ہے کہ آپ ﷺ مضر قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور مضر کیلئے بھی سعادت مندی کافی ہے بخاری نے زینب بنت ابی سلمہ سے روایت کی کہ پوچھا گیا کیا نبی ﷺ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ربیعہ کیلئے یہی کافی تھا آپ ﷺ نے جب عبدالقیس کا وفد آپ ﷺ کے پاس آیا تو کہا کون قوم ہے؟ یا کون وفد کہا تو انہوں نے کہا ربیعہ آپ ﷺ نے فرمایا مرحبا بالقوم نہ آپکو رسوائی ہوگی نہ ندامت تو انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ ہم سوائے حرمت والے مہینوں کے آپکے پاس نہیں آسکتے ہمارے اور آپکے درمیان یہ قبیلہ یعنی مضر کے کفار ہیں پس آپ ﷺ ہمیں ایسا حکم دیں جو ہم دوسروں کو جاکر بتائیں جس پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں (بخاری) زوائد مسند البزار میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل مشرق میں بہترین لوگ عبدالقیس کے لوگ ہیں۔

بزار کہتے ہیں ہمیں نہیں علم کہ اسکو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی کسی نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے اور ان سے سوائے ابو حمزہ کے کسی اور نے اور ان سے سوائے شبیل کے کسی اور نے اور شبیل بصری مشہور ہیں اور ان سے ابن سواء کے علاوہ کسی اور نے روایت کیا ہو۔

مقصود یہ ہے کہ ربیعہ اور مضر کی آپ ﷺ نے مذمت کی ہے جبکہ مضر سے سید المرسلین علیہ السلام کا تعلق ہے اور ربیعہ سے وفد عبدالقیس کا تعلق تھا جنکی آپ ﷺ نے تعریف اور مرحبا کہا۔۔۔۔۔۔ان کے علاوہ مؤلف نے جو روایت پیش کی ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ "فتنہ مشرق سے آئے گا اور حقیقی کفر مشرق سے آئے گا اور دلوں کی سختی بدمزاجی مشرق والوں میں ہے" ان روایات کو بنیاد بنا کر شیخ اور ان کے متعین پر طعن و تشنیع کرنا گویا اس امت کے معظم فقہاو محدثین پر طعن و تشنیع کرنا ہے کیونکہ ان کی اکثریت ادہر سے ہی آئی ہے اور اسکے ان کار کی اہل علم میں سے کسی کو جرات نہیں ہو سکتی۔

بلکہ ان کا طعن و تشنیع بالکل اسی طرح ہے جس طرح روافض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بخاری کی اس روایت کو بنیاد بنا کر طعن و تشنیع کرتے ہیں جس میں یہ ہے کہ عبداللہ نے کہا ایک دن آپ ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا فتنہ وہاں سے آئے گا تین مرتبہ جہاں سے قرن الشیطان طلوع ہو گا۔

شیخ دحلان: یہ لوگ اپنے متبعین کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنے سر منڈائیں اور جب کوئی انکی مجلس چھوڑ کر جاتا دوبارہ واپس آتا تو اس وقت تک شامل نہیں ہونے دیتے تھے جب تک وہ سر نہ منڈوالیتا۔

شیخ بشیر: یہ بہت قبیح بہتان اور جھوٹ ہے۔

خوارج اور ان کے علامات کے بارے میں روایات:

شیخ دحلان: گمراہ فرقوں میں سے ایسا کوئی فرقہ نہیں گزرا۔ ان جیسی بدعات اور کسی فرقہ والے نے نہیں کر کے دکھائیں۔

شیخ بشیر: یہ بالکل غلط ہے اور یہ تشنیع ہے کیونکہ حافظ ابن حجر نے کتاب المغازی میں کہا ہے "محلوق" کے تحت کیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ خوارج کی علامت سر منڈوانے کی تھی اور سلف صالحین اپنے بال لمبے رکھتے تھے منڈواتے نہیں تھے جبکہ خوارج کا طریقہ تھا کہ وہ تمام سر کے بال منڈوادیتے تھے۔ اور کتاب التوحید کے آخر میں "التحلیق" کے تحت میں فرمایا کہ سلف اپنے سر کو صرف حج و عمرہ کی ادائیگی پر منڈواتے تھے یا کسی ضرورت یا مجبوری کے موقع پر جبکہ خوارج نے یہ اپنا دین بنالیا تھا اور یہ ان کی علامت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور پہچان بن گئی تھی۔

شیخ دحلان: محمد بن عبدالوہاب اپنے متبعین کی عورتوں کو بھی سر منڈوانے کا حکم دیتے تھے۔

شیخ بشیر: یہ بہتان عظیم ہے۔

شیخ دحلان: ایک روایت میں "قرنا الشیطان" شیطان کے دو سینگ کے الفاظ آئے ہیں تو بعض علماء نے کہا کہ اس سے مراد مسیلمہ کذاب اور محمد بن عبدالوہاب ہیں۔

شیخ بشیر: یہ روایت مسلم میں ہے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اے اہل عراق میں تم سے صغیرہ گناہ کے بارے میں نہیں پوچھتا بلکہ میں تم پر کبیرہ کی وجہ سے پوچھتا ہوں میں نے اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ فتنہ وہاں سے آئیگا اور آپ ﷺ نے مشرق کی جانب اشارہ کیا جہاں سے شیطان کے دو سینگ طلوع ہوں گے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شیطان کے دو سینگ اسکے سر کے دونوں جانب ہوں گے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد بالوں کے دو حصے ہیں جو وہ دھوکہ دینے کیلئے استعمال کریگا یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کفار کی دو جماعتیں ہیں اور مشرق کو خاص کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہاں شیطان کا تسلط کچھ زیادہ ہی ہو گا اور کفر بھی زیادہ ہو گا۔

میں کہتا ہوں کہ شاید شیطان کے دو سینگوں سے مراد ربیعہ اور مضر ہو اور اس پر دلیل ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے وہ کہتے ہیں آپ ﷺ نے یمن کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ایمان یمن کی طرف ہے اور سختی اور دلوں کی شدت اونٹ چرانے والوں میں جہاں سے قرن الشیطان طلوع ہو گا یعنی ربیعہ و مضر قبیلے میں۔ (مسلم)

شیخ احمد دحلان کا اپنی طرف سے روایتیں گھڑنا:

شیخ دحلان: بعض روایات آتی ہیں جن میں ہے کہ نجد میں ہلاک کرنے والی بیماری ہو گی۔

شیخ بشیر: میرے علم کے مطابق یہ دو روایتوں میں آیا ہے پہلی طبرانی کی ہے جو کہ میں نے مجمع الزوائد کے حوالہ سے نقل کر دی تھی۔ دوسری موطا امام مالک کی ہے اسمیں بھی وہی بیان ہے جو میں نے ذکر کیا ہے جبکہ ان دونوں روایتوں میں لفظ نجد کا کہیں ذکر نہیں ہے پہلی میں "فی شرقنا" (ہمارے مشرق میں) کا لفظ ہے دوسری روایت میں "العراق" کا لفظ ہے۔

لہذا ضمیر کا مرجع نجد کو قرار دینا انتہائی جہالت کی بات ہے۔

شیخ دحلان: بعض تاریخی کتب میں بنی حنیفہ کے قتل کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آخر زمانہ میں مسیلمہ کذاب کے شہر میں ایک شخص آئے گا جو دین اسلام کو تبدیل کر دیگا۔

شیخ بشیر: یہ تمام روایات غیر مستند ہیں جنکا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ان کا مصداق شیخ کو ٹھہرایا جائے یہ بات محل نظر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: بعض احادیث میں فتنہ کا ذکر ہے اس میں یہ بھی ہے کہ ایک عظیم فتنہ بپا ہو گا میری امت میں عرب کا کوئی گھر نہیں بچے گا مگر وہ اسمیں داخل ہو جائے گا وہ پورے عرب میں پھیل جائے گا جو اس میں قتل ہو گا وہ جہنم میں جائے گا اور اس میں زبان استعمال کرنا تلوار استعمال کرنے سے بھی زیادہ سخت ہو گا۔

شیخ بشیر: یہ الفاظ مجھے کہیں نہیں ملے ابو داؤد میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ایک فتنہ ہو گا عرب کا صفایا کر دیگا اس کے مقتول جہنمی ہوں گے اسمیں زبان استعمال کرنا تلوار سے زیادہ سخت ہو گا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

شیخ دحلان: ایک روایت میں ہے کہ عنقریب ایک بہرہ، گونگا، اندھا فتنہ ہو گا۔

شیخ بشیر: ابو داؤد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ایک بہرہ، گونگا، اندھا فتنہ ہو گا جو اس کی جانب متوجہ ہو گا وہ اس کو پکڑ لے گا اور اس میں زبان استعمال کرنا تلوار کے مشابہ ہو گا۔

میں کہتا ہوں ان دونوں روایات میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو یہ بتا رہا ہو کہ اس سے مراد شیخ محمد بن عبد الوہاب ہیں۔ جمہور علماء نے ان روایات کو علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والے جھگڑے پر محمول کیا ہے اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ زبان استعمال کرنا تلوار کے برابر ہے دلالت کر رہا ہے کیونکہ دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک پر بھی طعن کرنا فتنہ میں پڑنے کا سبب تھا دونوں سے رک جانا بہتر تھا۔

شیخ دحلان: ایک روایت میں ہے کہ عنقریب نجد سے ایک شیطان نکلے گا اس کے فتنہ سے پورا جزیرہ عرب لرز جائے گا۔

شیخ بشیر: اس روایت کو میں باوجود تلاش بسیار نہ پاسکا اور مؤلف نے اسکی سند بھی ذکر نہیں کی لہذا اسکا کوئی اعتبار نہیں۔

شیخ دحلان: ان میں سے ایک روایت وہ بھی ہے جو عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب سے مروی ہے انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سند کرتے ہوئے کہا یقیناً بارہویں صدی میں وادی میں فتنہ فساد اور تباہی ہو گی یہ لوگ مسلمانوں کے مال کو حلال سمجھیں گے اور اسکو اپنے لیے تجارت بنالیں گے اور مسلمانوں کے خون کو حلال سمجھ لیں گے اور اسکو اپنے لیے فخر بنالیں گے یہ وہ فتنہ ہو گا جسمیں ذلیل کمینے لوگ عزت دار ہوں گے۔ اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملکر اس طرح چلیں گے جیسے کتا دوسرے کتے کے ساتھ مل کر چلتا ہے کہتے ہیں کہ اس حدیث کے شواہد ہیں جو اسکے معنیٰ کو قوی کرتے ہیں اگرچہ میں یہ نہیں جانتا اس کو کس نے بیان کیا ہے۔

شیخ بشیر: جب یہ جانتے ہی نہیں کہ کس نے روایت کو بیان کیا تو اس سے استدلال کس طرح صحیح ہے؟

اہل یمن اہل مشرق اور اونٹ والوں کے بارے میں احادیث:

شیخ دحلان: اور اس سے بھی زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہ مفرور شخص بنو تمیم سے تعلق رکھتا تھا اس پر یہ محمول کیا جائے گا کہ یہ ذی الخویصرہ التمیمی کے بعد آیا ہے جس کے بارے میں بخاری کی ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے۔

شیخ بشیر: اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ بنو تمیم کے اہم ترین فرد تھے جیسا کہ بعض محققین نے اس بات کو واضح کیا ہے (الرد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علی جلاء الغمہ نامی کتاب میں) مگر نہ تو کوئی بخاری کی اور نہ کسی اور کتاب کی حدیث یہ دلالت کرتی ہے کہ بنو تمیم کا ہر شخص یا ذی الخویصرہ کے بعد آنے والا شخص ان احادیث کا مصداق ہے بلکہ حدیث میں لفظ "مِن" ہے جو بعض کا معنی ادا کرتا ہے جو ان کے اس کلیہ کی نفی کرتا ہے کہ ہر شخص مراد ہے اور یہ احتمال کہ یہ ذی الخویصرہ کے بعد آئے یہ تقاضہ نہیں کرتا کہ یقینی طور پر ذی الخویصرہ کے بعد آئے تو ان کو حدیث کا مصداق ٹھہرایا جائے۔ اور مؤلف کا طریقہ دلیل منطقیوں کی طرح ہے وہ اس طرح:

1 محمد بن عبدالوہاب بنو تمیم میں سے تھے

2 کچھ لوگ نبو تمیم کے ذی الخویصرہ کے بعد آئے

3 پس نتیجہ نکلا کہ محمد بن عبدالوہاب ذی الخویصرہ کے بعد آنے والوں میں سے تھے۔

پھر اس نتیجہ کو صغریٰ بنایا ایک اور قیاس کیلئے کہا جائے:

1 محمد بن عبدالوہاب ذی الخویصرہ کے بعد آئے۔

2 بعض وہ لوگ جو ذی الخویصرہ کے بعد آئے اس بخاری کی حدیث کے مصداق بنے (حالانکہ وہ خوارج کے بارے میں ہے)

3 پس محمد بن عبدالوہاب بخاری کے اس حدیث کے مصداق تھے (جو خوارج کے بارے میں ہے) حالانکہ جو منطق کا تھوڑا سا بھی علم رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ کلیہ کبریٰ جو کہ شکل اول کے نتیجہ کیلئے شرط ہوتا ہے دونوں قیاسوں میں وہ مفقود ہے اگر کلیہ کبریٰ قیاس کا مان لیا جائے تو کہا جائے گا کہ قیاس اول کا کلیہ کبریٰ بدیہی طور پر باطل ہے کیونکہ ہر وہ شخص جو بنی تمیم سے ہے وہ ذی الخویصرہ کے بعد نہیں ہے اسی طرح قیاس ثانی کا کلیہ کبریٰ بھی باطل ہے اس لیے کہ حدیث سے جزئیہ ثابت ہے تا کہ کلیہ کیونکہ لفظ "من" التبعیضیة اس پر دلالت کر رہا ہے جو کہ حدیث کے شروع میں موجود ہے۔

شیخ دحلان کا حدیثیں گھڑ کر حکم لگانے کی عادت:

شیخ دحلان: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو قتل کر دیا تو ایک شخص نے کہا اے اللہ تیرا شکر کہ تو نے ان لوگوں سے ہمیں راحت بخشی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر گز نہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان لوگوں میں وہ لوگ آئیں گے جو مردوں کی پیٹھ سے تو ہوں گے مگر عورتوں نے ان کو نہیں اٹھایا ہو گا اور یہ آخر زمانے میں آئینگے۔

شیخ بشیر: اس پر دو طرح کلام ممکن ہے۔

1 مؤلف نے اس کی سند بھی نہیں ذکر کی لہذا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

2 اگر بالفرض اسکو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس سے مراد شیخ اور ان کے متبعین ہیں۔

شیخ دحلان: ایک حدیث ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں بنی حنیفہ کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ مسیلمہ کذاب کی قوم تھی تو ان کے بارے میں کہا انکی وادی قیامت تک فتنہ کی وادی رہے گی اور ان میں مسیلمہ کذاب سے قیامت تک فتنہ رہے گا ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت میں ہے کہ ہلاکت ہو اور اس سے خلاصی نہ ہو۔

شیخ بشیر: اول۔ تو جو حدیث بطور استدلال پیش کر رہا ہے اسکو اسکی سند ضرور ذکر کرنی چاہیئے تاکہ پتہ چلے صحیح ہے یا نہیں ثقہ ہے غیر ثقہ ہے متصل ہے یا نہیں؟

دوم۔ اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس سے مراد شیخ ہیں کیونکہ شیخ کا تعلق بنی حنیفہ سے نہیں تھا بلکہ بنی تمیم سے تھا۔ بعض محققین نے الرد علی جلاء الغمہ نامی کتاب میں کہا ہے کہ اسکا جواب یہ ہے کہ شیخ بنی تمیم کے رئیس تھے بنی حنیفہ سے تعلق نہیں تھا اور بنو تمیم اسلام سے قبل بھی اور بعد بھی نجد کے رئیس اور سادات رہے ہیں۔

انہی لوگوں نے بنی حنیفہ سے قتال کیا تھا خالد کے ساتھ مل کر اور اس آزمائش میں بڑے احسن انداز سے پورے اترے۔

پھر اسکے بعد کہا اللہ فرماتا ہے:

﴿ الاعراب اشد کفرا و نفاقا الخ ﴾

"دیہاتی کفر اور نفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی مقرر کردہ حدوں کو سب سے زیادہ نہ سمجھنے والے ہیں اللہ علم حلیم ہے"۔

اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے ان لوگوں کی تعریف بھی کی جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔

﴿ ویتخذ ماینفق قربات عند اللہ ﴾

"پس جو شخص اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور مسیلمہ کی تکذیب کی اس پر ایمان نہ لائے تو وہ مومنین میں سے ہے"۔

﴿ وعد اللہ الذین ﴾

"اللہ نے مومنین اور مومنات سے وعدہ کیا ان جنتوں کا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور خوشگوار رہائش گاہیں جنات عدن میں ہوں گے اور اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے یہ بہت عظیم کامیابی ہے"۔

ابو بکر صدیق مقصد یہ ہے کہ جو مسیلمہ پر ایمان لائے اور اس کو پالیا جیسا کہ ابن النواحہ کے ساتھ ہوا۔

مگر اس کے بعد اس کی نسل اور اولاد جو مومن تھے وہ ان کی طرف نہیں جاتی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس بات سے مبرا تھے کہ وہ لوگوں کی عیب جوئی کرتے جو مسیلمہ پر نہ ایمان لائے اور نہ وہ اس کے زمانہ میں موجود تھے۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ اور ان کے اسلاف پہلے جاہلیت، شرک، بت پرستی میں تبلا تھے لہٰذا ان کے اسلاف کی وجہ سے عیب جوئی صحابہ پر نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ مشرکین، کفار میں سے اپنے خاص اولیا پیدا کرتا رہتا ہے جب پہاڑوں کے فرشتے نے آپ ﷺ سے یہ اجازات مانگی کہ میں ان طائف والوں کو جنہوں نے آپ ﷺ کو پتھر مارے تھے ریزہ ریزہ کر دوں تو آپ ﷺ وہ مشہور دعا کی۔

اور کہا (اے اللہ میں اپنی کمزوری اور عدم تدبیر اور لوگ جو مجھے پریشان کر رہے ہیں ان سب کا شکوہ تجھ سے کرتا ہوں کیونکہ تو ہی کمزور لوگوں کا رب ہے تو مجھے کن لوگوں کے سپرد کرے گا کسی ایسے آدمی کے سپرد کرے گا جو میرے ساتھ بد سلوکی سے پیش آئے گا۔ یا دشمن کے حوالے کرے گا جس کو تو میرے امور کا مالک بنا دے گا؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہ ہو تو مجھے پرواہ نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوائے اس کے کہ تیری عافیت میرے لیے وسیع ہے تجھے راضی کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔میں تیرے نور کی پناہ چاہتا ہوں کہ تیرا غصہ مجھ پر نازل ہو جائے۔یا مجھ پر تیرا غضب آجائے کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے یہ کہا تو فرشتہ نے اس سے اجازت مانگ لی (واپس جانے کی)، شاید ان کی پشت سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو عبادت کریں شرک نہ کریں)

جب یہ بات سمجھ آگئی تو یہ بھی سمجھ لیجئے کہ شیخ کا تعلق بنو حنیفہ سے ہر گز نہیں تھا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کلام کی وضاحت مقصود تھی جو ہم نے کر دی ہے۔ اگر بالفرض اگر کوئی بنی حنیفہ کا عالم اللہ کی طرف دعوت دیتا ہو تو اس میں کیا عیب ہے اور کس وجہ سے اس کو قابل مذمت سمجھا جائے کیا صرف اس وجہ سے کہ اس کی قوم کافر ہے جبکہ صہیب رضی اللہ عنہ الرومی، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، بلال بن ابی رباح رضی اللہ عنہ یہ سب افضل ترین لوگ تھے جبکہ ان کی قوم دنیا کی بدترین قوم تھی کیونکہ وہ اسلام سے دور تھے بلکہ رسول جتنے بھی آئے وہ افضل الخلق کہلائے جبکہ انکی قوم کے اکثر لوگوں نے انکی تکذیب کی اور وہ قابل مذمت ٹھہرے نوح علیہ السلام کے بیٹے کو آپ علیہ السلام کی رسالت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکا پیغمبر کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اسکو فلاح و سعادت نصیب نہیں ہو سکی، چنانچہ جو یہ اعتراض کرتا ہے کہ فلاں قوم قابل مذمت ہے لہٰذا اس میں آنے والا ہر شخص قابل مذمت ہے چاہے وہ کتنا ہی دیندار کیوں نہ ہو یہ انتہائی جہالت کی دلیل ہے۔ جلاء الغمہ کے رد میں ایک جگہ یوں جواب دیا گیا ہے کہ کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کسی مسلمان کا عیب یوں کیا ہے کہ اس کا تعلق فلاں قوم سے ہے۔ یا اس بات کو بطور عیب بیان کیا کہ اسکا تعلق فلاں ملک شہر سے ہے۔ مثلاً کسی کا تعلق مصر سے ہے جو کہ فرعون کا شہر تھا تو اس وجہ سے کسی مسلمان کو معیوب قرار دیا ہو۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے حالانکہ وہ ابو جہل کے بیٹے تھے۔ اس سے بھی تعجب خیز بات یہ ہے کہ ایک مسلمان اور مسلمان کے بیٹے پر طعن و تشنیع کی جائے۔"فمالهؤلاء القوم الخ" (اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ بات کو نہیں سمجھتے)

یہ بات ان کی ذہنی غلاظت پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے ایک ایسے لوگوں کی عیب جوئی شروع کر دی۔ جن کو اللہ نے ایمان کی دولت اور رسول ﷺ کی اتباع کی ایسے شہر میں سعادت بخشی جہاں اللہ کے ساتھ کفر کیا جاتا تھا اور غیر اللہ کی عبادت کی جاتی تھی۔ حالانکہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ ابراہیم خلیل اللہ کا شہر حران، بے دین، مشرکین اور ستارہ پرستوں کا شہر تھا اور یوسف علیہ السلام اور فرعون کا ملک ایک ہی تھا اور اسی ملک میں موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے بعد میں سکونت اختیار کی اسی طرح مکہ مکرمہ جہاں مشرکین سکونت پذیر تھے اور انہوں نے کعبہ میں بت نصب کر رکھے تھے۔ اپنے نبی ﷺ کو اس شہر سے نکلنے پر مجبور کر دیا کئی مرتبہ آپ ﷺ سے قتال بھی کیا تو کیا ان باتوں کی وجہ سے کوئی مسلمان خواہ وہ عاقل ہو یا جاہل ان مہاجرین پر تنقید کرنا جائز سمجھتا ہے جن کے سلف مکہ میں شرک کرتے تھے؟

کسی قوم کے کفر کی بناء پر مسلمان کی مذمت جہالت ہے:

شیخ دحلان: مشکوٰۃ میں ایک حدیث ہے کہ ایک قوم آئے گی جو تمہیں ایسی حدیثیں سنائیگی جو نہ تم نے اور نہ تمہارے آباء و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اجداد نے سنی ہو نگی۔ ایسے لوگوں سے بچو کہیں تمہیں گمراہی اور فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں۔

شیخ بشیر: مشکوۃ میں الفاظ اس طرح ہیں عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ ﷺ آخر زمانہ میں کئی جھوٹے دجال آئیں گے اور وہ ایسی احادیث سنائیں گے جو نہ تم نے اور تمہارے آباء نے سنی ہو نگی تم ان سے اجتناب کرو کہیں تمہیں گمراہ اور فتنہ مبتلا نہ کر دیں (مسلم)

ابو ھانی سے مسلم میں روایت کے الفاظ یوں ہیں عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ انہ قال: میری آخر امت میں کچھ لوگ آئیں گے جو تمہیں ایسی احادیث سنائیں گے جو نہ تم نے اور نہ تمہارے آباء نے سنی ہو نگی ان سے بچو۔

شراحیل بن یزید کی روایت یوں ہے قال رسول اللہ ﷺ آخر زمانہ میں جھوٹے دجال آئیں گے ایسی حدیثیں لائیں گے جو تم نے اور نہ تمہارے آباء نے سنی ہو نگی ایسے لوگوں سے بچو کہیں تمہیں گمراہ اور فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں۔

ان مختلف روایات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مؤلف کی نقل کردہ روایت کے الفاظ نہ تو مشکوۃ کے موافق ہیں اور نہ ہی المصابیح کے اور نہ ہی مسلم کے اور اسکے ساتھ ساتھ یہ تصور محال ہے کہ ان روایات سے مراد شیخ رحمہ اللہ اور ان کے متبعین ہیں کیونکہ ان احادیث سے ایسے لوگ مراد ہیں جو جھوٹی روایات اور احکام باطلہ اور اعتقادات فاسدہ وضع کرتے ہوں گے جبکہ شیخ رحمہ اللہ تو سلف صالحین کے طریقے پر گامزن رہے جیسا کہ شیخ کی کتب سے یہ بات بخوبی عیاں ہے۔

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ کے سبب نزول میں لاعلمی:

شیخ دحلان: بنو تمیم کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ﴾ (الحجرات:۴)

”جو لوگ آپ ﷺ کو حجرے کے پیچھے سے پکارتے ہیں“۔

شیخ بشیر: یہ آیت بنی تمیم کے چند سخت مزاج لوگوں کے بارے میں اتری تھی اسکا یہ مطلب نہیں کہ اسمیں بنو تمیم کے تمام لوگوں کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ انکی تعریف بھی کی گئی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

شیخ دحلان: اور ان ہی کے بارے میں:

﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ﴾ (الحجرات:۲)

”تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو“۔

اتری تھی۔

شیخ بشیر: یہ آیت بنی تمیم کے بارے میں نہیں بلکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری تھی جیسا کہ بخاری میں ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ قریب تھا دو بہترین لوگ ہلاک ہو جاتے (یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ)

کیونکہ انکی آوازیں اللہ کے رسول ﷺ کی موجودگی میں بلند ہو گئی تھیں جب بنی تمیم کا ایک قافلہ آپ ﷺ کے پاس آیا تو ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا دوسرے نے کسی دوسرے شخص کیطرف (نافع کہتے ہیں میں اسکا نام بھول گیا) جس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو کہا تمہارا مقصد میری مخالفت کرنا ہے تو انہوں نے جواب دیا میرا مقصد آپ کی مخالفت ہرگز نہیں تھا جس پر ان دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾ (الحجرات: ۲)

"اے ایمان والوں اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو"۔

ابن الزبیر کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کوئی بات رسول اللہ سے سمجھے بغیر نہیں سناتے تھے۔

اگر ان آیات کے نزول کا مقصد مذمت ہو جیسا کہ مؤلف کا کہنا ہے تو پھر نعوذ باللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی مذمت ہوئی جبکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔

شیخ دحلان: السید العلوی الحداد کہتے ہیں کہ بنی تمیم، بن حنیفہ اور وائل کی مذمت میں بہت سے دلائل ہیں۔

شیخ بشیر: بنو تمیم کے بارے میں جو مذمت آئی ہے وہ اور اسکا جواب اور انکی جو تعریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی وہ پہلے بیان ہو چکا۔ البتہ بنو حنیفہ کے بارے میں عمران بن حصین کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین قبیلوں سے کراہیت کرتے تھے۔ ثقیف، بنی حنیفہ، بنی امیہ۔ (رواه الترمذی وقال حدیث غریب لانعرفه الا من هذا الوجه)

اس میں بھی بنی حنیفہ کے تمام افراد کی مذمت ثابت نہیں ہوتی ثمامہ بن اثال کی حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کو دنیا و آخرت یا جنت یا تمام گناہوں کے مٹنے کی اسکو خوشخبری دی جبکہ ان کا تعلق بن حنیفہ سے تھا۔ وائل قبیلہ کے بارے میں مؤلف نے کوئی دلیل ذکر نہیں کی اور نہ ہی مجھے مل سکی۔

شیخ دحلان: نبی علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ میں ابتدائے رسالت میں اپنے آپکو مختلف قبائل کے سامنے پیش کرتا تھا مجھے بنی حنیفہ سے زیادہ بدترین جواب کسی اور نے نہیں دیا۔

شیخ بشیر: اس میں کئی طرح سے کلام ہے۔

1 ان سے اس کی سند کا مطالبہ ہے کہ سند پیش کریں۔

2 شیخ کا تعلق بنی حنیفہ سے نہیں بلکہ بنی تمیم سے تھا۔

3 اگر بالفرض یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے تو بھی اس سے بنی حنیفہ کے تمام افراد کی مذمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ صرف ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا تھا۔

شیخ دحلان: بعض علماء کے بارے میں جو یہ آتا ہے کہ انہوں نے شیخ کی تحسین کی تھی کہ انکی وجہ سے دیہاتی نماز کے پابند ہو گئے، فواحش ظاہر و باطنہ سے رک گئے تھے، ڈاکہ زنی چھوڑ دی تھی اور یہ لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے تھے وغیرہ یہ سب غلط مشہور کر دیے گئے کیونکہ جن علماء نے انکی تحسین کی یہ اس زمانہ کی بات ہے جب تک انہیں ان کے کرتوت کا علم نہیں ہوا تھا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے کہ کس طرح انہوں نے ۶۰۰ھ کے بعد والوں کو کافر قرار دیا اور علماء کی کتابیں جلائیں، بہت سارے علماء، عوام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وخواص کو قتل کیا ان کے مال خون کو حلال سمجھا، اللہ کے بارے میں عقیدہ تجسیم کو عام کیا اور اسکو عام کرنے کیلئے کس طرح وہ دروس کا اہتمام کرتے تھے۔ انبیاء، اولیاء اور نبی علیہ السلام کی تنقیص کرتے، انکی قبریں تک مسمار کر دیں، احساء جہاں اولیاء کی قبریں تھیں قضاء حاجت کی جگہوں میں تبدیل کر دیا، دلائل الخیرات کو پڑھنے سے منع کیا، بہت سارے وظیفوں سے منع کیا، آپ ﷺ کی میلاد منانے اور اذان سے پہلے اور بعد آپ ﷺ پر درود پڑھنے سے منع کیا، اور جو یہ کام کرتا اسکو قتل کروادیتے اور اپنی لغویات کو نبی علیہ السلام کا کلام قرار دیتے، نماز کے بعد دعا مانگنے سے منع کرتے، اور زکوۃ اپنی خواہشات کی تکمیل میں تقسیم کرتے اور کہتے کہ اسلام صرف وہ ہے جو یہ کہتے ہیں، اور مخلوق ساری، مشرک ہے اور اپنی مجالس میں انبیاء اولیاء، ملائکہ کے وسیلہ سے منع کرتے اور اس کو کفر قرار دیتے اور گمان کرتے کہ جس نے کسی کو یا مولانا اور سیدنا کہدیا وہ کافر ہے جبکہ وہ قرآن میں یحیٰ علیہ السلام کو "سید" کہنے کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور آپ ﷺ کے اس قول کی طرف توجہ نہیں کرتے آپ ﷺ نے انصار کو کہا "قوموا سید کم" یعنی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کیلئے کھڑے ہو جاؤ جو تمہارے سردار ہیں اور نبی علیہ السلام کی زیارت سے منع کرتے، اور آپکو عام انسانوں کی طرح فوت شدہ تصور کرتے، علم النحو، لغت، فقہ کا انکار اور انکی تعلیم کو بدعت کہتے وغیرہ جب ان علماء کو ان کے مذکورہ کرتوت کا علم ہوا تو انہوں نے ان کی مذمت کی۔

شیخ بشیر: اس بات کو "غلط" کہنا کہ علماء نے شیخ کی تحسین کی تھی یہ خود ایک تعجب خیز بات ہے کیونکہ بدویوں کو نماز کیلئے جمع کرنا، فواحش سے روکنا، ڈاکہ زنی سے لوگوں کو روکنا، لوگوں کو توحید کی دعوت دینا وغیرہ یہ ایسے امور ہیں جن کو کوئی مسلمان غلط نہیں کہہ سکتا۔ رہی بات اس تنقید کی جو شیخ پر کی گئی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ کھلم کھلا بہتان ہیں۔ مثلاً یہ کہ شیخ نے ۶۰۰ھ کے بعد آنے والے سب لوگوں کو کافر قرار دیدیا تھا، بہت سی کتابیں جلادی تھیں، بہت سارے علماء، عوام وخواص کو قتل کیا، اور ان کے مال، خون کو مباح سمجھا اور یہ کہ تجسیم (اللہ کیلئے انسانوں کی طرح جسم ثابت کرنا) کا عقیدہ پھیلاتے تھے، نبی علیہ السلام اور باقی انبیاء مرسلین کی تنقیص کرتے تھے اور انکی قبروں کو مسمار کر دیا اور انکی جگہ بیت الخلاء بنوا دیئے تھے، اور دلائل الخیرات کتاب پڑھنے پر قتل کر دیتے تھے۔ لوگوں کو ذکر واذکار وظائف سے منع کرتے تھے۔

لفظ سید اور مولیٰ کہنے میں ممانعت اور رخصت کا بیان:

کسی کیلئے "مولانا" "سیدنا" کے الفاظ استعمال کرنا۔ تو اس بارے میں یہ روایت ثابت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ کوئی یہ بھی نہ کہے میرا بندہ تم سب اللہ کے بندے ہو مگر تم یہ کہو میرا نوجوان اور کوئی یہ بھی نہ کہے میرا رب بلکہ "سیدی" کہو ایک روایت میں ہے کہ تم اپنے سید "مالک" کو مولای نہ کہو ابو معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ کیونکہ تمہارا مولا اللہ ہے ایک روایت میں ہے یہ نہ کہو "ربی" (میرا مالک) بلکہ سیدی ومولائی کہا کرو۔ اور کوئی یہ نہ کہا کرے "عبدی وامتی" بلکہ فتای، فتاتی کہا کرو

ابوداؤد میں مطرف سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میرے والد نے کہا میں بنی عامر کے وفد میں شامل ہو کر نبی علیہ السلام کے پاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گیا تو ہم نے آپ ﷺ کو "سیدنا" کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا "سید تو اللہ ہے" تو ہم نے کہا آپ ﷺ ہم سب سے افضل اور سب سے عظیم ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ بات کہدیا کرو۔ یا راوی نے کہا کہ کچھ بات کہدیا کرو۔ اور تمہیں شیطان غلط راہ پر نہ ڈال دے۔

ابو داؤد میں عبداللہ بن بریدہ سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا منافق کو "سید" نہ کہا کرو اگر وہ سید ہوگا بھی تو تم اپنے رب کو ناراض کر دو گے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام نے علی الاطلاق لفظ سید اور مولا کہنے سے منع بھی فرمادیا اور رخصت بھی دیدی ان روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ لفظ سید اور مولیٰ کے کئی معانی ہیں تو اسی لحاظ سے ممانعت اور رخصت ہے۔

نہایہ میں لفظ "سید" کے مادہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ سید رب، مالک، شریف، فاضل، کریم، حلیم، قوم کی تکالیف اٹھانے والے، جوڑا، رئیس، آگے بڑھنے والے کو کہتے ہیں۔

اور لفظ "ولی" کے مادہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا یہ ایک ایسا اسم ہے جس کا اطلاق بہت سارے معانی پر ہوتا ہے مثلاً الرب، المالک، السید، لمنعم، المعتق (آزاد کرنے والا)، الناصر، المحب، التابع، پڑوسی، چچا کا بیٹا، حلیف، سسر، بندہ، وغیرہ

جہاں المولیٰ بمعنی الرب کے اس کا استعمال غیر اللہ کے لیے منع ہے مگر جب دوسرے معنی مراد ہوں جن کا اوپر بیان آچکا ہے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں لہٰذا شیخ کیسے ان الفاظ کو ان معانی کے طور پر استعمال سے منع کر سکتے تھے۔ چنانچہ شیخ نے کتاب التوحید میں اسی عنوان کے تحت ایک باب باندھا کہ "باب لایقول عبدی و امتی" نہیں کہنا چاہیے (میرا بند، میری لونڈی) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح مسلم والی روایت ذکر کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "ولیقل سیدی و مولای" بلکہ یوں کہو میرا مالک وغیرہ ان الفاظ سے صراحتاً واضح ہوتا ہے کہ لفظ سید اور مولیٰ کا اطلاق دیگر معانی میں جائز ہے۔

مؤلف کا یہ کہنا کہ یہ اللہ کے اس قول کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ اللہ نے یحییٰ علیہ السلام کو قرآن میں "سیدا" کہا ہے اور نبی ﷺ نے انصار کو کہا "قوموا لسیدکم"۔

یعنی سعد بن معاذ کیلئے تو اس میں دو طرح سے کلام ہے۔

1 حدیث کے الفاظ "الی سیدکم" ہیں نہ کہ "لسیدکم" مؤلف نے اس حدیث کو نقل کرنے میں غلطی کی ہے اور مؤلف کی یہ پہلی غلطی نہیں ہے بلکہ اس جیسی وہ پہلے بھی بہت غلطیاں کر چکے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ مؤلف اس کام کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔

2 اللہ نے یحییٰ علیہ السلام کیلئے قرآن میں جو "سیدا" کا لفظ استعمال کیا اور آپ ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کیلئے "قوموا الی سیدکم" کہا تو ان دو جگہوں پر الرب کے معنی میں نہیں ہے۔ شیخ نے جس لفظ سید کا غیر اللہ کیلئے استعمال منع کیا ہے وہ بمعنی الرب سے کیا ہے۔ لہٰذا قرآن کی آیت اور حدیث شیخ کے قول کی نفی نہیں کرتی۔ لہٰذا شیخ پر بلاوجہ تنقید کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ بات جان لینی چاہیے کہ لفظ سید سورۃ یوسف میں بھی آیا ہے۔ "والفیا سیدھا لدی الباب" اور بہت ساری احادیث میں بھی یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت۔ وہ کہتے ہیں میں آپ ﷺ سے سنا کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اور وہ چھا جائے گا رعایا کے متعلق اسی میں یہ الفاظ بھی ہیں خادم اپنے "سید" مالک کے مال کا مسئول ہے۔ دوسری ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا میں آدم کی اولاد کا سید "سردار" ہوں۔ (مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں یوں ہے کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی تجھے سید نہیں بنایا، تجھے جوڑا بنایا۔ (مسلم)

ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سید ہوں گا مگر اس پر فخر نہیں ہے۔ (ترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ابو بکر ہمارے "سید" او سب سے بہتر اور سب سے زیادہ آپ ﷺ کو محبوب تھے۔ (ترمذی)

انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ شروع لیکر آخر تک کے بوڑھے لوگوں کے (سید سردار) ہوں گے سوائے انبیاء ورسل کے۔ (ترمذی)

ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے میں نے آپ ﷺ کو منبر پر دیکھا اور حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ آپ کے ایک جانب تھے کبھی آپ ﷺ لوگ کی طرف منہ کرتے اور کبھی ان کی طرف اور فرماتے میرا یہ بیٹا سردار ہے (بخاری) ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں جنتی نوجوانوں کے "سید" سردار ہیں۔ (ترمذی)

عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ ہم سب ازواج النبی ﷺ آپ ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اے فاطمہ رضی اللہ عنہا کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تم تمام جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ (متفق علیہ)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بے شک آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا بندہ جب اپنے "سید" (مالک) کا خیر خواہ ہو اور اللہ کی عبادت بھی بہتر ین کرتا ہو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے (متفق علیہ) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا بہترین غلام وہ ہے جب وہ فوت ہو تو اللہ کی بہترین عبادت اور اپنے مالک کی اطاعت کرنیوالا ہو تو یہ بہترین ہے۔ (متفق علیہ)

اسی طرح لفظ مولیٰ بھی بہت ساری مرویات میں آیا ہے مثلاً براء بن عازب کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے حدیبیہ والے دن تین شرائط پر صلح کی اس میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے زید کو کہا "انت اخونا و مولانا" تم ہمارے بھائی اور مولیٰ ہو۔

محمد بن عبد الوہاب کا تمام تنقیدوں کا جواب:

الزامات:۔

1 نبی علیہ السلام کی میلاد پڑھنے والوں اور آپ ﷺ پر آذان سے پہلے اور بعد میں مینار پر چڑھ کر درود پڑھنے پر قتل کر دیتے تھے۔

2 اپنے کلام کو نبی ﷺ کا کلام قرار دیتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

3 زکاۃ اپنی خواہشات سے تقسیم کرتے تھے۔

4 یہ کہ اسلام صرف اس کو سمجھتے جس پر یہ لوگ چل رہے تھے اور باقی مخلوق کو مشرک سمجھتے تھے۔

5 انبیاء، رسل، اولیاء کے وسیلہ کو کفر قرار دیتے تھے۔

6 مولانا، سیدنا کہنے پر کافر قرار دیتے تھے۔

7 نبی علیہ السلام کی زیارت سے روکتے تھے اور آپکو تمام فوت شدہ لوگوں کی طرح سمجھتے تھے۔

8 علم النحو، لغت، فقہ کا ان کار اور انکی تدریس کو بدعت سمجھتے تھے وغیرہ۔

اس تمام طعن و تشنیع کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ سب بہتان عظیم ہے اور شیخ کا یہ نظریہ ہرگز نہیں تھا" سبحانك هذا بهتان عظيم " رہا مسئلہ دلائل الخیرات نامی کتاب کے پڑھنے کا تو اسکا جواب شیخ نے خود اس خط میں دیا ہے جو عبد الرحمٰن بن عبد اللہ کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ تھے کہ

1 جہاں تک دلائل الخیرات معاملہ ہے تو میں نے ان تمام لوگوں کو جنہوں نے میری نصیحت قبول کی ہے کہا ہے کہ ان کے دل میں کتاب اللہ سے زیادہ جلیل کوئی اور کتاب نہیں ہونی چاہیے جس کی قرات کو کتاب اللہ سے زیادہ جلیل سمجھتا ہو۔

2 رہی بات جلانے اور آپ ﷺ پر درود سے روکنے کی تو یہ ہر لحاظ سے بہتان ہے۔

3 رہا مسئلہ میلاد پڑھنے کا تو اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ بدعت ہے اور اس کی ممانعت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

4 اسی طرح آپ ﷺ پر آذان کے بعد میناروں پر چڑھ کر درود پڑھنا بھی بدعت ہے۔ چونکہ منکرات وبدعات کو روکنا احادیث کی رو سے واجب ہے۔ جس کی بنا پر شیخ اس سے منع کرتے تھے۔

5 نماز کے بعد دعا اگر ان الفاظ کے ساتھ ہو جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور بغیر ہاتھ اٹھائے کی جائے تو جائز ہے جیسا کہ صحیحین مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد کہتے تھے (لا الہٰ الا اللہ) (اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اس کا کوئی شریک بھی نہیں ہے وہ اکیلا ہے ہر چیز اسکی ملکیت ہے اسی کیلئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ جس کو تو دے کوئی روکنے والا نہیں جس کو تو منع کردے اسکو دینے والا کوئی نہیں۔

نماز کے بعد ذکر اذکار:

اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے بچوں کو یہ الفاظ سکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نمازوں کے بعد ان کلمات کے ذریعے پناہ پکڑتے تھے "اے اللہ میں بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں، بزدلی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور ذلیل عمر سے تیری پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنوں سے اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔ (بخاری)

اور سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے بچوں کو یہ الفاظ سکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نمازوں کے بعد ان کلمات کے ذریعے پناہ پکڑتے تھے "اے اللہ میں بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں، بزدلی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور ذلیل عمر سے تیری پناہ مانگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitabpSunnat.com

ہوں دنیا کے فتنوں سے اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔ (بخاری)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب صبح کی نماز پڑھتے تو سلام پھیر کر یہ دعا پڑھتے تھے "اے اللہ میں تجھ سے فائدہ دینے والا علم، خوشگوار رزق، قبول ہونے والے اعمال مانگتا ہوں"۔ (ابن ماجہ)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا "اے اللہ میری مدد کر اپنے ذکر، شکر، بہترین عبادت کرنے پر"۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

یہ تمام روایات میں نے المنتقی "بلوغ المرام" سے نقل کی ہیں شیخ اور انکے متبعین ان سے بالکل منع نہیں کرتے تھے۔

ماثورہ عبادات میں اذکار جس طرح وارد ہوئے اسی طرح کرنے چاہئیں:

زید بن ارقم کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اسکا مولا ہے۔ (احمد، ترمذی)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب غدیر خم نامی جگہ اترے تو اسمیں یہ الفاظ بھی کہے اے اللہ جسکا میں مولا ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اسکا مولا ہے اے اللہ تو بھی اسکو اپنا ولی بنا جو ان کو اپنا ولی بنالیتا ہے اور تو بھی دشمنی رکھ جو ان سے دشمنی رکھتا ہے عمر رضی اللہ عنہ کی ان سے ملاقات ہوئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو کہا اے ابن ابی طالب آپکو مبارک ہو آپ ہر مومن اور مومنہ کے مولیٰ بنادیئے گئے ہیں۔ (احمد)

اس سے پتہ چلا لفظ (سید، مولیٰ) کا جب معنی رب مراد نہ ہو تو اسکا اطلاق انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین پر جائز ہے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں لیکن نماز میں تشہد پڑھتے ہوئے لفظ مولانا کا اضافہ کرنا یہ جائز نہیں جیسا کہ اہل الحرمین کرتے ہیں اسی طرح آذان میں اشہد ان محمد کہتے ہوئے لفظ مولیٰ زائد کرنا یہ بھی ناجائز ہے جیسا کہ بیت المقدس میں لوگ کرتے ہیں۔ اسی طرح نماز میں درود شریف پڑھتے ہوئے ان الفاظ کا اضافہ کرنا بھی بدعت ہے اور اس سے منع کرنا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کیونکہ تشہد، آذان، درود کے الفاظ جس طرح منقول ہیں اسی طرح پڑھنے چاہئیں اس میں کمی بیشی کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کی تائید براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جب تم بستر پر آجاؤ تو پہلے نماز جیسا وضوء کرو پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ کر یہ کہو۔

"اے اللہ میں نے اپنا نفس تیرے سامنے جھکا دیا۔ اور اپنے معاملات تیرے سپرد کر دیئے۔ اور اپنی کمر تیری طرف جھکا دی۔ ڈر اور امید کی وجہ سے تیرے علاوہ کسی سے نہ التجاء کی جاسکتی ہے۔ اور نہ مشکلات سے نجات مل سکتی ہے۔ میں تیری کتاب جو تو نے اتاری اور اس نبی پر جو تو نے بھیجا ایمان لے آیا"

آپ ﷺ نے فرمایا اس حال میں اگر تو فوت ہو گیا تو فطرت اسلام پر فوت ہوگا۔ لہٰذا آخری کلمات یہی ہونا چاہیے تو میں نے کہا کیا آپ ﷺ نے "وبرسولك الذی ارسلت" کے الفاظ کہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ "وبنبیك الذی ارسلت" کہا تھا۔ (بخاری)

www.kitabosunnat.com

99-جے ماڈل ٹاؤن-لاہور
25165

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ دحلان: پھر سید علوی حداد نے اپنی اس کتاب میں جس کا ذکر پہلے آچکا کہا جس کا حاصل یہ ہے ہم نے محمد بن عبدالوہاب کے اقوال، افعال کی تحقیق کی ہے تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ قواعد اسلامیہ سے نکلے ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ لوگوں کے مال کو لوٹنا حلال سمجھتے تھے۔ حالانکہ اسکی حرمت دین سے واضح طور پر ثابت ہے۔ اور یہ انبیاء کی تنقیص بھی کرتے تھے۔ حالانکہ انبیاء، اولیاء، صالحین کی عمداً تنقیص کرنا کفر ہے۔ اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہو چکا ہے۔

شیخ بشیر: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب محض بہتان ہے۔

فال کی شرط یہ ہے کہ وہ بلا ارادہ ہو:

شیخ دحلان: شہر میں ایک عالم جنکا نام شیخ عبدالجبار تھا جبکہ لوگ ان کو زبیر کہتے تھے اس شہر کی مسجد کے امام تھے دو اشخاص کا اس فرقہ کے متعلق مباحثہ ہو گیا یہ بات ابراہیم پاشا کے دور کی بات ہے جس نے اس فرقہ کے لوگوں کو خوب مارا تھا تو ایک نے کہا ایک مرتبہ پھر وہی دین جو محمد بن عبدالوہاب نے پھیلایا تھا واپس آجائے گا اور وہی حکومت پھر آئے گی دوسرے نے کہا ان کا دین دوبارہ نہیں آسکتا اور جن بدعات پر ان کا عمل تھا اسکا دور دوبارہ نہیں آسکتا پھر ان دونوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ صبح مسجد جاکر فجر کی نماز پڑھتے ہیں اور نماز میں پڑھی جانے والی سورۃ سے فال نکالیں گے کہ آئندہ انکی حکومت آئے گی یا نہیں۔ چنانچہ وہ شیخ عبدالجبار کے پیچھے نام پڑھنے کھڑے ہوئے تو انہوں نے فاتحہ کے بعد یہ پڑھنا شروع کر دیا "وحرام علی قریتہ الخ" اور یہ حرام ہے کہ جس بستی کو ہم ہلاک کر دیں وہ دوبارہ واپس آجائے۔ یہ سنکر دونوں کو بڑا تعجب ہوا اور اس سے انہوں نے یہ فال لیا کہ وہ دوبارہ واپس نہیں آسکتے۔

شیخ بشیر: فال کی شرط یہ ہے کہ آپکا ارادہ ہو اس کا نہ ہو اس بات پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دلیل ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "نحوست کا عقیدہ غلط ہے جبکہ فال لینا بہتر ہے تو صحابہ نے پوچھا فال کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کوئی خیر کا کلمہ جو وہ سن لے"۔ (متفق علیہ)

انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ جب آپ ﷺ نکلیں تو یہ الفاظ سن لیں (یا راشد، یا نجیح "اے ہدایت پانے والے، اے کامیاب ہونے والے")۔ (ترمذی)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں کہ شریعت میں "الطیرۃ" برے نتائج اخذ کرنے اور "الفال" اچھے نتائج اخذ کرنے کو کہتے ہیں اور فال کی شرط یہ ہے۔ انسان نے اس کا ارادہ پہلے سے نہ کیا ہو ورنہ وہ "الطیرۃ" میں شامل ہو جائے گا اسی وجہ سے جو لوگ قرآن، کتب، صالحین سے فال نکالتے ہیں یہ فال نہیں کہلائے گا بلکہ یہ طیرۃ ہے اور یہ شرک اور حرام ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

معرکہ حق و باطل

ازل سے ہے اور تا ابد رہے گا اور اس معرکے میں فیصلہ کن بنیاد دلائل کی رہی ہے اور رہے گی۔ اللہ نے قرآن مجید میں اپنے رسول ﷺ سے فرمایا تھا کہ ان مخالفین سے کہو کہ: ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین (البقرہ: 111) اپنی سچائی اور حقانیت کو دلائل سے ثابت کرو۔ اسلام کی تعلیم ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ جو بات کریں دلائل سے کریں اور مخالف کے دلائل پر غور کریں۔

مگر مذہب کی دنیا میں اکثر ایسا بھی ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے کہ دلائل کے بجائے الزامات اور بہتان تراشیوں کو زیادہ اہمیت دی گئی یا دی جاتی ہے، جو حق و باطل کے فیصلے کے بجائے باہمی ذاتی نزاع یا مسلکی مقاصد کا ساخسانہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال شیخ دحلان کی کتاب ہے جو شیخ دحلان نے اپنے مسلک کے ثبوت کے لیے تصنیف کی تھی جس کا جواب شیخ بشیر سہسوانی ؒ نے دیا تھا، یہ کتاب قرآن، حدیث، آثار، اقوال اور عقلی دلائل پر مشتمل ہے۔ جس میں شیخ دحلان کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی ؒ پر تکفیر کا الزام اور شیخ کی طرف سے اس کی مکمل تردید بھی اس کتاب میں شامل ہے۔

امید ہے کہ منصف مزاج قاری اور تشنگانِ علوم دین، حق و باطل میں مدلل مباحثہ کے شائق علماء اور عوام اس کتاب سے استفادہ کریں گے۔ بشرطیکہ خالی الذھن ہو کر اس کا مطالعہ کیا جائے۔ اور پہلے سے ذھن میں کوئی رائے قائم نہ رکھی گئی ہو۔ کتاب پڑھنے کے بعد دلائل کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے کہ حق کیا ہے، باطل کیا ہے۔

کتاب کا عربی نام "صيانة الانسان عن وسواس شيخ دحلان" ہے۔ جس کا اردو نام "اظہارِ حق" رکھا گیا ہے اس امید کے ساتھ کہ یہ کتاب حق کے غلبہ اور باطل کی شکست کا اہم ذریعہ ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ